

جمال الیوم

فی شرح

جلال الیوم

جلد ششم

الشیخ عبد الرحمن بن ربیع بکر جلال الدین السیوطی ۵۹۱۴ھ

شرح

حضرت مولانا محمد جمال بک شہری

استاذ دارالعلوم دیوبند

مکرم پبلشرز

جدید ترین و سب سے زیادہ
کثرت یافتہ نسخہ

جمالین

فی شرح

جلالین

جلد ششم

المشیر عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی ۵۹۱۴ھ

شاح

حضرت مولانا محمد جمال بنکد شہری

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کلکتہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

”جمالین“ فیض ”جلالین“ کے جملہ حقوق اشاعت و طباعت پاکستان میں صرف مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشرز کراچی کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زمزم پبلشرز کو قانونی چارہ جوئی کا مکمل اختیار ہے۔

از

حضرت مولانا محمد جمال بک شہری

اس کتاب کا کوئی حصہ بھی زمزم پبلشرز کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذریعے بشمول فوٹو کاپی برقیاتی یا میکینیکی یا کسی اور ذریعے سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔
زمزم پبلشرز کراچی

ملنے والے پکڑ پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726508
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- مکتبہ علمیہ، علوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

Madrassah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786-1750
Azaadville South Africa
Tel : 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton B11 3NE
U.S.A
Tel/Fax : 01204-389080

AL FAROOQ INTERNATIONAL
88, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

کتاب کا نام ————— جمالین فیض جلالین جلد ششم

تاریخ اشاعت ————— فروری ۲۰۱۰ء

باہتمام ————— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ————— زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینئر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-32760374

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: zamzampublishers.com





الشیخ محمد جمال القاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند (الہند)

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جملہ لیں کے حقوق اشاعت و طباعت باہمی ایک
سابقہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیع بن عبد المجید صاحب
زمزم پبلشر کراچی کو دیدے گئے ہیں، لہذا پاکستان میں کوئی شخص
یا ادارہ جمالین کے کل یا جزئی اشاعت و طباعت کا مجاز نہ ہوگا
بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا

محمد رفیع

استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۸ دسمبر ۲۰۰۳ء ۵۰۰ / ۲۵۰

فہرست مضامین جلد ششم

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۸۲	صلح حدیبیہ کا واقعہ اجمالاً:.....		سورۃ احقاف
۸۳	واقعہ حدیبیہ کی تفصیل اور تاریخی پس منظر:.....	۲۷	یہاں شاہد سے کون مراد ہے؟.....
۸۴	اہل مکہ کی مقابلہ کے لئے تیاری:.....	۳۲	شان نزول:.....
۸۴	خبر رسانی کا سادہ مگر عجیب طریقہ:.....	۳۳	قریش کا عوام الناس کو بہکانے کا ہتھکنڈہ:.....
	عروہ بن مسعود سفارت کار کی حیثیت سے	۳۳	تکبر اور غرور، عقل کو بھی مسخ کر دیتا ہے:.....
۸۵	آپ ﷺ کی خدمت میں:.....	۳۴	استقامت علی التوحید کا مفہوم:.....
	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارتی مہم پر روانگی اور آپ	۳۵	والدہ کی خدمت کی زیادہ تاکید کیوں؟.....
۸۵	ﷺ کا قریش کے نام پیغام:.....	۳۵	شان نزول:.....
	قریش کے ستر آدمیوں کی گرفتاری اور	۳۶	اکثر مدت حمل اور مدت رضاعت میں فقہاء کا اختلاف:
۸۶	آپ کی خدمت میں پیشی:.....	۳۶	ربط آیات:.....
۸۷	بیعت رضوان کا واقعہ:.....	۳۶	جنات کے قرآن سننے کا واقعہ:.....
	گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد جو صلح نامہ لکھا گیا	۳۹	جنات میں سے کوئی رسول نہیں:.....
۸۸	اس کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:.....		سورۃ قتال
	شرائط صلح سے عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی	۵۷	جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:.....
۸۸	ناراضی اور رنج:.....	۵۸	مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:.....
۸۹	ایک حادثہ اور پابندی معاہدہ کی بے نظیر مثال:.....	۶۴	کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت:.....
۹۰	احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا:.....	۶۴	شان نزول:.....
۹۰	معجزے کا ظہور:.....	۶۹	شان نزول:.....
	صحابہ کے ایمان اور اطاعت رسول کا ایک اور امتحان اور	۷۱	صلہ رحمی کی سخت تاکید:.....
۹۱	صحابہ کی بے نظیر قوت ایمانی:.....		سورۃ فتح
۹۱	وفاء عہد کا دوسرا بے نظیر واقعہ:.....	۸۲	سورت کا نام:.....
۱۰۰	صحابہ کے لئے سند خوشنودی:.....		

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۱۲۵	پہلا واقعہ:	۱۰۰	صحابہ کرام پر زبان طعن و تشنیع بدبختی ہے:
۱۲۶	بعض القاب کا استثناء:	۱۰۱	شجرہ رضوان:
۱۲۷	ظن حرام:	۱۰۱	فتح خیبر:
۱۲۷	ظن واجب:	۱۰۵	شان نزول:
۱۲۸	ظن مباح:	۱۰۶	صحابہ رضوانہ علیہم السلام کے فضائل:
۱۲۸	ظن مستحب:		سورۃ حجرات
۱۲۹	شان نزول:	۱۱۳	شان نزول:
۱۲۹	شان نزول:	۱۱۵	زمانہ نزول:
۱۳۰	اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟		علماء دین اور دینی مقتداؤں کے ساتھ بھی یہی
	سورۃ ق	۱۱۵	ادب ملحوظ رکھنا چاہئے:
۱۳۵	سورۃ ق کی خصوصیات:	۱۱۶	شان نزول:
۱۳۵	سورۃ ق کی اہمیت:	۱۱۶	حجرات امہات المومنین:
۱۳۵	کیا آسمان نظر آتا ہے؟	۱۱۷	شان نزول:
۱۳۵	آپ ﷺ کی بعثت پر مشرکین مکہ کو تعجب:		عدالت صحابہ رضوانہ علیہم السلام کے متعلق ایک
۱۳۶	دوسرا تعجب:	۱۱۷	اہم سوال اور اس کا جواب:
۱۳۶	کفار مکہ تذبذب اور بے یقینی کے شکار تھے:	۱۱۸	کسی صحابی کو فاسق کہنا درست نہیں ہے:
۱۳۷	قوم نوح علیہم السلام:	۱۱۸	اس آیت سے شان نزول میں فاسق کس کو کہا گیا:
۱۳۷	صحابہ الرزس کون لوگ ہیں؟	۱۱۹	شان نزول:
۱۳۸	صحابہ الایکہ:		مسائل متعلقہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی
۱۳۸	قوم تیج:	۱۱۹	باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہیں:
۱۳۲	ربط آیات:	۱۲۳	شان نزول:

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
	سورۃ نجم	۱۴۲	اللہ تعالیٰ انسان کی شررگ سے بھی زیادہ قریب ہے: ..
۱۸۹	ربط:	۱۴۲	اعمال کو رکاوٹ کرنے والے فرشتے:
۱۸۹	خصوصیات سورۃ نجم:	۱۴۳	انسان کا ہر قول رکاوٹ کیا جاتا ہے:
۱۹۳	ایک علمی اشکال اور اس کا جواب:	۱۴۸	اواب کون لوگ ہیں؟
۲۰۰	صغیرہ و کبیرہ گناہ میں فرق:		سورۃ والذاریات
۲۰۶	شان نزول:	۱۵۷	صدقہ و خیرات کرنے والوں کو خاص ہدایت:
۲۰۷	تین اہم اصول:	۱۶۳	آداب مہمانی:
۲۰۸	تین اہم اصول:	۱۶۵	وہ نشانی کیا تھی؟
۲۰۸	مسئلہ ایصال ثواب:	۱۶۸	ربط:
۲۰۹	عبادات کی تین قسمیں:	۱۶۹	اعتراض اول:
۲۱۰	ایصال ثواب کی حقیقت:	۱۶۹	اعتراض اول کا پہلا جواب:
۲۱۰	قرآن خوانی کا ایصال ثواب:	۱۶۹	مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:
۲۱۱	ایصال عذاب ممکن نہیں:	۱۷۰	مذکورہ اعتراض کا تیسرا جواب:
۲۱۱	خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ان کا ایصال ثواب:	۱۷۰	دوسرا اشکال:
۲۱۱	مانعین کا استدلال:	۱۷۰	دوسرے اشکال کا جواب:
	سورۃ قمر		سورۃ طور
۲۲۰	ربط:	۱۷۴	سورۃ الطور:
۲۲۰	زمانہ نزول:		بشرط ایمان بزرگوں سے تعلق نبی آخرت
۲۲۰	معجزہ شق القمر:	۱۷۵	میں نفع دے گا:
۲۲۱	واقعہ کی تفصیل:	۱۸۲	کفارہ مجلس:

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۲۴۳: شان نزول	۲۴۱	کفار کا دلیل صداقت کو ماننے سے انکار
۲۵۲: ربط	۲۴۱	ایک مغالطہ
	سورۃ واقعہ	۲۴۲	چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے یا قرب قیامت میں ہوں گے:
۲۵۸: ربط	۲۴۲	معجزہ شق القمر پر اعتراضات:
۲۵۸: سورۃ واقعہ کی خصوصی فضیلت	۲۴۳	کرۃ ارض ایک زمانہ میں متصل ایک کرہ تھا:
۲۵۸: عبداللہ بن مسعود کے مرض الوفا کا سبق آموز واقعہ:	۲۴۳	۱۔ انجیر ارض کی پہلی دلیل:
۲۵۹: میدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں ہوں گی:	۲۴۳	۲۔ دوسری دلیل:
	قرآن بے طہارت چھونے کے مسئلہ میں	۲۴۳	۳۔ تیسری دلیل:
۲۷۱: فقہاء کے مسالک:	۲۴۳	۴۔ دوسرا اعتراض:
۲۷۱: مسلک حنفی:	۲۴۴	۱۔ پہلا واقعہ:
۲۷۱: مسلک شافعی:	۲۴۵	۲۔ دوسرا واقعہ:
۲۷۲: مالکی مسلک:	۲۴۵	تاریخی شہادت:
۲۷۲: مسلک حنبلی:	۲۳۰	حضرت صالح علیہ السلام کا نسب نامہ:
	سورۃ حدید	۲۳۱	قوم ثمود کی بستیاں:
۲۷۷: ربط	۲۳۱	واقعہ کی تفصیل:
۲۷۷: سورۃ حدید کے فضائل:	۲۳۲	قوم لوط کا اجمالی واقعہ:
۲۷۸: لطیف نکتہ:	۲۳۳	بائبل کے الفاظ:
۲۸۰: راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب و فضیلت:	۲۳۵	خلاصہ کلام:
۲۸۶: اتفاق فی سبیل اللہ کا عجیب واقعہ:	۲۳۷	ایک پیشگوئی:
۲۹۲: دنیا کی ناپائیداری کی ایک مشاہداتی مثال:	۲۳۸	مسئلہ تقدیر:
			سورۃ رحمن
		۲۳۲	سیرت ابن ہشام کی ایک روایت:

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۳۱۱	۳ تیسرا واقعہ:	۲۹۳	مثال کا خلاصہ:
۳۱۱	۴ چوتھا واقعہ:	۲۹۴	اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی دو چیزیں:
۳۱۱	۵ پانچواں واقعہ:	۲۹۶	ربط آیات:
۳۱۱	۶ چھٹا واقعہ:	۲۹۷	رہبانیت کا مفہوم:
۳۱۱	۷ ساتواں واقعہ:		رہبانیت مطلقاً مذموم و ناجائز ہے یا اس میں
۳۱۲	خفیہ مشوروں کے متعلق ہدایات:	۲۹۹	کچھ تفصیل ہے؟:
۳۱۲	مسلمانوں کے لئے سرگوشی سے متعلق ہدایت:		
۳۱۳	مذکورہ آیت کا شان نزول:		
	سورۃ الحشر		
۳۲۴	ربط:	۳۰۳	شان نزول:
۳۲۴	شان نزول:	۳۰۴	مسئلہ ظہار سے تین اصولی بنیادیں مستنبط ہوتی ہیں:
۳۲۵	بیر معونہ اور عمرو بن امیہ ضمیری کا واقعہ:	۳۰۴	نار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم:
۳۲۶	یہود کا تاریخی پس منظر:	۳۰۵	مسائل:
۳۲۸	یہود اور ان کی عہد شکنی:	۳۰۵	کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کر سکتی ہے؟:
۳۲۸	کعب بن اشرف کا قتل اور اس کے اسباب:	۳۰۶	کفارہ ظہار ادا کرنے سے پہلے تعلق قائم کرنے کا حکم:
	کعب بن اشرف اور اس کی دریدہ دہنی اور	۳۰۶	بیوی کو کس کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے؟:
۳۳۰	قتل کے اسباب:	۳۰۷	ظہار کے صریح اور غیر صریح الفاظ کیا ہیں؟:
۳۳۰	بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت مسلمانوں کی رواداری:	۳۰۷	مذکورہ مسائل کے مراجع اور مصادر:
	آپ ﷺ کے بدترین دشمن کے ساتھ	۳۰۷	خولہ بنت ثعلبہ صحابہ کرام کی نظر میں:
۳۳۰	بے مثال رواداری:	۳۱۰	شان نزول:
۳۳۰	یہود کی شرارت اور بد عہدی:	۳۱۰	اسباب نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں:
		۳۱۰	۱ اول واقعہ:
		۳۱۰	۲ دوسرا واقعہ:

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
	سورۃ صف		
۳۶۹: شان نزول	۳۳۳: مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت
۳۷۱: محمد نام رکھنے کی وجہ	۳۴۰: غزوہ بنی قریقہ
۳۷۲: عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر		سورۃ ممتحنہ
۳۷۲: انجیل میں محمد کے بجائے احمد نام سے بشارت کی مصلحت	۳۵۱: خلاصہ کلام
۳۷۲: انجیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت	۳۵۱: مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب
۳۷۳: پہلی بشارت	۳۵۱: شان نزول
۳۷۳: دوسری بشارت	۳۵۲: واقعہ کی تفصیل
۳۷۴: تیسری بشارت	۳۵۳: خط کا متن
۳۷۴: چوتھی بشارت	: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی
۳۷۵: حواری برناباس کا تعارف	۳۵۳: خدمت میں
۳۷۸: انجیل برناباس کا تعارف	۳۵۹: شان نزول
۳۸۰: انجیل برناباس کی مخالفت کی اصل وجہ	۳۵۹: معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق
۳۸۱: آپ ﷺ کی آمد کا ثبوت اہل کتاب سے	۳۶۰: مذکورہ آیات کا پس منظر
۳۸۳: شان نزول	۳۶۱: مہاجرہات کا امتحان لینے کا طریقہ
۳۸۵: عیسائیوں کے تین فرقے	۳۶۳: کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں؟
	سورۃ جمعہ	۳۶۴: عورتوں کی بیعت
۳۸۹: زمانہ نزول	۳۶۴: ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ کی بیعت
۳۹۱: بعثت نبوی کے تین مقاصد	۳۶۴: دواہم قانونی نکتے
۳۹۲: شان نزول	۳۶۵: پہلا اہم نکتہ
		: دوسرا اہم نکتہ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
	سورۃ تحریم		سورۃ منافقون
۴۳۰: شان نزول	۴۰۰: سورۃ منافقون کے نزول کا مفصل واقعہ
۴۳۱: حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ	۴۰۰: غزوہ مریسج کا سبب
۴۳۲: حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ	۴۰۱: ایک ناخوشگوار واقعہ
	سورۃ ملک	۴۰۲: عبداللہ بن ابی کی شرارت
۴۴۲: حق بات		سورۃ تغابن
۴۴۳: سورۃ ملک کے فضائل	۴۰۹: انسانوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں
۴۴۴: سورۃ ملک کے دیگر نام	۴۰۹: بد بودار نعرہ
۴۴۴: موت و حیات کے درجات مختلفہ	۴۱۰: مفلس کون ہے؟
	سورۃ نون	۴۱۲: شان نزول
۴۵۸: باغ والوں کا قصہ	۴۱۲: شان نزول
۴۶۲: شان نزول		سورۃ طلاق
	سورۃ حاقہ	۴۱۸: سورۃ طلاق کے نزول کا مقصد
	سورۃ معارج	۴۱۹: سلامی عالمی قانون کی روح
۴۷۷: شان نزول	۴۲۰: پہلا حکم
۴۷۸: قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہو گا یا پچاس ہزار سال	۴۲۱: دوسرا حکم
	سورۃ نوح	۴۲۱: تیسرا حکم
۴۸۳: حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں	۴۲۱: چوتھا حکم
		۴۲۵: شلہن کی تفسیر احادیث کی روشنی میں

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۵۴۹	سورۃ نبأ نیند بہت بڑی نعت ہے:	۴۸۴	حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالا:
۵۵۹	سورۃ نازعات نفس اور روح سے متعلق قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ کا کی تحقیق:	۴۹۲	سورۃ جن شان نزول:
۵۶۸	سورۃ عبس پہلا اشکال:	۴۹۲ پہلا واقعہ: ۱
۵۶۸ دوسرا اشکال:	۴۹۲ دوسرا واقعہ: ۲
۵۶۸ اشکال اول کا جواب:	۴۹۲ تیسرا واقعہ: ۳
۵۶۸ دوسرے اشکال کا جواب:	۴۹۲ چوتھا واقعہ: ۴
۵۶۹ شان نزول:	۴۹۶ علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق:
۵۷۰ آپ ﷺ کا اجتہاد اور اس کی اصلاح:		سورۃ مزمل
۵۷۰ تبلیغ و تعلیم کا ایک اہم قرآنی اصول:		سورۃ مدثر شان نزول: ۵۱۴
	سورۃ التکویر لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی وجہ: ۵۷۷	۵۱۵ متفقہ لائحہ عمل کے لئے مشرکین مکہ کی کانفرنس: ۵۱۵
۵۷۸ بیٹی کے ساتھ بے رحمی کا واقعہ: ۵۷۸		سورۃ قیامہ نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ: ۵۲۴
۵۷۸ اسلام کا عورت پر احسان: ۵۷۸	۵۳۵	سورۃ انسان نذر ماننے کی چند شرائط: ۵۳۵
	سورۃ انفطار		سورۃ مرسلات

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
	سورۃ الشمس		سورۃ مطفین

	سورۃ اللیل		سورۃ انشقاق

۶۳۲	سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کی قسمیں:		سورۃ بروج
۶۳۳	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہنم سے محفوظ ہیں:
۶۳۳	شان نزول:	۵۹۸	سورۃ بروج کے نزول کی حکمت:
	سورۃ الضحیٰ	۵۹۸	صحابہ اخذ و کا واقعہ:
۶۳۷	شان نزول:	۶۰۰	عجیب تاریخی واقعہ:
	سورۃ الم نشرح	۶۰۰	۱ پہلا واقعہ:
	۶۰۰	۲ دوسرا واقعہ:
	سورۃ التین	۶۰۱	۳ تیسرا واقعہ:
۶۴۲	حسن انسانی کا ایک عجیب واقعہ:		سورۃ طارق
	سورۃ اقرأ	
۶۵۱	سب سے پہلی وحی:		سورۃ اعلیٰ
۶۵۲	زمانہ نزول:
۶۵۲	آغاز وحی کا واقعہ:		سورۃ غاشیہ
۶۵۳	غار حراء میں قیام کی مدت:	۶۱۵	بعض آداب معاشرت:
۶۵۳	دوسرے حصہ کا شان نزول:		سورۃ فجر
	سورۃ قدر	
۶۵۶	شان نزول:		سورۃ بلد

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
	سورۃ فیل	۶۵۷	لیلۃ القدر کے معنی:.....
۶۸۹	واقعہ کی تفصیل اور پس منظر:.....	۶۵۷	لیلۃ القدر کی تعیین:.....
۶۸۹	تاریخی پس منظر:.....		سورۃ بینہ
۶۹۱	مقصود کلام:.....	۶۶۲	سورت کا مضمون اور موضوع:.....
	سورۃ قریش		سورۃ زلزال
	۶۶۶	فضائل سورت:.....
	سورۃ ماعون	۶۶۶	زلزلہ سے کون سا زلزلہ مراد ہے؟.....
۶۹۷	عجیب واقعہ:.....		سورۃ والعادیات
	سورۃ کوثر		سورۃ القارعہ
۷۰۰	شان نزول:.....	۶۷۴	وزن اعمال کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب:.....
	سورۃ کافرون		سورۃ تکاثر
۷۰۲	اس سورت کے فضائل اور خواص:.....	۶۷۹	سورۃ تکاثر کی فضیلت:.....
۷۰۳	شان نزول:.....		سورۃ عصر
۷۰۴	کفار سے صلح کے بعض مسائل:.....	۶۸۱	سورۃ العصر کی فضیلت:.....
	سورۃ نصر	۶۸۱	سورت کے مضمون کے ساتھ زمانہ کی مناسبت:.....
۷۰۶	قرآن مجید کی آخری سورت اور آخری آیات:.....		نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں
	آپ ﷺ کی وفات کے قریب آنے کی	۶۸۳	بلکہ دوسروں کی فکر بھی ضروری ہے:.....
۷۰۷	طرف اشارہ:.....		سورۃ ہمزہ
۷۰۷	جب موت قریب ہو تو تسبیح واستغفار کرنی چاہئے:.....	

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
	سورۃ الناس		سورۃ ابی لہب
	سورۃ فاتحہ		سورۃ اخلاص
۷۳۰	خلاصۃ الکلام:	۷۰۱	شان نزول:
۷۳۱	رد کی پہلی دلیل:	۷۱۳	سورۃ اخلاص کی فضیلت:
۷۳۱	دوسری دلیل:	۷۱۳	شان نزول:
۷۳۱	اعتراض اور اس کی تفصیلی تقریر:		سورۃ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے
۷۳۲	پہلی شق کو اختیار کر کے جواب کی تقریر:	۷۱۵	شرک کی نفی ہے:
۷۳۲	دوسری شق کو اختیار کرنے کی صورت میں جواب:		سورۃ فلق
۷۳۳	قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ شمس:	۷۱۷	سورۃ فلق اور سورۃ ناس کے فضائل:
۷۳۵	سورۃ فاتحہ کے فضائل و خصوصیات:	۷۱۸	سحر، نظر بد اور تمام آفات کا علاج:
۷۳۵	ایک تنبیہ:	۷۱۸	زمانہ نزول:
۷۳۶	بسم اللہ سے متعلق مباحث:	۷۱۹	آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہونا:
۷۳۶	سورۃ فاتحہ کے مضامین:	۷۱۹	واقعہ کی تفصیل:
۷۳۷	دُعاء:	۷۲۱	معوذتین کی قرآنیت:
		۷۲۱	قرآن میں مخالفین کا طعن:
		۷۲۱	طعن کے جوابات:

فہرست نقشہ جات

- ۱ صحرائے احقاف کا نقشہ: ۲۳
- ۲ بطن نخلہ، طائف وغیرہ کا نقشہ: ۲۸
- ۳ قات قوسین کا نقشہ: ۱۹۲
- ۴ عہد نبوی میں قبائل عرب کا نقشہ: ۳۲۷
- ۵ زحل آسمان کی خوبصورتی کا نقشہ: ۵۹۶

آغازِ سخن و کلماتِ تشکر

الحمد للہ کہ جمالین شرح اردو جلالین نصف ثانی کی چھٹی اور آخری جلد جو کہ سورۃ احقاف سے سورۃ ناس تک مع سورۃ فاتحہ پانچ پاروں پر مشتمل ہے، منظر عام پر آرہی ہے، مولائے کریم کا یہ محض کرم و فضل ہی ہے کہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں تقریباً سوا سات سو صفحات پر مشتمل چھٹی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، نصف ثانی کی دو جلدیں چہارم و پنجم شائع ہو کر علمی حلقوں میں قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔

جلالین کی تشریح کرتے وقت اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جلالین کا کوئی مقام تشنہ کام نہ رہ جائے، مشکل اور پیچیدہ ترکیبوں کو بطور خاص حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لغات کو مستند اور معتبر کتابوں کی مدد سے حل کیا گیا ہے، جابجا قرآنی تاریخ کے رنگین اور سادہ نقشے دیئے گئے ہیں تاکہ معلوم ذہنی اور موجود خارجی میں مطابقت کے ذریعہ علی وجہ البصیرت استفادہ کیا جاسکے، جلد چہارم کا پہلا ایڈیشن تقریباً ختم ہو رہا ہے، تصحیح و اصلاح کے بعد اس کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے، چوتھی جلد میں بھی حسب موقع قرآنی تاریخی رنگین اور سادہ نقشوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے؛ تاکہ یکسانیت باقی رہ سکے۔

انشاء اللہ العزیز جلالین کے نصف اول کی پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد چھ ماہ میں امید ہے کہ منظر عام پر آجائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کارِ عظیم کے انجام دینے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

فقط والسلام

احقر محمد جمال سیفی

استاذ دارالعلوم دیوبند

فون: 01338-224147



سُورَةُ الْأَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ ثَلَاثِينَ آيَةً وَأَرْبَعٌ وَخَمْسُونَ

سُورَةُ الْأَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ الْأَقْلُ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْآيَةُ
وَالَا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ الْآيَةُ وَالَا وَوَصَّيْنَا
الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثَّلَاثِ آيَاتٍ وَهِيَ أَرْبَعٌ أَوْ خَمْسٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ احقاف مکی ہے، سوائے قُلْ أَرَأَيْتُمْ (الآیہ) اور سوائے
فاصبر کما صبر (الآیہ) اور سوائے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ كِے
(تین آیتیں) اور یہ ۳۴ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ حَمْدُ اللَّهِ أَغْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنُ مُبْتَدَأُ
مِنَ اللَّهِ خَبْرُهُ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا خَلَقًا بِالْحَقِّ
لِيَدُلَّ عَلَى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى إِلَى فَنَائِهِمَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا خُوفُوا بِهِ مِنَ
الْعَذَابِ مُعْرِضُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَخْبَرُونِي مَا تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى الْأَصْنَامِ مَفْعُولٌ أَوَّلٌ أَرُونِي
أَخْبَرُونِي تَاكِيدٌ مَاذَا خَلَقُوا مَفْعُولٌ ثَانٍ مِنَ الْأَرْضِ بَيَانٌ مَا أَمَرَهُمْ شَرِكُ مُشَارَكَةٍ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ مَعَ اللَّهِ
وَأَم بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ إِيْتُونِي بِكِتَابٍ مُنْزَلٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا الْقُرْآنِ أَوْ آثَرَةٍ بَقِيَّةٍ مِنْ عِلْمٍ يُؤْتَرَعْنِ الْأَوَّلِينَ
بِصَحَّةِ دَعْوَاكُمْ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ أَنَّهَا تَقْرَبُكُمْ إِلَى اللَّهِ لَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِي دَعْوَاكُمْ وَمَنْ اسْتَفْهَمَ
بِمَعْنَى النَّفْيِ أَى لَا أَحَدٌ أَضَلُّ مِنْ يَدْعُوا يَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ
الْأَصْنَامُ لَا يُجِيبُونَ عَابِدِيهِمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْأَلُونَهُ أَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ عِبَادَتِهِمْ غَافِلُونَ ۝ لِأَنَّهُمْ جَمَادٌ لَا
يَعْقِلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا أَى الْأَصْنَامُ لَهُمْ لِعِبَادَتِهِمْ أَعْدَاءٌ وَكَانُوا لِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عَابِدِيهِمْ

کَافِرِينَ ① جَادِدِينَ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الْقُرْآنِ بَيَّنَّتْ ظَاهِرَاتِ حَالِ قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ لَاحِقَ آيَاتِ الْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سَحَرُ مُبِينٌ ② بَيَّنَّ ظَاهِرُ أَمْرٍ بِمَعْنَى بَلْ وَهَمْزَةُ الْإِنْكَارِ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ آيَاتُ الْقُرْآنِ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَرَضًا فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا ③ آي لَا تَقْدِرُونَ عَلَى دَفْعِهِ عَنِّي إِذَا عَذَّبَنِي اللَّهُ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تَفِيضُونَ فِيهِ تَقُولُونَ فِي الْقُرْآنِ كَفَىٰ بِهِ تَعَالَى شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ لِمَنْ تَابَ الرَّحِيمُ ④ بِهِ فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا بِدِيعًا مِنَ الرُّسُلِ آي أَوَّلَ مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ بِمِثْلِي قَبْلِي كَثِيرٌ مِنْهُمْ فَكَيْفَ تُكَذِّبُونَنِي وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ⑤ فِي الدُّنْيَا أَلْخُرْجُ مِنْ بَلَدِي أَمْ أَقْتُلُ كَمَا فَعَلَ بِالْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي أَوْ تُرْمَوْنَ بِالْحِجَارَةِ أَمْ يُخَسَفُ بِكُمْ كَالْمُكَذِّبِينَ قَبْلَكُمْ إِنْ مَا اتَّبِعُوا إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَىٰ آيَاتِ الْقُرْآنِ وَلَا أَتَّبِعُ مَنْ عِنْدِي شَيْئًا وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ⑥ بَيَّنَّ الْإِنْذَارَ قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَخْبِرُونِي مَاذَا خَالَكُمْ إِنْ كَانَ آيَاتُ الْقُرْآنِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ جُمْلَةً حَالِيَةً وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ عَلَىٰ مِثْلِهِ آي عَلَيْهِ آي أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَأَمَّنَ الشَّاهِدُ وَاسْتَكْبَرْتُمْ تَكْبَرْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ بِمَا عُطِفَ عَلَيْهِ السُّتْمُ ظَالِمِينَ دَلَّ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑦

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حمد اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کتاب یعنی قرآن کا نازل کرنا اپنی ملک میں غالب اپنی صنعت میں حکمت والے (خدا) کی طرف سے ہے (الکتاب) مبتداء، اور من اللہ اس کی خبر ہے، ہم نے آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو حکمت کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت (تک) کے لئے پیدا کیا ہے یعنی قیامت کے دن ان کے فنا ہونے تک کے لئے، تاکہ ہماری قدرت اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرے اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں (یعنی) جس عذاب سے خوف دلائے جاتے ہیں اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، آپ کہئے، بھلا دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو بندگی کرتے ہو، یعنی بتوں کی، مجھے بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے ما، تَدْعُونَ کا مفعول اول ہے اَرُونَنِي بِمَعْنَى أَخْبِرُونَنِي (أَرَأَيْتُمْ) کی تاکید ہے (مَاذَا خَلَقُوا) مفعول ثانی ہے (مِنَ الْأَرْضِ) ما کا بیان ہے، یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کو اللہ کے ساتھ مشارکت ہے ما استفہام انکاری کے معنی میں ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس قرآن سے پہلے نازل کی گئی ہو لاؤ یا کوئی اور منقول مضمون جو تمہاری بت پرستی کے دعویٰ کی صحت میں اسلاف سے منقول چلا آیا ہو کہ یہ بت تم کو اللہ کا مقرب بنادیں گے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کوئی نہیں جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے یعنی بندگی کرے جو تا قیامت اس کی دعاء قبول نہ کر سکیں، اور وہ بت ہیں، اپنی عبادت کرنے والوں کے کسی سوال کا کبھی بھی جواب نہیں دے سکتے، بلکہ وہ تو ان کی پکار بندگی سے بے خبر محض ہیں، اس لئے کہ وہ تو جماد لا یعقل ہیں اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ بت ان کے یعنی اپنی بندگی

کرنے والوں کے دشمن ہوں گے، اور ان کی یعنی اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے، اور جب انہیں یعنی اہل مکہ کو ہماری واضح آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان میں کے منکرین حق یعنی منکرین قرآن سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آچکی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو تو اس (رسول) نے خود گھڑ لیا ہے؟ اُمّ بمعنی بل ہے اور ہمزہ انکار کا ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم مجھے خدا کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، یعنی جب اللہ مجھے عذاب دینے پر آئے تو تم اس عذاب کو مجھ سے دفع نہیں کر سکتے، قرآن کے بارے میں جو باتیں تم بناتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے، میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے وہی کافی ہے جس نے توبہ کی وہ اسے بڑا معاف کرنے والا ہے وہ اس پر بڑا رحم کرنے والا ہے اسی وجہ سے وہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں کرتا آپ کہئے کہ میں کوئی نرالا رسول تو ہوں نہیں یعنی پہلا (رسول تو ہوں نہیں) مجھ سے پہلے میرے جیسے بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو تم میری تکذیب کس بنیاد پر کرتے ہو؟ اور میں نہیں جانتا کہ (کل) میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا جائے گا آیا میں اپنے شہر سے نکالا جاؤں گا یا قتل کیا جاؤں گا؟ جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیائے کے ساتھ کیا گیا، یا تم پر پتھر برسائے جائیں گے یا تم سے پہلے مکذبین کے مانند تم زمین دوز کر دیئے جاؤ گے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو ایک صاف صاف ڈرانے (خبردار) کرنے والے کے سوا کچھ نہیں ہوں آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتلا دو کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا، تو تمہارا کیا انجام ہوگا؟ (وَكَفَرْتُمْ بِهِ) جملہ حالیہ ہے، اور اس جیسے کلام پر تو ایک بنی اسرائیل کا گواہ اور وہ عبد اللہ بن سلام ہے شہادت بھی دے چکا ہے یعنی اس بات پر کہ یہ (قرآن) منجانب اللہ ہے اور وہ شاہد ایمان لے آیا اور تم گھمنڈ میں پڑے رہے یعنی ایمان کے مقابلہ میں تکبر کرتے رہے اور شرط کا مع اس پر معطوف کے جواب اَلْاَسْتُمْ ظَالِمِينَ ہے، جس پر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ دلالت کر رہا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَحْقَافٌ، حَقْفٌ کی جمع ہے، حَقْفٌ ریت کے اس ٹیلے کو کہتے ہیں جو مستطیل اور مرتفع اور قدرے منحنی ہو اور احقاف یمن میں ایک وادی کا نام بھی ہے، قوم عاد کا مرکزی مقام احقاف تھا، یہ حضرموت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان اور شمال میں ربع خالی واقع ہے جسے صحرائے اعظم الدنیا بھی کہا جاتا ہے قدیم زمانہ میں حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم یعنی عاد اولیٰ کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا، عبد الوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں ص ۱۷ پر تصریح کی ہے کہ مجھ سے سید عبد اللہ بن احمد بن عمر بن یحییٰ علوی نے جو حضرموت کے باشندے ہیں بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کی کھوج میں حضرموت کے شمالی میدان میں قیام پذیر رہے کافی تلاش و کوشش کے بعد ٹیلوں کی کھدائی میں سنگ مرمر کے کچھ برتن دستیاب

قَوْلٌ : اَثَارَةٌ بَقِيَّةٌ، بَقِيَّةٌ کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے اَثَارَةٌ، غَوَايَةِ وَضَلَالَةٍ کے وزن پر مصدر ہے اور یہ عرب کے قول سَمَنْتُ النَّاقَةَ عَلَى اَثَارَةٍ مِنْ لَحْمٍ، اِی عَلٰی بَقِيَّةٍ مِنْهُ سے مشتق ہے، اور بعض حضرات نے اَثَارَةٌ کے معنی روایۃ اور علامۃ کے بھی بیان کئے، خلاصہ یہ کہ اہل لغت کے اَثَارَةٌ میں تین قول ہیں ① الاثارة بمعنى بقية یہ اَثَرْتُ الشَّيْءَ اَثَارَةً سے مشتق ہے، کأنَّهَا بَقِيَّةٌ تَخْرُجُ فَتَسْتَنَارُ ② الاثارة، مِنْ الْاَثَرِ، اِی الروایۃ والنقل ③ مِنْ الْاَثَرِ، بمعنی العلامة (اعراب القرآن) مراد وہ علوم ہیں جو اسلاف سے سینہ بسینہ منقول چلے آتے ہوں۔

قَوْلٌ : مِنْ قَبْلِ هَذَا، کائن محذوف کے متعلق ہو کر بکتاب کی صفت ہے اور بکتابِ ایتونی کے متعلق ہے اور اَثَارَةٌ کتاب پر معطوف ہے۔

قَوْلٌ : اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ شرط ہے اس کی جزاء فأتونی محذوف ہے اور صَادِقِينَ کنتم کی خبر ہے۔

قَوْلٌ : مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ الْخَ مَنْ نکرہ موصوفہ بھی ہو سکتا ہے مابعد کا جملہ اس کی صفت ہوگا، تقدیر عبارت ہوگی مَنْ أَضَلُّ مِنْ شَخْصٍ يَعْبُدُ شَيْئًا لَا يُجِيبُهُ: اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں مابعد کا جملہ اس کا صلہ ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی مَنْ أَضَلُّ مِنْ شَخْصٍ يَعْبُدُ الشَّيْءَ الَّذِي لَا يُجِيبُهُ وَلَا يَنْفَعُهُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ۔

قَوْلٌ : مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ جملہ ہو کر یدعوا کا مفعول ہے۔

قَوْلٌ : اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ یہ لَا يَسْتَجِيبُ کی غایت ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے بعد استجابة ہوگی، بایں طور کہ غایت مغیا میں داخل نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں بیان غایت سے تابید مراد ہے اور غایت مغیا میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعَنَتِي اِلَى يَوْمِ الدِّينِ۔

قَوْلٌ : لَأَنَّهُمْ جَمَادٌ لَا يَعْقِلُونَ، غافلون کی تفسیر لَأَنَّهُمْ جَمَادٌ الْخ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ غفلت سے عدم فہم مراد ہے نہ کہ بے توجہی (وہم عن دعائهم غافلون) میں اول ہم ضمیر اصنام کی طرف اور ثانی ہم عابدین اصنام کی طرف راجع ہے، دونوں ضمیروں کو جمع لانا معنی مَنْ کی رعایت کی وجہ سے ہے اصنام کے لئے ذوی العقول کی جمع اس لئے لائے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتقاد تھا کہ اصنام سمجھتے ہیں۔

قَوْلٌ : قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا یہ وضع الاسم الظاهر موضع الضمیر کے قبل سے ہے، اس لئے کہ قالوا کہنا کافی تھا مگر اہل مکہ کی صفت کفر کو بیان کرنے کے لئے اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھ دیا۔

قَوْلٌ : لَمَّا جَاءَهُمْ، قَالَ کا ظرف ہے اور هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ مقولہ ہے۔

قَوْلٌ : تُفَيْضُونَ، اِفَاضَةٌ سے جمع نہ کر حاضر کا صیغہ ہے تم گھتے ہو اس کا استعمال جب پانی، آنسو، وغیرہ کے لئے ہوتا ہے، تو بہنے، جاری ہونے کے معنی ہوتے ہیں، لیکن جب کلام کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو باتوں میں غور و خوض کرنے اور کہنے سننے اور نکتہ چینی کرنے کے معنی میں آتا ہے، یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قَوْلًا: بَدْعًا بَدِيعًا، بَدْعًا مصدر بھی ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں مضاف محذوف ہو گا ای ذابذع اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بَدْعًا بَدِيعًا کے معنی میں صیغہ صفت ہو جیسے خف بمعنی خفیف بَدْع بمعنی بَدِيع انوکھا، نرالا۔

قَوْلًا: وَمَا أَذِرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا يَكُمُ پہلا مانا یہ ہے، ثانی ما استفہامیہ مبتداء اور ما بعد اس کی خبر، یہ ما، أَذِرِي کو عمل سے مانع ہے اس کا ما بعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلًا: مَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ یہ حصر حقیقی نہیں ہے کہ اعتراض ہو کہ آپ بشیر بھی ہیں پھر یہ نذیر میں حصر کیسا؟ جواب یہ ہے کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی میرا ڈرانا اور آگاہ کرنا، اللہ ہی کی طرف سے ہے خود میری طرف سے کچھ نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے۔

قَوْلًا: أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ جملہ أَرَأَيْتُمْ الخ قول کا مقولہ ہے أَرَأَيْتُمْ کے دونوں مفعول محذوف ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے أَخْبِرُونِي مَاذَا خَالَ كُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ شرط اور اس پر معطوف کا جواب محذوف ہے، جس کی طرف علامہ محلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے أَلَسْتُمْ ظَالِمِينَ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے، جواب شرط کی مذکورہ تقدیر زنجیری کے قول کے مطابق ہے مگر اس پر ابو حیان نے رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر زنجیری کی یہ ان کردہ تقدیر مان لی جائے تو پھر فاء کا لانا ضروری ہے اس لیے کہ جملہ استفہامیہ جب جواب شرط واقع ہوتا ہے تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر حضرات نے فَقَدْ ظَلَمْتُمْ جواب شرط محذوف مانا ہے۔ (اعراب القرآن)

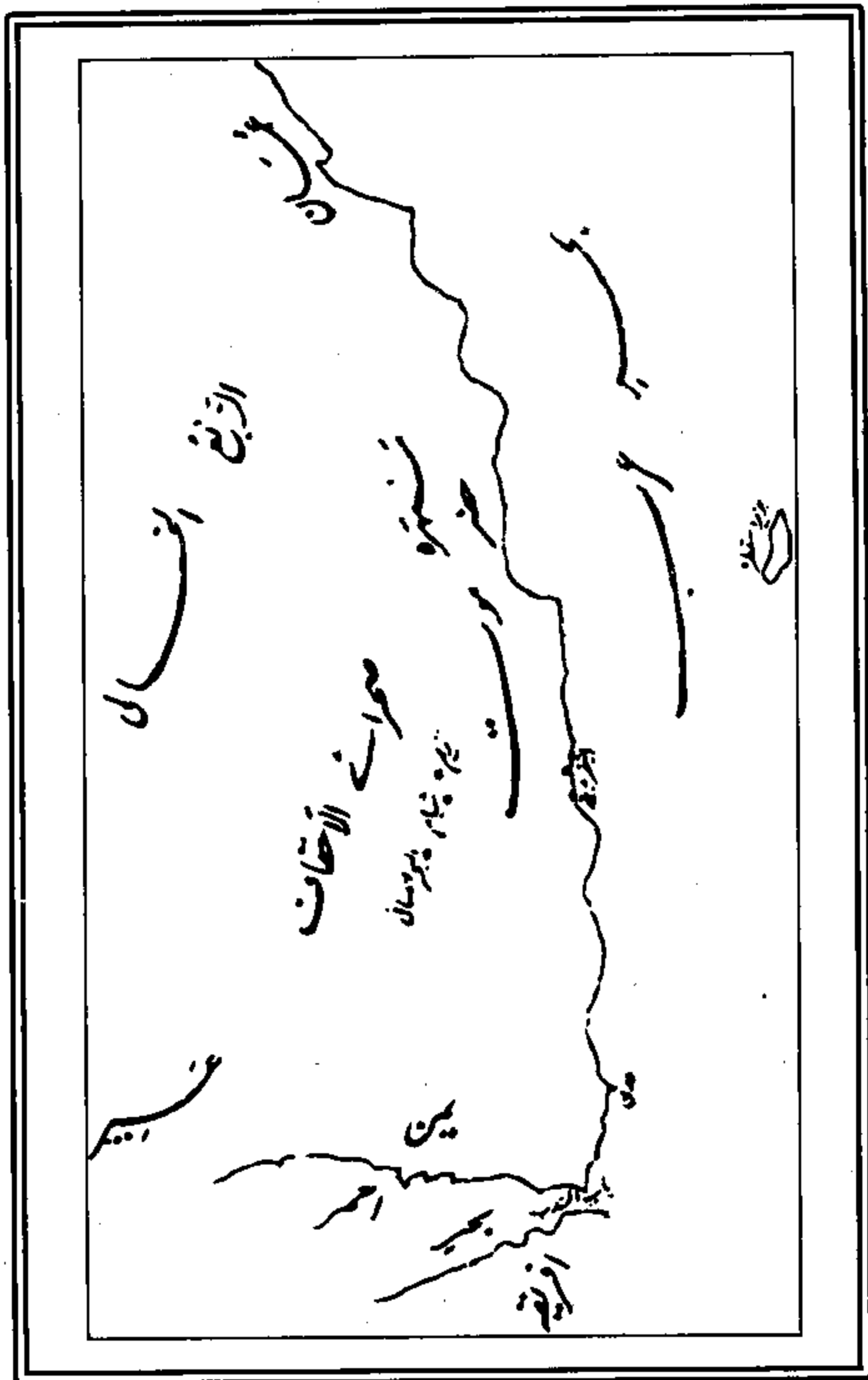
تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحَ

اس سورت کا نام احقاف ہے، احقاف حَقْفُ کی جمع ہے، ریت کے بلند مستطیل خمدار ٹیلے کو کہتے ہیں، یہ نام آیت ۲۱ اِذْ أَنْذَرِ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ سے ماخوذ ہے، یہ قوم عاد کا مرکزی مقام تھا، یہ حضرموت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان اور شمال میں رُبْع خالی ہے جسے صحراء اعظم الدنیا بھی کہا جاتا ہے، رُبْع خالی گوآبادی کے لائق نہیں تاہم اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے قابل کچھ زمین ہے، خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، قدیم زمانہ میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عادِ ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو خدا نے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ (لغات القرآن)

تَفْسِيرُ: حال ہی میں ۱۹۹۲ء میں کھدائی کے دوران قوم عاد و ثمود کے مکانوں کے کھنڈرات اور بنیادیں ظاہر ہوئی ہیں جو کہ تصور میں صاف نظر آرہی ہیں۔ (قوم عاد و ثمود کے خرابات کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔



(صحرائے احقاف کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے)



ملا مت اور اظہار براءت مراد لیا ہے، رہے ملائکہ اور مسیح علیہ السلام و عزیر علیہ السلام تو لسان مقال سے اظہار بیزاری کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَبَرَّأْنَا اِلَيْكَ مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ۔ (فتح القدیر)

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا (الآیۃ) اور جب ان کو واضح اور صاف صاف قرآنی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ منکرین حق سنتے ہی بغیر غور و فکر کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے، مطلب یہ ہے کہ جب قرآن کی آیات کفار کے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو وہ صاف محسوس کرتے تھے کہ اس کلام کی شان انسانی کلام سے بدرجہا بلند ہے، ان کے شاعر، کسی خطیب، کسی ادیب کے کلام کو بھی قرآن کی بے مثال فصاحت و بلاغت اس کی وجد آفرینی، اس کے بلند اور پاکیزہ مضامین اور دلوں کو نرمادینے اور گرمادینے والے انداز بیان سے کوئی مناسبت نہ تھی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کے اپنے کلام کی شان بھی وہ نہ تھی جو خدا کے کلام میں نظر آتی تھی، آپ ﷺ کی زبان اور قرآن کی زبان میں نمایاں اور بین فرق تھا، یہ چیز ان کے سامنے حق کو بالکل بے نقاب کر کے لے آتی تھی، مگر وہ چونکہ اپنے کفر پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے اس صریح علامت کو دیکھ کر سیدھی طرح اس کلام کو کلام الہی مان لینے کے بجائے یہ بات بناتے تھے کہ یہ کوئی جادو کا کرشمہ ہے، مگر ان کا یہ خیال اس لئے غلط تھا کہ جادو سے تو وہ خود بھی واقف تھے اگر قرآن کوئی جادوئی کلام تھا تو وہ بھی جادو کے ذریعہ ایسا کلام لا کر پیش کر کے قرآن کے چیلنج فائز اس سورۃ من مثله کو قبول کر سکتے تھے مگر حقیقت کچھ اور تھی جس کو وہ خوب سمجھتے تھے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے۔

وہو الغفور الرحیم مطلب یہ ہے کہ فی الواقع یہ اللہ کا رحم اور درگزر ہی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ منکرین زمین میں سانس لے رہے ہیں جنہیں خدا کے کلام کو افتراء قرار دینے میں کوئی باک اور شرم نہیں، ورنہ کوئی بے رحم سخت گیر خدا اس کائنات کا مالک ہوتا تو ایسی جسارتیں کرنے والوں کو ایک سانس کے بعد دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہوتا۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے، اے ظالمو! اب بھی اس ہٹ دھرمی اور اڑیل رویتے سے باز آ جاؤ تو خدا کی رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے اور جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے وہ معاف ہو سکتا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرِّسْلِ یہ دراصل مشرکین مکہ کے وہابی اور لچر شبہات کا جواب ہے، اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا اور خود کو خدا کا نمائندہ بتایا تو مکہ کے لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے، ان کا کہنا تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو بال بچے رکھتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، غرضیکہ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، آخر اس میں وہ زالی بات کیا ہے جس میں یہ عام انسانوں سے مختلف ہو اور ہم یہ سمجھیں کہ خاص طور پر اس شخص کو خدا نے اپنا رسول اور نمائندہ بنا کر بھیجا ہے؟ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر خدا نے اس شخص کو اپنا رسول بنایا ہوتا تو اس کی اردلی میں کوئی فرشتہ بھیجتا جو پیش پیش یہ اعلان کرتا چلتا کہ یہ خدا کا رسول ہے، اور ہر اس شخص پر عذاب کا کوڑا برس دیتا جو اس کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی کر بیٹھتا، یہ آخر کیسے ہو سکتا ہے، کہ خدا کسی کو اپنا رسول مقرر کرے اور پھر اسے یوں ہی مکہ کی گلیوں میں پھرنے اور ہر طرح کی زیادتیاں سہنے کیلئے بے سہارا چھوڑ دے اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی ہوتا کہ خدا اپنے رسول کے لئے ایک شاندار محل اور یک لہلہا تاباغ پیدا کر دیتا، ان سب باتوں کے علاوہ مشرکین مکہ آئے دن آپ سے طرح طرح کے معجزات

کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، اور غیب کی باتیں پوچھتے تھے، ان کے خیال میں کسی کا رسول خدا ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ فوق البشری طاقتوں کا مالک ہو اس کے اشارے پر پہاڑ نل جائیں، بہتے دریا رک جائیں اور ایک اشارہ سے ریگزار کشتزار میں تبدیل ہو جائیں، نیز اس کو ماکان و مایگون کا علم ہو۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کا جواب ان فقروں میں دیا گیا ہے، ان میں کے ہر فقرہ میں معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے، فرمایا ان سے کہو میں کوئی نرالا رسول تو ہوں نہیں یعنی میرا رسول بنایا جانا دنیا کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ تو ہے نہیں کہ تمہیں یہ سمجھنے میں پریشانی ہو کہ رسول کیسا ہوتا ہے؟ اور کیسا نہیں ہوتا، مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں اور میں ان سے مختلف نہیں ہوں، آخردنیا میں کب کوئی ایسا رسول آیا ہے کہ جو کھاتا پیتا نہ ہو یا عام انسانوں کی طرح زندگی بسر نہ کرتا ہو؟ یا کس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ اترا، جو اس کی رسالت کا اعلان کرتا ہو اور اس کے آگے آگے ہاتھ میں کوڑا لئے پھرتا ہو؟ اور کونسا رسول ایسا گذرا ہے کہ جو اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھا سکتا ہو یا اپنے علم سے سب کچھ جانتا ہو، پھر یہ نرالے معیار میرے ہی رسالت کو پرکھنے کے لئے کہاں سے لئے چلے آ رہے ہو۔

وَمَا أَذْرِی مَا یُفْعَلُ بِی وَلَا بِکُمْ اِس کے بعد فرمایا کہ ان کے جواب میں کہو، میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا؟ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ماضی حال و استقبال سب مجھ پر روشن ہوں اور دنیا کی ہر چیز کا مجھے علم ہو، تمہارا مستقبل تو درکنار مجھے تو اپنا مستقبل بھی معلوم نہیں کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، آیا مجھے قتل کیا جائے گا یا اپنی موت مروں گا، یا مجھے مکہ سے نکالا جائے گا یا مکہ میں رہنے دیا جائے گا، بعض حضرات نے اس آیت کا تعلق دنیاوی امور سے کیا ہے مگر مفسرین کی ایک بڑی تعداد دنیا و آخرت دونوں سے متعلق مانتی ہے یعنی دنیا و آخرت کے امور پر آپ کو جو آگاہی اور واقفیت تھی وہ بذریعہ وحی ہی تھی۔

فوائد عثمانی میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے، میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا، اور تمہارے ساتھ کیا؟ نہ میں اس وقت پوری تفصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا و آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی، ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت اور خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا و آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا، اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا اور نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب، بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کر کے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

(فوائد عثمانی)

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ کَفَرْتُمْ بِہ (الایۃ) کَانَ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ رسول کی طرف راجع ہو اور کَفَرْتُمْ بِہ اور وَ شَہِدَ شَہِیْدٌ تَقْدِیْرُ قَد کے ساتھ حال ہیں۔

اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرکین بنی اسرائیل کے علم و فضل سے مرعوب تھے، جب آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علماء بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا، مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ آپ کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات

ہاتھ آجائے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں، مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے، خدا تعالیٰ نے ان ہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور کی تصدیق و تائید کرائی نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر کہتے تھے اس طرح آپ ﷺ کا دعوائے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہی بلکہ اس طرح کہ بعض علماء یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بیشک ہمارے یہاں ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے جس کی خبر دی گئی تھی، علماء یہود کی شہادتیں دراصل ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو ہزار ہا تحریف و تبدیل کے باوجود آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آرہی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے خود گواہی دے چکا ہے، کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے اسی کے مثل ایک رسول آنے والا ہے، اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (المزمل: رکوع ۱) یہی سبب تھا کہ بعض منصف اور حق پرست احبار یہود مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ حضور کا چہرہ انور دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے اِنَّ هَذَا الْوَجْهَ لَيْسَ بَوَجْهِ كَاذِبٍ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چیز پر ہزاروں سال پہلے ایمان رکھیں اور علماء یہود اس کی صداقت کی گواہی دیں ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا۔

(فوائد عثمانی ملخصاً)

یہاں ”شاہد“ سے کون مراد ہے؟

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس گواہ سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام کو لیا ہے جو مدینہ طیبہ کے مشہور یہودی عالم تھے اور ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے تھے یہ واقعہ چونکہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اس لئے ان مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اس تفسیر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تھی (بخاری، مسلم وغیرہما) (واخرج الترمذی وابن جریر وابن مردويه عن عبد الله بن سلام قال نزل فی آیات من کتاب الله، نزلت فی وشهد شاهد من بنی اسرائیل)۔

(فتح القدیر شوکانی ملخصاً)

اور اسی بناء پر ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن سیرین، حسن بصری، ابن زید اور عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے متعدد اکابر مفسرین نے اس تفسیر کو قبول کیا ہے، مگر دوسری طرف، عکرمہ اور شععی اور مسروق کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ پوری سورت مکی ہے اور ابن جریر طبری نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اوپر کلام کا پورا سلسلہ مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے چلا آ رہا ہے، اور آگے بھی سارا خطاب ان ہی سے ہے، اس سیاق و سباق میں یکا یک مدینہ میں نازل ہونے والی آیت کا آجانا قابل تصور نہیں ہے بعد کے جن مفسرین نے اس دوسرے قول کو قبول کیا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت کو رد نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت چونکہ عبداللہ بن سلام کے ایمان لانے پر بھی

چسپاں ہوتی ہے، اس صورت میں یہ آیت پیشین گوئی کے طور پر ہو جائے گی۔

اس آیت کے الفاظ میں کسی خاص عالم بنی اسرائیل کا نام نہیں لیا گیا، اور نہ یہ متعین کیا گیا کہ یہ شہادت اس آیت کے نزول سے پہلے لوگوں کے سامنے آچکی ہے یا آئندہ آنے والی ہے بلکہ ایک جملہ شرطیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر ماضی میں یا بالفعل یا آئندہ ایسا ہو جائے تو تمہیں اپنی فکر کرنا چاہئے کہ تم عذاب سے کیسے بچو گے، اس لئے آیت کا مفہوم سمجھنا اس پر موقوف نہیں کہ علماء بنی اسرائیل میں سے کس کو ”شاہد“ کا مصداق قرار دیا جائے، بلکہ جتنے حضرات بنی اسرائیل میں سے اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت عبداللہ بن سلام زیادہ معروف ہیں وہ سب ہی اس میں داخل ہیں اگرچہ حضرت عبداللہ بن سلام کا ایمان لانا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا ہو، اور یہ پوری سورت مکی ہے۔

(ابن کثیر بحوالہ معارف القرآن)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَيْ فِي حَقِّهِمْ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا أَيْ الْقَائِلُونَ يَا أَيْ
بِالْقُرْآنِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا أَيْ الْقُرْآنُ إِنْكَ كَذِبٌ قَدِيمٌ ۝ وَمِنْ قَبْلِهِ أَيْ الْقُرْآنُ كُتِبَ مُوسَىٰ أَيْ التَّوْرَةُ
إِمَامًا وَرَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ بِهِ خَالَانِ وَهَذَا أَيْ الْقُرْآنُ كُتِبَ مُصَدِّقٌ لِّكُتُبِ قَبْلِهِ لِسَانًا عَرَبِيًّا حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ
فِي مُصَدِّقٍ لِّبُذْرِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ مُشْرِكِي سَكَّةٍ وَشَرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ لِلْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا
عَلَى الطَّاعَةِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۝ حَالٌ جَزَاءٌ مَنْصُوبٌ عَلَى
الْمَصْدَرِ بِفَعْلِهِ الْمَقْدَرِ أَيْ يُجْزَوْنَ لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۝ وَفِي قِرَاءَةِ إِحْسَانًا أَيْ
أَمْرُنَا أَنْ يُحْسِنَ إِلَيْهِمَا فَانْصَبْ إِحْسَانًا عَلَى الْمَصْدَرِ بِفَعْلِهِ الْمَقْدَرِ وَمِثْلُهُ حُسْنًا
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كَرْهًا وَوَضَعَتْهُ كَرْهًا ۝ أَيْ عَلَى مَشَقَّةٍ وَحَمْلَةٍ وَفِصْلَةٍ مِنَ الرِّضَاعِ ثَلَاثُونَ شَهْرًا سِتَّةَ أَشْهُرٍ أَقْلُ مُدَّةِ
الْحَمْلِ وَالْبَاقِي أَكْثَرُ مُدَّةِ الرِّضَاعِ وَقِيلَ إِنْ حَمَلَتْ بِه سِتَّةَ أَوْ تِسْعَةَ أَرْضَعَتْهُ الْبَاقِي حَتَّى غَايَةَ لِحْمَلَةٍ
مُقَدَّرَةٍ أَيْ وَغَاشَ حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهِ وَعَقْلِهِ وَرَأْيِهِ أَقْلُهُ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ سَنَةً وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً أَيْ
تَمَامَ سَهَا وَهُوَ أَكْثَرُ الْأَشْدِّ قَالَ رَبِّي إِلَى الْآخِرَةِ نَزَلَ فِي أَبِي بَكْرٍ نَ الصِّدِّيقِ لَمَّا بَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً بَعْدَ سَنَتَيْنِ
مِنْ مَبْعَثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِنْ بِهِ ثُمَّ أَمِنْ أَبَوَاهُ ثُمَّ ابْنُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَبُو
عَتِيقٍ أَوْ زَيْعَنَى الْهَمْنَى أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَهِيَ التَّوْحِيدُ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ
فَاعْتَقَ تِسْعَةَ مِائَةِ الْمُؤْمِنِينَ يُعَذِّبُونَ فِي اللَّهِ وَأَصْلَحَ لِي فِي دِينِي فَكُلُّهُمْ مُؤْمِنُونَ إِنْ تَبَّتْ إِلَيْكَ وَلِيٌّ مِنَ
الْمُسْلِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ أَيْ قَائِلُوا هَذَا الْقَوْلَ أَبُو بَكْرٍ وَغَيْرُهُ الَّذِينَ تَقَبَّلَ عَنْهُمْ أَحْسَنَ بِمَعْنَى حَسَنَ
مَا عَمِلُوا وَتَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ حَالٌ أَيْ كَائِنِينَ فِي جُمْلَتِهِمْ وَعَدَّ الصِّدِّيقَ الَّذِي كَانُوا يُعَذِّبُونَ ۝ فِي
قَوْلِهِ تَعَالَى وَعَدَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ وَالَّذِي قَالَ لَوَالِدَيْهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْأَفْرَادِ أُرِيدَ بِهِ الْجِنْسُ

أَفَبِكَسْرِ الْفَاءِ وَفَتْحِهَا بِمَعْنَى مُضْدَرِّأٍ نَتَنَّا وَقَبَحًا لَكُمْ أَتَضَجَّرُ مِنْكُمْ أَتَعِدُنِيَّ وَفِي قِرَاءَةِ بِالَادْغَامِ
 أَنْ أُخْرِجَ مِنَ الْقَبْرِ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ الْأَمَمُ مِنْ قَبْلِي وَلَمْ تُخْرَجْ مِنَ الْقُبُورِ وَهِيَ اسْتَعْيِثَ اللَّهُ يَسْأَلَانِيهِ
 الْغُوثُ بِرُجُوعِهِ وَيَقُولَانِ إِنْ لَمْ تَرْجِعْ وَيَلَيْكَ أَيُّ هَلَاكَ بِمَعْنَى هَلَكْتَ أَمِنْهُ بِالْبُعْثِ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِهِ
 حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَذَا أَيُّ الْقَوْلِ بِالْبُعْثِ إِلَّا سَاطِرُ الْأَوَّلِينَ ۝ كَاذِبُهُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ وَجِبَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
 بِالْعَذَابِ فِي أَمْرٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ۝ وَلِكُلِّ مِنْ جَنَسِ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ دَرَجَاتٌ
 فَدَرَجَاتُ الْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ عَالِيَةٌ وَدَرَجَاتُ الْكَافِرِ فِي النَّارِ سَافِلَةٌ مِمَّا عَمِلُوا أَيُّ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ الطَّاعَاتِ
 وَالْكَافِرُونَ مِنَ الْمَعَاصِي وَلِيُؤْفِقَهُمُ أَيُّ اللَّهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنُّونِ أَعْمَالُهُمْ أَيُّ جَزَاءِهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ شَيْئًا
 يُنْقُصُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَيُزَادُ لِلْكَافِرِ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ بَانَ تَكْشَفَ لَهُمْ يُقَالُ لَهُمْ أَذْهَبْتُمْ بِهَمْزَةٍ
 وَبِهَمْزَتَيْنِ وَبِهَمْزَةٍ وَمَدَّةٍ وَبِهِمَا وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ طَبِيتُكُمْ بِاسْتِعَالِكُمْ بِلَذَائِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ
 تَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ أَيُّ الْهُوانِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ تَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
 تَفْسُقُونَ ۝ به وَتُعَذِّبُونَ بِهَا:

ترجمہ: اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں کہا اگر یہ ایمان کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف
 ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے اور چونکہ ان کہنے والوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس اب یہ کہہ دیں گے کہ یہ
 یعنی قرآن قدیمی جھوٹ ہے حالانکہ اس سے یعنی قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب یعنی تورات اس پر ایمان لانے والوں
 کے لئے پیشوا اور رحمت تھی (اماماً اور رحمۃ) دونوں (کائنات من کتاب موسیٰ سے) حال ہیں، یہ قرآن عربی
 زبان کی کتاب ہے ماقبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے مصدق کی ضمیر سے حال ہے تاکہ ظالموں یعنی مشرکین
 مکہ کو ڈرائے اور مومنین کے لئے بشارت ہو بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر طاعت پر جمے رہے تو نہ تو ان
 کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے یہ تو اہل جنت ہیں جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے (خالدین) حال ہے ان اعمال
 کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے جزاء اپنے فعل مقدر سے مصدریت کی بناء پر منصوب ہے اِنِّیْ يُجْزَوْنَ جزاء ہم نے
 انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے ایک قراءت میں احساناً ہے، یعنی ہم نے اس کو حکم دیا
 ہے کہ انکے ساتھ حسن سلوک کرے، احساناً اپنے فعل مقدر سے مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح حُسْنًا
 اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو بچتا اس کو پیٹ میں رکھنا اور
 دودھ چھڑانا تیس مہینہ (میں پورا ہوتا) ہے چھ ماہ اقل مدت حمل ہے اور باقی رضاعت کی اکثر مدت ہے، کہا گیا ہے اگر
 بچے سے چھ ماہ یا نو ماہ حاملہ رہی تو باقی ایام بچے کو دودھ پلائے یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو حتیٰ جملہ مقدرہ کی غایت

ہے ای عاشرِ حشری اور اشدّ اس کی قوت و عقل و رائے کا کمال ہے اور اس کی اقل مدت تینتیس سال ہے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا اور وہ پختگی کی اکثر مدت ہے تو اس نے کہا: اے میرے پروردگار! الخ (یہ آیت) حضرت ابو بکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی جبکہ وہ آپ ﷺ کی بعثت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر کو پہنچے، آپ ﷺ پر ایمان لائے پھر آپ کے والدین ایمان لائے پھر آپ کے صاحبزادے عبدالرحمن اور عبدالرحمن کے بیٹے ابوعبید اسحاق ایمان لائے تو مجھے توفیق دے مجھے الہام فرما میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور وہ توحید ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے چنانچہ نواہی سے مومن غلاموں کو آزاد کیا جن کو راہِ خدا میں ایذا دی جا رہی تھی، اور مجھے میری اولاد سے راحت پہنچا چنانچہ وہ سب کے سب ایمان لائے، اور میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہی ہیں وہ لوگ اس قول کے کہنے والے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہیں جن کے نیک اعمال کو ہم قبول کر لیتے ہیں اَحْسَنَ بِمَعْنٰی حَسَنَ ہے، اور جن کے بد اعمال سے درگزر کر دیتے ہیں، حال یہ ہے کہ یہ اہل جنت سے ہوں گے (فی اصحاب الجنة) حال ہے ای کائن من جملة اهل الجنة اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا گیا تھا (اور وہ وعدہ) اللہ تعالیٰ کے قول وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ میں کیا ہے، اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: اُف! تنگ کر دیا تم نے اور ایک قراءت میں افراد کے ساتھ ہے اس سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے اُف فاء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ، مصدر کے معنی میں ہے، تمہارے لئے بد بو اور خرابی ہے میں تم سے تنگ آ گیا ہوں تم مجھ سے یہ کہتے رہتے ہو اور ایک قراءت میں اَتَّعِدَ اَنِّیْ ادغام کے ساتھ ہے، کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں اور وہ قبروں سے نہیں نکالی گئیں، اور وہ دونوں (یعنی والدین) اللہ سے فریاد کرتے ہیں (یعنی) اس کے (ایمان کی طرف) رجوع کرنے کی دعاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تو نہ لوٹے گا تو تیرا ستیاناس ہوگا هَلَّا كَلَفَ بِمَعْنٰی هَلَكْتَ ہے، بعث بعد الموت پر ایمان لے آ، بے شک اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ یعنی بعث بعد الموت کی باتیں تو محض افسانے ہیں یعنی جھوٹی باتیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ان سے پہلے امم سابقہ پر جنات سے ہوں یا انسانوں سے عذاب کا وعدہ صادق آچکا، بے شک یہ زیاں کاروں میں سے تھے جنس کا فر اور مومن میں سے ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے بایں طور کہ مومنین کے درجات جنت عالیہ میں ہوں گے اور کافروں کے جہنم میں درجات سافلہ ہوں گے، یعنی مومنین نے جو فرمانبرداری کے کام کئے اور کافروں نے معصیت کے کام کئے، تاکہ وہ یعنی اللہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے اور ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے تاکہ ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا کہ مومنین کے (نیک اعمال) کم کر دیئے جائیں، اور کافروں کے (برے اعمال) میں اضافہ کر دیا جائے، اور جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے، اس طریقہ پر کہ ان کے سامنے سے جہنم کے پردے ہٹا دیئے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا تم نے اپنی نیکیاں اپنی لذتوں میں مشغول ہو کر دنیا

ہی میں برباد کر دیں ایک ہمزہ کے ساتھ اور دو (محقق) ہمزوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ، اور دونوں کے ساتھ مع ثانی (ہمزہ) کی تسہیل کے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے پس آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، ہون بمعنی ہوان ہے، اس باعث کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے اور اسی کا جہنم کے ذریعہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: لَوْ كَانَ خَيْرًا، لَوْ حرف شرط ہے كَانَ خَيْرًا جملہ ہو کر شرط اور مَا سَبَقُونَا جملہ ہو کر جزاء، شرط و جزاء مل کر قَالَ کا مقولہ۔

قَوْلٌ: وَإِذْ لَمْرِيهْتَدُوا بِهِ، إِذْ کا عامل محذوف ہے، اِی ظَهَرَ عِنَادَهُمْ إِذْ لَمْرِيهْتَدُوا بِهِ، إِذْ میں فَسَيَقُولُونَ کا عامل بننا دو وجہ سے درست نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں، إِذْ ماضی کے لئے ہے اور فَسَيَقُولُونَ استقبال کے لئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فاء اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے سے مانع ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى، مِنْ قَبْلِهِ كَائِنْ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور كِتَابُ مُوسَى مبتداء مؤخر ہے، جملہ حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قَوْلٌ: إِمَامًا وَرَحْمَةً، دونوں خبر مقدم کائِنْ کی ضمیر سے حال ہیں، اور ابو عبید نے جَعَلْنَاهُ محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر، شوکانی)

قَوْلٌ: لِسَانًا عَرَبِيًّا مَوْصُوفٍ صِفَتٍ سے مل کر مُصَدِّق کی ضمیر سے حال ہیں، اور مُصَدِّق کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ قَوْلٌ: لِيُنْذِرَ، مُصَدِّق کے متعلق ہے۔

قَوْلٌ: اِی عَلٰی مَشَقَّةٍ اس سے مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ كُرْهَا بَزَعِ الْخَافِضِ منصوب ہے اصل میں عَلٰی كُرْهٍ تھا، اور بعض نے حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے اِی ذَاتِ كُرْهٍ اور بعض نے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے، اِی حَمَلًا كُرْهَا۔

قَوْلٌ: ثَلَاثُونَ شَهْرًا کلام میں حذف ہے اِی مدۃ حملہ و فِصَالہ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔

قَوْلٌ: فِی اَصْحَابِ الْجَنَّةِ یہ کائن محذوف کے متعلق ہو کر عَنْهُمْ کی ضمیر سے حال ہے کَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ الشَّارِح اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے "اَكْرَمَنِي الْاَمِيرُ فِی اَصْحَابِهِ" اِی فِی جَمَلَتِهِمْ اور بعض حضرات نے فِی بمعنی مع لیا، اِی مع اصحاب الجنة، اور دیگر حضرات نے مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا ہے اِی ہم فِی اصحاب الجنة۔

قَوْلٌ: وَعَدَ الصِّدْقِ، وَعَدًا فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اِی وَعَدَهُمُ اللّٰهُ وَعَدَ الصِّدْقِ۔

قَوْلًا: وفی قراءۃ بالافراد یعنی ہشام کی قراءت میں لَوَالِدِیْہ کے بجائے لَوَالِدِہ ہے، مراد جنس والد ہے جو معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلًا: اُف کسرہ تنوین اور بغیر تنوین کے اُف، اُف یُوُفُّ اُفَّا سے مصدر ہے بمعنی نَتْنَا و قُبْحًا کرنی رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی نے کہا ہے یہ اُف یُوُفُّ کا مصدر ہے اور تَبًّا و قُبْحًا کے معنی میں ہے اُف میں تین احتمال ہیں۔ ① مصدر ② اسم صوت ③ اسم فعل۔ مفسر علام نے ان میں سے دو کی طرف اشارہ کیا ہے، بمعنی مصدر سے اول کی طرف اور اُتَضَجُّرُ سے ثانی کی طرف، گویا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ دونوں تفسیریں جائز ہیں، اُف ہر قسم کے میل کچیل کو کہتے ہیں جیسے ناخن کا تراشہ وغیرہ، اور اسی اعتبار سے کسی چیز کے متعلق گندگی اور نفرت کے اظہار کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے، فتح القدیر میں قاضی شوکانی سورۃ اسراء میں تحریر فرماتے ہیں، اصمعی کا بیان ہے کہ اُف کان کا میل ہے اور تُفُّ ناخن کا، کسی چیز سے گھن ظاہر کرنے کے لئے اُف کہا جاتا ہے، چنانچہ اس معنی میں اس کثرت سے استعمال کیا گیا کہ ہر اذیت رساں چیز کے بارے میں عرب اس کا استعمال کرنے لگے، ثعلب سے ابن عربی نے روایت کیا ہے کہ اُفُّ جو کہ اُف کی اصل ہے اس کے معنی جی گھٹنا، تنگ دل ہونا ہیں، زجاج نے اس کے معنی بدبو بتائے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: هَلَاکَکَ، وَیَلَّکَ کی تفسیر هَلَاکَکَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ وَیَلَّکَ اپنے ہم معنی فعل مقدر سے منصوب ہے اور وہ هَلَّکَ ہے، اس لئے کہ وَیَلُّ کا فعل نہیں آتا اور معنی میں هَلَّکَ کے ہے جو بظاہر بددعاء ہے مگر بددعاء مراد نہیں ہے بلکہ اظہار ناگواری اور تحریص علی الایمان ہے نہ کہ حقیقتہ ہلاکت، جیسے ماں اپنے بیٹے سے کہہ دیتی ہے، تو مرے ایسا مت کر، یا تیرا ستیا ناس ہو، وَیَلَّکَ کے معنی فارسی میں، وائے بر تو، کے ہیں یعنی تیرے اوپر افسوس۔

قَوْلًا: درجات کلام میں تغلیب ہے ورنہ تو جہنم کے درجات کو درکات کہا جاتا ہے۔

قَوْلًا: یَوْمَ یُعْرَضُ، یَوْمَ فعل مقدر، یقال لہم سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: اَذْهَبْتُمْ اکثر کے نزدیک ایک ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ہمزہ استفہام کے بغیر اور دو ہمزوں کے ساتھ کہ دونوں محققہ ہوں اور ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ یہ ہشام کے نزدیک ہے، دو ہمزوں کے ساتھ مگر دوسرے میں تسہیل بغیر مد کے یہ ابن کثیر کے نزدیک ہے۔

قَوْلًا: بَغِیرِ حَقِّیْہ تَسْتَکْبِرُوْنَ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ تکبر ناحق ہی ہوتا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

شان نزول:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا ابْنُ مَنْذَرٍ ابْنُ شَدَادٍ سے روایت کیا ہے کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن الخطاب کی زنیہ نام کی ایک باندی تھی، جو حضرت عمر سے پہلے ایمان لائی تھی، حضرت عمر اس کے ایمان لانے پر اس کو زودو

کو بکرتے تھے، اور کفار کہا کرتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کی دعوت میں کوئی خیر ہوتی تو زنیہ اس کو قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ کرتی، اسی واقعہ کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) ابوالمتوکل نے کہا ہے کہ قریش نے یہ بات اس وقت کہی تھی کہ جب ابوذر اور قبیلہ غفار ایمان لایا تھا، اور ثعلبی نے کہا ہے کہ جب عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تھے تو یہود نے یہ بات کہی تھی، مگر اس صورت میں لازم آتا ہے کہ آیت مدنی ہو، حالانکہ پوری سورت مکی ہے اسی وجہ سے، اس آیت کو مستثنیات میں شمار کیا ہے۔ (روح المعانی)

قریش کا عوام الناس کو بہکانے کا ہتھکنڈہ:

قریشی سردار عوام الناس کو نبی کریم ﷺ کے خلاف بہکانے اور دین حنیف سے برگشتہ کرنے کیلئے جو ہتھکنڈے اور تدابیر استعمال کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد ﷺ کی دعوت صحیح ہوتی تو قوم کے سردار اور شیوخ اور معززین آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے، آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند نا تجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجہ کے غلام تو ایک بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ جو دانا اور جہاندیدہ ہیں اور جن کی عقل و تدبیر پر قوم آج تک اعتماد کرتی رہی ہے اس کو رد کر دیں، اس پر فریب استدلال سے وہ عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے اسی لیے تو قوم کے اکابر اس کو نہیں مان رہے ہیں لہذا تم لوگ بھی اس سے دور رہو۔

تکبر اور غرور، عقل کو بھی مسخ کر دیتا ہے:

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ متکبر آدمی اپنی عقل اور اپنے عمل کو معیار حسن و قبح و خیر و شر سمجھنے لگتا ہے جو چیز اس کو پسند نہ ہو خواہ دوسرے لوگ اس کو کتنا ہی پسند کرتے ہوں یہ ان کو بے وقوف سمجھتا ہے، حالانکہ خود بے وقوف ہے کفار کے غرور و تکبر کا اس آیت میں بیان ہے کہ اسلام اور ایمان ان کو چونکہ پسند نہیں تھا تو دوسرے لوگ جو ایمان کے دلدادہ اور فریفتہ تھے ان کو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی ان غریبوں فقیروں مسکینوں اور غلاموں کی پسند کا کیا اعتبار۔ خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے خود کو حق و باطل کا معیار قرار دے رکھا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ہدایت کو وہ قبول نہ کریں وہ ضرور ضلالت اور گمراہی ہونی چاہئے، لیکن یہ لوگ اس ہدایت کو نیا جھوٹ کہنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے بلکہ قدیم اور پرانا جھوٹ کہتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام یہی پیش کرتے رہے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک وہ سب لوگ بھی دانائی سے محروم تھے جو ہزاروں برس سے ان حقائق کو پیش کرتے اور مانتے چلے آ رہے ہیں اور تمام دانائی صرف ان کے حصہ میں آگئی ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَابُ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً اس جملہ کا مقصد ایک تو مآ کنتُ بدعًا مِنَ الرُّسُلِ کا ثبوت فراہم کرنا ہے کہ آپ کوئی انوکھے اور نرالے رسول نہیں اور قرآن کوئی انوکھی کتاب نہیں کہ ان پر ایمان لانے میں لوگوں کو اشکال ہو بلکہ آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام رسول ہو کر آچکے ہیں اور ان پر تورات نازل ہو چکی ہے جس کو یہ کفار، یہود، نصاریٰ سب تسلیم کرتے ہیں، دوسرے سابق میں جو شہد شاہد آیا ہے اس کی بھی تقویت ہوگئی، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور تورات خود قرآن اور رسول

مذکورہ چار آیتوں میں اصل مضمون انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرنا ہے، ضمناً دوسری تعلیمات بھی زیر بحث آگئی ہیں۔

والدہ کی خدمت کی زیادہ تاکید کیوں؟

خدمت اگرچہ دونوں ہی کی کرنی چاہئے مگر چونکہ والدہ بچے کے لئے زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے اس لئے اس کی خدمت کی اہمیت اور تاکید زیادہ ہے، ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کس کا حق خدمت مجھ پر زیادہ ہے؟ فرمایا: اصل اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ اَبَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ (مظہری) تیری ماں کا پھر پوچھا اس کے بعد کس کا؟ فرمایا: تیری ماں کا، پھر پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا: تیری ماں کا، جب چوتھی مرتبہ پوچھا پھر کس کا؟ آپ نے فرمایا: تیرے باپ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ٹھیک اس آیت کی ترجمانی ہے، کیونکہ آیت میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: ① اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر پیٹ میں رکھا ② مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا ③ اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے۔

شان نزول:

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اخراج ابن عساکر من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس قال نزل (ووصینا الانسان بوالدیہ) (الی یوعدون) فی ابی بکر الصدیق اسی بناء پر تفسیر مظہری میں وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ كَ الْفِ لَام کو عہد کا قرار دے کر اس سے مراد ابو بکر صدیق لئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگرچہ کسی آیت کا سبب نزول کوئی خاص فرد یا خاص واقعہ ہو، مگر حکم سب کے لئے عام ہوتا ہے، اگر آیت کو تعلیم عام کے لئے قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی صدیق اکبر اس تعلیم کے پہلے مصداق قرار پائیں گے، جو ان ہونے اور چالیس سال عمر ہونے کے بعد کی تخصیصات جو ان آیات میں مذکور ہیں بطور تمثیل کے ہوں گے۔ (معارف)

حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا اس جملہ میں بھی ماں کی مشقت کا بیان ہے کہ بچے کے حمل اور وضع حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت و مشقت سے فراغت نہیں ملتی کیونکہ اس کے بعد بچے کی غذا بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اتاری ہے، آیت میں ارشاد فرمایا کہ بچہ کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے اکثر مدت رضاعت دو سال کامل متعین فرمادی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور یہاں حمل اور رضاعت دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے، تو رضاعت کے دو سال یعنی ۲۴ مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہتے ہیں جس کو حمل کی کم از کم مدت قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت اور سورہ لقمان کی آیت ۱۴ اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۳ سے ایک قانونی نکتہ بھی نکلتا ہے جس کی نشاندہی ایک مقدمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عباس ابن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بناء پر اپنا فیصلہ بدل دیا۔

فَائِدَہ: اس آیت میں حمل کی اقل مدت کا بیان ہے اور رضاعت کی اکثر مدت کی طرف اشارہ ہے، حمل کی کم از کم چھ ماہ کی مدت متعین ہے، اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہو سکتا، مگر زیادہ سے زیادہ کتنی مدت بچہ حمل میں رہ سکتا ہے اس میں عادتیں مختلف ہیں، اسی طرح رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین ہے کہ دو سال تک دودھ پلایا جاسکتا ہے کم سے کم مدت کی کوئی تعیین نہیں۔

اکثر مدت حمل اور مدت رضاعت میں فقہاء کا اختلاف:

اکثر مدت حمل امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات منقول ہیں چار سال، پانچ سال، سات سال، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار سال ہے، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور روایت بھی چار ہی سال کی ہے۔ (مظہری) اور اکثر مدت رضاعت جس کے ساتھ احکام رضاعت متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب اس پر متفق ہیں اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے (دارقطنی بحوالہ معارف) نیز حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود کا بھی یہی قول ہے (ابن ابی شیبہ، معارف) صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جاسکتا ہے، جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے، اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا دو سال تک بھی دوسری غذا نہ لے سکتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے، مگر فتویٰ فقہاء حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ اگر دو سال کی مدت کے بعد دودھ پلایا گیا ہو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے قبیلہ جہینہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور شادی کے چھ ہی ماہ بعد اس کے یہاں صحیح سالم بچہ پیدا ہو گیا، اس شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا، آپ نے اس عورت کو زانیہ قرار دیکر رجم کا حکم فرما دیا، جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قصہ سنا تو فوراً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور فرمایا یہ آپ نے کیا فیصلہ کر دیا؟ حضرت نے جواب دیا کہ نکاح کے چھ ماہ بعد اس نے زندہ سلامت بچہ جن دیا، کیا یہ اس کے زانیہ ہونے کا کھلا ثبوت نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی مذکورہ تینوں آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھیں، سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **مَا مِّنْ اِحْدٰیہُمْ اَنْ یَّهْدٰی اَوْ یُضِلَّ اَوْ یُؤْمَرْ اَوْ یُؤْمَرُ** پلائیں، اس باپ کے لئے جو رضاعت کی پوری مدت دودھ پلوانا چاہے، سورہ لقمان میں فرمایا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے

سنت ہے، عبد الرحمن بن ابی بکر نے کہا ہر قل اور قیصر کی سنت ہے، تو اس وقت مروان نے کہا یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں آیت والذی قال لوالذیہ اُفّ لکما نازل ہوئی یہ بات جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو فرمایا مروان نے جھوٹ بولا واللہ ایسا نہیں ہے، اگر میں چاہوں تو اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ (حکم) پر لعنت فرمائی اور مروان اس وقت حکم کی پشت میں تھے، لہذا مروان ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ نے لعنت فرمائی۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی بکر اس آیت کے مصداق نہیں ہیں اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں کہ عبد الرحمن جیسے جلیل القدر صحابی جن کی تلوار آبدار نے قیصر و کسریٰ کو پست کر دیا اور جن کے خون زخم سے شام و عراق کی زمینیں آج تک گلگوں و گل بو ہیں، جنہوں نے اپنی جان اللہ کے لئے فدا کی، یہ سمجھ اور عقل سے بالاتر ہے کہ ایسے پاکیزہ و پاک باطن کے بارے میں اُولَئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِی اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالانْسِ اِنَّہُمْ کَانُوا خَاسِرِیْنَ جیسی وعید شدید نازل ہو۔

(خلاصۃ التفاسیر للتائب لکھنوی، فتح القدیر شوکانی ملخصاً)

وَ اذْکُرْ اَخَاعَادِ ھُو ھُوْدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِذْ اِلَی الْاٰخِرَہِ بَدَلُ اشْتِمَالِ اَنْذَرَقَوْمَہُ بِالْاَحْقَافِ وَاِذْ بِالْیَمَنِ بِہِ مَنَازِلُہُمْ وَقَدْ خَلَّتِ النُّذُرُ مَضَتْ الرُّسُلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہِ اِیْ مِنْ قَبْلِ ھُوْدٍ وَمِنْ بَعْدِہِ اِلَی اَقْوَامِہُمْ اَنْ اِیْ بَانَ قَالَ اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہُ وَجُمْلَہُ، وَقَدْ خَلَّتْ مُعْتَرِضَہُ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَ اللّٰہِ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝۱۰ قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِنَا فِکْنَا عَنْ الْہِتَانَا لِنَتَضَرَّ فَنَآ عَنْ عِبَادَتِہَا فَاتِنَا بِمَا تَعِدُنَا مِنْ الْعَذَابِ عَلٰی عِبَادَتِہَا اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۱۱ فِیْ اَنّٰہُ یَاتِیْنَا قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ ۝۱۲ ھُو الَّذِیْ یَعْلَمُ مَتٰی یَاتِیْکُمْ الْعَذَابُ وَاَبْلَغُکُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِہِ اِلَیْکُمْ وَلَکِنِّیْ اَرٰیْکُمْ قَوْمًا تَجْہَلُوْنَ ۝۱۳ بِاسْتِعْجَالِکُمْ الْعَذَابَ فَلَمَّا رَاُوْہُ اِیْ مَا ھُو الْعَذَابُ عَارِضًا سَحَابًا غَرَضٌ فِیْ اُفُقِ السَّمَآءِ مُسْتَقْبِلَ اَوْدِیَّتِہُمْ قَالُوْا ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اِیْ مُسْمَطٌ اِیَّانَا قَالَ تَعَالٰی بَلْ ھُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِہِ مِنَ الْعَذَابِ رِیْحٌ بَدَلٌ مِنْ مَّا فِیْہَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۴ مُؤَلَّمٌ تَدْمِرُ تَہْلِکُ کُلَّ شَیْءٍ مَّرَّتٌ عَلَیْہِ بِاَمْرِ رَبِّہَا بِاِرَادَتِہِ اِیْ کُلَّ شَیْءٍ اَرَادَ اِہْلَاکَہُ بِہَا فَاهْلَکَتْ رِجَالُہُمْ وَنِسَاءُہُمْ وَصِغَارُہُمْ وَکِبَارُہُمْ وَاَمْوَالُہُمْ بَانَ طَارَتْ بِذٰلِکَ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَمَزَقَّتْہُ وَبَقِیَ ھُوْدٌ وَ مَنْ اٰمَنَ مَعَہُ فَاصْبَحُوْا لَا یُرٰی اِلَّا مَسٰکِنُہُمْ کَذٰلِکَ کَمَا جَزٰیْنَاہُمْ تَجْزٰی الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۵ غَیْرَہُمْ وَلَقَدْ مَكَّنَّہُمْ فِیْمَا فِی الْاَرْضِ اِنْ نَافِیَہُ اَوْ زَائِدَہُ مَكَّنَّکُمْ یَا اَہْلَ مَکَّہُ فِیْہِ مِنَ الْقُوَّةِ وَالْمَالِ وَجَعَلْنَا لَہُمْ سَمْعًا بِمَعْنٰی اَسْمَاعًا وَاَبْصَارًا وَاَفْئِدَہُ قُلُوْبًا فَمَا اَغْنٰی عَنْہُمْ سَمْعُہُمْ وَلَا اَبْصَارُہُمْ وَلَا اَفْئِدَتُہُمْ مِنْ شَیْءٍ اِیْ شَیْئًا مِنْ الْاِغْنَاءِ وَمِنْ زَائِدَہُ اِذْ مَعْمُولَہُ لَا غْنٰی وَاُشْرِیْتُ مَعْنٰی التَّغْلِیلِ کَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ حُجْجَہُ النَّبِیَّۃِ وَحَاقَ نَزَلَ بِہُمْ مَّا کَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۶ اِیْ الْعَذَابُ۔

تَرْجُمَہ: عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کا ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جب وہ احقاف میں مقیم تھی ڈرایا (خبر دار کیا) (اذ) سے لیکر آخر تک (اَخَا عَاد) سے بدل الاشتمال ہے، احقاف یمن میں ایک وادی ہے اسی میں ان کے مکانات تھے اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے یعنی رسول گذر چکے تھے اور اس کے بعد بھی یعنی ہود سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی اپنی قوموں کی طرف یہ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور قد خلت جملہ معترضہ ہے، اگر تم غیر اللہ کی بندگی کرتے رہے تو مجھے تمہارے اوپر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، قوم نے جواب دیا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں کی بندگی سے برگشتہ کر دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ عذاب ہمارے اوپر آئے گا تو وہ عذاب جس کا تم بتوں کی عبادت کرنے پر ہم سے وعدہ کرتے ہو لے آؤ، تو ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے وہی جانتا ہے کہ تمہارے اوپر کب عذاب آئے گا، مجھے تو جو پیغام دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ عذاب کے بارے میں جلدی کر کے نادانی کر رہے ہو لیکن جب انہوں نے اس کو یعنی عذاب کو جو بادل کی صورت میں افق آسمان پر پھیل گیا تھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یہ ایسا بادل ہے کہ ہم کو سیراب کرے گا یعنی ہم پر بر سے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (نہیں) بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (یعنی ہوا کا طوفان ہے) ریح، ماسے بدل ہے، جس میں دردناک عذاب ہے یہ (عذاب) ہر اس چیز کو اپنے رب کے حکم سے ٹہس نہس کر دے گا جس پر وہ گذرے گا یعنی ہر اس شئی کو برباد کر دے گا جس کو اس عذاب کے ذریعہ اللہ برباد کرنے کا ارادہ کرے گا، چنانچہ اس (طوفانی عذاب) نے ان کے مردوں کو ان کی عورتوں کو ان کے چھوٹوں کو ان کے بڑوں کو اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیا، اس طریقہ سے کہ ان چیزوں کو آسمان اور زمین کے درمیان لے کر اڑ گیا، اور ان کو ریزہ ریزہ کر دیا اور ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے صحیح سلامت بچ گئے، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اسی طرح جس طرح ان کو سزا دی ان کے علاوہ ہر مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں اور یقیناً ہم نے ان کو وہ قوت اور مال دیا تھا اے اہل مکہ! جو تم کو تو دیا بھی نہیں، ان نافیہ ہے یا زائدہ ہے اور ہم نے ان کو کان سمع بمعنی اسماع ہے، آنکھ اور دل سب کچھ دیئے تھے مگر ان کے نہ وہ کان کچھ کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل یعنی کچھ کام نہ آئے من زائدہ ہے (اذ) اغنی کا معمول ہے اور تعلیل کے معنی پر مشتمل ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں یعنی اس کی واضح حجتوں کا انکار کرنے لگے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی عذاب ان پر الٹ پڑا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہ: اَخَا عَادِ عاد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص گذرا ہے جس کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام سے جاملتا ہے، بعد میں اس کی نسل بھی اسی نام سے موسوم ہوئی جو طوفان نوح علیہ السلام کے بعد ملک عرب میں سب

سے پہلی با اقتدار قوم تھی، عادی اگر شخص کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور اگر قبیلہ کے معنی میں ہو تو غیر منصرف ہوگا (لغات القرآن) اور یہاں، اخ سے مراد نسبی اخوت ہے نہ کہ دینی، بِالْأَحْقَافِ یہ حَقْفُ کی جمع ہے ریت کے دراز و بلند و خمدار ٹیلوں کو کہتے ہیں مزید تحقیق ابتداء سورت میں گزر چکی ہے۔

قَوْلُهُ: بِالْأَحْقَافِ یہ اَنْذَر کا صلہ نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ عَادُ سے حال ہے اُنْیَ حَالِ کونہم مُّقِیْمِیْنَ بِالْأَحْقَافِ اب رہا اَنْذَر کا صلہ تو وہ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ہے کما یأتی (جمل) بِأَنَّ شارح نے اشارہ کر دیا کہ اُنْ مصدر یہ یا مخففہ ہے اور باء تصویر یہ ہے یعنی گزرنے کی صورت میں حال اور کیفیت کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی وہ انبیاء و رسل اس حال اور صورت میں گزرے کہ اپنی اپنی قوموں کو ڈرانے والے تھے۔

قَوْلُهُ: تَأْفِكُنَا (ض، س) سے اِفْکًا اس کے معنی جھوٹ بولنے کے ہیں مگر جب اس کا صلہ عن آتا ہے تو اس کے معنی برگشتہ کرنے اور پھیرنے کے ہوتے ہیں یہ برگشتگی اور پھیرنا خواہ اعتقاد کے اعتبار سے ہو یا عمل کے اعتبار سے۔

قَوْلُهُ: مَا هُوَ الْعَذَابُ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ رَاَوْهُ کی ضمیر اس مالکی طرف لوٹ رہی ہے جو مَا تَعِدُنَا میں ہے اور زنجیری نے کہا ہے کہ رَاَوْهُ کی کی ضمیر مبہم بھی جائز ہے جس کے ابہام کو عارضاً سے رفع کر دیا خواہ تمیز ہونے کی وجہ سے یا حال ہونے کی وجہ سے، اور فرمایا کہ یہ اعراب اصح ہے، اس لئے کہ اس میں بیان بعد الا بہام ہے۔

سُئِلَ: مُسْتَقْبَلِ اَوْ دِیْتِهِمْ، عَارِضًا کی صفت ہے حالانکہ موصوف عَارِضًا نکرہ ہے اور مُسْتَقْبَلِ اَوْ دِیْتِهِمْ اضافت کی وجہ سے معرفہ اسی طرح مُمَطَّرُنَا، عَارِض کی صفت ہے، حالانکہ مُمَطَّرُنَا اضافت کی وجہ سے معرفہ اور عَارِضٌ نکرہ ہے۔

جَوَابُ: دونوں جگہ صفت میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی لہذا صفت بننے میں کوئی قباحت نہیں ہے، شارح علیہ الرحمۃ نے مُمَطَّرِ اِیَّانَا محذوف مان کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: فَاهْلَکْتَ کے اضافہ کا مقصد فَاصْبَحُوا کے عطف کو درست کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: اَوْ زَائِدَةٌ (فیہ مافیہ) اس لئے کہ ما کو زائدہ ماننے کی صورت میں معنی ہوں گے کہ ہم نے ان کو ویسی قدرت دی جیسی تم کو قدرت دی ہے اس میں قوم عاد کی قدرت مشبہ اور قریش کی قدرت مشبہ بہ ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قریش کو قدرت اور تمکین قوم عاد سے زیادہ دی تھی اس سے قریش کی عظمت سمجھ میں آتی ہے جو کہ خلاف مقصود ہے، لہذا شارح علیہ الرحمۃ کا اَوْ زَائِدَةٌ کہنا زائد معلوم ہوتا ہے (جمل) وَأُشْرِبْتُ معنی التعلیل زنجیری نے کہا ہے، اِذْ ظَرَفِیْہِ ہے جاری مجرئی تعلیل کے ہے اور أُشْرِبْتُ بمعنی غلبت ہے یقال أُشْرِبَ الْاَبِیضَ حَمْرَةً، وَأُشْرِبَ فِی قُلُوبِهِمْ اِیْ غَلَبَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اُذْکُرْ اَخَا عَادٍ (الایۃ) اَحْقَاف، حَقْفُ کی جمع ہے ریت کے مستطیل، بلند اور خمدار ٹیلوں کو کہتے ہیں، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد اولیٰ اسی علاقہ میں رہتی تھی، یہ حضرموت (یمن) کے قریب کا علاقہ ہے، آج کل یہاں کوئی آبادی نہیں،

اغلب یہ ہے کہ ہزاروں سال پہلے یہ ایک شاداب اور کشت زار علاقہ ہوگا بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگزار بنا دیا ہوگا، آنحضرت ﷺ کی کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر آپ ﷺ کی تسلی کے لئے گزشتہ انبیاء اور سابقہ قوموں کے واقعات سنائے جا رہے ہیں، اس کے علاوہ چونکہ سردارانِ قریش اپنی بڑائی کا زعم رکھتے تھے اور اپنی ثروت و مشیخت پر پھولے نہ سماتے تھے، نیز انہیں اپنی طاقت و قوت پر بڑا گھمنڈ اور غرور تھا وہ اپنے آگے کسی کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے اس لئے یہاں ان کو قوم عاد اور ان کی طاقت و زور آوری کا قصہ سنایا جا رہا ہے، قوم عاد قدیم زمانہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور سرمایہ دار نیز مہذب قوم تھی قوم عاد کا قصہ سنا کر اہل مکہ کو خود فریبی سے نکالنا اور ان کی خوش فہمی کو دور کرنا ہے، اس لئے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہیں نکلتا اس وقت تک اس پر اپنی حقیقت آشکارا نہیں ہوتی کنوئیں کا مینڈک کنوئیں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم جو بت پرستی اور مظاہر پرستی کی خوگر و دل دادہ تھی تو حید اور خدا پرستی کے آثار و نشانات تک ان سے معدوم ہو چکے تھے انبیاء سابقین کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا تھا، حضرت ہود علیہ السلام کو انبیاء سابقین کی تعلیمات اور تو حید کی تبلیغ کے لئے قوم عاد کی طرف مبعوث کیا گیا تھا، حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو مجھے تمہارے حق میں یوم عظیم (روز قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے، قوم بجائے اس کے کہ اس معقول بات کو سنجیدگی سے لیتی الٹا اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور کہنے لگے وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو جلدی لے آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ہم کو بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو، حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا یہ بات تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم پر عذاب کب آئے گا، اس کا فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ تم میرے انداز و تنبیہ کو مذاق سمجھ کر عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو، تمہیں اندازہ نہیں کہ خدا کا عذاب کیا ہوتا ہے اور تمہاری نازیبا حرکتوں کی وجہ سے وہ کس قدر قریب آچکا ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا جَبْ قَوْمٌ عَادَنَ اِيْكَ اَوْرَسِيَّاهُ بَادِلُ اِنِّیْ وَاْدِیْوْنَ کِیْ طَرَفِ اَتَیْے هُوَیْ دِیْکَھَا تُو بَہْتْ خُوشْ هُوَیْے اَوْر کَہْنِے لَگَے یَہ بَر سَاؤْ بَادِلْ هَے ہَم کو ضرور سیراب کرے گا، ارشاد ہوا نہیں، بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، یہ جواب یا تو حضرت ہود علیہ السلام کی طرف سے تھا یا پھر زبان حال کا، بخاری و مسلم وغیرہا نے عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلاتے ہوئے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں البتہ آپ مسکرایا کرتے تھے، اور آپ بادل یارتِ شدید (آندھی) دیکھتے تو آپ کے چہرہ انور پر اضطراب کے آثار نمودار ہو جاتے (ایک روز) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش ہوگی، اور میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرہ انور پر ناگواری ظاہر ہوتی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں کس طرح مامون ہو جاؤں کہ اس میں عذاب نہیں ہے، حالانکہ ایک قوم آندھی کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہے، اور ایک قوم نے جب عذاب کو دیکھا تھا تو کہا تھا یہ بادل ہم کو ضرور سیراب کرے گا۔

تَذَمَّرُ کُلُّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّہَا (الآیۃ) یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے اپنے رب کے حکم سے ہر اس شئی کو تباہ کر دے گا جس پر اس کا گذر ہوگا، آخر کار ان کا یہ حشر ہوا کہ ان کے مکانوں کے خرابات کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا، ہوا کا ایسا

طوفان آیا کہ ریت کے تودوں کو ان پر پلٹ دیا چنانچہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک وہ لوگ ریت میں دبے رہے، پھر اللہ نے ہوا کو حکم دیا، ہوانے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹایا اور ان کو دریا میں پھینک دیا، اب ان کا یہ حال ہے کہ وہاں ان کے مکانوں کے نشانوں کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ (فتح القدیر ملخصاً)

وَلَقَدْ مَكَنَّا هُمْ فِيمَا (الآية) مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ تم کو اپنی قوت، قدرت اور ثروت، پر فخر و ناز نہیں ہونا چاہئے، سابق زمانہ میں جو قومیں تم سے کہیں زیادہ زور آور، سرمایہ دار تھیں ہم ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں تمہاری ان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں ہے یعنی مال، دولت، طاقت، اقتدار۔ غرضیکہ کسی چیز میں بھی تمہارا اور ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے تمہارا دارۃ اقتدار تو شہر مکہ کے حدود سے باہر کہیں بھی نہیں، اور وہ زمین کے ایک بڑے حصے پر چھائے ہوئے تھے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَابْصَارًا وَافْئِدَةً (الآية) اس کے مخاطب بھی اہل مکہ ہی ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں جنہیں ہم نے ہلاک و برباد کر دیا قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان، دل) کو حق کو سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لئے استعمال نہیں کیا تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان آیات الہیہ ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی نگاہ حق شناس نصیب نہیں ہوتی، کان رکھتے ہوئے بھی وہ ہر کلمہ نصیحت کے لئے بہرا ہو جاتا ہے اور دل و دماغ کی جو نعمتیں خدا نے اسے دی ہیں، ان سے الٹا سوچتا اور ایک سے ایک بڑھ کر غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے، یہاں تک کہ خود اس کی ساری قوتیں اپنی ہی تباہی میں صرف ہونے لگتی ہیں۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ اِی اَہْلِهَا کَثُودٌ وَعَادٌ وَقَوْمٌ لُّوْطٌ وَصَرَفْنَا الْاٰلِیْتَ کَرَرْنَا الْحُجَجَ الْبَیِّنَاتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿٧﴾ فَلَوْلَا هَآءَا نَصْرُهُمْ بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِی غَیْرِہٖ قُرْبَانًا مُّتَقَرِّبًا اِلٰی اللّٰهِ الْهَآءَا مَعَهُ وَهُمْ الْاَصْنَامُ وَمَفْعُولُ اتَّخَذُوا الْاَوَّلُ ضَمِیْرٌ مَّحْذُوفٌ یُعَوِّذُ اِلٰی الْمَوْصُولِ اِی هُمْ، وَقُرْبَانًا، الثَّانِی وَالْهَآءَا بَدَلٌ مِنْہٗ بَلْ ضَلُّوْا غَاوُوا عَنْهُمْ عِنْدَ نَزْوْلِ الْعَذَابِ وَذٰلِکَ اِی اِتَّخَذُوْهُمُ الْاَصْنَامَ الْهَآءَا قُرْبَانًا اِفْکَهُمْ کَذِبُهُمْ وَمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿٨﴾ یُکَذِّبُوْنَ وَمَا مَصْدَرِیَّةٌ اَوْ مَوْصُولَةٌ وَالْعَائِدُ مَحْذُوفٌ اِی فِیْہِ وَ اِذْکُرْ اِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ جَن نَّصِیْبِیْنَ الْیَمَنِ اَوْ جِنِّ نِیْنَوٰی وَکَانُوْا سَبْعَةً اَوْ تِسْعَةً وَکَانَ صَلٰی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَمٌ بِبَطْنِ نَّخْلٍ یُّصَلِّیْ بِاَصْحَابِہِ الْفَجْرِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوْہُ قَالُوْا اِی قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَنْصِتُوْا اَصْغُوْا لِاسْتِمَاعِہِ فَلَمَّا قَضٰی فَرَغَ مِنْ قِرَآءَتِہٖ وَلَوْ اَرْجَعُوْا اِلٰی قَوْمِہُمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿٩﴾ مُّخَوِّفِیْنَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا وَکَانُوْا یَهُودًا قَالُوْا یَقُوْمُنَا اِذَا سَمِعْنَا کِتَابًا هُوَ الْقُرْآنُ اَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِی تَقَدَّمَہُ کَالْتَّوْرَةِ یَهْدِیْ اِلٰی الْحَقِّ الْاِسْلَامِ وَ اِلٰی طَرِیْقِ مُسْتَقِیْمٍ ﴿١٠﴾ اِی طَرِیْقَہٗ یَقُوْمُنَا اِجِبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ مُحَمَّدًا صَلٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَمٌ اِلٰی الْاِیْمَانِ وَ اٰمِنُوْا بِہِ یَغْفِرْ لَکُمْ

اللّٰهُ مِّنْ دُونِكُمْ اِیْ بَعْضُهَا لَآ مِنْهَا الْمَظَالِمُ وَلَا تُغْفَرُ الْاِیْرَاضِیُّ اَرْبَابُهَا وَيُجْزَكُم مِّنْ عَذَابِ الْیَمِّ ۝۳۱ مَوْلَم
وَمَنْ لَا یُحِبُّ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ اِیْ لَا یُعْجِزُ اللّٰهُ بِالْهَرَبِ مِنْهُ فِیْقُوْتُهُ وَلَیْسَ لَهُ لِمَنْ لَا یُحِبُّ مِنْ دُونِهِ
اِیْ اللّٰهُ اَوْلِیَاءُ اَنْصَارٌ یَّدْفَعُوْنَ عَنْهُ الْعَذَابَ اُولَئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُجِیْبُوْا فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۳۲ بَیْنَ ظَاهِرٍ اَوْ لَمْ یَرَوْا یَعْلَمُوْا
اِیْ مُنْكَرُوا الْبَعْثِ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعِیْ بِخَلْقِهِنَّ لَمْ یُعْجِزْ عَنْهُ بِقَدْرِ خَبْرًا وَ زِیْدَتِ الْبَاءُ
فِیْهِ لِآنَ الْكَلَامِ فِی قُوَّةِ الْیَسِّ اللّٰهُ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰی بَلٰی هُوَ قَادِرٌ عَلٰی اِحْیَاءِ الْمَوْتٰی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۳۳
وَيَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلٰی النَّارِ بِاَنْ یُّعَذَّبُوْا بِهَا یَقَالُ لَهُمْ اَلَیْسَ هٰذَا الَّذِیْ تَعْدُوْنَ بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبَّنَا
قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۴ فَاصْبِرْ عَلٰی اِذِیْ قَوْمِكَ كَمَا صَبَرْنَا وَلَوْ الْعِزْمُ ذُووُ الشَّاتِ وَالصَّبْرُ عَلٰی
الشَّدَائِدِ مِنَ الرُّسُلِ قَبْلَكَ فَتَكُوْنُ ذَا عِزْمٍ وَمِنْ اللَّیْبَانِ فَكُلُّهُمْ ذُووُ عِزْمٍ وَقِیْلَ لِلتَّبَعِیْنِ فَلَیْسَ مِنْهُمْ اَدَمُ
لِقَوْلِهِ تَعَالٰی وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عِزْمًا وَلَا یُوْنُسُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْخُوْتِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ لِقَوْلِكَ
نُزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ قِیْلَ كَاَنَّهُ ضَجَرَ مِنْهُمْ فَاحْبَبَ نَزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ فَامَرَ بِالصَّبْرِ وَتَرَكَ الْاِسْتَعْجَالَ
لِلْعَذَابِ فَانَّهُ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مُحَالَةً كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوعَدُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ فِی الْاٰخِرَةِ لَطُوْلُهُ لَمْ یَلْبَثُوْا فِی
الدُّنْیَا فِی ظَنِّهِمْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ هٰذَا الْقُرْآنُ بَلَّغٌ تَبْلِیْغٌ مِنَ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ فَهَلْ اِیْ لَا یُهْلِكُ عِنْدَ رُؤْیَةِ
الْعَذَابِ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۳۵ اِیْ الْكَافِرُوْنَ

۴۴

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی (بہت سی) بستیوں کو یعنی بستی والوں کو مثلاً ثمود اور عاد اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا اور ہم نے آیتوں کو یعنی واضح حجتوں کو طرح طرح سے بیان کر دیا تاکہ وہ (کفر و شرک سے) باز آجائیں، تو انہوں نے ان سے عذاب کو دفع کر کے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ جن کو اللہ کے علاوہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا، اور وہ بت ہیں اِتَّخَذُوْا کا مفعول، ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ ہُمْ ہے اور قُرْبَانَا مفعول ثانی ہے اور الہۃ اس سے بدل ہے بلکہ وہ نزول عذاب کے وقت ان سے غائب ہو گئے اور یہ یعنی بتوں کو تقرب کے لئے معبود بنا لینا ان کا جھوٹ اور افتراء محض ہے، اور ما مصدر یہ ہے یا موصولہ اور عائد محذوف ہے اور وہ فیہ کی ضمیر ہے اور یاد کرو جب ہم نے جنوں کی جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا وہ جن نصیبین یمن کے یا نینوا کے رہنے والے تھے اور ان کی تعداد سات یا نو تھی، اور آپ ﷺ بطن نخلہ میں اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے (رواہ الشیخان) تاکہ وہ قرآن سنیں جب وہ نبی کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ اور کان لگا کر سنو چنانچہ جب آپ ﷺ قراءت سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی قوم کے پاس عذاب سے ڈرانے والے بن کر اگر وہ ایمان نہ لائے واپس چلے گئے اور وہ یہود تھے اور انہوں نے کہا اے ہماری قوم ہم نے ایسی کتاب قرآن سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی مثلاً تورات کی تصدیق

کرتی ہے حق یعنی اسلام کا کہا مانو اس پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، یعنی بعض گناہوں کو اس لئے کہ گناہوں میں حقوق العباد بھی ہیں وہ صاحب حق کی رضا مندی کے بغیر معاف نہیں کئے جاسکتے، اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا، اور جو شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے گا تو وہ اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتا، یعنی اس سے بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا نہ اس کی پکڑ سے بچ کر نکل سکتا، اور اس بات کو نہ ماننے والے کے لئے اللہ کے سوانہ مددگار ہوں گے کہ اس سے اس عذاب کو دفع کر سکیں، یہ لوگ یعنی بات نہ ماننے والے کھلی گمراہی میں ہیں کیا یہ منکرین بعث اس بات کو نہیں جانتے؟ کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور ان کے پیدا کرنے میں تھکا نہیں یعنی اس سے عاجز نہیں ہوا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر سکے، کیوں نہیں؟ بے شک وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے، بِقَدْرِ اِنَّ کی خبر ہے اور کلام اَلَيْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ کی قوت میں ہے، بلاشبہ وہ ہر شئی پر قادر ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن آگ کے سامنے لائے جائیں گے بایں طور کہ ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا، تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ عذاب حق نہیں ہے؟ جواب دیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزا چکھو، پس (اے پیغمبر!) اپنی قوم کی اذیت پر ایسا ہی صبر کرو جیسا کہ آپ سے پہلے اولوا العزم پیغمبروں نے صبر کیا (یعنی) ثابت قدم رہنے والوں اور تکالیف پر صبر کرنے والوں جیسا (صبر کرو) تو آپ بھی اولوا العزم ہوں گے، اور مِنْ بَیَانِیہ ہے اس صورت میں کل کے کل اولوا العزم ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ مَنْ تَبْعِیْہِ ہے تو آدم علیہ السلام ان میں شمار نہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے قول وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا کی وجہ سے اور نہ یونس علیہ السلام اولوا العزم پیغمبروں میں شمار ہوں گے اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ کی وجہ سے اور آپ ان کے لئے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کریں، یعنی اپنی قوم پر نزول عذاب کے بارے میں جلدی نہ کریں، کہا گیا ہے کہ گویا آپ ﷺ ان سے تنگ آ گئے تھے جس کی وجہ سے آپ نے ان پر نزول عذاب کو پسند فرمایا، لہذا آپ کو صبر کا اور عذاب طلب کرنے میں عجلت کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا، اس لئے کہ وہ تو ان پر لامحالہ نازل ہونے ہی والا ہے، جس روز یہ لوگ آخرت کے اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا وہ دنیا میں ان کے خیال میں دن کی ایک گھڑی ہی رہے تھے، یہ قرآن تمہاری طرف اللہ کی طرف سے تبلیغ ہے، پس عذاب دیکھنے کے وقت فاسق کافر کے علاوہ کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ یہ کلام متانف ہے، مشرکین مکہ سے خطاب ہے لام، قسم محذوف کے جواب پر ہے مِنَ الْقُرَىٰ، ما کا بیان ہے اھلھا کے اضافہ کا مقصد حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔
قَوْلًا: لَوْ لَا، لولا کی تفسیر ہلّا سے کر کے یہ بتا دیا کہ لَوْ لَا تحضیض ہے اور مقصد تو بیخ ہے۔

قَوْلًا: الَّذِينَ اتَّخَذُوا، الَّذِينَ اسم موصول اتَّخَذُوا جملہ ہو کر اس کا صلہ موصول صلہ سے مل کر، نَصَرَ كَافَعْلٍ، اتَّخَذُوا کا مفعول اول هُمْ محذوف ہے اور ثانی قُرْبَانًا ہے اور إِلَهَةً، قُرْبَانًا سے بدل ہے کما صرح به المفسر، قُرْبَانًا باب تفعیل کا مصدر ہے، اور یہ صحیح ہے کہ إِلَهَةً اتَّخَذُوا کا مفعول ثانی ہو اور قُرْبَانًا حال یا مفعول نہ ہو۔

قَوْلًا: ضَلُّوا ای الاضمام اور بعض حضرات نے ضَلُّوا کا فاعل کفار کو قرار دیا ہے یعنی عابدین، معبودین کو ترک کر دیں گے اور ان سے اظہار بیزاری کریں گے (اول اولیٰ ہے)۔ (فتح القدیر)

قَوْلًا: نَفَرًا بمعنی جماعت جو تین سے زیادہ اور دس سے کم ہوں، جمع انفار۔

قَوْلًا: مِنَ الْجَنِّ یہ نَفَرًا کی صفت اول ہے اور يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ صفت ثانی ہے۔

قَوْلًا: حَضَرُوهُ ضمیر کا مرجع قرآن اور نبی دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَوْلًا: فَلَمَّا قُضِيَ جمہور نے مجہول پڑھا ہے اور حبیب بن عبید نے معروف پڑھا ہے مجہول کی صورت میں حَضَرُوهُ کی ضمیر قرآن کی طرف اور معروف کی صورت میں آپ ﷺ کی طرف راجع ہوگی۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: مُنْذِرِينَ حال مقدرہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای مقدرین الإنذار، نصیبین یمن کا ایک قریہ ہے، نینوی نون مکسورہ اور یاء ساکنہ کے ساتھ، اور نون ثانی میں فتح اور ضمہ دونوں جائز ہیں، آخر میں الف مقصورہ ہے۔

قَوْلًا: ببطن نخل مفسر علام نے اس واقعہ کی نسبت بطن نخل کی جانب کی ہے، اس میں تسامح ہے اس لئے کہ وہ مقام جہاں جنات کے قرآن سننے کا مذکورہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بطن نخل تھا اسی کو نخلہ بھی کہا جاتا تھا اور یہ مقام مکہ سے طائف کے راستہ میں ایک رات کی مسافت پر واقع ہے، او بطن نخل وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ نے صلوٰۃ خوف پڑھی تھی اور یہ مقام مدینہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے۔ (حمل)

قَوْلًا: فِی ضَلَالٍ مبین یہاں جنات کا کلام پورا ہو گیا اَوْ لَمْ يَرَوْا سے اللہ کا کلام شروع ہوتا ہے۔

قَوْلًا: وَزَيْدَتِ الْبَاءُ فِيهِ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي قُوَّةِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِقَادِرٍ عَلَامَہ مَحَلِّی کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک اعتراض کا دفع ہے، اعتراض یہ ہے کہ باء کلام نفی کے بعد زائد ہوتی ہے اور جوائے کے تحت ہے وہ مثبت ہے؛ لہذا بقادر میں باء لانا درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ نفی آیت کے شروع اَوْ لَمْ يَرَوْا میں واقع ہے اور جو کچھ اس کے بعد ہے وہ بھی نفی کے تحت ہے گویا کہ کلام أَلَيْسَ اللَّهُ بِقَادِرٍ کی قوت میں ہے لہذا باء کا داخل کرنا جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے قول بَلَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ میں بلی سے دیا گیا ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ کلام قوت میں نفی کے ہے اس لئے کہ بلی کے ذریعہ کلام نفی کا ہی جواب آتا ہے۔

قَوْلًا: يُقَالُ لَهُمْ عَلَامَہ مَحَلِّی نے یُقَالُ لَهُمْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یوم کا نائب یُقَالُ فعل محذوف ہے، اور یَوْمَ يُعْرَضُ سے أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ تک یُقَالُ کا مقولہ ہے۔

قَوْلًا: وَرَبَّنَا میں واؤ قسمیہ برائے تاکید ہے۔

قَوْلًا: ذُوو الثَّبَات یہ اولوالعزم کی تفسیر ہے اس کے معنی ہیں عالی ہمت، ثابت قدم، اگر من کو بیانیہ مانا جائے تو تمام انبیاء علیہم السلام اولوالعزم میں شامل ہوں گے اور بعض حضرات نے مِنْ کو تبعیضیہ لیا ہے، اس صورت میں بعض انبیاء اولوالعزم سے مستثنیٰ ہوں گے، کما اشار الیہ المفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی۔

قَوْلًا: فَاصْبِرْ جواب شرط ہے، فاء جزائیہ ہے، شرط محذوف ہے ای اِذَا كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِ الْكُفَّارِ مَا ذُكِرَ، فَاصْبِرْ عَلٰی اِذَا هُمْ، قِيلَ كَاَنَّهُ ضَجَرَ مُنَاسِبٍ ہوتا کہ مفسر علام كَاَنَّهُ کو حذف کر دیتے۔ (صاوی)

قَوْلًا: يَوْمَ يَرَوْنَ یہ لم يَلْبَثُوا کا ظرف ہے لطولہ، لم يَلْبَثُوا کی تعلیل مقدم ہے۔

قَوْلًا: هَذَا الْقُرْآنُ بِلَاغٍ، هَذَا الْقُرْآنُ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ بِلَاغٍ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وَبَلَاغٍ اسْمٌ لِلتَّبْلِيغِ۔ (ترویج الارواح)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

رابط آیات:

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَى اس کے مخاطب اہل مکہ ہیں اور حولہا سے مکہ کے آس پاس عاد و ثمود و قوم لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن و شام و فلسطین کی طرف آتے جاتے مکہ والوں کا ان سے گذر ہوتا تھا، اس سے پہلی آیات میں قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور تھا، آئندہ آیات میں دوسری ایسی قوموں کا ذکر ہے جن کے کفر و مخالفت انبیاء کی وجہ سے عذاب آئے اور ہلاک ہوئے ان کی اجڑی بستیوں کے نشانات و خرابات بھی اہل مکہ کے سفر کے دوران راستے میں پڑتے تھے ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ان کا اجمالی حال ان آیات میں مذکور ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنَّ (الایۃ) ان آیات میں اہل مکہ کو عار دلانے کے لئے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جنات جو تکبر و غرور میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہو گئے اور وہ ایمان لے آئے، تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنات سے زیادہ عقل و شعور دیا ہے مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ:

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب وادی نخلہ میں پیش آیا جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، ادھر ایک نیا واقعہ یہ رونما ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا اس کے بعد اگر کوئی جن آسمانی خبریں سننے کے لئے آسمانوں کا رخ کرتا تو اس پر شہاب الثاقب پھینک کر روک دیا جاتا، جنات

میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ کونسا نیا واقعہ دنیا میں رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے جنوں کے آسمانوں پر جانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، جنات کے مختلف گروہ مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گئے، ان میں کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا اس روز آنحضرت ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ مقام بطن نخلہ میں تشریف فرما تھے، اور سوق عکاظ کی طرف جانے کا قصد تھا (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر مختلف ایام میں بازار لگاتے تھے جن میں ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے تھے، دکانیں لگتی تھیں، اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے۔ شعر و سخن کے لئے مشاعرے ہوتے تھے، جس طرح موجودہ زمانہ میں نمائشیں ہوتی ہیں ان ہی میں سے ایک بازار عکاظ میں لگتا تھا) رسول اللہ ﷺ غالباً دعوت و تبلیغ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، جب آپ بطن نخلہ پہنچے تو آپ اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے جنات کی ایک جماعت یہاں پہنچی، قرآن سن کر کہنے لگے بس وہ نیا واقعہ یہی ہے جس کی وجہ سے آسمانوں پر جانے پر پابندی لگی ہے۔ (رواہ احمد، والبخاری و مسلم، بحوالہ معارف) ایک روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت نصیبین کی تھی اور اس کی تعداد سات یا نو تھی واپس جا کر جب اپنی قوم کو یہ خبر سنائی اور ایمان کی ترغیب دی تو ان میں سے تین سو جنات ایمان لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔

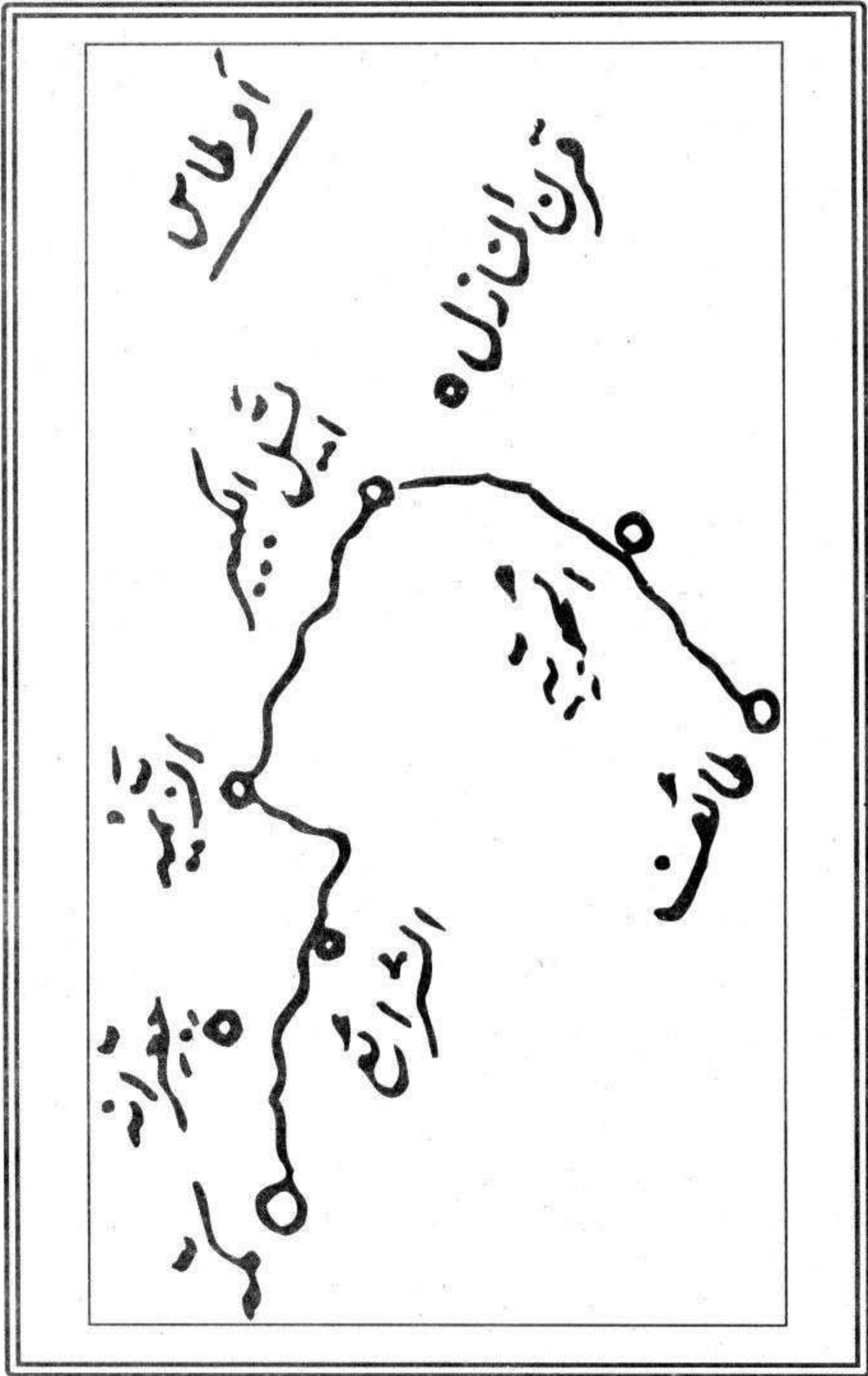
(رواہ ابو نعیم والواقدی عن کعب الاحبار، روح المعانی)

جنوں کی پہلی حاضری کا واقعہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے بطن نخلہ میں پیش آیا تھا، اور واقدی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ طائف سے مایوس ہو کر مکہ معظمہ کی طرف واپس ہوئے تھے راستہ میں آپ نے بطن نخلہ کے مقام پر قیام فرمایا، آپ نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کا ایک گروہ ادھر سے گذرا اور آپ کی قراءت سننے کے لئے ٹھہر گیا۔

بطن نخلہ کے جس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا تو الزیمہ تھا، یا السَّيْلُ الْكَبِيرُ کیونکہ یہ دونوں مقام بطن نخلہ میں واقع ہیں۔



(نقشہ میں ان مقامات کا موقع ملاحظہ فرمائیں)



ایک دوسری روایت میں ہے کہ جنات جب یہاں آئے تو باہم کہنے لگے خاموش ہو کر قرآن سنو جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ جنات اسلام کی حقانیت پر ایمان لا کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے ان کو پورے واقعہ کی تفصیلی خبر سنائی کہ ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، تم کو بھی چاہئے کہ مسلمان ہو جاؤ، مگر رسول اللہ ﷺ کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سن کر ایمان لانے کی خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ سورہ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔

(رواہ ابن المنذر عن عبد الملک، معارف)

دیگر احادیث میں بھی جنات کے آنے کی روایت دوسری طرح آئی ہیں مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں، خفاجی نے کہا ہے کہ جنات کی آمد کی روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے وفود آپ کی خدمت میں چھ مرتبہ آئے ہیں۔

جنات میں سے کوئی رسول نہیں:

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے کوئی رسول بھیجا یا نہیں؟ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں سے کوئی جن رسول نہیں ہوا، آپ ﷺ کی بعثت جن اور انس دونوں کے لئے ہے۔

﴿مَّتَّ﴾

سُورَةُ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ أَوْ تِسْعٌ وَثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ إِلَّا وَكَأَنَّ مِنْ قَرْيَةٍ (الآية)،

او مکیّہ وہی ثمان او تسع و ثلاثون آیہ۔

سورہ قتال مدنی ہے سوائے و کائین من قریۃ (پوری آیت) کے،

یا مکی ہے اور یہ ۳۸ یا ۳۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
ای ایمان اَصْلَ اَخْبَطَ اَعْمَالُهُمْ ۱ کِاطْعَامِ الطَّعَامِ وَصِلَةِ الْاَرْحَامِ فَلَا يَرُونَ لَهَا فِي الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا وَيُجْزَوْنَ
بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْاَنْصَارِ وَغَيْرِهِمْ وَكَمَلُوا الصَّلٰحَاتِ وَامْنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۝ اٰی
الْقُرْآنِ ۝ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ كَقَرَعْنَهُمْ ۝ غَفَرْلَهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۝ وَاصْلَحَ بِاَلَهُمْ ۲ اٰی حَالَهُمْ فَلَا يَغْضُوْنَهُ ۝ ذٰلِكَ اٰی
اِضْلَالِ الْاَعْمَالِ وَتَكْفِيْرِ السَّيِّئَاتِ ۝ اِنَّ بِسَبَبِ اَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اتَّبَعُوْا الْبَاطِلَ الشَّيْطَانَ ۝ اَنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّبَعُوْا الْحَقَّ
الْقُرْآنَ مِنْ رَبِّهِمْ ۝ كَذٰلِكَ اٰی مِثْلُ ذٰلِكَ الْبَيَانِ ۝ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۳ يَبَيِّنُ اَحْوَالَهُمْ اٰی فَالْكَافِرُ يُخْبَطُ
عَمَلُهُ وَالْمُؤْمِنُ يُغْفَرُ رَزَلَهُ ۝ اِذَا الْقِيَمَةُ ۝ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضْرَبَ الرِّقَابُ ۴ مُضَدَّرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفَعْلِهِ اٰی فَاضْرَبُوا
رِقَابَهُمْ اٰی اَقْتُلُوْهُمْ وَغَيْرَ بَضْرَبِ الرِّقَابِ لَاَنَّ الْغَالِبَ فِي الْقَتْلِ اَنْ يُّكُوْنَ بَضْرَبُ الرِّقَةِ ۵ حَتّٰی اِذَا اتَّخَذْتُمُوْهُمْ
اٰی اَكْثَرْتُمْ فِيْهِمُ الْقَتْلَ فَضُدُّوْا اٰی فَانْسِكُوْا عَنْهُ وَاَسِرُوْهُمْ وَشُدُّوْا الْوُثَاقَ ۶ مَا يُوثِقُ بِهِ الْاَسْرٰى
فَاَمَّا مَتَابَعْدُ مُضَدَّرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفَعْلِهِ اٰی تَمْنُوْنَ عَلَيْهِمْ بِاِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ ۷ وَلَمَّا فِدَاءٌ اٰی
تُغَادُوْهُمْ بِمَالٍ اَوْ اَسْرٰى مُسْلِمِيْنَ ۸ حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اٰی اَهْلُهَا اَوْ اَرْهَآءُ ۹ اَتَقَالَهَا مِنَ السِّلَاحِ وَغَيْرِهِ بِاَنْ يُسَلِّمَ
الْكُفَّارُ اَوْ يَذْخُلُوْا فِي الْعَهْدِ وَهَذِهِ غَايَةُ لِلْقَتْلِ وَالْاَسْرِ ۱۰ ذٰلِكَ ۱۱ خَبَرٌ مُّبْتَدِئٌ مُّقَدِّرٌ اٰی الْاَمْرُ فِيْهِمْ مَا ذَكَرَ

عند التقديم
۱ وقد يبدل بغيره ران ولكن حسن اتصاله بما قبله ويرد على ما قبله

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَاتَنَصَرْتُمْهُمْ بِغَيْرِ قِتَالٍ وَلَكِنْ أَمَرَ كُمْ بِهِ لِيَبْلُوَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ مِنْهُمْ فِي الْقِتَالِ فَيَصِيرُ مَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ إِلَى النَّارِ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي قِرَاءَةِ الْقِتَالِ وَالْآيَةِ نَزَلَتْ يَوْمَ أُحُدٍ وَقَدْ فَشَا فِي الْمُسْلِمِينَ الْقَتْلُ وَالْجَرَاحَاتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ يُحِبُّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَى مَا يَنْفَعُهُمْ وَيُصْلِحُ بِهِمُ ۝ حَالَهُمْ فِيهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَمْ يُقْتَلْ وَأُذِرْ جُؤَا فِي قُتِلُوا تَغْلِيْبًا وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا بَيْنَهَا لَهُمْ ۝ فَيَهْتَدُونَ إِلَى مَسَاكِينِهِمْ مِنْهَا وَأَزْوَاجِهِمْ وَخَدِيْعِهِمْ مِنْ غَيْرِ اسْتِدْلَالٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنَصَرُوا لِلَّهِ أَيْ دِينَهُ وَرَسُولَهُ يَنْصُرْكُمْ عَلَى عَدُوِّكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ يُثَبِّتْكُمْ فِي الْمُعْتَرِكِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ مُتَبَدِّئًا خَبَرُهُ تَعَسُّوا يَدُلُّ عَلَيْهِ فَتَعَسَّ لَهُمْ أَيْ هَلَاكًا وَخَيْبَةً مِنَ اللَّهِ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ عَطَفَ عَلَى تَعَسُّوا ذَلِكَ أَيْ التَّعَسُّ وَالْإِضْلَالُ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّكْلِيفِ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ أَقْلَمَ سَيَرُوهُ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَرَاللَّهُ عَلَيْهِمْ أَهْلَكَ أَنْفُسَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ أَمْثَالُ عَاقِبَةِ مَنْ قَبْلَهُمْ ذَلِكَ أَيْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ وَقَهْرُ الْكَافِرِينَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى وَلِيُّ وَنَاصِرُ الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝

ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اہل مکہ میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ یعنی ایمان سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے، مثلاً کھانا کھانا اور صلہ رحمی کرنا، تو ان اعمال کا آخرت میں کچھ اجر نہ پائیں گے، البتہ دنیا میں ان کو اللہ کی مہربانی سے ان اعمال کا صلہ دیا جائے گا، اور وہ لوگ یعنی انصار وغیرہ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن اس پر بھی ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے تو اللہ نے ان کے گناہ معاف کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی تو وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، یہ یعنی اعمال کو برباد کرنا اور گناہوں کو معاف کرنا اس سبب سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا تو انہوں نے باطل شیطان کی اتباع کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی جانب سے حق یعنی قرآن کی اتباع کی کَذَلِكَ یعنی اس بیان کے مانند اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال کو بیان فرماتا ہے چنانچہ کافر کے عمل کو برباد کر دیتا ہے، اور مومن کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے، جب کافروں سے تمہاری مڈ بھیڑ ہو تو گردنوں پر وار کرو (ضَرْبُ) مصدر بلفظ الفعل اپنے فعل کے عوض میں ہے یعنی فَاضْرِبُوا رِقَابَهُمْ یعنی ان کو قتل کرو اور قتل کو گردن مارنے سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل اکثر گردن مارنے سے (بَاسَانِی) ہوتا ہے جب ان کو اچھی طرح کچل دو یعنی ان کو خوب قتل کر دو ان کے بندھن خوب کس دو یعنی قتل کرنا بند کر دو اور ان کو قید کر لو (وَتَأَقَّ) وہ شئی جس کے ذریعہ قیدیوں کو باندھا جاتا ہے (رِیْ وَغِیْرَہ) (پھر اختیار ہے) خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو (مَنَّا) اپنے فعل کا مصدر لفظی ہے اور اپنے فعل کے عوض میں ہے یعنی بغیر کچھ لئے ان پر احسان کر کے چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے لو یعنی فدیہ میں ان سے مال لے

لو یا مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کر لو یہاں تک کہ جنگ یعنی جنگ کرنے والے اپنے ہتھیار ڈال دیں تا آن کہ کفار مسلمان ہو جائیں یا معاہدہ میں شریک ہو جائیں، اور یہ قتل اور قید کی غایت ہے ذَلِکَ مَبْتَدَاً مَّقْدَرِکِیْ خَبَرِہِ اِیْیِیْ اَلْاَمْرُ ذَلِکَ یعنی ان کے معاملہ میں حکم یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (خود) ہی بغیر قتال کے ان سے بدلہ لے لیتا لیکن تم کو قتال کا حکم دیا تا کہ تم میں سے بعض کو ان میں سے بعض کے ذریعہ آزمائے سو تم میں جو شہید کر دیا جائے وہ جنت کی طرف چلا جائے اور جو ان میں سے قتل کیا جائے وہ جہنم کی طرف چلا جائے، جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، اور ایک قراءت میں قَاتِلُوْا ہے (یہ) آیت یوم احد میں نازل ہوئی، حال یہ کہ مسلمانوں میں قتل اور زخم عام ہو گئے تھے، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت میں ایسی چیز کی طرف رہنمائی کرے گا جو ان کے لئے نافع ہوگی، اور دنیا و آخرت میں ان کے حال کی اصلاح کرے گا، اور دنیا میں جو کچھ ہے (ہدایۃ و اصلاح حال وغیرہ) اس کے لئے ہے جو شہید نہیں ہوا، اور جو مقتول نہیں ہوا۔ ان کو مقتولین میں تغلیباً شامل کر دیا گیا ہے اور ان کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کی ان کو شناخت کر ا دے گا چنانچہ وہ جنت میں اپنے مکانوں کی طرف اور اپنی ازواج کی طرف اور اپنے خدام کی طرف بغیر معلوم کئے پہنچ جائیں گے اے ایمان والو! اگر اللہ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین اور اس کے رسول کی (مدد کرو گے) تو وہ تم کو تمہارے دشمن پر غالب کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا یعنی معرکہ میں تم کو قائم رکھے گا، اور اہل مکہ میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ ہلاک ہوئے (والذین کفروا) مبتدا ہے اور تَعَسُّوْا اس کی خبر ہے، اس حذف خبر پر فَتَعَسُّوْا لَہُمْ دَلَالَتُکِرْتَا ہے تو ان کے لئے اللہ کی طرف سے ہلاکت اور زیار کاری ہے، اور ان کے اعمال ضائع ہوئے اس کا عطف تَعَسُّوْا پر ہے یہ ہلاکت اور ضبط اعمال اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل فرمایا یعنی قرآن کو جو احکام پر مشتمل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا یعنی خود ان کو اور ان کی اولاد کو اور ان کے اموال کو ہلاک (و برباد) کر دیا، اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں یعنی ان سے پہلے لوگوں جیسی سزائیں ہیں یہ یعنی مومنین کی نصرت اور کافروں پر غضب اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کو مولیٰ (یعنی) ولی اور مددگار ہے اور یہ کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

اس سورت کا نام سورۃ قتال ہے ترتیب مصحفی کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۷ ہے اور یہ نام آیت نمبر ۲۰ کے فقرے وَذِکْرَ فِیْہِ الْقِتَالِ سے ماخوذ ہے، اس کے دو نام اور ہیں، ایک محمد اور دوسرا الذین کفروا۔
قَوْلًا: صَدُّوْا لَازِمٌ اور متعدی دونوں مستعمل ہے یعنی خود رکنا اور دوسروں کو روکنا، اور الذین کفروا سے مراد کفار قریش ہیں۔
قَوْلًا: اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ اِیْ اَبْطَلَهَا وَجَعَلَهَا ضَايِعَةً۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ، عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کا عطف آمَنُوا پر کیا گیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمل صالح حقیقت ایمان کا جز نہیں ہے اس لئے کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے، البتہ عمل صالح کمال ایمان کے لئے شرط کے درجہ میں ہے (کما هو مختار الاشاعرة)۔

قَوْلًا: وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے مقصد اس کا معطوف کی اہمیت اور عظمت کو ظاہر کرنا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کی بعثت پر اور جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لائے بغیر ایمان تام نہیں ہوگا، یعنی اگر کوئی تو حید اور لوازمات تو حید اور لوازمات دین نیز انبیاء سابقین پر ایمان رکھتا ہو مگر محمد ﷺ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو اس کا یہ ایمان عند اللہ مقبول نہ ہوگا۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ آمَنُوا مبتدا ہے اور كَفَرُوا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ اس کی خبر ہے اور وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ مبتدا و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلًا: ذَلِكَ مبتدا ہے اور بَأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ مبتدا کی خبر ہے۔

قَوْلًا: فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ طرف یعنی إِذَا لَقِيتُمُ کا عامل محذوف ہے اور ضَرْبَ الرِّقَابِ کا بھی وہی عامل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاضْرِبُوا الرِّقَابِ وَقَتَ مُلَاقَاتِكُمُ الْعَدُوَّ۔

قَوْلًا: فَضَرْبَ الرِّقَابِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضَرْبُ مصدر اپنے فعل امر اِضْرِبُوا کا نائب ہے اس لئے کہ اس کی اصل فَاضْرِبُوا الرِّقَابِ ضَرْبًا ہے فعل حذف کیا گیا مصدر کو مفعول کی جانب مضاف کر کے فعل کے قائم مقام کر دیا گیا، اس میں اختصار کے ساتھ ساتھ تاکید بھی ہے۔

قَوْلًا: إِذَا أَثَخَنْتُمُوهُمْ جب تم ان کو اچھی طرح قتل کر چکواؤ اَثَخَنْتُمُوْا، اِثْخَانٌ سے ماضی جمع مذکر حاضر، ہم ضمیر جمع مذکر غائب، اِیْ اَکْثَرْتُمْ فِیْهِمُ الْقَتْلَ اور مصباح میں اِثْخَنَ فِی الْاَرْضِ، سَارَ اِلَى الْعَدُوِّ۔

قَوْلًا: الْوِثَاقِ بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ، مَا يُوثِقُ بِهِ رِیْ وَغِیْرَہُ، جَمْعُ وَثَقٌ جِیسے عِثَاقُ کی جمع عُثُقُ۔

قَوْلًا: وَهَذِهِ غَايَةُ الْقَتْلِ وَالْاِسْرِ یعنی جب حرب ہتھیار ڈال دے اور دشمن کے دم ختم، بالکل ختم ہو جائیں تو قتل و قید موقوف کر دو۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ قُتِلُوا مبتدا ہے اور فَلَنْ يُضِلَّ اَعْمَالُهُمْ مبتدا کی خبر ہے۔

قَوْلًا: لِيَبْلُوَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ یہ امر بالقتال کی علت ہے۔

قَوْلًا: وَمَا فِي الدُّنْيَا لَمَنْ لَمْ يَقْتُلْ وَاِدْرَحُوا فِی قَتْلِهِمْ اَتَغْلِبُوا یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول یُصْلِحْ بِالْهَمِّ کی تفسیر حالہم فیہما اِیْ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سے کی ہے، ہم سے مراد مقتولین فی الحرب ہیں، ظاہر ہے کہ دنیا میں اصلاح حال سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں نافع ہوں، مثلاً عمل صالح، اخلاص، ہدایت مگر اس قسم کی صلاح حال تو ان کے لئے ہو سکتی ہے جو مقتول نہ ہوئے ہوں (تنبیہ) اس بات کا خیال رہے کہ مذکورہ اعتراض قُتِلُوا والی قراءت پر ہوگا، اور اگر قَاتِلُوا والی قراءت لی جائے تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں قتل و اسے وہ مجاہدین مراد ہیں جو مقتول نہیں ہوئے مگر جہاد میں شریک رہے، اسی کی تائید قاتلوں والی قراءت سے ہوتی ہے قاتلین کو مقتولین میں تغلیب داخل کر دیا گیا ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مجاہدین زندہ بچ گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے حال کی اصلاح دنیا میں فرمائے گا اور جو راہ خدا میں شہید ہو گئے ہیں ان کے حال کی اصلاح جنت میں فرمائے گا۔

قَوْلٌ: یثبت اقدامکم کی تفسیر یثبتکم سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جزء بول کر کل یعنی ذات مراد ہے، ذات کو اقدام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ثبات اور تزلزل کا اثر اولاً قدموں میں نمایاں ہوتا ہے۔

قَوْلٌ: المعتبر، معتبر سے میدان کا رزار مراد ہے۔

قَوْلٌ: ذلك مبتداء اور بان اللہ اس کی خبر ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

اس سورت کے تین نام ہیں: ① سورہ محمد ﷺ، ② دوسرا سورہ قتال اس لئے کہ اس میں قتال کے احکام مذکور ہیں، ③ تیسرا الذین کفروا یہ نام سورت کے اول کلمے ہی سے ماخوذ ہے، اس سورت کا زمانہ نزول ہجرت کے فوراً بعد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کایں من قریۃ مکی ہے اس لئے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا کہ جب آپ ﷺ بارادۃ ہجرت مکہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ اور بیت اللہ پر نظر ڈال کر آپ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں اپنے اختیار سے اے مکہ! تجھے ہرگز نہ چھوڑتا، مفسرین کی اصطلاح کے مطابق جو آیات سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئی ہیں وہ مکی ہی کہلاتی ہیں۔

صدوا عن سبیل اللہ، صد کے معنی دوسروں کو روکنے اور خود روکنے کے ہیں، سبیل اللہ سے اسلام مراد ہے، دوسروں کو راہ خدا سے روکنے کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ زبردستی کسی کو ایمان لانے سے روک دے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایمان لانے والوں پر ایسا ظلم و ستم ڈھایا جائے کہ ان کیلئے ایمان پر قائم رہنا اور دوسروں کو ایسے خوفناک حالات میں ایمان لانا مشکل ہو جائے، تیسری صورت یہ کہ لوگوں کو مختلف طریقوں سے دین اور اہل دین کے خلاف ورغلائے اور ایسے دوسوے ڈالے کہ لوگ اس دین سے بدگمان ہو جائیں، یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسا پروپیگنڈا چھیڑ دے کہ اسلام بدنام ہو کر رہ جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی صحیح اور صاف صورت آنے کے بجائے غلط اور گندی صورت ذہن نشین ہو جائے جس کے نتیجہ میں لوگ اسلام کے قریب آنے کے بجائے دور ہونے لگیں اور محبت کے بجائے نفرت کرنے لگیں، موجودہ دور میں یہ صورت زیادہ رائج ہے یہ بھی صدوا عن سبیل اللہ میں شامل ہے۔

اضل اعمالہم اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں جو مکارم اخلاق پائے جاتے تھے مثلاً صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنا، بے سہاروں کو سہارا دینا، مہمان نوازی وغیرہ، یا خانہ کعبہ کی پاسبانی اور حجاج کی خدمت کرنا، ان کاموں کا صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا، اس لئے کہ آخرت کا اجر و ثواب ایمان کے بغیر مرتب نہیں

فاذا لقيتم الذين كفروا (الآية) ماقبل میں جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا گیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اور یہاں ”لقاء“ سے مطلقاً ملاقات مراد نہیں ہے بلکہ حالت جنگ میں ٹڈ بھٹ اور مقابلہ مراد ہے، یہاں قتل کرنے کے بجائے گردنیں مارنے کا حکم دیا ہے اس لئے کہ اس تعبیر میں غلظت اور شدت کا زیادہ اظہار ہے۔

مذکورہ آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت و قوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کر لیا جائے، پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے یعنی بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ (معاوضہ) لیکر چھوڑ دیا جائے اور فدیہ کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر کچھ مسلمان ان کے ہاتھ لگ گئے ہوں تو ان سے تبادلہ کر لیا جائے، یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورہ انفال کی آیت میں مذکور ہے جس میں غزوہ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لیکر چھوڑنے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ کا عذاب قریب آگیا تھا، اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا کیوں کہ انہوں نے فدیہ لیکر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا، خلاصہ یہ کہ آیت انفال تے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر بھی چھوڑنا ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا، سورہ محمد کی اس آیت نے ان دونوں باتوں کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے اکثر صحابہ اور فقہاء نے فرمایا کہ سورہ محمد کی اس آیت نے سورہ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا، تفسیر مظہری میں قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسن اور عطا اور اکثر صحابہ اور جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے، ثوری، شافعی، احمد، اسحق رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو سورہ محمد میں احسان اور فدیہ کی اجازت ہو گئی، تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورہ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ انفال کی آیت غزوہ بدر کے موقع پر ۲ھ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ میں صلح حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورہ محمد کی اس آیت کے مطابق ہے۔ (معارف)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تنعیم سے اتر آئے جو رسول اللہ ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنا چاہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو گرفتار کر لیا پھر بلا معاوضہ آزاد کر دیا، اسی پر سورہ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی وهو الذی کف ایديهم عنکم وایديکم عنہم (الآية) امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی لئے علماء حنفیہ نے سورہ محمد کی مذکورہ آیت کو امام صاحب کے نزدیک منسوخ اور سورہ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے، تفسیر مظہری نے یہ واضح کر دیا کہ سورہ انفال کی آیت پہلے اور سورہ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے، اس لئے سورہ محمد کی آیت ناسخ اور سورہ انفال کی آیت منسوخ ہے، امام صاحب کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ اور فقہاء کے مطابق آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا گیا ہے، جب کہ اسلام

اور مسلمانوں کی اس میں مصلحت ہو، امام صاحب سے دوسری روایت سیر کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابو حنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں آیتوں میں سے کوئی منسوخ نہیں ہے مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے مطابق امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے، قرطبی نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لیکر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا، اور فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ مسلمان قیدیوں کو ان کے بدلے میں آزاد کرالیا جائے، اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لیکر چھوڑ دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ دونوں آیتیں محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں، مجموعی طور پر جو صورت حال واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ جب کفار کے قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے ①۔ اگر مناسب اور مصلحت سمجھے تو قتل کر دے ②۔ اور اگر مسلمانوں کی مصلحت لونڈی اور غلام بنانے میں ہو تو ایسا کر لے ③۔ اور اگر مصلحت فدیہ لیکر یا مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کرنے میں سمجھے تو یہ بھی کر سکتا ہے ④۔ اور اگر بغیر کسی معاوضہ کے احسان کر کے چھوڑنا اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت اور مفاد میں ہو تو امام کو یہ بھی اختیار ہے۔ (معارف)

جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:

قرآن مجید کی یہ پہلی آیت ہے جس میں قوانین جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں، اس سے جو احکام نکلتے ہیں اور اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے جس طرح عمل کیا اور فقہاء نے اس آیت اور سنت سے جو استنباطات کئے ہیں ان کا حاصل یہ ہے۔

① جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے، حتیٰ کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ہتھیار ڈال دے، اس ہدف سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہئے، غلام بنانے کی طرف اس وقت توجہ کرنی چاہئے، جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے، مسلمانوں کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لئے دے دی گئی کہ کہیں وہ فدیہ حاصل کرنے یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑ کر جنگ کے اصل ہدف مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

② جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے ہوں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہیں اختیار ہے خواہ ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ کا معاملہ کر لو، اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، عطاء اور حماد بن ابی سلیمان، قانون کے اسی عموم کو لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل کرنا حالت جنگ میں درست ہے جب لڑائی ختم ہوگئی اور قیدی ہمارے قبضہ میں آگئے تو ان کو قتل کرنا درست نہیں، ابن جریر اور ابو بکر بھاص کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں، انہوں نے انکار کر دیا اور مذکورہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قیدی کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، امام

محمد نے السیر الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا اور انہوں نے حکم کی تعمیل سے اسی بناء پر انکار کر دیا تھا۔

۱۳ مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت نہیں کی گئی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشاء یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بناء پر امیر وقت کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ عام قاعدہ سے ایک استثنائی صورت ہے جس کو بضرورت استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے ستر قیدیوں میں سے صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا، جنگ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے صرف کنانہ بن ابی الحقیق کو قتل کیا گیا، اس لئے کہ اس نے بدعہدی کی تھی، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ میں سے صرف چند اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے، ان مستثنیات کے سوا آپ کا عام طریقہ اسیران جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا اور یہی عمل خلفاء راشدین کا بھی تھا۔

بنی قریظہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر حوالہ کیا تھا اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لئے آپ نے ان کو قتل کر دیا، بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ ﷺ نے زبیر بن باطا اور عمر بن سعد کی جان بخشی کی، زبیر کو اس لئے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانہ میں جنگ بعاث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لئے آپ نے اس کو ثابت بن قیس کے حوالہ کر دیا تا کہ اس کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں، اور عمر بن سعد کو اس لئے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضور کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہ شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید ملخصاً)

مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بَبَعْضٍ (الآية) اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے کیونکہ وہ آسمانی عذاب کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے، امت محمدیہ ﷺ میں بھی ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عام عذابوں سے بچالیا گیا، اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں، مثلاً آسمانی یا زمینی عذاب میں پوری کی پوری قومیں جس میں مرد و عورت بچے جانور سب ہی تباہ ہو جاتے ہیں جہاد میں ایسا نہیں ہوتا، نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد و قتال کے دونوں فریق، مسلمان اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے اور کون کفر و سرکشی پر جمار ہوتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔

حکم: یہ ضروری نہیں کہ قید قتل سے مؤخر ہو جیسا کہ بظاہر کلمہ حتی اور فاء سے متبادر ہے، بلکہ یہ تحریر و تاکید ہے کہ صرف لڑنے والوں کے ہی قتل پر اکتفاء نہ ہو بلکہ مغلوبوں کو خوب کس کر باندھ لو، مطلب یہ کہ نہتھے، ہتھیار بند و خانہ نشین غرضیکہ میدان میں آنے والے سب پر عذاب الہی نازل ہے ایک کو نہ چھوڑو چونکہ بدون قتال و خونریزی دشمن مغلوب نہیں ہوتا۔

(خلاصۃ التفاسیر، نائب)

حکم: شد و ثاق سے صرف کس کر باندھ لینا ہی مراد نہیں ہے بلکہ کمال ہوشیاری مراد ہے، خواہ باندھو یا اسیر کرو یا اور کوئی طریقہ اختیار کرو۔

فائدہ: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص، صاحب تفسیر مظہری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب تفسیر احمدی نے، بھی اسی طرح۔ نیز اس سے اس لئے کہ یہ آیت خواہ واقعہ بدر سے مقدم ہو یا مؤخر، اگر مقدم ہے تو زرفدیہ لینے پر عتاب کیوں ہوا؟ اور اگر مؤخر ہے تو زرفدیہ لینے پر عتاب نہیں۔ اب رہیں دوسری آیات تو وہ عموم قتل کفار پر دال ہیں نہ کہ احسان اور فدیہ سے متعلق، اب جبہ آیت محکم غیر منسوخ ہوئی تو مطلب یہ ہوا کہ امام مختار ہے ① چاہے قتل کرے جیسا کہ کلمہ اٹخنتموا سے ظاہر ہے ② یا غلام بنائے جیسا کہ شد و ثاق سے مفہوم ہے ③ یا مفت چھوڑ دے جیسا کہ کلمہ من سے ظاہر ہے، اور عالمگیری میں حنفیہ سے مفت چھوڑنے کی روایت موجود ہے ④ اور چاہے مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرے، اختلاف ذکر کرنے کے بعد یہی مذکور نہ ہوا۔ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر روایت سے سیرکیر میں منقول ہے ⑤ معاوضہ مالی لیکر چھوڑ دے، صاحب ہدایہ نے ... کہ بہ شرط ضرورت جائز ہے، معلوم ہوا کہ من و فداء میں حصر نہیں ہے۔

(خلاصۃ التفاسیر بحوالہ عالمگیری)

مَسْئَلَةٌ: مفت چھوڑنا اس وقت تک جائز ہے کہ وہ اسیر کسی کے حصہ میں نہ آیا ہو۔ (ہدایہ)

مَسْئَلَةٌ: اسیر کے عوض رہا کرنا تب ہے کہ وہ قیدی ایمان نہ لایا ہو۔

فائدہ: کافر جب قید ہو کر ایمان لے آئے تو ہوائے استرقاق کے تمام امور سے بری ہے یعنی نہ قتل کیا جاسکتا ہے اور نہ فدیہ میں دیا جاسکتا ہے البتہ غلامی سے رہائی بدون عتق نہ ہوگی۔

حکم: لڑائی موقوف ہو جانے سے یہ مطلب نہیں کہ مقابل مغلوب ہو کر مطیع ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمام عالم میں کوئی مقابل نہ رہے اور یہ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کے زمانہ میں ہوگا، حدیث میں وارد ہے لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین علی من ناواہم حتی یقاتل آخرہم المسیح الدجال (ابوداؤد) اور فرمایا

الجهاد ماضٍ الی یوم القیامة۔ (ابن کثیر) (خلاصۃ التفاسیر ملخصاً، نائب لکھنوی)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ فِي الدُّنْيَا وَيَأْكُلُونَ

كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ إِي لَيْسَ لَهُمْ هِمَّةٌ إِلَّا بَطُونُهُمْ وَفُرُوجُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى الْآخِرَةِ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۝
 مَنَزَلٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيرٌ وَكَلْبٌ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أُرِيدَ بِهَا أَهْلُهَا هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ مَكَّةَ إِي أَهْلِهَا
 الَّتِي أَخْرَجْتَكَ رُوِيَ لَفْظُ قَرْيَةٍ أَهْلُكُمُ رُوِيَ مَعْنَى قَرْيَةِ الْأُولَى فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ مِّنْ أَهْلَا كُنَا
 أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ مِّنْ رَبِّهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءَ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا وَهُمْ كُفَّارٌ
 مَكَّةَ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ فِي عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ إِي لَا مُمَاطَلَةَ بَيْنَهُمَا مَثَلٌ إِي صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ
 الْمُشْتَرِكَةَ بَيْنَ دَاخِلِيَّهَا مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ فِيهَا أَنْهَرُ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ اسْنٍ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَضَارِبٍ وَحَذِرُ إِي غَيْرِ
 مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ وَأَنْهَرُ مِّنْ لِّبْنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ بِخِلَافِ لَبْنِ الدُّنْيَا لِخُرُوجِهِ
 مِنَ الضَّرْوَعِ وَأَنْهَرُ مِّنْ خَمِرٍ لَذِيذَةٌ لِلشَّارِبِينَ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا كَرِيهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ
 وَأَنْهَرُ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَإِنَّهُ لِيُخْرُجَ مِنَ بَطُونِ النَّحْلِ يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وَغَيْرُهُ
 وَلَهُمْ فِيهَا أَصْنَافٌ مِّنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ مَعَ إِحْسَانِهِ إِلَيْهِمْ بِمَا ذَكَرَ
 بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيدِ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّهُ قَدْ يَكُونُ مَعَ إِحْسَانِهِ إِلَيْهِمْ سَاحِطًا عَلَيْهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ
 خَبَرٌ مُّبْتَدَأٌ مُّقَدَّرٌ إِي أَمِنْ هُوَ فِي هَذَا النِّعَمِ وَسُقُومًا أَيْ شَدِيدَ الْحَرَارَةِ فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ إِي
 مَصَارِيْنَهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ أَذْبَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعٌ مَعًا بِالْقَصْرِ وَالْفُحْ عَوْضٌ عَنْ يَأٍ لِقَوْلِهِمْ مَعْيَانٌ وَمِنْهُمْ إِي
 الْكُفَّارِ مَّنْ يَسْمَعُ إِلَيْكَ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ
 لَعَلَّمَاءُ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ اسْتَهْزَاءٌ وَسُخْرِيَّةٌ مَاذَا قَالَ إِنْفًا بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ
 إِي السَّاعَةِ إِي لَا يُرْجَعُ إِلَيْهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ بِالْكَفْرِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ فِي الْبِفَاقِ
 وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ زَادَهُمُ اللَّهُ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۝ أَلْهَمَهُمْ مَا يَتَّقُونَ بِهِ النَّارَ
 فَهَلْ يَنْظُرُونَ مَا يَنْتَظِرُونَ إِي كُفَّارٌ مَكَّةَ إِلَّا السَّاعَةُ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَدَلٌ اشْتِمَالٌ مِنَ السَّاعَةِ إِي لَيْسَ
 الْأَمْرُ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَجَاءَ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا عَلَامَاتُهَا مِنْهَا بَغْتَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَأَنْشِقَاقُ الْقَمَرِ وَالدُّخَانِ فَإِنِّي لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ ذِكْرُهُمْ ۝ تَذَكُّرُهُمْ إِي لَا تَنْفَعُهُمْ
 فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِي دُمِ يَا مُحَمَّدُ عَلَى عِلْمِكَ بِذَلِكَ النَّافِعِ فِي الْقِيَامَةِ وَاسْتَغْفِرْ لَذَنْبِكَ لِأَجْلِهِ
 قِيلَ لَهُ ذَلِكَ مَعَ عِصْمَتِهِ لِتَسْتَنِّ بِهٖ أُمَّتُهُ وَقَدْ فَعَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِنِّي لَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فِيهِ إِكْرَامٌ لَهُمْ بِأَمْرِ نَبِيِّهِمْ بِالِاسْتِغْفَارِ
 لَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ مِنْصَرَفَكُمْ لِاسْتِغْفَالِكُمْ بِالنَّهَارِ وَمَثْوَاكُمْ ۝ مَا وَكُمُ إِلَى مَضَاجِعِكُمْ بِاللَّيْلِ
 إِي هُوَ عَالِمٌ بِجَمِيعِ أَحْوَالِكُمْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا فَاحْذَرُوهُ وَالْخِطَابُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ

تَرْجُمَہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے

نہریں بہتی ہیں، اور کفر کرنے والے دنیا میں (چند روزہ) زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا (پی) رہے ہیں یعنی ان کے پیش نظر (شہوتِ بطن و فرج یعنی) پیٹ اور پیٹھ کی شہوت کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے (یعنی) ان کی منزل، مقام اور ٹھکانہ جہنم ہے (اے نبی) ہم نے کتنی ہی بستیوں کو مراد بستی والے ہیں جو طاقت میں تیری اُس بستی مکہ سے یعنی مکہ والوں سے زیادہ تھیں جس سے تجھ کو نکالا (اَخْرَجَتْكَ) میں لفظ قریہ کی رعایت کی گئی ہے ہلاک کر دیا اول قریہ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے کہ کوئی ان کو ہماری ہلاکت سے بچانے والا نہ ہوا، بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے حجت و برہان پر ہوں اور وہ مومن بھی ہوں اس شخص کی طرح ہو جائیں جس کے لئے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو تو وہ اس عمل کو اچھا سمجھنے لگا ہو، اور بتوں کی بندگی میں اپنی خواہشات کے پیرو بن گیا ہو یعنی ان کے درمیان میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ جنت ہے جو مشترک ہے اس میں داخل ہونے والوں میں (الجنة الخ) مبتداء ہے (فیہا اَنْهَارُ) اس کی خبر ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں (اسن) مد اور بغیر مد (دونوں طرح ہے) جیسا کہ ضاربٌ و حذرٌ یعنی وہ پانی متغیر ہونے والا نہیں بخلاف دنیا کے پانی کے کہ وہ کسی عارض کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے اور دودھ کی نہریں ہیں کہ جن کا مزہ نہیں بدلا بخلاف دنیا کے دودھ کے، اس کے تھنوں سے نکلنے کی وجہ سے اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے بخلاف دنیا کی شراب کے کہ وہ پینے کے وقت بد مزہ ہے اور صاف شہد کی نہریں ہیں بخلاف دنیوی شہد کے اس شہد کے مکھی کے پیٹ سے نکلنے کی وجہ سے اس میں موم وغیرہ مل جاتا ہے اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے وہ ان سے راضی ہے ان کے ساتھ مذکورہ احسان کرنے کے باوجود، بخلاف دنیا میں غلاموں کے آقا کے، کہ وہ بعض اوقات ان پر احسان کرنے کے ساتھ ان سے ناراض بھی ہوتا ہے کیا یہ اس کے مثل ہے جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ یہ مبتداء محذوف (یعنی) اَمِنْ هُوَ فِیْ هَذَا النِّعَمِ کی خبر ہے یعنی وہ شخص جو ان نعمتوں میں ہوگا وہ اس شخص جیسا ہے کہ جو ہمیشہ آگ میں رہے گا اور جنہیں گرم یعنی نہایت شدید گرم پانی پلایا جائے گا، جو ان کی امعاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا یعنی ان کی آنتوں کے، تو وہ (کٹ کر) ان کی دُبروں سے نکل جائیں گی، اور امعاء معاً بلا مد کی جمع ہے، اور اس کا الف یاء کے عوض میں ہے (تثنیہ) میں ان کے قول مَعْيَانٌ کی دلیل سے اور ان کفار میں بعض ایسے ہیں کہ جو جمعہ کے خطبہ میں آپ کی طرف (بظاہر) کان لگاتے ہیں اور وہ منافق ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم علماء صحابہ سے جن میں ابن مسعود اور ابن عباس شامل ہیں استہزاء پوچھتے ہیں ابھی اس نے کیا کہا؟ (انفاً) مد اور بلا مد (دونوں) ہے بمعنی ساعت (ابھی) ہم اس کی طرف توجہ نہیں دیتے یہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں پر کفر کی وجہ سے اللہ نے مہر لگا دی

اور وہ نفاق میں اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور وہ مومنین ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھادیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی (یعنی) ان کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس کے ذریعہ وہ آگ سے محفوظ رہیں گے ان کفار مکہ کو صرف قیامت کا انتظار ہے کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے (تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ مِنْ بَدَلِ الْأَشْتِمَالِ) یعنی (یقین کرنے کی) اب کوئی صورت باقی نہیں مگر یہ کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یقیناً اس کی علامات تو آچکی ہیں ان میں ایک آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے اور چاند کا پھٹ جانا ہے اور دھواں ہے پھر جب ان کے پاس قیامت آجائے تو ان کو نصیحت کہاں حاصل ہوگی؟ یعنی نصیحت ان کو کہاں فائدہ دے گی سوائے نبی آپ ﷺ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی اے محمد تم اپنے اس علم پر جو کہ قیامت میں نافع ہے دائم رہو اور اپنی خطا کے لئے بخشش مانگا کریں آپ ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ سے بخشش مانگنے کے لئے کہا گیا، تاکہ آپ کی امت اس کی پیروی کرے اور آپ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا بھی، آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سومتبہ استغفار کرتا ہوں، اور مومنین و مومنات کے لئے بھی، نبی کو مومنین کے لئے استغفار کا حکم دینے میں امت کا اکرام ہے اور اللہ دن میں تمہارے کام کاج کے لئے آمدورفت کو اور رات میں تمہارے قیام کی جگہ کو خوب جانتا ہے یعنی وہ تمہارے تمام احوال سے واقف ہے ان میں سے اس پر کوئی شئی مخفی نہیں ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور خطاب مومنین وغیرہ سب کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مَثْوًى ظَرْفِ مَكَانٍ ہے، ٹھکانہ، مدت دراز تک ٹھہرنے کا مقام (جمع) مَثَاوٍ۔

قَوْلُهُ: وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ مبتداء خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہے۔

قَوْلُهُ: كَأَنَّ يَكْفٍ اور اُی سے مرکب ہے کَمُ خبریہ کے معنی میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔

قَوْلُهُ: هِيَ أَشَدُّ الْخِ جملہ ہو کر قریہ کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: أَخْرَجْتُكَ، أَخْرَجْتُكَ کی ضمیر مؤنث لانے میں قریہ اولیٰ کی لفظ کی رعایت کی گئی ہے اور أَهْلَكُنَا هُمْ کی ضمیر میں قریہ ثانیہ کے معنی کی رعایت کی گئی، یعنی قَرِیَّةً سے اہل قریہ مراد ہونے کی وجہ سے ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: الْمَشْرُكَةُ یعنی جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ تمام مومنین کے درمیان مشترک ہے اس لئے کہ ہر مومن شرک سے متقی ہے، البتہ متقین کا ملین کے لئے اعلیٰ درجہ کی جنت ہے۔

قَوْلُهُ: الْجَنَّةُ الَّتِي مبتداء ہے اور فیہا انہرُ اس کی خبر ہے۔

سُؤَالٌ: خبر جملہ ہے، اور جب خبر جملہ ہوتی ہے تو عائد ضروری ہوتا ہے مگر یہاں کوئی عائد نہیں ہے۔

جَوَابٌ: جب خبر عین مبتداء ہوتی ہے تو عائد ضروری نہیں، یہاں ایسا ہی ہے۔

قَوْلًا: اِسْنُ (س، ض) اَسْنًا پانی کا متغیر ہونا، بدبودار ہونا۔

قَوْلًا: لَذِيذٌ اس میں اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور اسناد مجازی ہے جیسا کہ زیدٌ عدلٌ میں یعنی جنت کی شراب اس قدر لذیذ ہے کہ گویا وہ خود سراپا لذت ہی لذت ہے، اس کو سوال و جواب کی شکل میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ من خمرٍ لذّةٍ میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو درست نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حمل زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے مبالغہ ہے۔

قَوْلًا: لَهُمْ فِيهَا، لَهُمْ كَانُوا يَمْوجُوذُ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے فیہا محذوف سے متعلق ہے اور مبتداء محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے اَصْنَافٌ محذوف مان کر مبتداء محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلًا: فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالًا: اللہ تعالیٰ کے قول وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دخول جنت کے بعد جنتیوں کو میوے ملیں گے اسی طرح مغفرت بھی جنت میں ملے گی حالانکہ مغفرت دخول جنت سے پہلے ہونی چاہئے۔

جَوَابًا: مغفرت سے یہاں رضامراد ہے جو کہ جنت میں حاصل ہوگی۔

قَوْلًا: مَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ مبتداء محذوف کی خبر ہے، مفسر علام نے مبتداء محذوف کی طرف اپنے قول اَمِنْ هُوَ فِي هَذَا النَّعِيمِ سے اشارہ کر دیا۔

قَوْلًا: اَمْعَاءٌ اَنْتَرِيَا اَمْعَاءٌ، مَعَا کی جمع ہے اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے نہ کہ واؤ سے، اس لئے کہ اس کا واحد مَعًی اور تثنیہ مَعْيَانٌ آتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مَعَا کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے۔

قَوْلًا: مَصَارِينٌ، مَصَارِينٌ مَصِيرٌ کی جمع ہے یعنی مصیر کی جمع مصران اور مصران کی جمع مَصَارِينٌ ہے، اس کے معنی انتریاں، فارسی میں رودہ کہتے ہیں۔

قَوْلًا: لَا يُرْجَعُ اِلَيْهِ اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی یا وہ قابل التفات نہیں، صحیح نسخہ نَزَجُ جمع متکلم کا صیغہ ہے یعنی ہم اس کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تم ہی بتا دو حضرت نے ابھی کیا فرمایا؟ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: فَانْسَى لَهُمْ خَبْرَ مَقْدَمٍ ہے اور ذکر اہم مبتداء مؤخر ہے اِذَا جَاءَ تَهُمُ السَّاعَةُ جملہ معترضہ ہے اور اِذَا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا جَاءَ تَهُمُ السَّاعَةُ فَكَيْفَ يَتَذَكَّرُونَ۔

قَوْلًا: اُولَئِكَ مَبْتَدَاءٌ هِيَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اس کی خبر۔

قَوْلًا: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا مَبْتَدَاءٌ زَادَهُمْ اس کی خبر۔

قَوْلًا: اَشْرَاطُهَا اَشْرَاطُ جَمْعٍ شَرَطٌ بَفَتْحِ الرَّاءِ بمعنی علامت۔

قَوْلًا: فَاعْلَمْنَا اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی جب مومنین کی سعادت اور کافروں کی شقاوت معلوم ہو گئی تو آپ آئندہ بھی اپنے علم بالوحدانیت وغیرہ پر قائم رہیے۔

قَوْلًا: اسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ اِیْ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اَنْ یَّقَعَ مِنْكَ الذَّنْبُ اَوْ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ لِیَغْصِمَكَ وَقِيلَ الْخَطَابُ لَهُ وَالْمُرَادُ الْاُمَّةُ مَکْرَاسِ اٰخَرٰی تَوْجِیْہِہٖ کَا، اَتَمَدَہٗ جَمْلَہٗ جُوکُودَہٗ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ہِے، اِنکَارِ کَرْتَا ہِے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاکُلُوْنَ کَمَا تَاکُلُ الْاَنْعَامُ (الایۃ) یعنی جس طرح جانور کھاتا ہے اور کچھ نہیں سوچتا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے؟ کس کا پیدا کیا ہوا ہے؟ اور اس رزق کے ساتھ میرے اوپر رازق کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ اسی طرح یہ لوگ بھی بس کھائے جا رہے ہیں، چرنے چگنے سے مطلب، آگے انھیں کسی چیز کی فکر نہیں ہے، جانور کے کھانے میں اور انسان کے کھانے میں بظاہر کوئی فرق نہیں دونوں کی غرض ایک ہے یعنی تلذذ اور بقائے جسم و قوت، مگر حقیقت یہ نہیں ہے، جانور اس لئے کھاتا ہے کہ لذت اندوز ہو اور حیات و صحت باقی رہے اور انسان کا مقصد اس کھانے سے قوت خدمت، اطمینان قلب، قوت ذکر، کثرت عبادت ہوتی ہے، اگر کسی انسان کا یہ مقصد نہ ہو تو اس کا کھانا پینا جانور کے مانند ہوگا، ایسے ہی انسانوں کے بارے میں کہ جن کا مقصد شکم پُری اور جنس کا تقاضہ پورا کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہو، فرمایا: ان کا کھانا حیوانوں کے مانند ہوتا ہے۔

کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت:

حکم: اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا مغربی تہذیب کی اتباع میں آج کل دعوتوں میں عام رواج ہو چلا ہے، کھڑے ہو کر کھانا پینا جانوروں کی خصلت ہے، حدیث شریف میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی تاکید ممانعت آئی ہے جس سے کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے، اس لئے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے پینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (زاد المعاد) مغربی تہذیب کا مقصد ہی منصوبہ بند طریقے سے اسلامی تہذیب کی مخالفت کرنا ہے، لہذا مسلمانوں اور علماء کو بالخصوص ایسی محفلوں، دعوتوں میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے۔

شان نزول:

عبد بن حمید اور ابو یعلیٰ اور ابن جریر و ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے (بارادۃ ہجرت) غار کی طرف نکلے تو آپ نے مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا اَنْتَ اَحَبُّ بِلَادٍ اِلَیَّ وَ لَوْ لَا اَنَّ اَهْلَکَ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْکَ لَمْ اَخْرَجِ الْخِیْلَ اِلَیَّ مَدَیْنَتِہٖ اَللّٰہُ کے شہروں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیرے فرزند مجھے تجھ سے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر مشوکانی)

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِنْ رَبِّہٖ (الایۃ) بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اور اس کے متبعین کو جب خدا کی طرف سے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل گیا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ وہ اس پر قائم ہو چکے ہیں تو اب وہ ان لوگوں کے ساتھ چل سکیں جو

اپنی پرانی جاہلیت کے ساتھ چسے ہوئے ہیں جو شیطان کے دام فریب میں پھنس کر ضلالتوں کو ہدایت اور اپنی بد کرداریوں کو خوبی سمجھ رہے ہیں، جو کسی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی بناء پر حق و باطل کا فیصلہ کرتے ہیں، نہ دنیا میں ان دونوں فریقوں کی زندگی ایک جیسی ہے اور نہ آخرت میں ان کا انجام یکساں ہو سکتا ہے۔

مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ، آسِن اس پانی کو کہتے ہیں جس کا رنگ و مزہ بدل گیا ہو نیز بد بودار بھی ہو گیا ہو، دنیا میں دریاؤں اور نہروں کے پانی عام طور پر گندے ہوتے ہیں ان میں ریت مٹی طرح طرح کی نباتات ملنے کی وجہ سے ان کا رنگ اور مزہ بدل جاتا ہے، اس لئے جنت کی نہروں کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ غیر آسن ہوگا، اسی طرح دنیا کا دودھ چونکہ گائے بھینس بکری وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی خراب بھی ہو جاتا ہے جنت کا دودھ چونکہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا نہیں ہوگا بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لئے جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا اسی طرح خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا، غرض یہ کہ جنت کی نعمتوں اور دنیا کی نعمتوں میں مشارکت الہی کے علاوہ اور کوئی مناسبت نہیں ہوگی اور یہ الہی مشارکت بھی سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہاں کے دودھ کو یہاں کے دودھ سے اور وہاں کے پانی کو یہاں کے پانی سے اور وہاں کے شہد کو یہاں کے شہد سے اور وہاں کے پھلوں کو یہاں کے پھلوں سے نہ کوئی مناسبت اور نہ موازنہ۔

وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے بعد مغفرت کا ذکر فرمایا ہے، مغفرت کے ذکر کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ یہ نعمت جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کوتاہیاں جنتیوں سے ہوئی تھیں ان کا ذکر تک جنت میں کبھی سامنے نہیں آئے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دے گا تاکہ جنت میں وہ شرمندہ نہ ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ (الآیہ) یہ منافقین کا ذکر ہے، منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے تھے مگر باہر نکل کر علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے معلوم کرتے تھے کہ آنحضرت نے ابھی کیا فرمایا؟ اور یہ پوچھنا بطور تمسخر ہوتا تھا، تاکہ معلوم ہو کہ ہم ان کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی اس لئے نبی ﷺ کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آ کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھتے تھے کہ ابھی آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ یعنی وہی باتیں جن کو سن کر کفار و منافقین پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ کیا فرما رہے تھے؟ ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے مزید ہدایت کی موجب ہوتی ہیں اور جس مجلس سے وہ بدنصیب لوگ اپنا وقت ضائع کر کے اٹھتے ہیں اسی مجلس سے یہ خوش نصیب لوگ علم و عافیت کا نیا خزانہ حاصل کر کے پلٹتے ہیں۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً جہاں تک حق کے واضح ہونے کا تعلق ہے وہ تو دلائل سے اور قرآن کے معجزانہ بیان سے، محمد ﷺ کی سیرت پاک سے اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے انقلاب سے انتہائی روشن طریقہ پر واضح ہو چکا ہے، اب کیا ایمان لانے کیلئے یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان کے روبرو اکھڑی ہو؟ اور یہ تمام شبہی باتوں کا عینی مشاہدہ کر لیں، اس وقت تو بڑے سے بڑا کافر بھی ایمان لاتا ہے مگر اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایمان

کے لئے تمام شواہد و دلائل آچکے جو کہ ایک صاحب عقل و بصیرت کے ایمان لانے کے لئے کافی ہیں اب بھی اگر ایمان نہیں لاتے تو بس اب ایک علامت جس میں تمام مغیبات مشاہد ہو جائیں گے باقی رہ گئی ہے، اور وہ ہے قیامت۔

فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا (الآیۃ) اگر مشرکین و کفار کو قیامت کے برپا ہونے کا انتظار ہے تو اس کی علامات بعیدہ تو آچکی ہیں ان میں سے ایک بڑی علامت خود نبی ﷺ کی بعثت ہے، صحیحین وغیرہما میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بَعَثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور اسی جیسی ایک حدیث بخاری شریف میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الآیۃ) اس آیت میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے اپنے لئے بھی اور مومنین کے لئے بھی، یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں پھر ان کو استغفار کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟
جواب: بوجہ عصمت اگرچہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کے سرزد ہونے کا احتمال نہیں تھا مگر عصمت کے باوجود بعض اوقات خطا اجتہادی سرزد ہو جاتی ہے، خطا اجتہادی اگرچہ قانون شرع میں گناہ نہیں ہے بلکہ اس پر بھی اجر ملتا ہے انبیاء علیہم السلام کو ان کی خطا پر متنبہ کر دیا جاتا ہے مگر ان کی شانِ عالی کے اعتبار سے اس کو ذنب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ عبس میں آپ پر ایک قسم عتاب فرمایا وہ بھی اسی خطا اجتہادی کی مثال تھی جس کی تفصیل (انشاء اللہ) سورہ عبس میں آئیگی۔ (معارف)

اور بعض حضرات نے ”ذنب“ سے مراد خلاف اولیٰ لیا ہے جس کا انبیاء سے سرزد ہونا ممکن ہے اور نہ یہ عصمت کے خلاف ہے، بعض اوقات امت کی سہولت اور بیانِ جواز کے لئے نبی خلاف اولیٰ کو اختیار کر لیتا ہے، اس کے علاوہ اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی بجالانے میں اداء حق کی خاطر جان لڑانے میں خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو، بندہ کو اس زعم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے، کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا وہ میں نے کر دیا ہے اس لئے کہ کسی بھی بندے سے اس کی شایانِ شان حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ بندہ جس قدر بھی شکر کرے گا تو فیق شکر کا شکر لازم ہوگا اور بندہ جتنا بھی شکر کرے گا یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا، اداء شکر میں اگر جان بھی دید۔ پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوگا آخر میں یہی کہتا ہوگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کہ اس بات کا اقرار کرے کہ اے میرے مالک، تیرا جو میرے اوپر حق تھا میں وہ کما حقہ ا نہیں کر سکا ہوں، اور ہمہ وقت اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے، یہی روح ہے اللہ کے اس ارشاد کی کہ اے نبی اپنے قصور کی معاف مانگو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ نبی نے فی الواقع جان بوجھ کر کوئی قصور کیا تھا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا طَلِبًا لِلْجِهَادِ لَوْلَا هَلَا نَزَلَتْ سُورَةٌ فِيهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ فَلَا نَزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ اِی لَمْ يُنْسَبْ

مِنْهَا شَيْءٌ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالُ اِی طَلَبُہ رَاٰیَتِ الَّذِیْنَ فِی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اِی شَكٌّ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ
يَنْظُرُونَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ خَوْفًا مِنْهُ وَكَرَاهِيَةً لِّہ اِی فَهْمٌ يَخَافُونَ مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُوْنَہ
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ مُبْتَدَأٌ خَيْرٌ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ اِی حَسَنٌ لَّكَ فَاِذَا عَزَمْتَ الْاَمْرَ اِی فُرِضَ الْقِتَالُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ فِی
الْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ لَكَ اِنْ خَيْرٌ اَلْهَمُّ ۝۱۱ وَجُمْلَةٌ لَوْ جَوَابٌ اِذَا فَهَلَ عَسَيْتُمْ بِكَسْرِ السِّينِ وَفَتْحِهَا وَفِيهِ التَّفَاتُ
عَنِ الْغَيْبَةِ اِلَى الْخِطَابِ اِی لَعَلَّكُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ اَنْ تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ وَتَقَطِّعُوا اَرْحَامَكُمْ ۝۱۲
اِی تَعُوذُوا اِلَى اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ النِّبْغِ وَالْقَتْلِ اُولٰٓئِكَ اِی الْمُفْسِدُونَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ عَنِ
اسْتِمَاعِ الْحَقِّ وَاَعْمٰی اَبْصَارَهُمْ ۝۱۳ عَنْ طَرِيقِ الْهُدَايَةِ اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ فَيَعْرِفُونَ الْحَقَّ اَمْرٌ بَلْ عَلٰی قُلُوْبٍ
لَّهُمْ اَقْفَالٌ ۝۱۴ فَلَا يَفْهَمُوْنَہ اِنَّ الَّذِیْنَ اَتَكَّدُوا بِالنِّفَاقِ عَلٰی اَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ زَيْنَ
لَّهُمْ وَاَمَلٰی لَهُمْ ۝۱۵ بَضَمٌ اَوَّلِہ وَبِفَتْحِہ وَاللَّامِ وَالْمُمَلٰی الشَّيْطَانُ بِاِرَادَةِ تَعَالٰی فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ ذٰلِكَ اِی
اِضْلَالُهُمْ بِاَنَّهُمْ قَالُوا الَّذِیْنَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اِی لِلْمُشْرِكِينَ سَطِيعَكُمْ فِی بَعْضِ الْاَمْرِ اَمْرُ الْمُعَاوَنَةِ عَلٰی عَدَاوَةِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَشْيِيطِ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مَعَهُ قَالُوا ذٰلِكَ سِرًّا فَاظْهَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَسْرَارَهُمْ ۝۱۶ بَفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَبِكَسْرِهَا مَصْدَرٌ فَكَيْفَ حَالُهُمْ اِذَا تَوَقَّعْتُمْ الْمَلَائِكَةَ يَضْرِبُونَ حَالَ مِنْ
الْمَلَائِكَةِ وَجُوهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝۱۷ ظُهُورُهُمْ بِمَقَامِعٍ مِنْ حَدِيدٍ ذٰلِكَ اِی التَّوَقُّى عَلَى الْحَالَةِ الْمَذْكُورَةِ
بِاَنَّهُمْ اَتَّبَعُوا مَا اسْتَخَطَ اللّٰهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ اِی الْعَمَلُ بِمَا يُرْضِيهِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۱۸

تَرْجُمہ:

اور جو لوگ ایمان لائے وہ جہاد کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کس لئے کوئی ایسی سورت نازل نہیں کی گئی
جس میں جہاد (کی اجازت) کا ذکر ہو جب کوئی محکم غیر منسوخ سورت نازل کی جاتی ہے کہ جس میں جہاد (کی اجازت) مذکور
ہوتی ہے یعنی جہاد کا مطالبہ مذکور ہوتا ہے تو آپ ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں مرض یعنی شک ہوتا ہے اور وہ منافق ہیں کہ وہ
آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو گئی ہو موت سے خوف کھانے کی وجہ سے اور اس کو ناپسند
کرنے کی وجہ سے یعنی وہ جہاد سے ڈرتے ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں سو بہتر تھا ان کے لئے آپ کا فرمان بجالانا اور آپ
سے اچھی بات کہنا (اولیٰ لہم) مبتداء ہے اور (طاعة و قول معروف) خبر، یعنی ان کے لئے آپ کی اطاعت اور آپ کے
ساتھ اچھی بات بہتر ہے اور جب بات پختہ ہو گئی یعنی جہاد فرض کر دیا گیا سو اگر اللہ کے ساتھ ایمان اور طاعت میں سچے رہیں تو
ان کے لئے بہتر ہے اور جملہ لو صدقوا جواب اِذَا ہے اگر تم ایمان سے روگردانی کرو تو تم سے بعید نہیں کہ تم ملک میں فساد برپا
کرو اور قطع رحمی کرو اور تم امر جاہلیت یعنی بغاوت اور قتل کی طرف لوٹ آؤ (عسیتم) میں سین کا کسرہ اور فتح دونوں ہیں اور اس
میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے اور عسیتم بمعنی (لعلکم) ہے، یہی وہ مفسدہ پرداز لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار

ہے جن کو حق بات سننے سے بہرا کر دیا گیا ہے اور راہ ہدایت دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ کہ حق کو پہچان سکیں، بلکہ ان کے قلوب پر قلوب کے (مناسب) تالے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سمجھتے نہیں ہیں یقیناً وہ لوگ جو نفاق کی وجہ سے ان پر ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ پھیر کر پلٹ گئے یقیناً شیطان نے ان کے لئے (ان کے عمل کو) مزین کر دیا ہے اور شیطان نے ان کو دور کی سمجھائی ہے اول (یعنی ہمزہ) ضمہ اور فتح کے ساتھ اور لام کے فتح کے ساتھ ہے اور دور کی سمجھانے والا بارادۂ خداوندی شیطان ہے لہذا وہ (شیطان) ان کو گمراہ کرنے والا ہے اور یہ یعنی ان کو گمراہ کرنا اس وجہ سے ہوا کہ ان (منافقوں) نے ان لوگوں سے جو اللہ کی نازل کردہ (قرآن) کو ناپسند کرتے ہیں یعنی مشرکین سے کہا کہ ہم بعض باتیں تمہاری مانیں گے یعنی نبی ﷺ کی مخالفت میں معاونت کے سلسلہ میں اور لوگوں کو آپ ﷺ کے ساتھ جہاد سے روکنے کے سلسلہ میں (معاونت کریں گے) منافقوں نے یہ بات رازدارانہ طور پر کہی تھی مگر اللہ نے اس کو ظاہر فرما دیا اور اللہ ان کی رازدارانہ گفتگو کرنے کو جانتا ہے (یا) ان کے رازوں کو جانتا ہے (اسرار) ہمزہ کے فتح کے ساتھ سر کی جمع ہے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوں گے، حال یہ کہ وہ فرشتے ان کے چہروں پر اور ان کے سرینوں پر یعنی پشتوں پر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہوں گے اور یہ یعنی مذکورہ صورت میں روح قبض کرنا، اس سبب سے (ہوگا) کہ جو طریقہ خدا کی ناراضگی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کیا یعنی اس عمل سے جو اس کو راضی کرنے والا ہے اس لئے اللہ نے ان کے اعمال کا عدم کر دیئے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْبِيلٍ وَ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: فَأُولَىٰ لَهُمْ لَامٌ بِمَعْنَى بَاءٍ، اِیْ اَنْ كَانَ الْاَوَّلَىٰ بِهِمْ طَاعَةُ اللّٰهِ وَ طَاعَةُ رَسُوْلِهِ لَعْنَةُ الضَّعِيفِ الْاِيْمَانِ اور منافقوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی بہتر تھی، یہ مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عطاء رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی نے روایت کیا ہے، اور بعض حضرات نے اُولَىٰ کو وِیْلٌ سے مشتق مانا ہے اس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اس صورت میں یہ کلمہ ضعیف الایمان اور منافقوں کے لئے بددعاء اور کلمہ وعید ہوگا، اور اُولَىٰ لَهُمْ پر وقف ہوگا، اس کے بعد کلام متانف ہوگا۔ قَوْلًا: فَأُولَىٰ لَهُمْ میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں ① اُولَىٰ مَبْتَدَأُ لَهُمْ اس کا متعلق لام بمعنی باء، طَاعَةُ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ اس کی خبر مفسر علام نے یہی ترکیب اختیار کی ہے ② اُولَىٰ لَهُمْ مَبْتَدَأٌ مَحْذُوفٌ کی خبر ہو تقدیر عبارت یہ ہے الْهَلَاكُ اُولَىٰ لَهُمْ اِیْ اقْرَبُ لَهُمْ وَ اَحَقُّ لَهُمْ ③ اُولَىٰ مَبْتَدَأُ اور لَهُمْ اس کی خبر ہو تقدیر عبارت یہ ہے فَالْهَلَاكُ لَهُمْ، ابوالبقاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلًا: فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ جَبَّ اَمْرُ (جہاد) نے پختہ ارادہ کر لیا، اس میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ عزم، صاحب عزم کا کام ہے نہ کہ امر کا۔

قَوْلًا: فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لَوْ صَدَقُوا اللَّهَ مع اپنے جواب کے اِذَا کا جواب ہے اور بعض حضرات نے اِذَا کا جواب کَرِهُوا محذوف مانا ہے اور فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ کو شرط اور لَکَانَ خیرًا لَہُمْ کو اس کی جزاء قرار دیا ہے۔

قَوْلًا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ، عَسَيْتُمْ افعال رجاء (مقاربہ) میں سے فعل ماضی ہے یعنی ”تم سے بعید نہیں کہ تم“ اس میں مزید توخیج و تقریع کے لئے غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، حضرت قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تَوَلَّيْتُمْ کے معنی اعراض عن الطاعة کے لئے ہیں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور کبھی نے تَوَلَّيْتُمْ کے معنی اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَمْرًا لَامَةً کے لئے ہیں، یعنی اگر تم کو امت کے امور کا والی اور ذمہ دار بنا دیا گیا تو تم ملک میں ظلم کے ذریعہ فساد برپا کرو گے۔

قَوْلًا: اَقْفَالُهَا، اَقْفَالُ قُفْلٍ کی جمع ہے بمعنی تالا، اَقْفَالُ کی اضافت قلوب کی طرف کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں قفل سے عرفی تالا مراد نہیں ہے بلکہ خاص قسم کا غیبی تالا مراد ہے جو قلوب کے مناسب ہو، مثلاً توفیق کا سلب ہونا، غور و فکر کی صلاحیت کا ختم ہو جانا وغیرہ وغیرہ، مفسر علام نے فَلَا يَفْهَمُونَهُ سے اسی غیبی تالے یعنی سلب صلاحیت فہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: اَمْلٰی اس میں دو قراءتیں ہیں ① ہمزہ کا ضمہ اور لام کا کسرہ مع یاء کے فتح کے اِی اَمْلٰی ماضی مجہول ان کو ڈھیل دی گئی اور ② قراءت میں سکون یاء کے ساتھ مضارع معروف بھی ہے، یعنی ان کو مہلت دوں گا، اَمْلٰی لَہُمْ ان کو دور کی بھائی، لمبی لمبی امیدیں دلائیں، اس وقت اس کا فاعل شیطان ہوگا، اور ان کو مہلت دی، ڈھیل دی، اس صورت میں فاعل اللہ ہوگا۔

قَوْلًا: الْمُمْلٰی الشَّيْطَانُ بارادتہ تعالیٰ اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

مِنْ اَنْ: مہلت دینا یہ خدا کا کام ہے لہذا شیطان کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: ڈھیل اور مہلت دینے والا درحقیقت اللہ ہی ہے مگر اسناد مجازی کے طور پر شیطان کی طرف نسبت کر دی ہے اس لئے کہ یہ اس کے وسوسے کے ذریعہ ہوتی ہے۔

قَوْلًا: ذَلِكَ مَبْتَدَأٌ بِأَنَّهُمْ قَالُوا اس کی خبر، باء سبیہ ہے۔

قَوْلًا: قَالُوا، قَالُوا کا فاعل منافقین ہیں اور کَسِرُہُوا کا فاعل یہود ہیں، گویا کہ یہ کہنا سنا اور گفتگو منافقین اور یہود کے درمیان ہے نہ کہ منافقین اور مشرکین کے درمیان جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے، غالباً یہ سبقت قلم ہے۔ (حاشیہ جلالین)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

شان نزول:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا (الآیۃ) یہاں سے آخر تک تمام آیات مدنی ہیں اس لئے کہ جہاد کی مشروعیت مدینہ ہی میں ہوئی ہے اور اس لئے بھی کہ نفاق بھی مدینہ ہی میں پیدا ہوا، مکہ میں نفاق کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ مکہ میں اسلام کمزور اور دشمن

طاقتور تھا کی زندگی کا پورا زمانہ اور مدنی زندگی کا ابتدائی زمانہ بڑا پر آشوب اور اضطراب و بے چینی کا زمانہ تھا ہر آن اور ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا راتوں کو مسلمان ہتھیار بند سوتے تھے، ذرا بھی کوئی شور و غل ہوتا تھا تو مسلمان سمجھتے تھے کہ دشمن چڑھ آیا، مشرکین مکہ کی ریشہ دوانیاں نہ صرف یہ کہ جاری تھیں بلکہ شباب پر تھیں، مسلمان جس اضطرابی دور سے گزر رہے تھے اس سے تنگ آ کر ”تنگ آمد بجنگ آمد“ کے مطابق مسلمانوں نے بھی من بنالیا تھا کہ اب آر پار کی ہو جانی چاہئے مگر ابھی تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا مخلصین مومنین جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور اس بات کے خواہشمند تھے کہ جہاد کی اجازت ہو جائے، اور بے چینی کے ساتھ اللہ کے فرمان کا انتظار بھی کر رہے تھے، اور آپ ﷺ سے بار بار دریافت کرتے تھے کہ ہمیں ان ظالموں سے لڑنے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا اور اس بارے میں کوئی محکم غیر منسوخ سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی؟

مگر جو منافقین مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے ان کا حال مومنین مخلصین کے حال سے مختلف تھا وہ اپنے جان و مال کو خدا اور اس کے دین سے عزیز سمجھتے تھے اسی لئے وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے ان ہی میں بعض ضعیف الایمان بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

فَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً مُحْكَمَةً يَهْدِيهَا أُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ لَا تُلْهِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا يَدْرُسُكُمْ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ وَالْمَالَ الَّتِي كُنْتُمْ تُخْفُونَ بَيْنَكُمْ أَنْ تَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكِنَّكُمْ تَتَحَنَّنُونَ فَاذْكُرُوا يَوْمَ تُنْفِقُونَ إِنْ تُحِبُّوا وُجْهَ اللَّهِ فَذْكُرُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (البقرہ: ۱۷۷-۱۸۰)

یہ ان ہی منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گذرتا تھا، اس جہاد کے حکم نے منافقوں کو سچے مسلمانوں سے چھانٹ کر بالکل الگ کر دیا آیت جہاد نازل ہونے سے پہلے منافقین بھی جہاد میں بہادری دکھانے کے بڑی شہود سے دعوے کرتے تھے، مگر جب اسلام کے لئے جان کی بازی لگانے کا وقت آیا تو ان کے نفاق کا حال کھل گیا، اور نمائشی ایمان کا لبادہ اتر گیا اب جب جہاد کا حکم نازل ہو گیا ہے تو ان منافقوں کی بد حالی کا یہ عالم ہے گویا کہ ان پر موت کی سی بیہوشی چھا گئی اور جس طرح مرتے وقت مرنے والے کی آنکھیں پتھر اکر ایک جگہ ٹھہر جاتی ہیں، یہ آپ کی طرف اسی طرح مبہوت اور متحیر ہو کر ٹٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں، ان کے لئے جہاد اور موت سے گھبرانے کے بجائے بہتر تھا کہ وہ مع وطاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت گستاخانہ کلمے کہنے کے بجائے اچھی بات کہتے یہ مطلب اس صورت میں ہوگا جب اولیٰ بمعنی اَجْدَر (بہتر) لیا جائے، ابن کثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے بعض حضرات نے اولیٰ وِیل سے کلمہ تہدید مراد لیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نفاق کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب ہے اولیٰ لَہُمْ کے معنی اَصْمَعِ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالٰی کے قول کے مطابق یہ ہیں قَارِبَةٌ مَا يُهْلِكُہ یعنی اس کی ہلاکت کے اسباب قریب آچکے۔ (قرطبی) اور طاعة و قول معروف جملہ مستانفہ ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ خیر لکم ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ (الایہ) تَوَلَّی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک اعراض اور دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار و حکومت، اس آیت میں بعض حضرات نے پہلے معنی لئے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ الہیہ سے روگردانی کی جس میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے، جس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع رحمی ہے۔

روح المعانی اور قرطبی نے اس جگہ تو لکھی کے دوسرے معنی یعنی حکومت اور امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو یعنی اس حالت میں تمہیں ملک و قوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور رشتوں اور قرابتوں کو توڑ ڈالو گے۔ (معارف)

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

اَرْحَام، رحمہ کی جمع ہے بچہ دانی کو کہتے ہیں، چونکہ عام رشتوں، قرابتوں کی بنیاد رحم ہی سے چلتی ہے اس لئے عرف اور محاورہ میں رحم رشتہ داری اور ذوی الارحام رشتہ داروں کو کہتے ہیں، اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث ۱: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر دو اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس مضمون کی حدیث نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ اس کو اپنے قریب کریں گے اور جو قطع رحمی کرے گا اللہ اس کو قطع کر دیں گے۔

حدیث ۲: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ کہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت اس کی میں اس کے علاوہ ہو ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد، الترمذی، ابن کثیر)

حدیث ۳: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ حق قرابت کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے تب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (ابن کثیر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے هَلْ عَسَيْتُمْ اَلْخ سے استدلال کر کے ام ولد کی فروخت کی ممانعت فرمائی تھی، حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک روز میں حضرت عمر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، کہ یکا یک محلہ میں شور مچنے لگا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک لونڈی فروخت کی جا رہی ہے اور اس کی لڑکی رو رہی ہے، حضرت عمر نے اسی وقت انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ دین اسلام میں کیا قطع رحمی کا بھی کوئی جواز ہے؟ سب نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا پھر یہ کیا ہو رہا ہے، ماں سے بیٹی کو جدا کیا جا رہا ہے، اس سے بڑی قطع رحمی اور کیا ہو سکتی ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پورے ملک میں ام ولد کے فروخت کی ممانعت فرمادی۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ يَمْسُدُهُمْ بِدَارِ قُطْعٍ كَرْنِ وَالْهِيَ لُوكِ هِيْ جَنِّ پَرِ اللّٰهٖ نَ لَعَنَتْ فَرْمَائِي رَحْمَتِ سَے دُورِ كَر دِیَا
اور ان کی شنوائی و بینائی حق سننے اور حق دیکھنے سے سلب کر لیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے معانی و مطالب ان کے دل میں نہیں
اترتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ ان کے قلوب پر مہر ثبت کر دی گئی ہے۔

الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ اس میں شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی ہے ایک ”تسویل“ جس کے معنی تزیین کے ہیں
کہ بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کر دے، دوسرا کام ”املاء“ جس کے معنی امہال اور مہلت دینے کے
ہیں، مطلب یہ کہ شیطان نے اول تو ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین اور آراستہ کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی طویل
آرزوں اور امیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔

أَمَحَسَبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۖ يُظْهِرُ أَحْقَادَهُمْ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِينَ وَلَوْ نَشَاءُ
لَأَرْسَلْنَاهُمْ غُرَفًا كَهُمْ وَكَرَّرَتِ اللَّامُ فِي فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۖ عَلَامَتِهِمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمُ الْوَائِقِ سِمَ مَحْذُوفٍ وَمَا
بَعْدَهَا جَوَابُهُ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اِی مَعْنَاهُ اِذَا تَكَلَّمُوا عِنْدَكَ بَانَ يُعَرِّضُوا بِمَا فِيهِ تَهْجِينُ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۖ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نَخْتَبِرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهِ حَتَّى نَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُورِ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ فِي
الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ وَنَبْلُوَنَّكُمْ نَظَرًا ۖ أَخْبَارَكُمْ ۖ مِنْ طَاعَتِكُمْ وَعِصْيَانِكُمْ فِي الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ بِالْيَأْ وَالنُّونِ فِي الْأَفْعَالِ
الْثَلَاثَةُ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقِ الْحَقِّ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ خَالَفُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ
الْهُدَى هُوَ مَعْنَى سَبِيلِ اللَّهِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِيطُ أَعْمَالَهُمْ ۖ يُبْطِلُهَا مِنْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهَا فَلَا
يَرَوْنَ لَهَا فِي الْآخِرَةِ ثَوَابًا نَزَلَتْ فِي الْمُطْعِمِينَ مِنْ أَصْحَابِ بَدْرٍ أَوْ فِي قَرِيبَةِ النَّصِيرِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۖ بِالْمَعَاصِي مَثَلًا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ طَرِيقِهِ وَهُوَ الْهُدَى تَمَّ مَا تَوَاوَهُمْ كُفَّارًا لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ نَزَلَتْ فِي أَصْحَابِ الْقَلْبِ فَلَا تَهْنُؤُوا تَضَعُفُوا
وَتَدْعُوا إِلَى السَّامِ بِفَتْحِ السِّينِ وَكُسْرِهَا اِی الصُّلْحَ مَعَ الْكُفَّارِ اِذَا لَقِيتُمُوهُمْ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۖ حُذِفَ مِنْهُ وَآوُ
لَامِ الْفِعْلِ الْأَغْلَبُونَ الْقَاهِرُونَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَلَنْ يَتْرَكَكُمْ يُنْقِصُكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۖ اِی ثَوَابَهَا
إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِی الْإِشْتِغَالُ فِيهَا لَبٌّ وَلَهُوَ ۖ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا اللَّهَ ذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَلَا
يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۖ جَمِيعَهَا بِلِ الزَّكَاةِ الْمَفْرُوضَةِ فِيهَا اِنْ يَسْأَلُكُمْ مَوَالِيكُمْ فَيُحْفِكُمْ يُبَالِغُ فِي طَلِبِهَا تَبَخَّلُوا وَخُجِرَ الْبُخْلُ
أَضْغَانَكُمْ ۖ لِيَدِينِ الْإِسْلَامَ هَآنَتُمْ يَا هَؤُلَاءِ تَدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ
وَمَنْ يَبْخُلُ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ يُقَالُ بَخِلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ عَنْ نَفَقَتِكُمْ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَيْهِ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا
عَنْ طَاعَتِهِ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اِی يَجْعَلُهُمْ بِدَلَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۖ فِي التَّوَلَّى عَنْ طَاعَتِهِ بَلِ

سُطِيعِينَ لَهُ عِزٌّ وَجَلٌّ.

تَرْجُمہ: کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کی نبی سے اور مومنین سے دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو آپ کو دکھا دیتے (یعنی) ان سب کی آپ کو شناخت کر دیتے، اور لام فَلَعَرَفْتَهُمْ میں مکرر لایا گیا ہے سو آپ ان کو ان کے چہروں کی علامتوں ہی سے پہچان لیتے اور یقیناً آپ ان کو طرز گفتگو سے پہچان لیں گے، واؤ، قسم محذوف کے لئے ہے اور اس کا مابعد جواب قسم ہے، مطلب یہ ہے کہ جب وہ آپ سے گفتگو کرتے ہیں تو اس طریقہ سے تعریف کرتے ہیں کہ جس میں مسلمانوں کے بارے میں تحقیر ہوتی ہے تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں اور یقیناً ہم تم سب کی جانچ کریں گے، یعنی جہاد وغیرہ کے ذریعہ تمہارا امتحان لیں گے، تاکہ تم میں سے مجاہدین کو اور جہاد وغیرہ میں ثابت قدم رہنے والوں کو جان لیں یعنی ظاہر کر دیں، اور جہاد وغیرہ میں تمہاری نافرمانی اور فرمانبرداری کی حالت کو جانچ لیں، تینوں افعال، یا، اور نون کے ساتھ ہیں یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ یعنی راہ حق سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی، اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی، سبیل اللہ کے یہی معنی ہیں، یہ ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے، عنقریب وہ ان کے اعمال کو غارت کر دے گا (یعنی) ان کے صدقہ وغیرہ کو باطل کر دے گا، تو وہ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہ دیکھیں گے (مذکورہ آیت) اصحاب بد ریا (بنی) قریظہ اور (بنی) نضیر کے کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہنا مانو اور اپنے اعمال کو معاصی کے ذریعہ مثلاً باطل نہ کرو جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے کہ وہ ہدایت کا راستہ ہے روکا پھر وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے، یقیناً مانو اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا (مذکورہ آیت) بدر کے کنوئیں والوں کے بارے میں نازل ہوئی، پس اے مسلمانو! ہمت مت ہارو، اور صلح کی درخواست نہ کرو (السَّلَامِ) میں سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ، یعنی جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو صلح کی درخواست نہ کرو، اور تم ہی غالب رہو گے، اور (الْأَغْلَوْنَ) سے واؤ کو جو کہ لام فعل ہے حذف کر دیا گیا ہے یعنی تم ہی غالب اور قاہر رہو گے، نصرت اور مدد کے ساتھ اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال یعنی ان کے ثواب کو کم نہیں کرے گا واقعی دنیا کی زندگی یعنی اس میں مشغول رہنا تو صرف کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو گے اور یہ آخرت کے امور میں سے ہے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کا اجر دے گا، وہ تم سے تمہارا تمام مال نہیں مانگتا، بلکہ اس میں سے زکوٰۃ کی فرض مقدار مانگتا ہے اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال طلب کرے اور سب کا سب مانگ لے (یعنی) اس کی طلب میں مبالغہ کرے تو تم اس سے بخیلی کرنے لگو گے، اور بخل دین اسلام کے لئے تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے، ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں وہ مقدار خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے جو تمہارے اوپر فرض ہے بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنے سے بخل کرتا ہے کہا جاتا ہے بَخِلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ اللہ تو تمہارے خرچ کرنے سے مستغنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم اس کی اطاعت سے رو

گردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا یعنی تمہاری جگہ کر دے گا، پھر وہ اطاعت سے روگردانی کرنے میں تم جیسے نہ ہوں گے بلکہ اللہ عز و جل کے اطاعت گزار ہوں گے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ : اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ الْخُ ام مقطوعہ ہے ای بَلْ اَحْسِبَ الْمُنافِقُونَ ، الَّذِينَ اپنے صلہ موجود فی قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ سے مل کر، حَسِبَ کا قائل اَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ اَصْغَانَهُمْ، حَسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، اَنْ مخففہ عن المثلہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم محذوف ہے، ای اِنَّہ اس کا مابعد جملہ ہو کر، اَنْ کی خبر ہے۔

قَوْلٌ : اَصْغَانٌ، اَصْغَانٌ، صِغْنٌ کی جمع ہے، کینہ، عداوت۔

قَوْلٌ : لَا رَيْنَ لَكُمْ يٰہَا رُویت سے رُویت بصری مراد ہے اسی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے اگر رُویت قلبی مراد ہوتی تو متعدی بدو مفعول ہوتا کُھم، اَرَيْنَا کے دو مفعول ہیں (اعراب القرآن) بعض حضرات نے نے رُویت علمیہ بھی مراد لی ہے، مفسر علام نے اَرَيْنَا کی تفسیر عَرَفْنَا سے کر کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور معرفت سے ایسی معرفت مراد ہے کہ جو کالمشاہد (چشم دید) جیسی ہو۔

قَوْلٌ : لَا رَيْنَ لَكُمْ، لَوْ کا جواب ہے فَلَعَرَفْتَهُمْ کا جواب لَوْ پر عطف ہے لام تاکید کے لئے مکرر ہے، قاء عاطفہ ہے۔

قَوْلٌ : وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے۔

قَوْلٌ : لَحْنُ الْقَوْلِ لَحْنُ کے دو معنی ہیں ① خطاء فی الاعراب ② خطاء فی الکلام، لَحْنُ فی الکلام یہ ہے کہ ظاہر کلام تعظیم پر اور باطن کلام تحقیر پر دلالت کرتا ہو اور متکلم باطن کلام مراد لے رہا ہو یا کلمہ کو اس طرح ادا کرنا کہ اس کے معنی بدل جائیں اور تعظیم کے بجائے تحقیر کے معنی پیدا ہو جائیں، جیسے منافقین آپ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے رَاعِنَا کے بجائے رَاعِنَا کہا کرتے تھے، رَاعِنَا کے معنی ہیں ہماری رعایت کیجئے، اور رَاعِنَا کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا کرتے تھے (یعنی تیرے اوپر موت ہو، تو ہلاک ہو)۔

قَوْلٌ : فی الافعال الثلاث یہ تین صیغ افعال ① وَلَيَبْلُوَنَّكُمْ ② يَعْلَمَ ③ يَبْلُوْا ہیں، ان تینوں افعال میں واحد غائب اور جمع متکلم دونوں قراءتیں ہیں۔

قَوْلٌ : شَاقُّوا ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے مخالفت کی یہ مُشَاقَّة اور شَقَاق سے مشتق ہے۔

قَوْلٌ : سَيُحْبِطُ اَعْمَالُهُمْ، حَبْطُ اعمال سے مراد آخرت میں ان کے اجر کو ختم کر دینا ہے، اور اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جو عرف عام میں اعمال خیر سمجھے جاتے ہیں، مثلاً صلہ رحمی، غریبوں، مسکینوں، مسافروں کی مدد کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ۔

قَوْلٌ : اُنْزِلَتْ فِی الْمُطْعِمِينَ یہاں مطعمین سے وہ مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر لشکر کفار کے کھانے کا اپنی اپنی طرف سے نظم کیا تھا۔

قَوْلًا: اصحاب القلیب ”قلیب“ میدان بدر میں ایک کنوئیں کا نام ہے جس میں مقتولین مشرکین کو آنحضرت ﷺ نے ڈلوادیا تھا۔

قَوْلًا: فلا تهنوا تم ہمت نہ ہارو، پست ہمت نہ ہو، فاء جواب شرط پر داخل ہے شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اذا تبین لكم بالدلالة القطعية عز الاسلام وذل الكفر في الدنيا والآخرة فلا تهنوا۔

قَوْلًا: وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ واو حالیہ ہے جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے ای وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ بالسيف والحجة آخر الامر۔ اعلون اصل میں اعلوون تھا، پہلا واو لام فعل ہے اور دوسرا واو جمع کا ہے، اول واو متحرک اس کا ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گیا، الف التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو گیا، اَعْلَوْنَ، اَغْلَبُونَ الْقَاهِرُونَ کے معنی میں اور بعض نسخوں میں قاہرون کے بجائے الظاہرون ہے۔

قَوْلًا: وَاللَّهُ مَعَكُمْ یہ بھی جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلًا: يَتَرَوْا وتتر (ض) کم کرنا۔

قَوْلًا: فَيُخَفِّكُمُ، اخفاء سے کسی کام میں مبالغہ کرنا جڑ سے اکھاڑ پھینکنا، اسی سے احفاء الشارب ہے، مونچھوں کو اچھی طرح صاف کرنا، یہاں طلب میں مبالغہ کرنا مراد ہے۔

قَوْلًا: هَا أَنْتُمْ، ہا حرف تنبیہ اور أَنْتُمْ مبتداء ہے اور هَا لا عنادی ہے، حرف نداء محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، تَدْعُونَ خبر، جملہ ندائیہ، مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلًا: يُقَالُ بَخِلَ عَلَيْهِ وَعَنَهُ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بَخِلَ اگر شُحِّ (حرص) کے معنی کو متضمن ہو تو متعدی بعلی ہوتا ہے اور جب اَمْسَكَ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو متعدی بعن ہوتا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمُ (الآية) أَضْغَانٌ ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی حسد، کینہ، بغض، مخفی عداوت کے ہیں، منافقوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا، اسی حوالہ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ منافقین کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے مخفی کینہ، بغض و عداوت کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟ آگے فرمایا کہ ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ ایک ایک شخص کی اس طرح شائدی کر دیں کہ ہر منافق کو عیاں پہچان لیا جائے، لیکن تمام منافقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں، دوسرا یہ کہ اس نے انسان کے ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے، البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے، یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے کہ انسان کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسے لاکھ

چھپائے مگر اس کی گفتگو، حرکات و سکنات اور بعض مخصوص کیفیات اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ (الآیہ) اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے، یہاں علم سے مراد اس کا ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں، اسی لئے امام ابن کثیر نے فرمایا کہ حَتَّىٰ نَعْلَمَ وَقُوْعُهُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے لِنَرٰی تاکہ ہم دیکھ لیں۔ (ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (الآیہ) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کاموں کو انہوں نے اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کیا ہے اللہ ان سب کو ضائع کر دے گا، اور آخرت میں ان کا کوئی اجر بھی نہ پاسکیں گے، اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا سے منافقین مراد ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اہل کتاب مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین مراد ہیں، جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ ان میں سے بارہ آدمیوں نے ان کے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا ان میں سے ایک آدمی پورے لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کرتا تھا، اور بعض حضرات نے بنو نضیر اور بنی قریظہ بھی مراد لئے ہیں۔

وَسَيُحِبُّ اَعْمَالَهُمْ یہاں حب افعال سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی اسلام کے خلاف کوششوں اور تدبیروں اور سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دے، بلکہ ناکام اور اکارت کر دے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے ان کے نیک اعمال، مثل صدقہ و خیرات وغیرہ سب کے سب اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا اِلَى السَّلَامِ اس آیت میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا یعنی اگر کفار صلح کی جانب مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیے، اس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کفار کی جانب سے صلح جوئی کی ابتداء ہو، اور اس آیت میں جو ممانعت آئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء کی جائے، اس لئے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو، محض بزدلی اور عیش کوشی اس کا سبب نہ ہو، اور اسی آیت میں فَلَا تَهِنُوا کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(معارف)

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ ارشاد اس زمانہ میں فرمایا گیا کہ جب مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں چند سو مہاجرین و انصار کی ایک مٹھی بھر جمعیت اسلام کی علم برداری کر رہی تھی، اور اس کا مقابلہ محض قریش کے طاقتور قبیلہ ہی سے نہیں بلکہ پورے ملک کے کفار و مشرکین سے تھا، اس حالت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت ہار کر ان دشمنوں سے صلح کی درخواست نہ کرنے لگو، اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کبھی صلح کی بات چیت کرنی ہی نہیں چاہئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا درست نہیں ہے جب اس کے معنی اپنی کمزوری کے اظہار کے ہوں اور اس سے دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں، مسلمانوں کو پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوالینا چاہئے، اس کے بعد اگر صلح کی بات چیت کریں تو کوئی حرج نہیں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اوپر جہاد کا ذکر تھا، اور چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی محبت ہو سکتی ہے جس میں

اپنی جان کی محبت اہل و عیال کی محبت مال و دولت کی محبت سب داخل ہیں، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونے والی ہیں، اس وقت اگر ان کو بچا بھی لیا تو کیا فائدہ؟ آخر کار یہ سب چیزیں ہاتھ سے نکلنے ہی والی ہیں، اس لئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ اللَّهُ تَعَالَى تَهَارَے اموال سے بے نیاز ہے اسی لئے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت ہی قلیل حصے کا یعنی صرف ڈھائی فی صد کا مطالبہ رکھا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ زائد از ضرورت کل مال کا مطالبہ کرتا اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دیکر تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی وہ لامحالہ ظاہر ہو جاتی اس لئے اس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر و قلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے، تم اس میں بھی بخل کرنے لگے۔

تُدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنْ نَفْسِهِ یعنی جو شخص اس میں بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے کہ آخرت کے اجر و ثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔

وَأَنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے، بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے، نبی ﷺ سے جب اس قوم کے بارے میں صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایسی کونسی قوم ہے کہ اگر ہم (خدا نخواستہ) احکامِ دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی؟ اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہ کرے گی؟ تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ (جو کہ آپ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے) کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی معلق ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے (ترمذی، ذکرہ الالبانی فی صحیحہ و صحیحہ ابن حبان، مظہری) شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جوابو حنیفہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کے مناقب میں لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ ابنائے فارس میں کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچی جس پر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب پہنچے۔

(حاشیہ تفسیر مظہری معارف)

﴿مَشَتْ﴾

سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً رُكُوعًا

سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ فتح مدنی ہے انتیس ۲۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ بِجِهَادِكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۝ مِنْهُ لَتَرْغَبَ أَمْتُكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعَصْمَةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالْإِثْبَاتِ الْعَقْلِيِّ الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوبِ وَالْإِلَامِ لِلْعِلَّةِ الْغَائِيَةِ فَمَدْخُولُهَا مُسَبَّبٌ لَا سَبَبَ ۝ وَيُتِمُّ بِالْفَتْحِ الْمَذْكُورِ نِعْمَتَهُ إِنْ عَامَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ بِهِ صِرَاطًا طَرِيقًا مُسْتَقِيمًا ۝ يُثَبِّتُكَ عَلَيْهِ وَهُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ ۝ وَيَنْصُرُكَ اللَّهُ بِهِ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ نَصْرًا إِذَا عَزَلَ ذُلُّ مَعَهُ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَى قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُزَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ بِشَرَائِعِ الدِّينِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَةٌ مِنْهَا آمَنُوا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَلَوْ أَرَادَ نَصْرَ دِينِهِ بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ۝ فِي صُنْعِهِ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ لِيَدْخُلَ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ أَيْ أَمْرًا بِالْجِهَادِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ تَجَرَّتْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِكَفَرَتْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ وَيُعَذِّبُ الْمُفْسِقِينَ وَالْمُفْسِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ ۝ وَاللَّهُ ظَنُّ الشَّوْءِ بِفَتْحِ السِّينِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يَنْصُرُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ الشَّوْءِ بِالذَّلِّ وَالْعَذَابِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ أَبْعَدَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ مَرْجَعًا ۝ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا فِي مُلْكِهِ حَكِيمًا ۝ فِي صُنْعِهِ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا عَلَى أُمَّتِكَ فِي الْقِيَمَةِ ۝ وَمُبَشِّرًا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا ۝ مُنْذِرًا مُخَوِّفًا فِيهَا مِنْ عَمَلِ سُوءٍ بِالنَّارِ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ بِالْبَيِّاتِ وَالتَّاءِ فِيهِ وَفِي الثَّلَاثَةِ بَعْدَهُ وَتَعَزُّوهُ يَنْصُرُوهُ وَقُرَيْشُ بَزَائِينَ مَعَ الْفَوْقَانِيَّةِ وَتَوْفَرُوهُ تَعْظُمُوهُ وَضَمِيرُهَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُسَبِّحُوهُ أَيْ اللَّهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنَّ الَّذِينَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْحَدِيثِ إِنَّ مَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ هُوَ نَحْوُ مَنْ يُطِيعُ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهُ بِذَلِكَ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ
الَّتِي بَايَعُوا بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ هُوَ تَعَالَى مُطَّلِعٌ عَلَى مُبَايَعَتِهِمْ فَيُجَازِيهِمْ عَلَيْهَا فَمَنْ تَكَلَّفَ
نَقْضَ الْبَيْعَةِ فَإِنَّمَا يَنْتَكُثُ يَرْجِعُ وَبَالَ نَفْسِهِ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَيُؤْتِيهِ بِالْيَأْسِ وَالسُّوْنِ
أَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بے شک ہم نے آپ کو (اے نبی) ایک کھلی فتح عطاء کی (یعنی) آپ کے جہاد کے ذریعہ ہم نے بزورِ شمشیر مستقبل میں مکہ وغیرہ کی فتح کا فیصلہ کر دیا، تاکہ آپ کے جہاد کے صلہ میں آپ کی اگلی کچھلی کوتاہیوں کو معاف کریں، تاکہ تیری امت کو جہاد میں رغبت ہو، اور مذکورہ آیت مؤول ہے انبیاء علیہ السلام کے گناہوں سے دلیل عقلی قطعی سے معصوم ہونے کی وجہ سے، اور لام علت غائیہ کے لئے ہے لہذا اس کا مدخول مسبب ہے نہ کہ سبب، اور (تاکہ) فتح مذکور کے ذریعہ اپنی نعمتوں کی آپ پر تکمیل کرے اور اس کے ذریعہ سیدھا راستہ دکھائے (یعنی) آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے، اور وہ (سیدھا راستہ) دین اسلام ہے اور تاکہ وہ اس فتح کے ذریعہ آپ کو ایک زبردست نصرت بخشے با عزت نصرت، جس میں ذلت نہ ہو، وہی ہے وہ ذات جس نے مومنین کے دل میں نصرت بخشی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ دین کے احکام پر ایمان کا اور اضافہ ہو جب جب بھی ان میں سے کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لائیں، اور ان ہی احکام میں سے جہاد ہے، اور زمین و آسمان کے سب لشکر اللہ ہی کے ہیں، سو اگر وہ تمہارے بغیر اپنے دین کی نصرت کا ارادہ کرتا تو ایسا کر سکتا تھا، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں دانا اور اپنی صنعت کے بارے میں باختمت ہے یعنی وہ اس صنعت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے (اس نے جہاد کا حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ وہ لِيُذْخِلَ، اَمْرٌ بِالْجِهَادِ محذوف کے متعلق ہے، مومنین اور مومنات کو ایسی جنت میں داخل کرے کہ جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور تاکہ ان کے گناہوں کو ان سے دور کرے، اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے، اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں (السُّوءِ) تینوں جگہوں پر سین کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے، ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور مومنین کی مدد نہ کرے گا، ذلت اور عذاب کے ساتھ برائی کے چکر میں وہ خود ہی آگئے اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا، اور ان کو (رحمت) سے دور کرے گا، اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور (۱۰) براٹھکانہ ہے اور آسمانوں اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے یقیناً ہم نے آپ کو قیامت کے دن اپنی امت کے لئے گواہی دینے والا اور ان کو دنیا میں جنت کی خوشخبری سنانے والا (بنا کر بھیجا) اور دنیا میں آگ سے برے اعمال کی وجہ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (لِتُؤْمِنُوا) میں یاء اور تاء دونوں ہیں، یہاں بھی اور اس کے بعد تینوں جگہوں پر بھی اور اس کی مدد کرو

اور تاء فوقانیہ کی صورت میں دوزاؤں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اور اس کی تعظیم کرو مذکورہ دونوں صیغوں کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول کی جانب راجع ہے اور اس کی یعنی اللہ کی صبح و شام پا کی بیان کرو بلاشبہ جو لوگ آپ سے حدیبیہ میں بیعت رضوان کر رہے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور یہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ کے مانند ہے، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے، وہ ہاتھ جس پر مومنین نے آپ ﷺ سے بیعت کی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بیعت کی اس کا روائی سے باخبر ہے، سو وہ ان کو اس پر جزاء دے گا، تو جو شخص عہد شکنی کرے گا یعنی بیعت توڑے گا تو اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر پڑے گا، یعنی اس کی عہد شکنی اسی کی طرف لوٹے گی اور جو شخص اس کو پورا کرے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطاء کرے گا (فَسَنُوتِيهِ) میں یا اور نون دونوں ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا، فَتَحْنَا کی تفسیر قَضَيْنَا سے کرنے کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور فتح مکہ بالاتفاق ۸ھ میں ہوا ہے، اور یہ سورت حدیبیہ سے واپسی کے وقت ضحجان جو مکہ سے ۲۵ کلومیٹر کے مسافت پر ہے یا بقول بعض کُراع الغمیم کے مقام پر ۶ھ میں نازل ہوئی، تو اب شبہ یہ ہے کہ ۸ھ میں ہونے والے واقعہ کو ۶ھ میں اِنَّا فَتَحْنَا ماضی کے صیغہ سے کیوں تعبیر فرمایا؟

دفع: مفسرین نے اس شبہ کے تین جواب دیئے ہیں: ایک تو وہی ہے جس کی طرف علامہ محلی نے فَتَحْنَا کی تفسیر قَضَيْنَا سے کر کے اشارہ کیا ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح سے مراد قضا فی الازل ہے اسی حکمنا فی الازل اور قضا فی الازل یقیناً صلح حدیبیہ سے مقدم ہے یعنی ۸ھ میں فتح مکہ کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا، اس صورت میں ماضی سے تعبیر حقیقہ ہوگی۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ فتح مکہ کے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا گیا، اس لئے کہ جس کا وقوع یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں، اس صورت میں تعبیر بالماضی مجازاً ہوگی، اور یہ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ کی نظیر ہوگی۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ درحقیقت فتح صلح حدیبیہ ہی ہے، اس لئے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور دیگر فتوحات کا سبب بنی تھی اور آنحضرت ﷺ نے بھی صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا ہے، جب کُراع الغمیم کے مقام پر یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کو پڑھ کر سنائی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت بھی سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، اس صورت میں بھی تعبیر بالماضی حقیقہ ہوگی۔

قَوْلًا: عَنُودَ زَبْرَدستی لینا بزور شمشیر حاصل کرنا، یہ امام اعظم اور امام مالک کا مذہب ہے امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔

قَوْلًا: بِنَا، مُبِينَا کی تفسیر بِنَا سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مُبِينٌ اَبَانَ سے بمعنی لازم ہے نہ کہ متعدی۔

قَوْلًا: فی المستقبل، فتح سے متعلق ہے، بعض نسخوں میں (فی) کے بغیر ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے تو اس صورت میں المستقبل، بفتح کی صفت ہوگی۔

قَوْلًا: بجہادك اس کا تعلق، فتح مکہ سے ہے، اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: فتح مکہ باری تعالیٰ کا فعل ہے، اس لئے کہ اِنَّا فَتَحْنَا میں فتح کی نسبت ذات باری نے اپنی طرف فرمائی ہے، اور مغفرت کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح جو کہ باری تعالیٰ کا فعل ہے یہ علت ہے آپ ﷺ کی مغفرت کی، اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ ایک کا فعل دوسرے کے لئے علت نہیں بن سکتا، لہذا فتح مکہ پر آپ کی مغفرت کا مرتب ہونا بھی درست نہیں ہے، اسی سوال کے جواب کے لئے مفسر علام نے بجہادك کا اضافہ فرمایا۔

جَوَاب: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ بجہادك کا تعلق فتح مکہ کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ فتح تو باری تعالیٰ ہی نے عطا فرمائی مگر اس کا ظاہری سبب اور ذریعہ آپ ﷺ کا جہاد بنا، اس طریقہ سے خود آپ کا فعل آپ کی مغفرت کی علت ہوئی نہ کہ فعل باری تعالیٰ اور یہ درست ہے، لہذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلًا: ہو مؤول یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے تو پھر آپ ﷺ کے گناہوں کو معاف کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَاب: ① پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں تاویل ہے اول یہ کہ خطاب اگرچہ آپ کو ہے مگر مراد امت ہے، تاکہ امت کو جہاد میں رغبت ہو ② دوسرے یہ کہ ذنوب سے مراد حسنات الابرار سینات المقربین کے قاعدہ سے خلاف اولیٰ ہیں، اور خلاف اولیٰ کا نبی سے صدور ہو سکتا ہے یہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ③ یا مغفرت سے مراد ستر و حجاب ہے، مطلب یہ کہ آپ کے اور آپ سے صدور ذنوب کے درمیان ستر و حجاب حائل کر دے تاکہ آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہو۔

قَوْلًا: لئلا تغرب امتك یہ جہاد پر مغفرت کے مرتب ہونے کی علت ہے، یعنی جہاد پر مغفرت مرتب ہونے کی وجہ سے تیری امت جہاد کی طرف راغب ہوگی۔

قَوْلًا: واللام للعلل الغائبة لیغفر، میں لام علت غائیہ کا ہے نہ کہ باعث کا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل معلل بالاغراض نہیں ہو سکتا یعنی کوئی شئی اس کو کسی فعل پر باعث (براہینجختہ، آمادہ) نہیں کر سکتی ہے، البتہ لام مذکور علت غائیہ کے لئے ہو سکتا ہے، یعنی نتیجہ فعل کے لئے، جب بولتے ہیں، اشدیت القلم لا کتب میں نے قلم خرید لکھنے کے لئے، کتابت، اشتراء کی غایت ہے، لہذا لام کا مدخول یعنی مغفرت مسبب ہے نہ کہ سبب فتح ہے اور مسبب مغفرت ہے نہ کہ مغفرت سبب جہاد اور فتح مکہ مسبب، یعنی بذریعہ جہاد فتح مکہ مغفرت کا سبب ہے نہ کہ مغفرت فتح مکہ کا سبب۔

قَوْلًا: ویتم اس کا عطف یغفر پر ہے اور لام کے تحت میں ہے۔

قَوْلًا: یشبک۔ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ تو شروع ہی سے ہدایت یافتہ تھے پھر آپ کے بارے میں ویہدیک صراطا مستقیما فرمانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام واستقرار ہے۔
قَوْلًا: ذاعز یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سؤال: سوال یہ ہے کہ عزیز، منصور کی صفت ہے نہ کہ نصر کی اور یہاں نصر کی صفت واقع ہو رہی ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عزیز فعل کے وزن پر ہے اور فعل کا وزن نسبت بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے فسقہ میں نے اس کی فسق کی طرف نسبت کی یا اس کو فاسق کہا، اسی طرح یہاں بھی عزیز بمعنی ذوعز ہے اور ذوعز منصور ہی ہوتا ہے۔
قَوْلًا: فی المواضع الثلاثة یعنی دو یہ اور تیسرا موقع وظننتم ظن السوء۔

(تنبیہ) یہ شارح علیہ الرحمۃ سے سبقت قلم ہے، اس لئے کہ اول اور تیسرے مقام میں بالاتفاق صرف فتح ہے، لہذا صحیح یہ تھا کہ یوں فرماتے فی الموضع الثانی۔

قَوْلًا: والثناء فیہ یعنی لتؤمنوا باللہ میں یاء اور تاء دونوں قراءتیں ہیں، مگر تاء کی صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ لتؤمنوا باللہ، انا ارسلنک کا تتمہ ہے اور انا ارسلنک میں خطاب آپ ﷺ کو ہے اور لتؤمنوا میں خطاب امت کو ہے کلام واحد میں انتشار مرجع لازم آتا ہے، جبکہ آخر کلام اول کلام کا تتمہ ہی ہے۔

جواب: لتؤمنوا میں اگرچہ بظاہر خطاب امت کو معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں خطاب آپ کو ہے اس لئے کہ آپ اصل امت ہیں لہذا اب کلام واحد میں تعدد مرجع لازم نہیں آتا۔

قَوْلًا: هو نوح من يطع الرسول فقد اطاع الله اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے، اس سے اللہ کے لئے جوارح یعنی اعضاء کا شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے بھی ہاتھ پر بیعت لی ہوگی، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیعت سے عقد میثاق مراد ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے من يطع الرسول فقد اطاع الله یعنی جس طرح اطاعت رسول اللہ کی اطاعت ہے اسی طرح رسول اللہ سے بیعت، اللہ سے بیعت ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

سورت کا نام:

سورت کا نام پہلی آیت انا فتحنا لك فتحا مبينا سے ماخوذ ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ اجمالا:

جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورہ فتح ۶ھ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصد عمرہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا، مگر قریش مکہ نے آپ کو

مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، پھر اس بات پر صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ اس سال تو آپ ﷺ واپس چلے جائیں، اگلے سال اس عمرہ کی قضا کر لیں، بہت سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح کی صلح سے کبیدہ خاطر تھے، مگر آنحضرت ﷺ نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمایا، جس کی تفصیل آئندہ پیش کی جائے گی، جب آنحضرت ﷺ نے اپنا احرام عمرہ کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت نازل ہوئی، جس میں بتلادیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں اور اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا اس لئے کہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی، چنانچہ بہت سے صحابہ اور خود آپ ﷺ صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین قرار دیتے تھے، یہ سورت چونکہ واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس سورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پہلے ذکر کر دیا جائے، ابن کثیر اور مظہری میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔

واقعہ حدیبیہ کی تفصیل اور تاریخی پس منظر:

جن واقعات کے سلسلہ میں یہ سورت نازل ہوئی ان کی ابتداء کی عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی کی روایت کے مطابق تفصیل اس طرح ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو کر حلق کرایا اور بعض لوگوں نے قصر کرایا اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی، اس جزاء کا ذکر بھی آگے اسی سورت میں آ رہا ہے، انبیاء کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے جس کی رو سے اس خواب کا واقع ہونا ضروری تھا، مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا تھا مگر درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کی صورت میں واقع ہونے والا تھا۔

بظاہر اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بالکل اسباب نہیں تھے، اور نہ اس پر عمل کرنے کی بظاہر کوئی صورت نظر آتی تھی، ادھر کفار قریش نے چھ سال سے مسلمانوں کے لئے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے بلا تامل اپنا خواب صحابہ کرام کو سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی، جب صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد تیار ہو گئی تو آپ ﷺ نے بھی ارادہ فرمایا۔ (روح المعانی ملخصاً)

ذوالقعدہ بروز پیر ۶ھ کی ابتدائی تاریخوں میں یہ مبارک قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا، ذوالحلیفہ جس کو اب بر علی کہتے ہیں پہنچ کر سب نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے لئے ۷ اونٹ ساتھ لئے، بخاری، ابوداؤد و نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے غسل فرمایا، نیا لباس زیب تن فرمایا، اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المومنین حضرت ام سلمہ کو ساتھ لیا آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار اور دیہات سے آنے والوں کا ایک بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے۔ (مظہری ملخصاً)

اہل مکہ کی مقابلہ کے لئے تیاری:

دوسری جانب اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی، تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں، اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو پورے عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے، حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں، آخر کار بڑی شش و پنج کے بعد ان کی جاہلانہ حمیت ہی ان پر غالب آ کر رہی اور انہوں نے اپنی ناک کی خاطر یہ فیصلہ کر لیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلہ کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دینا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مخبر کی حیثیت سے بنی کعب کے ایک شخص کو آگے بھیج رکھا تھا کہ وہ قریش کے ارادوں اور ان کی نقل و حرکت سے آپ کو بروقت اطلاع کرتا رہے، جب آپ ﷺ عسفان پہنچے تو اس نے آ کر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگ پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انہوں نے دو سو سواروں کے ساتھ کراع النعمیم کی طرف بھیج دیا ہے، تاکہ وہ آپ کا راستہ روکیں، قریش کا مقصد آپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا تھا تاکہ جنگ ہو جائے اور لڑائی شروع کرنے کا الزام آپ کے سر آجائے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی فوراً راستہ بدل دیا اور ایک نہایت ہی دشوار گزار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع ہے، خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور آپ سے معلوم کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے کیلئے آئے ہیں، یہی بات ان لوگوں نے جا کر قریش کے سرداروں کو بتادی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں، مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

خبر رسائی کا سادہ مگر عجیب طریقہ:

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے حالات سے باخبر رہنے کا یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکر اس مقام تک جہاں آنحضرت ﷺ پہنچ چکے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیئے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باؤاز بلند دوسرے پہاڑ والے تک اور وہ تیسرے تک اور وہ چوتھے تک پہنچا دے اس طرح چند منٹوں میں بلدح والوں کو آپ کے حالات کا علم ہو جاتا تھا۔

قریش نے سفارت کاری کے لئے اول آپ ﷺ کے پاس احابش کے سردار حلّیس بن علقمہ کو بھیجا تاکہ وہ آپ کو واپس جانے پر آمادہ کرے، حلّیس نے جب آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سارا قافلہ احرام بند ہے اور ہدی کے اونٹ ساتھ ہیں تو سمجھ

گیا کہ ان کا مقصد بیت اللہ کا طواف و زیارت کرنا ہے، جنگ کرنا ان کا مقصد نہیں ہے، یہ حالات دیکھ کر آپ سے گفتگو کئے بغیر واپس چلا گیا، اور اس نے جا کر قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لئے آئے ہیں، اگر تم ان کو روکو گے تو میں اس کام میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ دوں گا، ہم تمہارے حلیف ضرور ہیں مگر اس لئے نہیں کہ تم بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرو اور ہم اس میں تمہاری حمایت کریں۔

عروہ بن مسعود سفارت کار کی حیثیت سے آپ ﷺ کی خدمت میں:

اس کے بعد قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اس نے بڑی اونچ نیچ، نشیب و فراز سمجھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آ جائیں مگر آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو بنی خزاعہ کے سردار کو دیا تھا کہ ہم لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے ارادہ سے آئے ہیں، عروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے اصحاب محمد کی فدائیت کا جیسا منظر دیکھا ہے، ایسا منظر کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے یہاں بھی نہیں دیکھا، ان کا حال تو یہ ہے کہ محمد ﷺ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور اُسے اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں، اب تم سوچ لو تمہارا مقابلہ کس سے ہے؟ اس دوران سفارت کاری کا عمل جاری تھا ایلیچوں کی آمد و رفت ہو رہی تھی اور گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا، قریش کے لوگ بار بار یہ کوشش کر رہے تھے کہ چپکے سے حضور کے کمپ پر چھاپے مار کر آپ کو اشتعال دلائیں، اور کسی نہ کسی طرح ان سے ایسا اقدام کرائیں جس سے لڑائی کا بہانہ ہاتھ آجائے، مگر ہر مرتبہ آپ کی تدبیروں اور صحابہ کے صبر و ضبط نے ان کی تدبیروں کو ناکام کر دیا، ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس آدمی رات کے وقت مسلمانوں کے خیموں پر پتھر اور تیر برسائے لگے، صحابہ نے ان سب کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، ایک روز مقام تنعیم کی طرف سے ۸۰ آدمیوں نے عین نماز فجر کے وقت آ کر اچانک چھاپہ مار دیا، یہ لوگ بھی گرفتار کر لئے گئے، مگر آپ ﷺ نے انہیں بھی رہا کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارتی مہم پر روانگی اور آپ ﷺ کا قریش کے نام پیغام:

بدیل بن ورقاء اور عروہ بن مسعود ثقفی یکے بعد دیگرے آپ ﷺ سے گفتگو کر کے واپس چلے گئے اور قریش سے پوری صورت حال بیان کی اور بتایا کہ یہ لوگ لڑائی کے ارادہ سے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں لہذا ان کا راستہ روکنا مناسب نہیں ہے مگر قریش پر جنگ کا جنون سوار تھا ان کی ایک نہ سنی اور آمادہ جنگ و پیکار ہوئے۔

امام بیہقی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو، اس کام کے لئے اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قریش میرے

سخت دشمن ہیں، کیونکہ ان کو میری عداوت اور شدت معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی مکہ میں ایسا نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایک شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت و عزت رکھتا ہے یعنی عثمان بن عفان، آپ نے حضرت عثمان کو اس کام کے لئے مامور فرما کر بھیج دیا اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ضعیف مسلمین مکہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر تسلی دیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات ختم ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ان لوگوں کے پاس گئے جو مقام بلح میں آنحضرت ﷺ کا راستہ روکنے کے لئے جمع ہوئے تھے، ان سے آپ ﷺ کی وہی بات سنا دی جو آپ نے بدیل اور عروہ بن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی ان لوگوں نے جواب دیا ہم نے پیغام سن لیا اپنے بزرگوں سے جا کر کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہ ہوگی، ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت عثمان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، پھر ابنے گھوڑے پر حضرت عثمان کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، کیونکہ ان کا قبیلہ بنو سعد مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کا پیغام سنایا، اس کے بعد حضرت عثمان ضعیف مسلمین سے ملے ان کو بھی آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا وہ بہت خوش ہوئے، جب حضرت عثمان پیغامات پہنچانے سے فارغ ہو گئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں۔

قریش کے ستر آدمیوں کی گرفتاری اور آپ کی خدمت میں پیشی:

اسی درمیان قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (معاذ اللہ) آپ ﷺ کا قصہ تمام کر دیں، یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت و نگرانی پر مامور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ میں پہنچ گئے تھے، قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا، اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف روانہ ہوئی اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، جس سے ایک صحابی ابن زینم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، ادھر رسول اللہ ﷺ کو کسی نے یہ خبر پہنچادی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، ان کے واپس نہ آنے سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر سچی ہے، اب مزید تحمل کا کوئی موقع نہیں تھا، کیونکہ جب نوبت سفیر کے قتل تک پہنچ گئی تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

بیعت رضوان کا واقعہ:

حضرت عثمان کے قتل کی خبر سن کر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بیعت موت پر تھی یعنی مرجائیں گے مگر قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بیعت عدم فرار اور کمال ثبات و قرار پر تھی، باوجودیکہ حالات بڑے نازک تھے، ظاہری حالات مسلمانوں کے موافق نہیں تھے، مسلمانوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی، اور سامان جنگ بھی سوائے تلوار کے پاس نہیں تھا، اپنے مرکز سے ڈھائی سو میل دور عین مکہ کی سرحد پر ٹھہرے ہوئے تھے جہاں دشمن پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو سکتا تھا، اور گرد و پیش سے اپنے حامی قبیلوں کو لا کر انہیں گھیرے میں لے سکتا تھا اس کے باوجود تمام صحابہ نے سوائے جد بن قیس کے کہ وہ اونٹ کے پیچھے چھپ کر بیٹھا رہا اور اس دولت خداداد سے محروم رہا بیعت کی (خلاصۃ التفاسیر) سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے ہاتھ بڑھایا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے جملہ حاضرین نے بیعت کی، یہی وہ بیعت ہے جو ”بیعت رضوان“ کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ موجود نہیں تھے، اور وہ آپ ﷺ ہی کے کام میں تھے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ان کی طرف سے بیعت کی اور اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی، حضرت عثمان خود بھی واپس آ گئے۔

فائدہ: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ غلط خبر پر یقین نہ کرتے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھی صلح کی بات چیت کرنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، اب قریش اپنی اس ضد سے ہٹ گئے کہ آپ کو مکہ میں سرے سے داخل ہی نہ ہونے دیں گے، البتہ اپنی ناک بچانے کے لئے ان کو صرف یہ اصرار تھا کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آپ عمرہ کے لئے آ سکتے ہیں۔

قریش کے وفد کی سربراہی سہیل بن عمرو کر رہے تھے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے، آپ ﷺ چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہتھیاروں سے مسلح آنحضرت کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے صلح کے مسئلہ پر فریقین میں طویل گفتگو ہوئی گفتگو کے دوران کبھی آوازیں بلند بھی ہو جاتی تھیں، ایک مرتبہ سہیل کی آواز بلند ہو گئی تو عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضور کے سامنے آواز بلند نہ کر، طویل رد و کد اور بحث و مباحثہ کے بعد آپ صلح پر راضی ہو گئے، سہیل نے کہا لایے ہم صلح نامہ لکھ لیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی کہ لفظ رحمٰن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے، یعنی باسمک اللہم آپ نے اس کو مان لیا اور حضرت علی سے فرمایا ایسا ہی لکھ دو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا لکھو، یہ وہ عہد نامہ ہے

جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا اور بھند ہوئے اور کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہ روکتے (صلح نامہ میں کوئی ایسا لفظ نہ ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو) آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھوائیں، آپ ﷺ نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو، حضرت علی نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا، میں یہ کام تو نہیں کر سکتا، کہ آپ کے نام کو مٹا دوں، حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اسی دوران چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا، ہذا ماقاضی علیہ محمد بن عبد اللہ وسہیل بن عمرو صلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یا من فیہ الناس ویکف بعضهم عن بعض یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ (معارف ملخصاً)

گفت و شنید اور بحث مباحثہ کے بعد جو صلح نامہ لکھا گیا اس کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

- ۱ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی، اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔
- ۲ اس دوران قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، اسے آپ واپس کر دیں گے، اور آپ کے ساتھیوں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا، وہ اسے واپس نہ کریں گے۔
- ۳ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہوگا۔
- ۴ محمد ﷺ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرہ کے لئے آ کر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں، اور کوئی سامان حرب ساتھ نہ لائیں، ان تین دنوں میں اہل مکہ ان کے لئے شہر خالی کر دیں گے (تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے) مگر جاتے وقت وہ یہاں کے کسی شخص کو ساتھ لیجانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

شرائط صلح سے عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ناراضی اور رنج:

جس وقت معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں تو مسلمانوں کے خیمے میں سخت اضطراب تھا کوئی شخص بھی ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی ﷺ شرائط قبول فرما رہے تھے، کسی کی نظر اتنی دور رس نہ تھی کہ اس صلح کے نتیجے میں جو خیر عظیم

رو نما ہونے والی تھی اسے دیکھ سکے، کفار قریش اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے، اور مسلمان اس پر بے تاب تھے، کہ ہم آخرب کر ذلیل شرائط کیوں قبول کریں؟ حضرت عمر جیسے بالغ نظر مدبر تک کا یہ حال تھا کہ ان سے نہ رہا گیا اور رسول ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر حضرت عمر نے عرض کیا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر پھر حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم اس ذلت کو کیوں قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائے گا وہ میرا مددگار ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا، تو حضرت عمر نے فرمایا، آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا تو پھر آپ نے فرمایا یہ واقعہ جیسا میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا، آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ کم نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضور کے سامنے کی تھی، حضرت ابوبکر نے فرمایا محمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے، اور اللہ ان کا مددگار ہے، اس لئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض حضرت عمر فاروق کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا بجز اس واقعہ کے۔ (رواہ بخاری، معارف)

حضرت ابوعبیدہ نے سمجھایا اور فرمایا شیطان کے شر سے پناہ مانگو، فاروق اعظم نے کہا میں شیطان کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ خیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطا معاف ہو جائے۔

ایک حادثہ اور پابندی معاہدہ کی بے نظیر مثال:

جس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا، وہ یہ تھا کہ عین اسی وقت کہ جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا اور صحابہ کرام اس معاہدے کی شرائط سے برہم اور رنجیدہ تھے کہ اچانک سہیل بن عمرو (جو کہ قریش کی جانب سے معاہدہ کے فریق تھے) کے فرزند ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے، اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا کسی نہ کسی طرح بھاگ کر پابزنجیر آپ ﷺ کے کیمپ میں پہنچ گئے، ان کے جسم پر تشدد کے نشانات تھے ابوجندل نے آپ سے پناہ کی درخواست کی کچھ مسلمان آگے بڑھے اور ابوجندل کو اپنی پناہ میں لے لیا، سہیل چلا اٹھا کہ یہ عہد نامہ کی خلاف ورزی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا، مسلمانوں نے کہا ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ابھی دستخط نہیں ہوئے، لہذا یہ واقعہ صلح نامہ کے تحت نہیں آتا، سہیل

نے کہا صلح نامہ کی تحریر خواہ مکمل نہ ہوئی ہو مگر شرائط تو ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہیں، اس لئے اس لڑکے کو میرے حوالہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی حجت کو تسلیم فرمایا اور ابو جندل کفار کے حوالہ کر دیئے گئے، ابو جندل کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابو جندل تم چند روز اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور ضعیف مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا سامان کرنے والا ہے، مسلمانوں کے دلوں پر ابو جندل کے اس واقعہ نے نمک پاشی کی مگر معاہدہ مکمل ہو چکا تھا، اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابو بکر و عمر و عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے دستخط کئے، اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں نے دستخط کئے۔

احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا:

صلح نامہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھولیں، صحابہ کرام کی غم کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے تیار نہ ہوا، اور غم و شکستگی کی وجہ سے کسی نے حرکت نہ کی، حضور کے پورے دور رسالت میں اس ایک موقع کے سوا کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی کہ آپ صحابہ کو حکم دیں اور صحابہ اس کام کے لئے دوڑ نہ پڑیں، آنحضرت کو بھی اس صورت حال سے صدمہ ہوا، آپ نے اپنے خیمہ میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا اظہار فرمایا، انہوں نے عرض کیا آپ خاموشی کے ساتھ تشریف لے جا کر خود اپنا اونٹ ذبح فرمادیں، صحابہ کرام سے اس پر کچھ نہ کہیں ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھولیں، آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا صحابہ کرام نے جب دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے، آپس میں ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لئے دعاء فرمائی۔

معجزے کا ظہور:

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر انیس یا بیس دن قیام فرمایا تھا، اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی جب آپ صحابہ کے مجمع کے ساتھ پہلے مرالظہر ان پھر عسفان پہنچے، یہاں پہنچ کر مسلمانوں کا زاد راہ تقریباً ختم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک دسترخوان بچھایا، اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لا کر جمع کر دے، اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دسترخوان پر جمع ہو گیا، چودہ سو حضرات کا مجمع تھا، آپ نے دعاء فرمائی سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور اپنے اپنے برتنوں میں بھی بھر لیا، اس کے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا۔

صحابہ کے ایمان اور اطاعت رسول کا ایک اور امتحان اور صحابہ کی بے نظیر قوت ایمانی:

اس کے بعد جب یہ قافلہ حدیبیہ کی صلح کو اپنی شکست اور ذلت سمجھتا ہوا مدینہ کی طرف واپس جا رہا تھا، تو صحابان کے مقام پر اور بقول بعض کراع النعیم کے مقام پر سورہ فتح نازل ہوئی، جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ صلح جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل یہ فتح عظیم ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد حضور نے مسلمانوں کو جمع فرمایا، اور فرمایا آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے، پھر آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی، اور خاص طور سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اسے سنایا کیونکہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے، صحابہ کرام کے قلوب تو اس طرح کی شرائط صلح کی وجہ سے پہلے زخم خوردہ اور غم زدہ تھے، اس سورت نے بتایا کہ یہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، صحابہ کرام نے اس پر سر تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو ”فتح مبین“ یقین کیا۔

وفاء عہد کا دوسرا بے نظیر واقعہ:

ابو جندل کے واقعہ کے بعد ابوبصیر کا واقعہ پیش آیا، واقعہ یہ ہوا کہ ابوبصیر مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے ان کے پیچھے دو قریشی بھی ان کو واپس لینے کے لئے مدینہ منورہ آئے، آپ ﷺ نے ابوبصیر کو معاہدے کے مطابق ان کے حوالہ کر دیا، ابوبصیر نے بہت آہ و فریاد کی مگر آپ نے فرمایا اے ابوبصیر ہمارے دین میں غدرو بے وفائی نہیں، اللہ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے کوئی صورت نکالنے والا ہے، مجبوراً ابوبصیر قریشیوں کے ساتھ چلے گئے، راستہ میں ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے کہا تیری تلوار چھپی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے نے تلوار نکالی اور کہا میری تلوار نہایت عمدہ ہے میں اس کا تجربہ کر چکا ہوں، ابوبصیر نے کہا میں بھی ذرا دیکھوں تلوار ان کو دیدی، قریشی بے خبر غفلت میں تھے دفعۃً آن واحد میں ابوبصیر نے چابکدستی سے ایک ہی وار میں سرتن سے جدا کر دیا، دوسرا بھاگ کھڑا ہوا، یہ اس کے پیچھے لپکے مگر وہ بھاگ کر مدینہ میں داخل ہو گیا اور آپ ﷺ سے فریاد کی، اتنے میں ابوبصیر بھی آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے حسب معاہدہ مجھے ان کے حوالہ کر دیا، اب اللہ نے مجھے چھڑا لیا ہے، آپ نے فرمایا اے ابوبصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے، کاش اس کے ساتھ دوسرا بھی ہوتا، ابوبصیر سمجھ گئے اور مقام سیف البحر میں آ کر قیام کیا، جو لوگ مکہ میں تھے اور اپنا اسلام چھپائے ہوئے یا مشرکین مکہ کے مظالم برداشت کر رہے تھے مثلاً ابو جندل وغیرہ جب انہوں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کاش ابوبصیر کے ساتھ دوسرا ہوتا تو وہ لوگ بھی ایک ایک کر کے سیف البحر پہنچ کر ابوبصیر کے گروہ میں شامل ہو گئے حتیٰ کہ ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی، ادھر مشرکین مکہ کا جو قافلہ اس راستہ سے گذرتا اس سے مزاحمت کرتے آسانی سے مشرکین کا قافلہ نہیں گذر سکتا تھا، مشرکین مکہ اس سے تنگ آ گئے، جب نہایت عاجز ہو گئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم اس شرط سے دست بردار

ہوتے ہیں، اب آئندہ جو بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے آپ اس کو پناہ دیجئے اور خدا کے واسطے ابو بصیر کے گروہ کو ہماری مزاحمت سے منع کیجئے، مومنین نے اللہ کی مدد دیکھی اور بہت خوش ہوئے، ابو بصیر کا گروہ بھی مدینہ آ گیا اور آئندہ کے لئے راہ کھل گئی، اس واقعہ کا اکثر حصہ بخاری سے ہے اور کچھ دیگر کتب سے ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

لیدخل المؤمنین والمؤمنات (الآیۃ) مروی ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۃ فتح کا ابتدائی حصہ لیغفرلک اللہ سنا تو صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو مغفرت پر مبارکباد دی، اور عرض کیا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

الظانین باللہ ظن السوء علیہم دائرۃ السوء یعنی اللہ کو اس کے حکموں کے بارے میں متہم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا (ابن کثیر) اور جس گردش یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لئے منتظر ہیں وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

فَائِدَہ: ان الذین یدبایعونک (الآیۃ) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، بیعت بالفتح عہد کرنا، بیعت کے عنوان اور طریقے آپ سے مختلف منقول ہیں، کبھی آپ نے کسی خاص امر پر بیعت لی، جیسا کہ جریر سے عہد لیا، والنصح لكل مسلم ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو، اور بعض عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر عہد لیا اور کبھی ترک سوال پر اور کبھی اطاعت و انقیاد پر، اور کبھی جہاد و قتال پر۔

سُؤَال: یہ وعدۂ انعام اصحاب بیعت رضوان کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے۔
جَوَاب: جن کے حق میں آیت نازل ہوئی ہے وہ اول اور بالذات مصداق ہیں اور دوسرے جو اسے اختیار کریں مصداق ثانی اور بالتبع ہیں، اصحاب بیعت رضوان یقیناً اس دولت کو پا گئے مگر دوسروں کے بارے میں یقین و تعین نہیں، اس لئے کہ اعتبار عموم سبب کا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔

شُبہ: اگلی آیت میں اذیدبایعونک تحت الشجرۃ اس میں لفظ تحت الشجرۃ کی قید ہے، لہذا عموم باقی نہ رہا۔
جَوَاب: تحت الشجرۃ کی قید کو رضا و قبول میں مطلقاً دخل نہیں ہے، صرف ایک واقعہ کا بیان ہے، اگر اس درخت کی کوئی فضیلت ہوتی تو تمام بیعتیں اسی درخت کے نیچے ہوا کرتیں اور حضرت عمر اس کو نہ کٹواتے۔

فَائِدَہ: خلفاء اسلام اور اولیاء کرام کی بیعت کا اسی بیعت پر قیاس ہے مگر بیعت خلافت تو مسنون و متوارث ہے اور صوفیہ کی بیعت متضمن ہے بیعت خلافت کو (خلاصۃ التفاسیر) تفصیل کے لئے خلاصۃ کی طرف رجوع کریں۔

مَسْئَلَت: بیعت سنت ہے نہ کہ واجب، نہ بدعت، ایسا ہی فرمایا ہے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قول الجمیل میں۔

مَسْئَلَت: بیعت ایک عہد ہے جو زبان اور کتابت سے تام ہو جاتی ہے مگر مصافحہ مسنون ہے۔

مَسْئَلَت: عورتوں سے بیعت بذریعہ مصافحہ جائز نہیں ہے، حضرت عائشہ کی روایت بخاری میں موجود ہے فرماتی ہیں کہ آپ نے عورتوں سے زبانی بیعت لی، کبھی آپ نے عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔

مَسْئَلَتُنَا: مریدہ اگر صغیرہ ہو یا محارم میں سے ہو تب بھی ترک مصافحہ اولیٰ ہے۔

مَسْئَلَتُنَا: عورتوں سے بیعت کرنا منقول نہیں مگر بچہ وجوہ جائز ہے (تفصیل کے لئے خلاصۃ التفسیر کی طرف رجوع کریں)۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلْفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ حَوْلَ الْمَدِينَةِ أَيِ الَّذِينَ خَلَفَهُمُ اللَّهُ عَنْ صُحْبِكَ لَمَّا طَلَبْتَهُمْ لِيَخْرُجُوا
مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ خَوْفًا مِنْ تَعَرُّضِ قُرَيْشٍ لَكَ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ إِذَا رَجَعْتَ مِنْهَا شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا عَنْ
الْخُرُوجِ مَعَكَ فَاسْتَغْفِرْنَا اللَّهُ مِنْ تَرْكِ الْخُرُوجِ مَعَكَ قَالَ تَعَالَى مُكَذِّبًا لَهُمْ يَقُولُونَ بِالسِّتَةِ أَيْ مِنْ
طَلَبِ الْإِسْتِغْفَارِ وَمَا قَبْلَهُ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ فَهُمْ كَاذِبُونَ فِي إغْتِذَاهِمْ قُلُوبَهُمْ إِنْ شِئْتُمْ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيْ لَا
أَحَدٌ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا بِفَتْحِ الضَّادِ وَضَمِّهَا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ⑩
أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ بَلْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْإِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ إِلَى الْآخِرِ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَتَقَلَّبَ الرَّسُولُ
وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِهِمْ أَبَدًا أَوْ زَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ أَيْ أَنَّهُمْ يُسْتَأْصَلُونَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُونَ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ⑪ هَذَا
وغيره وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ⑫ جَمْعُ بَائِرٍ أَيْ هَالِكِينَ عِنْدَ اللَّهِ بِهَذَا الظَّنِّ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
سَعِيرًا ⑬ نَارًا شَدِيدَةً وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ⑭ أَيْ
لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا ذَكَرَ سَيَقُولُ الْمُخَلْفُونَ الْمَذْكُورُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ هِيَ مَغَائِمُ خَيْبَرَ
لِتَأْخُذُوا هَازِرُونًا أَوْ تَرْكُونَا نَتَّبِعْكُمْ لِنَأْخُذَ مِنْهَا يُرِيدُونَ بِذَلِكَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَةَ اللَّهِ وَفِي قِرَاءَةِ كَلِمَةٍ بِكَسْرِ
الْلامِ أَيْ مَوَاعِيدِهِ بِغَنَائِمِ خَيْبَرَ أَهْلُ الْحُدَيْبِيَّةِ خَاصَّةً قُلُوبُ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ أَيْ
قَبْلَ عَوْدِنَا فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا أَنْ نُصِيبَ مَعَكُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذَلِكَ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ
مِنْ الدِّينِ إِلَّا قَلِيلًا ⑮ مِنْهُمْ قُلْ لِلْمُخَلَفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ الْمَذْكُورِينَ اخْتِيارًا سَتُدْعُونَ إِلَى قَوْمٍ أُولَى
أَصْحَابِ بَأْسٍ شَدِيدٍ قِيلَ لَهُمْ بَنُو حَنِيفَةَ أَصْحَابُ الْيَمَامَةِ وَقِيلَ فَارِسُ وَالرُّومُ تَقَاتِلُونَهُمْ حَالُ مُقَدَّرَةٍ هِيَ
الْمَدْعُو إِلَيْهَا فِي الْمَعْنَى أَوْ هُمْ يُسَلِّمُونَ فَلَا تَقَاتِلُونَ فَإِنْ طُطِعُوا إِلَى قِتَالِهِمْ يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا
وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑯ مُؤَلَّمَا لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ
فِي تَرْكِ الْجِهَادِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ بِالْيَأَى وَالنُّونِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَعْذِْبْهُ بِالْيَأَى
وَالنُّونِ عَذَابًا أَلِيمًا ⑰

ترجمہ: اطراف مدینہ کے جو دیہاتی (سفر حدیبیہ میں شرکت سے) پیچھے رہ گئے تھے یعنی وہ دیہاتی جن کو اللہ نے
آپ کی معیت سے پیچھے کر دیا (یعنی محروم کر دیا) تھا، جبکہ حدیبیہ کے سال آپ نے ان سے اپنی معیت میں مکہ کی طرف نکلنے کے

لئے قریش کے تعارض کے اندیشہ کے پیش نظر چلنے کے لئے فرمایا تھا وہ عنقریب کہیں گے کہ ہمارے مال و عیال نے آپ کے ساتھ نکلنے سے مشغول رکھا، تو آپ ہمارے لئے آپ کے ساتھ نہ نکلنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعاء فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: یہ جو معافی طلب کرنے کے لئے اب جو کہہ رہے ہیں اور اس سے پہلے جو عذر بیان کیا یہ بات محض زبان پر ہے دل میں نہیں ہے لہذا وہ اپنے عذر بیان کرنے میں جھوٹے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی کون اختیار رکھتا ہے؟ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کوئی اختیار نہیں رکھتا، اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے (ضرر) ضاد کے فتح اور ضمہ کے ساتھ یا تمہیں نفع پہنچانے کا ارادہ کرے، بلکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یعنی وہ اس صفت سے ہمیشہ متصف ہے بلکہ تم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مومنین اپنے اہل و عیال میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے (بل) دونوں جگہ پر ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی بھی معلوم ہوتی تھی کہ ان لوگوں کا قتل کے ذریعہ صفایا کر دیا جائے کہ ان کو لوٹنا نصیب ہی نہ ہو اور تم نے یہ اور اسی جیسے اور (بہت سے) برے گمان کر رکھے تھے اور تم لوگ ہو ہی ہلاک ہونے والے لوگ بورا سائر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے عند اللہ ہلاک ہونے والے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے ان کافروں کے لئے دوزخ کی سخت آگ تیار کر رکھی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے جب تم مال غنیمت اور وہ خیر کا مال غنیمت ہے لینے جاؤ گے تو یہی پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ عنقریب کہیں گے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیدیجئے تاکہ ہم بھی مال غنیمت میں سے کچھ حاصل کریں وہ چاہتے ہیں کہ اس طریقہ سے اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں، اور ایک قراءت میں کلمہ اللہ ہے، لام کے کسرہ کے ساتھ یعنی مخصوص طور پر اہل حدیبیہ کے لئے خیر کے مال غنیمت کے وعدوں کو (بدل ڈالیں) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے تو عنقریب (اس کے جواب میں) کہیں گے (یہ بات نہیں) بلکہ تم ہمارے اوپر اس بات سے حسد کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ ہم کو بھی مال غنیمت مل جائے اسی لئے تم یہ بات کہہ رہے ہو (یہ بات نہیں ہے) اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے دین کی بات بہت کم لوگ سمجھتے ہیں، آپ ان پیچھے چھوڑے ہوئے اعرابیوں سے کہہ دو کہ آزمائش کے طور پر عنقریب تم کو ایک سخت جنگ جو قوم (سے مقابلہ) کے لئے بلایا جائے گا کہا گیا ہے کہ وہ یمامہ کے باشندے بنو حنیفہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ فارس اور روم ہیں، حال یہ کہ تم ان سے لڑو گے یہ حال مقدرہ ہے اور حالت قتال ہی حقیقت میں مدعو الیہا ہے یا وہ مسلمان ہو جائیں تو پھر تم ان سے قتال نہ کرو گے، پس اگر تم ان سے قتال کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت بہتر اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تم کو دردناک سزا دے گا، نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، ترک جہاد میں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو اللہ ایسی

جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہتی ہوں گی (بدخلہ) میں یاء اور نون دونوں قراءتیں ہیں اور جو روگردانی کرے گا وہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعذبہ) یاء اور نون کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: حَوْلَ الْمَدِينَةِ یہ الأعراب کی صفت ہے، المقيمین حَوْلَ الْمَدِينَةِ حال بھی ہو سکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی کائنات حَوْلَ الْمَدِينَةِ۔

قَوْلٌ: إِذَا رَجَعْتَ یہ سيقولون کا ظرف ہے، ای سيقولون إِذَا رَجَعْتَ مِنَ الْحَدِيثِ۔

قَوْلٌ: بَلْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْإِنْتِقَالِ الخ بل دونوں جگہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے ہے، بل اول سے پہلے مخلفون کے اعذار میں تکذیب کا بیان ہے اور بل کے بعد ان کے عذر بارداور تخلف پر وعید کا بیان ہے، دوسرے بل کے بعد اس سبب کا بیان ہے جس نے ان کو تخلف اور عذر باردا پر آمادہ کیا، اور یہ ترقی فی الرد کے طور پر ہے۔

قَوْلٌ: لَنْ تَتَّبِعُونَا یہ جملہ نبی کے معنی میں ہے ای لَا تَتَّبِعُوا مَعَنَا۔

قَوْلٌ: كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ، ای حکم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے حکم فرمادیا کہ غزوہ خیبر میں وہی لوگ شریک ہوں گے جو سفر حدیبیہ میں شریک ہوئے ہیں اور وہی خیبر کے مال غنیمت کے مستحق ہوں گے۔

قَوْلٌ: فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسَدُونَا یعنی ہم کو خیبر کے مال غنیمت میں شریک نہ کرنے کا حکم، حکم خداوندی نہیں ہے بلکہ یہ ہم پر تمہارے حسد کا نتیجہ ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِيحٌ

سيقول لك المخلفون من الاعراب اعراب سے وہ قبیلے مراد ہیں جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے مثلاً غفار، مزینہ، جہینہ اور اسلم، جب آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) عام منادی کرادی تو مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات مکہ جانے کے لئے سازگار نہیں ہیں وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں، نیز مسلمان عمرہ کے لئے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جاسکتے، اگر خدا نخواستہ کافر آمادہ پیکار ہو گئے تو مسلمان ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ اس وقت مکہ جانے کا مطلب ہے خود کو ہلاکت میں ڈالنا، چنانچہ یہ لوگ عمرہ کے لئے نہیں نکلے اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تجھ سے اے محمد مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے مغفرت کی التجا کریں گے۔

یریدون ان یبدلوا کلام اللہ اس سے مراد خیبر کے غنائم کا اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص ہونا ہے، اس کے بعد فرمایا کذلک قال اللہ من قبل اس سے بھی مقصد خیبر کے اموال غنائم کے اہل حدیبیہ کے ساتھ تخصیص کی تائید ہے، مگر سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر نہیں ہے پھر اس تخصیص کے وعدہ کو کلام اللہ اور قال اللہ کہنا کیسے صحیح ہے؟

جواب: علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس تخصیص کا ذکر اگرچہ وحی متلو (قرآن) میں نہیں ہے البتہ وحی غیر متلو (حدیث) کے ذریعہ سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قل لن تتبعونا ساتھ چلنے کی ممانعت جو کہ سابقہ جملہ سے بالکل واضح ہے یہ ممانعت صرف غزوہ خیبر کے ساتھ خاص ہے، دیگر غزوات میں شرکت کی ممانعت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قبیلہ جہینہ اور مزینہ بعد میں آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہیں، صلح حدیبیہ کے واقعہ کی تفصیل مع مباحث سورت کے شروع میں گزر چکی ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ هِيَ سَمُرَةٌ وَهُمْ أَلْفٌ وَثَلَاثُمِائَةٌ أَوْ أَكْثَرُ ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلَى أَنْ يُنَاجِزُوا قُرَيْشًا وَأَنْ لَا يَفِرُّوا عَلَى الْمَوْتِ فَعَلِمَ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ هُوَ فَتَحَ خَيْبَرَ بَعْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُوهَا مِنْ خَيْبَرَ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ اِی لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا مِنَ الْفُتُوحَاتِ فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ غَنِيمَةً خَيْبَرَ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ فِي عِيَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُودُ فَقَذَفَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ وَلِتَكُونَ اِی الْمُعْجَلَةُ عَطْفٌ عَلَى مُقَدَّرِ اِی لِتَشْكُرُوهُ اِیَّةَ الْمُؤْمِنِينَ فِي نَصْرِهِمْ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ اِی طَرِيقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَتَفْوِضِ الْأَمْرِ إِلَيْهِ تَعَالَى وَأُخْرَى صِفَةُ مَغَانِمٍ مُقَدَّرٍ مُبْتَدَأٍ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا هِيَ مِنْ فَارِسَ وَالرُّومِ قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۝ عَلِمَ أَنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝ اِی لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحُدَيْبِيَّةِ لَوْلَا اِی الْأَدْبَارُ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا يَحْرِسُهُمْ وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ لِمَضْمُونِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ مِنْ هَزِيمَةٍ الْكَافِرِينَ وَنَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ اِی سَنَّ اللَّهُ ذَلِكَ سُنَّةَ اِی الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ مِنْهُ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۝ فَإِنَّ ثَمَانِينَ مِنْهُمْ طَافُوا بِعَسْكَرِكُمْ لِيُصِيبُوا مِنْكُمْ فَأَخَذُوا وَأَتَى بِهِمُ اِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَفَا عَنْهُمْ وَخَلَّى سَبِيلَهُمْ فَكَانَ ذَلِكَ سَبَبُ الصُّلْحِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ بِالْيَأْسِ وَالتَّائِي اِی لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِی عَنِ الْوُضُوءِ إِلَيْهِ وَالْهَدْيِ مَعْطُوفٌ عَلَى كَمِ مَعْكُوفًا مَحْبُوسًا حَالِ أَنْ يَبْلُغَ مَحَلَّهُ ۝ اِی مَكَانَهُ الَّذِي يُنْحَرُ فِيهِ عَادَةً وَهُوَ الْحَرَمُ بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ مَوْجُودُونَ بِمَكَّةَ مَعَ الْكُفَّارِ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ بِصِفَةِ الْإِيمَانِ أَنْ تَطُوهُمْ اِی تَقْتُلُوهُمْ مَعَ الْكُفَّارِ لَوْ أُذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنْهُمْ فَصُيِّبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ ۝ اِی اِثْمٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ مِنْكُمْ بِهِ وَضَمَائِرُ الْغَيْبَةِ لِلصَّنْفَيْنِ بِتَغْلِيْبِ الذُّكُورِ وَجَوَابٌ لَوْلَا مَحْذُوفٌ اِی لِأَذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ

لَكِنْ لَمْ يُوْذَنْ فِيهِ جَنْبِذٌ لِيَدْخُلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ كَالْمُؤْمِنِينَ لَوْ تَزَيَّلُوا لَمَذَحْنَا عَنْهُمْ أَفْئِدَةً دُونَ الْقُلُوبِ فَكَفَرُوا وَآمَنُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ جَنْبِذٌ بَانَ نَادَنْ لَكُمْ فِي فَتْحِهَا عَذَابًا أَلِيمًا ۝ مَوْلَانَا إِذْ جَعَلَ مُتَعَلِّقٌ بَعْدَ بَنِي الْأَنْبِيَاءِ كَفَرُوا فَاعِلٌ فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةُ الْأَنْفَةُ مِنَ الشَّيْءِ حَمِيَّةُ الْجَاهِلِيَّةِ بَدَلٌ مِنَ الْحَمِيَّةِ وَهِيَ صَدُّهُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَصَالَحُوهُمْ عَلَى أَنْ يَعُودُوا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ يُلْحَقْهُمْ مِنَ الْحَمِيَّةِ مَا لَحِقَ الْكُفَّارَ حَتَّى يُقَاتِلُوهُمْ وَالزَّمَهُمْ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ كَلِمَةَ التَّقْوَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَأُضِيفَ إِلَى التَّقْوَى لِأَنَّهَا سَبَبُهَا وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا بِالكَلِمَةِ مِنَ الْكُفَّارِ وَأَهْلِهَا عَطْفٌ تَفْسِيرِيٌّ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ اِی لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَمِنْ مَعْلُومِهِ تَعَالَى أَنَّهُمْ أَهْلُهَا.

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی اور وہ بول کا درخت ہے اور اصحاب حدیبیہ ایک ہزار تین سو یا اس سے کچھ زائد تھے، پھر ان حضرات نے اس پر بیعت کی کہ وہ قریش کا مقابلہ کریں گے، اور یہ کہ وہ موت سے راہ فرار اختیار نہ کریں گے، اللہ کو ان کے دلوں کے وفادار صدق کا حال معلوم تھا اس لئے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو قریشی فتح عطا فرمائی اور وہ فتح حدیبیہ سے واپسی کے بعد خیبر کی فتح تھی اور بہت سی غنیمتیں کہ جن کو وہ خیبر سے حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے، یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کو تم فتوحات کے ذریعہ حاصل کرو گے یہ یعنی خیبر کی غنیمت تو تم کو سر دست عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے اہل و عیال کے بارے میں روک دیئے جب تم (حدیبیہ کے لئے) نکلے اور یہود نے تمہارے اہل و عیال کا قصد کیا، کہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور تاکہ فوری طور پر عطا کی گئی یہ غنیمت (دوسرے وعدوں کے لئے) مومنین کی نصرت پر مومنین کے لئے نشانی ہو و لتکون کا عطف لشدکروہ مقدر پر ہے اور تاکہ وہ تم کو ایک سیدھے راستے پر ڈال دے اور وہ (سیدھا راستہ) اس پر توکل کرنے اور معاملہ کو اس کے سپرد کرنے کا ہے اور تمہیں دوسری غنیمتیں بھی دے اخروی، مغانم مقدر مبتداء کی صفت ہے، جس پر تم نے (ابھی) قبضہ نہیں کیا ہے اور وہ فارس اور روم سے (حاصل ہونے والی غنیمتیں) ہیں، اور وہ اللہ کے قابو میں ہیں یعنی اللہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ وہ عنقریب تم کو ملنے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی وہ اس صفت سے ہمیشہ متصف ہے اور حدیبیہ میں اگر کافر تم سے جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ وہ کار ساز پاتے کہ ان کی حفاظت کرے، اور نہ مددگار اللہ کے اس دستور کے مطابق جو پہلے سے چلا آ رہا ہے سنۃ مصدر ہے جو سابق جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے اور وہ مضمون کافروں کی ہزیمت اور مومنین کی نصرت ہے، یعنی اللہ نے اپنا یہ دستور بنالیا ہے اور تو کبھی اللہ کے دستور کو اس سے بدلتا ہوا نہ پائے گا، اور وہ وہی ہے کہ جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں

کو ان سے عین مکہ حدیبیہ میں روک لیا، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیدیا بایں طور کہ ان میں سے اسی نے تمہارے لشکر کو گھیر لیا تاکہ وہ تم پر (حملہ آور ہوں) ٹوٹ پڑیں، مگر وہ گرفتار کر لئے گئے، اور ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو رہا کر دیا، اور یہی بات صلح کا سبب ہوئی اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (تعملون) میں یاء اور تاء دونوں ہیں، یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے، یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور تم کو شہر حرام سے یعنی وہاں پہنچنے سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پہنچنے سے روکا حال یہ کہ وہ (قربانی کے لئے) وقف تھے یعنی اس جگہ پہنچنے سے روکا جہاں عام طور پر ہدی قربان کی جاتی ہے اور وہ حرم ہے، ان یبلغ الہدی سے بدل الاشتمال ہے، اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ (خلط ملط) مکہ میں موجود نہ ہوتے کہ جن کی صفت ایمان سے تمہارے بے خبر ہونے کی وجہ سے تمہارے ان کو کچل ڈالنے کا احتمال نہ ہوتا یہ کہ تم ان کو کفار کے ساتھ قتل کر دو گے، اگر تم کو فتح کی اجازت دیدی جاتی ان تَطْلُوْهُمْ تَعْلَمُوْهُمْ کی ضمیر ہم سے بدل ہے جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر (ندامت) پہنچا، غائب کی ضمیریں دونوں صفت کے لئے ہیں (مذکر و مؤنث کے لئے) مذکر کو غلبہ دیکر، اور لولا کا جواب محذوف ہے اور وہ لا ذن لکم فی الفتح ہے لیکن اس وقت فتح کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ اللہ مومنین مذکورین کے مانند جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور اگر یہ (مومنین) کفار سے الگ ہوتے تو ہم اس وقت مکہ کے کافروں کو دردناک سزا دیتے اس طریقہ پر کہ ہم تم کو مکہ فتح کرنے کی اجازت دیدیتے جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت (تعصب) کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی اذ جعل، عذبنا سے متعلق ہے الذین کفروا (جعل کا) فاعل ہے حمیت، تکبر کی وجہ سے شدت کو کہتے ہیں، الجاہلیۃ، حمیۃ سے بدل ہے اور آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مسجد حرام پہنچنے سے روکتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ آئندہ سال آئیں گے اور جو حمیت کفار کو لاحق ہوئی وہ ان (اصحاب) کو لاحق نہیں ہوئی، حتیٰ کہ ان سے قتال کرتے اور اللہ نے مومنین کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور تقویٰ کی اضافت کلمہ کی طرف اس لئے ہے کہ یہ کلمہ ہی تقویٰ کا سبب ہے اور وہ اس کلمہ کے کفار سے زیادہ حقدار اور اہل تھے، یہ عطف تفسیری ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، یعنی ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ (مومنین) اس (کلمہ) کے زیادہ اہل ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اذیبایعونک رضی کی وجہ سے محلا منصوب ہے اس لئے کہ اذ زمانہ ماضی کے لئے ظرف ہے، اس کے بعد ہمیشہ جملہ واقع ہوتا ہے، حکایت حال ماضیہ کے طور پر (صورت مبايعت کے استحضار) کے لئے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اور

تحت، یدایعونک کا ظرف ہے۔

قَوْلٌ: سمر بروزن رجل بول کا درخت، بعض حضرات نے کہا ہے کہ جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں ان لا یفروا علی الموت بعض نسخوں میں من الموت ہے، مطلب ظاہر ہے کہ موت سے راہ فرار اختیار نہ کریں گے، مفسر علام نے من کے بجائے علی لا کر اشارہ کر دیا کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بیعت موت پر ہوئی تھی، اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ بیعت ثابت قدمی و عدم فرار پر ہوئی تھی۔

قَوْلٌ: فعلم، علم کا عطف اذیبا یعونک پر ہے، اب رہا یہ سوال کہ معطوف ماضی ہے اور معطوف علیہ مضارع، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذیبا یعونک بھی ماضی کے معنی میں ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

قَوْلٌ: فانزل اس کا عطف رضی پر ہے۔

قَوْلٌ: و مغنم کثیرہ اس کا عطف فتحا قریبا پر ہے۔

قَوْلٌ: وعدکم اللہ چونکہ مقام امتنان و احسان ہے، لہذا شرف خطاب سے نوازنے کے لئے غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرمایا ہے، یہ اہل حدیبیہ سے خطاب ہے۔

قَوْلٌ: من الفتوحات مفسر علام نے من الفتوحات کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ عطف مغایرت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ اول مغنم کثیرہ سے جو کہ معطوف علیہ ہے غنائم خیبر مراد ہیں اور ثانی مغنم کثیرہ سے جو کہ معطوف ہے، خیبر کے علاوہ کے مغنم مراد ہیں۔

قَوْلٌ: غنیمۃ خیبر اگر اس آیت کا نزول فتح خیبر کے بعد ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو پوری سورت کا نزول حدیبیہ سے واپسی پر نہ ہوگا، اور نزول فتح خیبر سے پہلے ہو تو یہ اخبار غیبیہ سے ہوگا، اور ماضی سے تعبیر تحقق وقوع کی وجہ سے ہوگی اور یہ بات سابق میں گذر چکی ہے کہ پوری سورت حدیبیہ سے واپسی کے وقت عسفان کے قریب کراع الغمیم میں نازل ہوئی تھی۔

قَوْلٌ: فی عیالکم ای عن عیالکم، عنکم سے بدل ہے اس میں مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے۔
قَوْلٌ: اخری صفة مغنم مقدرا اخری مغنم محذوف کی صفت ہے، موصوف صفت سے مل کر مبتداء اور لم تقدروا علیہا اس کی صفت ہے قد احاط اللہ بہا مبتداء کی خبر (جمل) مذکورہ ترکیب کے علاوہ چار ترکیبیں اور ہیں، طوالت کے خوف سے ترک کر دیا (جمل کی طرف رجوع کریں)۔

قَوْلٌ: اظفر علیہم، اظفر کا صلہ علی مستعمل نہیں ہے مگر چونکہ اظفر، اظہر کے معنی میں ہے اس لئے اس کا صلہ علی لانا درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول فان ثمانین الخ سے اظفر بمعنی اظہر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: معرۃ بمعنی مکروہ، گناہ، ندامت۔

قَوْلٌ: جواب لولا محذوف لولا کا جواب محذوف ہے اور وہ لا ذن لکم فی الفتح ہے، جیسا کہ مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلِهِ: فانزل الله سكينته اس کا عطف مقدر پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ ای فضاقت صدور المسلمين واشتد الكرب عليهم فانزل الله سكينته۔

قَوْلِهِ: لانها سببها اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے کلمة التقوى ای سبب التقوى اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے، اور بعض حضرات نے تقویٰ سے پہلے اہل محذوف مانا ہے ای کلمة اهل التقوى یعنی اللہ نے اہل بدر کے لئے متقی لوگوں کا کلمہ پسند فرمایا۔

قَوْلِهِ: اهلها، احق بها کا عطف تفسیری ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خوشخبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے اس خطرناک موقع پر جان کی بازی لگا دینے میں ذرہ برابر تامل نہ کیا، اور رسول کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کر کے اپنے صادق الایمان ہونے کا صریح ثبوت پیش کیا، ان کے اپنے اخلاص کے سوا کوئی خارجی دباؤ ایسا نہ تھا جس کی بناء پر وہ اس بیعت کے لئے مجبور ہوتے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے ایمان میں صادق اور مخلص اور رسول کی وفاداری میں حد درجہ کمال پر فائز تھے۔

صحابہ کے لئے سند خوشنودی:

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سند خوشنودی عطا فرمائی، اور اللہ کی سند خوشنودی عطا ہونے کے بعد اگر کوئی شخص ان سے بدگمان یا ناراض ہو یا ان پر زبان طعن و راز کرے تو اس کا معارضہ ان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے، بعض حضرات (مثلاً شیعہ) کا یہ کہنا کہ جس وقت اللہ نے ان کو سند خوشنودی عطا فرمائی تھی اس وقت تو یہ مخلص تھے، مگر بعد میں یہ لوگ خدا اور رسول سے بے وفا ہو گئے، وہ شاید اللہ سے یہ بدگمانی رکھتے ہیں کہ اللہ کو ان حضرات کو سند خوشنودی عطا کرتے وقت ان کے آئندہ حالات کا علم نہ تھا جو کہ امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ کے صریح خلاف اور متضاد ہے، یہ بشارتیں اور سند رضا و خوشنودی اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال مرضیہ پر ہوگا۔

صحابہ کرام پر زبان طعن و تشنیع بد بختی ہے:

جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا اعلان فرما دیا، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے، پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا بد بختی اور اس

آیت کے مخالف ہے، یہ آیت روافض کے قول و عقیدے کی واضح تردید ہے، جو ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ و عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور دوسرے صحابہ پر کفر و نفاق کا الزام لگاتے ہیں۔ (مظہری)

شجرہ رضوان:

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کی یہ روایت مشہور ہے کہ لوگ اس کے پاس جا جا کر نماز پڑھنے لگے تھے، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو کٹوا دیا۔ (طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۰۰) مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستہ میں میرا گدرا ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ان سے معلوم کیا یہ کونسی مسجد ہے تو انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، میں اس کے بعد سعید بن مسیب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس واقعہ کی ان کو خبر دی، انہوں نے فرمایا میرے والد صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا مگر اس کا پتہ نہ چلا، پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے ان کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے؟ کیا تم اس سے زیادہ واقف ہو۔

(روح المعانی، معارف)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو معین کر لیا اور اس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دیا، فاروق اعظم کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ درخت وہ نہیں ہے، اس کے علاوہ ابتلائے شرک کا خطرہ بھی لاحق تھا، جس کی وجہ سے اس درخت کو کٹوا دیا۔

فتح خیبر:

خیبر درحقیقت ملک شام کے قریب ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں، قلعے اور باغات شامل ہیں، واثا بہم فتحاً قریباً اور فعجل لکم ہذہ میں فتح قریب اور نقد مال غنیمت سے فتح خیبر اور وہاں سے حاصل ہونے والا مال غنیمت مراد ہے، بعض روایات کے مطابق حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس دن اور دوسری روایت کے مطابق بیس روز رہا اس کے بعد خیبر کے لئے روانہ ہوئے، اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ ۶ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے، اور ماہ محرم ۷ھ میں آپ ﷺ خیبر کے لئے روانہ ہوئے، حافظ ابن حجر نے اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُولَ بِالْحَقِّ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ عَامَ الْخُدَيْبِيَّةِ قَبْلَ

خُرُوجِهِ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ الْمُنِيبِينَ وَيَخْلُقُونَ وَيَقْصُرُونَ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ أَصْحَابَهُ فَفَرَحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا مَعَهُ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحَدِيثِ وَرَجَعُوا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ وَرَأَى بَعْضُ الْمُنَافِقِينَ نَزَلَتْ وَقَوْلُهُ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَقِ أَوْ حَالٍ مِنَ الرُّؤْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيرٌ لَهَا لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَتَشْرِكَ الْأَمِينُ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ أَيْ جَمِيعَ شُعُورِهَا وَمُقَصِّرِينَ أَيْ بَعْضَ شُعُورِهَا هُمَا حَالَانِ مُقَدَّرَتَانِ لَا تَخَافُونَ أَبَدًا فَعَلِمَ فِي الصُّلْحِ مَا لَمْ تَعْلَمُوا مِنَ الصَّلَاحِ فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ أَيْ الدُّخُولِ قَتْمًا قَرِيبًا ۝ هُوَ فَتَحَ خَيْبَرَ وَتَحَقَّقَتِ الرُّؤْيَا فِي الْعَامِ الْقَابِلِ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ أَيْ دِينَ الْحَقِّ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ عَلَى جَمِيعِ بَاقِي الْأَدْيَانِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ أَنْكَ مُرْسِلٌ بِمَا ذَكَرَ كَمَا قَالَ تَعَالَى مُحَمَّدٌ مَبْتُدَأُ رَسُولِ اللَّهِ خَيْرُهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَيْ أَصْحَابُهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مَبْتُدَأُ خَيْرُهُ أَشَدُّ غِلَاطٌ عَلَى الْكُفَّارِ لَا يَرْحَمُونَهُمْ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ خَيْرٌ ثَانٍ أَيْ مُتَعَاطِفُونَ مُتَوَادُونَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَدِ تَرَاهُمْ تَبْصُرُهُمْ رُكْعًا سَجْدًا حَالَانِ يَتَّبِعُونَ مُسْتَانَفٌ يَطْلُبُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ عَلَامَتُهُمْ مَبْتُدَأُ فِي وُجُوهِهِمْ وَهِيَ نُورٌ وَبَيَاضٌ يُعْرِفُونَ بِهِ فِي الْآخِرَةِ أَنَّهُمْ سَجَدُوا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَتْرِ السُّجُودِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ أَيْ كَائِنَةً وَأَعْرَبَ حَالًا مِنْ ضَمِيرِهِ الْمُنْتَقِلِ إِلَى الْخَبَرِ ذَلِكَ أَيْ الْوَصْفُ الْمَذْكُورُ مَثَلُهُمْ صِفَتُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۝ مَبْتُدَأُ وَخَيْرُهُ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۝ مَبْتُدَأُ خَيْرُهُ كَرَّمَ عَ أَخْرَجَ شَطْطَهُ بِسُكُونِ الطَّاءِ وَفَتْحِهَا فِرَاحَهُ فَازَرَهُ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَاهُ وَأَعَانَهُ فَاسْتَغْلَظَ غِلَظٌ فَاسْتَوَى قَوَى وَاسْتَقَامَ عَلَى سُوقِهِ أَصُولِهِ جَمْعُ سَاقٍ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ أَيْ زُرَّاعَهُ لِحُسْنِهِ مَثَلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِذَلِكَ لِأَنَّهُمْ بَدَأُوا فِي قِلَّةٍ وَضَعُفٍ فَكَثُرُوا وَقَوُوا عَلَى أَحْسَنِ الْوُجُوهِ لِيُغِظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ شُبَّهُوا وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ أَيْ الصَّحَابَةَ لِبَيَانِ الْجِنْسِ لَا لِتَبْعِيضٍ لِأَنَّ كُلَّهُم بِالْصِفَةِ الْمَذْكُورَةِ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الْجَنَّةُ وَهُمَا لِمَنْ بَعْدَهُمْ أَيْضًا فِي آيَاتِ

عند القائلين

ع

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقعہ کے مطابق ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال حدیبیہ کی طرف نکلنے سے پہلے خواب میں دکھایا کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں، اور حلق کر رہے ہیں اور قصر کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے خواب کی اطلاع اپنے اصحاب کو دی تو آپ کے اصحاب بہت خوش ہوئے، چنانچہ جب آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ نکلے اور کافروں نے ان کو حدیبیہ میں روکا، اور واپس ہوئے اور یہ واپسی ان پر گراں گزری اور بعض منافقین نے شک کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کا قول بالحق، صدق کے متعلق ہے یا رؤیا سے حال ہے اور رؤیا کا ما بعد اس (رؤیا) کی تفسیر ہے، تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ انشاء اللہ تبرکاً ہے امن وامان کے ساتھ، ضرور داخل ہو گے تمہیں کسی وقت بھی خوف نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کو صلح میں جس خیر کا علم ہے تم اس کو نہیں جانتے اس دخول سے

پہلے ایک قریبی فتح دیدی، وہ فتح خیبر ہے اور خواب (کی تعبیر) آئندہ سال واقع ہوئی، وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین حق کو تمام باقی ادیان پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے کہ آپ کو مذکورہ چیزیں دے کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد اللہ کے رسول ہیں، محمد مبتداء ہے (اور رسول اللہ) اس کی خبر اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی آپ کے رفقاء مومنین (والذین معہ) مبتداء ہے، اشداء اس کی خبر ہے، کافروں پر سخت کہ ان پر رحم نہیں کرتے اور آپس میں رحم دل ہیں (رحماء بینہم) خبر ثانی ہے یعنی آپس میں مہربانی اور محبت رکھتے ہیں، جیسا کہ باپ کا بیٹے کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے، تو ان کو رکوع سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا رکعاً، سجداً دونوں حال ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جملہ مستانفہ ہے اور (یبتغون) یطلبون کے معنی میں ہیں ان کا نشان (یعنی) ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے (سیمامہم) مبتداء ہے (فی وجوہہم) اس کی خبر، وہ ایک نور ہے، اور ایک سفیدی ہے جس کے ذریعہ آخرت میں پہچانے جائیں گے، کہ ان لوگوں نے دنیا میں سجدہ کیا، (من اثر السجود) اسی سے متعلق ہے جس سے خبر متعلق ہے اور وہ کائنة ہے اور نیز (من اثر السجود) خبر کے متعلق (کائنة) کی اس ضمیر سے حال قرار دیا گیا ہے جو خبر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہی یعنی وصف مذکور تورات میں ان کی صفت ہے (ذلك مثلہم) مبتداء و خبر ہیں، اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی جیسی بیان کی گئی ہے کہ جس نے (انکھوا) کو نیل نکالی ہو (مثلہم فی الانجیل) مبتداء ہے، اور کزوع اخراج الخ اس کی خبر ہے، اور شطاہ طاء کے سکون اور فتح کے ساتھ ہے، شطاہ ای فراخہ یعنی اس نے اپنا چوزہ نکالا، مراد ابتدائی کو نیل ہے، پھر اس کو قوی کیا اور اس کی مدد کی (فاذرة) مد اور بلا مد دونوں طریقہ پر ہے، اس کو مضبوط کیا پھر موٹا کیا، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی یعنی اپنی جڑ پر سوق، ساق کی جمع ہے کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے یعنی اُن کھیتی کرنے والوں کو اپنے حسن سے، صحابہ کرام کو کھیتی سے تشبیہ دی اس لئے کہ ان کی ابتداء قلت اور ضعف سے ہوئی پھر وہ کثیر ہو گئے اور بہتر طریقہ پر طاقتور ہو گئے، تاکہ کافران سے جلیں (لیغیظ) محذوف سے متعلق ہے اور اس حذف پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی صحابہ کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے آپ کے رفقاء میں سے جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے (منہم) من بیان جنس کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے اس لئے کہ تمام صحابہ مذکورہ صفت کے ساتھ متصف ہیں، اور اجر عظیم سے مراد جنت ہے اور وہ دونوں یعنی (مغفرت اور جنت) ان کے بعد والوں کے لئے بھی آیات میں مذکور ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: بالحق یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای صدقا متلبسا بالحق۔

قَوْلٌ: لقد صدق اللہ، لقد میں لام جواب قسم کی تمہید کے طور پر ہے، قسم محذوف ہے اور لتدخلن جواب قسم ہے جس پر لام توطیہ و تمہید دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلًا: للتبرک یعنی انشاء اللہ تبرک و تعلیم کے لئے ہے نہ کہ تعلیق کے لئے۔

قَوْلًا: للتبرک اس جملے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤال: انشاء اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخبر خبر کے بارے میں متردد ہے اور یہاں مخبر اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ کے لئے تردد محال ہے۔

جواب: یہاں انشاء اللہ تبرک اور تعلیم کے لئے ہے نہ کہ تعلیق کے لئے، لہذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلًا: اٰمنین اور محلقین اور مقصرین یہ تینوں تدخلن کے واؤ محذوف سے حال ہیں، اس صورت میں یہ حال مترادفہ

ہوں گے یا محلقین اور مقصرین دونوں آمنین کی ضمیر سے حال ہیں، اس صورت میں حال متداخلہ ہوں گے۔

قَوْلًا: حالان مقدار ان یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ دخول کا زمانہ جو کہ حالت احرام کا زمانہ ہے اور ہے اور محلقین

و مقصرین یعنی خلق و قصر کا زمانہ اور ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حال مقدرہ ہیں یعنی وہ اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے لئے خلق اور قصر

مقرر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلًا: لا تخافون جملہ متانفہ بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے خواہ تدخلن کی ضمیر سے یا آمنین کی ضمیر سے، یا

محلقین کی ضمیر سے یا مقصرین کی ضمیر سے۔

قَوْلًا: لا تخافون ابدًا۔

سُؤال: ابدًا کے اضافہ سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ آمنین کے بعد لا تخافون کا اضافہ تکرار معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو مامون ہوتا ہے وہی

بے خوف بھی ہوتا ہے، اس تکرار کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے ابدًا کی قید کا اضافہ کیا، اس لئے کہ آمنین کا مطلب تو یہ ہے کہ

حالت احرام میں تم مامون ہو اس لئے کہ مشرکین مکہ، محرم سے تعارض نہیں کرتے تھے اسی طرح حرم میں داخل ہونے والے سے

بھی تعارض نہیں کرتے تھے، مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد کی اور اسی طرح حرم سے نکلنے کے بعد کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ اب

بھی یہ لوگ مامون رہیں گے تو، لا تخافون ابدًا کہہ کر اشارہ کر دیا کہ حالت احرام اور غیر حالت احرام نیز حرم اور خارج حرم ہر

صورت میں ہمیشہ مامون و بے خوف رہیں گے۔

قَوْلًا: من دون ذلك ای الدخول۔

قَوْلًا: مُتَعَاظِفُونَ، مُتَوَاذُونَ، دونوں اسم فاعل جمع مذکر غائب، تعاطف اور توادد (تفاعل) سے ماخوذ ہیں آپس میں

مہربانی کرنا، محبت کرنا۔

قَوْلًا: فی وجوہهم یہ کائنۃ محذوف کے متعلق ہو کر سیما ہم مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلًا: من اثر السجود بھی کائنۃ محذوف کے متعلق ہے اور من اثر السجود میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کائنۃ کی ضمیر سے حال ہو کر محلاً منصوب ہو۔

قَوْلًا: ذلك مبتداء اول ہے اور مثلهم مبتداء ثانی ہے اور فی التوراة مبتداء ثانی کی خبر ہے، مبتداء اور خبر مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلًا: مثلهم فی الانجیل مبتداء ہے، کزوع اخراج شطاه اس کی خبر ہے۔

قَوْلًا: شطاً شطء، فراخ النبات کو کہتے ہیں یعنی تخمک سے ابتداء نکلنے والی نوک، جس کو انکھوا، یا سوئی کہتے ہیں، انکھوا کہنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوئی تخم کے اس حصہ سے نکلتی ہے جو تخم کی آنکھ کہلاتی ہے جو کہ اکثر تخموں میں بہت نمایاں ہوتی ہے مثلاً کھجور کی گٹھلی یا ناریل کی آنکھ، عربی میں اس کو فراخ کہتے ہیں، فراخ اور فرخ دراصل پرندے کے چوزے کو کہتے ہیں جس طرح چوزہ پرندے سے نکلنے کی وجہ سے چوزہ کہلاتا ہے اسی طرح انکھوا تخم سے نکلنے کی وجہ سے بمنزلہ فراخ کے ہوتا ہے۔

قَوْلًا: ذراع یہ زارع کی جمع ہے کاشتکار کو کہتے ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

شان نزول:

جب صلح حدیبیہ مکمل ہو گئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ اس وقت بغیر دخول مکہ اور بغیر ادائے عمرہ کے واپس مدینہ جانا ہے، اور صحابہ کرام کا یہ عزم عمرہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بناء پر ہوا تھا، جو ایک طرح کی وحی تھی، اب بظاہر اس کا خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دلوں میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے کہ (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ ہوا، دوسری طرف کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّوْيَا بِالْحَقِّ (معارف)

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّوْيَا بِالْحَقِّ واقعہ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف و عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا، نبی کا خواب بھی وحی ہی ہوتا ہے تاہم اس خواب میں یہ تعین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہوگا، لیکن نبی ﷺ اور صحابہ اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے عمرہ کے لئے فوراً تیار ہو گئے، اور اس کے لئے عام منادی کرادی اور نکل پڑے بالآخر حدیبیہ میں جو کہ حدود حرم سے متصل اور نہایت قریب ہے بلکہ اس کا بعض حصہ حدود حرم میں داخل ہے، صلح ہوئی، واقعہ کی تفصیل سورت کے شروع میں گزر چکی ہے، اس خواب کی تعبیر اللہ کے علم میں آئندہ سال مقدّر تھی چنانچہ آئندہ سال ۷ھ میں مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ عمرہ کیا، اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کہتے ہیں اس عمرہ میں آپ ﷺ نے قصر کرایا اور حجۃ الوداع میں حلق کرایا، مسلمان چونکہ صلح حدیبیہ سے ناخوش اور کبیدہ خاطر تھے،

وجہ اس کی یہ تھی کہ اس صلح کی مصلحتوں سے مسلمان ناواقف اور بے خبر تھے، آنحضرت ﷺ کی دور بین نگاہیں جو کچھ پس پردہ دیکھ رہی تھیں وہ عام صحابہ سے بلکہ ان میں سے اچھے اچھے مدبر اور ذی فہم صحابہ کی نظروں سے بھی اس صلح کے فوائد پوشیدہ اور مخفی تھے جس کی وجہ سے وہ تذبذب اور تردد کا شکار ہو گئے۔

نکتہ: خواب کی تعبیر میں اشتباہ پیغمبر سے محال نہیں ہے، ورنہ تو آپ اول سال عمرہ کے لئے نہ نکلتے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے الہامات اور خواب بدرجہ اولیٰ محتمل ہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر) صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔

مسئلہ: قصر سے حلق افضل ہے، مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ میں فرمایا، اے اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور قصر کرنے والوں پر، فرمایا یا اللہ! حلق کرنے والوں پر رحم فرما پھر صحابہ نے عرض کیا، اور قصر کرنے والوں پر تو آپ نے فرمایا: قصر کرنے والوں پر بھی رحم کر۔

مسئلہ: اخبار میں انشاء اللہ کہنا ممنوع نہیں ہے مگر معاہدات اور اقرار میں دینا بہتر اور قضاء بوجہ احتمال تعلیق مناسب نہیں۔
محمد رسول اللہ قرآن پاک میں عموماً آنحضرت ﷺ کا نام لینے کے بجائے آپ کا ذکر اوصاف والقباب کے ساتھ کیا گیا ہے، خصوصاً نداء کے موقع پر یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، یا ایہا المزمحل وغیرہ سے خطاب کیا گیا ہے، بخلاف دیگر انبیاء کے کہ ان کے نام کے ساتھ ندا کی گئی ہے، مثلاً یا ابراہیم علیہ السلام، یا موسیٰ علیہ السلام، یا عیسیٰ علیہ السلام، پورے قرآن میں آپ کا اسم گرامی محمد کی صراحت کے ساتھ چار جگہ ذکر کیا گیا ہے، جہاں آپ کا نام لینے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے، اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلحنامہ میں آپ ﷺ کے نام کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ لکھ دیا تو مشرکین نے اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھوانے پر اصرار کیا، رسول اللہ ﷺ نے بحکم ربانی اس کو قبول کر لیا، حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لا کر اس کو دائمی بنادیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا جائے گا۔ (معارف)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل:

والذین معہ آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آپ کے دین کے سب دینوں پر غالب کرنے کا ذکر فرما کر صحابہ کرام کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل سے فرمایا ہے، یہاں آپ ﷺ کے اصحاب کے فضائل کا بیان ہے اگرچہ اس سے پہلے اصالت اور براہ راست خطاب شرکاء سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان کو تھا، لیکن الفاظ کے عموم میں سب ہی صحابہ کرام شامل ہیں، اس لئے کہ صحبت اور معیت سب کو حاصل ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ (الایۃ) میں چار امور مذکور ہیں ① آپ ﷺ کی رسالت ② اصحاب کے فضائل و اخلاق ③ صحابہ کے وہ اوصاف جو کتب سماوی قدیم میں مذکور ہیں ④ عام مسلمانوں سے اجر عظیم کا وعدہ۔

یہ آیت، اہل سنت والجماعت کے اس دعوے پر قطعی حجت ہے کہ تمام صحابہ نہایت مخلص تھے اور از اول تا آخر ایمان و اخلاص پر قائم رہے، اور ان حضرات کے خلاف کہ جو صحابہ کے اعداء اور مخالف ہیں برہان قوی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ والذین معہ اور جو آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت اور آپس میں نرم ہیں، تو انہیں رکوع اور سجدے میں دیکھتا ہے اس طریقہ پر کہ محض فضل و رضائے الہی مطلوب ہے، ان کے چہروں سے آثار سجود اور برکات نماز ظاہر ہیں، یہ مثال ان کی تورات میں ہے، اور انجیل میں ان کی مثال ایک کھیت کی سی ہے جو سوئی اگائے پھر اسے مضبوط کرے پھر تناور اور قوی ہو پھر اپنے تئیں پرستادہ اور قائم ہو جائے، کسان کو یہ اگنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

آیت باعتبار اپنے عموم خطاب کے تمام ائمہ ہدیٰ اور خلفاء حضرت مصطفیٰ کو شامل ہے، محمد مبتداء ہے، رسول اللہ جملہ ہو کر خبر (مدارک) والذین اپنے صلہ سے مل کر مبتداء اور اوصاف ذیل اس کی خبر ہیں، پھر یہ عام ہے تمام امت کو جو اوصاف مذکورہ سے متصف ہو مگر اس کے چار طبقے ہیں ① تمام امتی قیامت تک، مذکورہ اوصاف سے متصف ہونے کے بعد مگر تبعاً و ضمناً ② اصحاب رسول عموماً یہ بھی اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف ہونے کے بعد اصالۃ و قصد داخل ہیں، اس لئے کہ معیت حقیقی ان ہی کے لئے ہے ③ اصحاب بیعت رضوان، شان نزول کا مصداق ہونے کی وجہ سے قطعاً و یقیناً ان اوصاف سے متصف اور ان انعامات کے موعود ہیں۔

فَائِدَة: بعض ارباب تاریخ اور اہل خلاف کا ایسا دعویٰ جو اصحاب بیعت کو اوصاف مذکورہ سے عاری کرے وہ یقیناً مردود ہے۔ تفاسیر مشہورہ کی رو سے معہ سے حضرت ابو بکر صدیق مراد ہیں جن کی معیت نص صریح سے ثابت ہے، فرمایا اذ قال لصاحبه جب پیغمبر ﷺ نے اپنے صاحب سے کہا: آپ ﷺ نے ابو بکر کے بارے میں فرمایا ولکن اخی وصاحبی (بخاری) پھر معیت سے مراد عام ہے خواہ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کے ساتھ رہنا یا آپ ﷺ کی اتباع سے کبھی جدا نہ ہونا، اس بناء پر قیامت تک جتنے مومن ہوں گے وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ایک درجہ کی معیت رکھتے ہیں اشداء یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کنایہ ہے جن کی شدت امر دین میں مسلم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے (بخاری) اور شدت سے مراد جہاد و قتال میں سختی ہے، علی الکفار میں کفار عبارتہ اور نفس و شیطان دلالت اور ہرنا فرمان، فاسق، عاصی، قیاساً شامل ہے، علت مشترکہ کی وجہ سے اس میں شامل ہے رحماء بڑے رحم دل اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے جن کا حلم اور رحم ضرب المثل ہے، بینہم سے اگر مسلمان مراد ہوں تو عموم تر رحم ظاہر ہے، اور اگر اس میں تمام مخلوق کو شامل کر لیا جائے اور ماسوائے امور دین کے دوسری باتوں میں واجب الرحم ہوں تو بھی ہو سکتا ہے، فرمایا ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء غمکھا سجدا یہ کنایہ ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کی نماز نے ان کی ہستی، ہستی لازوال میں نیست و فنا کردی تھی پھر ہر نمازی اس میں داخل ہے۔

نکتہ: ”شطا“ سے مراد ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، اور ”آزر“ سے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مراد ہیں اور ”استعلا ظ“ سے حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مراد ہیں اور ”استواء“ سے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف اشارہ ہے۔

(خلاصۃ التفاسیر ملخصاً)

اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے، اس کے بعد بھی صحابہ کرام کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جاسکتا ہے۔

﴿مَّتَّ﴾

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ حجرات مدنی ہے، اٹھارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْدِمُوْا مِنْ قَدَمٍ مَّعْنٰى تَقْدَمَ اٰى لَا تَقْدَمُوْا بِقَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ الْمُبِيْغِ عَنْهُ اٰى بِغَيْرِ اِذْنِهٖمَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِّقَوْلِكُمْ عَلِيْمٌ ۝۱ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِيْ مُجَادَلَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَلٰى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَامِيْرِ الْاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ اَوْ الْقَعْقَاعِ بْنِ مَعْبُدٍ وَنَزَلَ فَيَمْنُ رَفَعَ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ اِذَا نَطَقْتُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اِذَا نَطَقَ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ اِذَا نَاجَيْتُمُوْهُ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بَلْ دُوْنَ ذَلِكَ اِجْلَالًا لَّهٗ اَنْ تَحْبَطْ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اٰى خَشْيَةً ذَلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُوْرَيْنِ وَنَزَلَ فَيَمْنُ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغْضُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَمْتَحَنَ اللّٰهُ اِخْتَبَرَ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى اٰى لَتَظْهَرَ مِنْهُمْ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ الْجَنَّةُ وَنَزَلَ فِيْ قَوْمٍ جَاءَ وَاقْتُ الظَّهِيْرَةَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنَزِلِهِ فَنَادَوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يِنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ حُجُرٰتِ نِسَائِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمْعُ حُجْرَةٍ وَهِيَ مَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْاَرْضِ بِحَائِطٍ وَنَحْوِهِ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نَادٰى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوْهُ فِيْ اَيِّهَا مُنَادَاةُ الْاَغْرَابِ بِغِلْظَةٍ وَجَفَاٍ ۝۴ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۵ فَيَمَّا فَعَلُوْهُ مَحَلَّكَ الرَّفِيعِ وَمَا يُنَاسِبُهُ مِنَ التَّعْظِيْمِ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا اَنَّهُمْ فِيْ مَحَلٍّ رَفَعَ بِالْاِبْتِدَاءِ وَقِيْلَ فَاعِلٌ لِّفِعْلٍ مُّقَدَّرٍ اٰى ثَبِتَ حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَ اَنْ خَيْرٌ اَلَهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَنَزَلَ فِيْ الْوَلَدِ بْنِ عُقْبَةَ وَقَدْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى بَنِي الْمُضْطَلِقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِتَرَةِ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ اِنَّهُمْ مَنَعُوْا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوْا بِقَتْلِهِ فَهَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءَ وَاسْتَكْرَبَ مَا قَالَهُ

عَنْهُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ خَيْرٍ فَتَبَيَّنُوا صِدْقَهُ مِنْ كَذِبِهِ وَفِي قِرَاءَةِ فَتَشَبُّهُوا مِنَ الشَّبَاتِ أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ خَشْيَةٌ ذَلِكَ بِجَهَالَةٍ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ جَاهِلِينَ فَتَصَبَّحُوا فَتَصَيَّرُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَا بِالْقَوْمِ نَدِيمِينَ ① وَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ عَوْدِهِمْ إِلَى بِلَادِهِمْ خَالِدًا فَلَمْ يَرِ فِيهِمْ إِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَيْرَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ فَلَا تَقُولُوا الْبَاطِلَ فَإِنَّ اللَّهَ يُخْبِرُهُ بِالْحَالِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي تُخْبِرُونَ بِهِ عَلَى خِلَافِ الْوَاقِعِ فَرْتَبَ عَلَى ذَلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعَنْتُمْ لَا تَلْمِزْتُمْ دُونَهُ إِنْ تَسَبَّبَ إِلَى الْمُرْتَبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ حَسَنَةً فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ② اسْتَدْرَاكَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دُونَ اللَّفْظِ لِأَنَّ مَنْ حَبَّبَ إِلَيْهِ الْإِيمَانَ الْخَ غَايَرَتْ صِفَتُهُ صِفَةً مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ أُولَئِكَ هُمْ فِيهِ التَّفَاتُ عَنِ الْخِطَابِ الرَّشِدُونَ ③ الثَّابِتُونَ عَلَى دِينِهِمْ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوبٌ بِفَعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ أَفْضَلَ وَنِعْمَةً مِنْهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِهِمْ حَكِيمٌ ④ فِي إِنْعَامِهِ عَلَيْهِمْ وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْآيَةُ نَزَلَتْ فِي قَضِيَّةٍ هِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ حِمَارًا وَمَرَّ عَلَى ابْنِ أَبِي فَبَالَ الْحِمَارُ فَسَدَّ ابْنُ أَبِي أَنْفَهُ فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ وَاللَّهِ لَيَبُولُ حِمَارِهِ أَطِيبُ رِيحًا مِنْ مِسْكِكَ فَكَانَ بَيْنَ قَوْمَيْهِمَا ضَرْبٌ بِالْأَيْدِي وَالنِّعَالِ وَالسَّعْفِ اقْتَتَلُوا جُمِعَ نَظَرًا إِلَى الْمَعْنَى لِأَنَّ كُلَّ طَائِفَةٍ جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اقْتَتَلَا فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ⑤ ثُنِيَ نَظَرًا إِلَى اللَّفْظِ فَإِنْ لَبَغْتَ تَعَدَّتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَالُوا الَّتِي تَبَغَى حَتَّى تَفْقَى تَرْجِعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ الْحَقِّ فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْإِنْصَافِ وَأَقْسِطُوا ⑥ اِعْدِلُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ⑦ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ⑧ فِي الدِّينِ فَاصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ إِذَا تَنَازَعَا وَقُرِئَ أَخَوَتُكُمْ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الْإِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑨

عَنْ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ سے مشتق ہے یعنی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسول پر جو اس کا پیغامبر ہے پیش قدمی نہ کرو یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سننے والا تمہارے کاموں کو جاننے والا ہے، یہ آیت آنحضرت ﷺ کے حضور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقرار ابن حابس یا قعقاع بن معبد کو امیر بنانے میں نزاع کے بارے میں نازل ہوئی، اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنی آواز کو آپ ﷺ کے حضور بلند کیا، اے ایمان والو! جب تم گفتگو کیا کرو تو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کیا کرو جب وہ کلام کرے اور نہ اس کے سامنے اونچی آواز میں باتیں کرو جب تم اس سے سرگوشی کرو جیسا کہ تم آپس میں اونچی آواز سے باتیں کرتے ہو بلکہ اس کی آواز سے پست ہی رکھو، آپ کی جلالت شان کا خیال کرتے ہوئے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو، مذکورہ بلند اور اونچی آواز

کی وجہ سے تمہارے اعمال کے ضائع ہونے کے پیش نظر (آپ ﷺ سے بلند آواز سے کلام نہ کرو) اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کے حضور پست کرتا تھا، جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ، بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے حضور میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمایا ہے تاکہ ان کا تقویٰ ظاہر ہو جائے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (یعنی) جنت، اور نازل ہوئی ان لوگوں کے بارے میں جو دوپہر کے وقت آئے اور نبی ﷺ اپنے مکان میں تھے، سو انہوں نے آپ کو پکارنا شروع کر دیا بلاشبہ وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے بارے میں یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ کس حجرے میں ہیں؟ کرخنگی اور شدت کے ساتھ دیہاتوں کے مانند پکارنا تھا، ان میں کے اکثر آپ کے مقام بلند اور آپ کی مناسب تعظیم سے ناواقف تھے اس سلسلہ میں جو انہوں نے کیا اور اگر یہ لوگ صبر کرتے تا آنکہ آپ ﷺ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اُنھُمْ ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فعل مقدر کا فاعل ہے یعنی ثبت کا اللہ اس شخص کے لئے غفور اور رحیم ہے جس نے ان میں سے توبہ کی اور (آئندہ آیت) ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے ان کو بنی مطلق کی جانب محصل بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے اس عداوت کی وجہ سے جو ان کے اور بنی مطلق کے درمیان زمانہ جاہلیت میں تھی ان سے اندیشہ کیا، جس کی وجہ سے وہ واپس چلے آئے، اور (آکر) کہہ دیا کہ انہوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا، اور انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، چنانچہ نبی ﷺ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ اہل بنی مطلق (آپ ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے اور ان کی طرف منسوب کر کے جو بات عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے کہی اس کا انکار کیا، اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دیا کرے تو اس کے سچ اور جھوٹ کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور ایک قراءت تَثْبُتُوا ہے ثبات سے، (یعنی توقف کرو، جلدی نہ کرو) ایسا نہ ہو کہ کہیں نادانی میں کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو (اَنْ تُصِيبُوا) مفعول لہ ہے، یعنی اس اندیشہ کی وجہ سے بَجْهَالَةٍ (تُصِيبُوا کے) فاعل سے حال ہے، اس حال میں کہ تم جاہل ہو پھر غلطی سے قوم کے ساتھ تم نے جو کچھ کر ڈالا اس پر شرمندہ ہونا پڑے ان حضرات کے اپنے شہروں کو واپس جانے کے بعد ان کے پاس آپ ﷺ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا، تو انہوں نے ان سے سوائے اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا، تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امر کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، لہذا کوئی غلط بات نہ کہو اللہ تعالیٰ اس کو حقیقت حال کی خبر دیدے گا، اگر وہ بہت سے معاملات میں جن کی تم خلاف واقعہ خبر دیتے ہو تمہاری بات مان لیا کرے پھر اس پر اس کا مقتضی بھی مرتب ہو جائے تو تم گنہگار ہو گے نہ کہ وہ (آپ ﷺ) مرتب کا سبب بننے کی وجہ سے (نہ کہ اس کے ارتکاب کی وجہ سے) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی (یعنی پسندیدہ بنا دیا) کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا (لکن سے) استدراک ہے معنی کی حیثیت سے نہ کہ لفظ کی حیثیت سے اس لئے کہ مَنْ حَبَّبَ إِلَيْهِ الْإِيمَانَ الْخ کی صفت متغایر ہے، ان کی صفت سے جن کا ذکر ماقبل میں ہوا

ہے، یہی لوگ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، راہ یافتہ ہیں یعنی اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے ہیں اللہ کے فضل و احسان سے (فَضْلًا) مصدر منصوب ہے اپنے فعل مقدر اَفْضَلَ کی وجہ سے، اور اللہ ان کے حالات سے واقف ہے اور ان پر انعام فرمانے کے بارے میں با حکمت ہے اور اگر مومنین کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کرو، یہ آیت ایک واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ ہمارے پر سوار ہوئے اور آپ کا گزر عبد اللہ بن ابی کے پاس سے ہوا تو ہمارے پیشاب کر دیا جس کی وجہ سے عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک دبائی، تو ابن رواحہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بولے، واللہ آپ ﷺ کے ہمارے پیشاب تیری مشک سے زیادہ خوشبودار ہے سو ان دونوں کی قوموں کے درمیان ہاتھ پائی ہو گئی اور جوتے اور ڈنڈے چلنے لگے (طَائِفَةً) کی طرف نظر کرتے ہوئے، اِقْتَتَلُوا کو جمع لائے ہیں، اس لئے کہ ہر طائفہ ایک جماعت ہوتی ہے اور اِقْتَتَلْنَا بھی پڑھا گیا ہے اور بَيْنَهُمَا کو لفظ کی رعایت کرتے ہوئے تشبیہ لایا گیا ہے، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو سب اس جماعت سے جو زیادتی کرتی ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (یاد رکھو) سارے مسلمان دینی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں جب وہ جھگڑا کریں صلح کرادیا کرو (اَخْوَيْكُمْ) کوتاہ فو قانیہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اور اصلاح کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: لَا تُقَدِّمُوا اس میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ متعدی ہے، تعمیم کے قصد سے اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے یا نفس فعل کا قصد کرنے کی وجہ سے مفعول کو ترک کر دیا گیا ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ يَمْنَعُ وَيُعْطَى دوسری صورت یہ کہ یہ لازم ہے جیسے وَجْهٌ وَتَوَجَّهَ وہ متوجہ ہوا اور اسی کی تائید ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ضحاک اور یعقوب کی قراءت تَقَدَّمُوا کرتی ہے اور واحدی نے کہا ہے کہ قَدَّمَ یہاں تَقَدَّمَ کے معنی میں ہے یعنی تم آگے نہ بڑھو (فتح القدير) مفسر علام نے قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ قَدَّمَ لازم کے معنی میں ہے لہذا اس کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلًا: الْمُبَلِّغُ عَنْهُ یہ رسولہ کی صفت ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حکم و اجازت کے بغیر نہ قول میں سبقت کرو اور نہ فعل میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ تُقَدِّمُوا کا مفعول محذوف ہے ای لَا تُقَدِّمُوا أَمْرًا۔

قَوْلًا: إِذَا نَاجَيْتُمُوهُ اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اول جملہ یعنی لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ اور دوسرا جملہ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے جبکہ عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے تو پھر اس تکرار کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابِ: دونوں جملوں کا مفہوم اور مصداق الگ الگ ہے، اول جملہ کا مفہوم یہ کہ جب آپ ﷺ سے گفتگو ہو رہی ہو یعنی سوال و جواب ہو رہے ہوں تو اس طریقہ سے نہ بولو کہ تمہاری آواز آپ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جائے، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ کہ جب تم آپ ﷺ سے سوال کر رہے ہو اور آپ ﷺ خاموش سن رہے ہوں تو بھی زور زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں بولتے ہو، لہذا تکرار کا شبہ ختم ہو گیا۔

قَوْلِهِ: بَلْ دُونَ ذَلِكَ کا مطلب ہے کہ ہر حال میں اپنی آواز آپ ﷺ کی آواز سے پست رکھو، خواہ آپ سے گفتگو ہو رہی ہو یا تم بول رہے ہو اور آپ ﷺ خاموش سن رہے ہوں۔

قَوْلِهِ: اِجْلَالًا یہ لَا تَرْفَعُوا وَلَا تَجْهَرُوا کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں آپ کی جلالت شان کا خیال رہنا چاہئے۔
قَوْلِهِ: خَشْيَةً ذَلِكَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَنْ تَحْبَطَ حَذَفِ مضاف کے ساتھ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب محل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّتَهُوْا عَمَّا نُهَيْتُمْ لَخَشْيَةِ حُبُو طِ اَعْمَالِكُمْ۔

فَائِدَةٌ: لَا تَرْفَعُوا اور لَا تَجْهَرُوا دونوں نے خَشْيَةً میں تنازع کیا ہے ہر ایک خَشْيَةً کو اپنا مفعول لہ بنانا چاہتا ہے، بصریوں کے مذہب کے مطابق ثانی کو عمل دیا اور اول کے لئے مفعول لہ محذوف مان لیا (گویا کہ یہ باب تنازع فعلان سے ہے)
قَوْلِهِ: اُولَئِكَ الَّذِينَ الْخُ أُولَئِكَ مبتداء ہے الَّذِينَ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر ان کی خبر ہے۔

قَوْلِهِ: لِيَتَّظَرُوا مِنْهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سُؤَال: امتحان تقویٰ کا سبب نہیں ہوتا ہے حالانکہ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰی میں امتحان کو تقویٰ کا سبب بیان کیا گیا ہے۔

جَوَابِ: اختبار تقویٰ کا سبب نہیں ہے مگر ظہور تقویٰ کا سبب ضرور ہے یہ اطلاق السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ امتحان دل کے اندر پوشیدہ تقویٰ کو ظاہر کر دیتا ہے، اسی شبہ کو رفع کرنے کے لئے لِيَتَّظَرُوا مِنْهُمْ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلِهِ: تَرَةً تَاء کے کسرہ اور راء کی تخفیف کے ساتھ، بمعنی حسد، عداوت، شک۔
قَوْلِهِ: فَتَثَبُّوْا یہ تَثَبَّت سے امر کا جمع مذکر حاضر ہے، تم توقف کرو، جلدی نہ کرو۔
قَوْلِهِ: خَشْيَةً ذَلِكَ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ تُصِيبُوْا قَوْمًا، فَتَبَيَّنُوْا کا مفعول لہ ہے، اَنْ تُصِيبُوْا سے پہلے مضاف محذوف ہے ای خَشْيَةً اِصَابَةِ قَوْمٍ۔

قَوْلِهِ: عَنْتُمْ عَنْت سے ماضی جمع مذکر حاضر، تم گنہگار ہو گئے، تم مشکل میں پڑ گئے۔
قَوْلِهِ: دُونَهُ یعنی دروغ گوئی اور غلط بیانی کی وجہ سے جو کچھ نتیجہ برآمد ہوگا اس کے ذمہ دار غلط بیانی کرنے والے ہوں گے نہ کہ آپ ﷺ، اس لئے کہ آپ ﷺ تو تم لوگوں کی گواہی پر فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں۔

قَوْلِهِ: اِثْمَ التَّسْبِيْبِ اِلَى الْمُرْتَبِ یعنی تم لوگ مرتب شدہ نتیجہ کا ذریعہ اور سبب بننے کی وجہ سے گنہگار ہو گے نہ کہ ارتکاب فعل کی وجہ سے۔

قَوْلًا: اِسْتَدْرَاكَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دُونَ اللَّفْظِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ لکن استدراک کے لئے ہے، اور استدراک کے لئے ضروری ہے کہ مابعد ماقبل کا نفیاً و اثباتاً مخالف ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے لہذا یہ استدراک صحیح نہیں ہے۔

جَوَاب: لکن کا مابعد ماقبل سے اگرچہ نفیاً و اثباتاً، لفظاً متغائر نہیں ہے مگر معنماً متغائر ہے، لہذا استدراک صحیح ہے اور معنوی اختلاف یہ ہے کہ مَنْ حُبَّبَ إِلَيْهِ الْإِيْمَانُ کی صفت ان لوگوں سے مختلف ہے جن کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے اس طریقہ سے متدرک متدرک منہ سے مختلف ہے، لہذا استدراک بھی درست ہے۔

قَوْلًا: مصدرٌ منصوبٌ بفعله المقدر یعنی فضلاً اپنے فعل کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (مگر یہ صحیح نہیں ہے) اس میں تسامح ہے اس لئے کہ فضلاً اسم مصدر ہے مصدر اس کا افضلاً ہے، البتہ مفعول لہ درست ہے اور عامل اس میں حُبَّبَ ہے عامل اور معمول کے درمیان اُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلًا: اقْتَتَلُوا جُمِعَ نَظْرًا إِلَى الْمَعْنَى یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: اقْتَتَلُوا جمع کا صیغہ ہے حالانکہ اس کی ضمیر طائفتان تشنیہ کی طرف لوٹ رہی ہے، لہذا ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔

دفع: طائفتان کے معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، اس لئے کہ ہر طائفہ بہت سے افراد پر مشتمل ہوتا ہے، بَيْنَهُمَا میں تشنیہ لایا گیا ہے، طائفتان کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

یہ سورت طوال مفصل میں سے پہلی سورت ہے، سورہ حجرات سے سورہ نازعات تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں بعض نے سورہ ق کو پہلی مفصل سورت قرار دیا ہے (ابن کثیر، فتح القدیر) ان سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور عیس سے سورہ الشمس تک اوساط مفصل اور سورہ ضحیٰ سے والناس تک قصار مفصل ہیں، ظہر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مسنون و مستحب ہیں۔ (ایسر التفاسیر)

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا (الآية) ان آیات کے نزول کے متعلق روایات حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں، اور قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں، کیونکہ وہ سب واقعات ان آیات کے مفہوم میں داخل ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ

کا حاکم (امیر) کس کو بنایا جائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قعقاع بن معبد کے بارے میں رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رائے دی، اس معاملہ میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین آپ کی مجلس میں کچھ تیز گفتگو ہو گئی اور بات بڑھ گئی جس کی وجہ سے دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

زمانہ نزول:

یہ بات روایات سے بھی معلوم ہوتی ہے اور سورت کے مضامین بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ یہ سورت مختلف مواقع پر نازل شدہ احکام و ہدایات کا مجموعہ ہے، جنہیں مضمون کی مناسبت سے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، اس کے علاوہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے ہیں مثلاً آیت ۴۔ کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ یہ بنو تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جس وفد نے آکر ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کر دیا تھا، اور تمام کتب سیرت میں اس وفد کی آمد کا زمانہ ۹ھ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح آیت ۶۔ کے متعلق حدیث کی اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کر کے لانے کے لئے بھیجا تھا اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ ولید بن عقبہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

لَا تُقَدِّمُوا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش قدمی اور سبقت نہ کرو، کس چیز میں پیش قدمی کو منع کیا گیا ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اس میں عموم کی طرف اشارہ ہے، یعنی کسی بھی قول و فعل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں؟ البتہ اگر آپ ہی کسی کو جواب کے لئے مامور فرمادیں تو جواب دے سکتا ہے، اسی طرح چلنے میں بھی کوئی آپ سے سبقت نہ کرے، اگر مثلاً کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر قرآن یا صراحت سے اجازت معلوم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء دین اور دینی مقتداؤں کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں، اور دلیل اس کی یہ واقعہ ہے ایک روز حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا کہ جو انبیاء علیہم السلام کے بعد ابو بکر سے افضل ہو۔ (روح البیان، معارف)

لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کا یہ مطلب بھی ہے کہ دین کے معاملہ میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو بلکہ اللہ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی بے جا جسارت ہے۔

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اس آیت میں آپ ﷺ کی مجلس کا ادب بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں، ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے، چنانچہ آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو۔ (درمنثور، از بیہقی)

شان نزول:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ یہ آیت بنو تمیم کے بعض گنوار قسم کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ آنحضرت ﷺ کے قیلوے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے، یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں، تاکہ آپ باہر تشریف لے آئیں (مسند احمد) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی اکثریت بے عقل ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب و احترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا بے عقلی ہے۔ امام بغوی نے بروایت قتادہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچے جب آپ کسی حجرے میں آرام فرما رہے تھے یہ اعرابی، آداب معاشرت سے ناواقف تھے، انہوں نے حجروں کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا (أُخْرِجَ الْبَنَاءُ يَامُحَمَّدُ) اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

حجرات امہات المومنین:

ابن سعد نے بروایت عطاء خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں پر سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے، امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے، وہ فرما۔ ہیں کہ میں نے ان حجروں کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرے کے دروازے سے مسقف بیت تک چھ یا سات ہاتھ اور کمرہ دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات یا آٹھ ہاتھ ہوگی، امہات المومنین کے یہ حجرے ولید بن عبد الملک کے دور حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے، مدینہ منورہ میں اس روز گریہ و بکا طاری تھا۔ (معارف)

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ (الآية) اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس حارث بن ضرار جن کی صاحبزادی حضرت میمونہ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر اپنی قوم کو اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا، جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا، اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ زکوٰۃ کی جو رقم میرے پاس جمع ہو جائے اس کے سپرد کر دوں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہ بن معیط کو محصل زکوٰۃ بنا کر بھیج دیا تھا، مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال ہوا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے قتل کر ڈالیں، اس خوف سے وہ راستہ ہی سے واپس آگئے اور آپ ﷺ کو یوں ہی رپورٹ دیدی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، جس پر آپ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا، اور خالد بن ولید رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مجاہدین کا ایک دستہ دیکر قبیلہ بنی مصطلق کی جانب روانہ فرمادیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روانگی کی تیاری فرمائی، بہر حال یہ پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی، اور ولید رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تو وہاں گئے بھی نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف ملخص)

عدالت صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے متعلق ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

اس آیت کا ولید بن عقبہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو ”فاسق“ کہا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے اور یہ اس مسلمہ اور متفقہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ الصَّحَابَةُ لَهُمْ عَدُول یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں، ان کی شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی، علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا کہ اس معاملہ میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں، کہ صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی زد ہو سکتا ہے جو فسق ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں، یعنی شرعی سزا جاری کی جائے گی، اور اگر کذب ثابت ہو تو ان کی شہادت رد کر دی جائے گی لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نصوص قرآن کی بناء پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو سرزد ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو، قرآن کریم نے علی الاطلاق ان بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمایا ہے ”رَضِيَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ“ اور رضاء الہی گناہوں کی معافی کے ہیں ہو سکتی، جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا کہ رضاء، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف اسی کے لئے کرتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجباتِ رضاء پر ہوگی۔ (کذا فی الصارم المسلول لابن تیمیہ، معارف)

کسی صحابی کو فاسق کہنا درست نہیں ہے:

گو آیت کا شان نزول حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہی سہی مگر لفظ فاسق ان کے لئے استعمال کیا گیا ہو یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے، اور اس واقعہ میں بھی جو انہوں نے بنی مصطلق کے لوگوں کی طرف ایک غلط بات منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا صاف اور بے غبار مطلب یہ بن سکتا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہو گئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول معلوم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرمایا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرائن کی بناء پر شبہ ہو جانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔

(معارف)

اس آیت کے شان نزول میں ”فاسق“ کس کو کہا گیا:

زیادہ تر روایات سے تو صراحت کے ساتھ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ مراد ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں یہ پورا قصہ تو اسی طرح بیان ہوا ہے مگر اس میں ولید بن عقبہ کے نام کی صراحت نہیں ہے، بعض حضرات نے مثلاً مولانا ابوالکلام نے یہ توجیہ کی ہے کہ آیت میں فاسق ولید بن عقبہ کو نہیں کہا بلکہ اس شخص کو کہا گیا جس نے حضرت ولید بن عقبہ کو یہ خبر دی کہ بنو مصطلق مرتد اور زکوٰۃ کے منکر ہو گئے ہیں، اور تمہارے قتل کے درپے ہیں، حضرت ولید بن عقبہ اسی شخص کی خبر پر اعتماد کر کے واپس چلے گئے، اور اسی کے مطابق آپ ﷺ کو رپورٹ دیدی، مگر اس توجیہ کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہو سکی۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ (الآية) اس سے پہلی آیت میں حضرت ولید بن عقبہ اور بنو مصطلق کا واقعہ مذکور تھا، جس میں ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خبر دیدی تھی کہ بنی مصطلق مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیا، اس پر صحابہ کرام میں بھی اشتعال پیدا ہوا، ان کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں پر جہاد کے لئے مجاہدین کو بھیج دیا جائے، مگر آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کی خبر کو قرائن قویہ کی وجہ سے خلاف واقعہ سمجھ کر قبول نہ کیا اور تحقیقات کیلئے حضرت خالد بن ولید کو مامور فرمایا، سابقہ آیت میں قرآن کریم نے اس کو قانون بنادیا کہ جس کی خبر میں قرائن قویہ سے کوئی شبہ ہو جائے تو قبل تحقیق اس پر عمل کرنا جائز نہیں، اس آیت میں صحابہ کرام کو ایک اور ہدایت دی گئی ہے کہ اگرچہ بنی مصطلق کے متعلق ارتداد کی خبر سن کر تمہارا جوش غیرت ایمانی کے سبب سے تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار فرمائی وہی بہتر تھی۔ (مظہری)

اس نازک موقع پر ایک بے بنیاد خبر اعتماد کر لینے کی وجہ سے ایک عظیم غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر جس پر کوئی بڑا نتیجہ مرتب ہوتا ہو تمہیں ملے تو اسے قبول کر۔ پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے، اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو یعنی اس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے تو اس کی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی کی وجہ سے کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہو جائے، اور بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

شان نزول:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الآیۃ) کے سبب نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ سب ہی واقعات کا مجموعہ سبب نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا ہو اور دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پا کر ان کو بھی سبب نزول میں شریک کر دیا گیا، اس آیت کے اصل مخاطب تو وہ اولوالا امر اور ملوک ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہوں۔ (روح المعانی، معارف) اور بالواسطہ تمام مسلمان مخاطب ہیں کہ اولوالا امر کی اعانت کریں، اور جہاں کوئی امام و امیر بادشاہ نہ ہو، وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور اگر دونوں نہ مانیں تو دونوں سے الگ رہے نہ کسی کی مخالفت کرے اور نہ موافقت۔

(بیان القرآن)

مسائل متعلقہ:

مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہیں:

- ① اول یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہوں ② دوسرے دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت نہ ہوں ③ تیسری صورت ایک جماعت امام المسلمین کے تحت ولایت ہو اور دوسری نہ ہو۔
- پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں، اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے، اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آگئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سامعہ کیا جائے گا، اور اگر ایک باز آ گیا اور دوسرا ظلم و تعدی پر جمار ہا تو دوسرا فریق باغی ہے اس کے ساتھ باغیوں کا سامعہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا (اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے) مشاجرات صحابہ اور مسلمانوں کے باہمی تصادم کی مزید تفصیل کے لئے بیان القرآن اور معارف القرآن کی طرف رجوع کریں اظناب کے خوف سے ترک کر دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا مِنَ الْآيَةِ نَزَلَتْ فِي وَفْدِ تَمِيمٍ حِينَ سَخِرُوا مِنْ فَقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ كَعَمَّارٍ وَصُهَيْبٍ

وَالسُّخْرِيَّةُ الْأَذْدَرَاءُ وَالْإِخْتِقَارُ قَوْمٌ أَيْ رَجَالٌ مِنْكُمْ مِّنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَا نِسَاءً مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ لَا تَعِيبُوا فُتَعَابُوا أَيْ لَا يَعْيبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ لَا يَدْعُو بَعْضُكُمْ بَعْضًا بِقَبْلِ يَكْرَهُهُ وَمِنْهُ يَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ بِشِ الْأَسْمِ أَيْ الْمَذْكُورُ مِنَ السُّخْرِيَّةِ وَاللَّمَزِ وَالتَّنَابُزِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ بَدَلٌ مِنَ الْأَسْمِ لِإِفَادَةِ أَنَّهُ فُسِقَ لِتَكَرُّرِهِ عَادَةً وَمَنْ لَمْ يَتَّبِعْ مِنْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ أَيْ مُؤْتَمٌ وَهُوَ كَثِيرٌ كَظَنِّ السُّوءِ بِأَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَهُمْ كَثِيرٌ بِخِلَافِهِ بِالْفُسَاقِ مِنْهُمْ فَلَا إِثْمَ فِيهِ فِي نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ وَلَا تَجَسَّسُوا حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّائِنِ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَمَعَانِيَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا يَذْكُرُهُ بِشَىءٍ يَكْرَهُهُ وَإِنْ كَانَ فِيهِ لِيُحِبُّ أَحَدَكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ لَا يَحْسُ بِهِ لَا فِكْرَهُتُمُوهُ أَيْ فَاغْتِيَابُهُ فِي حَيَاتِهِ كَأَكْلِ لَحْمِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ وَقَدْ غَرَضَ عَلَيْكُمْ الثَّانِي فِكْرَهُتُمُوهُ فَافْكُرْهُوا الْأَوَّلَ وَاتَّقُوا اللَّهَ أَيْ عِقَابَهُ فِي الْإِغْتِيَابِ بَانَ تَتُوبُوا مِنْهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ قَابِلٌ تَوْبَةَ التَّائِبِينَ رَحِيمٌ ۝ بِهِمْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ أَدَمَ وَحَوَاءَ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا جَمْعُ شَعْبٍ بَفَتْحِ الشَّيْنِ وَهُوَ أَعْلَى طَبَقَاتِ النَّسَبِ وَقَبَائِلُ هِيَ دُونَ الشُّعُوبِ وَبَعْدَهَا الْعَمَائِرُ ثُمَّ الْبُطُونُ ثُمَّ الْإِفْخَاذُ ثُمَّ الْفَصَائِلُ أَخْرَجَهَا بِثَالِثِ خَزِيمَةِ شَعْبٍ كِنَانَةُ قَبِيلَةٍ قُرَيْشٍ عِمَارَةٌ بِكُسْرِ الْعَيْنِ قُصِيَّ بَطْنٍ هَاشِمٍ فَخَذٌ الْعَبَّاسُ فَصِيلَةٌ لِّتَعَارَفُوا حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّائِنِ أَيْ لِيَعْرِفَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا لِيُفَاخِرُوا بِعُلُوِّ النَّسَبِ وَإِنَّمَا الْفَخْرُ بِالتَّقْوَىٰ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِكُمْ خَيْرٌ ۝ بِبَوَاطِنِكُمْ قَالَتِ الْأَعْرَابُ نَفَرًا مِنْ بَنِي إِسْرَافِيلَ صَدَقْنَا بِقُلُوبِنَا قُلْ لَهُمْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا أَيْ أَتَقَدَّنَا ظَاهِرًا وَلَكَّمَا أَيْ لَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ إِلَى الْآنَ لَكِنَّهُ يُتَوَقَّعُ مِنْكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ بِالْإِيمَانِ وَغَيْرِهِ لَا يَلَيْتُكُمْ بِالْهَمَزِ وَتَرْكِهِ وَبِإِبْدَالِهِ الْفَا لَا يَنْقُضُكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ أَيْ مِنْ ثَوَابِهَا شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ لِلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمٌ ۝ بِهِمْ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ أَيْ الصَّادِقُونَ فِي إِيْمَانِهِمْ كَمَا صُرِّحَ بِهِ بَعْدَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا لَمْ يَشْكُوا فِي الْإِيمَانِ وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِجِهَادِهِمْ يَظْهَرُ صِدْقُ إِيْمَانِهِمْ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ فِي إِيْمَانِهِمْ لَا مَنْ قَالُوا آمَنَّا وَلَمْ يُوْجَدْ مِنْهُمْ غَيْرُ الْإِسْلَامِ قُلْ لَهُمْ اتَّعَلَّمُوا اللَّهَ بِدِينِكُمْ مُضَعَّفٌ عَلِيمٌ بِمَعْنَى شَعْرَايَ أَتَشْعُرُونَهُ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ فِي قَوْلِكُمْ آمَنَّا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ مِمَّنْ أَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ مِنْهُمْ قُلْ لَا تَمْنُوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ مَنصُوبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَاءِ وَيُقَدَّرُ قَبْلُ أَنْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْتُمْ لِلْإِيمَانِ أَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِي قَوْلِكُمْ آمَنَّا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ مَا غَابَ فِيهِمَا وَاللَّهُ بِصِيرٍ يَمَا تَعْمَلُونَ ۝ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ.

تَرْجُمَہ:

اے ایمان والو! نہ تو مرد مردوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ عند اللہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا ممکن ہے کہ وہ عورتیں ان عورتوں سے بہتر ہوں، یہ آیت وفد بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ انہوں نے فقراء مسلمین کا تمسخر کیا تھا، مثلاً عمار، صہیب کا، اور سحر یہ تحقیر و تذلیل کو کہتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ کہ تم عیب جوئی کرو تو تمہاری عیب جوئی کی جائے، یعنی کوئی کسی کی عیب جوئی نہ کرے اور نہ کسی کو برالقب دو، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے نہ پکارو جس کو وہ ناپسند کرے اور ان ہی (برے القاب) میں سے یا فاسق یا کافر ہے، (صفت) ایمان سے متصف ہونے کے بعد فسق مذکورہ کا نام کہ وہ تمسخر اور عیب جوئی اور برے لقب رکھنا ہیں لگنا برا ہے (الْفُسُوقُ) اسم سے بدل ہے، اس بات کا فائدہ دینے کی وجہ سے کہ (نام بگاڑنا) عادتاً بار بار ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ، پر اصرار کی وجہ سے (صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے) اور اس سے توبہ نہ کرنے والے ہی ظالم لوگ ہیں، اور اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں یعنی گنہگار کرنے والی ہیں، اور یہ کثیر ہے، جیسا کہ مومنین اہل خیر کے ساتھ بدگمانی، اور وہ (اہل خیر) کثیر ہیں بخلاف اس بدظنی کے، مومنین فساق میں تو اس بدگمانی میں گناہ نہیں ہے ان گناہوں کے بارے میں جن کو وہ کھلم کھلا کرتے ہیں اور کسی (کے عیب) نہ ٹٹولا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (تَجَسَّسُوا) سے ایک تاء حذف کر دی گئی ہے (یعنی) مسلمانوں کے عیوب اور رازوں کی جستجو میں نہ رہا کرو، اور نہ اس کا کوئی ایسی چیز سے تذکرہ کرے جس کو وہ ناپسند کرے اگرچہ وہ چیز اس کے اندر موجود ہو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ اس غیبت سے بے خبر بھائی کا گوشت کھائے (مَنْثَرًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے (یقیناً) نہیں پسند کرے گا لہذا تم اس بات کو (بھی) ناپسند کرو، اس لئے کہ اس کی زندگی میں اس کی غیبت کرنا اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے کے مانند ہے، اور تمہارے سامنے ثانی پیش کیا گیا تو تم نے اس کو ناپسند کیا، تو اول کو بھی ناپسند کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کے بارے میں اس کی سزا سے، اس طریقہ سے کہ اس سے توبہ کرو، بے شک اللہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ان پر مہربان ہے، یعنی توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے، اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا آدم و حواء سے اور ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے بنایا شُعُوبٌ شَعْبٌ کی جمع ہے شین کے فتح کے ساتھ، اور وہ (شَعْب) نسب کے طبقات میں سب سے اوپر ہے، اور قبیلہ یہ شعب سے نیچے ہے، اور اس سے نیچے عمار ہے، پھر بطون ہے اس سے نیچے افخاذ ہے اور ان سب سے آخر میں فصیلہ ہے، اس کی مثال خزیمہ شعب ہے، کناہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے عین کے کسرہ کے ساتھ اور قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے، تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، (نَعَارَفُوا) سے ایک تاء حذف کر دی گئی تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو نہ کہ عالی نسب پر فخر کرو اور فخر تو صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے اور تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خوب جاننے والا اور تمہارے طبقات نسب سے پوری طرح باخبر ہے، بنو اسد کے دیہاتیوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ہم ایمان لے آئے، یعنی ہم نے اپنے

قلوب سے تصدیق کر دی آپ ان سے فرمائیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو ہم اسلام لائے یعنی ظاہری طور پر تابع فرمان ہو گئے لیکن ابھی تک تمہارے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا، لیکن تم سے اس کی توقع رکھی جاسکتی ہے تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی ایمان وغیرہ میں فرمانبرداری کرنے لگو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے یعنی ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا (يَا لَيْتَكُمْ) ہمزہ اور ترک ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی تمہارے اجر کو کم نہ کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے، مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی اپنے ایمان میں سچے ہوں جیسا کہ بعد میں اس کی صراحت فرمائی پھر انہوں نے ایمان میں شک نہ کیا اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوتی ہے (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی لوگ سچے ہیں نہ کہ وہ جن کی طرف سے سوائے ظاہری اتباع کے کچھ نہ پایا گیا، آپ ان سے کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کو اپنی دینداری کی خبر دیتے ہو تَعْلَمُونَ عِلْمَ كَامُضَعْفٍ ہے بمعنی شَعَرَ یعنی کیا تم اس کو آگاہ کرتے ہو اس بات سے جس پر تم اپنے قول آمنا میں ہو اور اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں اور زمین میں ہے واقف ہے یہ لوگ بغیر قتال کے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ قتال کے بعد اسلام لائے آپ کہہ دیجئے اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو (اِسْلَامَكُمْ) نزع خافض باء کی وجہ سے منصوب ہے، اور دونوں جگہوں پر اَنْ سے پہلے باء مقدر ہے بلکہ (در حقیقت) اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت بخشی، بشرطیکہ تم اپنے قول آمنا میں سچے ہو، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزوں کو جانتا ہے یعنی زمین و آسمان میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے یا اور تاء کے ساتھ ان میں سے اس پر کوئی شے مخفی نہیں ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: لَا يَسْخَرُ مَضَارِعِ مَنْفَىٰ وَاحِدٌ كَرِغَابٍ (س) سَخَرُ غُثَّهَا كَرْنَا، مذاق کرنا۔
 قَوْلٌ: الْأَذْدِرَاءُ وَالْإِحْتِقَارُ یہ عطف تفسیری ہے، تحقیر و تذلیل کرنا۔
 قَوْلٌ: قَوْمٌ أَيْ رِجَالٌ، رِجَالٌ سے اشارہ کر دیا کہ قَوْمٌ اسم جمع ہے بمعنی رجال چونکہ قَوْمٌ، نِسَاءً کے مقابلہ میں واقع ہے اس لئے اس سے یہاں مرد مراد ہیں، اور لغت عرب میں بھی قَوْمٌ، رجال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
 قال الشاعر:

وَمَا أَدْرِى وَلَسْتُ أَخَالُ أَدْرِى أَقَوْمٌ أَلْ حِصْنِ أَمْ نِسَاءُ

شاعر کی مراد ”قوم“ سے ”رجال“ ہیں، اور رجال کو قوم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ہیں، اب رہا مطلقاً

مردوں اور عورتوں کو قوم کہنا، جیسا کہ قوم فرعون اور قوم عاد وغیرہ، تو وہ بطور تبعیت ہے اصالۃً قوم رجال ہی کو کہا جاتا ہے۔

قَوْلٌ: عَسَىٰ اَنْ يَكُوْنَ جملہ مستانفہ ہے بیان علت کے لئے اور عَسَىٰ فاعل کی وجہ سے خبر سے مستغنی ہے۔

قَوْلٌ: اللَّمَزُ، لَمَزُ اشارہ کردن پچشم، آنکھ وغیرہ سے اشارہ کرنا۔

قَوْلٌ: لَا تَعِينُوا فَتَعَابُوا یہ لَا تَلْمِزُوا اَنْفُسَكُمْ کی توجیہ ہے یعنی اگر تم دوسروں کا عیب نکالو گے تو لوگ تمہارا عیب نکالیں گے، اس طرح گویا کہ تم خود اپنا عیب نکالو گے، یہ مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ کے قبیل سے ہے، یا جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا لَا تَسُبُّوا آباءَنا کم، اپنے والدین کو گالی مت دو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آباء کو کون گالی دے گا آپ نے فرمایا: اگر تم کسی کے آباء کو گالی دو گے تو وہ تمہارے آباء کو گالی دے گا، اس طرح گویا کہ تم اپنے آباء کو گالی دینے والے ہوئے۔

قَوْلٌ: اِی لَا یَعِیْبُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا یہ لَا تَلْمِزُوا اَنْفُسَكُمْ کی دوسری توجیہ ہے، مفسر علام اگر ائی کے بجائے اَوْ فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ (صاوی)

قَوْلٌ: لَا تَنَابَزُوا یہ تَنَابَزُ سے نبی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، تم کسی کی چڑ نہ نکالو، کسی کو برے لقب سے نہ پکارو، کسی کا نام نہ بگاڑو۔

قَوْلٌ: اِی الْمَذْکُور مِنَ السُّخْرِیَةِ وَاللَّمَزِ وَالتَّنَابُزِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤَالٌ: الْاِسْمُ پر الف لام عہد کا ہے جو جمع پر دلالت کرتا ہے اور مراد اسماء ثلثہ مذکورہ یعنی السُّخْرِیَةِ، اللَّمَزِ، التَّنَابُزِ ہیں لہذا مناسب تھا کہ الاسم مفرد لانے کے بجائے الاسماء جمع لاتے۔

جَوَابٌ: اسم یہاں ذکر مشہور کے معنی میں ہے جو کہ عرب کے قول طَارَ اسْمُهُ سے مشتق ہے، اسماء ثلثہ المذکور کے معنی میں ہے لہذا الاسم کا مفرد لانا صحیح ہے اور اسم سے مراد ذکر اور شہرت ہے نہ معروف اسم بمقابل حرف فعل اور نہ بمعنی علم اور یہ سَمُوْ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں۔

قَوْلٌ: بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوقُ بئس فعل ماضی، الْاِسْمُ اس کا فاعل الْفُسُوقُ، الاسم سے بدل ہے، مفسر علام نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اس صورت میں مخصوص بالذم محذوف ہوگا، اِی هُوَ۔ زیادہ واضح ترکیب یہ ہے کہ الْفُسُوقُ کو مخصوص بالذم قرار دیا جائے، مذکورہ جملے کی مشہور ترکیب یہ ہے کہ الْفُسُوقُ مبتداء ہے، اور بئس الْاِسْمُ خبر مقدم ہے۔

قَوْلٌ: لَا فَاَدَةَ اِنَّهُ فِیْسُقُ لِتَکْرُرِهِ عَادَةً یعنی سخر یہ وغیرہ جو مذکور ہوئے اگرچہ گناہ صغیرہ ہیں مگر جب صغیرہ پر اصرار ہو اور اس کا ارتکاب بار بار کیا جائے تو وہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے، اور عام طور پر عَادَةُ ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان ان القاب کو بار بار بار دہراتا ہے۔

قَوْلٌ: لَا یَحِشُّ بہ یہ مَیْتًا کی صفت ہے یعنی مردہ جو کہ محسوس نہیں کرتا، یعنی اگر اس کو کوئی کھائے تو اس کو احساس نہیں ہوتا، مفسر علام نے لَا یَحِشُّ بہ کا اضافہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ میت اور مختاب لہ (جس کی غیبت کی جائے) کے

درمیان وجہ شبہ عدم علم ہے جس شخص کی پس پشت غیبت کی جاتی ہے اس کو بھی غیبت کا علم نہیں ہوتا، اور مردہ کا گوشت کھانے سے بھی مردہ کو علم و احساس نہیں ہوتا گویا کہ عدم علم میں دونوں مشترک ہیں۔

قَوْلٌ: مُضَعَّفٌ عِلْمٌ یعنی تعلیم اعلیٰ کے معنی میں ہے جو کہ متعدی بد و مفعول ہے دوسرا مفعول دینکم ہے، جس کی طرف باء کے ذریعہ متعدی ہے۔

قَوْلٌ: اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فِي ادْعَائِكُمْ الْاِيْمَانَ شرط ہے، اس کا جواب محذوف ہے فَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ عَلَيْكُمْ۔
قَوْلٌ: فِي الْمَوْضِعَيْنِ یعنی ان سے پہلے باء مقدر ہے دو جگہوں میں ایک اَنْ اَسْلَمُوْا ہے اور دوسری اَنْ هَذَا كُمْ اِی بَانَ اَسْلَمُوْا و بَانَ هَذَا كُمْ۔

تَفْسِيْرٌ وَ تَشْرِیْحٌ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الآية) گذشتہ دو آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی لڑائی کے متعلق ضروری ہدایات دینے کے بعد اہل ایمان کو یہ احساس دلایا گیا تھا کہ دین کے مقدس ترین رشتہ کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اب آگے کی دو آیتوں میں ان بڑی بڑی برائیوں کے سد باب کا حکم دیا جا رہا ہے جو بالعموم ایک معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں، ایک دوسرے کی عزت پر حملہ ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس، درحقیقت یہی وہ اسباب ہیں جس سے آپس کی عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر ان سے بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں جو احکام آگے کی آیتوں میں دیئے گئے ہیں اور ان کی جو تشریحات احادیث میں ملتی ہیں ان کی بناء پر ایک مفصل قانون ہتک عزت مرتب کیا جاسکتا ہے، ایک شخص دوسرے شخص کا استہزاء اور تمسخر اسی وقت کرتا ہے جب وہ خود کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے نزدیک ایمان اور عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے اس لئے خود کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے اس آیت کے شان نزول میں متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

شان نزول:

لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الآية) صاحب معاملہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی، یہ اونچا سنتے تھے اسی لئے آپ ﷺ کے قریب بیٹھتے تھے تاکہ آپ کی بات سن سکیں، ایک روز ان کی فجر کی نماز کی ایک رکعت چھوٹ گئی اس کے بعد جب مجلس میں پہنچے تو صحابہ اپنی اپنی جگہ لے چکے تھے، ثابت بن قیس جب نماز پڑھ کر آئے تو کہنے لگے تفسحوا (جگہ دو) لوگوں نے ان کو جگہ دیدی تو یہ کودتے پھاندتے قریب پہنچ گئے، صرف ایک شخص اپنی جگہ سے نہ ہٹا پس وہی شخص حضور کے اور ثابت کے درمیان میں تھا، ثابت نے ٹھونکا لگا کر نام پوچھا، اس نے اپنا نام بتایا اور کہا مجھے

جہاں جگہ مل گئی وہاں بیٹھا ہوں، چونکہ اس شخص کو ایام جاہلیت میں کسی عورت کی نسبت عار دلائی جاتی تھی تو ثابت نے کہا تو فلائی کا بیٹا ہے اس نے شرم سے سر جھکا لیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، ضحاک نے کہا کہ بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ فقراء صحابہ پر ہتے تھے جیسے کہ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس نے فرمایا کہ امہات المؤمنین کے حق میں نازل ہوئی، ازواج مطہرات میں سے کسی نے حضرت ام سلمہ کو کوتاہ قامت (ٹھگنی) کہہ دیا تھا، اسی طرح کسی نے حضرت صفیہ کو یہودن کہہ دیا، اس آیت میں اس کی ممانعت آئی کہ تمہیں کیا معلوم کہ نفس الامر میں اور خاتمہ کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟ (خلاصۃ التفاسیر) یہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہو سکتے ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

پہلا واقعہ:

کہتے ہیں کہ یہ اخلاقی بیماری عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے عورتوں کا بطور خاص الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے ورنہ عام طور پر مردوں کے بارے میں حکم ذکر کر کے عورتوں کو ان کے تابع کر دیا جاتا ہے۔

مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کا اور عورتوں کے لئے مردوں کا مذاق اڑانا جائز ہے، دراصل جس وجہ سے دونوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سرے سے مخلوط سوسائٹی کا قائل نہیں ہے، ایک دوسرے کی تضحیک عموماً بے تکلف مجلسوں میں ہوا کرتی ہے، اسلام میں اس کی گنجائش رکھی ہی نہیں گئی کہ غیر محرم مرد عورتوں کی مجلس میں جمع ہو کر آپس میں ہنسی مذاق کریں، اس لئے اس بات کو ایک مسلم معاشرہ میں قابل تصور نہیں سمجھا گیا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ (الآیۃ) اللَّمَزُ، الْعَيْبُ، ابن جریر نے کہا ہے کہ لَمَزَ ہاتھ، آنکھ زبان اور اشارہ سے ہوتا ہے

اور ہمز صرف زبان ہی سے ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

لَا تَنَابَزُوا (تفاعل) یہ نَبَزٌ سے مشتق ہے، اور نَبَزٌ حرکت کے ساتھ بمعنی لقب (جمع) انباز، القاب لقب کی جمع ہے، اصلی نام کے علاوہ جو نام رکھ لیا جائے اس کو لقب کہتے ہیں یہاں برا لقب مراد ہے لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ ایسا ہی ہے جیسا کہ لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے آپ کو قتل نہ کرو مطلب یہ ہے کہ آپس میں نہ تو عیب جوئی کرو اور نہ قتل کرو اور نہ آپس میں طعنہ زنی کرو، لَمَزَ کے مفہوم میں طعن و تشنیع کے علاوہ متعدد دوسرے مفہوم بھی شامل ہیں، مثلاً چوٹیں کسنا، پھبتیاں کسنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا، کھلم کھلا زیر لب یا اشاروں سے کسی کو نشانہ ملامت بنانا، یہ سب افعال چونکہ آپس کے تعلقات کو بگاڑتے ہیں اور معاشرہ میں فساد برپا کرتے ہیں اس لئے ان کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے، تیسری چیز جس سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے وہ کسی کو بُرے لقب سے پکارنا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہو جیسے کسی کو لنگڑا، لولا، اندھا، گنجا وغیرہ کہہ کر پکارنا۔

حضرت ابو جبرہ انصاری نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے، آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی بعض اوقات وہی ناپسندیدہ نام لیکر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت میں تنازعہ باللقاب سے مراد ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا ہو اس کے بعد پھر اس کو اس کے اس برے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً اے چور، اے زانی، اے شرابی وغیرہ کہنا، جس نے ان افعال سے توبہ کر لی ہو، اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے کہ جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (فرطی)

بعض القاب کا استثناء:

بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں کہ فی نفسہ وہ برے ہیں، مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانے ہی نہیں جاتے تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا مقصد اس کی تحقیر اور تذلیل نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ، اعرج، یا احب، یا اعمش وغیرہ مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے القاب آئے ہیں مثلاً حمید الطویل، سلیمان اعمش، مروان اصفر وغیرہ تو کیا ان الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (فرطی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ (الآیۃ) اس آیت میں تین باتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، اول ظن، دوسرے تجسس، تیسرے غیبت، پہلی چیز یعنی ظن کے معنی گمان غالب کے ہیں، اس کے متعلق قرآن کریم نے اول تو یہ فرمایا کہ بہت گمانوں سے بچا کرو، پھر اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر گمان گناہ نہیں ہوتا۔

اس حکم کو سمجھنے کے لئے ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا چاہئے کہ گمان کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی اخلاقی حیثیت کیا ہے۔

گمان کی ایک قسم وہ ہے کہ جو اخلاق کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں مطلوب، محمود، مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا، اسی طرح اپنے میل جول رکھنے والوں اور متعلقین سے حسن ظن رکھنا، جب تک کہ بدگمانی کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

دوسری قسم کا گمان وہ ہے جس سے کام لینے کے سوا عملی زندگی میں کوئی چارہ نہیں ہے، مثلاً عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا کہ جو شہادتیں حاکم عدالت کے سامنے پیش ہوں ان کے مطابق جانچ کر وہ غالب گمان کی بناء پر فیصلہ کرے۔

گمان کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو اگرچہ بدگمانی ہے مگر گناہ نہیں ہے، مثلاً کسی شخص یا جماعت کی سیرت یا کردار میں اس کے معاملات اور طور و طریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں کہ جن کی بنیاد پر وہ حسن ظن کا مستحق نہ ہو اور اس سے بدگمانی کرنے کے لئے معقول وجوہ موجود ہوں ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ لامحالہ اس سے حسن ظن ہی رکھے لیکن اس بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچنے کے لئے بس احتیاط سے کام لے اس کے خلاف محض گمان کی بناء پر اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنا درست نہیں۔

امام ابو بکر بھٹو رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں:

① حرام ② مامور بہ اور واجب ③ مستحب اور مندوب ④ مباح اور جائز۔

ظن حرام:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دے گا یا مجھے مصیبت ہی میں مبتلا رکھے گا، اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحَسِّنُ الظَّنَّ تم میں سے کسی کو اس کے بغیر موت نہ آنی چاہئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي فِي مَوْتِهِ بِنْدَةٍ کے ساتھ ویسا ہی ہوں جیسا وہ مجھ سے گمان رکھے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن فرض اور بدگمانی حرام ہے، اسی طرح ایسے نیک مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک معلوم ہوتے ہیں ان کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا حرام ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ یعنی بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی جھوٹی بات ہے۔

ظن واجب:

اور جو کام ایسے ہیں کہ ان پر کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اس کے متعلق قرآن و سنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں، وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے، جیسے باہمی منازعات و مقدمات کے فیصلے میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا کیونکہ حاکم اور قاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب اور ضروری ہے،

اور اس معاملہ کے متعلق کوئی نص موجود نہیں، نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر اس کو عمل کرنا واجب ہے، اگرچہ اس بات کا امکان ہے کہ ثقہ گواہ نے اس وقت جھوٹ بولا ہو، اس لئے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے، اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور وہاں کوئی ایسا آدمی یا علامت موجود نہ ہو کہ جس سے قبلہ کا یقینی علم ہو سکے ایسے موقع پر ایسے ظن غالب پر عمل ضروری ہے، اسی طرح ضائع شدہ مال کا ضمان بھی ظن غالب پر ہوتا ہے یعنی غالب گمان سے اندازہ کر کے اس کی قیمت لگا کر ضمان دلویا جاتا ہے۔

ظن مباح:

یہ ہے کہ مثلاً کسی کو نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار؟ تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دیکر چوتھی پڑھ لے، تو یہ جائز ہے۔

ظن مستحب:

ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (حصاص، معارف)
وَلَا تَجَسَّسُوا الْخِ اس آیت میں تجسس سے منع کیا گیا ہے، تجسس کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانے کو کہتے ہیں اور اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک لَا تَجَسَّسُوا جیم کے ساتھ، اور دوسری لَا تَحَسَّسُوا حاء کے ساتھ، دونوں لفظوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، انخفش نے کہا ہے کہ جس چیز کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اس کی تلاش و جستجو کو تجسس کہتے ہیں اور تجسس بالحاء مطلقاً تلاش و جستجو کو کہتے ہیں۔

بیان القرآن میں حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا خود کو سوتا ظاہر کر کے کسی کی باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو تو اپنی یاد دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں، ایک مومن کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اس کی کھود کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کونسی کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں، لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا لوگوں کی خفیہ باتیں کان لگا کر سننا غرضیکہ کسی بھی طریقہ سے ذاتی معاملات کو ٹٹولنا ایک بڑی بداخلاقی کی بات ہے جس سے طرح طرح کے فسادات رونما ہوتے ہیں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں تجسس کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ.

اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اتر رہا ہے، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا، اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑے گا۔

شان نزول:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ دن دیکھنا نہ پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا لے کوئے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے، ابوسفیان نے کہا کہ میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا مالک اس کو خبر کر دے گا، چنانچہ جبرائیل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے اقرار کر لیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے واضح کر دیا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی ہو اور بلال آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سے افضل ہیں۔

(مظہری، معارف)

قَالَ الْأَعْرَابُ أَمَّا سَابِقَةُ آيَاتٍ فِيهِ بَيَّنَّا مَا كُنَّا نَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

شان نزول:

امام بغوی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے اس آیت کے نزول کا سبب ایک روایت کے مطابق بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں قحط شدید کے زمانہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے تو مومن تھے نہیں محض صدقات لینے کے لئے اپنے ایمان کا اظہار کیا اور چونکہ وہ اسلام کے آداب و احکام سے بھی واقف نہیں تھے، انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستوں میں غلاظت و نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کے نرخ بڑھا دیئے، اور حضور ﷺ کے سامنے ایک تو جھوٹا ایمان لانے کا دعویٰ اور دوسرے آپ کو دھوکا دینا چاہا، تیسرے آپ پر احسان جتلا یا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ سے برسرِ پیکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں، پھر مسلمان ہوئے اور ہم بغیر کسی جنگ کے آپ کے پاس

آکر مسلمان ہو گئے اس لئے ہماری قدر کرنی چاہئے، یقیناً یہ باتیں شان رسالت میں ایک طرح کی گستاخی بھی تھیں کہ اپنے مسلمان ہو جانے کا احسان آپ پر جتلا یا اور مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں، اور اگر یہ واقعی اور سچے مسلمان ہی ہو جاتے تو رسول اللہ ﷺ پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب اور احسان جتلانے پر مذمت کی گئی ہے۔ (معارف)

قُلْ لَّمْ تُوْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا صرف ظاہری افعال کی وجہ سے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہے تھے، اس لئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی کر کے یہ فرمایا کہ تمہارا آسمنا کہنا تو جھوٹ ہے، تم زیادہ سے زیادہ اسلمنا کہہ سکتے ہو کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے اس لئے ظاہری طور پر ایک درجہ اطاعت ہو گئی تھی جس کی وجہ سے لغوی معنی کے اعتبار سے اسلمنا کہنا صحیح ہو سکتا تھا۔

اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟

اوپر کی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں، اس لئے اس آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں کیا جاسکتا اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کو کہتے ہیں یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا اور اسلام نام ہے ظاہری افعال میں اللہ اور اس کے رسول کی ظاہری اطاعت کا، لیکن شریعت میں اس وقت تک تصدیق قلبی معتبر نہیں، جب تک کہ اس کا اثر جوارج کے اعمال و افعال تک نہ پہنچ جائے، جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے، اسی طرح اسلام اگرچہ ظاہری اعمال کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے ورنہ وہ نفاق ہے، مطلب یہ کہ ظاہری معنی کے اعتبار سے گو اسلام اور ایمان میں فرق ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر عند الشرع معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں۔

سُورَةُ قَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اَرْبَعُونَ اَيَةً وَثَلَاثُ مِائَةٍ

سُورَةُ قَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ، الْاَيَةَ،

فَمَدَنِيَّةٌ خَمْسُ وَاَرْبَعُونَ اَيَةً.

سورة ق مکی ہے مگر وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ (الایہ)،

مدنی ہے پینتالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ قُلْ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ ۝ وَالْقُرْآنُ الْمَجِیْدُ ۝ الْكَرِیْمُ مَا اَمَّنْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلْ عَجَبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ رَّسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ فَقَالَ الْكُفْرُوْنَ هَذَا الْاِنْذَارُ شَيْءٌ عَجِیْبٌ ۝ اِذَا بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ وَاَدْخَالِ الْاِفِّ بَيْنَهُمَا عَلَی الْوُجْهِیْنَ مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۝ نَرْجِعُ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ۝ فِی غَایَةِ الْبُعْدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ تَاْكُلُ مِنْهُمْ وَعِندَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۝ هُوَ الْلَوْحُ الْمَحْفُوْظُ فِیْهِ جَمِیْعُ الْاَشْیَاءِ الْمُقَدَّرَةِ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بِالْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِیْ شَاْنِ النَّبِیِّ وَالْقُرْآنِ ۝ فِیْ اَمْرِ مَرْجٍ ۝ مُّضْطَرِبٍ قَالُوْا مَرَّةً سَاجِرٌ وَسِحْرٌ وَمَرَّةً شَاعِرٌ وَشِعْرٌ وَمَرَّةً كَاهِنٌ وَكَهَانَةٌ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا بِغُیُوْنِهِمْ مُّغْتَبِرِیْنَ بِعُقُوْلِهِمْ حِیْنَ اَنْكَرُوْا الْبَعْثَ اِلَى السَّمَاءِ كَاِثْنَةً فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَیْنَاهَا بِاِلَاحٍ ۝ وَزَیْنًا بِالْكَوَاكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ شُقُوْقٍ تَعِیْبُهَا وَالْاَرْضُ مَعْطُوْفٌ عَلَی مَوْضِعِ اِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ مَدَدْنَاهَا ذَحُوْنَاَهَا عَلَی وَجْهِ الْمَآءِ ۝ وَالْقِیْنَا فِیْهَا رَاسِیَ جِبَالًا تَشْتَبُهَا وَابْتَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ صِنْفٍ ۝ یُبْهَجُ بِهِ لِحُسْنِهِ تَبْصُرَةٌ مَّفْعُوْلٌ لِّهٖ اِیْ فَعَلْنَا ذٰلِكَ تَبْصِرًا مِّنَا وَذِكْرًا تَذَكُّرًا ۝ لِّكُلِّ عِبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ رَّجَّاعٌ عَلَی طَاعَتِنَا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً مُّبَارَكًا ۝ كَثِیْرَ الْبَرَكَۃِ ۝ فَابْتَتْنَا بِهٖ جَنَّتٍ بَسَاتِیْنِ وَحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِیْدِ ۝ الْمَحْضُوْدِ ۝ وَالنَّخْلَ اِسْقَیْطٍ طَوَّالًا حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ ۝ لَهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۝ مُّتْرَاكِبٌ بَعْضُهُ فَوْقَ

بَعْضِ رِزْقِ الْعِبَادِ مَفْعُولٌ لَهُ وَأَحْيَيْنَاهُ بِلَدَّةٍ مَيِّتًا يَسْتَوِي فِيهِ الْمَذْكُورُ وَالْمُؤْنَتُ كَذَلِكَ أَيْ بِمِثْلِ هَذَا
 الْإِحْيَاءِ الْخُرُوجُ ⑩ مِنَ الْقُبُورِ فَكَيْفَ تُنَكِّرُونَهُ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ نَظَرُوا وَعَلِمُوا مَا ذُكِرَ
 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تَانِيثُ الْفِعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ هِيَ بَشَرٌ كَانُوا مُقِيمِينَ عَلَيْهَا بِمَوَاشِيهِمْ
 يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ وَنَبِيُّهُمْ قِيلَ حَنْظَلَةُ بْنُ صَفْوَانَ وَقِيلَ غَيْرُهُ وَثَمُودُ ⑪ قَوْمٌ صَالِحٌ وَعَادٌ قَوْمٌ هُودٍ
 وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ⑫ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أَيْ الْغَيْضَةِ قَوْمٌ شُعَيْبٌ وَقَوْمُ ثَبَجٍ هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ أَسْلَمَ
 وَدَعَا قَوْمَهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَكَذَّبُوهُ كُلٌّ مِنَ الْمَذْكُورِينَ كَذَّبَ الرُّسُلَ كَقُرَيْشٍ فَحَقَّ وَعِيدُ ⑬ وَجَبَ نُزُولُ
 الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيعِ فَلَا يَضِيقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفْرِ قُرَيْشٍ بِكَ أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ أَيْ لَمْ نَعْنِ بِهِ فَلَا نَعْنِي
 بِالْإِعَادَةِ بَلْ هُمْ فِي كَيْسٍ شَكٍّ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑭ وَهُوَ الْبَعْثُ.

ترجمہ: قَ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، قسم قرآن کریم کی کہ کفار مکہ، محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے،
 بلکہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا یعنی انہی میں سے ایک رسول جو ان کے زندہ ہونے کے
 بعد نار (جہنم) سے ڈراتا ہے آگیا سو کافر کہنے لگے یہ ڈراوا عجیب بات ہے، کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے؟ ہم کو لوٹایا جائے
 گا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کر کے، یہ واپسی انتہائی درجہ
 بعید (بات) ہے، زمین ان میں سے جو کچھ کھا جاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس محفوظ کرنے والی کتاب ہے اور وہ
 لوح محفوظ ہے جس میں تمام اشیاء مقدرہ موجود ہیں بلکہ انہوں نے حق یعنی قرآن کو جب کہ وہ ان کے پاس آیا جھوٹ کہا پس وہ
 ایک الجھن میں پڑ گئے یعنی مضطرب کرنے والی حالت میں، کبھی تو انہوں نے ساحر و سحر کہا اور کبھی شاعر و شعر کہا اور کبھی کاہن اور
 کہانت کہا، کیا انہوں نے اپنی عقلوں کی چشمِ عبرت سے آسمانوں کو نہیں دیکھا، جب انہوں نے بعث (بعد الموت) کا انکار
 کیا، حال یہ کہ وہ ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو بغیر ستونوں کے کس طرح بنایا، اور ہم نے ان کو ستاروں سے زینت بخشی، اور
 ان میں کوئی رخنہ عیب دار کرنے والا اشکاف نہیں ہے، اور کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا اَلِی السَّمَاءِ کے محل پر عطف
 ہے کہ ہم نے اس کو پانی کی سطح پر کس طرح پھیلا یا، اور ہم نے اس پر پہاڑ جمائے جو اس کو تھامے ہوئے ہیں اور ہم نے اس میں
 ہر قسم کی خوشمناباتات اگائی کہ اس کی خوشمنائی سے مسرت حاصل کی جاتی ہے آنکھیں کھولنے کیلئے اور نصیحت حاصل کرنے کے
 لئے مفعول لہ ہے یعنی ہم نے یہ صنعت آنکھیں کھولنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے کی، ہر اس بندے کے لئے جو ہماری
 اطاعت کی جانب رجوع کرنے والا ہے، اور ہم نے آسمان سے مبارک یعنی کثیر البرکت پانی برسایا پھر اس سے باغ اگائے اور
 کاٹے جانے والی کھیتی کا غلہ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت (بَسِطَتْ) حال مقدرہ ہے جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں یعنی جوتہ بہ
 تہ آپس میں جھے ہوئے ہیں بندوں کو روزی دینے کے لئے یہ مفعول لہ ہے اور ہم نے پانی سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا (مَيِّتًا) میں

مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں، اسی طرح یعنی اسی زندہ کرنے کے مانند قبروں سے نکلنا ہوگا، پھر تم اس کا کیونکر انکار کرتے ہو اور (اَفَلَمْ يَنْظُرُوا) میں استفہام تقریری ہے، اور معنی یہ ہیں کہ انہوں نے مذکورہ چیزوں کو یقیناً دیکھا اور سمجھا، اور ان سے پہلے قوم نوح نے فعل کی تانیث قوم کے معنی کی وجہ سے ہے اور رس والوں نے یہ ایک کنواں تھا جہاں یہ اپنے چوپایوں کے ساتھ بود و باش رکھتے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے کہا گیا ہے کہ ان کے نبی حظلہ بن صفوان تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے علاوہ تھے، اور صالح کی قوم ثمود نے اور ہود کی قوم عاد نے اور فرعون نے اور لوط کے بھائی بندوں نے اور ایکہ والوں نے یعنی شعیب کی قوم جھاڑی والوں نے، اور تبع کی قوم نے وہ یمن کا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تھی، مگر قوم نے اس کو جھٹلادیا مذکورہ تمام قوموں نے قریش کے مانند رسولوں کی تکذیب کی تو سب پر عذاب متحقق ہو گیا، یعنی سب پر عذاب کا نزول متحقق ہو گیا لہذا قریش کے آپ کے انکار سے آپ کا دل تنگ نہ ہونا چاہئے، کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ یعنی ہم اس سے نہیں تھکے لہذا دوبارہ پیدا کرنے سے بھی نہ تھکیں گے، بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کے بارے میں شک میں ہیں اور (نئی پیدائش) بعث ہے۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ : قَ، جمہور کے نزدیک قاف سکون کے ساتھ ہے اور شاذ قراءۃ میں کسرہ، فتح اور ضمہ پڑنی بھی پڑھا گیا ہے۔

(صاوی)

قَوْلُهُ : مَا آمَنَ كُفَّارٌ مَّكَهَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شارح علیہ الرحمہ نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یہ قسم کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُهُ : بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمُ الْخَبْرُ جواب قسم سے یہ اعراض مشرکین مکہ کے احوال شنیعہ کو بیان کرنے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ انہی میں کے ایک شخص کا رسول بن کر آ جانا ان کے لئے تعجب خیز اور اچنبھے کی بات تھی۔

قَوْلُهُ : نُرْجِعُ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِتْنَا کا عامل محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اُنُرْجِعُ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا اس حذف پر لفظ رَجَعُ دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُهُ : غَايَةُ الْبُعْدِ یعنی عقل و امکان سے بہت دور ہے کہ گلے سڑنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہو جائے۔

قَوْلُهُ : مَسْرِيحٌ صفت مشہہ ہے، مادہ مَرَجُ ابھی ہوئی بات، غیر یقینی کی کیفیت، متزلزل حالت، یعنی یہ مشرکین مکہ قرآن اور رسول کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں انہیں خود کسی ایک بات پر قرار نہیں ہے، کبھی آپ کو ساحر اور قرآن کو سحر اور آپ ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر اور کبھی آپ ﷺ کو کاہن اور قرآن کو کہانت کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: اَفَلَمْ يَنْظُرُوا هَمزہ، محذوف پر داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعْمُوا فَلَمْ يَنْظُرُوا اِلَى السَّمَاءِ۔

قَوْلٌ: كَانَتْ شَارِحٌ علام نے کائنات محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ فَوْقَهُمْ، السَّمَاءُ سے حال ہے۔

قَوْلٌ: اِلَى السَّمَاءِ، يَنْظُرُوا کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قَوْلٌ: كَيْفَ بَنَيْنَاهَا، كَيْفَ مفعول مقدم ہے، اور جملہ بَنَيْنَاهَا، سَمَاءُ سے بدل ہے۔

قَوْلٌ: وَالْاَرْضَ كَالِى السَّمَاءِ کے محل پر عطف ہے، اور وَالْاَرْضَ فعل محذوف مَذْنَا کی وجہ سے بھی منصوب

ہو سکتا ہے جس کی تفسیر مابعد کا فعل کر رہا ہے، اِی مَدَدْنَا الْاَرْضَ مَذْنَاهَا اس صورت میں مَا اُضْمِرَ عاملہ علیٰ

شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہوگا۔

قَوْلٌ: الزَّرْعُ مفسر علام نے الزرع کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ الْحَصِيدُ صفت ہے الزرع موصوف کو حذف کر کے

صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا ہے اور حَصِيدُ بمعنی محصود ہے یعنی وہ کھیتی جس کی شان کٹنا ہو جیسے گندم، جو وغیرہ۔

قَوْلٌ: وَالنَّخْلَ بِسِقَتٍ، بِاسِقَاتٍ، النخل سے حال مقدر ہے اِی قَدَّرَ اللّٰهُ لَهَا الْبُسُوقَ اس لئے کہ حال اور ذوالحال

کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ نَخْلُ اِنْبَات (اگنے) کے وقت بِاسِقَاتٍ (طویل) نہیں ہوتے بعد میں طویل ہوتے ہیں۔

سُؤَالٌ: نَخْلٌ ذوالحال مفرد ہے اور بِاسِقَاتٍ حال جمع ہے، حالانکہ حال اور ذوالحال میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جَوَابٌ: نَخْلٌ منافع کثیرہ اور نہایت دراز ہونے کی وجہ سے قائم مقام جمع کے ہے۔

قَوْلٌ: لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ یہ اگر نخل سے حال ہو تو حال مترادف ہے اور اگر بِاسِقَاتٍ کی ضمیر سے حال ہو تو حال متداخلہ ہے۔

قَوْلٌ: نَضِيدٌ صفت مشبہ بمعنی منصوب اسم مفعول گتھا ہوا تہ بہ تہ جما ہوا۔

قَوْلٌ: يَسْتَوِي فِيهِ الْمَذْكُورُ وَالْمَوْثُ اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مَيْثًا، بَلْدَةً

کی صفت ہے بلدہ مؤنث ہے اور مَيْثًا صفت مذکر ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جَوَابٌ: مَيْثًا میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں لہذا مَيْثًا کا صفت واقع ہونا درست ہے، مگر اس جواب میں نظر ہے اس

لئے کہ فَعِيلٌ کا وزن مذکر و مؤنث میں برابر ہوتا ہے اور مَيْثًا، فَعِيلٌ کے وزن پر نہیں ہے، اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ بَلْدَةً

مکان کے معنی میں ہے۔

قَوْلٌ: اَلْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ، صحیح یہ تھا کہ مفسر علام الا استفهام للانکار والتوبيخ فرماتے۔

قَوْلٌ: وَالْمَعْنَى اَنَّهُمْ نَظَرُوا وَعَلِمُوا شارح کی یہ عبارت زائد اور بے محل ہے، اس لئے کہ اگر وہ دیکھتے اور سمجھتے تو ایمان

لے آتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ (حاشیہ جلالین و صاوی)

قَوْلٌ: لِمَعْنَى قَوْمِ اِنِّیْ بِمَعْنَى اُمَّةٍ۔

قَوْلٌ: اصْحَابُ الرَّسِّ، رَسٌّ کنواں، امام بخاری نے رَسٌّ کے معنی معدن کے کئے ہیں اس کی جمع رساس بتائی ہے۔

قَوْلٌ: عَيْنِنَا (س) عَنِیْ عَنِیْ عَنِیْ سے ہم تھک گئے، عاجز ہو گئے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

سورہ ق کی خصوصیات:

سورہ ق میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مردوں کو زندہ کرنے اور حساب و کتاب سے متعلق ہیں، اور سورہ حجرات کے آخر میں بھی ان ہی مضامین کا ذکر تھا، اس سے دونوں سورتوں کے درمیان مناسبت بھی معلوم ہوگئی۔

سورہ ق کی اہمیت:

سورہ ق کی ایک خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ آپ اس سورت کو نماز جمعہ کے خطبہ و عیدین میں اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے، ام ہشام بنت حارثہ کہتی ہیں کہ میرا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان کے بہت قریب تھا، دو سال تک ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور بھی ایک ہی تھا، فرماتی ہیں کہ مجھے سورہ ق یاد ہی اس طرح ہوئی کہ میں جمعہ کے خطبوں میں اکثر آپ کی زبان مبارک سے اس سورت کو سنا کرتی تھی، حضرت جابر سے منقول ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں بکثرت سورہ ق تلاوت فرماتے تھے۔

کیا آسمان نظر آتا ہے؟

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو نظر آتا ہے، یہ ہوا کا رنگ ہے، مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو، اس کے علاوہ آیت میں نظر سے مراد نظر عقلی یعنی غور و فکر کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت پر مشرکین مکہ کو تعجب:

قرآن کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے، اسے تو بیان نہیں کیا گیا اس کے ذکر کرنے کے بجائے بیچ میں ایک لطیف خلا چھوڑ کر آگے کی بات، ”بَل“ سے شروع کر دی گئی ہے، آدمی ذرا غور کرے اور اس پس منظر کو بھی نگاہ میں رکھے جس میں یہ بات فرمائی گئی ہے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ قسم اور بل کے درمیان جو خلا چھوڑ دیا گیا ہے اس کا مضمون کیا ہے؟ جس بات کی قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل مکہ نے محمد ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کسی معقول بنیاد پر نہیں کیا ہے بلکہ اس سراسر غیر معقول بنیاد پر کیا ہے کہ ان کی اپنی ہی جنس کا ایک بشر اور ان کی اپنی ہی قوم کے ایک فرد کا خدا کی طرف سے قاصد اور پیغمبر بن کے آ جانا ان کے نزدیک سخت قابل تعجب بات تھی، اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں قرآن کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ان کی رسالت پر کفار کا تعجب بے جا ہے۔

دوسرا تعجب:

ان کی عقل میں یہ بات نہیں سماتی تھی کہ انسان کے مرنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد جب کہ اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے وہ کس طرح پھر سے جمع ہو جائیں گے، یہ تو ان کی اپنی عقل کی تنگی کی بات تھی اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بھی تنگ ہو جائے ان کے استعجاب کی دلیل یہ تھی کہ ابتداء آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بے شمار انسانوں کے جسم کے اجزاء جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے، ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر جزء جس شکل میں جہاں بھی ہے اللہ براہ راست اس کو جانتا ہے، اور مزید برآں اس کا پورا رکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے، جس وقت اللہ کا حکم ہوگا اسی وقت آنا فانا اس کے فرشتے اس رکارڈ سے رجوع کر کے ایک ایک ذرہ کو نکال لائیں گے اور تمام انسانوں کے وہی جسم پھر بنادیں گے جن میں رہ کر انہوں نے دنیا کی زندگی میں کام کیا تھا۔

یہ آیت بھی منجملہ ان آیات کے ہے جن میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ آخرت کی زندگی نہ صرف یہ کہ ایسی ہی جسمانی زندگی ہوگی جیسی اس دنیا میں ہے، بلکہ جسم بھی ہر شخص کا وہی ہوگا جو اس دنیا میں تھا، اگر حقیقت یہ نہ ہوتی تو کفار کی بات کے جواب میں یہ کہنا بالکل بے معنی تھا کہ زمین تمہارے جسم میں سے جو کچھ کھاتی ہے وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ذرہ ذرہ کارکارڈ موجود ہے، جو ذات ایسی علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد اور جمہور مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

(بحر محیط)

کفار مکہ تذبذب اور بے یقینی کا شکار تھے:

فی امسٍ مریجٍ، مریج کے معنی لغت میں مغلط کے ہیں جن میں مختلف چیزوں کا اختلاط والتباس ہو اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتج کا ترجمہ فاسد فرمایا ہے، اور ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ وقادہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ اور حسن بصری وغیرہ نے مرتج کا ترجمہ مغلط اور ملتبس سے کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ کفار و مشرکین و منکرین رسالت اپنے انکار میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جتے کبھی آپ کو جادوگر بتاتے ہیں تو کبھی شاعر اور کبھی کاہن و نجومی اور قرآن کے بارے میں بھی ان کا یہی حال ہے۔

آگے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جو آسمان اور زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ یہاں آسمان سے مراد پورا عالم بالا ہے، جسے انسان اپنے اوپر چھایا ہوا دیکھتا ہے جس میں دن کو سورج چمکتا ہے اور رات کو چاند اور بے شمار تارے چمکتے نظر آتے ہیں،

جسے آدمی برہنہ آنکھ ہی سے دیکھے تو حیرت طاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر دور بین لگا لے تو ایک ایسی وسیع اور عریض کائنات اسکے سامنے آتی ہے جو ناپیدا کنار ہے، کہیں سے کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آتی، ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے سیارے اسکے اندر گنبدوں کی طرح گھوم رہے ہیں، ہمارے سورج سے ہزاروں گنا روشن تارے اس میں چمک رہے ہیں، ہمارا یہ پورا نظام شمسی اس کی صرف ایک کہکشاں کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے، تنہا اسی ایک کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے کم از کم ۳۰ ارب دوسرے تارے (ثوابت) موجود ہیں اور اب تک کا انسانی مشاہدہ ایسی ایسی دس لاکھ کہکشاؤں کا پتہ دے رہا ہے، ان لاکھوں کہکشاؤں میں سے ہماری قریب ترین ہمسایہ کہکشاں اتنے فاصلہ پر واقع ہے کہ اس کی روشنی ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چل کر دس لاکھ سال میں زمین پہنچتی ہے، یہ تو کائنات کے صرف اس حصے کی وسعت کا حال ہے جو اب تک انسان کے علم میں اور اس کے مشاہدہ میں آچکی ہے، خدا کی خدائی کس قدر وسیع ہے ہم اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے، اس عظیم کائنات ہست و بود کو جو خدا وجود میں لایا ہے اس کے بارے میں زمین پر رہنے والے یہ چھوٹا سا حیوان ناطق جس کا نام انسان ہے اگر یہ حکم لگائے کہ وہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا تو یہ اس کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے، کائنات کے خالق کی قدرت اس سے کیسے تنگ ہو جائے گی۔ (فلکیات جدید ملخصاً)

قوم نوح علیہ السلام والسلام:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ سَابِقَةَ آيَاتٍ فِي كُفْرٍ تَكْذِيبِ رِسَالَتٍ وَآخِرَتٍ كَاذِرَتَهَا، جس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات بیان کئے ہیں کہ ہر پیغمبر کو متکبرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذائیں پیش آتی ہیں، یہ سنتِ انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہم السلام کا قصہ قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے قوم کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ قسم قسم کی ایذائیں پہنچتی ہیں۔

اصحاب الرّس کون لوگ ہیں؟

دس، عربی زبان میں مختلف معنی میں آتا ہے مشہور معنی کچھ کنوئیں کے ہیں، اصحاب الرّس سے قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ مراد ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہ گئے تھے ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر ایک مقام پر جس کو اب حضرت موت کہتے ہیں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنوئیں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور یہیں صالح علیہ السلام کا انتقال ہو گیا، اسی وجہ سے اس مقام کو حضرت موت کہتے ہیں، پھر ان کی نسل میں بت پرستی رائج ہو گئی اس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی بھیجا جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا، اس

کے بعد ان پر خدا کا عذاب آیا ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا، اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اس کا ذکر اس آیت میں کیا ہے **وَبَنَرِمْ مُعْطَلَةً وَقَصْرٍ مَشِيدٍ** یعنی چشمِ عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اصحاب الایکہ:

ایک گھنے جنگل اور جھاڑیوں کو کہتے ہیں یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ السلام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، ان کی قوم نے نافرمانی کی بالآخر عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوئے۔ (معارف القرآن)

قوم تبع:

تبع یمن کے بادشاہوں کا لقب ہے جس طرح کہ قیصر و کسریٰ روم و فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے اس کی ضروری تشریح سورہ دخان میں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ حَالَهُ بِتَقْدِيرٍ نَحْنُ مَا مَصْدَرِيَّةٌ تُؤَسُّوسُ تُحَدِّثُ بِهِ الْبَاءُ زَائِدَةٌ أَوْ لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيرُ لِلْإِنْسَانِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ بِالْعِلْمِ مِنْ جَبَلٍ الْوَرِيدُ ۝۱۰ الْأَضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَالْوَرِيدَانِ عِرْقَانِ لَصَفَحَتِي الْعُنُقِ إِذْ نَاصِبُهُ أَذْكَرُ مُقَدَّرًا يَتَلَقَّى يَأْخُذُ وَيُثَبِّتُ الْمُتَلَقِّينَ الْمَلَكَانَ الْمُؤَكَّلَانِ بِالْإِنْسَانِ مَا يَعْمَلُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْهُ قَعِيدٌ ۝۱۱ أَيْ قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ مَا قَبْلَهُ مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلِ الْأَلَدِيِّهٖ رَقِيبٌ حَافِظٌ عَتِيدٌ ۝۱۲ حَاضِرٌ وَكُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمُثَنَّى وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ غَمْرَتُهُ وَشِدَّتُهُ بِالْحَقِّ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ حَتَّى يَرَاهُ الْمُنْكَرَ لَهَا عِيَانًا وَهُوَ نَفْسُ الشَّيْءِ ذَلِكَ أَيْ الْمَوْتُ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدٌ ۝۱۳ تَهَرَّبُ وَتَفْزَعُ وَتُفْخِ فِي الصُّورِ لِيَبْعَثَ ذَلِكَ أَيْ يَوْمُ النِّفْخِ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝۱۴ لِكُفَّارِ بِالْعَذَابِ وَجَاءَتْ فِيهِ كُلُّ نَفْسٍ إِلَى الْمَحْشَرِ مَعَهَا سَائِقٌ مَلَكٌ يَسُوقُهَا إِلَيْهِ وَشَهِيدٌ ۝۱۵ بِشَهَادَتِهَا عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُلُ وَغَيْرُهَا وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ لَقَدْ كُنْتَ فِي الدُّنْيَا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا النَّازِلِ بِكَ الْيَوْمَ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ أَزَلْنَا غَفْلَتَكَ بِمَا تَشَاهِدُهُ الْيَوْمَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝۱۶ حَادٍ تُذَرِّكُ بِهِ مَا أَنْكَرْتَهُ فِي الدُّنْيَا وَقَالَ قَرِينُهُ الْمَلَكُ الْمُؤَكَّلُ بِهِ هَذَا مَا أَيْ الَّذِي لَدَيْ عَتِيدٌ ۝۱۷ حَاضِرٌ فَيُقَالُ لِمَالِكٍ الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ أَيْ أَلْقَى أَلْقَى أَوْ أَلْقَيْنَ وَبِهِ قَرَأَ الْحَسَنُ فَأُبْدِلَتْ السُّنُونُ الْفَا كُلُّ كَفَّارٍ عَتِيدٌ ۝۱۸ مُعَانِدٌ لِلْحَقِّ مَنَاجِ الْخَيْرِ كَالزَّكَاةِ مُعْتَدٍ ظَالِمٌ مُرِيبٌ ۝۱۹ شَاكٍ فِي دِينِهِ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ الْآخِرَ مُبْتَدَأُ ضَمَّنَ الشَّرْطَ خَبَرَهُ فَأَلْقِيَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝۲۰ تَفْسِيرُهُ بِشَلِّ مَا تَقَدَّمَ قَالَ قَرِينُهُ الشَّيْطَانُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتَهُ أَضَلَّاهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝۲۱ فَدَعَا نُوهُ فَاسْتَجَابَ لِي وَقَالَ هُوَ أَطْعَمَنِي

بَدْعَائِهِ لِي قَالَ تَعَالَى لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ اَي مَا يَنْفَعُ الْخِصَامُ هُنَا وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْوَعِيدِ ۝ بِالْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ لَوْلَمْ تُؤْمِنُوا وَلَا بُدَّ مِنْهُ مَا يُبَدَّلُ يُغَيِّرُ الْقَوْلَ لَدَيَّ فِي ذَلِكَ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ فَأَعَذِبُهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَظُلَامٍ بِمَعْنَى ذِي ظُلْمٍ لِقَوْلِهِ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ وَلَا مَفْهُومَ لَهُ.

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دل میں نفس کے وسوسہ ڈالنے کو بھی جانتے ہیں (نَعْلَمُ) نَحْنُ کی تقدیر کے ساتھ حال ہے، (بہ) میں باء زائدہ ہے یا تعدیہ کے لئے ہے، اور (بہ) کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور ہم انسان کے علم کے اعتبار سے اس کی شرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (حبل الورد) میں اضافت بیانہ ہے، وَرِيدَانِ گردن کی دونوں طرف دو رگیں ہیں، اور جب اخذ کر لیتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں دواخذ کرنے والے اس کے عمل کو دو فرشتے جو انسان پر مقرر ہیں، انسان کے دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں (اذ) کا ناصب اذ کر مقدر ہے (قَعِيد) بمعنی قاعدان ہے، یہ مبتداء ہے اس کا ماقبل اس کی خبر ہے (انسان) کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگہبان حاضر ہوتا ہے (قَعِيد اور عَتِيد) میں سے ہر ایک تشبیہ کے معنی میں ہے اور موت کی بے ہوشی آخرت کی حقیقت لیکر آپہنچی یعنی موت کی بیہوشی اور شدت کو (لیکر آپہنچی) حتی کہ جو آخرت کا منکر ہے وہ بھی اس کو کھلم کھلا دیکھ لے گا، اور وہ امر آخرت نفس شدت ہے، یہ وہی موت ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور ڈرتا تھا، اور بعث کے لئے صور میں پھونکا جائے گا اور یہی پھونکنے کا دن کفار کے لئے وعید کا دن ہوگا اور اس وعید کے دن ہر نفس محشر کی طرف اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا یعنی فرشتہ ہوگا جو اس کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لائے گا، اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے خلاف اس کے اعمال کی گواہی دے گا اور وہ ہاتھ پیر وغیرہ ہیں، اور کافر سے کہا جائے گا، دنیا میں بلاشبہ تو آج کے دن تیرے اوپر نازل ہونے والی اس مصیبت سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا یعنی تیری غفلت کو زائل کر دیا جس کی وجہ سے تو آج اس نازل ہونے والی مصیبت کا مشاہدہ کر رہا ہے پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے یعنی وہ جو اس پر مقرر تھا، عرض کرے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے مالک یعنی (دوزخ کے نگران) سے کہا جائے گا ڈال دو جہنم میں حق کے دشمن ہر ضدی کافر کو یعنی ڈالو ڈالو یا ضرور ڈالو، اور حسن نے (الْقَيْن) نون خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے، نون خفیفہ کو الف سے بدل دیا گیا جو کہ خیر زکوٰۃ سے روکنے والا ہو جو حد سے گذر جانے والا ظالم ہو اور دین میں شک ڈالنے والا ہو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (الَّذِي) مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اس کی خبر فَالْقِيَاهُ السَّخِیْہ ہے ایسے شخص کو شدید عذاب میں ڈال دو اس کی تفسیر ماقبل کے مانند ہے وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا یہ تو خود ہی دور و دراز کی گمراہی میں تھا سو میں نے اس کو بلایا تو اس نے میری بات مان لی، اور کہا کافر نے مجھ کو اس نے دعوت دے کر گمراہ کر دیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میرے سامنے جھگڑے کی

باتیں نہ کرو یہاں جھگڑنا کچھ فائدہ نہ دے گا، میں تو پہلے ہی دنیا میں تمہارے پاس آخرت کے عذاب کی وعید بھیج چکا ہوں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے، اور یہ ضرور واقع ہو کر رہے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: تَوَسَّوْسُ الْوَسْوَسَةِ الصَّوْتِ الْخَفِيِّ ”وسوسہ“ خفی آواز کو کہتے ہیں جس میں دل میں کھٹکنے والے خیالات بھی شامل ہیں، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ جملہ مستانفہ ہے، اور لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے ای وَعِزَّتْنَا وَجَلَّلْنَا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ، الْإِنْسَانَ میں الف لام جنس کا ہے جو آدم اور اولاد آدم دونوں پر صادق آتا ہے، مفسر علام کا حال بتقدیر نحن کے اضافہ سے مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُئِلَ: وَنَعْلَمُ یہ خَلَقْنَا کی ضمیر سے حال ہے، اور مضارع مثبت جب حال واقع ہوتا ہے تو پھر واؤ حالیہ نہیں آتا صرف ضمیر کافی ہوتی ہے، واؤ اس وقت آتا ہے جب حال جملہ اسمیہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

جَوَابٌ: یہاں حال جملہ اسمیہ ہے جس کی طرف مفسر علام نے حال بتقدیر نحن کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَنَحْنُ نَعْلَمُ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال واقع ہے، لہذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلٌ: مَا تَوَسَّوْسُ مامصدر یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَعْلَمُ وَسْوَسَةَ نَفْسِهِ اِیَّاهُ یعنی انسان کے دل میں نفس کے وسوسہ ڈالنے کو ہم جانتے ہیں اور ماموصولہ بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں یہ کی ضمیر عائد ہوگی اور تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَعْلَمُ الْاَمْرَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ نَفْسُهُ بِہ یعنی ہم اس بات کو جانتے ہیں جس کو اس کا نفس اس کے دل میں ڈالتا ہے، ماموصولہ ہونے کی صورت میں یہ کی باء زائدہ ہوگی، اور ضمیر ماموصولہ کی طرف راجع ہوگی اور اگر مامصدر یہ ہو تو باء تعدیہ کے لئے ہوگی اور ضمیر انسان کی طرف راجع ہوگی۔ (ترویج الارواح)

قَوْلٌ: نَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ بِالْعِلْمِ

سُئِلَ: بِالْعِلْمِ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: مفسر علام نے بِالْعِلْمِ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں قربت سے قربت علمیہ مراد ہے نہ کہ قربت جسمیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ ہے حبیل الوریث سے شدت قرب کی طرف اشارہ ہے، حبیل رگ کو کہتے ہیں اور حبیل الوریث شہ رگ کو کہتے ہیں، جس کو رگ جاں بھی کہا جاتا ہے، یہ رگیں دو ہوتی ہیں گردن کی دونوں جانب ایک ایک، ان کے کٹ جانے سے یقیناً موت واقع ہو جاتی ہے، ذبیحہ میں ان دونوں رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔

قَوْلٌ: مَا يَعْمَلُهُ یہ يَتَلَقَّى کا مفعول ہے یعنی انسان جو کچھ کرتا ہے اس کو متعین کردہ دونوں فرشتے اچک لیتے ہیں اور ثبت کر دیتے ہیں۔

قَوْلٌ: اِی قَاعِدَانِ یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبه: قعید جملہ ہو کر المتلقیان سے حال ہے ذوالحال تشبیہ ہے اور حال مفرد ہے حالانکہ دونوں میں مطابقت ضروری ہے۔

رفع: قعید بروزن فعیل ہے اور فعیل کے وزن میں مفرد و تشبیہ جمع سب برابر ہیں، لہذا قعید مفرد تشبیہ کے قائم مقام ہے، قعید مبتداء اور اس کا ماقبل یعنی عن الیمین وعن الشمال اس کی خبر مقدم ہے پھر جملہ ہو کر المتلقیان سے حال ہے۔
قَوْلٌ: لَدَيْهِ رَقِيبٌ، رَقِيبٌ مبتداء مؤخر ہے اور لَدَيْهِ خبر مقدم ہے۔

قَوْلٌ: عَتِيدٌ تيار، حاضر، یہ عَتَادُ سے ہے جس کے معنی ضرورت سے پہلے کسی چیز کے ذخیرہ کر لینے کے ہیں۔
قَوْلٌ: وَهُوَ نَفْسُ الشَّدَّةِ بہتر ہوتا کہ مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اس عبارت کو حذف فرمادیتے اس لئے کہ ماقبل کے ہوتے ہوئے اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر ہو کا مرجع امر آخرت ہو اور شدة سے مراد امر شدید ہو اور وہ اھوال آخرت ہیں تو کچھ بات بن سکتی ہے۔

قَوْلٌ: اَلْقَى، اَلْقَى یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلْقِیَا دراصل اَلْقَى، اَلْقَى تھا تکرار فعل کے ساتھ یعنی ذالوڈالو، ایک فعل کو حذف کر کے اس کی ضمیر فاعل کو اول فعل کے ساتھ ملا دیا، جس کی وجہ سے ضمیر مثنی ہو گئی۔

قَوْلٌ: اَوَّالِقَيْنِ اس کا مطلب یہ ہے کہ اَلْقِیَا میں الف تشبیہ کا نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔
سؤال: نون تاکید خفیفہ کو الف سے حالت وقف میں بدلتے ہیں نہ کہ وصل میں۔

جواب: حالت وصل کو حالت وقف پر محمول کر لیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَلْقِیَا تشبیہ ہی کا صیغہ ہے، اور مراد اس سے سابق اور شہید ہیں۔

قَوْلٌ: عَنِیدٌ عنادر کھنے والا، مخالف، ضدی، سرکش (جمع) عُنْدُ آتی ہے۔

قَوْلٌ: الشَّدِیدُ یعنی اَلْقِیَا میں تشبیہ لانے کی جو تین توجیہ سابق میں کی گئی ہیں وہی فَاَلْقِیْہُ میں ہوگی۔

قَوْلٌ: قَالَ قَرِیْنُهُ الشَّیْطَانُ رَبَّنَا مَا اَطْعَمْتُهُ، رَبَّنَا مَا اَطْعَمْتُهُ یہ کافر کے قول ہو اَطْعَانِیْ بدعائہ لی کے جواب میں ہے یعنی جب کافر رب العالمین کے حضور میں عذر پیش کرتے ہوئے کہے گا، اس یعنی شیطان نے مجھے گمراہ کیا تھا تو اس کے جواب میں شیطان کہے گا رَبَّنَا مَا اَطْعَمْتُهُ مگر مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ اَطْعَانِیْ کو مقدم کرتے۔

قَوْلٌ: لَا تَخْتَصِمُوا یہ کافروں اور ان کے ہم نشینوں سے خطاب ہے۔

قَوْلٌ: وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ ظاہر یہ ہے کہ یہ لَا تَخْتَصِمُوا سے حال ہے مگر یہ دشوار ہے اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ تقدیم وعید دنیا میں ہوئی اور اختتام آخرت میں۔

قَوْلٌ: وَلَا مَفْهُومَ لَهُ یعنی لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ آج ظلم نہیں ہے آج کے علاوہ میں ظلم ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

رَبط آیات:

سابقہ آیات میں منکرینِ حشر و نشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از عقل و امکان کہنے والوں کے شبہات کا ازالہ تھا، آیات کا رہ میں بھی علم الہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے، کہ انسان کے اجزاء منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات و وسوسوں کو بھی ہر وقت اور ہر حال میں جانتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انسان سے اتنے زیادہ قریب ہیں کہ اس کی رگ جان کو جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان عرض کیا جا چکا ہے، کہ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ میں قرب سے مراد قربتِ علمیہ ہے نہ کہ جسمیہ جمہور مفسرین کا یہی خیال ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے:

مَنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ، حبل الوريد میں اضافت بیان یہ ہے یعنی وہ رگیں جو ورید ہیں، جسم حیوانی میں دو قسم کی رگیں ہوتی ہیں، کچھ تو وہ ہیں جو جسم حیوانی میں خون کی سپلائی کا کام کرتی ہیں ان کا منبت جگر ہے اور دوسری قسم کی شریان کہلاتی ہیں، ان کا کام جسم حیوانی میں روح سپلائی کرنا ہے، ان کا منبت قلب ہے اور یہ بہ نسبت ورید کے باریک ہوتی ہیں، مذکورہ اصطلاح طبی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں ورید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق ہی استعمال ہوا ہو بلکہ قلب سے نکلنے والی رگوں کو بھی لغت کے اعتبار سے ورید کہا جاسکتا ہے، اور چونکہ اس جگہ مراد انسان کے قلبی خیالات سے مطلع ہونا ہے اس لئے ورید سے شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ اٰی یا خُذَانِ ویشبتان، فتح القدر میں شوکانی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام حالات کو جانتے ہیں بغیر اس کے کہ ہم فرشتوں کے محتاج ہوں، جن کو ہم نے انسانوں کے اقوال و احوال لکھنے کے لئے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمامِ حجت کے لئے مقرر کئے ہیں، بعض کے نزدیک دو فرشتوں سے نیکی اور بدی لکھنے والے فرشتے مراد ہیں، اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔

اعمال کو رکارڈ کرنے والے فرشتے:

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے مذکورہ آیت عن الیمین وعن الشمال قعید تلاوت فرما کر، کہا: ”اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں، ایک تیری

وائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب واہنی جانب والا تیری حسناں لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیناں، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر کم کر یا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا، اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مِنْشُورًا أَقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا“

ترجمہ: ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے اور تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔ (معارف)

انسان کا ہر قول رکارڈ کیا جاتا ہے:

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ یعنی انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ کر لیتا ہو، حضرت حسن بصری رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اور قتادہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا نہ ہو، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھتے ہیں کہ جن میں کوئی ثواب یا عقاب کی بات ہو۔

علی بن ابی طلحہ نے ایک روایت ابن عباس ہی سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں، اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے خواہ اس میں کوئی ثواب و عقاب کی بات ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کرتے ہیں، اور صرف وہ کلمات باقی رکھتے ہیں جن میں کوئی ثواب یا عقاب ہو باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں وَيَمْنَحُوا اللَّهَ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ کے مفہوم میں یہ محو اثبات بھی داخل ہے، قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيْ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیاطین سے کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

يَوْمَ نَاصِبُهُ ظَلَامٌ نَقُولُ بِالنُّونِ وَالْيَاءِ لِحَبْتِهِمْ هَلْ أَمْتَلَتْ أَسْتَفْهَامُ تَحْقِيقِ لِيُوعِدَهُ بِمَلِيئِهَا وَتَقُولُ بِصُورَةِ الْإِسْتَفْهَامِ كَالسُّوَالِ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ۝ اِی فِیْ لَا أَسْعُ غَیْرَ مَا أَمْتَلَتْ بِه اِی قَدْ أَمْتَلَتْ وَارْتَلَتْ الْجَنَّةُ قُرْبَتْ لِلْمُتَّقِينَ مَكَانًا غَیْرَ بَعِيدٍ ۝ مِنْهُمْ فِیْرُوْنَهَا وَیُقَالُ لَهُمْ هَذَا الْمَرْئِیُّ مَا یُوعِدُونَ بِالْآءِ وَالْيَاءِ فِی الدُّنْیَا وَیُبْدَلُ مِنَ الْمُتَّقِينَ قَوْلُهُ لِكُلِّ أَوَّابٍ رَجَاعٌ اِلَى طَاعَةِ اللَّهِ حَظِیظٌ ۝ حَافِظٌ لِحُدُودِهِ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَیْبَ خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِیبٍ ۝ مُقْبِلٌ عَلَى طَاعَتِهِ وَیُقَالُ لِلْمُتَّقِينَ اَیضًا اِدْخُلُوْهَا سَلَامٌ اِی سَالِمِیْنَ مِنْ كُلِّ مُخَوِّفٍ

اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَوْ سَلِمُوا اَوْ ادْخُلُوا ذٰلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي حَصَلَ فِيهِ الدُّخُولُ ^{۱۰} يَوْمَ الْخُلُودِ الدوام فی الجنۃ لہم مَا يَشَاءُونَ فِيهَا دَائِمًا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ^{۱۱} زِيَادَةٌ عَلَى مَا عَمِلُوا وَطَلَبُوا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ اَي اَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُونًا اَمْ مَا كَثِيرَةٌ مِّنَ الْكُفَّارِ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا قُوَّةً فَتَقَبُّوا فَتَسُوْا فِي الْاِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ^{۱۲} لَّهُمْ اَوْلٰغِيْرُهُمْ مِّنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْر لَذِكْرٍ لِّعِظَةِ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ عَقْلٌ اَوَّالْقَى السَّمْعَ اِسْتَمَعَ الْوَعْظَ وَهُوَ شَهِيدٌ ^{۱۳} حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوبٍ ^{۱۴} تَعَبٍ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُودِ فِيْ قَوْلِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ اسْتَرَاخَ يَوْمَ السَّبْتِ وَاَنْتِفَاءُ التَّعَبِ عَنْهُ لِيَنْزِلَ عَلَيْهِ تَعَالٰى عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ فَاصْبِرْ خُطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا يَقُوْلُوْنَ اَي الْيَهُودَ وَغَيْرُهُمْ مِّنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّكْذِيْبِ وَسَبَّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صَلِّ حَامِدًا قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ اَي صَلَاةُ الصُّبْحِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ^{۱۵} اَي صَلَاةُ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَمِنَ الْاَيْلِ قِسْمُهُ اَي صَلِّ الْعِشَاءَيْنِ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ^{۱۶} بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ دُبُرٍ وَبِكُسْرِهَا مَضْرُؤٌ اَدْبَرُ اَي صَلِّ النَّوَافِلَ الْمَسْنُوْنَةَ عَقِبَ الْفَرَائِضِ وَقِيلَ الْمُرَادُ حَقِيْقَةُ التَّسْبِيْحِ فِيْ هَذِهِ الْاَوْقَاتِ ثَلَاثًا لِلْحَمْدِ وَاسْتَمْعْ يَا مُخَاطَبُ مَقُوْلِيْ يَوْمَ يَنَادِ الْمُنَادُ هُوَ اِسْرَافِيْلُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ^{۱۷} مِّنَ السَّمَاءِ وَهُوَ صَخْرَةٌ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ اَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِّنَ الْاَرْضِ اِلَى السَّمَاءِ يَقُوْلُ اَيُّهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْاَوْصَالُ الْمُتَقَطِّعَةُ وَاللُّحُوْمُ الْمُتَمَزِّقَةُ وَالشُّعُوْرُ الْمُتَفَرِّقَةُ اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ كُنْ اَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ يَوْمَ بَدَلٍ مِّنْ يَوْمٍ قَبْلَهُ لِيَسْمَعُوْنَ اَي الْخَلْقُ كُلُّهُمْ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ بِالْبُعْتِ وَهِيَ النَّفْخَةُ الثَّانِيَّةُ مِّنْ اِسْرَافِيْلَ وَيَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ قَبْلَ نِدَائِهِ اَوْ بَعْدَهُ ذٰلِكَ اَي يَوْمُ النِّدَاءِ وَالسَّمْعِ ^{۱۸} يَوْمَ الْخُرُوْجِ مِّنَ الْقُبُوْرِ وَنَاصِبُ يَوْمٍ يُنَادِيْ مُقَدَّرٌ اَي يَعْلَمُوْنَ عَاقِبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ وَالْيَنَّا الْمَصِيْرُ ^{۱۹} يَوْمَ بَدَلٍ مِّنْ يَوْمٍ قَبْلَهُ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ تَشَقُّقٌ بِتَخْفِيْفِ الشَّيْنِ وَتَشْدِيْدِهَا بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا جَمْعُ سَرِيْعٍ حَالٌ مِّنْ مُّقَدَّرٍ اَي فَيَخْرُجُوْنَ مُسْرِعِيْنَ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ^{۲۰} فِيْهِ فَضْلٌ بَيْنَ الْمُوصُوْفِ وَالصِّفَةِ بِمُسْتَعْلَقِهَا لِلَاخْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَضُرُّ وَذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلَى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمُخْبِرُ بِهِ عَنْهُ وَهُوَ الْاَحْيَاءُ بَعْدَ الْفَنَاءِ وَالْجَمْعُ لِلْعَرَضِ وَالْحِسَابِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اَي كُفَّارُ قُرَيْشٍ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ تُجَبِّرُهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ وَهَذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْدٌ ^{۲۱} وَهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ.

ترجمہ: جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ (یوم) کا ناصب ظلام ہے، (نقول) نون ویاء کے ساتھ ہے استفہام، جہنم سے اس کے بھرنے کے وعدے کی تحقیق کے لئے ہے، اور جہنم جواب دے گی، کیا کچھ اور زیادہ بھی

ہے؟ یعنی میرے اندر جو کچھ بھرا گیا اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں یعنی میں بھر گئی اور جنت پر ہیز گاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائے گی، اتنی کہ ذرا بھی ان سے دور نہ ہوگی چنانچہ وہ اس کو دیکھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہی ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا، یا اور تاء کے ساتھ اور للمتقین سے اس کا قول لکھ لیا، اب بدل ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی طاعت کی طرف رجوع کرنے والا اور حدود کی حفاظت کرنے والا ہو جو رحمن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو یعنی اس سے ڈرتا ہو حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہے اور اس کی طاعت کی طرف متوجہ ہونے والا دل لایا ہو اور پرہیز گاروں سے یہ بھی کہا جائے گا اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یعنی ہر اندیشہ سے بے خوف ہو کر، یا سلامتی کے ساتھ، یا سلام کرو اور داخل ہو جاؤ یہ دن جس میں دخول حاصل ہوا ہے، دائمی طور پر جنت میں داخل ہونے کا دن ہے ان کے لئے وہاں جو چاہیں گے دائمی طور پر ملے گا (بلکہ) اور ہمارے پاس ان کے عمل سے اور طلب سے زیادہ ہے، اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں یعنی قریش سے پہلے کافروں میں سے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں وہ ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھے تمام شہروں کو چھان مارا تھا کیا ان کو اور دوسروں کو موت سے فرار کی کوئی جگہ ملی؟ نہیں ملی، بلاشبہ اس مذکور میں ہر صاحب دل (صاحب عقل) کے لئے نصیحت ہے اور اس کے لئے جو حضوری قلب کے ساتھ نصیحت سننے کے لئے کان لگائے اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، ان میں کا پہلا دن اتوار ہے اور ان کا آخری جمعہ ہے، اور ہم کو تکان نے چھو اتک نہیں، یہ آیت یہود کے اس قول کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ ”ہفتہ کے روز اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا“ اور تکان کا اس سے منافی ہونا باری تعالیٰ کے مخلوق کی صفات سے منزہ ہونے کی وجہ سے ہے، اور اس کے اور اس کے غیر کے درمیان مجانست نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شئی کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے کُن کہہ دیتا ہے تو وہ شئی موجود ہو جاتی ہے پس یہ یعنی یہود وغیرہ تشبیہ و تمکذیب کی جو بات کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے حمد بیان کرتے ہوئے نماز پڑھئے طلوع شمس سے پہلے یعنی صبح کی نماز اور غروب سے پہلے یعنی ظہر اور عصر کی نماز اور رات کے کسی وقت میں تسبیح بیان کریں یعنی مغرب و عشاء کی نماز پڑھئے، اور نماز کے بعد بھی ادبار ہمزہ کے فتح کے ساتھ ذُبُر کی جمع ہے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اَذْبُر کا مصدر ہے، مطلب یہ ہے کہ فرائض کے بعد نوافل مسنونہ پڑھئے اور کہا گیا ہے کہ ان اوقات میں حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنا مراد ہے اور اے مخاطب میری بات سن جس دن ایک پکارنے والا اور وہ اسرافیل علیہ السلام ہیں آسمان سے قریبی مکان سے پکارے گا اور وہ بیت المقدس کا صحرہ (بڑا پتھر) ہے (صحرہ) زمین سے آسمان کی طرف قریب ترین مقام ہے، وہ پکارنے والا کہے گا اے بوسیدہ ہڈیو اور اکھڑے ہوئے جوڑو اور پارہ پارہ گوشتو اور بکھرے ہوئے بالو، اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ مقدمہ کے فیصلے کے لئے جمع ہو جاؤ جس دن بعثت کے لئے پکار کو پوری مخلوق سن لے گی اور یہ اسرافیل کا نغمہ ثانیہ ہوگا، اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ نغمہ اسرافیل علیہ السلام کی پکار سے پہلے یا بعد میں ہو وہ نداء و سماع کا دن قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا اور یَوْمَ کا ناصب یُنَادِیٰ مقدر ہے یعنی وہ اپنی تمکذیب

کے انجام کو جان لیں گے، بلاشبہ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی حال یہ کہ وہ جلدی کرنے والے ہوں گے (تَشَقُّقُ) شین کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ تاء ثانیہ کو اصل میں ادغام کر کے تو دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) سِرَاعًا، سریع کی جمع ہے سِرَاعًا مقدر سے حال ہے، ای فیخرجون مَسْرِعِينَ یہ جمع کر لینا ہم پر (بہت) ہی آسان ہے اس میں موصوف اور صفت کے درمیان صفت کے متعلق کا فصل ہے، اختصاص کے لئے اور یہ (فصل) مضر نہیں ہے اور (ذَلِك) سے معنی حشر کی جانب اشارہ ہے جو کہ ذَلِك کا مخبر ہے اور وہ (معنی) فناء کے بعد زندہ کرنا اور پیشی اور حساب کے لئے جمع کرنا ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کفار مکہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں، اور یہ حکم جہاد کی اجازت سے پہلے کا ہے، سو آپ ان کو قرآن کے ذریعہ سمجھاتے رہئے جو میری وعید سے ڈریں اور وہ مومن ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: يَوْمَ نَاصِبُهُ ظَلَامٌ، يَوْمَ کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ اذکر فعل محذوف ناصب ہو، دوسرے یہ کہ سابقہ آیت میں ظلام ناصب ہو مفسر علام نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلٌ: هَلِ امْتَلَأَتْ استفہام تحقیقی یعنی تقریری ہے اللہ نے جہنم سے جو بھرنے کا وعدہ فرمایا اس کے محقق اور پورا ہونے کو ثابت کرنے کے لئے یعنی میں نے تجھ سے جو بھرنے کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا؟ جہنم استفہام سوالی کے طور پر جواب دے گی، کیا کچھ اور ہے؟ یعنی اب مزید کی میرے اندر گنجائش نہیں ہے، جواب اگرچہ بصورت استفہام ہے مگر سوال معنی میں خبر کے ہے، جس کی طرف مفسر علام نے قَدْ امْتَلَأَتْ سے اشارہ کیا ہے۔

سَوَالٌ: جہنم کے سوال کی صورت میں جواب دینے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: تاکہ سوال و جواب میں مطابقت ہو جائے۔

قَوْلٌ: مَكَانًا.

سَوَالٌ: مَكَانًا کو محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: مکاناً محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ غَيْرَ بَعِيدٍ جَنَّة کی صفت نہیں ہے بلکہ مکاناً محذوف کی صفت ہے اس لئے کہ اگر جَنَّة کی صفت ہوتی تو غَيْرَ بَعِيدَہ ہوتی۔

قَوْلٌ: غَيْرَ بَعِيدٍ اُزْلِفَتْ الْجَنَّةُ کی تاکید ہے اس لئے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، جیسا کہ عرب بولتے ہیں عزیزٌ غَيْرٌ ذلیل (یا) قریبٌ غَيْرٌ بَعِيدٌ.

قَوْلٌ: لِكُلِّ اَوَّابٍ متفقین سے اعادہ جار کے ساتھ بدل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہذا موصوف اور مَا تَوْعَدُوْنَ اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء اور لِكُلِّ اَوَّابٍ اس کی خبر ہے۔

قَوْلٌ : خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بِالْغَيْبِ حال ہے یا تو مفعول یعنی رَحْمَن سے حال ہے یعنی وہ رَحْمَن سے ڈرا، حال یہ ہے کہ وہ رَحْمَن نظروں سے غائب ہے، یا پھر خَشِيَ کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ اللہ سے ڈرا حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کو دیکھا نہیں ہے۔

قَوْلٌ : لَّهُمْ لَّهُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لَّهُمْ، مَحِيضٌ مبتداء کی خبر محذوف ہے اور مِنْ زَانِدٍ ہے، اور استفہام انکاری ہے، مطلب یہ کہ سابقہ امتوں نے دنیا چھان ماری مگر ان کو کہیں موت سے پناہ نہیں ملی، اسی طرح تم کو بھی اے اہل مکہ موت سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

قَوْلٌ : مِنْ لُغُوبٍ، مَنْ فاعل پر زائدہ ہے لُغُوب (ن) سے مصدر ہے بِمَعْنَى تَعَبٌ تَکَانَ۔

قَوْلٌ : لِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بعض نسخوں میں عدم المماشئة ہے یعنی خالق و مخلوق کے درمیان میں کسی قسم کا جنسی ربط و تعلق نہ ہونے کی وجہ ہے۔

قَوْلٌ : مَقُولِي، مَقُولِي مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مقولی استمع کا مفعول ہے۔

قَوْلٌ : يَعْلَمُونَ عَاقِبَةَ تَكْذِيبِهِمْ یہ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ کا عامل ناصب ہے، مفسر رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ کے لئے بہتر تھا کہ عامل کو معمول کے ساتھ ہی ذکر کرتے۔

قَوْلٌ : يَوْمَ تَشَقُّقُ یہ اپنے ماقبل یَوْمَ الْخُرُوجِ سے بدل ہے اور اِنَّا نَخْنُ الخ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلٌ : بِادْغَامِ النَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيهَا، تَشَقُّقُ اصل میں تَشَقَّقُ تھا، اصل میں ناء ثانیہ کو شین میں ادغام کر دیا۔

قَوْلٌ : سِرَاعًا، فَيَخْرُجُونَ کی ضمیر سے حال ہے اور عَنْهُمْ کی ضمیر سے بھی حال ہو سکتا ہے۔

قَوْلٌ : فِيهِ فَصْلٌ بَيْنَ الْمَوْصُوفِ وَالصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا، عَلَيْنَا مَوْصُوفٌ اور صفت کے درمیان فاصل ہے، تقدیر عبارت یہ تھی ذَلِكَ حَشَرٌ يَسِيرٌ عَلَيْنَا اختصا ص کے لئے عَلَيْنَا جار مجرور کو مقدم کر دیا یعنی یہ حشر ہمارے ہی لئے آسان ہے اور فصل چونکہ اجنبی کا نہیں اس لئے مضر بھی نہیں ہے۔

قَوْلٌ : ذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمَخْبَرِ بِهِ عَنْهُ مَذْكُورَةٌ عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ : ذَلِكَ حَشَرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ میں مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں واحد ہیں اس لئے کہ ذَلِكَ کا مِثَالٌ اِلَيْهِ حَشَرٌ ہے جو کہ مخبر عنہ ہے اور يَسِيرٌ مخبر بہ ہے اور حشر موصوف يَسِيرٌ اس کی صفت ہے، موصوف صفت ایک ہوا کرتے ہیں اس طریقہ سے مخبر بہ اور مخبر عنہ واحد ہو گئے حالانکہ ان کو الگ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ : جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ذَلِكَ کا مِثَالٌ اِلَيْهِ حَشَرٌ نہیں بلکہ اس کے معنی میں ہیں یعنی اِحْيَاءُ بَعْدَ الْفَنَاءِ اور جمع بَيْنَ الْاِجْزَاءِ الْمَتَفَرِّقَةِ جو کہ مخبر عنہ ہے اور يَسِيرٌ مخبر بہ ہے، اس طرح مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں الگ الگ ہو گئے، فلا اعتراض علیہ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

یَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ آلہ السجدہ میں فرمایا ہے (لَا مَلَأْنَنَّا جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ) میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا، اس وعدہ کا جب ایفاء ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن و انس کو جہنم میں ڈال دے گا، تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی یا نہیں؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لئے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے، خاص طور پر موجودہ ترقی کے دور نے تو یہ ثابت کر دیا کہ بے جان و بے روح چیزوں کا بولنا نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ واقع اور رات دن کا مشاہدہ ہے کہ پتھر اور دھات سے بنی ہوئی چیزیں ٹیپ رکارڈ اور سی ڈی، فلوپی وغیرہ کے بولنے کا ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں، بعض حضرات نے اس سوال و جواب کو مجاز پر محمول کیا ہے اور محض صورت حال کی منظر کشی کے لئے جہنم کی کیفیت کو سوال و جواب کی شکل میں ذکر کیا گیا ہے جیسے مثلاً آپ اپنے قلم سے یوں کہیں کہ تو چلتا کیوں نہیں تو قلم اس کے جواب میں کہے کہ میں اس لئے نہیں چلتا کہ میرے اندر روشنائی نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی جو چیزیں ہمارے لئے جامد اور صامت ہیں ان کے متعلق یہ سمجھ لینا درست نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی ویسی ہی جامد و صامت ہوں گی، خالق اپنی ہر مخلوق سے کلام کر سکتا ہے اور اس کی ہر مخلوق اس کے کلام کا جواب دے سکتی ہے، خواہ ہمارے لئے اس کی زبان کتنی ہی ناقابل فہم ہو۔

اَوَّاب کون لوگ ہیں؟

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٌ یعنی جنت کا وعدہ ہر اس شخص سے ہے جو اَوَّاب اور حَفِیْظ ہو اَوَّاب کے معنی ہیں رجوع کرنے والا، اور مراد وہ شخص ہے جو معاصی سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی اور مجاہد نے فرمایا کہ اَوَّاب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے، اور حضرت عبید بن عمیر نے فرمایا اَوَّاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے، دعایہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ.

اور حَفِیْظ کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بتلائے ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے، اور ایک روایت میں حَفِیْظ کے معنی حافظ لامر اللہ کے بھی منقول ہیں یعنی وہ شخص جو احکام کو یاد رکھے اور

حدود اللہ کی حفاظت کرے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعت (اشراق کی) پڑھ لے وہ اواب اور حفیظ ہے۔ (قرطبی، معارف)

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ "خشیت بالغیب" کا مطلب دنیا میں ڈرنا ہے، جہاں نار و نعیم دونوں غائب ہیں، اور قلب منیب سے قلب سلیم مراد ہے۔

فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ نَقَّبُوا تحقیق سے ہے اس کے اصل معنی سوراخ کرنے اور پھاڑنے کے ہیں محاورات میں دور دراز ملکوں کے سفر کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ (کشافی القاموس)

مَحِيصٌ ظرف مکان ہے، پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں اور مختلف ملکوں اور خطوں میں تجارت وغیرہ کے لئے پھرتی رہیں مگر دیکھو کہ انجام کار ان کو موت آئی اور ہلاک ہوئیں، نہ ان کو کہیں پناہ ملی اور نہ راہ فرار، یعنی خدا کی طرف سے جب ان کی پکڑ کا وقت آیا تو کیا ان کی وہ طاقت ان کو بچا سکی؟ اور کیا دنیا میں پھر کہیں ان کو پناہ مل سکی، اب آخر تم کس بھروسہ پر یہ امید رکھتے ہو کہ خدا کے مقابلہ میں بغاوت کر کے تمہیں کہیں جگہ مل جائے گی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ہم نے چھ دن میں بنا ڈالی اور اس کو بنا کر ہم تھک نہیں گئے، کہ اس کی تعمیر نو ہمارے بس میں نہ رہی ہو، اب اگر یہ نادان لوگ آپ سے زندگی بعد الموت کی خبر سن کر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور تمہیں دیوانہ قرار دیتے ہیں تو اس پر صبر کرو، ٹھنڈے دل سے ان کی ہر بیہودہ بات کو سنو اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر آپ مامور کئے گئے ہیں اس کو بیان کرتے چلے جائیں۔

اس آیت میں ضمنی طور پر یہود و نصاریٰ پر ایک لطیف طنز بھی ہے، جس کا بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور (ہفتہ کو) ساتویں دن آرام کیا اور عرش پر جا کر لیٹ گیا (پیدائش ۲:۲) اگرچہ مسیحی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمہ میں آرام کیا کو "فارغ ہوا" سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمس کی مستند انگریزی بائبل میں (And He rested on the seventh day) کے الفاظ صاف موجود ہیں، اور یہی الفاظ اس ترجمہ میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۴ء میں یہودیوں نے فلیڈلفیا سے شائع کیا ہے، عربی ترجمہ میں بھی فاستراح فی الیوم السابع کے الفاظ ہیں۔

يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ اسرافیل ہوگا جو بیت المقدس کے صحرہ پر کھڑا ہو کر ساری دنیا کے مردوں کو خطاب کرے گا، اے گلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہونے

والی کھالو! اور بکھر جانے والے بالو! سن لو، تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ۔ (مظہری)

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ یہ نغمہ ثانیہ کا بیان ہے جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا، اور مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اس فرشتے کی آواز پاس اور دور کے سب لوگوں کو اس طرح پہنچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہا ہے اور بعض حضرات نے مکان قریب سے مراد صحرہ بیت المقدس لیا ہے کیونکہ وہ زمین کا وسط ہے۔ (قرطبی)

يَوْمَ تَشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا یعنی جب زمین پھٹ کر سب مردے زمین سے نکل آئیں گے تو سب لوگ اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے نکلنے والا میں ہوں گا انا اول مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ (صحیح مسلم کتاب الفضائل) جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک سے ملک شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

من ههنا الى ههنا تحشرون ركباناً ومشاةً وتجرون على وجوهكم يوم القيامة. (الحديث)

یہاں سے اس طرف (یعنی شام کی طرف) تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار اور کچھ پیدل اور بعض کو چہروں کے بل گھسیٹ کر قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔ (قرطبی، معارف)

﴿مَتَّ﴾

سُورَةُ الدَّارِیْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّونَ آيَةً وَفِيهَا

سُورَةُ وَالدَّارِیْنِ مَكِّيَّةٌ سِتُّونَ آيَةً.

سورة والذاریات کی ہے، ساٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالذَّارِیَاتِ الرِّیَاحِ تَذْرُوْنَ التُّرَابَ وَغَیْرَهُ ذَرَّوْنَ ۝ مُصَدَّرٌ وَیُقَالُ تَذْرِیْهِ ذَرَّیَا تَهْبُ بِهِ فَالْجَلَّتِ السُّحُبُ تَحْمِلُ الْمَاءَ وَقَرَأَ ۝ یَقْلًا مَفْعُولُ الْحَامِلَاتِ فَالْجَرِیَّتِ السُّفُنُ تَجْرِیْ عَلٰی وَجْهِ الْمَاءِ یُسْرًا ۝ بِسُهُولَةٍ مُصَدَّرٌ فِی مَوْضِعِ الْحَالِ اِی مَیْسَرَةٍ ۝ فَالْمُقَسِّمَاتِ اَمْرًا ۝ الْمَلَائِكَةُ تُقْسِمُ الْاَرْزَاقَ وَالْاَمْطَارَ وَغَیْرَهَا بَیْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ ۝ اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ مَا مُصَدَّرٌ اِی اِنْ وَعَدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَیْرِهِ لَصَادِقٌ ۝ لَوْعَدٌ صَادِقٌ ۝ وَاِنَّ الدِّیْنَ الْجَزَاءَ بِعَدِّ الْحِسَابِ ۝ لَوَاقِعٌ ۝ لَا مَحَالَةَ ۝ وَالتَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ جَمْعُ حَبِیْكَةٍ كَطَرِیْقَةٍ وَطُرُقٍ اِی صَاحِبَةِ الطَّرِیْقِ فِی الْخَلْقَةِ كَالطَّرِیْقِ فِی الرَّمْلِ ۝ اِنَّا کُمْرٌ یَا اَهْلَ مَكَّةَ فِی شَأْنِ النَّبِیِّ وَالْقُرْآنِ ۝ لَفِی قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ قِیلَ شَاعِرٌ سَاجِرٌ کَاھِنٌ شِعْرٌ سِخْرٌ کَهَانَةٌ یُؤْفَکُ یُضْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ وَالْقُرْآنِ اِی عَنِ الْاِیْمَانِ بِهِ ۝ مَنْ اُفَکٌ ۝ ضُرِفَ عَنِ الْهِدَایَةِ فِی عِلْمِ اللَّهِ تَعَالٰی ۝ قُتِلَ الْخَرِصُونَ ۝ لُعِنَ الْکَذَّابُونَ ۝ اَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِی عُمَرَةٍ جَهْلٍ یَغْمُرُهُمْ سَاهُوْنَ ۝ غَافِلُونَ عَنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ یَسْأَلُونَ النَّبِیَّ اِسْتِیْزَاءً اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ اِی مَتٰی مَجِیئُهُ وَجَوَابُهُمْ یَجِیْ ۝ یَوْمُهُمْ عَلٰی النَّارِ یُفْتَنُونَ ۝ اِی یُعَذَّبُونَ فِیْهَا وَیُقَالُ لَهُمْ جِئِنِ التَّغْذِیْبِ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۝ تَغْذِیْبُکُمْ هَٰذَا الْعَذَابُ الَّذِیْ کُتِبَ لَکُمْ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ فِی الدُّنْیَا اِسْتِیْزَاءً اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِی جَنَّاتٍ بِسَاتِیْنٍ وَغُیُوبٍ ۝ تَجْرِیْ فِیْهَا اَنْحَادٌ ۝ حَالٌ مِنَ الضَّمِیْرِ فِی خَبَرٍ اِنَّ مَا اَتَتْهُمْ اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ مِنْ الثَّوَابِ ۝ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ اِی دُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ مُحْسِنِیْنَ ۝ فِی الدُّنْیَا کَانُوْا قَلِیْلًا مِنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُونَ ۝ یَنَامُونَ وَمَا زَايِدَةٌ وَیَهْجَعُونَ خَبَرٌ کَانَ وَقَلِیْلًا ظُرِفَ اِی یَنَامُونَ فِی زَمَنِ یَسِیْرِ مِنَ اللَّیْلِ وَیُصَلُّونَ اَکْثَرَ وَبِالْاَسْحَارِ ۝ یَسْتَغْفِرُونَ ۝ یَقُولُونَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا ۝ وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ الَّذِی لَا یَسْأَلُ لِتَعْفُفِهِ وَفِی الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبَحَارِ وَالْاَشْجَارِ وَالتِّمَارِ وَالنَّبَاتِ وَغَیْرِهَا اٰیَاتٌ دَلَالَاتٌ عَلٰی قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالٰی

وَوَحْدَانِيَّتِهِ ^{۱۰} **لِّلْمُوقِنِينَ** ^{۱۱} **وَفِي أَنْفُسِكُمْ** آيَاتٌ أَيْضًا مِنْ مَبْدَأِ خَلْقِكُمْ إِلَى مُنْتَهَاهُ وَمَا فِي تَرْكِيبِ خَلْقِكُمْ مِنْ الْعَجَائِبِ **أَفَلَا تَبْصُرُونَ** ^{۱۲} ذَلِكَ فَتَسْتَدِلُّونَ بِهِ عَلَى صَانِعِهِ وَقُدْرَتِهِ **وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ** أَيْ الْمَطَرُ الْمُسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِي هُوَ رِزْقٌ وَمَا تُوعَدُونَ ^{۱۳} مِنَ الْمَاءِ وَالشَّوَابِ وَالْعِقَابِ أَيْ مَكْتُوبٌ ذَلِكَ فِي السَّمَاءِ **قُورِبَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ** أَيْ مَا تُوعَدُونَ **لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ** ^{۱۴} بِرَفْعِ مِثْلِ صِفَةٍ وَمَا مَزِيدَةٌ وَبِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا الْمَعْنَى مِثْلَ نَطْقِكُمْ فِي حَقِّيَّتِهِ أَيْ مَعْلُومِيَّتِهِ عِنْدَكُمْ ضُرُورَةٌ صُدُورُهُ عَنْكُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو پراگندہ کرتی ہیں (ذروا) مصدر ہے اور کہا جاتا ہے تَذْرِیْہِ ذَرِیًّا یعنی ہوائیں غبار کو اڑاتی ہیں پھر قسم ہے ان بادلوں کی جو پانی کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں وقرًا حاملات کا مفعول ہے، پھر قسم ہے ان کشتیوں کی جو پانی کی سطح پر سہولت کے ساتھ چلتی ہیں یُسْرًا مصدر ہے حال کی جگہ میں یعنی حال یہ کہ وہ سبک رفتاری سے چلتی ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کہ ایک بڑے اہم کام کی یعنی رزق اور بارش وغیرہ کی بندوں اور شہروں کے درمیان تقسیم کرنے والے ہیں اور جو تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ما مصدر یہ ہے یعنی ان سے بعث وغیرہ کا وعدہ سچا وعدہ ہے، اور حساب کے بعد جزاء اعمال لامحالہ پیش آنے والی ہے اور قسم ہے راستوں والے آسمان کی (حُبُک) حَبِیْکَہ کی جمع ہے، جیسا کہ طُرُق، طَرِیْقَہ کی جمع ہے یعنی وہ آسمان پیدائشی طور پر راستوں والے ہیں، جیسا کہ ریت میں راستے ہوتے ہیں بلاشبہ تم اے مکہ والو! حضور کی اور قرآن کی شان میں مختلف باتیں کرتے ہو (آپ کے بارے میں) کہا گیا، شاعر ہیں، جادوگر ہیں، کاہن ہیں، (اور قرآن کے بارے میں) کہا گیا شعر ہے؛ جادو ہے، کہانت ہے اس سے یعنی نبی اور قرآن سے یعنی ان پر ایمان لانے سے وہی باز رکھا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہدایت سے پھیر دیا گیا ہو غارت ہو جائیں بے سند (اٹکل سے) باتیں کرنے والے ملعون ہوئے مختلف باتوں والے جھوٹے جو جہالت میں غرق ہیں جن کو جہالت نے غرق کر رکھا ہے اور امر آخرت سے غافل ہیں نبی ﷺ سے بطور استہزاء پوچھتے ہیں جزاء کا دن کب ہوگا؟ یعنی وہ کب آئیگا؟ ان کا جواب یہ ہے، یوم جزاء اس دن آئے گا جس دن ان کو آگ پر بھونا جائے گا یعنی ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا، اور عذاب دیتے وقت ان سے کہا جائے گا، اپنی سزا کا مزا چکھو یہی ہے وہ عذاب جس کی دنیا میں تم استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے، بلاشبہ تقوے والے لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے جو باغوں میں جاری ہوں گے ان کے رب نے ان کو جو کچھ ثواب عطا فرمایا ہے اس کو لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی دنیا میں نیکو کار تھے اور وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے (يَهْجَعُونَ) بمعنی يَنَامُونَ ہے اور يَهْجَعُونَ کَانَ کی خبر ہے، اور قَلِيلًا ظرف ہے یعنی رات کے کم حصہ میں سوتے تھے اور اکثر حصہ میں نماز پڑھتے تھے اور سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے، یوں کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں کا اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے اور محروم وہ شخص ہے جو سوال سے بچنے کی وجہ سے سوال

نہ کرے) جس کے نتیجے میں محروم رہ جائے) اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں اور پھلوں اور نباتات وغیرہ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی نشانیاں ہیں تمہاری تخلیق کی ابتداء سے لیکر اس کی انتہا تک اور وہ جو تمہاری تخلیق میں عجائبات ہیں کیا تم اس میں غور نہیں کرتے ہو کہ تم اس سے اس کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرو اور آسمان میں تمہارا رزق یعنی بارش جو کہ نباتات کا سبب ہے کہ وہ رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم یہ یعنی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بالکل حق ہے، ایسا ہی جیسا کہ تم باتیں کرتے ہو مثل کے رفع کے ساتھ (حق) کی صفت ہے اور مازائدہ ہے اور (مثل) کے لام کے فتح کے ساتھ، ما کے ساتھ مرکب ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ حقیقت ہونے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا گفتگو کرنا حقیقہ ہے یعنی جس طرح تمہارے نزدیک تمہاری گفتگو معلوم ہونے میں یقینی ہے اس گفتگو کے تم سے بالبدلتہ صادر ہونے کی وجہ سے (اسی طرح تم سے کیا ہوا وعدہ بھی حقیقت ہے)۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: وَالذَّارِیْنِ واؤ قسمیہ ہے ذَارِیْنِ کی جمع ہیں، اڑانے والیاں، پراگندہ کرنے والیاں، اس کا موصوف الرِّیَاحُ محذوف ہے ای الرِّیَاحُ الذَّارِیَاتُ پراگندہ کرنے والی ہوائیں، یہ ذَرِیْ یَذْرُوْنَ اذْرُوْا یا ذَرِیْ یَذْرِیْ ذَرِیًّا معتل لام واوی یا یائی سے مشتق ہے۔ (ض، ن) والذَّارِیَاتُ مقسم بہ ہے۔

قَوْلٌ: وَیُقَالُ ذَرِیْ یَذْرِیْ ذَرِیًّا سے یائی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلٌ: تَهْبُّ بہ اس کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے، ہوا اس کو پراگندہ کرتی ہے، اڑاتی ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ علامہ محلی نے ما کو مصدر یہ قرار دیا ہے یعنی وَعَدُ کے معنی میں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ وَعْدَکُمْ لَوْعْدٌ صَادِقٌ۔

قَوْلٌ: اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ لَصَادِقٌ معطوف علیہ ہے اور اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ معطوف ہے، معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ ہو کر جواب قسم ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اِنَّمَا میں ما کو موصولہ قرار دیا جائے اور تُوعَدُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہو، عائد محذوف ای بہ جملہ ہو کر اِنَّ کا اسم اور لَصَادِقٌ اِنَّ کی خبر، اور اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔

قَوْلٌ: وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ واؤ قسمیہ جارہ بمعنی اُقْسِمُ السَّمَاءِ موصوف الحُبُكُ صفت، موصوف بالصفة جملہ ہو کر جواب قسم۔

قَوْلٌ: حُبُکَ حَبِیْکَہ کی جمع ہے جیسے طُرُقٌ طَوِیْقَہ کی جمع ہے بمعنی راستہ، پانی کی لہر، ریت میں ہوا کی وجہ سے پڑنے والے نشانات اور بعض حضرات نے حُبُکَ کو حِبَاکَ کی جمع کہا ہے جیسے مَثَلُ مِثَالُ کی جمع ہے حَبِیْکَہ و حِبَاکَ ستاروں کی رہ

گزر کر بھی کہتے ہیں۔ (اعراب القرآن، لغات القرآن)

قَوْلُهُ: فِي الْخِلْقَةِ كَالطَّرْقِ فِي الرَّمْلِ اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ آسمانی راستے خیالی یا معنوی نہیں ہیں بلکہ محسوس اور موجود فی الخارج ہیں اگرچہ بعید ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔

قَوْلُهُ: يُؤْفِكُ عَنْهُ يُؤْفِكُ وَاحِدٌ مِّنْ غَائِبِ مَضَارِعِ مَجْهُولِ اِفْكٍ (ض) سے پھیرا جاتا ہے، بھٹکایا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: يُؤْفِكُ عَنْهُ مَنْ اِفْكٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کو بھٹکایا جائے گا، اور یہ تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کے بھٹکانے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَابُ: جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بھٹکا ہوا ہے وہ خارج اور ظاہر میں بھٹکایا جائے گا۔

الْبَلَاغَةُ

قَوْلُهُ: قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ، قُتِلَ کے حقیقی معنی قتل کرنے کے ہیں، مگر یہاں علی سبیل الاستعارة لعنت کے معنی میں مستعمل ہے، بایں طور کہ مفقود السعادة کو مفقود الحیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہوا، مفقود السعادة مشبہ ہے اور مفقود الحیات مشبہ بہ ہے، مشبہ بہ اگرچہ محذوف ہے مگر مشبہ بہ کے لوازم میں سے قتل کو مشبہ کے لئے ثابت کر دیا، یہ استعارہ تخیلیہ ہوا، قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ معنی میں لُعِنَ الْكَذَّابُونَ یعنی بد دعاء کے معنی میں ہے خَرَّاصُونَ اُكْلُ دَوْرَانِے والے، جھوٹ بکنے والے، خَرَّاصُ کی جمع ہے خَرَّاصٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: غَمْرَةٌ گہرا پانی جس کی تہ نظر نہ آئے، یہاں چھا جانے والی جہالت مراد ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: اَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ اَيَّانَ خَيْرِ مَقْدَمِ يَوْمِ الدِّينِ مبتداء مؤخر۔

قَوْلُهُ: مَتَى مَجِيئُهُ، مَتَى اَيَّانَ کی تفسیر ہے مَجِيئُهُ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور حذف مضاف ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: اَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ مشرکین کی طرف سے سوال ہے اور يَوْمُ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ سوال کا جواب ہے، سوال اور جواب دونوں زمان ہیں اور زمان کا جواب زمان سے نہیں ہوتا بلکہ زمان کا جواب حَدَثٌ سے ہوتا ہے، مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی سوال کے جواب کے لئے مَجِيئُهُ مضاف محذوف مانا ہے تاکہ زمان کا جواب اخبار بالزمان سے ہو جائے۔

سُؤَالُ: اَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ میں تعیین وقت کا سوال ہے، اس کا جواب يَوْمُ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ہے جو کہ مبہم اور غیر متعین ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: مشرکین مکہ کا سوال چونکہ علم و فہم کے لئے نہیں بلکہ بطور استہزاء کے تھا اسی لئے حقیقتاً جواب کے بجائے صورت جواب دیا تاکہ سوال و جواب میں مطابقت ہو جائے، يَوْمُ کا ناصب یحیی محذوف ہے، هُمْ مبتداء ہے يُفْتَنُونَ خبر اور

علیٰ بمعنی فی ہے۔

سُؤَالٌ: یُفْتَنُونَ کا صلہ علیٰ کیوں لایا گیا؟

جَوَابٌ: یُفْتَنُونَ چونکہ بَعَرَضُونَ کے معنی کو متضمن ہے اس لئے یُفْتَنُونَ کا صلہ علیٰ لایا گیا ہے۔

قَوْلٌ: تَجْرَىٰ فِیْهَا اس اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قولِ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِی جَنَّتٍ وَعُیُونٌ سے معلوم ہوتا کہ متقی لوگ چشموں میں ہوں گے حالانکہ چشموں میں ہونے کا یار ہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے مفسر علام نے تَجْرَىٰ فِیْهَا کہہ کر اس کا جواب دیا۔ جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ متقی ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔

قَوْلٌ: اَخِذْیْنَ یہ ان کی خبر محذوف کی ضمیر سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کَانِئُونَ فِی جَنَّاتٍ وَعُیُونٍ حَالٌ کَوْنِهِمْ، اَخِذْیْنَ مَا اَتَاهُمْ رَبُّهُمْ۔

قَوْلٌ: مِنَ الثَّوَابِ یہ ما کا بیان ہے،

قَوْلٌ: یَهْجَعُونَ هَجُوعٌ سے رات کے سونے کو کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: وَبِالْاَسْحَارِ یَسْتَغْفِرُونَ کے متعلق ہے اور بَاءٌ بمعنی فی ہے الْاَسْحَارِ سحر کی جمع ہے رات کے سدسِ اخیر کو کہتے ہیں، یَسْتَغْفِرُونَ کا عطف یَهْجَعُونَ پر ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

سورہ ق کے مانند سورہ ذاریات میں بھی زیادہ تر مضامین آخرت اور قیامت، اس میں مردوں کے زندہ ہونے، حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کے متعلق ہیں، پہلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے، جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ چار ہیں ① اَلْذَّارِیَّتِ ذُرَّوۡا ② اَلْحَامِلَاتِ وِقْرًا ③ الْجَارِیَاتِ یُسْرًا ④ اَلْمَقْسِمَاتِ اَمْرًا اور ان کا مقسم بہ اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ہے۔

مفسر علام نے پہلے مقسم بہ سے ہوائیں اور دوسرے مقسم بہ سے بادل اور تیسرے سے کشتیاں اور چوتھے سے فرشتے مراد لئے ہیں، اسی مفہوم کی ایک مرفوع روایت بھی ہے جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی موقوفہ مذکورہ مفہوم مروی ہے (قرطبی، درمنثور) الْجَارِیَاتِ یُسْرًا اور الْمَقْسِمَاتِ اَمْرًا کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ان دونوں سے بھی ہوائیں مراد ہیں، یعنی پھر یہ ہوائیں بادلوں کو لیکر چلتی ہیں، اور پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں جتنا حکم ہوتا ہے، پانی تقسیم کرتی ہیں جو کہ رزق کا سبب ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ اِنْكُمْ لَفِی قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ، حُبُكُ، حَبِیْكَہُ کی جمع ہے، کپڑے کی دھاریوں کو کہتے ہیں،

دھاریاں چونکہ سڑک اور راستہ کے مشابہ ہوتی ہیں، اس لئے راستوں کو بھی حُبُک کہہ دیا جاتا ہے اور راستوں سے وہ راستے مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے، اور اس سے ستاروں اور سیاروں کے مدار بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور چونکہ کپڑے کی دھاریاں کپڑے کی زینت ہوتی ہیں اس لئے بعض مفسرین نے حُبُک کا ترجمہ زینت والے آسمان سے کیا۔

اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلَفٍ مذکورہ قسم کا یہ مقسم بہ ہے، بظاہر اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق مختلف اور متضاد باتیں کیا کرتے تھے، کبھی مجنون، کبھی جادوگر، تو کبھی شاعر، تو کبھی کاہن وغیرہ کے لغو خطابات دیتے تھے، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب عام لوگ ہیں، مسلم ہوں یا کافر اور قول مختلف سے مراد یہ ہو کہ بعض تو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں اور بعض انکار و مخالفت سے پیش آتے ہیں۔ (مظہری، معارف)

اس اختلاف اقوال پر، متفرق شکلوں والے آسمان کی قسم تشبیہ کے طور پر کھائی گئی ہے یعنی جس طرح آسمان کے بادلوں اور تاروں کے جھرمٹوں کی شکلیں مختلف ہیں ان میں کوئی مطابقت اور یکسانیت نہیں پائی جاتی، اسی طرح آخرت کے متعلق تم لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہو ہر ایک کی بات دوسرے سے مختلف ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ دنیا ازلی وابدی ہے اس میں کوئی شکست وریخت نہیں ہو سکتی اور نہ قیامت برپا ہوگی، کوئی کہتا ہے کہ یہ نظام حادث ہے اور ایک دن یہ ختم ہو جائے گا، مگر انسان سمیت جو چیز فنا ہوگئی پھر اس کا اعادہ ممکن نہیں ہے، کوئی اعادہ کو تو ممکن مانتا ہے مگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اچھے برے اعمال کا نتیجہ بھگتنے کے لئے پھر اسی دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے، کوئی جنت و جہنم کا قائل ہے مگر اس کے ساتھ تنازع کو بھی ملاتا ہے یعنی ان کا یہ خیال ہے کہ گنہگار جہنم میں جا کر سزا بھگتتا ہے اور پھر اس دنیا میں بھی سزا پانے کے لئے بار بار جنم لیتا رہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ دنیا کی زندگی خود ایک عذاب ہے جب تک انسان کو دنیوی زندگی سے لگاؤ باقی رہتا ہے اس وقت تک وہ اس دنیا میں مرمَر کر پھر جنم لیتا رہتا ہے اور اس کی حقیقی نجات (نزدان) یہ ہے کہ وہ فنا (موکش) ہو جائے اور کوئی آخرت اور دوزخ و جنت کا تو قائل ہے مگر کہتا ہے کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر موت دے کر انسان کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور اس بیٹے پر ایمان لا کر آدمی اپنے اعمال بد کے بُرے نتائج سے بچ جائے گا، اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو آخرت اور جزاء و سزا ہر چیز کو مان کر بعض ایسے بزرگوں کو شفیع تجویز کرتے ہیں کہ جو اللہ کے ایسے پیارے ہیں یا اللہ کے یہاں ایسا زور اور پہنچ رکھتے ہیں کہ جو ان کا دامن گرفتہ ہو وہ دنیا میں سب کچھ کر کے بھی سزا سے بچ سکتا ہے۔

اقوال کا یہ اختلاف خود ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وحی رسالت سے بے نیاز ہو کر انسان نے اپنے اور اس دنیا کے انجام پر جب بھی کوئی رائے قائم کی ہے علم کے بغیر قائم کی ہے ورنہ اگر انسان کے پاس اس معاملہ میں فی الواقع براہ راست علم کا کوئی ذریعہ ہوتا تو اتنے مختلف اور متضاد عقیدے پیدا نہ ہوتے۔

یُوَفِّکُ عَنْہُ، اِنک کے لغوی معنی پھر جانے، منحرف ہو جانے کے ہیں، اور عَنْہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ ضمیر قرآن اور رسول کی طرف راجع ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ قرآن اور رسول سے وہی بد نصیب منحرف ہوتا ہے جس کے لئے محرومی مقدر ہو چکی ہے مفسر علام نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ عَنَّهُ کی ضمیر قولِ مختلف کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ تمہارے مختلف اور متضاد اقوال کی وجہ سے وہی شخص قرآن اور رسول کا منکر ہوتا ہے جو ازیلی بد نصیب اور محروم ہی ہو۔

قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ، خَرَّاص کے لغوی معنی اندازہ لگانے والے اور ظن و تخمین سے باتیں کرنے والے کے ہیں، مراد کفار ہیں جو آنحضرت ﷺ کے بارے میں بلا کسی علم و دلیل کے مختلف اور متضاد باتیں کہتے تھے اس لئے خَرَّاصُونَ کا ترجمہ کذابوں سے بھی کر دیا جائے تو بعید نہیں۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ کفار اور منکرین کے ذکر کے بعد مومنین و متقین کا ذکر کئی آیتوں میں آیا ہے، يَهْجَعُونَ، هَجُوع سے مشتق ہے جس کے معنی رات کے سونے کے ہیں، مَا، قلت کی تاکید کے لئے ہے اس میں پرہیزگار مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ رات اللہ کی بندگی میں گزارتے ہیں، سوتے بہت کم ہیں، یہ تفسیر ابن جریر سے منقول ہے، اور حسن بصری سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، اور حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما قنادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملہ کا مطلب حرف ماکوننی کے لئے قرار دے کر یہ بتلایا ہے کہ رات کو ان پر تھوڑا سا حصہ ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں بلکہ عبادت نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں جو رات کے کسی بھی حصے میں عبادت کر لیں خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں، اسی لئے حضرت انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ابوالعالیہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا ہے، جو مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ محروم سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے، چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے، یہ قنادہ اور زہری کی رائے ہے (شوکانی) یا وہ شخص مراد ہے جس کا آفت ارضی و سماوی سے سب کچھ تباہ ہو جائے، یہ زید بن اسلم سے منقول ہے (فتح القدیر شوکانی) حسن اور محمد ابن الحنفیہ نے کہا ہے کہ محروم وہ شخص ہے کہ جو مال غنیمت اور مالِ فئی سے محروم رہے اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں۔

صدقہ و خیرات کرنے والوں کو خاص ہدایت:

اس آیت میں مومنین متقین کی یہ صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے وقت صرف سائلین ہی کو نہیں دیتے بلکہ ایسے لوگوں کا بھی خیال رکھتے ہیں جو اپنی حاجت شرم و شرافت کی وجہ سے کسی پر ظاہر نہیں کرتے، مطلب یہ کہ یہ مومنین متقین صرف بدنی عبادت نماز روزہ اور شب بیداری پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مالی عبادت میں بھی ان کا بڑا حصہ رہتا ہے، کہ سائلین کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ جو شرافت و شرم کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتے، اور یہ لوگ جن فقراء و مساکین پر خرچ کرتے ہیں ان پر کوئی احسان نہیں جتلاتے، بلکہ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہمارے اموال خدا داد میں ان کا بھی حق ہے اور حق دار کو اس کا حق پہنچا دینا کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ ایک ذمہ داری سے اپنی سبک دوشی ہوا کرتی ہے۔

اِنَّهُ لَحَقُّ مِثْلٍ مَا اَنْتُمْ تَنْطِقُوْنَ یعنی جس طرح تم کو اپنے بولنے اور کلام کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا برپا ہونا بھی ایسا ہی واضح کھلا ہوا اور یقینی ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ (فرطی)

هَلْ اَتَيْتُكَ خِطَابٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمَكْرُمِيْنَ ۝۱۵ وَهُمْ مَلٰٓئِكَةٌ اِثْنَا عَشَرَ اَوْ عَشْرَةٌ اَوْ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ جِبْرِيلُ اِذَا ظَرَفْتَ لِحَدِيثِ ضَيْفِ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلَامًا اِیْ هَذَا اللفظ قَالَ سَلَامٌ اِیْ هَذَا اللفظ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۱۶ لَا نَعْرِفُهُمْ قَالَ ذٰلِكَ فِیْ نَفْسِهِ وَهُوَ خَبْرٌ مُّبْتَدِئٌ مُّقَدَّرٌ اِیْ هُوَ لَا فَرَاغَ مَا لَ اِلٰی اَهْلِهِ سِرًّا فَجَاءَ بِعَجَلٍ سَمِيْنٍ ۝۱۷ وَفِیْ سُوْرَةِ هُوْدٍ بِعَجَلٍ حَنِیْذٍ اِیْ مَشْوٰی فَقَرَبَهُ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۱۸ عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْاَكْلَ فَلَمْ یُجِیْبُوْا فَاَوْجَسَ اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِهِ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ ۝۱۹ ذِیْ عِلْمٍ کَثِیْرٌ هُوَ اِسْحٰقُ کَمَا ذِکَرَ فِیْ سُوْرَةِ هُوْدٍ فَاَقْبَلَتْ اَمْرَاتُهُ سَارَةً فِیْ صَرَةٍ صَیْحَةٍ حَالٌ اِیْ جَاءَتْ صَیْحَةٌ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطَمَتْهُ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝۲۰ لَمْ تَلِدْ قَطُّ وَعُمْرُهَا تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ سَنَةً وَعُمْرُ اِبْرٰهِيْمَ مِائَةٌ سَنَةٌ اَوْ عُمْرُهُ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً وَعُمْرُهَا تِسْعُوْنَ سَنَةً قَالُوْا كَذٰلِكَ اِیْ مِثْلَ قَوْلِنَا فِی الْبَشَارَةِ قَالَ رَبُّكَ اِنَّهُ هُوَ الْحَكِيْمُ فِیْ صُنْعِهِ الْعَلِيْمُ ۝۲۱ بِخَلْقِهِ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَانُكُمْ اِیْهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۲۲ قَالُوْا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۲۳ کَافِرِيْنَ اِیْ قَوْمٍ لُّوْطٍ لِّرُّسُلِ عَلَيْهِمْ جَارَةٌ مِّنْ طٰٓئِنٍ ۝۲۴ مَطْبُوْخٌ بِالنَّارِ مُسَوِّمَةٌ مُّعَلَّمَةٌ عَلَيْهَا اِسْمٌ مِّنْ یُّرْسٰی بِهَا عِنْدَ رَبِّكَ ظَرَفْتَ لَهَا لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝۲۵ بِاِثْنَانِهِمُ الذُّكُوْرَ مَعَ کُفْرِهِمْ فَاَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِیْهَا اِیْ قَرٰی قَوْمٍ لُّوْطٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۶ لِاِهْلَاكِ الْکَافِرِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غٰیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۲۷ وَهُمْ لُّوْطٌ وَابْنَتَاهُ وَصَفُوْا بِالْاِيْمَانِ وَالْاِسْلَامِ اِیْ هُمْ مُّصَدِّقُوْنَ بِقُلُوْبِهِمْ غَايِلُوْنَ بِجَوَارِحِهِمُ الطَّاعَاتِ وَتَرَكْنَا فِیْهَا بَعْدَ اِهْلَاكِ الْکَافِرِيْنَ اٰیَةً عَلَامَةً عَلٰی اِهْلَاكِهِمْ لِلَّذِيْنَ یَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۲۸ فَلَا یَفْعَلُوْنَ بِشَلِّ فَعَلِهِمْ وَفِیْ مُّوْسٰی مَعْطُوْفٌ عَلٰی فِیْهَا الْمَعْنٰی وَجَعَلْنَا فِیْ قِصَّةِ مُّوْسٰی اٰیَةً اِذَا اُرْسَلْنَاهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ مُّتَلَبِّسًا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۹ بِخُجَّةٍ وَاضِحَةٍ فَتَوَلٰی اَعْرَضَ عَنِ الْاِيْمَانِ بِرُکْنِهِ مَعَ جُنُوْدِهِ لِاَنَّهُمْ لَهٗ کَالرُّکْنِ وَقَالَ لِمُوْسٰی هُوَ سِحْرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝۳۰ فَاَخَذْنَاهُ وَجُنُوْدَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فَرَحْنَاهُمْ فِی الْیَمِّ الْبَحْرِ فَعْرِقُوْا وَهُوَ اِیْ فِرْعَوْنُ مُّلِیْمٌ ۝۳۱ اَبَیْ بِمَا یُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ تَکْذِیْبِ الرُّسُلِ وَدَعْوٰی الرُّبُوْبِیَّةِ وَفِیْ اِهْلَاكِ عَادٍ اٰیَةً اِذَا اُرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّیْحُ الْعَقِيْمُ ۝۳۲ هِیَ الَّتِیْ لَا خَیْرَ فِیْهَا لِاَنَّهَا لَا تَحْمِلُ الْمَطَرَ وَلَا تُلْقِحُ الشَّجَرَ وَهِيَ الذُّبُوْرُ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ اَنْتَ عَلَیْهِ الْاِجْعَلْتَهُ کَالرَّمِیْمِ ۝۳۳ کَالْبَالِیِ الْمُتَفَتَّتِ وَفِیْ اِهْلَاكِ ثَمُوْدَ اٰیَةً اِذْ قِيلَ لَهُمْ بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ تَمَتَّعُوا حَتّٰی حِیْنٌ ۝۳۴ اِیْ اِلٰی اِنْقِضَاءِ اَجَالِكُمْ کَمَا فِیْ اٰیَةِ تَمَتَّعُوا فِیْ دَارِکُمْ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَعَتَوْا تَکَبَّرُوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اِیْ عَنِ اِسْتِثَالِهِ فَاَخَذْتَهُمُ الصَّعِقَةُ بَعْدَ مَضٰی ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ اِیْ الصَّیْحَةُ الْمُهْلِكَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝۳۵ اِیْ بِالنَّهَارِ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِیَامٍ اِیْ مَا قَدَرُوا عَلٰی التُّهُوْضِ حِیْنَ نَزُولِ

الْعَذَابِ وَمَا كَانُوا مُتَصِرِينَ ﴿۱۰﴾ عَلَىٰ سَنٍ أَهْلَكْتَهُمْ وَقَوْمٌ نُوحٍ بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلَىٰ نَمُودَای وَفِیْ اِهْلَاكِهَمْ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اِیةٌ وَبِالنَّضْبِ اِی وَاهْلَاكُنَا قَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ اِی قَبْلِ اِهْلَاكِ هَؤُلَاءِ الْمَذْكُورِیْنَ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِیْنَ ﴿۱۱﴾

۱۰۳۱

ترجمہ: اے محمد ﷺ کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا واقعہ آپ تک پہنچا؟ اور وہ بارہ یادس یا تین فرشتے تھے، ان میں جبرائیل علیہ السلام بھی تھے جبکہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے (اِذْ) حدیث ضیف کا ظرف ہے، تو انہوں نے سلام کیا یعنی لفظ سَلَامًا کہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی (جواب میں) لفظ سلام کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جی میں کہا یہ تو انجانے لوگ ہیں (قوم منکرون) مبتداء مقدر کی خبر ہے اور وہ ہڈولاء ہے پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک (بھنا ہوا) فرہہ پھڑلائے اور سورہ ہود میں ہے جاء بعجلٍ حَنِیْدٍ یعنی بھنا ہوا پھڑلائے، اور اسے ان کے سامنے رکھا اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ یعنی ان کے سامنے کھانا رکھا لیکن انہوں نے توجہ نہ کی تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے (یعنی) اپنے دل میں (خوف محسوس کیا) تو ان لوگوں نے کہا ڈرو مت بلاشبہ ہم تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک ذی علم لڑکے کی خوشخبری دی یعنی کثیر العلم لڑکے کی اور وہ اسحق علیہ السلام تھے جیسا کہ سورہ ہود میں مذکور ہوا تو ان کی بیوی سارہ چیختی ہوئی آگے بڑھی (فِی صَوْرَةٍ) حال ہے یعنی (تعجب سے) چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا بڑھیا بانجھ جس نے کبھی کچھ نہیں جنا اور ان کی عمر ننانوے سال تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی، یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور ان کی بیوی کی عمر نوے سال تھی، فرشتوں نے کہا تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے یعنی ہماری بشارت کے مانند بلاشبہ وہ حکیم ہے اپنی صنعت میں اور باخبر ہے اپنی مخلوق کے بارے میں (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے فرستادو! تم کو کیا مہم درپیش ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا ہم کو مجرم کا فرقہ کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی قوم لوط کی طرف تاکہ ہم ان پر آگ میں پکے ہوئے مٹی کے کنکر برسائیں جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں حد سے گذر جانے والوں کے لئے اغلام بازی کی وجہ سے ان کے ساتھ یعنی جس شخص کو جس کنکری کے ذریعہ ہلاک کیا جانا ہے اس پر اس کے نام کی علامت لگی ہوئی ہے (یعنی اس کا نام لکھا ہوا ہے) عِنْدَ رَبِّكَ، مُسَوِّمَةٌ کا ظرف ہے پس جتنے ایمان دار وہاں یعنی قوط لوط کی بستیوں میں موجود تھے ہم نے نکال لئے کافروں کو ہلاک کرنے کے لئے ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا اور وہ لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں کا گھر نہ تھا، اہل خانہ کا ایمان اور اسلام کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے یعنی وہ اپنے قلوب سے تصدیق کرنے والے اور اپنے اعضاء سے طاعت پر عمل کرنے والے اور ہم نے اس بستی میں کافروں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کی ہلاکت پر ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں علامت چھوڑ دی تاکہ ان جیسی حرکت نہ کریں اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی اس کا عطف فیہما پر ہے اور معنی یہ ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی

علامت رکھی ہے کہ ہم نے اس کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون نے مع اپنے لشکر کے ایمان سے اعراض کیا (لشکر کو رکن کہا ہے) اس لئے کہ لشکر اس کے لئے رکن کے مانند تھا، اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ جادوگر یا باؤلا ہے بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا سو وہ سب کے سب غرق ہو گئے اور وہ یعنی فرعون تھا ہی ملامت کے قابل یعنی ایسی حرکت کرنے والا تھا کہ جس پر اس کو ملامت کی جائے (اور) وہ رسولوں کی تکذیب اور دعوائے ربوبیت ہے اور قوم عاد کو ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر بانجھ (بے فیض) ہوا بھیجی وہ ایسی ہوا تھی کہ اس میں کوئی فیض نہیں تھا، اس لئے کہ وہ ہوا نہ تو حاملِ مطر تھی اور نہ درختوں کو بار آور کرنے والی، کہا گیا ہے کہ وہ جنوبی ہوا تھی وہ جس چیز پر بھی گذرتی تھی خواہ جان ہو یا مال اس کو بوسیدہ ہڈی کے مانند ریزہ ریزہ کر دیتی تھی اور ثمود کے ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے جب ان سے اونٹنی کو ہلاک کرنے کے بعد کہا گیا چند دن یعنی اپنی زندگی کی مدت پوری ہونے تک اور مزے اڑالو جیسا کہ آیت تَمَتُّوْا فِیْ دَارِ کُمْ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ میں ہے، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم یعنی اس کی بجا آوری سے سرتابی کی جس پر انہیں تین دن گذرنے کے بعد عذاب نے آ پکڑا یعنی ایک مہلک چیخ نے، اور وہ (عذاب) کو روزِ روشن میں (کھلی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے یعنی نزولِ عذاب کے وقت وہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے اور نہ وہ ان کو ہلاک کرنے والے سے بدلہ ہی لے سکے، اور ان سے پہلے قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا یعنی ان مکذبین مذکورین کو ہلاک کرنے سے پہلے اور وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاهِیْمَ، هَلْ یہاں شوق دلانے، دلچسپی پیدا کرنے اور اس قصہ کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ هَلْ بِمَعْنٰی قَدْ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول هَلْ اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانَ حِیْنَ مِّنَ الدَّهْرِ الْخ میں هَلْ بِمَعْنٰی قَدْ ہے۔ (صاوی)

سُؤَالٌ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بطور مہمان آنے والے فرشتوں کی تعداد تین سے زیادہ تھی، جس کے لئے ضیوف جمع کا لفظ استعمال ہونا چاہئے، حالانکہ ضَیْفٌ مفرد کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: ضَیْفٌ چونکہ اصل میں مصدر ہے جس کا اطلاق واحد ثنیہ جمع سب پر ہوتا ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اِذْ دَخَلُوْا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِذْ دَخَلُوْا، اُذْ کر فعل محذوف کا ظرف ہے، اور وہی اس کا ناصب ہے اور بعض نے حدیث کو عامل بنایا ہے اِیْ هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُهُمُ الْوَاقِعُ فِیْ وَقْتِ دُخُوْلِهِمْ عَلَیْهِ اور بعض حضرات نے الْمُکْرَمِیْنَ کو ناصب قرار دیا ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے آنے والے مہمانوں کا داخل ہونے کے وقت اکرام کیا تھا۔

قَوْلٌ: فَقَالُوا سَلَامًا، سَلَامًا مفعول مطلق ہے اس کا فعل ناصب سَلَّمْتُ محذوف ہے ای سَلَّمْتُ سَلَامًا یا نُسَلِّمُ علیکم سَلَامًا ہے مصدر جو کہ فعل کی بھی قائم مقامی کر رہا ہے، اس لئے فعل کو حذف کر دیا گیا۔

قَوْلٌ: قَالَ سَلَامٌ ابراہیم علیہ السلام نے جواب فرمایا سَلَامٌ، سَلَامٌ کانکرہ ہونے کے باوجود مبتداء بنا صحیح ہے اس لئے کہ سَلَامٌ دعاء کے معنی کو متضمن ہے (لغات القرآن، درویش) ثبات و دوام پر دلالت کرنے کے لئے رفع کی جانب عدول کیا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام مہمانوں کے سلام سے بہتر ہو جائے۔

قَوْلٌ: فَأَوْجَسَ اس نے پایا، اس نے محسوس کیا، یہ اِيجَسُ سے ماضی واحد مذکر غائب ہے، اِيجَسُ کے معنی دل میں محسوس کرنا، اور دل میں مخفی آواز کا آنا۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: أَضْمَرَ فِي نَفْسِهِ کا اضافہ محض بیان معنی کے لئے ہے۔

قَوْلٌ: صَرَّةٌ شَدِيدٌ جِيجٌ پکار کو کہتے ہیں، صَرِيرُ الْبَابِ دروازے کی آواز صَرِيرُ الْقَلَمِ قلم کے لکھنے کی آواز أَقْبَلْتُ صَانِحَةً ای جَاءَتْ صَانِحَةً چیختی چلاتی آئی، اور بعض حضرات نے أَقْبَلْتُ کا ترجمہ أَخَذْتُ کیا ہے یعنی سارہ نے چیخنا چلانا شروع کر دیا، یہ أَقْبَلْتُ شَتَمْتَنِي کے قبیل سے ہے یعنی تو نے مجھے گالی دینی شروع کر دی۔

قَوْلٌ: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا یعنی سارہ نے بڑھاپے میں فرزند کی خوشخبری سن کر تعجب سے اپنا منہ پیٹ لیا قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ای انا عَجُوزٌ عَقِيمٌ فَكَيْفَ الْذُّ

قَوْلٌ: كَذَلِكَ یہ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای قَالَ قَوْلًا مِثْلَ ذَلِكَ الَّذِي قُلْنَا۔

قَوْلٌ: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ یہ جملہ متانفہ ہے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، گویا کہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے مذکورہ گفتگو کے بعد کیا کہا، جواب دیا: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ۔

قَوْلٌ: خَطْبٌ، خَطْبٌ کے معنی شان اور قصہ اور امر عظیم، اور کاریزم کے ہیں۔

قَوْلٌ: حِجَارَةٌ مِنْ طِينٍ مَطْبُوعٍ بِالنَّارِ، حِجَارَةٌ یہ حَجَر کی جمع ہے۔

سُؤَالٌ: مِنْ طِينٍ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: اس اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے اس لئے کہ بعض اوقات حِجَارَةٌ اور حَجَرٌ اولوں کو بھی کہا جاتا ہے، حِجَارَةٌ کے مجازی معنی مراد ہوں تو مطلب ہوگا کہ قوم لوط کو اولوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ اس میں يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ کے اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات تیز رفتار شخص کو بھی مجازاً طائر کہہ دیا جاتا ہے۔

سُؤَالٌ: مفسر علام نے مَطْبُوعٌ بِالنَّارِ کا اضافہ کس مقصد کے لئے کیا ہے؟

جَوَابٌ: یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ حِجَارَةٌ مٹی کا نہیں ہوتا تو پھر یہاں مٹی کا پتھر کیوں کہا گیا ہے یہاں حِجَارَةٌ مِنْ طِينٍ سے آگ میں پکی ہوئی مٹی مراد ہے جو سختی اور صلابت میں پتھر ہی کے مثل ہوتی ہے، اسی کو سَجِيلٌ کہتے ہیں یہ درحقیقت سَنگِ گل کا

مغرب ہے، جس کو نکر بھی کہا جاتا ہے۔

قَوْلٌ: مُسَوَّمَةٌ، مُسَوَّمَةٌ کے معنی معلّمة یعنی نشان زدہ کے ہیں مُسَوَّمَةٌ یا تَوْحِجَارَةٌ کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا حِجَارَةٌ سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلٌ: عِنْدَ رَبِّكَ یہ مُسَوَّمَةٌ کا ظرف ہے ای مُعَلَّمَةٌ عنده۔

قَوْلٌ: فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو رہا ہے، سابق میں حضرت ابراہیم اور فرشتوں کی گفتگو نقل کی گئی تھی۔

سُئِلَ: فِيهَا کا مرجع قرئی قوم لوط ہیں، حالانکہ ماقبل میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔
جَوَابٌ: چونکہ قرئی قوم لوط معروف اور معبود فی الذہن تھے اس لئے ضمیر لانا درست ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل شعر میں محبوب کے معروف یا معبود فی الذہن ہونے کی وجہ سے بغیر سابق میں ذکر کے ضمیر لائی گئی ہے۔

پوچھو پتہ نہ اُن کا آگے بڑھے چلو ہوگا کسی گلی میں فتنہ جگا ہوا
قَوْلٌ: وَفِي مُوسَى اس کا عطف فِيهَا پر ہے اور تَرَكْنَا کے تحت میں ہے، جیسا کہ مفسر علام نے جَعَلْنَا فِي قِصَةِ مُوسَى آیۃ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے یعنی ہم نے چشم بصیرت رکھنے والوں کے لئے موسیٰ عليه السلام کے قصہ میں بھی عبرت کا سامان رکھ دیا ہے اور وَفِي مُوسَى کا عطف فِيهَا پر ہے۔

قَوْلٌ: مَعَ جُنُودِهِ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ بُرُكْنِهِ میں باء بمعنی مع ہے۔
قَوْلٌ: سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ اَوْ بمعنی واؤ بھی ہو سکتا ہے اور یہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ حضرت موسیٰ عليه السلام کو دونوں لقبوں سے یاد کرتے تھے قرآن کریم نے ایک جگہ فرعون یوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ اور دوسری جگہ فرعون یوں کا قول حضرت موسیٰ عليه السلام کے بارے میں نقل کرتے ہوئے فرمایا اَرْسَلْنَاكَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٍ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اَوْ بمعنی واؤ ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اَوْ، عَلٰی بَابِهَا ہو اور مراد قوم کو تشکیک اور ابہام کے ذریعہ دھوکا دینا ہو۔

قَوْلٌ: وَجُنُودُهُ یہ بھی درست ہے کہ اَخَذْنَاہ کی ضمیر مفعولی ہ پر عطف ہو یہ کہ مفعول معہ ہو اور یہی ظاہر ہے۔
قَوْلٌ: عَقِيمٌ بانجھ عورت السَّبِیْحُ الْعَقِيمُ سے مراد وہ ہوا ہے جو بے فیض بلکہ مضر ہو، نہ مثمر شجر ہو اور نہ حامل مطر اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ہوا دُبُور (پچھوا) تھی، حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا اِنْصِرْتُ بِالْصَّبَا وَاَهْلَكَ عَادَ بِالْذُبُورِ اور بعض نے جنوبی ہوا مراد لی ہے۔

قَوْلٌ: لَا تُلْقِیْ، اِلْقَاحُ سے بمعنی حاملہ کرنا، بار آور کرنا، مادہ لَقَحُ ہے (س) لَقَحًا حاملہ ہونا۔
قَوْلٌ: الصَّعِقَةُ صاعقۃ آسمانی بجلی کو بھی کہتے ہیں اور چیخ و چنگھاڑ کو بھی کہتے ہیں یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں تاکہ دوسری آیت اِنْ عَذَابُہُمُ الصَّیْحَةُ کے مخالف نہ ہو۔

ہوئے، عَلٰی مَنْ اَهْلَكُهُمْ یہ و مَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ کی تفسیر ہے، یعنی وہ اپنے ہلاک کرنے والے پر غالب نہ آسکے یا اس سے انتقام نہ لے سکے، مگر یہ معنی درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے نہ کوئی انتقام لینے پر قادر ہے اور نہ غالب آنے پر لہذا بہتر ہوتا کہ علامہ محلی بجائے عَلٰی مَنْ اَهْلَكُهُمْ کے و مَا كَانُوا دَافِعِينَ عَنْ اَنْفُسِهِمُ الْعَذَابَ فرماتے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

هَلْ اَتَكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهیمؑ یہاں سے رکوع کے آخر تک آپ ﷺ کی تسلی کے لئے چند انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور بعض گزشتہ قوموں کے انجام کی طرف مختصر اشارات کئے گئے ہیں، ان واقعات میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ پہلا واقعہ ہے، یہ واقعہ قرآن مجید میں پہلے بھی سورہ ہود اور سورہ عنکبوت میں گذر چکا ہے، هَلْ یَا تُو بِمَعْنٰی قَدْ ہے یا استفہام تشویق و تعظیم کے لئے ہے، ضَیْف اگرچہ واحد ہے مگر مصدر ہونے کی وجہ سے اس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے، یہ مہمان انسانی شکل میں آئے تھے، ان کے بارے میں ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُونَ مہمان بنکر انسانی شکل میں آنے والے فرشتوں کی تعداد کتنی تھی اس میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تین تھے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل۔

(فتح القدیر)

فرشتوں نے آکر سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہتر طریقہ سے جواب دیا، اور اپنے دل میں کہا انجانے لوگ معلوم ہوتے ہیں، یا اپنے اہل کے پاس جاتے ہوئے اپنے کسی خادم وغیرہ سے کہا مطلب یہ ہے کہ خود مہمانوں سے نہیں فرمایا اس لئے کہ بظاہر یہ بات نامناسب معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مہمانوں سے فرمایا ہو کہ آپ حضرات سے کبھی اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا آپ شاید اس علاقہ میں نئے نئے تشریف لائے ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰی اَهْلِهِ چپکے سے خاموشی کے ساتھ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے گھر میں تشریف لے گئے تاکہ مہمان تکلفاً یہ نہ کہیں کہ اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

آدابِ مہمانی:

ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے چند آدابِ میزبانی کی تعلیم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں، اور مہمان نوازی کے لئے ان کے پاس جو سب سے اچھی چیز موجود تھی کھانے کے لئے پیش کی، پچھڑا ذبح کیا اس کو بھونا اور لے آئے دوسری بات یہ کہ مہمانوں کو اس بات کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلا تے بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا، مگر کھانا سامنے رکھنے کے باوجود جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو پوچھا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اور ساتھ ہی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، غالباً اس ملک کا دستور تھا کہ مہمان اگر کوئی برا خیال رکھتا یا اس کا ارادہ تکلیف پہنچانے کا ہوتا تو وہ کھانا نہ کھاتا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب

ان نووارد مہمانوں کو کھانے سے دست کش پایا تو دل میں اندیشہ کیا کہ مبادا ان کا کوئی شر کا ارادہ ہو، مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندیشہ کو سمجھ گئے اس لیے کہ اس وقت کے چوروں اور ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھالیا تو پھر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے اس لئے نہ کھانے سے شبہ ہوتا تھا کہ آنے والے کی نیت خیر نہیں معلوم ہوتی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندیشہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ڈرو نہیں، ہم کھانے سے دستکش اس لئے نہیں کہ ہم کوئی بُرا ارادہ لیکر آئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم بصورت انسانی فرشتے ہیں ہم کھایا نہیں کرتے اور اپنے فرشتے ہونے کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دانشمند ذی علم فرزند کی خوشخبری بھی دیدی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک لڑکا عطا کرے گا جو ایسا اور ویسا ہوگا، اور یہ خوشخبری جمہور کے نزدیک حضرت اسحق کی تھی جیسا کہ سورہ ہود میں اس کی صراحت موجود ہے۔

فَاقْبَلْتُ إِمْرَأَتَهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا (الخ) صَرَّةٌ غیر معمولی آواز کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت سارہ جو کہ قریب ہی کہیں کھڑی تھیں جب یہ سنا کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے ہیں تو غیر اختیاری طور پر حضرت سارہ کے منہ سے کچھ الفاظ حیرت اور تعجب کے نکلے تو کہا ”عجوز عقیم“ اول میں بڑھیا پھر بانجھ جس کے جوانی میں کچھ نہیں ہوا، اب بڑھاپے میں کیا امید کی جاسکتی ہے، اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا ”كَذَلِكَ“ یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے یہ کام یوں ہی ہوگا، چنانچہ بشارت کے مطابق جب حضرت اسحق علیہ السلام پیدا ہوئے تو سارہ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ (فرطبی، معارف)

اس گفتگو سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ یہ مہمان اللہ کے فرشتے ہیں تو آپ نے دریافت فرمایا آپ کس مہم پر تشریف لائے ہیں، خطب، اہم اور عظیم کام کو کہتے ہیں، چونکہ فرشتوں کا انسانی شکل میں اور وہ بھی جماعت کی شکل میں آنا کسی اہم اور عظیم الشان کام ہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ ان حضرات کی آمد کسی اہم کام کے سلسلے میں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ اے فرستادو! آپ کو کیا مہم درپیش ہے، فرشتوں نے جواب دیا، ہم کو ایک مجرم قوم کی طرف عذاب دینے کے لئے بھیجا گیا ہے، اور مجرم قوم سے قوم لوط علیہ السلام مراد ہے۔

مُسَوِّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ وہ کنکریاں تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں کہ اس کے ذریعہ کس مجرم کی سرکوبی ہونی ہے، سورہ ہود اور الحجر میں اس عذاب کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ان کی بستیوں کو پلٹ دیا گیا اور اوپر سے پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسادیئے گئے، کنکریوں پر کیا علامت لگی ہوئی تھی؟ بعض مفسرین نے کہا کہ ان کنکریوں پر سیاہ و سفید دھاریاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے سیاہ سرخ دھاریاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر کنکری پر اس مجرم کا نام لکھا ہوا تھا جس کی اس کے ذریعہ سرکوبی کرنی تھی۔

(فتح القدیر شوکانی)

فَاخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے ان کو آگاہ کر دیا گیا تھا اور اس بستی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا تا کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں، اور یہ حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں

اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے، کہتے ہیں کہ یہ کل تیرہ آدمی تھے ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی، بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں تھی۔ (امسرتناسیں)

وَتَرْكُنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْاَلِيمَ اس کے بعد ہم نے بس ایک نشانی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وہ نشانی کیا تھی؟

بعض مفسرین حضرات نے ان نشان زدہ کنکریوں کو نشانی قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس نشانی سے مراد بحیرہ مردار (Dead Sea) ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی تباہی و بربادی کے آثار پیش کر رہا ہے، ماہرین آثار قدیمہ کا اندازہ ہے کہ قوم لوط کے بڑے شہر غالباً شدید زلزلے سے زمین کے اندر دھنس گئے تھے اور ان کے اوپر بحیرہ مردار کا پانی پھیل گیا تھا کیونکہ اس بحیرہ کا وہ حصہ جو ”اللسان“ نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے صاف طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے اور قدیم بحیرہ مردار کے جو آثار اس جزیرہ نما کے شمال تک نظر آتے ہیں وہ جنوب میں پائے جانے والے آثار سے بہت مختلف ہیں، اس لئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے اس بحیرہ کی سطح سے بلند تھا بعد میں کسی وقت دھنس کر اس کے نیچے چلا گیا اس کے دھسنے کا زمانہ بھی دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے اور یہی تاریخی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا زمانہ ہے، ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا ہے جس میں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر ضرور آباد تھا مگر کسی ایسے شہر کے آثار اس پاس کہیں موجود نہیں ہیں، جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو، اس سے بھی اس شبہ کی تقویت ہوتی ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرہ میں غرق ہو چکا ہے، بحیرہ کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، تار کول، اور قدرتی گیس کے اتنے بڑے ذخائر پائے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا زلزلے کا لاوانٹکے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ بِقُوَّةٍ ۖ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿١٧﴾ لَهَا قَادِرُونَ يُقَالُ إِذَا الرَّجُلُ يَثْبُتُ قُوًى وَأَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَا سِعَةٍ وَقُدْرَةٍ ۖ وَالْأَرْضُ فَرَشْنَاهَا مَهْدِنَاهَا ۖ فَنِعْمَ الْمُهْدُونَ ﴿١٨﴾ نَحْنُ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ صِنْفَيْنِ كَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى ۖ وَالسَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالسَّهْلُ وَالْجَبَلُ وَالصَّنِيفُ وَالشِّتَاءُ وَالْحُلُوفُ وَالخَابِضُ وَالنُّورُ وَالظُّلْمَةُ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٩﴾ بِحَذْفِ أَحَدَى التَّائِيْنِ مِنَ الْأَصْلِ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقَ الْأَزْوَاجِ فَرَدٌ فَتَعْبُدُونَهُ فِقِرُّوْا إِلَى اللَّهِ أَيِ إِلَى ثَوَابِهِ مِنْ عِقَابِهِ بِأَنْ تُطِيعُوهُ وَلَا تَعْصُوهُ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٢٠﴾ بَيِّنُ

الْإِنذَارِ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ يُقَدِّرُ قَبْلَ فَعِرُوا قُلْ لَهُمْ كَذَلِكَ مَا اتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا هُوَ سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ ۝ أَيْ بِمِثْلِ تَكْذِيبِهِمْ لَكَ بِقَوْلِهِمْ إِنَّكَ سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ تَكْذِيبُ الْأَمِّ قَبْلَهُمْ رُسُلَهُمْ بِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ اتَّوَصَّوْا كُلَّهُمْ بِهِ اسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَفْيِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ جَمَعَهُمْ عَلَى هَذَا الْقَوْلِ طُغْيَانُهُمْ فَقَوْلٌ أَعْرِضْ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٌ ۝ لِأَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسَالَهَ وَذَكَرْتَ عِظَ الْقُرْآنِ فَإِنَّ الدِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ عَلَّمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ يُؤْمِنُ وَمَا خَلَقْتَ الْجَنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ وَلَا يُنَافِي ذَلِكَ عَدَمَ عِبَادَةِ الْكَافِرِينَ لِأَنَّ الْغَايَةَ لَا يَلْزَمُ وَجُودَهَا كَمَا فِي قَوْلِكَ بَرِئْتُ هَذَا الْقَلَمَ لَا كُتِبَ بِهِ فَإِنَّكَ قَدْ لَا تَكُتُبُ بِهِ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ لِي وَلَا أَنْفُسِهِمْ وَغَيْرَهُمْ وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُطِيعُونِ ۝ وَلَا أَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ الشَّدِيدُ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ ذُنُوبًا نَصِيبًا مِنَ الْعَذَابِ مِثْلَ ذُنُوبِ نَصِيبِ أَصْحَابِهِمُ الْهَالِكِينَ قَبْلَهُمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ بِالْعَذَابِ إِنْ أَخَّرْتَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ قَوْلٌ شَدِيدٌ عَذَابٍ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ فِي يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝ أَيْ يَوْمِ الْقِيَمَةِ.

ع ۴

ترجمہ: اور آسمان کو ہم نے اپنی قدرت قوت سے بنایا اور بلاشبہ ہم وسیع قدرت ہیں (یعنی) ہم اس پر قادر ہیں بولا جاتا ہے اِذَا الرَّجُلُ يَنْدُبُ آدَمِي قَوِي هُوَ كَمَا (اور بولا جاتا ہے) اَوْسَعَ الرَّجُلُ آدَمِي وَسَعَتْ وَقَدَرَتْ وَالَا هُوَ كَمَا اور ہم نے زمین کو بچھایا سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا مثلاً نر اور مادہ، آسمان اور زمین، شمس اور قمر، میدان اور پہاڑ، گرمی اور سردی، شیریں اور ترش، نور اور ظلمت تاکہ تم سبق لو (تذکرون) میں اصل سے دو تاؤں میں سے ایک کو حذف کر کے تاکہ تم جان لو کہ ازواج کا خالق، فرد ہے (جوڑے کا پیدا کرنے والا جوڑ ہے) لہذا اس کی بندگی کرو (اے محمد ﷺ) آپ ان سے کہئے کہ اللہ کی طرف دوڑو یعنی اس کے عذاب سے اس کے ثواب کی جانب، بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو یقیناً میں تم کو اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ میں تم کو اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں (ففرؤوا) سے پہلے قُلْ لَهُمْ مَقْدَرٌ مَّا نَجَايَ گاہی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا ان سے کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ یعنی جس طرح یہ لوگ اپنے قول اِنَّكَ سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ کے ذریعہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اسی طرح انہی کلمات کے ذریعہ ان سے پہلی امتوں نے بھی اپنے رسولوں کی تکذیب کی کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر رہے ہیں؟ یہ استفہام بمعنی نفی ہے (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں ان کی سرکشی نے ان کو اس بات پر جمع کر دیا ہے تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں اس لئے کہ آپ نے تو ان کو پیغام پہنچا دیا اور آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے ہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی، جس کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ وہ ایمان لائے گا، میں نے جنات کو اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی

کریں اور یہ (مقصد تخلیق) کافروں کے عبادت نہ کرنے کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ غایت کا وجود لازم نہیں ہوتا جیسا کہ تو کہے کہ میں نے یہ قلم بنایا ہے لکھنے کے لئے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ اس قلم سے نہیں لکھتے نہ میں ان سے اپنے لئے روزی چاہتا ہوں نہ خود ان کے لئے اور نہ ان کے غیر کے لئے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں اور نہ خود ان کو اور نہ ان کے غیر کو اللہ تو خودی سب کو رزق دینے والا نہایت قوت والا ہے بلاشبہ مکہ وغیرہ کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا عذاب کی باری ہے ان کے ان ہم پشربوں کی باری کے مانند جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے لہذا وہ مجھ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ مچائیں اگر میں ان کو قیامت تک مہلت دیدوں ان کافروں کے لئے بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہوگی اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کا دن۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا جَمْعُورَ السَّمَاءِ پر اور وَالْأَرْضَ پر علی سبیل الاشتغال نصب پڑھا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَبَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا، وَفَرَشْنَا الْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا اور ابوالسماک اور ابن مقسم نے دونوں جگہ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع پڑھا ہے، اور ان دونوں کا مابعد ان کی خبر ہے، اول یعنی نصب اولی ہے، جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلُهُ: وَأَنَا لَمُوسِعُونَ یہ جملہ شارح کی تقریر کی رو سے حال مؤکدہ ہے، اس لئے کہ شارح نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ مُوسِعُونَ، قَادِرُونَ کے معنی میں ہے لہذا مُوسِعُونَ أَوْسَعَ لازم سے ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے أَوْرَقَ الشَّجَرِ ای صَارَ ذَاوَرَقٍ جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ لَمُوسِعُونَ شارح کی تقریر کے مطابق لازم ہے تو پھر جلالین کے جن نسخوں میں لَمُوسِعُونَ کے بعد لَہَا ہے وہ صحیح نہیں ہے، البتہ ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے لَمُوسِعُونَ کو متعدی کہا ہے ان کے نزدیک لَہَا صحیح ہوگا، اور اس صورت میں لَمُوسِعُونَ حال مؤسسہ ہوگا جو ایک نیا فائدہ دے گا۔

قَوْلُهُ: خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ

سُؤَال: زوجین کی سات مثالیں کیوں دیں؟ جبکہ ایک مثال بھی کافی ہو سکتی تھی؟

جَوَاب: متعدد مثالیں دیکر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جوڑے اور زوج کی جو بات ہے یہ محسوسات تک محدود ہے تاکہ عرش کرسی، لوح محفوظ، قلم کو لیکر اعتراض نہ ہو۔

قَوْلُهُ: استفہام بمعنی النفی مطلب یہ ہے کہ اولین و آخرین کو نبیوں کی تکذیب کرنے میں یکساں اور ایک ہی بات کہنے پر جمع کرنے والی چیز ایک دوسرے کو وصیت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ زمانے مختلف ہیں لہذا تو اسی ممکن نہیں ہے، بلکہ اصل سبب اور علت مشترکہ بغاوت، عناد اور سرکشی ہے جو دونوں فریقوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

قَوْلُهُ: لَاِنَّ الْعَايَةَ لَا يَلْزَمُ شارح رحمہ اللہ کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے اس شبہ کو دفع کرنا ہے کہ لِيَعْبُدُوْنَ میں لام علت باعث کے لئے ہے یعنی جن وانس کو پیدا کرنے کی علت اور غرض عبادت ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل معلل بالاغراض نہیں ہوتا، اس کا جواب دیا کہ لِيَعْبُدُوْنَ میں لام عاقۃ اور صورت کے لئے ہے جس کو علت غائیہ بھی کہتے ہیں، نہ کہ علت باعث کے لئے۔

قَوْلُهُ: وَلَا يُنَافِي ذَلِكَ عَدَمُ عِبَادَةِ الْكَافِرِيْنَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سُؤَالٌ: جب جن وانس کی تخلیق کی علت غائیہ عبادت ہے تو ہر انسان کو عبادت کرنی چاہئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کافر اللہ کی بندگی نہیں کرتے؟

جَوَابٌ: غایۃ کا وقوع ضروری اور لازم نہیں ہوتا مثلاً آپ ایک قلم بناتے ہیں لکھنے کے لئے مگر بعض اوقات اس سے نہیں لکھتے، حالانکہ آپ کے قلم بنانے کی غرض اور غایت لکھنا ہی ہے۔ دوسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ یہاں عباد سے مراد عباد مومنین ہیں جو کہ تعیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے، اور مومنین ایمان کے اعتبار سے عبادت گزار ہوتے ہیں۔

قَوْلُهُ: لَا نَفْسِهِمْ اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا دفع کرنا ہے۔
شبہ: عام طور پر دنیوی سادات اور غلاموں کے مالکوں کی یہ عادت اور طریقہ ہوتا ہے کہ غلام خریدنے کا مقصد ان سے اپنے لئے اور خود غلاموں کے نفقہ کے لئے کسب کرانا ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مقصد ہے؟

دفع: عام مالکوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی نہ یہ عادت ہے اور نہ ضرورت ہے بلکہ وہ تو خود اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے۔
قَوْلُهُ: ذُنُوبًا ذَالِ کے فتح کے ساتھ ذنب کی جمع ہے بڑے ڈول کو کہتے ہیں، اصطلاحی اور عرفی معنی میں، حصہ، باری کو کہتے ہیں۔

تَفْسِيْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

رابط:

سابقہ آیات میں قیامت و آخرت کا بیان اور اس کے منکرین پر عذاب کا ذکر تھا، ان آیات میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے اور روز قیامت زندہ کرنے اور ان سے حساب کتاب لینے پر جو مشرکین کو تعجب تھا اس کا ازالہ ہے، نیز توحید کا اثبات اور رسالت پر ایمان کی تاکید ہے۔

بَنَيْنَهَا بَآيِدٍ وَاِنَّا لَمُوسِعُونَ، اَيْدٍ قوت و قدرت کے معنی میں آتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہاں یہی معنی لئے ہیں لَمُوسِعُونَ، مُوسِعُونَ، مُوسِعٌ کی جمع ہے اس کے معنی طاقت و قدرت رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں یہ لازم ہوگا اور وسیع کرنے والے کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے متعدی ہوگا، اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد و تعاون سے نہیں بلکہ اپنے دست قدرت اور زور قوت سے بنایا ہے، پھر یہ تصور تم لوگوں کے دماغ میں آخر کیسے آگیا کہ ہم تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکیں گے؟ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات میں ہم مسلسل

وسعت کر رہے ہیں اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے رونما ہوتے رہتے ہیں، ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم نے اعادہ سے عاجز کیوں سمجھ رکھا ہے؟ اور کہا گیا ہے کہ رزق میں وسعت کرنا مراد ہے اِنَّا لَمُوسِعُونَ الرِّزْقَ بِالْمَطَرِ جوہری نے کہا ہے: اَوْسَعَ الرَّجُلُ، صَارَ ذَا سِعَةٍ وَغْنَى۔

فَقِفُوا إِلَى اللَّهِ دُورًا وَاللَّهُ كِطْرٌ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرو، حضرت جنید بغدادی اور ابو بکر وراق نے فرمایا کہ نفس اور شیطان معاصی کی طرف دعوت دیتے ہیں تم ان سے بھاگ کر اللہ کی پناہ لو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالے گا۔ (قرطبی)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی ہم نے جنات اور انسان کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اس میں ظاہر نظر میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں جس کا جواب اجمالی طور پر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان ہو چکا ہے اس کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض اول:

یہ ہے کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کی مشیت بھی یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کرے، تو عقلی طور پر یہ ناممکن اور محال ہوگا کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے۔

اعتراض اول کا پہلا جواب:

پہلے اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے اس مضمون کو صرف مومنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے یعنی ہم نے مومن جنات اور مومن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ مومن کم و بیش عبادت کے پابند ہوتے ہیں کم از کم ایمان کے پابند تو ہوتے ہیں جو کہ اہم عبادت بلکہ اصل عبادت ہے، یہ قول ضحاک اور سفیان وغیرہ کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک قراءت آیت مذکورہ میں اس طرح ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اس قراءت سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مومنین کے حق میں آیا ہے۔

مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:

مذکورہ اعتراض کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اس آیت میں ارادۃ الہیہ سے مراد ارادۃ تکوینی نہیں ہے جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے، بلکہ ارادۃ تشریعی مراد ہے یعنی یہ کہ ہم نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کے لئے مامور کریں، اور امر الہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو عبادت

کا حکم دیدیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے، اس لئے جس نے خداداد اختیار کو صحیح استعمال کیا تو وہ عبادت میں لگ گیا اور جس نے غلط استعمال کیا وہ عبادت سے منحرف ہو گیا یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ (معارف)

مذکورہ اعتراض کا تیسرا جواب:

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے اور کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کُلُّ مَوْلُودٍ یُوْلَدُ عَلٰی الْفِطْرَةِ فَآبَوَاهُ یُہُودَیْنِہٖ اَوْ یَمَجَسَّیْنِہٖ یعنی پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو اس کی فطرت سے ہٹا کر کوئی یہودی بنادیتا ہے تو کوئی مجوسی بنادیتا ہے اور فطرت سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام ہے اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔ (مظہری، معارف)

دوسرا اشکال:

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں جن وانس کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کر دیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش کے علاوہ دوسرے فوائد و مقاصد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب:

دوسرے اشکال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں، لہذا کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دیگر فوائد و منافع کی نفی نہیں کرتا۔



سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَارْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا اَرْبَعُونَ

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَارْبَعُونَ آيَةً.

سورہ طور مکی ہے انچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالطُّورِ ۱ اِی الْجَبَلِ الَّذِی کَلَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ مُوسٰی
وَكُتِبَ لَهُ مَسْطُورٌ ۲ فِی رَقٍّ مَّنشُورٍ ۳ اِی التَّوْرَةِ اَوِ الْقُرْآنِ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۴ هُوَ فِی السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ اَوِ السَّادِسَةِ اَوِ
السَّابِعَةِ بِحِیَالِ الْكُفَّةِ یَزُورُهُ فِی كُلِّ یَوْمٍ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ بِالطَّوَافِ وَالصَّلَوةَ لَا یَعُودُونَ اِلَیْهِ اَبَدًا
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۵ اِی السَّمَاءِ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۶ اِی الْمَمْلُوءِ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۷ لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّهِ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۸
عَنْهُ یَوْمَ مَعْمُولٍ لَّوَاقِعٌ تَمُورُ السَّمَاءِ مَمَّورًا ۹ تَتَحَرَّكُ وَتَدُورُ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَیْرًا ۱۰ تُصِیرُ سِهَابًا مَّنشُورًا وَذٰلِكَ فِی یَوْمٍ
الْقِیَمَةِ قَوْلٌ لِّیَدِّعُ عَذَابَ یَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۱۱ لِّلرُّسُلِ الَّذِیْنَ هُمْ فِی حَوْضٍ ۱۲ بَاطِلٌ یَّلْعَبُونَ ۱۳ اِی یَتَشَاغَلُونَ بِكُفْرِهِمْ
یَوْمَ یَدْعُونَ اِلٰی نَارِهِمْ دَعَاً ۱۴ یُدْفَعُونَ بِعَنَفٍ مُّدًّی مِنْ یَوْمٍ تَمُورُ وَیُقَالُ لَهُمْ تَبْكِیْنَا هٰذِهِ النَّارُ الَّتِی كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۱۵
اَفِیْ حُرْهُدًّی الْعَذَابُ الَّذِی تَرَوْنَ كَمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِی الْوَحْیِ هٰذَا سِخْرٌ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۱۶ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا
عَلِیْهَا اَوْ لَا تُصْبِرُوا صَبْرُكُمْ وَجَزَعُكُمْ سَوَاءٌ عَلَیْكُمْ اِنْ صَبْرُكُمْ لَا یَنْفَعُكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۱۷ اِی
جَزَاؤُهُ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِی جَنَّتٍ وَنَعِیْمٌ ۱۸ فَكِهِیْنَ مُتَلَذِّذِیْنَ بِمَا مَصْدَرِیَّةٌ اَتَتْهُمْ اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَّعَهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۱۹
عَطَفَ عَلَیْ اَتَانِهِمْ اِی یَاثِیَانِهِمْ وَوَقَّایَتِهِمْ وَیُقَالُ لَهُمْ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هٰنِیْاً حَالٌ اِی مُتَهِنِیْنَ بِمَا الْبَاءُ سَبَبِیَّةٌ
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۲۰ مُتَّكِنِیْنَ حَالٌ مِنْ الضَّمِیْرِ الْمُسْتَكْنِ فِی قَوْلِهِ تَعَالٰی فِی جَنَّتٍ عَلٰی سُرٍّ مَّصْقُوفَةٍ بِغَضُهَا
اِلٰی جَنْبِ بَعْضٍ وَرَوَّجَهُمْ عَطَفَ عَلٰی فِی جَنَّتٍ اِی قَرْنَاهُمْ بِحُورٍ عِیْنٍ ۲۱ عِظَامِ الْاَعْیُنِ جَسَانِیْهَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا
مُنْتَبِذًا وَاتَّبَعَتْهُمْ مَعْطُوفٌ عَلٰی اَسْمَا ذَرِیَّتِهِمُ الصِّغَارُ وَالْكِبَارُ بِاِیْمَانٍ مِنْ الْكِبَارِ وَبِیْنِ الْاَبَاءِ فِی الصِّغَارِ
وَالْخَبَرِ الْحَقَّابِهِمْ ذَرِیَّتَهُمُ الْمَذْكُورِیْنَ فِی الْجَنَّةِ فِیْكَوْنُونَ فِی دَرَجَتِهِمْ وَاِنْ لَمْ یَعْمَلُوا بِعَمَلِهِمْ تَكْرِمَةً
لِّلْاَبَاءِ بِاجْتِمَاعِ الْاَوْلَادِ اِلَیْهِمْ وَمَا اَلْتَنَّهُمْ بِفَتْحِ الْاَلَامِ وَكَسْرِهَا تَقْضَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ زَائِدَةٍ شَیْءٌ یُزَادُ

فِي عَمَلِ الْأَوْلَادِ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ عَمَلٌ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ رَهِيْنٌ ۚ مَرْهُوْنٌ يُؤْخَذُ بِالْشَّرِّ وَيُجَازَى بِالْخَيْرِ
وَأَمَدَدْنَاهُمْ زِدْنَاهُمْ فِي وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ بِفَاكِهِةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۚ وَإِنْ لَمْ يُصْرِحُوا بِطَلْبِهِ يَتَنَازَعُونَ
يَتَعَاطُونَ بَيْنَهُمْ فِيهَا أَى الْجَنَّةِ كَأْسًا خَمْرًا لَا لَغْوُ فِيهَا أَى بِسَبَبِ شُرْبِهَا يَقَعُ بَيْنَهُمْ وَلَا تَأْنِيْمٌ ۚ بِهِ يُلْحَقُهُمْ
بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَيَطْوِفُ عَلَيْهِمْ لِلْخِدْمَةِ عِلْمَانِ أَرْقَاءُ لَهُمْ كَانَتْهُمْ حُسْنًا وَنَظَافَةً لَوْلَوْ مَكْنُونٌ ۚ مَصُونٌ
فِي الصَّدَفِ لِأَنَّهُ فِيهَا أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِهَا وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۚ يَسْأَلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا
عَمَّا كَانُوا عَلَيْهِ وَمَا وَصَلُوا إِلَيْهِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعْمَةِ قَالُوا أَيْمَاءٌ إِلَى عِلَّةِ الْوُضُوءِ إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا فِي
الدُّنْيَا مُشْفِقِينَ ۚ خَائِفِينَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ وَوَقْنَا عَذَابَ السَّمُومِ ۚ أَى النَّارِ
لِدُخُولِهَا فِي الْمَسَامِ وَقَالُوا أَيْمَاءٌ أَيْضًا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ أَى فِي الدُّنْيَا نَدْعُوهُ أَى نَعْبُدُ مُوَحِّدِينَ إِنَّهُ
بِالْكَسْرِ اسْتِيْنَاَفًا وَإِنْ كَانَ تَغْلِيْلًا مَعْنَى وَبِالْفَتْحِ تَغْلِيْلًا لَفْظًا هُوَ الْبَرُّ الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِي وَعْدِهِ
الرَّحِيمُ ۚ الْعَظِيمُ الرَّحْمَةُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے طور کی یعنی اس پہاڑ کی جس
پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں ہے یعنی تورات کی یا
قرآن کی، اور قسم ہے بیت المعمور کی وہ تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کے بالمقابل ہے روزانہ طواف اور نماز کے
لئے ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں آئندہ ان کا کبھی نمبر نہ آئے گا، اور قسم ہے اونچی چھت یعنی آسمان کی اور قسم ہے
بھرے ہوئے دریا کی بلاشبہ تیرے رب کا عذاب اس کے مستحق پر نازل ہونے والا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے جس دن
آسمان تھر تھرانے لگے گا یعنی حرکت اور گردش کرنے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلنے لگیں گے اور اڑتے ہوئے غبار
ہو جائیں گے اور یہ قیامت کے دن ہوگا، پس ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے اس دن رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے لئے جو
کہ باطل میں بھٹک رہے ہیں یعنی اپنے کفر میں مشغول ہیں جس دن وہ دھکے دے دے کر نار جہنم کی طرف لیجائے جائیں گے،
سختی کے ساتھ دھکے دیئے جائیں گے، یَوْمَ تَمُورُ سے بدل ہے اور ان کو لا جواب کرنے کے لئے کہا جائے گا یہ وہی دوزخ ہے
جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جادو ہے جیسا کہ تم وحی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ
جادو ہے یا تم کو سوجتا نہیں ہے دوزخ میں داخل ہو جاؤ اس پر صبر کرو یا نہ کرو تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ
تمہارا صبر کرنا تم کو کوئی فائدہ نہ دے گا تم کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے تم اعمال کرتے تھے یعنی تمہارے اعمال ہی کا بدلہ ملے گا متقی
لوگ بلاشبہ باغوں میں اور سامان عیش میں ہوں گے مزے لے رہے ہوں گے لطف اٹھا رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کو
ان کے رب نے عطا کی ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا (وَوَقَاهُمْ) کا عطف آتا ہے

یعنی ان کو دینے سے اور حفاظت کرنے سے، اور ان سے کہا جائے گا خوب کھاؤ پیو مزے کے ساتھ (ہَنِئْنَا) حال ہے معنی میں مُتَمَكِّنِينَ کے ہے اپنے اعمال کے سبب سے وہ برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے (مُتَكِنِينَ) اللہ تعالیٰ کے قول فی جَنَّتِ میں ضمیر مستتر سے حال ہے اور ان کا بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے جوڑا لگا دیں گے اور جو لوگ ایمان لائے یہ مبتداء ہے اور ایمان میں ان کی نابالغ اور بالغ اولاد نے ان کی پیروی کی وَاتَّبَعَتْهُمْ كَاعُطْفِ آمَنُوا پر ہے بالغین کو خود ان کے ایمان کی وجہ سے اور صغار کو ان کے آباء کے ایمان کی وجہ سے جنت میں ان کے پاس پہنچا دیں گے، جس کی وجہ سے اولاد ان کے آباء کے درجہ میں ہوگی، آباء کے اکرام کے طور پر ان کی اولاد کو ان کے ساتھ جمع کر کے، اگرچہ اولاد نے اپنے آباء جیسا عمل نہ کیا ہو، اور اجر کی جو مقدار ان کی اولاد کے حق میں زیادہ کی گئی ہے اس مقدار کو ہم ان کے آباء کے اجر سے کم نہ کریں گے اَلَّتْنَهُمْ میں لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ ہے مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے، ہر شخص اپنے اعمال کے عوض گروہی ہے خواہ عمل خیر ہو یا شر رَهِيْنٌ بمعنی مرہوٹا ہے، اعمال بد کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے گا اور اعمال خیر کی جزاء دی جائے گی، اور ہم ان کے لئے روز افزوں میوے اور گوشت کی جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا اگرچہ صراحۃً مطالبہ نہ کیا ہو خوب ریل پیل رکھیں گے اور جنت میں (خوش طبعی کے طور پر) جام شراب کی آپس میں چھینا جھپٹی کیا کریں گے اور ان کی شراب نوشی کی وجہ سے نہ بیہودہ گوئی ہوگی نہ بدکرداری جو شراب نوشی کی وجہ سے ان کو لاحق ہو، بخلاف دنیاوی شراب کے اور ان کے پاس خدمت کے لئے ایسے لڑکے آمدورفت رکھیں گے جو خاص انہی کے لئے ہوں گے اور وہ حسن و نظافت میں ایسے ہوں گے گویا کہ صدف میں بحفاظت رکھے ہوئے موتی ہیں، اس لئے کہ وہ موتی جو صدف میں ہوتا ہے وہ اس موتی سے بہتر ہوتا ہے جو صدف میں نہیں ہوتا اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے (یعنی) آپس میں ایک دوسرے سے ان کاموں کے بارے میں معلوم کریں گے جو وہ (دنیا) میں کیا کرتے تھے، اور اس کے بارے میں بھی جو ان کو عطا ہوا، اور یہ سب کچھ تلذذ اور اعترافِ نعمت کے طور پر ہوگا، اور سبب وصول کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے ہم تو اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہت ڈرا کرتے تھے سو اللہ نے ہم پر مغفرت کر کے بڑا احسان کیا، اور ہم کو نارِ جہنم سے بچا لیا (نارِ جہنم کو سموم اس لئے کہتے ہیں) کہ وہ مسامات میں داخل ہو جاتی ہے اور بطور اشارہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے دنیا میں اسی کو پکارتے تھے یعنی توحید کے ساتھ اس کی بندگی کرتے تھے اور وہ واقعی بڑا محسن و مہربان ہے عظیم الرحمت ہے، (اِنَّہُ) کسرہ کے ساتھ استیناف ہے اگرچہ معنی تعلیل ہے اور (اِنَّہُ) فتح کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے، اَلْبَرُّ کے معنی اس محسن کے ہیں جو اپنے وعدہ میں صادق ہو۔

تحقیق و ترکیب تسمیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَالطُّورَ طور عربی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، یہ بعض اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ طور ہرے بھرے پہاڑ کو کہتے ہیں، جب اس پر الف لام داخل ہو تو طور سے جزیرہ نمائے سینا کا ایک مخصوص متعین پہاڑ مراد ہوتا ہے، یہ وہی پہاڑ ہے جو مصر

و مدین کے درمیان واقع ہے، موسیٰ علیہ السلام کو اسی پہاڑ پر تجلی ہوئی تھی، اور اسی پہاڑ پر آپ کو خلعتِ کلیمی سے نوازا گیا تھا۔

(لغات القرآن)

قَوْلًا: فِي رَقٍ مَّنْشُورٍ رَقٌ کاغذ، ورق، جھلی، اس کی جمع رُقُوقٌ بالفتح کثیراً وبالکسر قليلاً۔
قَوْلًا: الْمَسْجُور اسم مفعول واحد مذکر، بھرا ہوا، اس کے معنی نہایت گرم کے بھی آتے ہیں (ن) سُجُوراً گرم کرنا، بھرنا۔
قَوْلًا: يُدْعُونَ، دُعٌ سے جمع مذکر غائب مضارع مجہول، ان کو دھکے دیکر ہنکایا جائے گا۔
قَوْلًا: يَوْمَ يُدْعُونَ، تَمُورُ السَّمَاءِ مَوْرًا سے بدل ہے۔
قَوْلًا: تَمُورُ (ن) مَوْرًا پھٹنا، لرزنا۔
قَوْلًا: بِمَا میں ماصدریہ۔

سِوَال: ما کو مصدر یہ کیوں قرار دیا گیا؟

جَوَاب: ما کو مصدر یہ قرار دینے کی یہ وجہ ہے کہ اگر ما کو موصولہ مانا جائے تو معطوف میں صلہ یعنی وَقَاهُمْ کا عائد سے خالی ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ فعل نے اپنا مفعول، هُوَ لے لیا اور صلہ بغیر عائد کے رہ گیا حالانکہ صلہ جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ما موصولہ ہو اور جملہ وَقَاهُمْ جملہ مستانفہ یا بہ تقدیر قد حالیہ ہو۔
قَوْلًا: وَإِنْ كَانَ تَعْلِيلًا مَعْنَى، إِنَّهُ کو اگر کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ جملہ مستانفہ ہوگا لیکن معنی کے اعتبار سے نَدْعُوهُ کی علت ہوگی، مطلب یہ کہ ہم اس کی بندگی اس لئے کرتے تھے کہ وہ محسن اور رحیم ہے اور اگر اَنَّهُ فتح کے ساتھ پڑھا جائے تو نَدْعُوهُ کی لفظاً علت ہوگی۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحَ

سورة الطور:

نام پہلے ہی لفظ و الطور سے ماخوذ ہے، اس کے پہلے رکوع کا موضوع آخرت اور آخرت کی شہادت دینے والے حقائق کا بیان ہے، اور چند حقائق و آثار کی قسم کھا کر پورے زور کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی کسی میں طاقت نہیں کہ اس کو روک سکے، اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوگا، اور قیامت کے وقوع کو مان کر تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے انعامات سے نوازیں گے۔

اس کے بعد دوسرے رکوع میں مشرکین مکہ اور سردارانِ قریش کو ان کے اس رویے پر تنقید کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مقابلہ میں اختیار کئے ہوئے تھے، سردارانِ قریش عوام کو آپ کے خلاف بہکاتے اور آپ سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے، کبھی آپ کو کاہن کہتے اور کبھی شاعر بتاتے تو کبھی جادوگر کا خطاب دیتے، اور کبھی مجنون اور دیوانہ بتاتے تاکہ لوگ آپ کی

دعوت کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہ کریں۔

وَالطُّورُ طور عبرانی زبان میں اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو خوب ہرا بھرا ہو، یہاں طور سے مراد طور سینین ہے جو ارض مدین میں واقع ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی بخشا گیا تھا، طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم و تشریف کی طرف اشارہ ہے، کتاب مسطور، مسطور کے معنی ہیں لکھی ہوئی چیز یہاں مراد یا تو انسان کا اعمال نامہ ہے یا لوح محفوظ، یا قرآن مجید یا کتب منزلہ ہیں، رِقُّ باریک چمڑا یا جھلی جس پر لکھا جاتا تھا۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ بیت معمور آباد گھر کو کہتے ہیں، بیت معمور ساتویں آسمان پر بیت اللہ کے مقابلہ میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے، ستر ہزار فرشتے اس میں روزانہ عبادت کرتے ہیں جن فرشتوں کی باری ایک مرتبہ آگئی پھر قیامت تک نہ آئے گی، بیہقی نے شعب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ يَدْخُلُهُ كُلُّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ بعض حضرات نے بیت معمور سے خانہ کعبہ مراد لیا ہے۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ مَنْجُور، سَجَر سے مشتق ہے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جو متعدد معنی میں مستعمل ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے ہیں، بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت کے روز بارش نازل ہوگی اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں ان میں قیامت کے دن آگ بھڑک اٹھے گی، جیسے فرمایا وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور بعض حضرات نے مسجور کے معنی مملوء کے لئے ہیں، امام طبری نے اور صاحب جلالین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ يَوْمَ مَذْكُورٍ قسموں کا جواب ہے۔

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا، مَوْرُ کے معنی حرکت و اضطراب کے ہیں، قیامت کے دن آسمان کے لظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہوگا اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا یوم مذکورہ عذاب کے لئے ظرف ہے۔

بشرط ایمان بزرگوں سے تعلق نسبی آخرت میں نفع دے گا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا یہ مضمون سورہ رعد آیت ۲۳ اور سورہ مومن آیت ۸ میں بھی گزر چکا ہے مگر یہاں ان دونوں آیتوں سے زائد جو بات فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اولاد کسی نہ کسی درجہ ایمان میں بھی اپنے آباء کے نقش قدم کی پیروی کرتی رہی ہو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اس مرتبہ کی مستحق نہ ہو جو آباء کو ان کے بہتر ایمان و عمل کی بناء پر حاصل ہوگا پھر بھی یہ اولاد اپنے آباء کے ساتھ ملا دی جائے گی، اور یہ ملانا اس نوعیت کا نہ ہوگا جیسے وقتاً فوقتاً کوئی کسی کی ملاقات کر لیا کرے بلکہ اس کے لئے أَلْحَقْنَا بِهِمْ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے آباء کے ساتھ جنت ہی میں رکھے جائیں گے، اس پر مزید اطمینان دلایا گیا ہے کہ اولاد سے ملانے کے لئے آباء کا درجہ گھٹا کر نیچے نہیں

اتارا جائے گا بلکہ آباء سے ملانے کے لئے اولاد کا درجہ بڑھا دیا جائے گا۔

اس مقام پر یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ یہ ارشاد اس بالغ اولاد کے بارے میں ہے جس نے سن شعور کو پہنچ کر اپنے اختیار اور ارادہ سے ایمان لانے کا فیصلہ کیا ہو، رہی مومن کی وہ اولاد جو سن رشد کو پہنچنے سے پہلے ہی مر گئی ہو تو اس کے معاملہ میں کفر و ایمان طاعت و عصیان کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا انہیں تو ویسے ہی ان کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع کر کے ان کے والدین کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا، اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں؟) اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے جو عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ (ابن کثیر)

وَمَا التَّائِبُ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ، اِیْلَاتُ کے معنی کم کرنے کے ہیں، آیت کے معنی یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد ان کے درجہ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کر دی جائے گی ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جاتا بلکہ اپنے فضل سے ان کے برابر کر دیا جائے گا، اور ہر شخص کے اپنے عمل میں مرہون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا، جزاء یا سزا جو بھی ہوگی وہ اسی کے عمل کی مکافات ہوگی ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے۔

فَذَكِّرْ دُمْ عَلَى تَذَكِيرِ الْمُشْرِكِينَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَجْنُونٌ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ اِی بِإِنْعَامِهِ عَلَيْكَ بِكَاهِنٍ خَيْرٌ مَا وَلَا مَجْنُونٍ ۝ مَغْطُوفٌ عَلَيْهِ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ هُوَ شَاعِرٌ تَتَّبِصُ بِهِمْ رَائِبُ الْمُنُونِ ۝ حَوَادِثُ الدَّهْرِ فَيَهْلِكُ كَغَيْرِهِ مِنَ الشُّعْرَاءِ قُلْ تَرِصُوا إِبْهَلَ كِی فَاِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ هَلَاكُمْ فَعَذِّبُوا بِالسَّيْفِ یَوْمَ بَدْرٍ وَالتَّرَبُّصُ الْإِنْتِظَارُ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ عُقُولُهُمْ بِهَذَا اِی قَوْلِهِمْ لَهُ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَجْنُونٌ اِی لَا تَأْمُرُهُمْ بِذَلِكَ أَمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ بَعِنَادِهِمْ أَمْ يَقُولُونَ تَقْوَلَهُ ۝ اخْتَلَقَ الْقُرْآنَ لَمْ يَخْتَلِقْهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ اسْتَكْبَارًا فَإِنْ قَالُوا اخْتَلَقَهُ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مُخْتَلَقٍ مِثْلَهُ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝ فِی قَوْلِهِمْ أَمْ خَلَقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اِی خَالِقٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَنْفُسُهُمْ وَلَا يُعْقَلُ مَخْلُوقٌ بِدُونِ خَالِقٍ وَلَا مَعْدُومٌ يَخْلُقُ فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ فَلِمَ لَا يُؤَحِّدُونَهُ وَيُؤْمِنُونَ بِرُسُولِهِ وَكِتَابِهِ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى خَلْقِهِمَا إِلَّا اللَّهُ الْخَالِقُ فَلِمَ لَا يَعْبُدُونَهُ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ۝ وَالْأَلَامَتَا بِنَبِيِّهِ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ

مِنَ النَّبُوَّةِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِهَا فَيُخْصُوا مَنْ شَاءَ وَابِمَا شَاءَ ۖ وَأَمْرُهُمُ الْمُصْطَبُونَ ﴿۱۰﴾ الْمُتَسَلِّطُونَ الْجَبَّارُونَ
وَفِعْلُهُ صَيِّطُونَ مِثْلُهُ بَيِّنٌ وَبَيِّنٌ أَمْرُهُمْ سَلَّمَ بِرَقَى إِلَى السَّمَاءِ لِيَسْمَعُونَ فِيهِ أَى عَلَيْهِ كَلَامَ الْمَلَائِكَةِ
حَتَّى يُمَكِّنَهُمْ مُنَازَعَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَعْمِهِمْ إِنْ أَدَّعَوْا ذَلِكَ فَلَيَاتِ مُسْتَعْتَبُهُمْ أَى مُدَّعَى
الِاسْتِمَاعِ عَلَيْهِ **يُسَاطِنُ مُبِينٌ** ﴿۱۱﴾ بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَاضِحَةٍ وَلِيُشَبِّهَ بِذَا الزَّعْمِ بِزَعْمِهِمْ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ قَالَ
تَعَالَى **أَمْرُهُ الْبَنَاتُ** أَى بِزَعْمِهِمْ **وَلَكُمُ الْبَنُونَ** ﴿۱۲﴾ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا زَعَمُوهُ **أَمَرْتَهُمْ أَجْرًا** عَلَى مَا جِئْتَهُمْ بِهِ
مِنَ الدِّينِ **فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ غَرِمَ لَكَ مُتَقَلِّوْنَ** ﴿۱۳﴾ فَلَا يُسَلِّمُونَ **أَمْعَدَهُمُ الْغَيْبُ** أَى عِلْمُهُ **فَهُمْ يَكْتُبُونَ** ﴿۱۴﴾ ذَلِكَ حَتَّى
يُمَكِّنَهُمْ مُنَازَعَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَغْتِ وَأَمْرِ الْآخِرَةِ بِزَعْمِهِمْ **أَمْرُ يُرِيدُونَ كَيْدًا** بِكَ
لِيُهْلِكَوكَ فِي دَارِ النَّدْوَةِ **فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ** ﴿۱۵﴾ الْمَغْلُوبُونَ الْمُهْلِكُونَ فَحَفِظَهُ اللَّهُ مِنْهُمْ ثُمَّ
أَهْلَكَهُمْ بِبَدْرِ **أَمْرُهُمُ اللَّهُ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ** ﴿۱۶﴾ بِهِ مِنَ الْإِلَهَةِ وَالِاسْتِفْهَامِ بِأَمٍّ فِي مَوَاضِعِهَا لِلتَّقْبِيحِ
وَالْتَوْبِيخِ **وَأَنْ تَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا** عَلَيْهِمْ كَمَا قَالُوا فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ أَى تَعْدِيًّا
لَهُمْ **يَقُولُوا هَذَا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ** ﴿۱۷﴾ مُتَرَكَبٌ نَزَّوِي بِهِ وَلَا يُؤْمِنُوا **فَذَرَهُمْ حَتَّى يَلْقَا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ** ﴿۱۸﴾
يَمُوتُونَ **يَوْمَ لَا يُغْنِي بَدَلٌ مِّنْ يَوْمِهِمْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ** ﴿۱۹﴾ يُمْنَعُونَ مِّنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ
وَأَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا بِكُفْرِهِمْ عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ أَى فِي الدُّنْيَا قَبْلَ مَوْتِهِمْ **فَعَذَّبُوا بِالْجُوعِ وَالْقَهْرِ سَبْعَ سِنِينَ**
وَبِالْقَتْلِ يَوْمَ بَدْرِ **وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** ﴿۲۰﴾ إِنْ الْعَذَابَ يَنْزِلُ بِهِمْ **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** بِإِسْمَائِهِمْ وَلَا
يَضِيقُ صَدْرُكَ **فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا** بِمَرَايَ بِنَا نَزَاكَ وَنَحْفَظُكَ **وَسَبِّحْ** مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ أَى قُلْ سُبْحَانَ اللَّهِ
وَبِحَمْدِهِ **حِينَ تَقُومُ** ﴿۲۱﴾ مِّنْ مَّنَامِكَ أَوْ مِّنْ مَّجْلِسِكَ **وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** حَقِيقَةً أَيْضًا **وَادْبَارِ النَّجْمِ** ﴿۲۲﴾ مَصْدَرٌ
أَى عَقَبَ غُرُوبِهَا أَيْضًا أَوْ صَلَّى فِي الْأَوَّلِ الْعِشَاءَيْنِ وَفِي الثَّانِي سُنَّةَ الْفَجْرِ وَقِيلَ الصُّبْحُ.

ترجمہ: تو آپ سمجھاتے رہیں (یعنی) مشرکین کو سمجھانے کی پابندی رکھیں، اور ان کے آپ کو کاہن مجنون کہنے کی
وجہ سے سمجھانے سے کنارہ کشی نہ کریں، اس لئے کہ آپ اپنے رب کے فضل سے یعنی آپ پر اس کے انعام سے نہ کاہن ہیں اور
نہ مجنون بکاہن، ما کی خبر ہے اور **وَلَا مَجْنُون** اس پر معطوف ہے کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانہ کے
حوادث کا انتظار کر رہے ہیں، سودیگر شعراء کے مانند یہ بھی ہلاک ہو جائے گا آپ کہہ دیجئے کہ تم میری ہلاکت کا انتظار کرو میں
بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت کا منتظر ہوں چنانچہ یوم بدر میں تلوار کے ذریعہ ان کو سزا دی گئی، اور **تَرْبُصْ** کے معنی انتظار کے
ہیں کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں یعنی آپ کے بارے میں ساحر، کاہن، شاعر، مجنون کہنا (سکھاتی ہیں) یعنی ایسا نہیں
سکھاتیں، یا اپنے اعتماد کی وجہ سے یہ لوگ ہی سرکش ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن اس نے خود گھڑ لیا ہے یعنی خود قرآن کا اختراع

کر لیا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے پس اگر ان کا یہی کہنا ہے کہ یہ قرآن ان کا خود ساختہ ہے تو یہ بھی اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں، اور یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کسی مخلوق کا وجود خالق کے بغیر ہو اور نہ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ معدوم کسی کو پیدا کر سکے لہذا (یہ بات ثابت ہو گئی) کہ ان کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے اور وہ تنہا اللہ ہے بس کس لئے اس کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان نہیں لاتے کیا انہوں نے ہی آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں؟ حالانکہ ان کی تخلیق پر اللہ خالق کے علاوہ کوئی قادر نہیں تو پھر اس کی بندگی کیوں نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ یقین نہیں رکھتے ورنہ تو اس کے نبی پر ایمان لے آتے، کیا ان کے قبضہ میں ہیں نبوت اور رزق وغیرہ کے تیرے رب کے خزانے کہ وہ جس کے لئے چاہیں اور جو چاہیں مخصوص کر دیں یا یہ لوگ حاکم ہیں (یعنی) مسلط حاکم ہیں، اور اس کا فعل صَيَّرَ ہے اور اس کے مانند بَيَّطَرَ وَبَيَّقَرَ ہے (بَيَّطَرَ، بَيَّطَارُ) سے ہے جانوروں کے معالج کو کہتے ہیں اور بَيَّقَرَ بمعنی شق و افسد و اھلک ہے) یا کیا ان کے پاس سیڑھی ہے؟ آسمان پر چڑھنے کا آلہ کہ اس پر چڑھ کر فرشتوں کی باتیں سن لیتے ہوں حتیٰ کہ ان کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے خیال میں منازعت کرنا ممکن ہو گیا ہو، اگر ان کا یہ دعویٰ ہے تو وہ سننے کا دعویٰ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کرے اور اس زعم کے، ان کے اُس زعم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ کے لئے تمہارے زعم میں بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کیا آپ ان سے اس دین پر جو آپ ان کے پاس لے کر آئے ہیں کوئی اجرت طلب کرتے ہیں؟ کہ وہ اس کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اسلام قبول نہیں کرتے یا ان کے پاس غیب یعنی علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے خیال میں بعث اور امر آخرت میں نزاع کرنا ممکن ہو گیا کیا یہ لوگ آپ کے ساتھ دارالندوہ میں کوئی فریب کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ آپ کو ہلاک کر دیں، تو آپ یقین کر لیں فریب خوردہ مغلوب ہونے والے ہلاک ہونے والے یہ کافر ہی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان سے حفاظت فرمائی پھر ان کو بدر میں ہلاک کر دیا کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ سبحان اللہ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ (معبودان باطلہ) میں سے ہر اس معبود سے پاک ہے جس کو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اور استفہام ام کے ساتھ تمام مقامات میں تیج و تیخ کے لئے ہے، اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو اپنے اوپر گرتا ہوا دیکھ لیں جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ہمارے اوپر گرا دو یعنی ان کو عذاب دینے کے لئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے یعنی جما ہوا بادل ہے جس سے ہم سیراب ہوں گے، اور اس پر ایمان نہ لائیں، تو آپ انہیں چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس دن میں ان کی موت واقع ہوگی جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی (يَوْمَ لَا يُغْنِي) يَوْمَهُمْ سے بدل ہے اور نہ ان کو مدد ملے گی یعنی آخرت میں ان سے عذاب دفع نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے کفر کے ذریعہ ظلم کیا ہے اس عذاب سے قبل بھی عذاب ہونے والا ہے یعنی دنیا میں ان کی موت

سے پہلے، چنانچہ بھوک اور قحط کے ذریعہ سات سال تک عذاب میں مبتلا کئے گئے اور یوم بدر میں قتل کے ذریعہ لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں کہ ان کے اوپر عذاب نازل ہوگا اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر کیجئے ان کو مہلت دے کر اور آپ دل تنگ نہ ہوں کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں یعنی آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی حفاظت کر رہے ہیں، اور آپ اپنے رب کی سوکراٹھنے کے بعد یا اپنی مجلس سے اٹھنے کے بعد تسبیح و تحمید کیجئے یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کہئے، اور رات میں بھی اس کی حقیقت تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اذبار مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح بیان کیجئے، اور اول میں مغرب و عشاء کی نماز پڑھنا مراد ہے اور ثانی میں سنت فجر اور کہا گیا ہے صبح کی نماز مراد ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: دُمَّ عَلَى تَذَكِيرِ الْمَشْرُكِيْنَ، فَذِكْرُ كِي تَفْسِيْرُ دُمَّ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ذِكْرُ اثْبَت کے معنی میں ہے یعنی جس طرح آپ اب تک ان کو نصیحت کرتے رہے آئندہ بھی اس طرز کو باقی رکھئے ان کی یادہ گوئی کی وجہ سے تنگ دل ہو کر ان سے بے رخی اور کنارہ کشی اختیار نہ کیجئے۔

قَوْلًا: بِنِعْمَةِ رَبِّكَ اَيْ بِفَضْلِ رَبِّكَ.

قَوْلًا: فَسَمَّا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُوْنَ بَاءِ قَسَمِ کے لئے نِعْمَةُ رَبِّكَ مقسم بہ ہے جو کہ ما کے اسم (انت) اور خبر (کاہن) کے درمیان واقع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا اَنْتَ وَ نِعْمَةُ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُوْنَ، کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو دعویٰ کرے کہ میں بغیر وحی کے غیب جانتا ہوں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بنِعْمَةِ میں باء سببیہ ہے، اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہے، معنی یہ ہیں اِنْتَفَى عَنْكَ الْكَهَانَةُ وَالْجَنُوْنُ بِسَبَبِ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ یعنی آپ سے بفضلہ تعالیٰ کہانت اور جنون منقش ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: اَمْ بَلْ يَقُولُوْنَ، اَمْ اِنْ اَيَاتٍ مِّنْ پندرہ جگہ آیا ہے ہر جگہ اس کی تقدیر بل اور ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ استفہام انکاری تو بخئی کے لئے ہے، لہذا مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ ہر جگہ بل اور ہمزہ کے ساتھ مقدر مانتے۔ (صاوی)

قَوْلًا: قُلْ تَرَبُّصُواْ اِمْرْتَهِدِیْہِ کے لئے ہے۔

قَوْلًا: اَحْلَامُهُمْ، حُلُمٌ اور حِلْمٌ دونوں کی جمع ہے حُلْم کے معنی خواب کے ہیں اور حِلْم کے معنی بردباری کے ہیں اور چونکہ بردباری عقل کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے حِلْم کے معنی عقل کے بھی لئے جاتے ہیں گویا کہ یہاں مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے۔

قَوْلًا: لَمْ يَخْلُقْہُ اس سے اشارہ کر دیا کہ اَمْ يَقُولُوْنَ تَقَوْلُہُ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلًا: فَاِنْ قَالُوْا، اِخْتَلَقْہُ مقدر مان کر اشارہ کر دیا فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ شَرْطِ مَحْذُوْفٍ کی جزاء ہے۔

قَوْلًا: وَلِشَبْہِہِ هٰذَا الزَّعْمُ بِزَعْمِهِمْ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے شبہ یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمْ الْبَنُونَ کا ماقبل سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ آیت میں مشرکین کے اس زعم کو بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے گھڑ کر قرآن لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان کا یہ خیال باطل اور فاسد ہے دوسری آیت میں مشرکین کے اس زعم فاسد اور گمان باطل کا ذکر ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں دونوں خیال اور دونوں گمان فاسد اور باطل ہونے میں مشترک ہیں اور یہی وجہ اشتراک ہے، دونوں آیتوں میں ربط و مناسبت ثابت ہوگئی۔

قَوْلًا: غَرَمٌ، مَغْرَمٌ کی تفسیر غرم سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ مغرم مصدر میمی ہے۔

قَوْلًا: فِي دَارِ النَّدْوَةِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ لفظ دار الندوة حذف کر دیتے، اس لئے کہ دار الندوة میں مشرکین کا اجتماع شب ہجرت میں ہوا تھا جس میں آپ کے قتل کی سازش رچی گئی تھی اور یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہذا سازش کو ندوہ کے ساتھ مقید کرنا مشکل ہے، بناء بریں دار الندوہ کی قید کو حذف کرنا ہی بہتر ہے اس لئے کہ مکرو سازش کا سلسلہ تو بعثت کے روز اول ہی سے جاری تھا۔

قَوْلًا: فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا یہ آیت قوم شعیب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ سورہ شعراء میں مذکور ہے، مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب تھا اس آیت سے استدلال کرتے جو قریش کے بارے میں سورہ اسراء میں نازل ہوئی ہے، وہ یہ ہے **اَوْ تُسْقِطُ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا**۔

قَوْلًا: فَذَرَهُمْ یہ شرط مقدر کی جزاء ہے، شرط مقدر یہ ہے **اِذَا بَلَغُوا فِي الْعِنَادِ اِلٰی هٰذَا فَذَرَهُمْ**۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

فذكر فَمَا اَنْتَ بِكَاهِنٍ (الآية) ان آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ نصیحت و تذکیر کا کام کیے جائیں اور یہ لوگ آپ کے متعلق جو بکواس اور یادہ گوئی کرتے ہیں آپ اس کی طرف کان نہ دھریں اس لئے کہ آپ اللہ کے فضل سے نہ کاہن اور نہ دیوانے، آپ ہمارے رسول ہیں، آپ پر ہماری طرف سے وحی نازل ہوتی ہے جو کاہن پر نہیں ہوا کرتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے ایک دیوانے سے اس طرح کی گفتگو ممکن نہیں ہے۔

کاہن، عربی زبان میں جیوتشی، غیب گو، اور سیانے کے معنی میں بولا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا، ضعیف الاعتقاد لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ارواح اور شیطین سے ان کا خاص تعلق ہے جن کے ذریعہ یہ غیب کی خبریں معلوم کر سکتے ہیں، کوئی چیز کھوگئی ہو تو بتا سکتے ہیں، اگر چوری ہوگئی ہو تو چور اور مسروقہ مال کی نشاندہی کر سکتے ہیں اگر کوئی اپنی قسمت پوچھے تو بتا سکتے ہیں ان ہی اغراض و مقاصد کے لئے لوگ ان کے پاس جاتے تھے اور وہ کچھ نذرانہ لیکر بزعم خویش غیب کی باتیں بتاتے تھے اور ایسے گول مول فقرے استعمال کرتے تھے جن کے مختلف مطلب ہو سکتے تھے تاکہ ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال لے۔

رَبِّ الْمُنُونِ، ریب کے معنی حوادث کے ہیں مَنْوُن موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے مَنْوُن بروزن فَعُولُ یہ مَنْ سے مشتق ہے اس کے معنی قطع کرنے کے ہیں مَنْوُن کے معنی ہیں بہت زیادہ قطع کرنے والا، اور موت چونکہ دنیوی تمام علاقوں کو منقطع کر دیتی ہے اس لئے موت کو بھی منون کہتے ہیں، مطلب یہ کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ حوادثِ زمانہ سے شاید محمد ﷺ کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے جو اس کی دعوتِ توحید نے ہم سے چھین لیا ہے، غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ محمد ﷺ چونکہ ہمارے معبودوں کی مخالفت اور ان کی کرامات کا انکار کرتے ہیں اسلئے یا تو معاذ اللہ ان پر ہمارے کسی معبود کی مار پڑے گی یا کوئی منچلا اپنے معبودوں کی برائی سن کر یا کوئی دل جلا اپنے معبودوں کی مخالفت سے بے قابو ہو کر ان کا کام ہی تمام کر دے۔

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَخْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی ہی باتیں کرنے کے لئے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ عناد میں حد سے گزرے ہوئے لوگ ہیں۔

ان دو فقروں نے مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوائ نکال کر رکھ دی، اور ان کو بالکل بے نقاب کر دیا، استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے پیر و مشائخ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں کیا ان کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو اور جسے پوری قوم دانا کی حیثیت سے جانتی ہے اسے مجنون کہو اور جسے کہانت سے دور کا بھی تعلق نہیں اسے خواہ مخواہ کا ہن کہو، پھر اگر عقل ہی کی بناء پر یہ لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے بہت سے متضاد حکم یا تو عقل سے محروم اور بے بصیرت شخص ہی لگا سکتا ہے یا پھر پرلے درجہ کا معاند اور ضدی، اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ عقل سے محروم اور پاگل تو ہیں نہیں تو اب سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے دوسرا کوئی سبب نہیں ہو سکتا، اور آپ پر جتنے بھی بے بنیاد متضاد الزامات لگائے جا رہے ہیں انہیں کوئی بھی سنجیدہ انسان قابل اعتناء نہیں سمجھ سکتا۔

فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت و تکذیب سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے پہلے تو یہ فرمایا کہ آپ ہماری نظروں میں ہیں یعنی ہماری حفاظت میں ہیں ہم آپ کو ان کے شر سے بچائیں گے، آپ ان کی کسی بات کی پرواہ نہ کریں، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشادِ باری ہے وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تسبیح و تحمید میں لگ جانے کا حکم فرمایا جو اصل مقصدِ زندگی بھی ہے، اور ہر مصیبت سے بچنے کا اصلی علاج بھی، فرمایا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ کھڑے ہونے سے مراد سو کر اٹھنا بھی ہو سکتا ہے ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعاء کرے گا قبول کی جائے گی، وہ کلمات یہ ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سبحان الله والحمد لله ولا

اَلْهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پھر اس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (ابن کثیر، معارف)

کفارہ مجلس:

حضرت مجاہد اور ابوالاحوص وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ ”حین تقوم“ سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی اپنی مجلس سے اٹھے تو یہ کہے، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، کہ جب تم اپنی مجلسوں سے اٹھو تو تسبیح و تحمید کرو اگر تم نے اس مجلس میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ اور برکت حاصل ہوگی، اور اگر کوئی غلط کام کیا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اچھی بری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوئی ہیں معاف فرمائیں گے وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوبُ اِلَيْكَ۔ (رواہ الترمذی، معارف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثِنْتَانِ سِتُونَ آيَةً وَتِلْكَ كَوْنُهَا

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَسِتُونَ آيَةً.

سورہ نجم مکی ہے، باسٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالنَّجْمِ الثَّوْنِ إِذَا هَوَىٰ ۝ غَابَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيقِ الْهُدَايَةِ وَمَا عَوَىٰ ۝ مَا لَا بَسَّ الْغَيِّ وَهُوَ جَهْلٌ مِنْ اِغْتِنَادٍ فَاسِدٍ وَمَا يَنْطِقُ بِمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ عَنِ الْهُوَىٰ ۝ هُوَ نَفْسُهُ إِنْ مَا هُوَ الْأَوْحَىٰ يُوحَىٰ ۝ إِلَيْهِ عِلْمُهُ إِيَّاهُ مَلَكٌ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ قُوَّةٌ وَشِدَّةٌ وَمَنْظَرٍ حَسَنٍ أَيْ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاسْتَوَىٰ ۝ اسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَىٰ ۝ أَفْقِ الشَّمْسِ أَيْ عِنْدَ مَطْلَعِهَا عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَرَأَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ بِحِزَاءِ قَدْ سَدَّ الْأَفْقَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَخَرَّ مُغْشِيًا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَأَلَهُ أَنْ يُرِيَهُ نَفْسَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهُ بِحِزَاءِ فَنَزَلَ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَةِ الْإِنْسَانِ ثُمَّ دَنَىٰ قُرْبَ مِنْهُ فَتَدَلَّىٰ ۝ زَادَ فِي الْقُرْبِ فَكَانَ مِنْهُ قَابَ قَدَرٍ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ مِنْ ذَلِكَ حَتَّىٰ أَفَاقَ وَسَكَنَ رُؤُوعَهُ فَأَوْحَىٰ تَعَالَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ جِبْرِئِيلَ مَا أَوْحَىٰ ۝ جِبْرِئِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَوْحَىٰ تَفْخِيمًا لِشَأْنِهِ مَا كَذَبَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ انْكَرَ الْفُؤَادُ فَوَادَ النَّبِيَّ مَا رَأَىٰ ۝ بَيَّضَرَهُ مِنْ صُورَةِ جِبْرِئِيلَ أَفْتَمَرُونَهُ تَجَادِلُونَهُ وَتَغْلِبُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِينَ الْمُنْكَرِينَ رُؤْيَا النَّبِيِّ لِجِبْرِئِيلَ وَلَقَدْ رَآهُ عَلَى صُورَتِهِ نَزَلَهُ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ لَمَّا أُسْرِيَ بِهِ فِي السَّمَوَاتِ وَهِيَ شَجَرَةٌ نَبَقَ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ لَا يَتَجَاوَزُهَا أَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ عِنْدَ هَاجَةِ الْمَأْوَىٰ ۝ تَاوَىٰ إِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَأَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ أَوِ الْمُتَّقِينَ إِذْ حِينِ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مِنْ طَيْرٍ وَغَيْرِهِ وَادَّ مَغْمُولَةٌ لَرَأَاهُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَغَىٰ ۝ أَيْ مَا سَالَ بَصَرُهُ عَنْ مَرْتَبَةِ الْمُقْصُودِ لَهُ وَلَا جَاوَزَهُ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَقَدْ رَأَىٰ فِيهَا مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ أَيْ الْعِظَامُ أَيْ بَعْضُهَا فَرَأَىٰ مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَكُوتِ رُفْرَفًا خَضِرًا سَدَّ أَفْقَ السَّمَاءِ وَجِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ أَفْرَئِيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنْوَةُ الثَّلَاثَةِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهَا الْأُخْرَىٰ ۝ صِفَةُ ذَمٍّ لِلثَّلَاثَةِ

وہی اَصْنَامٌ مِّنْ حِجَارَةٍ كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَعْبُدُونَهَا وَيَزْعَمُونَ أَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَمَفْعُولُ أَرَأَيْتُمْ
الاول اللات وما عطف عليه والثاني مخذوف والمعنى اخبروني اليهذه الاصنام قدرة على شئ ما فتعبدونها
دون الله عز وجل القادر على ما تقدم ذكره ولما زعموا ايضا ان الملائكة بنات الله مع كراهتهم البنات
نزل الکم الذکر وله الانثى ۞ تِلْكَ اِذَا قِسْمَةٌ ضِيزٰی ۞ جَائِرَةٌ مِّنْ ضَارَةٍ يُضَيِّرُهَا اِذَا ظَلَمَهُ وَجَارٌ عَلَيْهِ اِنْ هٰی
الْمَذْكُورَاتُ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهُنَّ اِی سَمَّيْتُمْ بِهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ اَصْنَامًا تَعْبُدُونَهَا مَا اَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا اِی بَعْبَادَتِهَا
مِنْ سُلْطٰنٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ اِنْ مَا يَتَّبِعُونَ فِی عِبَادَتِهَا اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰی الْاَنْفُسُ سَمَا زَيْنَةً لَهُمُ الشَّيْطَانُ
مِنْ اَنَّهُ تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدٰی ۞ عَلٰی لِسَانِ النَّبِیِّ صَلٰی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُرْهَانِ
الْقَاطِعِ فَلَمْ يَرْجِعُوا عَمَّا هُمْ عَلَیْهِ اَمَّا الْاِنْسَانُ اِی لِكُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا تَمَنٰی ۞ مِنْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ
لَیْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ فَلِلَّهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاَوَّلٰی ۞ اِی الدُّنْيَا فَلَا يَقَعُ فِيْهِمَا اِلَّا مَا يُرِیدُهُ تَعَالٰی

ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ثریا ستارے کی جب
گرے یعنی غائب ہو تمہارا ساتھی محمد ﷺ راہ ہدایت سے نہ بہکا اور نہ بھٹکا یعنی اس نے (اعتقاداً) کج روی اختیار نہیں کی
اور وہ (یعنی غی) اعتقاد فاسد سے پیدا ہونے والا جہل ہے، اور جو کچھ وہ تم سے بیان کرتے ہیں اپنی خواہش نفس سے بیان نہیں
کرتے وہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف نازل کی جاتی ہے اس وحی کی ان کو ایک فرشتہ نے تعلیم دی ہے، جو بڑا طاقتور ہے اور
زور آور ہے یعنی قوت و شدت والا ہے، یا حسین المنظر ہے یعنی جبریل علیہ السلام پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ٹھہر گیا حال یہ ہے کہ وہ
مشرق کی بالائی افق پر تھا یعنی طلوع شمس کی جگہ اپنی (اصلی) صورت پر جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس کو دیکھا
جب کہ آپ (غار) حراء میں تھے، حال یہ کہ (جانب) مغرب تک اس نے افق کو بھر دیا، تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور آپ
ﷺ نے جبرائیل سے سوال کیا تھا کہ وہ انہیں خود کو اپنی اس صورت میں دکھائیں جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے چنانچہ جبرائیل
ﷺ نے آپ سے حراء میں اس کا وعدہ کر لیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں نزول فرمایا پھر وہ آپ کے
قریب آیا پھر وہ اتر آیا (یعنی) زیادہ قریب ہوا، تو وہ آپ سے بقدر دو کمانوں یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا، یہاں تک کہ آپ
کو (بیہوشی سے) افاقہ ہوا اور آپ کا خوف جاتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے جبرائیل کی طرف وحی بھیجی جو جبرائیل علیہ السلام
نے نبی ﷺ کی طرف پہنچادی اور موجی بہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی) عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے مبہم رکھا آپ ﷺ کے
قلب مبارک نے اس صورت کی تردید نہیں کی جو صورت آپ نے اپنی نظر سے جبرائیل علیہ السلام کی دیکھی، کذب تخفیف
اور تشدید کے ساتھ ہے سو کیا تم اس (پیغمبر) کی دیکھی ہوئی چیز میں مجادلہ کرتے ہو اور ان پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہو، یہ
خطاب ان مشرکین سے ہے جو آپ کے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے سے منکر تھے، اور اسے تو اصل صورت میں ایک مرتبہ سدرۃ

انتہی کے پاس اس کے علاوہ بھی دیکھا ہے، جبکہ آپ کورات کے وقت آسمانوں پر لیجایا گیا، اور وہ عرش کی دائیں جانب پیری کا درخت ہے اس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا، اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے جس میں فرشتے اور شہداء کی روحوں یا متقیوں کی روحوں سکونت پذیر رہتی ہیں، جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھیں وہ چیزیں جو اس پر چھا رہی تھیں، پرند وغیرہ، اور اذا، راہ کا معمول ہے آپ کی نظر نہ ہٹی اور نہ بڑھی یعنی آپ کی نظر اس رات ^{مطمئن} نظر سے نہ پھری اور نہ تجاوز کیا، یقیناً آپ نے اس رات میں اپنے رب کی عظیم نشانیوں میں سے بعض کو دیکھا آپ نے عالم ملکوت کے عجائبات میں سبز رُفرف کو دیکھا جس نے افق آسمان کو بھر دیا، اور جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چہ سوا بازو ہیں کیا تم نے لات اور عزیٰ کو اور پچھلے منات کو دیکھا (یعنی ان کے بارے میں غور کیا) جو سابق دو کا تیسرا ہے الآخری، ثالِثَہ کی صفتِ ذم ہے، اور وہ پتھر کے بت ہیں، مشرکین ان کی پوجا کیا کرتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ اللہ کے حضور ہماری شفاعت کریں گے اور اٰیتِ م کا مفعول اول اللات اور اس پر جس کا عطف کیا گیا وہ ہے اور دوسرا مفعول محذوف ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھے بتاؤ کہ کیا ان بتوں کو کسی شئی پر قدرت حاصل ہے جس کی وجہ سے تم اللہ عزوجل کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرتے ہو، جو کہ قادر ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا، اور جبکہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں باوجود ان کے بیٹیوں کو ناپسند کرنے کے، تو اَلْکُفْرُ الذِّکْرُ وَلَہُ الْاِنْشٰی (الایہ) نازل ہوئی (یعنی) کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں، تب تو یہ بڑی دھاندلی کی تقسیم ہے یعنی ظالمانہ ہے، یہ ضارۃ یضیرہ سے ماخوذ ہے کہ اس پر ظلم و زیادتی کرے یہ مذکور محض چند نام ہیں جو تم نے یعنی ان کے تم نے یہ نام رکھ لئے ہیں اور تمہارے آباء نے ان بتوں کے رکھ لئے ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو ان کی عبادت کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل اور حجت نہیں اتاری یہ لوگ ان کی بندگی کے بارے میں محض ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان گمانوں کی جو شیطان نے ان کے لئے آراستہ کر دیئے ہیں، یہ کہ یہ بت اللہ کے حضور میں ان کی شفاعت کریں گے اور یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نبی علیہ السلام کی زبانی برہان قاطع کے ساتھ ہدایت آچکی پھر بھی وہ اپنے اختیار کردہ روش سے باز نہیں آئے کیا انسان کے لئے یعنی ان میں سے ہر انسان کے لئے وہ میسر ہے جس کی وہ آرزو کرے؟ یہ کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، بات ایسی نہیں وہ جہان اور یہ جہان اسی کے قبضے میں ہے لہذا دونوں جہانوں میں وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَالنَّجْمُ واو قسمیہ ہے، اَلْجَمُّ ستارہ (جمع) نُجُومٌ وَاَنْجَمُ اسم جنس ہے، اس پر اسمیت غالب آگئی ہے جب مطلق بولا جاتا ہے تو ثریا ستارہ مراد ہوتا ہے، النجم سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں: ① ایک جماعت نے کہا ہے کہ جنس نجوم مراد ہے ② ثریا ستارہ مراد ہے (مفسر علام نے یہی قول اختیار کیا) مجاہد وغیرہ نے بھی یہی مراد لیا ہے ③ سدی نے کہا زہرہ ستارہ مراد ہے، عرب کا ایک قبیلہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا ④ بعض حضرات نے بیلدار

گھاس مراد لی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ میں، انخس کا یہی قول ہے ⑤ کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ مراد ہیں ⑥ بعض حضرات نے قرآن مراد لیا ہے، اس کے نجماً نجماً نازل ہونے کی وجہ سے، مجاہد و فراء وغیرہ کا یہی قول ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں، مگر رائج قول ثریا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) ثریا سات ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے چھ ان میں سے ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے بعض حضرات نے سات سے بھی زیادہ کا مجموعہ بتایا ہے، لوگ ثریا سے اپنی نظروں کا امتحان کرتے ہیں شفاء میں قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ثریا کے گیارہ ستاروں کو دیکھ لیا کرتے تھے، اور مجاہد سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔ (حمل)

قَوْلًا: إِذَا هَوَىٰ (ض) اِی سَقَطَ وَغَاب.

قَوْلًا: مَاضِلٌ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے ضلالت، ہر قسم کی گمراہی خواہ اعتقادی ہو یا عملی اور غواۃ، اعتقادی گمراہی، اور بعض حضرات نے کہا ہے ضلال علمی گمراہی اور غواۃ عملی گمراہی، اور بعض نے دونوں کو مترادف کہا ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: عَنِ الْهَوَىٰ اسم مصدر (مع) ناجائز رغبت نفس، عَنِ الْهَوَىٰ، مَا یَنْطِقُ کے متعلق ہے یعنی آپ کا کوئی کلام خواہش نفس سے نہیں ہوتا۔

قَوْلًا: اِنْ هُوَ، هُوَ کا مرجع نطق ہے جو یَنْطِقُ سے مفہوم ہے۔

قَوْلًا: یُوْحٰی یہ وَحٰی کی صفت ہے احتمال مجاز کو ختم کرنے کے لئے۔ (صاوی)

قَوْلًا: عَلَّمَهُ اِبَّاهُ ضمیر منصوب متصل آپ ﷺ کی طرف رجوع ہے اور مفعول اول ہے اور دوسری ضمیر منصوب منفصل جس کو مفسر علام نے محذوف مانا ہے وہ مفعول ثانی ہے اور وحی کی طرف راجع ہے۔

قَوْلًا: شَدِیدُ الْقُوٰی یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جس کو مفسر علام نے مَلَكٌ محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے مراد جبریل ہیں۔

قَوْلًا: ذُو مِرَّةٍ، مِرَّةٌ قُوۃٌ باطنی، جیسے عزم، سرعتِ حرکت، اور بعض حضرات نے مِرَّةٌ سے علم اور بعض نے حسن و جمال مراد لیا ہے، منظرِ حسن کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور شدید القوی ظاہری قوت، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو، قوتِ ظاہری اور قوتِ باطنی بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔

قَوْلًا: فَاسْتَوٰی، عَلَّمَهُ شَدِیدُ الْقُوٰی پر اس کا عطف ہے۔

قَوْلًا: وَهُوَ بِالْاُفْقِ الْاَعْلٰی جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلًا: فَتَدَلٰی، تَدَلٰی سے ماضی واحد مذکر غائب وہ اتر آیا، وہ لٹک آیا، وہ قریب ہوا، یہ دَلَّیْتُ الدَّلُوۃُ فی البئر سے ماخوذ ہے، میں نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا، اتارا۔

سُؤَالٌ: قرب نزول کے بعد ہوتا ہے، لہذا یہ کہنا کہ قریب ہوا اور پھر نازل ہوا، مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

جواب: مفسر علام نے زاد فی القرب کا اضافہ اسی شبہ کا جواب دینے کے لئے کیا ہے یعنی حضرت جبرائیل قریب ہوئے اور پھر اور زیادہ قریب ہوئے، اور بعض حضرات نے مذکورہ شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ثُمَّ تَدَلَّى فِدْنِي یعنی جبرائیل اترے اور قریب ہوئے۔

قَوْلًا: قَاب قَوْسَيْنِ الْقَاب وَالْقَيْب، وَالْقَاد وَالْقِيد، الْمَقْدَار، عَرَبٌ مِّنْ نَّاسٍ نَّاسٍ اور اندازہ کرنے کے مختلف طریقے تھے ان میں سے ایک طریقہ قوس (کمان) سے ناپنے کا بھی تھا، قوس کے علاوہ عرب رَمَح (نیزہ) سَوْط کوڑا، ذِرَاع الباع الْخَطْوَةُ (قدم) الشَّيْبَر (باشت) فِتْرٌ (انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان کا حصہ) وَالْإِصْبَع (انگشت) سے بھی ناپتے تھے۔ یعنی جبرائیل عَلَيْهِ السَّلَام آپ سے اتنے قریب ہو گئے کہ صرف دو کمانوں کی مقدار دور رہ گئے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قاب اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو کمان کے مقبض اور کنارے کے درمیان ہوتا ہے اور دو کمانوں کے دو قاب ہوتے ہیں۔

قَوْلًا: أَوْ أَدْنَى مِّنْ أَوْ بِمَعْنَى بَلْ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول أَوْ يَزِيدُونَ میں أَوْ بمعنی بل ہے، اور اگر أَوْ اپنی اصل پر ہو تو شک رائی (دیکھنے والے) کے اعتبار سے ہوگا۔

قَوْلًا: حَتَّىٰ أَفَاقَ یہ محذوف کی غایت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِی ضَمَّهُ إِلَيْهِ حَتَّىٰ أَفَاقَ۔
قَوْلًا: مَا كَذَبَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ دونوں قراءتیں سببیہ ہیں، تشدید کی صورت میں ترجمہ ہوگا، جو کچھ آپ کی نظر نے دیکھا قلب نے اس میں شک نہیں کیا۔ (صاوی)

قَوْلًا: مِنْ صُورَةٍ جَبْرُئِيلَ یہ ما کا بیان ہے۔
قَوْلًا: وَتَغْلِبُونَهُ، تُمَارُونَهُ کی دوسری تفسیر تَغْلِبُونَهُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تُمَارُونَهُ، تَغْلِبُونَهُ کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا صلہ علی لانا درست ہے۔

قَوْلًا: الْمَاوَى مصدر، اور اسم ظرف ہے، قیام کرنا، رہنا، سکونت اختیار کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ (ض) اگر صلہ میں الی آئے تو پناہ لینا، اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو مہربانی کرنا، جیسے اویٰ لہ اس پر مہربانی کی، اس پر رحم کیا۔

قَوْلًا: لَقَدْ رَأَىٰ لَامِ جَوَابِ قَسَمٍ پر ہے اور قسم، اُقْسِمُ محذوف ہے۔

قَوْلًا: مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى، مِنْ جَبْعِيضٍ ہے اور رَأَىٰ کا مفعول ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے اور کُبْرَى آیات کی صفت ہے۔

سُؤَال: الْآيَاتِ موصوف جمع ہے اور کُبْرَى صفت واحد ہے موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: الْآيَاتِ ایسی جمع ہے کہ اس کی صفت واحد مؤنث لانا درست ہے اس کے علاوہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے اس میں مزید حسن پیدا ہو گیا۔ (حمل)

اس میں دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے الْكُبْرَى رَأَىٰ کا مفعول بہ اور مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ حَالِ مُقَدِّم، تقدیر عبارت یہ ہے لَقَدْ رَأَىٰ الْآيَاتِ الْكُبْرَى حَالِ كَوْنِهَا مِنْ جُمْلَةِ آيَاتِ رَبِّهِ۔

قَوْلُهُ: رَفْرَفًا، قَالِينَ، رَفْرَفًا خُضْرًا سَبْرًا قَالِينَ، چاند نیاں، تکتے، ہرے بھرے باغیچے اس کا واحد رَفْرَفَةٌ ہے۔

(لغات القرآن)

قَوْلُهُ: أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ استفہام تو بخنی ہے، لات اس بت کا نام ہے جو کعبہ میں نصب تھا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بت طائف میں تھا اور یہ بنو ثقیف کا دیوتا تھا، اس کی تحقیق میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ لَتُ السَّوِيقِ سے ماخوذ ہے، لات اسم فاعل کا صیغہ ہے گوندھنے والا، ملانے والا، ایک شخص جو کہ حجاج کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، کلبی نے کہا ہے کہ اس کا اصل نام صرمہ بن غنم تھا (خلاصۃ التفاسیر) جب اس کا انتقال ہو گیا تو جس پتھر پر بیٹھ کر وہ ستو گھولا اور پلایا کرتا تھا اسی پتھر کا ایک بڑا بت تراش کر رکھ دیا بعد ازاں لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی، یہ وہی لات ہے۔

قَوْلُهُ: عُزَّىٰ یہ اعزُّ کی تانیث ہے یہ قبیلہ غطفان کے بت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک بول کا درخت تھا، آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو بھیج کر اس درخت کو کٹوا دیا تھا، جب اس درخت کو کاٹا تو اس میں سے ایک (جدیہ) بھوتنی سر کے بال بکھیرے ہوئے اور ہاتھ سر پر رکھ ہوئے خرابی خرابی چلاتی ہوئی نکلی، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا، حضرت خالد نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا یہی عزیٰ ہے۔

قَوْلُهُ: مَنَاةَ یہ ایک پتھر تھا، جو ہذیل اور خزاعہ کا دیوتا تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ بنی ثقیف کا دیوتا تھا، یہ منیٰ یمنی سے ماخوذ ہے اس کے معنی بہانے کے ہیں، چونکہ اس کے پاس کثرت سے جانور ذبح ہوتے تھے جس کی وجہ سے بہت خون بہتا تھا، اسی وجہ سے اس کا نام مناة ہو گیا۔

قَوْلُهُ: الْآخِرَىٰ یہ ثالثہ کی صفت ذم ہے، یعنی رتبے کے اعتبار سے تیسرے نمبر کا۔

سُؤَالٌ: جب ثالثہ کہہ دیا تو اس کا آخری ہونا خود بخود معلوم ہو گیا، پھر آخری کہنے کی کیا ضرورت؟

جَوَابٌ: الْآخِرَىٰ صفت ذم ہے اس لئے کہ مراد رتبہ میں تاخیر ہے نہ کہ ذکر و شمار میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَٰئِهِمْ ضَعْفًا وَهُمْ لِرِؤُسَانِهِمْ۔

قَوْلُهُ: الثَّانِي مَحْذُوفٌ، اللَّاتِ اپنے معطوفات سے مل کر أَرَأَيْتُمْ بمعنی اَخْبِرُونِي کا مفعول اول ہے اور اِلِهَٰذِهِ الْاَصْنَامِ الْخِ جملہ استفہامیہ مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُهُ: تَلَّكَ، تَلَّكَ کا مَثَرٌ اِلَيْهِ قِسْمَةٌ ہے جو ما قبل کے جملہ استفہامیہ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهُ: ضِيْزٌ یہ ضِيْزٌ سے ماخوذ ہے بمعنی ظلم، یاء، کی رعایت سے ضاد کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، جیسا کہ بِيْضٌ میں کیا ہے، اس لئے کہ فِعْلِي کا وزن صفت کے لئے مستعمل نہیں ہے۔

سُؤَالٌ: مفسر علام نے سَمَّيْتُمُوْهَا کی تفسیر سَمَّيْتُمْ بِهَا سے کیوں کی؟

جَوَابٌ: اس کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ اسماء کا نام نہیں رکھا جاتا جیسا کہ بظاہر سَمَّيْتُمُوْهَا سے

منہوم ہوتا ہے بلکہ مسمیٰ کا نام رکھا جاتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے اصل کلام سَمِیْتُم بِہَا ہے، اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ اصناماً ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

رابط:

سورہ طور کا اختتام لفظ النجوم پر ہوا تھا، اس سورہ کی ابتداء والنجم سے ہوئی ہے دونوں میں مناسبت قریبہ موجود ہے، سورہ نجم مکہ میں نازل ہوئی سوائے اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کے کہ یہ آیت مدنی ہے، اس میں ۶۲ آیتیں ہیں، اس کا مرکزی مضمون، عصمت انبیاء، تصدیق نبوت، مسئلہ تعلیم جبرئیل، رؤیت باری تعالیٰ اور سیر علوی مقامات ہیں۔ اس سورت کے اکثر کلمات معانی کثیرہ اور مفاہیم مختلفہ پر مشتمل ہیں، معانی مجازی اور استعارات پر محمول ہیں، اسی وجہ سے اس کی تفسیر میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔

خصوصیات سورہ نجم:

سورہ نجم پہلی سورت ہے جس کا آپ ﷺ نے مکہ میں اعلان فرمایا، اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، جب آپ ﷺ نے آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدہ تلاوت فرمایا تو حاضرین میں سے مسلمان، کافر سب نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لیکر اپنی پیشانی سے لگالی، چنانچہ یہ کفر کی حالت میں مارا گیا (صحیح بخاری تفسیر سورہ النجم) بعض روایتوں میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے۔

(ابن کثیر)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی بعض مفسرین نے النجم سے ثریا ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے زہرہ ستارہ، اور بعض نے جنس نجوم ہویٰ اوپر سے نیچے گرنا یعنی طلوع فجر کے وقت جب وہ گرتا ہے یا شیطین کو مارنے کے وقت گرتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ یہ جواب قسم ہے، صاحبکم تمہارا ساتھی، اس کلمہ سے آپ ﷺ کی صداقت کو واضح اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، ان کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے، راست بازی اور امانتداری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور دیکھا؟ اب چالیس سال بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو کہ وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے، اللہ تعالیٰ نے دانستہ اور نادانستہ دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ فرمائی ہے۔

سَيُؤَانُّ: اللہ تعالیٰ کا قول ماضِلٌ صاحبکم اللہ تعالیٰ کے قول وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى سے بظاہر متعارض ہے۔

جَوَابِيٌّ: ضَالٌّ اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے لئے صلاحیت فعل شرط ہے وقوع فعل ضروری نہیں اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو باعتبار عنصر خاکی وطبع انسانی قابل و صالح بہکنے کے پایا، لہذا آپ کو ضالٌّ باعتبار صلاحیت قبول فعل کہا گیا ہے اور ماضِلٌ باعتبار عدم وقوع کے فرمایا، اب کوئی تعارض نہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ یعنی وہ گمراہ اور بہک کیسے سکتا ہے وہ تو وحی الہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا حتیٰ کہ مزاح طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ترمذی شریف) اسی طرح حالت غضب میں آپ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (ابوداؤد)

خلاصہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں بلکہ آپ جو کچھ فرماتے وہ سب اللہ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام بخاری کی احادیث سے ثابت ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جس کا نام قرآن ہے، دوسرے وہ کہ صرف معنی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں آنحضرت ان معانی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام حدیث اور سنت ہے، پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، اگر کسی مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف اور واضح حکم نہ ہو تو نبی اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے، اجتہاد میں اس کا تو امکان ہوتا ہے کہ خطا ہو جائے مگر تمام انبیاء کی خصوصیت ہے کہ اگر احکام مستنبطہ میں غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں بخلاف علماء مجتہدین کے، کہ اگر ان سے غلطی ہو جائے تو وہ خطا پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطا صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک گونا گونا ثواب ملتا ہے۔ (جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے)۔ (معارف)

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ یہ اور آئندہ کلمات اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت جبریل کی صفات ہیں اور بعض دیگر مفسرین کے نزدیک مذکورہ صفات اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہیں، اور ان تمام آیات کا تعلق واقعہ معراج سے قرار دے کر حق تعالیٰ سے تعلیم بلا واسطہ اور رویت و قرب حق تعالیٰ پر محمول کرتے ہیں، یہ تفسیر صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، اور پہلی تفسیر جن صحابہ سے منقول ہے ان میں بہت سے حضرات صحابہ و تابعین شامل ہیں ان حضرات کے قول کے رائج ہونے کی کئی وجوہات ہیں تاریخ سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ سورہ نجم بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور ظاہر یہی ہے کہ واقعہ معراج اس سے مؤخر ہے، دوسری اور اصل وجہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کی تفسیر روایت جبریل سے منقول ہے، مسند احمد میں یہ روایت منقول ہے۔

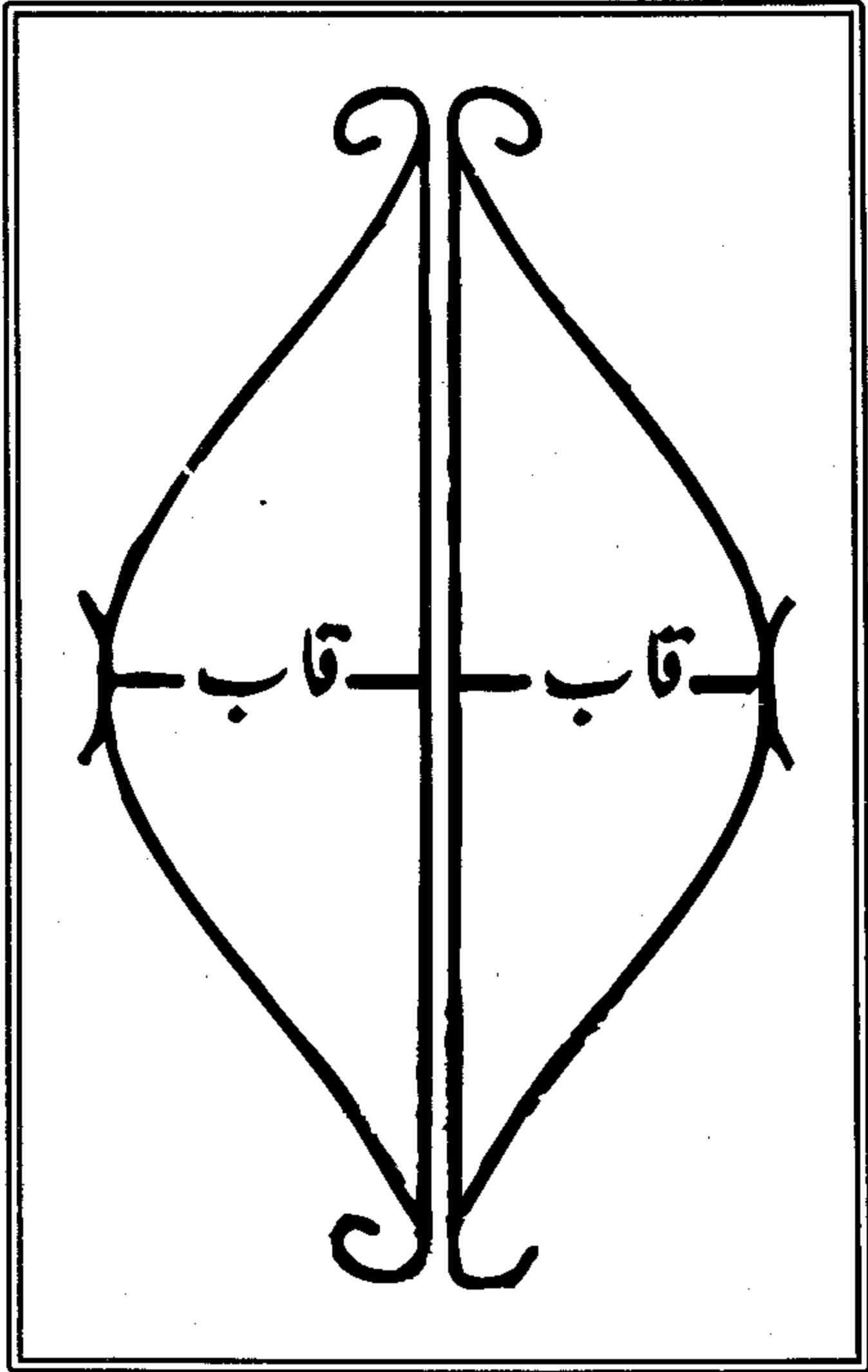
شععی حضرت مسروق سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ (رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ

میں گفتگو ہو رہی تھی) مسروق کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ، وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ پوری امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے، وہ جبریل ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جبریل امین کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جسم نے زمین و آسمان کے درمیان کی فضاء کو بھر دیا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے منقول ہے، نووی نے شرح مسلم میں اور حافظ نے فتح الباری میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ "قاب" کمان کی لکڑی جس میں قبضہ (دستہ) لگا ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل لکڑی کے دونوں کناروں میں ڈور (تانت) بندھی ہوتی ہے، دستہ اور ڈور کے درمیانی فاصلہ کو قاب کہتے ہیں، جس کا فاصلہ اندازاً ڈیڑھ فٹ ہوتا ہے، قَاب قَوْسَيْنِ یعنی دو کمانوں کا قاب جس کا فاصلہ تین فٹ ہے یہ تعبیر حضرت جبریل اور آپ ﷺ کے درمیان نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اختیار کی ہے، عرب کی عادت تھی کہ آپسی اتحاد و یگانگت کو ظاہر کرنا یا اگر دو آدمی آپس میں صلح اور دوستی کا معاہدہ کرنا چاہتے تو جس طرح اس کی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف و مشہور ہے اسی طرح ایک علامت یہ تھی کہ دونوں اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی اپنی اپنی طرف کر کے ڈور (تانت) کو ڈور سے ملاتے اور جب ڈور سے ڈور مل جاتی تو باہمی قرب و مودت کا اعلان سمجھا جاتا، اس قرب کے وقت دونوں شخصوں کے درمیان دو قابوں تقریباً تین فٹ کا فاصلہ رہتا۔



(قَابِ قَوْسین کا نقشہ پیش ہے)



ایک علمی اشکال اور اس کا جواب:

آیات مذکورہ میں صفات کا مصداق حضرت جبریل علیہ السلام کو قرار دینے میں جو کہ جمہور مفسرین کا مختار ہے بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اوپر کی آیات میں جو ضمیریں ہیں وہ جبرائیل کی طرف راجع ہیں، مگر صرف فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ میں دونوں ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں، جو عبارت کے نظم و نسق کے خلاف ہے اور اس سے انتشار مرجع بھی لازم آتا ہے، اس کا جواب حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب نے یہ دیا ہے۔

جواب: نہ یہاں نظم کلام میں کوئی اختلال ہے اور نہ انتشار ضمار، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورہ نجم کی شروع آیت میں إِنَّهُ هُوَ الْوَحِيُّ وَهُوَ يُوحِي كَذِكْرِ فَرَمَا كَرَجَس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ وحی بھیجنے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں مگر اس وحی کے پہنچانے میں ایک واسطہ جبرائیل کا تھا چند آیات میں اس واسطہ کی پوری طرح توثیق کرنے کے بعد پھر أَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ فرمایا یہ ابتدائی کلام کا تکملہ ہے، اور اس میں انتشار ضمیر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ أَوْحَىٰ اور عَبْدِهِ کی ضمیریں اس کے سوا احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اس لئے یہ مرجع پہلے سے متعین ہے اور مَا أَوْحَىٰ میں مُوْحِي بہ کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ اسے جنت الماویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ ماویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں روئیں آ کر جمع ہوتی ہیں۔

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ یہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَىٰ کی اس کیفیت کا بیان ہے کہ جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ فرمایا تھا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی درخت تھا (ابن کثیر) اسی جگہ آپ ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا، پانچ وقت کی نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیات اور ان مسلمانوں کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوں گا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ اس سے مشرکین کی توبیخ مقصود ہے بایں طور کہ اول اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا بیان ہے کہ وہ جبرائیل جیسے عظیم فرشتے کا خالق ہے اور محمد ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا، اور ان پر وحی بھی نازل فرماتا ہے، کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین بتوں کا بطور مثال ذکر کیا، ایک ان میں سے لَات ہے، یہ لَتَّ يَلُتُّ سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی ہیں گھولنے والا، گوندھنے والا، یہ ایک نیک شخص تھا جو حج کے موسم میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کی پوجا شروع کر دی بعد میں اس کے مجسمے تراش کر پوجا پاٹ شروع کر دی، یہ طائف میں بنی ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا، عزیٰ، بعض نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک جنیہ (بھوتنی) تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک سنگ ابیض تھا جسے لوگ پوجتے تھے، یہ قریش اور بنی کنانہ کا خاص دیوتا

تھا، مجاہد نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا بنی غطفان اس کی پرستش کرتے تھے، جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ عزریٰ کو خوار کریں چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کاٹ ڈالا ایک جدیہ بال بکھیرے سر پر ہاتھ رکھ کر خرابی چلاتی ہوئی نکلی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا، جب خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں آئے تو واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا ابھی عزریٰ کا قلع قمع نہیں ہوا، پھر حضرت خالد نے درخت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اس سے ایک عورت برہنہ نکلی، خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بھی قتل کر دیا، حضور نے فرمایا یہی عزریٰ تھی اب کبھی نہ پوجی جائے گی، منذہ یہ منیٰ یمنی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بہانے کے ہیں، چونکہ مشرکین عرب اس کے پاس بکثرت جانور ذبح کر کے خون بہا کر اس کا تقرب حاصل کرتے تھے اسی لئے اس کا نام مناة ہو گیا یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بنو خزاعہ کا خاص بت تھا، زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس کا طواف بھی کرتے تھے۔ (خلاصۃ التفاسیر، واہن کتب)

بحث: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کا تقاضہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام کلمات اور جمیع مرویات وحی ہوں ابن کثیر کی مرویات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنْسِي لَا اَقُولُ اِلَّا بِالْحَقِّ اور حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں جو آنحضرت ﷺ سے سنتا لکھ لیتا، قریش نے کہا آپ ﷺ بشر ہیں حالت غضب میں بھی بات کرتے ہیں، پھر جملہ کلمات قابل ضبط و تحریر کیونکر ہو سکتے ہیں؟ میں نے آنحضرت سے عرض کیا، آپ نے فرمایا ”لکھ لیا کرو اس لئے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ حق ہی ہوتا ہے۔“

شبہ: آپ ﷺ کو شاورِ زہم فی الامر میں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے جس کا مقتضی جواز اصلاح و ترمیم ہے اسی طرح ابارہ خرما (یعنی زکھجور کے شگوفہ کو مادہ کھجور میں ڈالنا، جس کو تائبیر کرنا کہتے ہیں) کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ آپ کا ہر قول وحی نہیں ہوتا تھا، یعنی صحابہ کرام اپنے کھجور کے درختوں میں عمل تائبیر کیا کرتے تھے آپ نے ایک روز اس عمل کے بارے میں دریافت فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اس طریقہ سے پھل خوب آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو تو بہتر ہے، چنانچہ صحابہ نے عمل تائبیر ترک کر دیا مگر اس سال پھل کم آئے، صحابہ نے آپ ﷺ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ دِينِكُمْ فَخَذُوا بِهِ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّأْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۸) ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا ”جو مجھے چرب زبانی سے مغالطہ دیکر فیصلہ کرا لے گا قیامت میں اس کا وبال اس کے سر ہوگا، اسی طرح آپ ﷺ سے خطا اجتہادی کا صدور ہوتا تھا، مذکورہ تمام امور کا مقتضی یہ ہے کہ آپ کے جمیع ارشادات وحی نہ ہوں، اس لئے کہ وحی الہی ہر قسم سے پاک ہوتی ہے۔“

دفع: ارشادات نبوی کی چار قسمیں ہیں ① ازواج و اطفال کے ساتھ مزاح ② معاملات ③ تجویز و تدبیر ④ تبلیغ احکام من جانب اللہ، قسم رابع تو قطعاً وحی ہے، باقی اقسام ثلاثہ بھی لغو و باطل و ہوائے نفس سے پاک اور بری ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا ”جنت میں بوڑھی عورتیں نہ جائیں گی“ مطلب یہ تھا کہ جوان ہو کر داخل جنت ہوں گی، ان معاملات میں کبھی کبھی رائے و قیاس کا صائب نہ ہونا، جیسا کہ حدیث خرما میں گذرایا تجویز و تدبیر میں خطائے

اجتہادی کا ہونا جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں ہوا، یہ نہ غیر حق ہے اور نہ ہوائے نفس لہذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں، رہی آیت، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ یہ مخصوص ہے ان کلمات اور ارشادات سے جو امور دین سے ہوں۔
مَسْئَلَتُنَا: آپ ﷺ صغائر و کبائر سے معصوم ہیں جیسا کہ عدم ضلال و عدم غوایت مطلقہ سے ظاہر ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)
عَلَمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ۔

بحث: شدید القوی سے اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت جبریل امین مراد ہیں۔

شبہ: اس سے شبہ لازم آتا ہے کہ جبریل آپ ﷺ کے معلم اور استاذ ہوں، اور آپ ﷺ متعلم اور شاگرد ہوں۔

دفع: حضرت جبریل امین مبلغ تھے نہ کہ استاذ و معلم اور فرق ان دونوں میں یہ ہے ① معلم میں علم مقصود بالذات ہوتا ہے، اور مبلغ میں مقصود بالغیر ② معلم علم سے فائدہ اٹھانے کی مستقل صلاحیت رکھتا ہے اور مبلغ واسطہ اور ناقل ہوتا ہے ③ معلم میں علم قائم ہو کر معلم کی طرف منعکس ہوتا ہے اور اس علم کا ظل اور مثل معلم میں آجاتا ہے جیسے چراغ کا نور دوسرے چراغ میں، اور مبلغ میں مقصود انتقال میں ہوتا ہے اور مبلغ واسطہ۔ جیسے حرارت آتش شیشے سے پس مبلغ میں اثر رہ سکتا ہے جیسے معلم میں اثر جاسکتا ہے اور معلم میں عین باقی رہتا ہے جس طرح کہ مبلغ الیہ میں عین قائم ہوتا ہے ④ معلم معطی علم ہے اور مبلغ مودی امانت، پس انہی وجوہ سے معلم کو معلم پر شرف و فضل حاصل ہے مبلغ کو نہیں، اسی لئے جبریل ”رسول امین“ قرار پائے ہیں، گواہین خود قابض اور واسطہ قبض صاحب امانت ہو مگر خادم و مامور ہے نہ کہ معطی و مالک، ملائکہ ذرائع ہوتے ہیں اور انبیاء مقاصد۔ (خلاصۃ التفاسیر ملخصاً)

الْكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْإِنثَىٰ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ مشرکین مکہ فرشتوں اور مذکورہ دیویوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، ضِيزَىٰ ضَوْزٌ یا ضِيزٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ظلم کرنے اور حق تلفی کرنے نیز جادہ حق سے ہٹنے کے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ضِيزَىٰ کے معنی ظالمانہ تقسیم کے کئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اناث جن کو تم ناپسند کرتے اور حقیر سمجھتے ہو ان کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو اور ذکور جن کو تم پسند کرتے ہو اپنے حصہ میں رکھتے ہو، یہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَتْهُمَا الْخ یعنی جن کو تم دیوی دیوتا کہتے ہو اور جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو اور جن کے لئے تم خدائی صفات اور اختیارات ثابت کرتے ہو اور تم نے اور تمہارے آباء نے بطور خود ان کو خدا کی اولاد اور خدائی میں شریک مان کر نام رکھ لئے ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے کوئی ایسی سند آئی کہ جسے تم اپنے ان مفروضات کے ثبوت میں پیش کر سکو، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تم اپنی خواہشات نفس کی پیروی اختیار کئے ہوئے ہو، حالانکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران گمراہ لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور اب اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ نے آکر بتا دیا ہے کہ کائنات میں خدائی کس کی ہے اور حقیقی معبود کون ہے؟

وَكَمِّ مَلَكٍ اِی كَثِیْر مِّنَ الْمَلَائِكَةِ فِی السَّمَوٰتِ وَمَا اَكْرَمَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِّنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لَهُمْ فِیْهَا لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ ۙ وَیَرْضٰی ۙ عِنْدَہٗ لِقَوْلِهِ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اَرْتَضٰی وَمَعْلُوْمٌ اَنَّهَا لَا تُوْجَدُ مِنْهُمْ اِلَّا بَعْدَ الْاِذْنِ فِیْهَا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسْمَوْنَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِیَةً اَلَا نُنَبِّئُ ۙ حِیْثُ قَالُوْا هُمْ بَنَاتُ اللّٰهِ وَمَا لَهُمْ بِہٖ بِهٰذَا الْمَقُوْلِ مِنْ عِلْمٍ اِنَّ مَا یَتَّبِعُوْنَ فِیْہِ اِلَّا الظَّنَّ الَّذِیْ تَخِیْلُوْہُ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۙ اِی عَنِ الْعِلْمِ فِیْمَا الْمَطْلُوْبُ فِیْہِ الْعِلْمُ فَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّی عَنْ ذِكْرِنَا اِی الْقُرْاٰنَ وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیْوَۃَ الدُّنْیَا ۙ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ ذٰلِكَ اِی طَلَبُ الدُّنْیَا مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِی نِہَاۃُ عِلْمِهِمْ اَنْ اَثَرُوْا الدُّنْیَا عَلٰی الْاٰخِرَةِ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدٰی ۙ اِی عَالِمٌ بِهِمَا فِیْجَازِیْہِمَا ۙ وَیَلٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ اِی هُوَ مَالِکٌ لِذٰلِکَ وَمِنَ الضَّلٰلِ وَالْمُهْتَدِیْ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ لَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا مِنْ الشَّرِّ وَغَیْرِہٖ وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالتَّوْحِیْدِ وَغَیْرِہٖ مِنْ الطَّاعَاتِ بِالْحُسْنٰی ۙ اِی الْجَنَّةِ وَبَیِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ بِقَوْلِہٖ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبِیْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۙ هُوَ صِغَارُ الذُّنُوْبِ کَالنَّظَرَةِ وَالْقُبْلَةِ وَاللَّمَسَةِ فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مُّقْطِعٌ وَالْمَعْنٰی لٰکِنِ اللَّمَمَ تُغْفَرُ بِاجْتِنَابِ الْکَبَائِرِ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۙ بِذٰلِکَ وَبِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ وَنَزَلَ فِیْمَنْ کَانَ یَقُوْلُ صَلَاتُنَا صِیَامُنَا حَجُّنَا ۙ هُوَ اَعْلَمُ اِی عَالِمٌ بِکُمْ اِذَا اَنْشَاکُمْ مِنَ الْاَرْضِ اِی خَلَقَ اَبَآکُمْ اَدَمَ مِنَ التُّرَابِ وَاِذَا اَنْتُمْ رَاجِعَتُمْ ۙ جَمْعُ جَنِیْنٍ فِی بَطْنٍ اُمَّهَاتِکُمْ فَلَا تُزْکَوْنَ اَنْفُسَکُمْ لَا تَمْدَحُوْہَا اِی عَلٰی سَبِیْلِ الْاِعْجَابِ اَمَّا عَلٰی سَبِیْلِ الْاِغْتِرَافِ بِالنِّعْمَةِ فَجَسِّنَ ۙ هُوَ اَعْلَمُ اِی عَالِمٌ بِمَنْ اَتَقٰی ۙ

ترجمہ: اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں یعنی بہت سے فرشتے ہیں اور عند اللہ کس قدر مکرم ہیں (پھر بھی) ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر بعد اس کے کہ اللہ ان کو شفاعت کی اجازت عطا فرمادے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے اور، اس سے راضی ہو (اللہ تعالیٰ کے قول) وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اَرْتَضٰی کی وجہ سے، اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ فرشتوں کی شفاعت کا وجود شفاعت کی اجازت کے بعد ہی ہوگا، کس کی مجال کہ اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے؟ بلاشبہ وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو وہ فرشتوں کے زنا نے نام رکھتے ہیں بایں طور کہ انہوں نے فرشتوں کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں حالانکہ ان کو اس مقولہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے، اور وہ اس قول میں اس ظن محض کی پیروی کر رہے ہیں جو انہوں نے کر لیا ہے اور یقیناً ظن علم کی جگہ کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا، یعنی جہاں علم مطلوب ہو وہاں ظن سے کام نہیں چل سکتا، تو آپ بھی اس شخص سے توجہ ہٹا لیجئے جس نے ہمارے ذکر یعنی قرآن سے رخ پھیر لیا اور اس کا مقصد محض دنیوی زندگی ہی ہے اور یہ (حکم) جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور یہ یعنی دنیا طلبی

ان کا منتہائے علم ہے یعنی ان کے علم کی آخری منزل یہی ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں بلاشبہ آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور اس سے بھی بخوبی واقف ہے جس نے راہ ہدایت اختیار کی یعنی ان دونوں سے واقف ہے لہذا دونوں کو جزاء دے گا، اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے یعنی وہی اس کا مالک ہے اور اسی میں گمراہ اور راہ یافتہ بھی ہیں وہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے تاکہ اس شخص کو سزا دے جس نے شرک و کفر وغیرہ کے ذریعہ بد اعمالیاں کیں اور ان لوگوں کو جنت کا صلہ دے جنہوں نے توحید و طاعت وغیرہ کے ذریعہ نیک اعمال کئے اور بیان فرمایا اپنے قول **الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ** الخ کے ذریعہ نیکوکاروں کو (نیکوکار) وہ لوگ ہیں جو بڑے (بڑے) گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور بے حیائیوں سے (بھی) مگر کہ چھوٹے موٹے گناہوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور **لَمَّمْ** چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک نظر دیکھ لینا، اور ایک بوسہ لے لینا، اور ایک مرتبہ چھو لینا، یہ استثناء منقطع ہے اور معنی یہ ہیں کہ صغائر، کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں بلاشبہ تیرا رب وسیع المغفرت ہے اس کے ذریعہ اور توبہ قبول کرنے کے ذریعہ اور (آئندہ) آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو شخص (فخر کے طور پر) کہتا تھا ہماری نماز، ہمارے روزے، ہمارا حج حالانکہ وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کیا جب کہ تم ماؤں کے پیٹ میں جنین تھے **أَجْنَّةٌ** جنین کی جمع ہے لہذا تم اپنے نفسوں کی پاکی مت بیان کرو اب رہا نعمت کے اعتراف کے طور پر تو وہ حسن ہے، متقیوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: كَمَنْ مِّنْ مَّلِكٍ، کم خبر یہ بیان کثرت کے لئے ہے لہذا **مَلِكٍ** اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے ہے، لہذا **لَا تُغْنِي** **شَفَاعَتُهُمْ** کے مطابق ہے، اور **كَمَنْ مِّنْ مَّلِكٍ** مبتداء اور **لَا تُغْنِي** اس کی خبر دونوں محلا مرفوع ہیں۔

قَوْلٌ: وَمَا أَكْرَمَهُمْ جملہ تعجیبہ ہے، ملائکہ کی زیادتی تشریف کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلٌ: وَمَعْلُومٌ انہا لا توجد منهم الا بعد الاذن فيها اس عبارت کے اضافہ کا ایک مقصد تو اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ **لَا تُغْنِي** **شَفَاعَتُهُمْ** شیڈا سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی شفاعت تو ہوگی مگر وہ کچھ بھی مفید نہ ہوگی حالانکہ سرے سے شفاعت ہی نہیں ہوگی، مذکورہ عبارت سے مفسر علام نے جواب دیدیا کہ عدم اغناء شفاعت، عدم شفاعت کے معنی میں ہے، نیز دوسرا مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ شفاعت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ جس کے لئے شفاعت کی جا رہی ہے اللہ اس کی شفاعت سے راضی بھی ہو یہ بات **لَا تُغْنِي** **شَفَاعَتُهُمْ** شیڈا الخ سے مفہوم ہو رہی ہے، دوسرے یہ کہ شفاعت کرنے والے کو اجازت بھی ہو، یہ بات دوسری آیت **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ** سے مفہوم ہے، جب دونوں باتیں جمع ہوں گی تب ہی شفاعت ہوگی ورنہ نہیں۔

قَوْلٌ: اِی عَنِ الْعِلْمِ اِسْ عِبَارَتٌ سَعِ مَفْسَرِ عَلَامِ نَعِ اِشَارَهٗ کَر دِیَا کِه مِّنْ بِمَعْنٰی عَنِ هَیْ اَوْر حَقِّ بِمَعْنٰی عِلْمِ هَی۔

قَوْلٌ: وَمِنْهُ الضَّالُّ وَالْمُهْتَدِیُّ اِلَیْهِ عِبَارَتٌ کِه اِضَافَهٗ کَا فَاکِدَهٗ اِیْکِ سَوَالِ مَقْدَرِ کَا جَوَابِ هَیْ، سَوَالِ یِه هَیْ کِه آسَمَانُوں اَوْر زَمِیْنِ وَمَا فِیْهِمَا کِی مَلِکِیَّتِ اللّٰهِ تَعَالٰی کِه لَعْنَهٗ بِالذَّاتِ ثَابِتِ هَیْ اَوْر جَوْجِزِ بِالذَّاتِ ثَابِتِ هَوْتِیْ هَیْ وَهٗ چِیزِ مَعْلُوْلِ بِالْعِلَّةِ نَہِیْسِ هَوْتِیْ، حَالَانْکِه لَیَجْزِیْ اَلَّذِیْنَ اِلَیْهِ عِبَارَتٌ کِه اِلَیْهِ عِبَارَتٌ سَعِ مَفْسَرِ عَلَامِ نَعِ اِشَارَهٗ کَر دِیَا کِه مِّنْ بِمَعْنٰی عَنِ هَیْ اَوْر حَقِّ بِمَعْنٰی عِلْمِ هَیْ۔

جَوَابُ: جَوَابِ کَا حَاصِلِ یِه هَیْ کِه لَیَجْزِیْ اِضْلَالِ وَہِدَایَتِ کِی تَعْلِیْلِ هَیْ جَوَکِه مَلِکِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِمَا مِیْنِ شَامِلِ هَیْ، لَہٰذَا تَقْدِیْرِ عِبَارَتِ یِه هَیْ یُضِلُّ وَیَهْدِیْ لَیَجْزِیْ اَوْر یِه بَہِیْ صَحِیْحِ هَیْ کِه لَامِ عَاقِبَتِ کَا ہُو، مَطْلَبِ یِه کِه تَخْلِیْقِ کَا نَّاتِ اِسْ لَعْنَهٗ کِه مَخْلُوْقِ مِیْنِ مَحْسَنِ بَہِیْ ہُوں گے اَوْر مَسِیْ بَہِیْ، اِیْعَنِ نِیْکُو کَا رِ بَہِیْ ہُوں گے اَوْر بُدْکَا رِ بَہِیْ، نِیْکُو کَا رُوں کُو جِزَا، حَسَنِ دے اَوْر بُدْکَا رُوں کُو جِزَا، سَو۔

قَوْلٌ: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ اِلَیْهِ اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا سَعِ بَدَلِ هَیْ یَا عَطْفِ بَیَانِ هَیْ یَا نَعْتِ هَیْ یَا اَعْنٰی مَحْذُوْفِ کَا مَفْعُوْلِ هَیْ یَا مَبْتَدَا، مَحْذُوْفِ کِی خَبَرِ هَیْ اِیْ هُمُ اَلَّذِیْنَ۔

قَوْلٌ: اَللَّمَّ جَہُوْلے گِناہ لَمَمَّ کِه لَغَوِیْ مَعْنٰی ہِیْنِ کَمِ اَوْر چَہُوْٹا ہونا، اِیْ سَعِ اِسْ کِه یِه اِسْتِعْمَالَاتِ ہِیْنِ اَللَّمَّ بِالْمَكَانِ مَكَانِ مِیْنِ تَہُوْڑِیْ دِیْرِ قِیَامِ کِیَا اَللَّمَّ بِالطَّعَامِ تَہُوْڑا سَا کَہَا یَا، اِیْ طَرَحِ کِی چِیزِ کُو مَحْضِ چَہُوْٹا، یَا اِسْ کِه قَرِیْبِ ہونا، یَا کِی کَامِ کُو اِیْکِ یَا دُو مَرْتَبَہٗ کَرنا، اِسْ پَر دُو اَمِّ وَاسْتِمْرَارِ نہ کَرنا، یَا مَحْضِ دِلِ مِیْنِ خِیَالِ گِذَرنا، یِه سَبِّ صَوْرَتِیْنِ لَمَمَّ کَہَلَاتِیْ ہِیْنِ (فَتْحِ الْقَدْرِ شَوْکَانِی) اِیْ مَفْہُوْمِ اَوْر اِسْتِعْمَالِ کِی رُو سَعِ اِسْ کِه مَعْنٰی صَغِیْرَهٗ گِناہ کِه کُئے جَاتے ہِیْنِ، اِیْعَنِ کِی بُوڑے گِناہ کِه مَبَادِیَاتِ کَا اِرْتِکَابِ لَیْکِنِ بُوڑے گِناہ سَعِ اِجْتِنَابِ کَرنا، یَا کِی گِناہ کَا اِیْکِ دُو بار کَر لَیْنا اَوْر پَہْرِ ہِمِیْشَہٗ کِه لَعْنَهٗ اِسْ کُو چَہُوْڑ دِیْنا، یَا کِی گِناہ کَا خِیَالِ دِلِ مِیْنِ آنا مَکْرَ عَمَلًا اِسْ کِه قَرِیْبِ نہ جانا، یِه سَبِّ صَغِیْرَهٗ گِناہ ہِیْنِ جِنِّ کُو اللّٰہِ تَعَالٰی کِبَا رَّ سَعِ اِجْتِنَابِ کِی بَرکَتِ سَعِ مَعَاْفِ فَرَمَا دے گا۔

قَوْلٌ: فَهُوَ اِسْتِثْنَاءٌ مَنْقُطِعٌ اِیْعَنِ اِلَّا اَللَّمَّ مَسْتَثْنٰی مَنْقُطِعٌ ہَیْ اِیْعَنِ کِبَا رَّ مِیْنِ شَامِلِ نَہِیْسِ ہَیْ اَوْر کِبَا رَّ مِیْنِ شَامِلِ ہُو تُو مَسْتَثْنٰی مَتَّصِلِ ہُو گا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَكَمِّ مِنْ مَلِكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنٰی شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِیْعَنِ فَرِشْتے اِپْنِیْ کَثْرَتِ اَوْر عِنْدَ اللّٰهِ مَقْرَبِ تَرِیْنِ مَخْلُوْقِ ہونے کِه بَا وَجُوْدِ شَفَاعَتِ کَا اِخْتِیَارِ نَہِیْسِ رَکَہْتے اِنْ کُو بَہِیْ شَفَاعَتِ کَا حَقِّ صَرَفِ اِنْہِیْنِ لُوگوں کِه لَعْنَهٗ مَلْے گا جِنِّ کِه لَعْنَهٗ اللّٰہِ پَسَنْدِ کَرے گا، جَبِ یِه بَاتِ ہَیْ تُو پَہْرِ یِه اِیْنِٹِ پَہْرِ کِی مَوْرِتِیَاں اَوْر بِنَاوْٹِیْ مَعْبُوْدِ کِسْ طَرَحِ کِی سَفَارَشِ کَر سَکِیْسِ گے؟ جِسْ سَعِ تَمَّ آسْ لَگائے بیٹھے ہُو، نِیْزَ اللّٰہِ تَعَالٰی مَشْرُکُوں کِه حَقِّ مِیْنِ کِی سَفَارَشِ کَرنے کَا حَقِّ کِیْسے دے گا؟ جَبْکِه شَرِکِ اِسْ کِه نَزِیْکِ نَا قَابِلِ مَعَاْفِیْ جَرَمِ ہَیْ؟

اِنَّ اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اِلَیْهِ اِیْعَنِ اِیْکِ حِمَاقَتِ تُو اِنْ کِی یِه ہَیْ کِه اِنْہُوں نَعِ بے اِخْتِیَارِ فَرِشْتُوں کُو جَوْبِغِیْرِ اِجَازَتِ

سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتے معبود بنالیا ہے، اس پر مزید حماقت یہ کہ وہ انہیں عورت سمجھتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، ان ساری جہالتوں میں ان کے مبتلا ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کو نہیں مانتے اور ملائکہ کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ کچھ اس بناء پر اختیار نہیں کیا ہے کہ انہیں کسی ذریعہ علم سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ عورتیں ہیں اور خدا کی بیٹیاں ہیں، بلکہ انہوں نے محض اپنے قیاس و گمان سے ایک بات فرض کر لی ہے، حالانکہ یہ اصول اور عقیدہ کا مسئلہ ہے اس میں تو علم قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، گمان غالب مسائل فرعیہ عملیہ میں تو کام آسکتا ہے نہ کہ مسائل اعتقادیہ میں۔

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى الْخِیَاطَ یعنی ایسے لوگوں کے سمجھانے پر اپنا قیمتی وقت صرف نہ کیجئے کہ جو ایسی کسی دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں جس کی بنیاد خدا پرستی پر ہو اور جو دنیا کے مادی فائدوں سے بلند تر مقاصد اور اقدار کی طرف بلاتی ہو، اس قسم کے مادہ پرست اور خدا بیزار انسان پر اپنی محنت صرف کرنے کے بجائے توجہ ان لوگوں کی طرف کیجئے جو خدا کا ذکر سننے کے لئے تیار ہوں اور دنیا پرستی کے مرض میں مبتلا نہ ہوں، یہ لوگ دنیا اور اس کے فوائد سے آگے نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ سوچ سکتے ہیں، اس لئے ان پر محنت صرف کرنا حاصل ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ یہ اعراض کی علت ہے کسی آدمی کے گمراہ یا برسر ہدایت ہونے کا فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی زمین و آسمان کا مالک ہے، اور اسی کو یہ معلوم ہے کہ دنیا کے لوگ جن مختلف راہوں پر چل رہے ہیں ان میں سے ہدایت کی راہ کونسی ہے؟ اور ضلالت کی راہ کونسی؟ لہذا تم اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرو کہ یہ مشرکین عرب اور یہ کفار مکہ آپ کو بہکا اور بھٹکا ہوا آدمی قرار دے رہے ہیں، اور اپنی جاہلیت ہی کو حق و ہدایت سمجھ رہے ہیں یہ اگر اپنے زعم باطل میں مگن رہنا چاہتے ہیں تو رہنے دو ان سے بحث و تکرار میں وقت ضائع کرنے اور سرکھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَلِلَّهِ مَا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ یہ جملہ معترضہ ہے اور لِيَجْزِيَ کا تعلق ماقبل سے ہے۔

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ اس آیت میں ”محسنین“ جنکی اوپر مدح فرمائی گئی ہے کی علامت اور شناخت بتائی گئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے عموماً اجتناب کرتے ہیں اور فحش و بے حیائی کے کاموں سے بالخصوص دور رہتے ہیں، اس میں ایک استثناء بلفظ لَمَم سے فرمایا گیا ہے (لَمَم) کی تشریح سابق میں بھی گذر چکی ہے، مطلب یہ کہ ان حضرات کو محسن (نیکوکار) ہونے کا جو خطاب دیا گیا ہے، لَمَم میں ابتلاء ان کو اس خطاب سے محروم نہیں کرتا۔

لَمَم کی تشریح میں صحابہ اور تابعین کے دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جن کو سورہ نساء کی آیت میں سیئات سے تعبیر فرمایا گیا ہے إِنَّ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ یہ قول حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر سرزد ہو گیا ہو پھر اس سے توبہ کر لی ہو اور پھر اس کے قریب بھی نہ گیا ہو یہ قول بھی ابن کثیر نے بروایت ابن جریر مختلف واسطوں سے نقل کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر کسی نیک آدمی سے کبھی اتفاقاً کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے اور اس نے توبہ کر لی تو یہ شخص بھی صالحین اور متقین کی فہرست سے خارج نہ ہوگا، سورہ آل عمران کی ایک آیت میں یہی مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے،

متقیوں کی صفات کے بیان کے ذیل میں فرمایا وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (یعنی وہ لوگ متقین ہی میں داخل ہیں جن سے کوئی فحش کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو فوراً ان کو اللہ کی یاد آئی اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگی اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے؟ اور جو گناہ ہو گیا اس پر جے نہیں رہے) اور جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جس صغیرہ گناہ پر اصرار کیا جائے اور اس کی عادت ڈال لی جائے وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اس لئے لَمَمٌ سے وہ صغیرہ گناہ مراد ہیں جن پر اصرار نہ ہو۔ (معارف)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور مسروق اور شعی فرماتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس سے بھی معتبر روایات میں یہ قول منقول ہوا ہے کہ اس سے مراد آدمی کا کسی بڑے گناہ کے قریب تک پہنچ جانا اور اس کے ابتدائی مراحل تک طے کر گزرنا مگر آخری مرحلہ میں پہنچ کر رک جانا ہے مثلاً کوئی شخص چوری کرنے کے لئے جائے مگر چوری سے باز رہے یا اجنبیہ سے اختلاط کرے مگر زنا کا اقدام نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عکرمہ، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ ان سے مراد چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جن کے لئے دنیا میں بھی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، اور آخرت میں بھی جن پر کوئی عذاب کی وعید نہیں فرمائی گئی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ لَمَمٌ سے مراد دل میں گناہ کا خیال آنا مگر عملاً اس کا ارتکاب نہ کرنا، یہ حضرات صحابہ اور تابعین سے لَمَمٌ کی مختلف تفسیریں ہیں، جو روایات میں منقول ہوئی ہیں، بعد کے مفسرین اور ائمہ و فقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ یہ آیت اور سورہ نساء کی آیت ۳۱ صاف طور پر گناہوں کو دو بڑی اقسام پر تقسیم کرتی ہیں، ایک کبائر اور دوسرے صغائر، اور یہ دونوں آیتیں انسان کو امید دلاتی ہیں کہ اگر وہ کبائر اور فواحش سے پرہیز کرے تو اللہ تعالیٰ صغائر سے درگزر فرمائے گا، امام غزالی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ کبائر اور صغائر کا فرق ایک ایسی چیز ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

صغیرہ و کبیرہ گناہ میں فرق:

اب رہا یہ سوال کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور کس قسم کا گناہ صغیرہ اور کسی قسم کا گناہ کبیرہ ہے تو اس میں واضح اور صاف بات یہ ہے کہ ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے کتاب و سنت کی کسی نص صریح نے حرام قرار دیا ہے یا اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں کوئی سزا مقرر فرمائی ہو، یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو یا اس کے مرتکب پر لعنت ہو، یا اس کے مرتکبین پر نازل عذاب کی خبر دی ہو، اس نوعیت کے گناہوں کے ماسوا جتنے افعال بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ سب صغائر کی تعریف میں آتے ہیں، اسی طرح کبیرہ کی محض خواہش یا اس کا ارادہ بھی کبیرہ نہیں، بلکہ صغیرہ ہے، حتیٰ کہ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر جانا بھی اس وقت تک گناہ کبیرہ نہیں ہے، جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گزرے، البتہ گناہ صغیرہ بھی ایسی حالت میں کبیرہ ہو جاتا ہے، جب وہ دین کے استخفاف اور اللہ کے مقابلہ میں استکبار کے جذبہ سے کیا جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ مطلب یہ ہے کہ صغائر کا معاف کر دیا جانا، کچھ اس وجہ سے نہیں کہ صغیرہ گناہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ تنگ نظری اور خوردہ گیری کا معاملہ نہیں فرماتا، بندے اگر نیکی اختیار کریں اور کبائر و فواحش سے اجتناب کرتے رہیں تو وہ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہ فرمائے گا، اور اپنی رحمت بے پایاں کی وجہ سے ان کو ویسے ہی معاف کر دے گا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ (الایۃ) اَجِنَّۃ جنین کی جمع ہے رحم مادر میں جو بچہ ہوتا ہے اسے جنین کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے، ”جیم نون نون“ کے مادہ میں ستر و خفا کے معنی لازم ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت و حالت و حرکت مخفی نہیں حتیٰ کہ جب تم صلب پدر اور رحم مادر میں تھے جہاں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا وہ وہاں بھی تمہارے تمام احوال و کیفیات سے واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے اور خود ستائی کے مرض میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ خود اپنی جان کا اتنا علم نہیں رکھتا جتنا اس کے خالق سبحانہ کو ہے کیونکہ صلب پدر سے لیکر رحم مادر میں تخلیق کے جو مختلف ادوار اس پر گزر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ کوئی علم و شعور ہی نہیں رکھتا مگر اس کا بنانے والا خوب جانتا ہے اس سے انسان کو اس کے عجز اور کم علمی پر متنبہ کر کے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ جو بھی اچھا اور نیک کام کرتا ہے وہ اس کا ذاتی کمال نہیں ہے خدا کا بخشا ہوا انعام ہے، لہذا کسی بڑے سے بڑے نیک صالح اور متقی و پرہیزگار کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے عمل پر فخر کرے اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور خود ستائی میں مبتلا ہو جائے اسی ہدایت کو اگلی آیت فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَتَّقٰی میں بیان فرمایا ہے، یعنی تم اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا اور کس درجہ کا ہے؟ کیونکہ مدارِ فضیلت تقویٰ پر ہے ظاہری اعمال پر نہیں اور تقویٰ بھی وہ معتبر ہے جو موت تک باقی رہے۔

اَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلٰی ۝ عَنِ الْاِيْمَانِ اِیْ اِزْتَدَّ لِمَا غُیْرَہٗ وَقَالَ اِنِّیْ جِئْتُ عِقَابَ اللّٰهِ فَضَمِنَ لَہٗ الْمُعِیْرَ اَنْ یَّحْمِلَ عَنْہٗ عَذَابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰی شِرْکِہٖ وَاَعْطَاہٖ مِنْ مَّالِہٖ کَذَا فَرَجَعَ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا ۝۱۰ مِنَ الْمَالِ الْمُسْتَمٰی وَاَلْکَدٰی ۝۱۱ مَنَعَ الْبَاقِیَ مَا خُوذَ مِنَ الْکُذْبِیۃِ وَہٰی اَرْضٌ صَلْبَةٌ کَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَافِرَ الْبِیْرِ اِذَا وَصَلَ اِلَیْہَا مِنَ الْحَفْرِ اَعِنْدَہٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَہُوَ یَرٰی ۝۱۲ یَعْلَمُ مِنْ جُمْلَتِہٖ اَنَّ غَیْرَہٗ یَتَحَمَّلُ عَنْہٗ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ لَا وَہُوَ الْوَلِیْدُ مِنَ الْمُغِیْرَةِ اَوْ غَیْرَہٗ وَجُمْلَۃُ اَعِنْدَہٗ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِی لِرَاٰیَتَ بِمَعْنٰی اَخْبَرَنِی اَمْرٌ بَلْ لَمْ یُنَبِّا بِمَا فِی صُحُفِ مُوسٰی ۝۱۳ اَسْفَارِ التَّوْرَةِ اَوْ صُحُفِ قَبْلِہَا وَ صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ الَّذِی وُفِّی ۝۱۴ تَمَّمَ مَا اَمْرَہٗ بِحَقِّ وَاِذَا ابْتَلٰی اِبْرٰہِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاتَمَّہُنَّ وَبَیَّانُ مَا اَلَا تَزِیْرُ وَاِیْرَۃُ وَزَرَ اُخْرٰی ۝۱۵ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَاِنْ مُخَفَّفَۃٌ مِنَ الثَّقِیْلَةِ اِیْ اَنَّهُ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَیْرِہَا وَاَنْ اِیْ اَنَّهُ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝۱۶ مِّنْ خَیْرِ فَلَیْسَ لَہٗ مِنْ سَعٰی غَیْرِہٖ الْخَیْرِ شَیْءٌ وَاَنْ سَعِیَہٗ سَوْفَ یَرٰی ۝۱۷ اِیْ یَبْصُرُہٗ فِی الْاٰخِرَةِ ثُمَّ یُجْزٰیہُ الْبِجَارَ الْاَوَّلٰی ۝۱۸ الْاَکْمَلُ یُقَالُ جَزِیْتُهُ سَعِیَہٗ وَبَسَعِیَہٗ وَاَنْ

بِالْفَتْحِ عَطْفًا وَقُرِئَ بِالسَّكْرِ اسْتِیْنَافًا وَكَذَا مَا بَعْدَهَا فَلَا يَكُونُ مَضْمُونُ الْجُمْلَةِ فِي الصُّحُفِ عَلَى الثَّانِي إِلَى رَيْكَ الْمُتَهَيِّ ۝ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِيرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُجَازِيهِمْ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ مَنْ شَاءَ أَفْرَحَهُ وَأَبْكَى ۝ مَنْ شَاءَ أَحْزَنَهُ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ فِي الدُّنْيَا وَأَحْيَا ۝ لِلْبَعْثِ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الصَّنَفَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝ مِنْ نُطْفَةٍ مَنِى إِذَا تُمْنَى ۝ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ وَأَنَّ عَلَيْهِ النِّشَاءَ بِالْمَدِّ وَالْقَضِرِ الْآخَرَى ۝ الْخَلْقَةَ الْآخَرَى الْأُولَى وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى النَّاسَ بِالْكَفَايَةِ بِالْأَمْوَالِ وَأَقْنَى ۝ أَعْطَى الْمَالَ الْمُتَّخِذَ قِنِيَّةٍ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِى ۝ هِيَ كَوَكَبٌ خَلْفَ الْجُوزَاءِ كَانَتْ تُعْبَدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ۝ وَفِي قِرَاءَةِ بَادِعِ التَّنْوِينِ فِي اللَّامِ وَضَمِّهَا بِلَا هَمْزَةٍ هِيَ قَوْمُ هُودٍ وَالْآخَرَى قَوْمُ صَالِحٍ وَتَمُودًا بِالصَّرَفِ اسْمُ لَبَّابٍ وَبِلَا صَرْفٍ اسْمُ لِقَبِيلَةٍ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى عَادٍ فَمَا أَبْقَى ۝ مِنْهُمْ أَحَدًا وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلِ آيٍ قَبْلَ عَادٍ وَتَمُودَ أَهْلَكَ كَنَاهُمْ ۝ أَنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ۝ بَنَ عَادٍ وَتَمُودَ لِبَطُولِ لُبِّ نُوحٍ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا وَهُمْ مَعَ عَذَمِ إِيْمَانِهِمْ بِهِ يُؤْذُونَهُ وَيَضْرِبُونَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةَ وَهِيَ قَرَى قَوْمِ لُوطٍ أَهْوَى ۝ أَسْقَطَهَا بَعْدَ رَفْعِهَا إِلَى السَّمَاءِ مَقْلُوبَةً إِلَى الْأَرْضِ بِأَمْرِ جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِذَلِكَ فَغَشَاهَا مِنَ الْحِجَارَةِ بَعْدَ ذَلِكَ مَا عَشَى ۝ أَنَّهُمْ تَهْوِيلًا وَفِي هُودٍ فَجَعَلْنَا غَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ فَبِآيٍ آلَ رَيْكَ بِأَنْعَمِهِ الدَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ وَقُدْرَتِهِ تَتَمَارَى ۝ تَشْكُ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ أَوْ تُكَذِّبُ هَذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْأُولَى ۝ مِّنْ جَنَسِهِمْ أَى رَسُولٌ كَالرُّسُلِ قَبْلَهُ أَرْسِلَ إِلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى أَقْوَامِهِمْ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ قَرُبَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ نَفْسٌ كَاشِفَةٌ ۝ أَى لَا يَكْشِفُهَا وَيُظْهِرُهَا إِلَّا هُوَ كَقَوْلِهِ لَا يُجْلِيهَا لَوْ قَتَلَهَا إِلَّا هُوَ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَى الْقُرْآنِ تَعْجَبُونَ ۝ تَكْذِيبًا وَتَضَحْكُونَ اسْتِهْزَاءً وَلَا تَتَّبِعُونَ ۝ لِسَمَاعٍ وَعُودِهِ وَوَعِيدِهِ وَأَنْتُمْ سَمِدُونَ ۝ لَا هُونَ غَافِلُونَ غَمًّا يُطْلَبُ مِنْكُمْ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَأَعْبُدُوا اللَّهَ ۝ وَلَا تَسْجُدُوا لِلْأَصْنَامِ وَلَا تَعْبُدُوا هَا.

بَعْدَ

تَرْجُمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایمان سے پھر گیا یعنی مرتد ہو گیا جب ایمان پر اس کو عار دلائی گئی اور کہا مجھے اللہ کے عذاب سے خوف آیا، تو اس کے لئے عار دلانے والا اس بات کا ضامن ہو گیا کہ وہ اس کی طرف سے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر اٹھالے گا، اگر وہ اپنے شرک کی طرف لوٹ آئے، اور اسے اپنے مال میں سے اتنا دیدے، چنانچہ یہ شخص مرتد ہو گیا اور اس شخص نے مقررہ مال میں سے قلیل حصہ دیدیا اور باقی مال کو روک لیا اکدی، کُذیہ سے ماخوذ ہے، کُذیہ چٹان کے مانند زمین کا وہ سخت حصہ جو کنواں کھودنے والے کو کھودنے سے روکدے جب کھودتا ہوا اس چٹان پر پہنچے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟ کہ وہ جانتا ہے منجملہ اس کے یہ علم بھی ہے کہ دوسرا شخص اس کے آخرت کے عذاب کو اٹھالے گا، نہیں (نہیں) اور وہ شخص

ولید بن مغیرہ ہے یا اس کے علاوہ دوسرا کوئی شخص ہے، اور جملہ اَعِنْدَهُ، رَأَيْتَ بِمَعْنَى اَخْبَرْنِي کا مفعول ثانی ہے، کیا اس کو اس کی خبر نہیں دی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے تو رات کے سفر ناموں میں یا ان سے پہلے صحیفوں میں اور ابراہیم کے صحیفوں میں جس نے وہ حق پورا کیا جس کا اس کو حکم دیا گیا، اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ذریعہ جن کو اس نے پورا کیا اور اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی النخ ما کا بیان ہے، یہ کہ کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اَنْ مَخْفَفٌ عَنِ الثَّقِيلِ ہے اِیْ اِنَّهُ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَيْرِهَا بالیقین کوئی نفس کسی نفس کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کو صرف اسی عمل خیر کی سعی کا صلہ ملے گا جس کے لئے اس نے سعی کی ہوگی چنانچہ اس کو غیر کی سعی کا صلہ نہ ملے گا، اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی، یعنی آخرت میں اپنی سعی کو دیکھ لے گا اور پھر اس کو پوری پوری جزاء دی جائے گی بولا جاتا ہے جَزَيْتُهُ سَعِيَّهٖ وَبِسَعِيَّهٖ (یعنی میں نے اس کی سعی کا صلہ دیدیا) اور یہ کہ تیرے پروردگار کی طرف (ہرشی) کی انتہا ہے یعنی مرنے کے بعد تیرے پروردگار کی طرف رجوع کرنا اور لوٹنا ہے، سو وہ ان کو جزاء دے گا، اور اَنْ اُكْرَفْتُمْ كَسَافَتِهِمْ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی) پر عطف ہوگا، اور اگر کسرہ کے ساتھ ہے تو جملہ مستانفہ ہوگا، اور یہی دونوں صورتیں مابعد میں بھی ہوں گی، (یعنی) وَاِنَّهُ هُوَ اَضْحَكَ سَعَادِنَ الْاُولٰٓئِیْ تَحْتَ اُخْرٰی، ثانی صورت میں (آئندہ) جملوں کا مضمون (مذکورہ) صحیفوں میں نہیں ہوگا اور یہ کہ وہی جس کو چاہتا ہے ہنساتا ہے یعنی خوش کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُلّاتَا ہے یعنی رنجیدہ کرتا ہے اور یہ کہ وہی دنیا میں موت دیتا ہے اور زندہ کرتا ہے بعث کے لئے اور یہ کہ اس نے مذکور مومنٹ دونوں صنفیں نطفہ منی سے پیدا کیں جبکہ رحم میں پُکایا جائے اور یہ کہ اس کے ذمہ میں ہے دوسری مرتبہ پیدا کرنا (نَشَاةٌ) مداور قصر کے ساتھ، یعنی پہلی تخلیق کے بعد دوسری تخلیق فرمائی اور یہ کہ کفایت مال کے ذریعہ اس نے لوگوں کو مستغنی کیا اور مال عطا کیا، جس کو اس نے جمع کر لیا اور وہی شعریٰ کا رب ہے وہ ایک تارا ہے جو جوزا کے پیچھے ہوتا ہے، جس کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی، اور اس نے عادِ اولیٰ کو ہلاک کر دیا اور ایک قراءت میں تنوین کو لام میں ادغام کر کے اور لام کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے ہے، اور یہ قوم ہود ہے (عاد) آخری صالح کی قوم ہے اور ثمود کو (ہلاک کر دیا) (ثمود) منصرف ہے باپ کا نام ہونے کی وجہ سے، غیر منصرف ہے قبیلہ کا نام ہونے کی صورت میں اور وہ عاد پر معطوف ہے تو ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا اور اس سے پہلے قوم نوح کو یعنی عاد و ثمود سے پہلے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور بلاشہ وہ عاد و ثمود سے زیادہ ظالم اور زیادہ سرکش تھے نوح علیہ السلام کے ان میں ساڑھے نو سو سال کے طویل زمانہ تک قیام کرنے کی وجہ سے اور وہ ایمان نہ لانے کے ساتھ ساتھ ان کو ایذا پہنچاتے اور ان کو مارتے اور الثانی ہوئی بستیوں کو کہ وہ قوم لوط کی بستیاں تھیں پُتّخ دیا یعنی ان کو اوپر لیجا کر پلٹ کر زمین پر پُتّخ دیا، جبریل علیہ السلام کو اس کا حکم دے کر، اس کے بعد ان بستیوں کو پتھروں سے ڈھانپ لیا (مساغشی کو) ہولنا کی کو ظاہر کرنے کے لئے مبہم رکھا ہے، اور سورہ ہود میں ہے کہ ہم نے ان کی بستیوں کو تہ وبالا کر دیا، اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے پس تو انسان اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں شک کرتا ہے اور جھٹلاتا ہے (اے شخص) یہ

محمد ﷺ پہلوں کی مانند ڈرانے والا ہے یعنی اس سے پہلے رسولوں جیسا رسول ہے تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے، جیسا کہ وہ اپنی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، قریب آنے والی قریب آگئی یعنی قیامت قریب آگئی، اور اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں یعنی وہی اس کو کھول سکتا ہے اور ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ اس کے وقت کو اللہ ہی ظاہر کرے گا، کیا تم اس کلام قرآن سے تعجب کرتے ہو اور استہزاء کرتے ہو اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو سن کر روتے نہیں ہو اور تم غفلت میں پڑے ہو یعنی جو تم سے مطلوب ہے اس سے تم لہو اور غفلت میں پڑے ہوئے ہو سو تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور اس کی بندگی کرو اور بتوں کو سجدہ نہ کرو اور نہ ان کی بندگی کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: اَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے۔

قَوْلًا: رَأَيْتَ بِمَعْنَى أَخْبَرَنِي، الَّذِي اسم موصول صلہ سے مل کر مفعول اول۔

قَوْلًا: وَأَعْطَى قَلِيلًا وَّأَكْدَى أَعْطَى تَوَلَّى پر معطوف ہے، اور قلیلًا مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَعْطَى اِعْطَاءً قَلِيلًا، قَلِيلًا کو مفعول بہ قرار دینا بھی درست ہے۔

قَوْلًا: أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ الخ ہمزہ استفہام انکاری ہے، اور جملہ ہو کر رأیت کا مفعول ثانی ہے۔

قَوْلًا: تَوَلَّى ای اسلَمَ ثُمَّ ارْتَدَّ اکثر کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے، اور یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلًا: أَعْطَاهُ مِنْ مَالِهِ، أَعْطَاهُ کی ضمیر مستتر تَوَلَّى کے فاعل مستتر کی طرف راجع ہے اور ضمیر بارز ضَمِنَ کے فاعل کی طرف راجع ہے، یعنی ضامن نے الَّذِي تَوَلَّى پر دو چیزیں لازم کیں ایک یہ کہ ترک توحید کر کے شرک کی طرف لوٹ آئے، دوسرے یہ کہ ضمان کے عوض مال کی ایک مخصوص مقدار اس کو دے اور ضامن نے خود اپنے اوپر صرف ایک چیز لازم کی اور وہ آخرت میں اللہ کے عذاب کا ضمان ہے۔

قَوْلًا: تَمَّمَ مَا أُمِرَ بِهِ حضرت ابراہیم نے ان احکام کو بخوشی پورا کیا جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا، مثلاً ذبح ولد، وقوع فی النار، خصال فطرت، ہجرت وطن وغیرہ۔

قَوْلًا: وَبَيَّانُ مَا آتَا تَزِرُّ وَازِرَةٌ وَزَرَ أُخْرَى الخ یعنی الْآتَا تَزِرُّ الخ بما میں ما سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے، اور مراد مفسر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے قول الی آخرہ، سے فَبَيَّانِ آيَاتِ رَبِّكَ تَتَمَارَى تک ہے۔

قَوْلًا: بِالْفَتْحِ عَطْفًا وَقُرِئَ بِالْكَسْرِ اسْتِيفًا یعنی أَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى کے اَنَّ میں دو احتمال ہیں اول یہ

کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی پر عطف کیا جائے اور اَنْ کو منصوب پڑھا جائے، اس صورت میں فبای آلاءِ رَبِّکَ تَمَارِی تک ما کا بیان ہوگا اور آخر تک کا پورا مضمون صحف موسیٰ و صحف ابراہیم میں ہوگا، اور اگر ان کو بالکسر پڑھا جائے تو اس صورت میں وَاَنْ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی سے آخر تک جملہ مستانفہ ہوگا، اور آخر تک مضمون صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم میں نہ ہوگا، بلکہ صرف پہلے تین یعنی ① اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی ② اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسِی ③ اَنْ سَعِیْہُ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزَاہُ الْجَزَاءُ الْاَوْفٰی کا مضمون صحف موسیٰ و صحف ابراہیم میں ہوگا۔

قَوْلًا: وَ کَذَا مَا بَعْدَهَا مابعد سے مراد وَاَنْہُ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی سے لے کر وَاَنْہُ خَلَقَ الزَّوْجِیْنَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی تک ہے۔

ملفوظ: بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوسٰی کے ما کے بیان میں اَنْ گیارہ جگہ واقع ہوا ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ اَنْ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی کا اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ الخ پر عطف کرتے ہوئے اَنْ کو مفتوح پڑھا جائے ورنہ تو صرف اول تین جگہ اَنْ مفتوح ہوگا، اور باقی آٹھ جگہ اَنْ مکسور ہوگا۔

قَوْلًا: وَاَقْنٰی اِقْنَاءً سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے جمع کیا ای اَعْطٰی الْمَالَ الَّذِی اتَّخَذَ قُنْیَہُ، قُنْیَہ وہ مال جس کو ذخیرہ کیا جائے اور خرچ کرنے کا ارادہ نہ ہو (اعراب القرآن، درویش) اَقْنٰی کے اہل لغت اور مفسرین نے مختلف معنی بیان کئے ہیں قتادہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے اس کے معنی اَرْضٰی (راضی کر دیا) بتائے ہیں، عکرمہ نے ابن عباس سے اس کے معنی قَنَعَ بتائے ہیں (مطمئن کر دیا) امام رازی فرماتے ہیں انسان کی ضرورت سے زائد جو کچھ اس کو دیا جائے وہ اقناء ہے، ابو عبید اور دیگر متعدد اہل لغت کا قول ہے کہ اَقْنٰی، قُنْیَہ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں محفوظ اور باقی رہنے والا مال، مثلاً مکان، اراضی، باغات وغیرہ (لغات القرآن) ابن زید، ابن کيسان اور حفش نے اَقْنٰی کے معنی اَفْقَر کے کئے ہیں، یعنی اس نے فقیر بنایا، ابن جریر نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور ہمزہ افعال کو سلب ماخذ کے لئے لیا ہے جیسے اشکی سلب شکایت کے معنی میں ہے، سیاق و سباق سے بھی یہ معنی مناسب معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ سابق سے متقابل چیزوں کا ذکر چلا آ رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے جس کو چاہا غنی کیا اور جس کو چاہا فقیر کیا۔

قَوْلًا: هُوَ رَبُّ الشَّعْرِیٰ شعرئ آسمان کا روشن ترین تارہ ہے، اس کو ”کلب اکبر“ بھی کہتے ہیں، اس کے اور بھی مختلف نام ہیں انگریزی میں اس کو (Dog Star) کہتے ہیں، عرب میں اس کی پوجا ہوتی تھی، قریش کا قبیلہ بنو خزاعہ خاص طور پر اس کی پوجا کرتا تھا کہتے ہیں کہ یہ سورج سے ۲۳ گنا زیادہ روشن ہے مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے اس لئے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے، روشنی کی رفتار فی سکند ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے (فلکیات جدیدہ) اس کی عبادت کی ابتداء ابو کبشہ نے کی تھی جو کہ سادات قریش میں سے تھا،

ابو کبشہ آپ ﷺ کی امہات کی جانب سے جد اعلیٰ ہے، اسی وجہ سے قریش آپ کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے، اس مناسبت سے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عرب کے دین کے خلاف دعوت دینی شروع کی، تو لوگوں نے آپ کو ابن ابی کبشہ کہنا شروع کر دیا یعنی جس طرح ابو کبشہ نے اپنے زمانہ میں بت پرستی کی مخالفت کر کے ستارہ پرستی شروع کی گویا کہ اسی طرح آپ نے بت پرستی کی مخالفت کرتے ہوئے خدا پرستی شروع کی، یہ شدید گرمی کے موسم میں جو زاء کے بعد طلوع ہوتا ہے اس کو شعریٰ یمانی بھی کہتے ہیں، اس کے مقابل ایک شعریٰ شامی ہے وہ بھی روشن ترین ستاروں میں سے ہے، اس کو ”کلب اصغر“ کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: الْمُؤْتَفِكَةُ اِيتَفَاكُ (انتعال) سے اسم فاعل واحد مؤنث (جمع) الْمُؤْتَفِكَاتِ الٰہی ہوئی (بستیاں) مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جو موجودہ بحیرہ مردار کے ساحل پر آباد تھیں جن کا سب سے بڑا شہر سندوم یا سدوم تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا حکم نہ ماننے اور ظلم و لواطت سے باز نہ آنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے الٹ دیا تھا اور کنکر پتھروں کی بارش کر کے نیست و نابود کر دیا تھا۔

قَوْلٌ: وَفِیْ هُوْدٍ فَجَعَلْنَا، صَحیح یہ تھا کہ وَفِیْ هُوْدٍ، فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَیْهَا سَافِلَهَا فرماتے، یا پھر وَفِی الْحِجْرِ فَجَعَلْنَا عَلَیْهَا سَافِلَهَا فرماتے۔

قَوْلٌ: تَشْكُ، تَتَمَارِی کی تفسیر تشك سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تفاعل تعدد فی الفاعل سے خالی ہے۔

قَوْلٌ: نَفْسٌ مفسر علام نے نفس محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کاشفہ، موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلٌ: سَامِدُونَ، السُّمُود، اللہو (ن) وقیل الاعراض وقیل الاستکبار، وقیل هو الغناء (گانا)۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

اَفْرَآیْتَ الَّذِیْ تَوَلَّی مجاہد اور ابن زید اور مقاتل رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور ضحاک نے کہا ہے کہ نصر بن الحارث کے بارے میں نازل ہوئی، اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

واقعہ: واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا تھا اور آنحضرت ﷺ سے بھی ربط ضبط اور تعلقات رکھتا تھا، مقاتل نے کہا کہ ولید نے قرآن کی تعریف کی تھی، مگر اس کے کسی دوست نے اس کو عار دلانی اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے، اس ساتھی نے کہا تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر لے لوں گا، تو عذاب سے بچ جائے گا، چنانچہ ولید نے اس کی یہ بات

مان لی اور خدا کی راہ پر آتے آتے رہ گیا اور اس کو طے شدہ مال کا کچھ حصہ دیدیا، اس نے مزید مطالبہ کیا تو کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا، مگر مزید دینے سے انکار کر دیا، اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے، اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود کفار مکہ کو یہ بتانا تھا کہ آخرت سے بے فکری اور دین کی حقیقت سے بے خبری نے ان کو کیسی جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهَوْا يَرَىٰ شَانِ نزول میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اسکے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اسلام کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کے کسی ساتھی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ آخرت کا تیرا عذاب میں اپنے سر لے کر تجھ کو بچا دوں گا، اس احمق نے اس کی اس بات کا یقین کیسے کر لیا؟ کیا اس کو علم غیب حاصل ہے؟ جس سے وہ دیکھ رہا ہے کہ کفر کی صورت میں وہ جس عذاب کا مستحق ہوگا وہ عذاب یہ ساتھی اپنے سر لے لے گا اور مجھے بچا دے گا، ظاہر ہے کہ یہ سراسر دھوکہ اور جہالت ہے۔

اور اگر مذکورہ واقعہ سے قطع نظر کر لی جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا کرتا رک گیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ اگر موجودہ مال خرچ کر دوں گا تو پھر کہاں سے آئے گا؟ اس خیال کی تردید میں فرمایا کیا اس کو غیب کا علم ہے؟ جس کے ذریعہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ مال ختم ہو جائے گا اور اس کے علاوہ اور مال اس کو نہ مل سکے گا یہ غلط ہے، کیونکہ نہ اس کو غیب کا علم ہے اور نہ یہ بات صحیح ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ یعنی تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدل تمہیں دیدیتے ہیں اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا (أَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ عَنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا) یعنی اے بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کر دے گا۔

أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمَ الْأَلْدَىٰ وَفِي اس آیت میں ان تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں نازل ہوئی تھیں حضرت موسیٰ کے صحیفوں سے مراد تورات ہے، رہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے تو وہ آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں اور یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ میں بھی ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، صرف قرآن ہی ایک وہ کتاب ہے جس میں دو مقامات پر صحف ابراہیم کی تعلیمات کے بعض اجزاء نقل کئے گئے ہیں ایک یہ مقام اور دوسرے سورہ اعلیٰ کی آخری آیات میں۔

تین اہم اصول:

اس آیت سے تین بڑے اصول مستنبط ہوتے ہیں: ① ایک یہ کہ ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار ہے ② دوسرے یہ کہ ایک شخص کے فعل کی ذمہ داری دوسرے کے سر نہیں ڈالی جاسکتی، الا یہ کہ اس فعل کے صدور میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو

۳) یہ کہ کوئی شخص اگر چاہے بھی تو کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور نہ اصل مجرم کو اس بناء پر چھوڑا جاسکتا ہے۔

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى جیسا کہ ماسبق کی آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا گناہ دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اسی طرح اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی سعی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اس آیت سے جو یہ حصر مستفاد ہے کہ ہر شخص کو اسی کے عمل کی جزاء ملے گی دوسرے کے عمل کی نہیں، مگر یہ مسلک معتزلہ کا ہے، اہل سنت والجماعت کا بلکہ اہل اسلام میں سے اور کسی کا نہیں۔

تین اہم اصول:

اس آیت سے بھی تین اہم اصول نکلتے ہیں: ① ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا ہی پھل پائے گا ② دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پاسکتا الا یہ کہ اس عمل میں اس کا کوئی حصہ ہو ③ تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی اور عمل کے بغیر کچھ نہیں پاسکتا۔

مطلب یہ کہ جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا اسی طرح آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی (اس جز کا تعلق آخرت سے ہے دنیا سے نہیں) جیسا کہ بعض لوگ اس آیت کو دنیا کے معاشی معاملات پر غلط طریقے سے منطبق کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی کے سوا کسی چیز کا جائز مالک نہیں ہو سکتا، جیسا کہ سوشلسٹ قسم کے لوگ اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں اسی طرح کارخانوں کی پیداوار میں بقدر محنت و سعی مزدور کا حصہ قرار دیتے ہیں مگر یہ بات قرآن مجید ہی کے دیئے ہوئے دیگر قوانین اور احکام سے ٹکراتی ہے مثلاً قانون وراثت جس کی رو سے ایک شخص کے ترکہ میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور اس کے جائز وارث قرار پاتے ہیں، حالانکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی، ایک شیر خوار وارث بچہ کے متعلق تو کسی طرح کھینچ تان سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں اس بچے کی محنت کا بھی کا کوئی حصہ تھا ایسے ہی احکام زکوٰۃ و صدقات جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسرے کو محض ان کو شرعی و اخلاقی استحقاق کی بناء پر ملتا ہے اور وہ اس کے جائز مالک ہوتے ہیں، حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس لئے قرآن کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے ایسے نتائج نکالنا جو خود قرآن ہی کی دوسری تعلیمات سے متصادم ہوتے ہیں، قرآن کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

مسئلہ ایصال ثواب:

بعض دوسرے لوگ ان اصولوں کو آخرت سے متعلق مان کر یہ سوالات اٹھاتے ہیں کہ آیا ان اصولوں کی رو سے ایک شخص کا عمل دوسرے شخص کے لئے کسی صورت میں بھی نافع ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایک شخص اگر دوسرے شخص کے لئے یا

اس کے بدلے کوئی عمل کرے تو وہ اس کی طرف سے قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کے اجر کو دوسرے کی طرف منتقل کر سکتا ہے؟ ان سوالات کا جواب اگر نفی میں ہو تو ایصالِ ثواب اور حج بدل وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں، بلکہ دوسرے کے حق میں دعاءِ استغفار بھی بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دعاء بھی اس شخص کا اپنا عمل نہیں ہے جس کے حق میں دعاء کیجائے، مگر یہ انتہائی نقطہ نظر معتزلہ کے سوا اہل اسلام میں سے کسی کا نہیں ہے، صرف معتزلہ ہی اس آیت کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ ایک شخص کی سعی دوسرے کے لئے کسی حال میں بھی نافع نہیں ہو سکتی، بخلاف اہل سنت والجماعت کے کہ ایک شخص کے لئے دوسرے کی دعاء کے نافع ہونے کو تو بالاتفاق مانتے ہیں کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے البتہ ایصالِ ثواب اور نیابت کسی دوسرے کی طرف سے کسی نیک کام کے نافع ہونے میں ان کے درمیان اصولاً نہیں تفصیل میں اختلاف ہے۔

عبادات کی تین قسمیں:

فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں: ① اول خالص بدنی جیسے نماز، روزہ، ایمان ② دوسرے خالص مالی جیسے زکوٰۃ صدقہ ③ مالی اور بدنی سے مرکب، جیسے حج، پہلی قسم میں نیابت درست نہیں مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے فرض نماز پڑھ لے اور دوسرا شخص اس عمل سے سبکدوش ہو جائے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھ لے اور دوسرا اس فرض روزے سے سبکدوش ہو جائے، یا ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کر لے اور دوسرا اس سے سبکدوش ہو جائے اور اس دوسرے شخص کو مومن قرار دیا جائے۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی فقہی اشکال نہیں اور نہ شبہ عائد ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ حج اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل سکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کر سکتا ہے، مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بدل کے لئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جزء ہے، اس لئے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى کے منافی نہیں۔

جبکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض مثلاً ایمان، نماز، روزہ ادا کر کے دوسرے شخص کو سبکدوش نہیں کر سکتا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے، ایک شخص کی دعاء اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر، معارف) تفسیر مظہری میں اس جگہ ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے ایصالِ ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کی حقیقت:

ایصال ثواب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی نیک عمل کر کے اللہ سے دعاء کرے کہ اس کا اجر و ثواب کسی دوسرے شخص کو عطا فرما دیا جائے، اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز روزہ، تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ مالی عبادات مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ یا مالی اور بدنی سے مرکب عبادات مثلاً حج کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے، اصول یہ ہے کہ ایک شخص کا عمل دوسرے کے لئے نافع نہ ہو مگر چونکہ احادیث صحیحہ کی رو سے صدقہ کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، اور حج بدل بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ہم اسی نوعیت کی عبادات تک ایصال ثواب کی صحت تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن خوانی کا ایصال ثواب:

اس کے برخلاف حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ انسان اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا تلاوت قرآن، یا ذکر و صدقہ یا حج و عمرہ یہ بات بکثرت احادیث سے ثابت ہے، صاحب صاوی نے مالی و بدنی عبادت کے ایصال ثواب کے جواز پر اسی آیت کے تحت گیارہ دلیلیں لکھی ہیں جن میں قرآن و سنت دونوں کی دلیلیں ہیں، قرآن میں فرمایا وَاتَّبَعْتُهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ وَالِدِينَ كَيْمَانٍ وَعَمَلٍ كِيْدُولَتٍ اَوْلَادٍ کَوَانِ کے مرتبہ میں پہنچا دینا یہ سعی غیر کافائدہ ہے حالانکہ والدین کے عمل و سعی میں اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہے، شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ انسان کو صرف اسی کے عمل کا فائدہ اور ثمرہ حاصل ہوگا، ۱۲ نے خرق اجماع کیا، امام اعظم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا بھی یہی مسلک ہے۔ (صاوی)

دارقطنی میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا ہوں ان کے انتقال کے بعد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھئے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کیلئے بھی روزے رکھے، دارقطنی کی ایک دوسری روایت میں حضرت علی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کا قبرستان پر گزر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو (اس قبرستان میں) جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا۔

بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی (فی الاوسط) مستدرک اور ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا، ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت جابر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن عبد اللہ، حضرت ابورافع رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت ابو طلحہ انصاری، اور حذیفہ بن اسید الغفاری کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے لے کر ایک اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کیا اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

مسلم و بخاری، مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کے لئے کہتیں، اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے لئے اجر ہے؟ فرمایا ہاں!

یہ کثیر روایتیں جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ ایصالِ ثواب نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر طرح کی عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہو سکتا ہے اور اس میں کسی خاص نوعیت کے اعمال کی تخصیص نہیں ہے۔

ایصالِ عذاب ممکن نہیں:

ایصالِ ثواب تو ممکن ہے مگر ایصالِ عذاب ممکن نہیں، یعنی یہ تو ہو سکتا ہے کہ آدمی نیکی کر کے کسی دوسرے کے لئے اجر بخش دے اور وہ اس کو پہنچ جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخش دے اور وہ اسے پہنچ جائے۔

خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ان کا ایصالِ ثواب:

خالص مالی عبادات یا مالی اور بدنی عبادات سے مرکب عبادات میں نیابت اور ایصالِ ثواب کا واضح ثبوت ملتا ہے، اب رہیں خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ایصالِ ثواب کا ثبوت تو بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے اس نوعیت کی عبادات میں نیابت کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں نے روزے کی نذر مانی تھی اور وہ پوری کئے بغیر مر گئی، کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتی ہوں، آپ نے فرمایا اس کی طرف سے روزہ رکھ لے۔ (بخاری و مسلم، احمد، نسائی، ابو داؤد)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت کہ ایک عورت نے اپنی ماں کے متعلق پوچھا کہ اس کے ذمہ ایک مہینے کے روزے (یا دوسری روایت کے مطابق دو مہینے) کے روزے تھے، کیا میں یہ روزے ادا کر دوں؟ آپ نے اس کو بھی اس کی اجازت دے دی۔ (مسلم، احمد، ترمذی، ابو داؤد)

اور حضرت عائشہ کی یہ روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُهُ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے۔ (بخاری، مسلم، احمد) بزار کی روایت میں حضور ﷺ کے الفاظ یہ ہیں فَلْيَصُمْ عَنْهُ وَلِيُهُ إِنْ شَاءَ یعنی اگر اس کا ولی چاہے تو اس کی طرف سے روزے رکھ لے، انہی احادیث کی بناء پر اصحاب الحدیث، اور امام اوزاعی اور طاہر یہ اس کے قائل ہیں کہ بدنی عبادات میں بھی نیابت جائز ہے، مگر امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی اور امام زید بن علی کا فتویٰ یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا، اور امام احمد، امام لیث اور اخق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ صرف اس صورت میں ایسا کیا جاسکتا ہے جب مرنے والے نے اس کی نذر مانی ہو اور وہ اسے پورا نہ کر سکا ہو۔

مانعین کا استدلال:

مانعین کا استدلال یہ ہے کہ جن احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے ان کے راویوں نے خود اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے، حضرت ابن عباس کا فتویٰ نسائی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے لَا يَصِلُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ کوئی شخص نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتویٰ عبدالرزاق کی

روایت کے مطابق یہ ہے لَا تَصُومُوا عَنْ مَوْتِكُمْ وَأَطِيعُوا عَنْهُمْ اپنے مردوں کی طرف سے روزہ نہ رکھو بلکہ ان کی طرف سے کھانا کھلاؤ، حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی عبدالرزاق نے یہی بات نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً بدنی عبادات میں نیابت کی اجازت تھی، مگر آخری حکم یہی قرار پایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ احادیث نقل کی ہوں وہ خود ان کے خلاف فتویٰ دیں۔

فَائِدَة: اس سلسلہ میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نیابت فریضہ کی ادائیگی کے قائلین کے نزدیک بھی نیابت ادائیگی صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جبکہ وہ خود ادائے فرض کے خواہشمند رہے ہوں اور معذوری کی وجہ سے قاصر رہ گئے ہوں لیکن اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود قصداً مثلاً حج سے مجتنب رہا اور اس کے دل میں اس فرض کا احساس تک نہ تھا اس کے لئے خواہ کتنے ہی حج بدل کئے جائیں وہ اس کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے، یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے کسی کا قرض جان بوجھ کر مار رکھا ہے اور مرتے دم تک اس کا کوئی ارادہ قرض ادا کرنے کا نہ تھا اس کی طرف سے اگر قرض ادا کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ قرض مارنے والا ہی شمار ہوگا، دوسرے کے ادا کرنے سے سبکدوش صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی میں ادائے قرض کا خواہشمند ہو اور مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کر سکا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَأَنْ سَعِيَةً سَوْفَ يُرَى (الآیہ) یعنی دنیا میں اس نے جو بھی اچھا یا برا کیا چھپ کر کیا یا علانیہ کیا قیامت کے دن سامنے آ جائے گا، اس پر اسے پوری جزاء دی جائے گی۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى یعنی خوشی اور غمی دونوں کے اسباب اسی کی طرف سے ہیں اچھی اور بری قسمت کا سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے کسی کو اگر راحت اور مسرت نصیب ہوتی ہے تو اسی کے دینے سے ہوتی ہے اور اگر کسی کو مصائب و آلام سے سابقہ پڑتا ہے تو اسی کی مشیت سے پڑتا ہے، کوئی دوسری ہستی اس کائنات میں ایسی نہیں کہ جو قسمتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں کسی قسم کا دخل رکھتی ہو۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ اغناء کے معنی دوسرے کو غنی کرنا اور اقنای قنۃ سے مشتق ہے جس کے معنی محفوظ اور ریزر سرمایہ کے ہیں مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مال دار اور غنی بناتا ہے اور وہی جس کو چاہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو ذخیرہ کر سکے۔

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَىٰ شعریٰ شین کے کسرہ کے ساتھ ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء ستارے کے پیچھے رہتا ہے عرب کی بعض قومیں مثلاً بنو خزاعہ اس کی پرستش کرتی تھیں اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا گیا ہے کہ اس ستارے کا بھی جس کی تم پرستش کرتے ہو مالک اور پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادَانَ الْأُولَىٰ وَثَمُودًا فَمَا أَبْقَىٰ "عاد اولیٰ" سے مراد قدیم قوم عاد ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے قوم عاد دنیا کی قوی ترین اور سخت ترین قوم تھی ان کے دو طبقے یکے بعد دیگرے عاد اولیٰ اور عاد آخری کے نام سے موسوم ہیں یہ قوم جب حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلانے کی پاداش میں طوفان کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دی گئی، قوم

نوح کے بعد ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے اسی کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں، صرف وہ لوگ بچے تھے جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے ان کی نسل کو عادِ آخری یا عادِ ثانیہ کہتے ہیں، عادِ آخری حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، ان لوگوں نے بھی جب حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کی تو ان کو سخت آواز کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ، مُؤْتَفِكَةَ کے لغوی معنی اونڈھی ہونے والی بستیاں، یہ چند بستیاں متصل متصل تھیں ان کا مرکزی مقام سدوم یا سندوم تھا، یہ وہی مقام ہے جہاں اس وقت بحرِ میت واقع ہے، ان بستی والوں کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھیجے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، نافرمانی اور بے حیائی کے اعمال کی سزا میں ان بستیوں کو حضرت جبریل نے الٹ دیا تھا، اور اوپر سے ان کے اوپر پتھروں کی بارش کر دی تھی۔

فَعَشَّاهَا مِمَّا غَشَّتْ، یعنی ڈھانپ لیا ان کو جس چیز نے ڈھانپ لیا مراد وہ پتھر اور ہے جو بستیاں الٹنے کے بعد ان پر کیا گیا، یہاں تک صحفِ موسیٰ اور صحفِ ابراہیم کے حوالہ سے جو تعلیمات بیان کرنی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ، تَمَارَىٰ کے معنی جھگڑنے اور مخالفت کرنے کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے کہ سابقہ آیات اور صحفِ موسیٰ اور صحفِ ابراہیم میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور و فکر کرے تو اس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اور اقوام سابقہ کی ہلاکت و عذاب کے واقعات سن کر مخالفت سے باز آنے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہو گے۔

هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذْرِ الْأُولَىٰ هَذَا کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ یا قرآن کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ بھی پہلے رسولوں اور کتابوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں جو دین اور دنیا کے فلاح پر مشتمل ہدایات لے کر آئے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

أَزِفَتِ الْأَذِفَةُ، أَزِفَ بمعنی قَرُبَ یعنی قریب آنے والی قریب آ پہنچی، اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں، مراد قیامت ہے، اس آیت میں قریب قیامت کی خبر دی گئی ہے تاکہ لوگ عمل کر کے قیامت کے لئے تیاری کریں، مطلب یہ ہے کہ یہ خیال نہ کرو کہ سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت پڑا ہے، کیا جلدی ہے؟ کہ ان باتوں پر ہم فوراً ہی سنجیدگی سے غور کریں اور انہیں ماننے یا نہ ماننے کا بلاتا تاخیر فیصلہ کر ڈالیں، نہیں، تم میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کے لئے زندگی کی کتنی مہلت باقی ہے، ہر وقت تم میں سے ہر کسی کی موت آسکتی ہے اور قیامت بھی اچانک آسکتی ہے، اس لئے فیصلہ کی گھڑی کو دور نہ سمجھو، کیونکہ ہر سانس کے بعد یہ ممکن ہے کہ دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہو، اور جب یہ فیصلہ کی گھڑی آجائے گی تو تم اس کو روک نہ سکو گے، اور نہ تمہارے معبودان باطلہ میں سے کسی میں یہ بل بوتا ہے کہ وہ اسے ٹال سکیں ٹال سکتا ہے تو اللہ ہی ٹال سکتا ہے، اور وہ اسے ٹالنے والا نہیں۔

أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ هَذَا الْحَدِيثِ سے مراد قرآن کریم ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کریم جیسا کلام الہی جو خود ایک معجزہ ہے تمہارے سامنے آچکا ہے، کیا اس پر بھی تم تعجب کرتے ہو اور بطور استہزاء کے

ہنتے ہو اور اپنی معصیت یا عمل میں کوتاہی پر روتے نہیں۔

وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ، سمود کے معنی غفلت اور بے فکری کے ہیں سَامِدُونَ بمعنی غافلون ہے اور ایک معنی سمود کے گانے کے بھی آتے ہیں وہ بھی اس جگہ مراد ہو سکتے ہیں (معارف) اگر سَامِدُونَ کے دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ کفار مکہ قرآن کی آواز کو دبانے اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹانے کے لئے زور زور سے گانا شروع کر دیتے تھے۔

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا یعنی پچھلی آیات جو غور کرنے والے انسان کو عبرت و موعظت کا سبق دیتی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ تم سب اللہ کے سامنے خشوع اور تواضع کے ساتھ جھکنا اور سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سورہ نجم کی اس آیت پر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور تمام جن وانس نے سجدہ کیا، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ تمام حاضرین نے سجدہ کیا مگر صرف ایک قریشی بوڑھے نے جس کا نام (امیہ بن خلف) ہے سجدہ نہ کیا بلکہ زمین سے مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی، اور کہا مجھے یہی کافی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا پھر میں نے اس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا۔

مَسْئَلَةٌ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت پر سجدہ کرنا لازم ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ خود اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ کا التزام فرماتے تھے (جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے) مگر ان کا مسلک یہ تھا کہ یہاں سجدہ کرنا لازم نہیں ہے، ان کی اس رائے کی بناء حضرت زید بن ثابت کی یہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورہ نجم پڑھی اور حضور نے سجدہ نہ کیا (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) لیکن یہ حدیث سجدہ لازم ہونے کی نفی نہیں کرتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا لیکن بعد میں بھی سجدہ نہیں کیا یہ ثابت نہیں ہوتا، یہ احتمال موجود ہے کہ آپ نے بعد میں سجدہ کر لیا ہو، دوسری روایات اس باب میں صریح ہیں کہ اس آیت پر التزاماً سجدہ کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور مطلب بن ابی وداعہ کی متفق روایات یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب پہلی مرتبہ حرم میں یہ سورت تلاوت فرمائی تو آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلم و مشرک سب سجدہ میں گر گئے (بخاری، احمد، نسائی) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت یہ ہے کہ حضور نے نماز میں سورہ نجم پڑھ کر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ (بیہقی، ابن مردویہ) سبرۃ الجہنی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز میں سورہ نجم پڑھی اور سجدہ کیا اور پھر اٹھ کر سورہ زلزال پڑھی اور رکوع کیا۔ (سعید بن منصور)

فَائِدَةٌ: پہلی سورت جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی وہ سورہ نجم ہے۔ (بخاری)

مَسْئَلَةٌ: اس آیت پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

مَسْئَلَةٌ: یہ درست نہیں کہ جس چیز پر سجدہ کرے اس پر جھکنے کے بجائے اس شی کو بلند کرے۔

وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ يَخْرُجُونَ وَكَذَا قَوْلُهُ مُهْطِعِينَ اِی مُسْرِعِينَ مَادَى اَغْنَاهُمْ اِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ مِنْهُمْ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ اِی صَعِبٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَمَا فِي الْمُدَّثِرِ يَوْمٌ عَسِرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَبْلَ قُرَيْشٍ قَوْمُ نُوحٍ تَانِيَةُ الْفِعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا نُوحًا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَانْرُدْجِرَ ۝ اِی اَنْتَهَرُوهُ بِالسَّبِّ وَغَيْرِهِ فَدَعَا رَبَّهُ اِنِّیْ بِالْفَتْحِ اِی بَانِی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرَ ۝ فَفَتَحْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالشَّدِيدِ ابْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝ مُنْصَبٍ اِنْصَبًا شَدِيدًا وَفَجَرْنَا الْاَرْضَ عُمُومًا تَنْبَعُ فَالتَّقَى الْمَاءُ مَاءُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ عَلَى اَمْرِ حَالٍ قَدْ قُدِّرَ ۝ ۱۱ به فِي الْاَزْلِ وَهُوَ هَلَاكُهُمْ غَرْقًا وَحَمْلَةً اِی نُوحًا عَلَى سَفِينَةٍ ذَاتِ الْاَوَاجِ وَدُسِرَ ۝ وَهِيَ مَا تَشْدُبُ الْاَلْوَاخَ مِنَ الْمَسَامِيرِ وَغَيْرِهَا وَاجْذُهَا دَسَارٌ كَكِتَابٍ تَجْرِي بِاَعْيُنِنَا بِمَرَايِ بِنَا اِی مَحْفُوظَةٌ بِحِفْظِنَا جَزَاءً سَنُصِيبُ بِفِعْلِ مُقَدَّرٍ اِی اُغْرَقُوا اِنْتِصَارًا لِمَنْ كَانَ كُفْرًا ۝ وَهُوَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقُرِئَ كَفَرًا بِنَاءً لِلْفَاعِلِ اِی اُغْرَقُوا عِقَابًا لَهُمْ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا اِی اَبْقَيْنَا هَذِهِ الْبَغْلَةَ اَيَّةٌ لِمَنْ يَّعْتَبِرُ بِهَا اِی شَاعَ خَبَرُهَا وَاسْتَمَرَّ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۝ مُغْتَبِرٌ وَمُتَعَبِّظٌ بِهَا وَاصْلُهُ مُذْكَرٌ اُبْدِلَتْ التَّاءُ دَالًا سَهْمَةً وَكَذَا الْمُعْجَمَةُ وَادْغَمَتْ فِيهَا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ اِی اِنْذَارِي اِسْتَفْهَامُ تَقْرِيرٍ وَكَيْفَ خَبَرٌ كَانَ وَهِيَ لِلسُّوَالِ عَنِ الْحَالِ وَالْمَعْنَى حَمْلُ الْمُخَاطَبِينَ عَلَى الْاِقْرَارِ بِوُقُوعِ عَذَابِهِ تَعَالَى بِالْمُكَذِّبِينَ بَنُوْحٍ مُوَقَّعَةٍ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ سَهْلًا لِنَاوِيْلٍ لِحِفْظِهِ اَوْ هَيَّأْنَاهُ لِلتَّذْكُرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۝ مُتَعَبِّظٌ بِهِ وَخَافِظٌ لَهُ وَالِاسْتَفْهَامُ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اِی اِحْفَظُوهُ وَاتَّعِظُوا وَلَيْسَ يُحْفَظُ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ غَيْرِهِ كَذَبَتْ عَادٌ نَبِيَّهُمْ هُوْدًا فَعَذَّبُوْهُ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ اِی اِنْذَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُولِهِ اِی وَقَعَ مُوَقَّعَةٍ وَبَيَّنَّهٗ بِقَوْلِهِ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا اِی شَدِيدَ الصَّوْتِ فِي يَوْمٍ مُّخْشٍ شَوْمٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ دَائِمٌ الشُّوْمُ اَوْ قَوِيَّةٌ وَكَانَ يَوْمٌ الْاَرْبَعَاءِ اَخْرَجَ الشَّهْرَ تَنَزَّعَ النَّاسُ تَقْلَعُهُمْ مِنْ حُفْرِ الْاَرْضِ الْمُنْدَسِينَ فِيهَا وَتَصْرَعُهُمْ عَلَى رُؤُسِهِمْ فَتَدُقُّ رِقَابُهُمْ فَتَبِينُ الرُّاسُ عَنِ الْجَسَدِ كَالْهَمِّ وَحَالَهُمْ مَا ذَكَرَ اَعْجَازُ اُصُولٍ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ مُنْقَلَعٌ سَاقِطٌ عَلَى الْاَرْضِ وَشَبَّهُوا بِالنَّخْلِ لِطَوْلِهِمْ ذِكْرَهُنَا وَاَنْتَ فِي الْحَقَاقَةِ نَخْلٌ خَاوِيَةٌ مُّرَاعَاةٌ لِلْفَوَاصِلِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۝

ع ۱۷

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قیامت قریب آگئی، اور چاند شق ہو گیا یعنی دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا (جبل) ابی قُبیس پر اور (دوسرا جبل) قُعْبِقَان پر (تھا) آپ ﷺ کے معجزے کے طور پر جبکہ آپ سے معجزے کا سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا گواہ رہو (رواہ الشیخان) اور اگر کفار قریش آپ کا کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسا کہ شق القمر کا تو اعراض کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ بڑا بھاری جادو ہے قوی جادو ہے یہ مرہ بمعنی قوت یا بمعنی

دائم ہے (سابق سے چلا آنے والا) اور ان لوگوں نے نبی ﷺ کی تکذیب کی اور باطل میں اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام خواہ خیر ہو یا شر اس کے مستحقین پر جنت یا دوزخ میں واقع ہونے والا ہے، اور یقیناً ان کے پاس اپنے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کی خبریں آچکی ہیں جن میں ان کے لئے جھڑک ہے (مزد جو) اسم مصدر ہے یا اسم مکان ہے اور دال تائے افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور از د جوتہ، ز جوتہ کے معنی میں ہے، میں نے اس کو سختی سے جھڑک دیا، اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور قرآن کامل عقل کی بات ہے لیکن ان کو ڈرانے والی باتوں نے بھی کوئی فائدہ نہیں دیا نذر نذیر کی جمع ہے معنی منذر کے ہے، یعنی وہ باتیں جو ان کو ڈرانے والی ہیں اور مانفی کے لئے ہے، یا استفہام انکاری ہے، ثانی صورت میں (تُغْنِ) کا (مفعول مقدم ہوگا سوائے نبی آپ ان سے اعراض کریں یا ماقبل کا فائدہ ہے اور اس پر کلام تام ہوا جس دن ایک پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف پکارے گا وہ اسرائیل ہے، اور یوم کا ناصب بعد میں آنے والا یخر جون ہے نکر کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ہے یعنی ناپسندیدہ شئی جس کو نفوس اس کی شدت کی وجہ سے ناگوار سمجھتے ہوں اور وہ حساب ہے یہ لوگ ذلت کے ساتھ نظریں نیچے کئے ہوئے اور ایک قراءت میں خُشَعًا خاء کے ضمہ اور شین مشدّد کے ساتھ ہے، قبروں سے تیزی سے نکل پڑیں گے خُشَعًا، یخر جون کی ضمیر فاعل سے حال ہے گویا کہ وہ پھیلی (منتشر) ٹڈیاں ہیں وہ خوف اور حیرت کی وجہ سے یہ بھی نہ سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اور جملہ، یخر جون کے فاعل سے حال ہے اور اسی طرح اللہ کا قول مُهْطِعِينَ ہے یعنی تیزی سے گردن اٹھائے ہوئے داعی کی طرف نکل پڑیں گے، ان میں سے کافر کہیں گے یہ سخت دن ہے یعنی کافروں پر سخت ہے جیسا کہ سورہ مدثر میں یَوْمَ عَسِيرٍ عَلَى الْكَافِرِينَ ہے ان سے یعنی قریش سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا تھا اور مجنون کہہ کر جھڑک دیا تھا یعنی گالی وغیرہ دے کر ڈانٹ دیا تھا، پس اس نے اپنے رب سے دعاء کی اُنّی فتح کے ساتھ یعنی بانی ہے میں بے بس ہوں تو میری مدد کر تو ہم نے آسمان کے دروازوں کو زوردار (بہنے والے) پانی کے لئے کھول دیا فَفَتَحْنَا تاء کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پس ہم نے زمین کے چشموں کو جاری کر دیا تو زمین سے چشمے ابل پڑے پھر پانی مل گیا یعنی آسمان اور زمین کا پانی اس حالت پر ہو گیا کہ جس حالت پر ازل میں مقدر کر دیا گیا تھا اور وہ حالت ان کا غرق ہو کر ہلاک ہونا ہے اور ہم نے نوح علیہ السلام کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا دُسر وہ چیز جس کے ذریعہ تختوں کو جوڑا جائے، میخیں وغیرہ اس کا واحد دِسَارٌ ہے جیسے (کُتُب) کتاب کی جمع ہے جو ہماری نگرانی ہماری نظروں کے سامنے یعنی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی ان کو اس شخص کے انتقام میں غرق کر دیا گیا جس کی ناشکری کی گئی، جزاء فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اِیْ اُغْرَقُوا اِنْتَصَارًا (انتقاماً) اور وہ شخص نوح تھا، کُفَر کو معروف بھی پڑھا گیا ہے، یعنی ان کو غرق کر دیا گیا ان کے نافرمانی کرنے کی وجہ سے بے شک ہم نے اس کو یعنی فعل (واقعہ) کو نشانی بنا کر باقی رکھا اس شخص کے لئے جو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے، یعنی اس واقعہ کی خبر شائع ہو گئی اور باقی رہ گئی، پس کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا یعنی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا (مذکر) کی اصل مذکر ہے تاء کو دال مہملہ سے

بدل دیا گیا، اسی طرح ذال معجمہ کو دال سے بدل دیا گیا اور دال کو دال میں اوغام کر دیا گیا سو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا نڈر
 بمعنی انسدادی ہے، استفہام تقریری ہے، اور کیف کان کی خبر ہے، اور کیف حالت سے سوال کرنے کے لئے ہے اور
 رمعی (آیت کے) مخاطبین کو نوح علیہ السلام کے مکذبین پر وقوع عذاب کے اقرار پر آمادہ کرتا ہے کہ عذاب بر محل واقع ہوا
 ، اور اس کو اپنے قول اِنَّا اَرْسَلْنَا الْخ سے بیان فرمایا کہ ہم نے ان پر ایک منحوس دن میں دائمی نحوست والی تیز و تند مسلسل چلنے
 والی یا قوی ہوائی بھیجی یعنی سخت آواز والی اور وہ مہینے کا آخری چہار شنبہ تھا، جو گڑھوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو (بھی) نکال کر
 پھینک رہی تھی، اور ان کو سر کے بل چنچ رہی تھی، اور ان کی گردنوں کو کوٹ دیتی تھی جس کی وجہ سے ان کا سر جسم سے جدا ہو جاتا تھا
 یعنی ان کا مذکورہ حال ایسا تھا گویا کہ وہ زمین پر پڑے ہوئے کھجور کے کٹے ہوئے تنے ہیں اور ان کے دراز قد ہونے کی وجہ
 سے ان کو کھجوروں کے تنوں سے تشبیہ دی ہے نخل کو یہاں مذکور سورہ حاقہ میں مونث دونوں جگہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے
 نخل خاویہ مؤنث ذکر کیا ہے تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا؟ اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا
 پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: قُرْبَتِ الْقِيَامَةُ، اقْتَرَبَ کی تفسیر قُرْبَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مزید بمعنی مجرد ہے جیسے اقْتَدَرَ بمعنی قَدَرَ
 سَوَّانٌ: مجرد کو مزید سے کیوں تعبیر کیا؟

جَوَابٌ: قرب کے معنی میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے، اس لئے کہ زیادتی حروف زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

قَوْلٌ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ تیسری اور چودھویں شب کے درمیانی چاند کو قمر کہتے ہیں، اس سے پہلے کے چاند کو ہلال اور چودھویں
 شب کے چاند کو بدر کہتے ہیں۔

قمر ہمارے نظام شمسی کا قریب ترین سیارہ ہے، سابقہ تحقیق کے مطابق قمر زمین سے دولاکھ چالیس ہزار میل کی مسافت پر
 واقع تھا، مگر اب جدید تحقیق کے مطابق زمین سے چاند کا فاصلہ دولاکھ چھبیس ہزار نو سو سترا عشریہ نو میل ہے، اس سے پہلے اتنی صحیح
 پیمائش کبھی نہیں کی گئی تھی جو کیلی فورنیا (امریکہ) کی یونیورسٹی کی رصدگاہ سے چھوڑے گئے اپالو گیارہ میں نصب کئے گئے مسافت
 پیمائش کے ذریعہ کی گئی ہے اپالو گیارہ ۱۶ جولائی بروز چہار شنبہ ۱۹۶۹ء کو خلائی سفر پر روانہ ہوا تھا۔ (فلکیات جدیدہ)

قَوْلٌ: قَوِيٌّ اَوْ دَائِمٌ اس اضافہ کا مقصد مُسْتَمِرُّ کے معنی کو بیان کرنا ہے، مفسر علام نے مُسْتَمِرُّ کے دو معنی بیان کئے
 ہیں، اول بمعنی قوی، اس صورت میں مِرَّةً سے ماخوذ ہوگا اس لئے کہ مِرَّةً کے معنی قوت کے ہیں، جب امر قوی اور مستحکم
 ہو جاتا ہے تو بولا جاتا ہے، اِسْتَمَرَ الشَّيْءُ اِی قَوِيٌّ وَاسْتَحْكَمَ مطلب یہ ہے کہ یہ بڑا طاقتور جادو ہے، دوم بمعنی دَائِمٌ
 اس صورت میں استمرار سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں دائمی یا سابق سے چلا آ رہا، مطلب یہ ہے کہ محمد نے شب و روز کی

جادوگری کا جو سلسلہ چلا رکھا ہے یہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے، مذکورہ دو معانی کے علاوہ مُسْتَمِرُّ کے دو معنی اور بھی ہیں جن کو بعض مفسرین نے اختیار فرمایا ہے، (اول) گزر جانے والا، فنا ہو جانے والا، باقی نہ رہنے والا، اس صورت میں مَارُ بمعنی ذاہِبُ سے مشتق ہوگا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اور جادو گزر گئے یہ بھی گزر جائے گا اس کا اثر بھی دیر پا نہ ہوگا (دوسرے) معنی بد مزہ نا خوشگوار، کڑوے کے ہیں، اس صورت میں مُسْرُّ سے مشتق ہوگا جس کے معنی کڑوے کیلے اور بد مزہ کے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کڑوی اور بد مزہ چیز حلق سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح محمد کی باتیں اور معجزے بھی ہمارے حلق سے نہیں اترتے۔

سُؤَالٌ: كَذَّبُوا كَاعْطَفَ يُعْرِضُونَ پر ہے، معطوف علیہ مضارع ہے اور معطوف ماضی، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَابُ: اس میں نکتہ یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ لا کر اشارہ کر دیا کہ تکذیب اور اتباع ہوئی یہ ان کی پرانی اور قدیم عادت ہے کوئی نئی عادت نہیں ہے۔

قَوْلٌ: وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ میں من تبعیضیہ ہے مراد امم مکذبه کی وہ خبریں ہیں جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

قَوْلٌ: مُزْدَجَرٌ مصدر مبیہ ہے معنی میں اِزْدِجَارُ کے ہے، اسم مکان بھی ہو سکتا ہے یعنی ان کے پاس ایسی خبریں آئیں کہ جو مقام اِزْدِجَار میں ہیں، مِنَ الْأَنْبَاءِ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، اور ماذوالحال ہے ماموصولہ اور موصوفہ دونوں ہو سکتا ہے، اور دونوں صورتوں میں ما، جاء کا فاعل ہے اور فیہ خبر مقدم اور مُزْدَجَرٌ مبتداء مؤخر ہے، اور جملہ ما کا صملہ ہے۔

قَوْلٌ: فَمَا تَغْنِ النَّذْرُ۔

قَوْلٌ: خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مَحْذُوفٍ اِیْ هُوَ حِکْمَةٌ۔

قَوْلٌ: مُهْطِعِينَ اِطْطَاعُ سے اسم فاعل ہے اور یَخْرُجُونَ کی ضمیر سے حال ہے معنی گردن اٹھا کر تیزی سے چلنا۔

قَوْلٌ: يَقُولُ الْكَافِرُونَ یہ جملہ مستانفہ ہے، اس صورت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا، روز قیامت کی شدت اور اس کی ہولناکی کے بیان سے سوال پیدا ہوا کہ اس وقت کافروں کا کیا ہوگا؟ جواب دیا: وہ کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا سخت ہے اور بعض حضرات نے یَخْرُجُونَ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے لیکن اس صورت میں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جملہ جب حال واقع ہو تو اس میں رابطہ کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں کوئی رابطہ نہیں ہے۔

جَوَابُ: مفسر علام نے مِنْهُمْ مقدر مان کر اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قَوْلٌ: اَنْتَ الْفَعْلُ لِمَعْنَى قَوْمٍ اس عبارت سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ قَوْمٌ جو کہ مذکر ہے کَذَّبَتْ کا فاعل ہے، فعل و فاعل میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابِ: قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے یعنی اُمّة کے معنی میں ہے افراد کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مؤنث معنوی ہے۔

قَوْلُہَا: فَجَرْنَا الْأَرْضَ عُیُونًا، عُیُونًا تَمِیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ مفعول سے محول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَجَرْنَا عُیُونَ الْأَرْضِ۔ اور بعض حضرات نے فاعل سے محول قرار دیا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْفَجَرَتْ عُیُونَ الْأَرْضِ۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

رابط:

گذشتہ سورت (النجم) اَزْفَلَتِ الْاَزْفَلِیۃُ الْخ پر ختم ہوئی ہے جس میں قیامت کے قریب آ جانے کا ذکر ہے، اس سورت کو اسی مضمون سے شروع کیا گیا ہے، اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ آگے قرب قیامت کی دلیل معجزہ شق القمر کا ذکر فرمایا گیا۔ (معارف)

زمانہ نزول:

اس سورت میں واقعہ شق القمر مذکور ہے، اس سے اس سورت کا زمانہ نزول متعین ہو جاتا ہے، محدثین و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل مکہ معظمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا۔ یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جن کو آپ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔

معجزہ شق القمر:

مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت کی صداقت کے ثبوت کے طور پر شق القمر کا معجزہ طلب کیا تھا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق نشانی کا مطالبہ کیا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متعین طور پر شق القمر کا معجزہ طلب کیا تھا جیسا کہ حضرت انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ آنحضور ﷺ ایک رات مقام منیٰ میں تشریف فرما تھے، مشرکین مکہ کے کچھ سردار موجود تھے جن میں ولید، ابو جہل، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور نضر بن الحارث شامل تھے، چاندنی رات تھی چودھویں کا چاند تھا، ان حضرات نے دلیل صداقت کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لے آؤ گے؟ سب نے کہا ہاں! رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العالمین سے دعاء فرمائی حق تعالیٰ نے شق القمر کا معجزہ ظاہر فرمادیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابا سلمہ عبد الاسد والارقم بن الارقم

اشہدوا اے فلاں وفلاں دیکھو اور گواہی دو۔

معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ہے، وانشق القمر اور احادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت علی عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عمر جبیر بن مطعم ابن عباس انس بن مالک حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ شامل ہیں، ان میں سے تین بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم تصریح کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کے یقینی شاہد ہیں، اور دو بزرگ ایسے ہیں کہ جو اس واقعہ کے یقینی شاہد تو نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ ان میں سے ایک یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے، اور دوسرے یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اس وقت بچے تھے، لیکن چونکہ یہ دونوں حضرات صحابی ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسے سن رسیدہ صحابیوں سے سن کر ہی اسے روایت کیا ہوگا جو اس واقعہ کا براہ راست علم رکھتے تھے، امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے اس لئے اس معجزہ کا قطعی دلائل سے ثبوت ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ کے مطالبہ پر حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صداقت کے طور پر معجزہ ظاہر فرمایا چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔

کفار کا دلیل صداقت کو ماننے سے انکار:

اس کھلے ہوئے معجزے کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہو سکتا تھا مگر براہوتعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ مشرکین کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لئے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا، دوسرے لوگ بولے کہ محمد (ﷺ) ہم پر جادو کر سکتے ہیں تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے، باہر کے لوگوں کو آنے دو ان سے معلوم کریں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا یا نہیں؟ باہر سے جب کچھ لوگ آئے اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے شہادت دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

ایک مغالطہ:

بعض روایات جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں ان کی بناء پر یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شق القمر کا واقعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ پیش آیا تھا، لیکن اول تو صحابہ میں سے کسی اور نے یہ بات بیان نہیں کی، دوسری بات یہ کہ خود انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایات میں مرتبہ کے بجائے فِرْقَتَيْنِ اور شِقَّتَيْنِ کے الفاظ ہیں، تیسرے یہ کہ قرآن مجید صرف ایک ہی انشقاق کا ذکر کرتا ہے، ان شواہد کی روشنی میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا تھا۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے یا قرب قیامت میں ہوں گے:

بعض لوگوں نے (وَانشَقَّ الْقَمَرُ) کا مطلب یہ لیا ہے کہ چاند پھٹ جائے گا، لیکن عربی زبان کے لحاظ سے چاہے یہ مطلب لینا ممکن ہو مگر عبارت کا سیاق و سباق اس معنی کو مراد لینے سے صاف انکار کرتا ہے، اول تو یہ معنی مراد لینے سے پہلا فقرہ بے معنی ہو جاتا ہے، چاند اگر اس کلام کے نزول کے وقت پھٹا نہیں تھا، بلکہ وہ آئندہ کبھی پھٹنے والا ہے تو اس کی بناء پر یہ کہنا بالکل مہمل بات ہے کہ قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہے، مستقبل میں پیش آنے والا کوئی واقعہ اس کے قرب کی علامت کیسے قرار پاسکتا ہے، کہ اسے شہادت کے طور پر پیش کرنا ایک معقول طرز استدلال ہو، دوسرے یہ مطلب لینے کے بعد جب ہم آگے کی عبارت پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی، آگے کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ لوگوں نے اس وقت کوئی نشانی دیکھی تھی جو امکان قیامت کی صریح علامت تھی مگر انہوں نے اسے جادو قرار دیکر جھٹلادیا اور اپنے اس خیال پر جبر ہے کہ قیامت کا آنا ممکن نہیں ہے، اس سیاق و سباق میں اِنْشَقَّ الْقَمَرُ کے الفاظ اسی صورت میں ٹھیک بیٹھ سکتے ہیں جب ان کا مطلب ”چاند پھٹ گیا“ لیا جائے، اور اگر اِنْشَقَّ الْقَمَرُ کو چاند پھٹ جائے گا کے معنی میں لے لیے جائیں تو بعد کی ساری بات بے جوڑ ہو جاتی ہے، سلسلہ کلام میں اس فقرے کو رکھ کر دیکھ لیجئے آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے ساری عبارت بے معنی ہو گئی۔

معجزہ شق القمر پر اعتراضات:

معترضین شق القمر پر دو طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اول تو ان کے نزدیک ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کرہ کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کے فاصلہ تک ایک دوسرے سے دور جانے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جائیں، دوسرے وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا، تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر آتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اعتراضات بالکل بے وزن اور بے حقیقت ہیں۔

جواب: اول تو کسی دلیل عقلی سے اس کا محال ہونا اب تک ثابت نہیں کیا جاسکا ہے، اور محض استبعاد کی بناء پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے جہاں تک اس کے امکان کی بحث ہے، قدیم زمانہ میں تو شاید وہ چل بھی سکتی تھی، لیکن موجودہ دور میں سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بناء پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کرہ اپنے اندر آتش فشانی کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے ہو کر دور تک چلے جائیں اور پھر اپنی مرکزی قوت جاذبہ کے سبب وہ آپس میں آ ملیں، اور اگر یہ انفجار اتنا شدید اور طاقتور ہو کہ مرکزی قوت جاذبہ کی گرفت سے باہر ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ٹکڑے پھر آپس میں نہ ملیں، اور اس کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ واقعہ بھی ہے۔

کرہ ارض ایک زمانہ میں متصل ایک کرہ تھا:

ماہرین کی غالب اکثریت اس پر متفق ہے کہ دنیا کے تمام براعظم کسی زمانہ میں ایک دوسرے سے پیوست ایک کرہ تھے، کوئی بیس کروڑ سال ہوئے زمین کے اندر کی آتش فشانی اور قوت طارده کی وجہ سے کرہ ارض میں انفجار پیدا ہوا اور یہ کرہ کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا، اس کے ثبوت کی متعدد دلیلیں ہیں، اس بات کا خیال رہے کہ دیگر سیارات کے مانند زمین اور چاند بھی سیارے ہیں بلکہ سائنس جدید کی تحقیق کے نتیجے سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند زمین کا ایک حصہ ہے کسی زمانہ میں کسی سیارہ کے تصادم یا اندرونی آتش فشانی کے نتیجے میں بحر اکاہل کے مقام سے الگ ہو کر زمین کے گردا گرد گردش کرنے لگا، اور زمین سورج سے جدا شدہ ایک کرہ ہے جو سورج کے گردا گرد گردش کر رہا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”فلکیات جدیدہ“۔

انفجار ارض کی پہلی دلیل:

اگر تمام براعظموں کو ایک دوسرے سے ملا کر پیوست کر دیا جائے تو ان کے ساحل ایک دوسرے سے اس طرح مل جائیں گے جیسے کسی ٹوٹی ہوئی چیز کے ٹکڑوں کو ملا کر ایک کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنی سابقہ حالت پر معلوم ہونے لگتی ہے۔

دوسری دلیل:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طویل و عریض سمندروں کے آر پار مختلف براعظموں کے مقابل ساحلوں پر جو پہاڑ ہیں یوں لگتا ہے جیسے ایک ہی سلسلہ کوہ کے حصے ہوں۔

تیسری دلیل:

براعظم کے ایک دوسرے سے کسی زمانہ میں متصل ہونے کے حیاتیاتی شواہد بھی موجود ہیں، جنوبی امریکہ اور افریقہ میں بیسوں اقسام کے جانور ملتے ہیں جو ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مماثلت و مشابہت بے وجہ نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ دونوں براعظم ایک ہی تھے۔

جب کرہ ارضی میں انفجار و انشقاق مشاہداتی اور عقلیاتی دلائل سے ثابت ہے تو کیا وجہ ہے کہ کرہ قمر میں یہ انفجار و انشقاق نہیں ہو سکتا؟ مذکورہ دلائل سے ان لوگوں کا نظریہ باطل ہو گیا جو کرہ قمر میں خرق و التیام کو محال کہہ کر معجزہ شق القمر کا انکار کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض:

دوسرا عامیانہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ واقعہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا، تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر آتا۔
جواب: یہ اعتراض اس لئے بے وزن ہے کہ یہ واقعہ چانک بس ایک لمحہ کے لئے پیش آیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ اس

خاص لمحہ میں دنیا بھر کی نگاہیں چاند کی طرف لگی ہوئی ہوں، نیز اس سے کوئی زوردار دھماکہ نہیں ہوا تھا کہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوتی، اور پہلے سے اس کی کوئی اطلاع بھی نہیں تھی کہ لوگ اس کے منتظر ہو کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوتے، اس کے علاوہ پوری روئے زمین پر اسے دیکھا نہیں جاسکتا تھا، بلکہ صرف عرب اور اس کے مشرقی جانب کے ممالک ہی میں اس وقت چاند نکلا ہوا تھا، باقی بہت سے ممالک میں تو اس وقت دن ہوگا، جہاں رات ہوگی بھی تو کہیں نصف شب اور آخر شب کا وقت ہوگا جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں سکتے رہتے اس کے علاوہ زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے سے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا جس کی وجہ سے اس کی طرف کسی کو توجہ ہوتی پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آج کل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، تو کیا اس بے خبری کو اس بات کی دلیل بنایا جاسکتا ہے کہ چاند گہن ہوا ہی نہیں ہے اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

جواب: سابقہ آسمانی کتابوں میں بعض ایسے ہی واقعات کا ذکر ہے مگر کسی تاریخی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں ہے تو کیا یہ مان لیا جائے کہ یہ واقعات ہوئے ہی نہیں، ہم ان واقعات میں سے صرف دو واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

پہلا واقعہ:

کتاب یشوع (ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق) کے باب نمبر ۱۰ آیت نمبر ۱۲ میں ہے، ”اور اس دن جب خداوند نے اموریوں کو بنی اسرائیل کے قابو میں کر دیا، یشوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے سامنے یہ کہا اے سورج تو جب عون پر اور اے چاند تو وادی ایلون پر ٹھہرا، سورج ٹھہر گیا، اور چاند ٹھہرا، جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لے لیا، اور سورج آسمانوں کے بچوں بچ ٹھہرا رہا اور تقریباً سارے دن ڈوبنے میں جلدی نہ کی۔“

اور کتاب تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۶ء حصہ نمبر ۳ کے باب ۴ صفحہ ۳۶۲ میں یوں ہے کہ ”یوشع کی دعاء سے سورج ۲۳ گھنٹے کھڑا رہا“ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بڑا عظیم الشان تھا اور عیسائی نظریے کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ایک ہزار چار سو سال قبل پیش آیا، اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اس کا علم تمام روئے زمین کے انسانوں کو ہونا ضروری تھا، بڑے سے بڑا بادل بھی اس کے علم سے مانع نہیں ہو سکتا تھا، اور نہ اس کا اختلاف اس میں مزاحم، اس لئے کہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ بعض مقامات پر اس وقت رات تھی تب بھی اس کا ظاہر ہونا اس لئے ضروری تھا کہ ان کی رات اس دن چوٹیں گھٹنے رہی ہو، نیز یہ زبردست حادثہ نہ ہندوستان کی تاریخ میں کہیں موجود ہے نہ اہل چین و اہل فارس کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، ہم نے خود ہندوستان کے علماء سے اس کی تکذیب سنی ہے، اور ان کو اس کے غلط ہونے کا یقین کامل ہے۔

دوسرا واقعہ:

کتاب الاشعیاء باب ۳۸ آیت ۸ میں حضرت اشعیاء کے معجزے رجوع شمس کے سلسلہ میں یوں کہا گیا ہے، ”چنانچہ آسمان جن درجوں سے ڈھل گیا تھا ان میں کے دس درجے پھر لوٹ گیا۔“

یہ حادثہ بھی عظیم الشان ہے اور چونکہ دن میں پیش آیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر انسانوں کو اس کا علم ہو مسیح کی ولادت سے ۱۳ سال شمسی قبل واقع ہوا، مگر اس کا تذکرہ نہ تو ہندوستان کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور نہ اہل چین و اہل فارس کی کتابوں میں (ملخصاً) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، مولانا رحمت اللہ مرحوم کی مشہور کتاب اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک۔ (ص ۱۲۶ تا ۱۳۴)

تاریخی شہادت:

اس کے علاوہ ہندوستان کی مستند و مشہور تاریخ، تاریخ فرشتہ کے مقالہ نمبر ۱۱ میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ ملیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا اور یہی واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا، حافظ مزی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مسافر کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان کے ایک مشہور شہر میں ایک پرانی عمارت دیکھی جس پر عمارت کی تاریخ تعمیر کے سلسلے میں لکھا تھا کہ یہ عمارت شق قمر والی رات میں بنائی گئی۔

(ترجمہ اظہار الحق، بائبل سے قرآن تک، ص ۱۳۴)

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ قَوْمَ عَادٍ كُوهَا كُوهَا طُوفَانُ الْعَذَابِ سے ہلاک کیا گیا تھا، کہتے ہیں کہ بدھ کی شام تھی جب اس تیز و تند بخ بستہ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن برابر چلتی رہی یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند اور گڑھوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو اٹھاتی اور اس زور سے انہیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑ سے الگ ہو جاتے، یہ دن ان کیلئے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ بدھ کے دن یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں مستمر کا مطلب ہے کہ یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

كَانَهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ یہ درازی قد کے ساتھ ان کے بے بسی اور لا چاری کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درانحالیکہ انہیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ جَمْعُ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ أَيْ بِالْأُمُورِ الَّتِي أَنْذَرَهُمْ بِهَا نَبِيُّهُمْ صَالِحٌ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ

وَيَتَّبِعُوهُ فَقَالُوا أَبَشَرًا مَنصُوبٌ عَلَى الْإِسْتِغَالِ مِنَّا وَاحِدًا صِفَتَانِ لِبَشَرٍ نَتَّبِعُهُ مُفَسِّرٌ لِلْفِعْلِ النَّاصِبِ لَهُ
وَالِاسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ الْمَعْنَى كَيْفَ تَتَّبِعُهُ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ وَهُوَ وَاحِدٌ مِنَّا وَلَيْسَ بِمَلَكٍ أَيْ لَا تَتَّبِعُهُ
إِنَّا إِذَا أَيْ إِنْ اتَّبَعْنَاهُ لَفِي ضَلَالٍ ذَهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ وَوُسْعِي ۝ جنون ۝ أَلْقَى بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ
وَإِدْخَالِ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهِ الدِّكْرُ الْوَحْيُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا أَيْ لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ فِي
قَوْلِهِ إِنَّهُ أَوْحَى إِلَيْهِ مَا ذَكَرَهُ أَشْرُ ۝ مُتَكَبِّرٌ بَطَرٌ قَالَ تَعَالَى سَيَعْلَمُونَ غَدًا أَيْ فِي الْآخِرَةِ مِّنَ الْكَذَّابِ الْأَشْرِ ۝
وَهُوَ هُمْ بِأَنْ يُعَذِّبُوا عَلَى تَكْذِيبِهِمْ لِنَبِيِّهِمْ صَالِحٍ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ مُخْرِجُوهَا مِنَ الْهَضْبَةِ الصَّخْرَةِ كَمَا
سَأَلُوا فِتْنَةً مَّحَنَةً لَهُمْ لِنَخْتَبِرَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ يَا صَالِحُ أَيْ أَنْتَظِرْ مَا هُمْ صَانِعُونَ وَمَا يُصْنَعُ بِهِمْ وَأَصْطَبِرْ ۝
الطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ أَيْ أَصْبِرْ عَلَى أَذَاهُمْ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ مَّقْسُومٌ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّاقَةِ فَيَوْمَ
لَهُمْ وَيَوْمَ لَهَا كُلُّ شَرِبٍ نَصِيبٌ مِنَ الْمَاءِ مُحْتَضَرٌ ۝ يَخْضَرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمَهَا فَتَمَادُّوا عَلَى ذَلِكَ
ثُمَّ مَلَّوْهُ فَهَمُّوا بِقَتْلِ النَّاقَةِ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ۝ تَنَاوَلَ السَّيْفَ فَعَقَرَ ۝ بِهِ النَّاقَةُ أَيْ
قَتَلَهَا مُوَافِقَةً لَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ أَيْ أَنْذَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُولِهِ أَيْ وَقَعَ مَوْقَعَهُ وَبَيَّنَّه
بِقَوْلِهِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَالْهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ هُوَ الَّذِي يَجْعَلُ لِعَنِمِهِ حَظِيرَةً مِنْ يَابِسِ
الشَّجَرِ وَالشُّوْكَ يَحْفَظُهُنَّ فِيهَا مِنَ الذِّيَابِ وَالسَّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذَلِكَ فَدَاسَتْهُ هُوَ الْهَشِيمُ
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذْرِ ۝ أَيْ بِالْأُمُورِ الْمُنْذَرَةِ لَهُمْ عَلَى لِسَانِهِ
إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا رِيحًا تَرْمِيهِمْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِيَ صِغَارُ الْحِجَارَةِ الْوَاحِدَةُ ذُونٌ مَلٌ ۝ الْكَفِّ
فَهَلَكُوا ۝ إِلَّا آلَ لُوطٍ وَهُمْ ابْنَتَاهُ مَعَهُ نَجَّيْنَاهُمْ لِسَحَرٍ ۝ مِنْ الْأَسْحَارِ أَيْ وَقْتُ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَلَوْ
أَرِيدَ مِنْ يَوْمٍ مُّعَيَّنٍ لَمُنِعَ الصَّرْفُ لِأَنَّهُ مَعْرِفَةٌ مَّعْدُولٌ عَنِ السَّحَرِ لِأَنَّ حَقَّهُ أَنْ يَسْتَعْمَلَ فِي الْمَعْرِفَةِ بِالْ
وَهْلٍ أُرْسِلَ الْحَاصِبُ عَلَى آلِ لُوطٍ أَوَّلًا، قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْإِسْتِثْنَاءِ عَلَى الْأَوَّلِ بِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِي
بِأَنَّهُ مُنْقَطِعٌ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْجِنْسِ تَسْمُخًا نِعْمَةً مُّصَدَّرًا أَيْ إِنْعَامًا مِّنْ عِنْدِنَا كَذَلِكَ أَيْ بِمِثْلِ ذَلِكَ الْجَزَاءِ
تُجْزَى مِنْ شُكْرٍ ۝ أَنْعَمْنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ أَوْ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ تَعَالَى وَرُسُلِهِ وَأَطَاعَهُمْ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ خَوْفَهُمْ لُوطٌ
بَطْشَتَنَا أَخَذْتَنَا إِيَّاهُمْ بِالْعَذَابِ فَتَمَارَوْا تَجَادَلُوا وَكَذَّبُوا بِالنُّذْرِ ۝ بِأَنْذَارِهِ وَلَقَدْ رَاودُوهُ عَنْ صَيْفِهِ أَيْ سَأَلُوهُ
أَنْ يُخْلِيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ أَتَوْهُ فِي صُورَةِ الْأَصْيَافِ لِيَخْبَثُوا بِهِمْ وَكَانُوا مَلَائِكَةً فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ
أَغْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَاشِقٍ كَبَاقِي الْوَجْهِ بَانَ صَفْقُهَا جَبْرَائِيلُ بِجَنَاحِهِ فَذُوقُوا فَعَلْنَا لَهُمْ ذُوقُوا
عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ أَيْ أَنْذَارِي وَتَخْوِيفِي أَيْ ثَمَرَتَهُ وَفَائِدَتَهُ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً وَقْتُ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ
عَذَابٌ مُّسْتَقَرٌّ ۝ دَائِمٌ مُّتَّصِلٌ بِعَذَابِ الْآخِرَةِ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذْرِي ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝

تذکرہ: شمود نے ڈرانے والی چیزوں (یعنی تنبیہات) کی تکذیب کی نذر، نذیر کی جمع ہے یعنی ان امور کی کہ جن کے ذریعہ ان کو ان کے نبی صالح نے ڈرایا، اگر وہ ان پر ایمان نہ لائے اور ان کی پیروی نہ کی تو انہوں نے کہا کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں کا ایک فرد ہے؟ بشرًا، ما أضمر کے قاعدہ سے منصوب ہے، مَنا اور واحدًا دونوں بشر کی صفت ہیں، اور نَتَّبِعْهُ، بَشَرًا کے فعل ناصب کا مفسر ہے، اور استفہام بمعنی نفی ہے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کی کیوں اتباع کریں؟ اور ہم بڑی جماعت ہیں اور وہ ہم میں کا ایک ہے اور فرشتہ بھی نہیں ہے یعنی ہم اس کی اتباع نہیں کریں گے، اگر ہم نے اس کی اتباع کی تو ہم گمراہی میں یعنی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہوں گے اور (حالت) جنوں میں ہوں گے، کیا ہم میں سے اس پر وحی نازل کی گئی؟ یعنی اس کی طرف وحی نہیں بھیجی گئی (اِنَّ لِّقٰی) دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان ہمزہ داخل کر کے اور ادخال کو ترک کر کے (نہیں) بلکہ وہ اپنے اس دعوے میں کہ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ اس پر بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے جھوٹا متکبر شیخی خورہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو عنقریب کل یعنی آخرت میں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی خورہ کون ہے؟ حالانکہ جھوٹے وہ خود ہیں اس لئے کہ ان کو اپنے نبی صالح کی تکذیب پر عذاب دیا جائے گا، ہم ان کی آزمائش کے لئے ایک اونٹنی ان کے مطالبہ کے مطابق پتھر سے نکالنے والے ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائیں، اے صالح تو ان کا انتظار کر کہ وہ کیا کرنے والے ہیں؟ اور ان کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جانے والا ہے؟ اور تو ان ایذا رسانیوں پر صبر کر (اصطبر) کی طاء تاء افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور ان کو بتادو کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم شدہ ہے ایک دن ان کی باری ہے اور ایک دن اونٹنی کی ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا قوم اپنی باری کے دن حاضر ہوگی اور اونٹنی اپنی باری پر، وہ لوگ اس طریقہ پر ایک زمانہ تک قائم رہے، پھر وہ اس سے اکتا گئے تو انہوں نے اونٹنی کے قتل کا ارادہ کر لیا تو انہوں نے اپنے ساتھی قدار کو اس اونٹنی کے قتل کے لئے آواز دی تو اس نے تلوار لی اور اس تلوار سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں یعنی ان کی موافقت (اور مشورہ سے) اس اونٹنی کو قتل کر دیا تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا؟ یعنی میرا ان کو عذاب نازل کرنے سے پہلے عذاب سے ڈرانا (کیسا رہا) یعنی وہ بر محل واقع ہوا، اور اس عذاب کو (اللہ تعالیٰ نے) اپنے قول اِنَّا ارسلنا علیہم صٰیحَةً الْخ سے بیان فرمایا ہے تو ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی، تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑھ بنانے والے کی (باڑھ) کی روندی ہوئی گھاس، محتظر وہ شخص جو اپنی بکریوں (کی حفاظت) کے لئے سوکھی گھاس اور کانٹوں (وغیرہ) سے باڑھ بناتا ہے، اس میں بکریوں کی بھیڑیوں اور درندوں سے حفاظت کرتا ہے، اور اس گھاس سے (جب کچھ) گر جاتا ہے تو بکریاں اس کو روند دیتی ہیں یہی ہشیم ہے، بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا، قوم لوط نے (بھی) ان چیزوں کو جھٹلایا جن سے ان کو لوط علیہ السلام کی زبانی ڈرایا گیا، بے شک ہم نے ان پر پتھر

برسانے والی ہوا بھیجی یعنی ایسی ہوا جو ان پر کنکریاں برساتی تھی اور وہ چھوٹی کنکریوں سے ایک تھی نہ کہ مٹھی بھر کر تو وہ ہلاک ہو گئے سوائے آل لوط کے اور آل لوط مع لوط کے ان کی دو بیٹیاں تھیں، ہم نے ان کو ایک صبح کے وقت نجات دی یعنی غیر متعین دن کی صبح میں اور اگر یوم معین (کی صبح) مراد ہو تو غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ یہ معرفہ ہے اور السَّحَر سے معدول ہے، اس لئے کہ اس کا حق یہ ہے کہ معرفہ میں الف لام کے ساتھ استعمال ہو (رہی) یہ بات کہ آل لوط پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی گئی یا نہیں اس میں دو قول ہیں، پہلی صورت (یعنی بھیجنے کی صورت) میں تعبیر استثناء متصل ہوگی اور دوسری صورت (یعنی نہ بھیجنے کی صورت) میں تعبیر استثناء منقطع ہوگی، تساهلاً (چشم پوشی کرتے ہوئے) اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو ہمارے خصوصی انعام (احسان) کے طور پر (نعمة) مصدر ہے، انعاماً کے معنی میں ہم ایسی ہی یعنی اس چیز کے مثل ہر اس شخص کو جزاء دیتے ہیں جو ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے حال یہ ہے کہ وہ مومن ہو یا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہو اور اس کی اطاعت کی ہو اور ان کو لوط علیہ السلام نے ہماری پکڑ سے عذاب کے ذریعہ ڈرایا تو وہ جھگڑنے لگے، اور ان کے ڈرانے کی تکذیب کی اور حضرت لوط سے ان کے مہمانوں کا مطالبہ کیا یعنی ان سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ان کے اور ان لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئے جو اس کے پاس مہمانوں کی شکل میں آئے ہیں تاکہ ان کے ساتھ وہ عمل خبیث کریں، اور وہ مہمان فرشتے تھے تو ہم نے ان کی آنکھیں ملیا میٹ کر دیں یعنی ان کو اندھا کر دیا، اور آنکھوں کو بدون گڑھوں کے باقی چہرے کے مانند (ہموار) کر دیا، اس طریقہ سے کہ جبریل نے ان کی آنکھوں پر اپنا پر مار دیا، اور ہم نے ان سے کہا میرا عذاب اور ڈراوا چکھو یعنی میرے عذاب اور ڈرانے کا ثمرہ اور نتیجہ (چکھو) اور بلاشبہ ان کو ایک دن صبح تڑکے دائمی عذاب نے پکڑ لیا یعنی آخرت کے عذاب سے جا ملنے والے عذاب نے (ان کو پکڑ لیا) پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْمِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: بِالْأُمُورِ الَّتِي أَنْذَرَهُمْ بِهَا، مَنْذَرٌ کی تفسیر الامور المنذر بها سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں مَنْذَرٌ سے مراد انبیاء نہیں ہیں بلکہ وہ امور مراد ہیں جن سے ڈرایا گیا ہے، دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نَذْر، نذیر بمعنی رسل کی جمع ہو اور نَذْر سے مراد رسول ہوں، اور نذیر کے بجائے نَذْر جمع کا صیغہ لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔

قَوْلُهُ: مَنْصُوبٌ عَلَى الْإِشْتِغَالِ یعنی بشرًا مَا أَضْمَرَ عَامِلُهُ کے قاعدہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "أَنْتَبِعُ بَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ" فعل ناصب محذوف کا مفسر ہے۔

قَوْلُهُ: جُنُودٌ، سَعْرٌ کی تفسیر جنون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سَعْر مفرد ہے، جمع نہیں ہے، اس کے معنی خفت عقل کے

ہیں، بولا جاتا ہے ناقة مسعودہ مجنون کے مانند چلنے والی اونٹنی، اور سعیر بمعنی نار کی جمع ہو سکتی ہے (اء لقی) میں چار قراءتیں ہیں اور چاروں سببیہ ہیں۔

قَوْلٌ: فِتْنَةٌ، فِتْنَةٌ، مُرْسِلُوا کا مفعول لہ ہے یعنی ہم ان کی آزمائش کے لئے پتھر کی ایک چٹان سے ایک اونٹنی نکالیں گے۔
قَوْلٌ: وَبَيْنَ النّاقَةِ مفسر علام کا مقصد اس اضافہ سے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول الماء قسمۃ بینہم سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی باری صالح علیہ السلام کی قوم کے درمیان تھی، حالانکہ پانی کی تقسیم قوم اور اونٹنی کے درمیان تھی، اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے **وَبَيْنَ النّاقَةِ** کا اضافہ فرمایا۔

قَوْلٌ: مُوَافِقَةٌ لَهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور سورہ شعراء کی آیت میں تطبیق دینا ہے، سورہ شعراء میں **فَعَقَرُوْهَا** جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور یہاں **فَعَقَرَ** واحد کے صیغہ کے ساتھ ہے، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ قاتل بالباشرة تو قدر ہی تھا، مگر قتل کے مشورہ میں سب شریک تھے، اسی وجہ سے یہاں بالباشرة قاتل کی طرف قتل کی نسبت کر دی اور سورہ شعراء میں بالواسطہ قاتلوں کو بھی قتل میں شریک کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔

قَوْلٌ: هَشِيمٌ صِغَةً صفت مشبہ بمعنی **مَهْشُومٌ** اسم مفعول، ریزہ ریزہ شدہ، روندنا ہوا۔

قَوْلٌ: مِنَ الْاَسْحَارِ اس اضافے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سحر نکرہ ہے یعنی غیر معین دن کی صبح۔

قَوْلٌ: وَلَوْ اُرِيدَ مِنْ يَوْمٍ مَّعِيْنٍ لَمُنَعْ مِنَ الصَّرْفِ الخ اس اضافے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بسحر منصرف ہے اس لئے کہ اس کو نکرہ ماننے کی صورت میں اسباب منع صرف میں سے ایک سبب صرف عدل پایا جا رہا ہے کیونکہ **سَحَرِ السَّحَرِ** سے معدول ہو کر آیا ہے اور اگر اس سے یوم معین کی صبح مراد لی جائے تو اس میں علمیت بھی موجود ہوگی، اس صورت میں اس میں دو سبب یعنی عدل اور علمیت ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

قَوْلٌ: تَسْمُحًا ایک نسخہ میں **تَسَامُحًا** ہے، مطلب یہ ہے کہ **اِلَّا آل لوط** کو مستثنیٰ منقطع قرار دینا چشم پوشی کرتے ہوئے ہو سکتا ہے ورنہ اس کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ آل لوط بھی قوم کے افراد ہیں جس کی وجہ سے مستثنیٰ منہ میں داخل ہیں لہذا یہ مستثنیٰ متصل ہوگا مگر ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے اس کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا ہے۔

قَوْلٌ: نِعْمَةٌ مَّصْدَرٌ یعنی **نِعْمَةٌ نَّجَيْنَا** کا مفعول مطلق بغیر لفظ تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ **نَجَّيْنَا، اَنْعَمْنَا** کے معنی میں ہے اور **نَجَّيْنَا** کا مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق بلفظ بھی ہو سکتا ہے ای **اَنْعَمْنَا نِعْمَةٌ**۔

قَوْلٌ: اَوْ مِّنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَطَاعَهَا یہ پورا جملہ **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** کا عطف تفسیری ہے۔

قَوْلٌ: تُجَادِلُوْا وَكُذِّبُوْا یہ فتَمَارُوا کی تفسیر ہے اس کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے، شبہ یہ ہے کہ تَمَارُوا کا صلہ باء نہیں آتا حالانکہ یہاں صلہ باء واقع ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تَمَارُوا تُجَادِلُوْا اور کُذِّبُوا کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے باء کے ذریعہ تعدیہ درست ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ سورہ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا تا کہ کفار و مشرکین جو دنیا کی ہوا و ہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آجائیں، پہلے روز قیامت کے عذاب کو بیان کیا گیا، اس کے بعد دنیا میں اس کے انجام بد کو بتلانے کے لئے پانچ مشہور عالم اقوام کے حالات اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر ان کے انجام بد اور دنیا میں بھی طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (معارف)

سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کیا گیا، کیونکہ یہی دنیا کی سب سے پہلی قوم ہے جو عذاب الہی میں پکڑی گئی، یہ قصہ سابقہ آیات میں گزر چکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں چار اقوام کا ذکر ہے، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون، ان کے مفصل واقعات قرآن کے متعدد مقامات میں بیان ہوئے ہیں یہاں ان کا اجمالی ذکر ہے، مذکورہ چاروں اقوام میں سے سب سے پہلے قوم ثمود کا ذکر ہے جو حضرت صالح علیہ السلام کی امت تھی، اس قوم کو عاد آخری بھی کہتے ہیں۔

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کی پیروی سے انکار تین وجہ سے تھا، ایک یہ کہ وہ بشر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ اکیلے تنہا ہیں اور عام آدمی ہیں کوئی بڑے سردار نہیں، اور نہ ان کے ساتھ کوئی جتھا ہے، تیسرے یہ کہ وہ ہماری قوم کے ایک فرد ہیں، ہم پر ان کو کوئی فضیلت و فوقیت حاصل نہیں، لہذا ایسی صورت میں ہمارا ان کی پیروی کرنا اور ان کو اپنا بڑا مان لینا غلطی اور پاگل پن کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرُّ، أَشِرُّ ایسے برخود غلط اور خود پسند شخص کو کہتے ہیں جس کے دماغ میں اپنی بڑائی کا سودا سمایا ہوا ہو اور اس بناء پر ڈینگیں مارتا ہو، مطلب یہ ہے کہ جب نہ تو یہ مافوق البشر قوتوں کا مالک ہے اور نہ یہ جتھا بند شخص ہے کہ اس کو عوام کی تائید و حمایت حاصل ہو اور نہ ہی یہ اوپر سے نازل کیا ہوا یا باہر سے آیا ہوا شخص ہے کہ اس کی کچھ اہمیت ہو، تو ایسی صورت میں اس کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں یا تو یہ پرلے درجہ کا جھوٹا شخص ہے یا پھر ہم پر اپنی بڑائی جتاننا اور ہمارے مقابلہ میں شیخی بگھارنا مقصد ہے، لہذا ہم ایسے کذاب اور شیخی خورے کی ہرگز پیروی نہ کریں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے ہیں اور اس کو عاد آخری بھی کہتے ہیں، قوم ثمود کا ذکر قرآن کریم میں نو سورتوں میں کیا گیا ہے، اعراف، ہود، حجر، نمل، الذبح، القمر، الحاقہ، الشمس۔

حضرت صالح علیہ السلام کا نسب نامہ:

علماء انساب، حضرت صالح علیہ السلام کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں مگر زیادہ صحیح اور قرین قیاس وہ سلسلہ نسب ہے جو علامہ بغوی نے بیان کیا ہے جو پانچ واسطوں سے قوم صالح کے جدِ بعد ثمود تک پہنچتا ہے۔ (قصص القرآن، سیوہاروی)

قوم ثمود کی بستیاں:

قوم ثمود کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی آبادیاں مقام حجر میں حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں، جو آج کل ”فج الناقۃ“ کے نام سے مشہور ہے، قوم ثمود کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات آج تک موجود ہیں، بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہی جاتی ہے، اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

(قصص القرآن مولانا حفص الرحمن سیوہاروی)

واقعہ کی تفصیل:

قوم ثمود جب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو اس کے سرخیل اور سرکردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اے صالح! اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشانی دکھا، تاکہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشانی آنے کے بعد انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو، قوم کے ان سرداروں نے بتا کید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے، تب حضرت صالح نے ان ہی سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں؟ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا فلاں پتھر سے جو بستی کے کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گا بھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ السلام نے درگاہ الہی میں دعاء کی تو اسی وقت اس پتھر سے ایک حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی، اور اس نے بچہ دیا یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمرو اسی وقت ایمان لے آیا، اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیکلوں اور مندروں مہنتوں نے ان کو باز رکھا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو، ایک دن اس ناقہ کا ہوگا اور ایک دن قوم کے تمام جانوروں کا، اور خبردار اس کو اذیت نہ پہنچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں، کچھ روز تک اسی دستور پر رہے مگر کچھ روز بعد وہ اس طرز عمل سے اکتا گئے، آپس میں صلاح و مشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری کے اس قصہ سے نجات مل سکتی ہے یہ باتیں اگرچہ ہوتی رہتی تھیں مگر ناقہ کو قتل کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر ایک حسین و جمیل مال دار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک مالدار عورت عمیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی قدار (قیدار) کے سامنے یہ کہہ کر پیش کی کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کر دیں تو یہ تمہاری ملک ہیں، آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کر لیا گیا، اور طے پایا کہ وہ رات میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کر دیں گے، اور دیگر چند آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرض ایسا ہی ہوا اور ناقہ کو سازش کر کے ہلاک کر دیا، اس کے بعد سب نے قسم کھائی کہ رات کے وقت ہم سب صالح اور اس کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے اور پھر اس کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔

بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا، اور چیختا چلاتا ہوا پہاڑی میں غائب ہو گیا، صالح علیہ السلام کو جب خبر ہوئی تو حسرت اور افسوس کے ساتھ قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا، اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو، جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو تباہ کر دیا، اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔ (اختصاراً، قصص القرآن سیوہاروی)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے، اس آیت کو ہر معذب قوم کا ذکر کرنے کے بعد دہرایا گیا ہے تاکہ مشرکین مکہ ان واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

قوم لوط علیہ السلام کا اجمالی واقعہ:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالْأُنْذُرِ یہاں سے قوم لوط کی ہلاکت کا اختصار کے ساتھ ذکر ہے، اس قوم پر ایسی تیز و تند ہوا کا عذاب بھیجا کہ جو ان پر کنکر پتھر برساتی تھی اور ان کی بستیوں کو تہہ و بالا کر دیا گیا، سورہ ہود میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، آل لوط سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں جن کو نجات دی گئی۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ تفصیل تو سورہ ہود میں گزر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو جن میں جبریل و میکائیل بھی شامل تھے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے یہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا، یہ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو ایک فرزند ارجمند کی خوشخبری دی اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے، ان کی قوم کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے یہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں، وہ ان کے گھر پر چڑھ دوڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان مہمانوں کو بدکاری اور ذوق خبیث کی تسکین کے لئے ان کے حوالہ کر دیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بے حد منت و سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز آجائیں، مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر مہمانوں کو زبردستی نکال لینے کی کوشش کی، اس آخری مرحلہ میں حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر پر مار کر آنکھوں کے ڈھیلے باہر کر دیئے، اور فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ اور ان کے اہل و عیال صبح ہونے سے پہلے پہلے بستی سے نکل جائیں، اور ان کے نکلتے ہی ان پر ایک ہولناک عذاب نازل ہو گیا، یہ واقعہ بائبل میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

بَابِل کے الفاظ:

”تب وہ اس مرد یعنی لوط علیہ السلام پر پل پڑے اور نزدیک آئے تاکہ کواڑ توڑ ڈالیں لیکن ان مردوں (یعنی فرشتوں) نے اپنے ہاتھ بڑھا کر اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا، اور لوگوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا، سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔“
(پیدائش ۱۹-۹-۱۱)

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَهُ النَّذِيرُ ۝۱۱ الْإِنذَارُ عَلَى لِسَانِ مُوسَى وَهَارُونَ فَلَمْ يُؤْمِنُوا بِلِ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذَّبَتْهَا
ای التسع التي أوتيتها موسى فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ أَخَذَ عَزِيزٌ قَوِيٌّ مُقْتَدِرٌ ۝۱۲ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ أَكْفَارُكُمْ
يَا قُرَيْشُ خَيْرٌ مِنْ أَوْلِيكُمْ الْمَذْكُورِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ إِلَى فِرْعَوْنَ فَلَمْ يُعَذِّبُوا أَمْرَكُمْ يَا كُفَّارُ قُرَيْشِ بَرَاءَةٌ مِنْ
الْعَذَابِ فِي الزُّبُرِ ۝۱۳ الْكُتُبِ وَالِاسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضِعِينَ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ أَمْرٌ يَقُولُونَ أَيْ
كُفَّارُ قُرَيْشِ نَحْنُ جَمِيعٌ أَيْ جَمْعٌ مُنْتَصِرٌ ۝۱۴ عَلَى مُحَمَّدٍ وَلَمَّا قَالَ أَبُو جَهْلٍ يَوْمَ بَدْرٍ إِنَّا جَمْعٌ مُنْتَصِرٌ نَزَلَ
سَيِّئُهُمْ الْجَمْعُ وَيُقَالُ لِلدَّيْرِ ۝۱۵ فَهَزِمُوا بِبَدْرٍ وَنَصَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ
بِالْعَذَابِ وَالسَّاعَةُ أَيْ عَذَابُهَا أَهْلُ أَعْظَمُ بَلِيَّةٌ وَأَمْرٌ ۝۱۶ أَشَدُّ بَرَارَةً مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ
هَالِكٍ بِالْقَتْلِ فِي الدُّنْيَا وَسَعْرٌ ۝۱۷ نَارٌ مُسْعِرَةٌ بِالتَّشْدِيدِ أَيْ مَهِيْجَةٌ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ
عَلَى وُجُوهِهِمْ أَيْ فِي الْآخِرَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ دُوقُوا مَسَّ سَقَرٍ ۝۱۸ إِصَابَةٌ جَهَنَّمَ لَكُمْ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ مَنصُوبٌ بِفِعْلِ
يُفْسِرُهُ خَلْقُهُ بِقَدْرِ ۝۱۹ بِتَقْدِيرِ حَالٍ مِنْ كُلِّ أَيْ مُقَدَّرًا وَقُرِئَ كُلٌّ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ خَلْقُهُ وَمَا أَمْرًا لِشَيْءٍ
نُرِيدُ وَجُودَهُ إِلَّا أَمْرَةً وَاحِدَةً كَلِمَةٍ بِالْبَصْرِ ۝۲۰ فِي السَّرْعَةِ وَهِيَ كُنْ فَيُوجَدُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَكُمْ أَشْبَاهَكُمْ فِي الْكُفْرِ مِنَ الْأَمَمِ الْمَاضِيَةِ فَهَلْ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝۲۱ اسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى
الْأَمْرِ أَيْ أَذْكُرُوا وَاتَّعِظُوا وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ أَيْ الْعِبَادَةُ مَكْتُوبٌ فِي الزُّبُرِ ۝۲۲ كُتُبِ الْحَفْظَةِ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ
مِنَ الذَّنْبِ أَوْ الْعَمَلِ مُسْتَطَرٌّ ۝۲۳ مَكْتُوبٌ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ بِسَاتِينَ وَنَهْرٍ ۝۲۴ أَرِيدَ
بِهِ الْجَنَسُ وَقُرِئَ بَضَمَ النُّونَ وَالْهَاءُ جَمْعًا كَأَسَدٍ وَأُسْدٍ، الْمَعْنَى أَنَّهُمْ يَشْرَبُونَ مِنْ أَنْهَارِهَا الْمَاءَ
وَاللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالْخَمْرَ فِي مَقْعَدٍ صَدِيقٍ مَجْلِسٍ حَقٍّ لَا لَغْوَ فِيهِ وَلَا تَأْثِيمَ وَأَرِيدَ بِهِ الْجَنَسُ وَقُرِئَ
مَقَاعِدُ، الْمَعْنَى أَنَّهُمْ فِي مَجَالِسَ مِنَ الْجَنَّاتِ سَالِمَةٍ مِنَ اللَّغْوِ وَالتَّأْثِيمِ بِخِلَافِ مَجَالِسِ الدُّنْيَا فَقُلْ
أَنْ تَسْلَمَ مِنْ ذَلِكَ وَأَعْرَبَ هَذَا خَبَرًا ثَانِيًا وَبَدَلًا وَهُوَ صَادِقٌ بِبَدَلِ الْبَعْضِ وَغَيْرِهِ عِنْدَ مَلِكٍ بِمِثَالِ
مُبَالِغَةٍ أَيْ عَزِيزِ الْمُلْكِ وَاسِعِهِ مُقْتَدِرٌ ۝۲۵ قَادِرٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَعِنْدَ إِشَارَةِ إِلَى الرُّتْبَةِ
وَالْقُدْرَةِ مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى.

تَرْجَمَتُهُ: اور فرعونیوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس مع فرعون کے ڈراوے (ڈرنے کی باتیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی زبانی آئے مگر وہ ایمان نہ لائے بلکہ تمام نو نشانیوں کو جھٹلادیا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تھیں چنانچہ ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا قوی اور قادر کے پکڑنے کے مانند کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اے قریشیو! کیا تمہارے کافران کافروں سے جو قوم نوح سے لے کر قوم فرعون تک مذکور ہوئے کچھ بہتر ہیں، کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے یا تمہارے لئے اے قریش کے کافرو! کتابوں میں عذاب سے براءت لکھی ہوئی ہے اور استفہام دونوں جگہ بمعنی نفی ہے یعنی ایسی بات نہیں ہے کیا کفار قریش یہ کہتے ہیں کہ ہم محمد پر غالب آنے والی جماعت ہیں اور جبکہ بدر کے دن ابو جہل نے کہا کہ ہم غالب آنے والی جماعت ہیں تو آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُولَوْنَ الدُّبُرَ نازل ہوئی، عنقریب یہ جماعت شکست خوردہ ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگے گی چنانچہ بدر میں ان کو شکست ہوئی اور محمد ﷺ ان پر غالب ہوئے بلکہ قیامت ان سے عذاب کے وعدہ کا وقت ہے اور قیامت یعنی اس کا عذاب بڑی آفت اور دنیا کے عذاب سے سخت ناگوار ہے بلاشبہ مجرمین گمراہی یعنی دنیا میں قتل کے ذریعہ ہلاکت میں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ہیں مُسْعِرَةٌ تشدید کے ساتھ ہے یعنی آخرت میں دہکتی ہوئی آگ جس دن کہ ان کو آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یعنی آخرت میں اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کی آگ لگنے کا مزا چکھو، تمہارے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا کُلُّ شَيْءٍ کا فعل ناصب وہ فعل مقدر ہے جس کی تفسیر خَلَقْنَاهُ کر رہا ہے بِقَدَرٍ کُلِّ شَيْءٍ سے حال ہے، اسی مقدراً اور کُلُّ کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس کی خبر خَلَقْنَاهُ ہے اور ہمارا حکم اس شئی کے لئے جس کے وجود کا ہم ارادہ کرتے ہیں صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے سرعت میں پلک جھپکنے کے مانند ہوتا ہے، اور وہ حکم کلمہ کن ہے، تو وہ چیز (بلا توقف) موجود ہو جاتی ہے، اور اس کا حکم اسی وقت ہوگا جب وہ کسی شئی کے لئے کن کہنے کا ارادہ کر لیتا ہے، تو وہ شئی ہو جاتی ہے، اور ہم نے امم ماضیہ میں سے کفر میں تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ہے نصیحت لینے والا؟ استفہام بمعنی امر ہے یعنی پس نصیحت حاصل کرو جو اعمال بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ اعمال ناموں یعنی حفاظت کے فرشتوں کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ہر چھوٹا اور بڑا گناہ یا عمل، لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے باغوں اور نہروں (کی فضا) میں ہوں گے نہر سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے، اور جمع کے طور پر نون اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے، جیسا کہ اَسْدٌ اور اُسْدٌ میں، معنی یہ ہیں کہ وہ پانی اور دودھ اور شہد اور شراب کے نہروں سے پیئیں گے ایک عمدہ مقام یعنی مجلس حق میں ہوں گے نہ وہاں لغویات ہوں گی اور نہ گناہ کی باتیں اور (مَقْعَدٌ) سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے اور مقاعد بھی پڑھا گیا ہے معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں ایسی مجلسوں میں ہوں گے جو لغویات اور گناہوں کی باتوں سے محفوظ ہوں گی، بخلاف دنیا کی مجلسوں کے کہ (دنیا کی مجلسیں) ان باتوں سے بہت کم خالی ہوتی ہیں اور (مَقْعَدٌ صدق) کو (اِنَّ) کی خبر ثانی کے طور پر بھی اعراب دیا گیا ہے، اور (جَنَّتْ) سے بدل کے طور پر بھی، اور وہ بدل

الْبَعْضُ وَغَيْرُهُ بِرِصَادٍ آتَا بِهٖ قَدْرَتُ وَالِے بَادِشَاہِ كِے پَاسِ لَیْعْنِ عِنْدَ مَلِیْكَ مِثَالِ بِطُورِ مَبَالَغَہِ (حَقِیْقَۃً عِنْدِیْ تِمرادِ نَہِیْں ہِے) لَیْعْنِ وَہِ غَالِبِ وَسَعَتِ وَالَا بِادِشَاہِ اِیْسا قَادِرِ ہِے كِہ كُوءِ شَیْ اِس كُوءِ عَاجِزِ نَہِیْں كِر سَكْتِ اُور وَہِ اللہ تَعَالٰی ہِے اُور عِنْدَ سَے قُرْبِ تِی كِی طَرَفِ اِشَارَہِ ہِے اُور قَدْرَتِ (قُرْبَۃً) اللہ كِے فَضْلِ سَے ہِے۔

تَحْقِیْقِ وَتَرْكِیْبِ لِتَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِیْ فَوَائِدِ

قَوْلًا: الْاِنْذَارُ مفسر علام نے نُذْرُ كِی تفسیر الانذار سے كِے كِے اِشَارَہِ كِردِیَا كِہ نُذْرُ مَصْدَرِ ہِے بِمعْنٰی ڈِراوا، ڈِرانے والِی نشانِیاں، یہاں نُذْرُ كِی جَمْعِ بَہِیْ ہُوءِ سَكْتِ ہِے، ڈِرانے والِے (الآیات التسع) ① الْعَصَاء ② الْيَدُ الْبَيْضَاء ③ وَالسِّنِينَ ④ الطَّمَس ⑤ الطُّوفَان ⑥ الْجُرَاد (مُذِی) ⑦ الْقَمَل (جُون) ⑧ الضَّفَادِع (مِیْنْدَك) ⑨ الدَّم۔

قَوْلًا: خَيْرٌ مِنْ اُولَیْكُمْ لَیْعْنِ اے قُرَیْشِ كِیَا تَہْمَارِے كَافِرِ سَابِقَہِ قَوْمُوں كِے كَافِرُوں سَے قُوْتِ وَشَدَتِ مِیْنِ بڑھِے ہوئے ہِیں، ظاہِرِ ہِے كِہ نَہِیْں۔

قَوْلًا: اَذْهَى يَہِ ذَاہِیۃً سَے اِسْمِ تَفْضِیْلِ ہِے بِمعْنٰی بڑی آفَتِ جِس سَے خِلاصِیْ مُمْكِنِ نہِ ہو۔

قَوْلًا: اَمْرٌ سَخْتٌ تَر، تَلْخُ تَر۔

قَوْلًا: سُعْرَاى نَارٌ مُسْعَرَةٌ دَہْیِ ہوئی آگ۔

قَوْلًا: يَوْمٌ يُسْحَبُونَ، يَوْمٌ فَعْلٌ مَقْدَرٌ كَا ظَرْفِ ہِے تَقْدِیرِ عِبَارَتِ یَہِ ہِے وَیْقَالُ لَہُمْ یَوْمٌ الْخِ نِیز سُعْرٌ كَا بَہِیْ طَرَفِ ہو سَكْتَا ہِے۔

قَوْلًا: اِنَّا كُلُّ شَیْءٍ مِّنْصُوبٌ بِفَعْلِ الْخِ كُلُّ كِے نَصْبِ كِے سَا تَہْ مَا اَضْمَرُ كِے قَاعِدَہِ سَے جَمْہُورِیْ قِرَاءَتِ ہِے اُور یَہِی رَاجِحِ ہِے، اِس لَئے كِہ كُلُّ كَارِ فِعْ اِعْتِقَادِ فَاَسَدِ كِی طَرَفِ مَوہِمِ ہِے، اِس طَرِیْقَہِ پَر كِہ كُلُّ كُوءِ مَبْتَدَاً قَرَارِ دِیْں، اُور خَلْقَنَاهُ جَمْلَہِ ہو كِر شَیْءِ كِی صِفَتِ ہو اُور بِقَدْرِ اِس كِی خَبَرِ، اَبِ اِس كَا تَرْجَمَہِ ہوگا ہر وَہِ چِیزِ جِس كُوءِ اللہ نَے پِیْدَا كِیَا ہِے اِنْدَازَہِ سَے ہِے، اِس سَے وَہِمِ ہُوءَا ہِے Kِہ بَعْضِ چِیزِیْں اِیْسی بَہِیْ ہِیں جُوءِ اللہ كِی مَخْلُوقِ نَہِیْں ہِیں، حَالَا نَكِہ اہلِ سُنْتِ وَاجْمَاعَتِ كَا یَہِ عَقِیْدَہِ ہِے Kِہ ہر شَیْ اللہ كِی مَخْلُوقِ ہِے اُور اِنْدَازَہِ سَے ہِے نَصْبِ كِی صُورَتِ مِیْنِ تَرْجَمَہِ یَہِ ہوگا، ہَم نَے ہر چِیزِ اِیْکِ تَقْدِیرِ (مَنْصُوبِہِ) كِے سَا تَہْ پِیْدَا كِی ہِے۔

خِلاصَہِ كَلَامِ:

اِنَّا كُلُّ شَیْءٍ خَلْقَنَاهُ بِقَدْرِ، كُلُّ مِیْنِ دُوءِ اِحْتِمَالِ ہِیں رَفْعِ اُور نَصْبِ، پَہَرِ رَفْعِ كِی صُورَتِ مِیْنِ دُوءِ اِحْتِمَالِ ہِیں اِیْکِ صَحِیْحِ اُور دُوسَرِ فَاَسَدِ، خَلْقَنَاهُ كُوءِ كُلُّ كِی خَبَرِ بَنَا یَا جَا ئَے تُو یَہِ صُورَتِ صَحِیْحِ ہوگی، مَعْنٰی یَہِ ہُوءِ گَے Kِہ ہر شَیْ ہَم نَے اِنْدَازَہِ سَے پِیْدَا كِی ہِے،

یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، لیکن رفع کی صورت میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے جو کہ فاسد ہے اور وہ یہ ہے کہ خَلَقْنَاهُ، شَیْءٌ کی صفت ہو اور بقدرِ کُلِّ کی خبر ہو تو یہ معنی اہل سنت کے نزدیک فاسد ہیں اس کا مطلب ہوگا ہر وہ چیز جو ہم نے پیدا کی ہے وہ اندازہ سے ہے، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو غیر اللہ کی پیدا کردہ ہیں، اور وہ اندازہ سے نہیں ہیں، یہ مذہب معتزلہ کا ہے، بخلاف کُلِّ پر نصب پڑھنے کے کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال نہیں ہے اور نصب کی صورت یہ ہوگی کہ کُلُّ غُضَلٍ مَحْذُوفٍ کا مفعول ہوگا جس کی تفسیر بعد والافعل (خلقناہ) کر رہا ہے اس کو باب اشتغال اور مَا أَضْمَرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرْيْطَةِ التَّفْسِيرِ کا قاعدہ کہتے ہیں بقدرِ، بتقدیر کے معنی میں ہے اور فعل سے متعلق ہے، اس صورت میں خَلَقْنَاهُ کو کُلُّ شَیْءٍ کی صفت بنانے کا احتمال نہیں ہے کہ فساد معنی کا وہم ہو اس لئے کہ صفت، موصوف میں عامل نہیں ہوا کرتی اور جو عامل نہ ہو وہ عامل کی تفسیر بھی نہیں کر سکتی۔ (اعراب القرآن، للدریش)

قَوْلُهُ: وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ یہاں سابق کے برخلاف کُلُّ پر رفع متعین ہے اس لئے کہ نصب کی صورت میں معنی کا فساد ظاہر ہے، اس لئے کہ اگر کُلُّ پر نصب پڑھا جائے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ انہوں نے ہر شئی کو لوح محفوظ میں داخل کیا ہے، حالانکہ لوح محفوظ میں داخل کرنے کا کام اللہ کا ہے نہ کہ مخلوق کا، اس کے علاوہ عالمین کے افعال کے علاوہ لوح محفوظ میں اور بہت سی چیزیں ہیں جن کا عالمین سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور رفع کی قراءت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو عمل بھی وہ کرتے ہیں وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔

قَوْلُهُ: أُرِيدَ بِهِ الْجَنَسُ، نَهْزٌ اگرچہ واحد ہے مگر جَنَّتِ چونکہ جمع ہے لہذا اس کی مناسبت سے جنس مراد ہے تاکہ اس میں جمع کے معنی کا لحاظ ہو جائے فواصل کی رعایت کے لئے مفرد لایا گیا ہے اور بعض قراءتوں میں نُهْرٌ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ اِی مقامِ حسن میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے فی مَقْعَدِ صَدَقٍ میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اِنَّ کی خبر ثانی ہو اور فی جَنَاتٍ خبر اول ہے، دوسری یہ کہ جنات سے بدل البعض ہو اس لئے کہ مَقْعَدِ صَدَقٍ جنات کا بعض ہے۔

قَوْلُهُ: وَغَيْرُهُ یہ اشارہ ہے کہ فی مَقْعَدِ صَدَقٍ بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ جنات، مَقْعَدِ صَدَقٍ پر مشتمل ہے۔ قَوْلُهُ: عِنْدَ مَلِيْكَ اِگر مَقْعَدِ صَدَقٍ کو بدل قرار دیا جائے تو عِنْدَ مَلِيْكَ اِنَّ کی خبر ثانی ہوگی اور اگر مَقْعَدِ صَدَقٍ کو اِنَّ کی خبر ثانی قرار دیا جائے تو عِنْدَ مَلِيْكَ خبر ثالث ہوگی۔

قَوْلُهُ: عِنْدَ اِشَارَةِ اِلَى الرِّتْبَةِ، عِنْدَ مَلِيْكَ میں عندیہ بطور مبالغہ تقرب فی المرتبہ کی تمثیل ہے اور عند سے قرب رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے قرب مکانی مقصود نہیں ہے چونکہ وہ جسم سے منزہ اور پاک ہے اور قرب و بعد مکانی جسم و جسمیات کا خاصہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیح

اُكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ (الآیہ) یہ مشرکین قریش سے خطاب ہے، مطلب یہ ہے کہ آخر تم میں کیا خوبی ہے یا تم میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں یا تمہارے لعل لٹکے ہوئے ہیں کہ جس کفر و تکذیب اور ہٹ دھرمی کی روش پر دوسری قوموں کو سزا دی جا چکی ہے وہی روش تم اختیار کرو تو تمہیں سزا نہ دی جائے؟ اور یہ کہ طاقت و قوت نیز دولت و ثروت میں بھی تم ان سے بڑھے ہوئے نہیں ہو بلکہ ان سے بدرجہا کمزور و ناتواں ہو جب ہم نے ان کو ان جرائم کی پاداش میں ہلاک کر دیا تو تمہاری کیا حقیقت و حیثیت اور تمہارا وجود ”چہ پدی چہ پدی کا شور با“ تم بلا وجہ اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہوئے ہو۔

یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی معافی نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم جو چاہو کرتے رہو تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، اور نہ تم پر کوئی غالب آسکتا ہے۔

یا ان کا کہنا یہ ہے کہ تعداد کی کثرت اور وسائل کی قوت کی وجہ سے کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے اور ہم جتھابند ہیں ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

ایک پیشنگوئی:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، یہ صریح پیشنگوئی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے کردی گئی تھی کہ قریش کی جمعیت جس کی طاقت کا انہیں بڑا زعم تھا، عنقریب مسلمانوں سے شکست کھا جائے گی، اس وقت کوئی شخص یہ تصور تک نہیں کر سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ انقلاب کیسے ہوگا؟ مسلمانوں کی بے بسی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک گروہ ملک چھوڑ کر حبش میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا، اور باقی ماندہ اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنہیں قریش کے مقاطعہ اور محاصرہ نے بھوکوں مار دیا تھا، اس حالت میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جائے گا؟ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جب سورہ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کونسی جمعیت ہے جو شکست کھا جائے گی، مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ جب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ ہزیمت جس کی خبر دی گئی تھی۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم)

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَذْهَىٰ وَاَمَرٌ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں غزوہ بدر کے موقع پر جو مشرکین مکہ کو سزا ملی قتل کئے گئے اور قیدی بنائے گئے، یہ ان کی آخری سزا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی

جائیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر:

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ائمہ اہل سنت نے اس آیت اور اسی جیسی دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الہی کا اثبات کیا ہے جس کا فرقہ قدریہ انکار کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز الٰہی نہیں پیدا کر دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر اور منصوبہ بندی ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے اور خاص شکل و صورت اختیار کرتی ہے ایک خاص مدت تک نشوونما پاتی ہے ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے، اسی عالمگیر ضابطہ کے مطابق خود اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق ایک وقت خاص تک یہ چل رہی ہے اور ایک وقت خاص پر اسے ختم ہونا ہے۔

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ (الآیۃ) یعنی قیامت برپا کرنے کے لئے ہمیں کوئی بڑی تیاری نہیں کرنی ہوگی اور نہ اسے لانے میں کوئی بڑی مدت صرف ہوگی، ہماری طرف سے ایک حکم صادر ہونے کی دیر ہے، حکم صادر ہوتے ہی پلک جھپکتے قیامت برپا ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا شِعَابَكُمْ فِہْلَ مِنْ مَذْکُورٍ یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی خدائے حکیم و عادل کی خدائی نہیں بلکہ کسی اندھے راجا کی چوٹ نگری ہے جس میں آدمی جو کچھ چاہے کرتا پھرے، کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں تو تمہاری آنکھ کھولنے کے لئے انسانی تاریخ موجود ہے جس میں اسی روش پر چلنے والی قومیں پے درپے تباہ کی جاتی رہی ہیں۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اس غلط فہمی میں بھی نہ رہیں کہ ان کے کئے ہوئے کالے کر توت غائب اور مفقود ہو گئے ہیں، نہیں، ہر شخص، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا پورا ریکارڈ محفوظ ہے اور اپنے وقت پر وہ سامنے آ جائے گا۔

﴿مَتْنٌ﴾

سُورَةُ الرَّحْمَنِ نَبِيَّةٌ هِيَ ثَمَانٌ وَسَبْعُونَ آيَةً مَكِّيَّةٌ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآيَةُ)
فَمَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اَوْ ثَمَانٌ وَسَبْعُونَ آيَةً.

سورہ رحمن مکی ہے (یا) اِلَّا یسألہ الآیہ مدنی ہے اور وہ ۶۷/۷۸ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ الرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ مَنِ شَاءَ الْقُرْآنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ اِی الْجَنَسِ
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۙ النُّطْقَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ حُسْبَانٌ ۙ بِحِسَابٍ یَّجْرِیَانِ ۙ وَالنَّجْمُ مَالًا سَاقٍ لِّهِ مِنَ النَّبَاتِ وَالشَّجَرِ مَالَهُ
سَاقٍ یَّسْجُدْنَ ۙ یَخْضَعَانِ بِمَا یُرَادُ مِنْهُمَا ۙ وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۙ اَثْبَتَ الْعَدْلَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا اِی لَا جَلَ اَنْ لَا
تَجُورُوا فِی الْمِيزَانِ ۙ مَا یُوزَنُ بِهِ ۙ وَاقِیْمُوا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ ۙ بِالْعَدْلِ وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۙ تَنْقُضُوا الْمَوْزُونَ
وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا اَثْبَتَهَا لِلْاَنَامِ ۙ لِنُخْلِقَ الْاِنْسَ وَالْجِنَّ وَغَیْرِهِمْ ۙ فِیْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَالنَّخْلُ السَّعْهُودُ ۙ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۙ
اَوْعِیَةُ طُلُعِهَا ۙ وَالْحَبُّ كَالْحِنْطَةِ ۙ وَالشَّعِیْرُ ذُو الْعَصْفِ ۙ الشَّیْنِ وَالرَّیْحَانُ ۙ الْوَرْقُ وَالْمَشْمُومُ ۙ فِیْهَا اِلَآءٌ نِّعَمٌ
مَّرَبُّكُمْ ۙ یَاۤیُّهَا الْاِنْسُ وَالْجِنُّ تُكْذِبْنَ ۙ ذُكِّرَتْ اَحَدِیْ وَثَلٰثِیْنَ مَرَّةً ۙ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِیْهَا لِلتَّقْرِیْرِ لَمَّا رَوٰی الْحَاكِمُ
عَنِ جَابِرٍ قَالَ قَرَأَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُورَةَ الرَّحْمٰنِ حَتّٰی خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَالِیْ اَرَكُمُ
سُكُوْتًا لِلْجِنِّ كَانُوْا اَحْسَنَ مِنْكُمْ رَدًّا مَا قَرَأْتُ عَلَیْهِمْ هَذِهِ الْاِیَةَ مِنْ مَرَّةٍ فَبَاۤیَ الْاِیَةِ رَبُّكُمْ تُكْذِبْنَ ۙ اَلَا قَالُوْا
وَلَا بِشَیْءٍ ۙ مِنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نَكَذِبُ ۙ فَلَكَ الْحَمْدُ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَدَمٌ مِنْ صَلْصَالٍ طِیْنٍ یَّابِسٍ یُسْمَعُ لَهُ صَلْصَلَةٌ
اِی صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ ۙ كَالْفَخَّارِ ۙ وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنَ الطِّیْنِ ۙ وَخَلَقَ الْجَانَ اَبَا الْجِنِّ وَهُوَ ابْلِیْسُ ۙ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۙ هُوَ
لَهُبُّهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ ۙ فَبَاۤیَ الْاِیَةِ رَبُّكُمْ تُكْذِبْنَ ۙ رَبُّ الْمَشْرِقِیْنَ مَشْرِقِ الشِّتَاءِ وَمَشْرِقِ الصَّیْفِ ۙ وَرَبُّ الْمَغْرِبِیْنَ ۙ
كَذٰلِكَ فَبَاۤیَ الْاِیَةِ رَبُّكُمْ تُكْذِبْنَ ۙ مَرَجٌ اَرْسَلَ الْبَحْرَیْنِ الْعَذْبَ وَالْمِلْحَ ۙ یَلْتَقِیْنَ ۙ فِی رَاۤیِ الْعَیْنِ ۙ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ
حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَتِهِ تَعَالٰی ۙ لَا یَبْغِیْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلٰی الْاُخْرِ فِیْخْتَلِطُ بِهِ ۙ فَبَاۤیَ الْاِیَةِ رَبُّكُمْ تُكْذِبْنَ ۙ یَخْرُجُ

بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِلِ مِنْهُمَا مَنْ مَجْمُوعُهُمَا الصَّادِقُ بَاخِدُهُمَا وَهُوَ الْمِلْحُ اللَّوْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ خَرَزٌ أَحْمَرٌ أَوْ صِغَارُ اللَّوْلُؤِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

ع

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، رحمن نے جس کو چاہا قرآن سکھلایا

انسان یعنی جنس انسان کو پیدا فرمایا اس کو گفتگو کرنا سکھلایا سورج اور چاند مقررہ حساب سے چلتے ہیں اور بلیں یعنی وہ

گھاس جس کا تانہ ہو اور شجر یعنی تنے دار درخت، جو ان سے مطلوب ہے اس کے تابع ہیں، اور اسی نے آسمان کو بلند و بالا

کیا اور میزان رکھ دی یعنی انصاف قائم کیا تاکہ تم لوگ تول میں تجاوز نہ کرو اور تاکہ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور

تول میں کم نہ دو یعنی وزن میں کمی نہ کرو اور مخلوق یعنی جن وانس وغیرہ کے لئے زمین بچھا دی جس میں میوے ہیں اور کھجور

کے درخت ہیں جو معلوم ہیں جن کے (پھلوں) پر غلاف ہوتا ہے (اکمام) شگوفہ کا غلاف، اور غلہ جیسا کہ گندم اور جو

بھوسے والے اور پتوں والے (یا) خوشبو والے پھول پیدا کئے تو اے جن اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

کے منکر ہو جاؤ گے؟ (یہ آیت) ۳۱ مرتبہ ذکر کی گئی ہے اور استفہام اس میں تقریر کے لئے ہے، جیسا کہ حاکم نے جابر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سورہ رحمن پوری پڑھ کر سنائی، پھر فرمایا کیا بات ہے کہ

میں تم کو خاموش دیکھ رہا ہوں؟ جنات جواب کے اعتبار سے یقیناً تم سے بہتر تھے، میں نے جب بھی ان کو یہ آیت فَبِأَيِّ

الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ پڑھ کر سنائی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعْمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ

نہ کہا ہو (اے ہمارے پروردگار ہم تیری کسی نعمت کی بھی تکذیب (ناشکری) نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں

ہیں) اسی نے انسان آدم کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح کھنکھاتی تھی پیدا کیا (یعنی) ایسی خشک مٹی سے جس میں آواز تھی

جب بجایا جائے اور وہ ایسی مٹی ہے جس کو پکایا گیا ہو اور جنات کو (یعنی) ابوالجن کو اور وہ ابلیس ہے خالص آگ سے پیدا

کیا، اور مدارج آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ دونوں

مشرقوں سردیوں کی مشرق اور گرمیوں کی مشرق اور اسی طرح دونوں مغربوں کا رب ہے تو تم اپنے رب کی کون کون سی

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ شور اور شیریں دودریاؤں کو جاری کیا جو بظاہر ملے ہوئے ہیں، حقیقت میں ان دونوں کے

درمیان آڑ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آڑ ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے، یعنی ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر تجاوز

نہیں کر سکتا کہ اس سے خلط ملط ہو جائے تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور ان دونوں سے یعنی

دونوں کے مجموعہ سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں مجموعہ کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور وہ (دریائے) شور ہے

یخوج معروف اور مجہول دونوں ہے (لؤلؤ) بڑے سرخ موتی (مرجان) چھوٹے موتی تو تم اپنے رب کی کون کون سی

نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اللہ ہی کی ملک ہیں وہ جہاز (کشتیاں) جو دریا میں پہاڑوں کے مانند بلند ہیں، بلند اور عظیم

ہونے میں پہاڑوں کے مانند ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: الرَّحْمَنُ مبتداء مابعد اس کی خبر، تعدید اور اقامت حجت کے طور پر خبر بغیر عطف کے متعدد بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ یہاں بغیر عطف کے خبر متعدد ہیں، الرَّحْمَنُ مبتداء اور مابعد اس کی خبر، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو الرَّحْمَنُ کو پوری آیت نہیں مانتے اور جو لوگ پوری آیت مانتے ہیں، ان کے نزدیک الرَّحْمَنُ مبتداء محذوف کی خبر ہے اِی اللّٰہ الرَّحْمَنُ یا الرَّحْمَنُ مبتداء ہے اور دبنا اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلٌ: مَنْ شَاءَ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ عَلَّمَ متعدی بدو مفعول ہے اور مفعول اول اس کا محذوف ہے۔

قَوْلٌ: النطق گویائی، اظہار مافی الضمیر، یہ قوت حیوانات میں نہیں ہے۔

قَوْلٌ: بِحُسْبَانٍ یہ حَسَب کا مصدر مفرد ہے بمعنی حساب جیسا کہ غُفْرَان و کُفْرَان اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حِسَاب کی جمع ہو جیسا کہ شہاب کی جمع، شُهَبَان اور رَغِیْف کی جمع رُغْفَان (چپاتی) مطلب یہ ہے کہ شمس و قمر مقررہ حساب سے اپنے اپنے برجوں میں چلتے ہیں سر مو انحراف نہیں کرتے۔

قَائِلٌ: آفتاب کا قطر ۸۶۶۵۰۰ (آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو میل) ہے، اور وہ تیرہ لاکھ زمینوں کے مساوی ہے، آفتاب زمین کے مانند ٹھوس نہیں ہے اور نہ پانی کی طرح سیال بلکہ پانی سے ڈیڑھ گنا کثیف ہے (پتلے شہد کے مانند) (فلکیات جدیدہ)۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قَوْلٌ: اِی لَا جَلَّ اَنْ لَا تَجُوْرُوْا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلَّا تَطْغَوْا میں اَنْ مصدر یہ ہے نہ کہ نافیہ اور اَنْ سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

قَوْلٌ: اَکْمَامٍ، اکمام جمع کَمْر بمعنی شگونہ کا غلاف، جھلی۔

قَوْلٌ: اَلْاٰیٰ نَعْمَتِیْنَ وَ اِلٰی جِیْسَ مَعِیْ وَ حَضٰی و اِلٰی اَلٰی۔

قَوْلٌ: رَبُّ الْمَشْرِقِیْنَ، رَبُّ کے رفع کے ساتھ، رفع کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں ① یہ کہ رَبُّ الْمَشْرِقِیْنَ بترکیب اضافی مبتداء اور مَرَجَ الْبَحْرِیْنَ اس کی خبر، اور مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہو ② یہ کہ رَبُّ الْمَشْرِقِیْنَ مبتداء محذوف کی خبر، اِی هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِیْنَ ③ یہ کہ خَلَقَ کے فاعل سے بدل ہو، اور بعض حضرات نے مِنْ رَبِّکُمَا سے بدل مان کر مجرور بھی پڑھا ہے۔

قَوْلٌ: یَلْتَقِیَانِ یہ بَحْرَیْن سے حال ہے۔

قَوْلٌ: مَجْمُوْعُهُمَا الصّٰدِقُ بِاَحَدِهِمَا شارح کا یہ فرمانا کہ دونوں کے مجموعہ پر بھی واحد کا اطلاق صحیح ہے، صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مجموعہ سے بعض اسی وقت مراد لینا صحیح ہے جبکہ بعض سے متعدد مراد ہوں ورنہ تو جمع بول کر واحد مراد لینا درست نہیں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

نام:

اس سورت کا نام ”سورۃ رحمن“ ہے، جو کہ پہلے ہی لفظ سے ماخوذ ہے، حدیث میں اس کو عروس قرآن بھی کہا گیا ہے آپ نے فرمایا لکل شیء عروس وعروس القرآن، الرحمن (خازن) اس سورت کے مکی، مدنی ہونے میں اختلاف ہے، امام قرطبی نے چند روایات حدیث کی وجہ سے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے، ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر علماء تفسیر اس سورت کو بالعموم مکی قرار دیتے ہیں، اگرچہ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما، اور عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور قتادہ سے یہ قول منقول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، لیکن اول تو ان بزرگوں سے بعض دوسری روایات اس کے خلاف بھی منقول ہیں دوسرے اس کا مضمون مدنی سورتوں کی بہ نسبت مکی سورتوں سے زیادہ مشابہ ہے، ترمذی میں حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے سورۃ رحمن پوری تلاوت فرمائی لوگ سن کر خاموش رہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملہ پر پہنچتا تھا فَبِأَيِّ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے (لَا بَشِيءٌ مِّنْ نِّعْمِكَ رَبَّنَا نَكَذَّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا۔

سیرت ابن ہشام کی ایک روایت:

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، ابن الحق حضرت عروہ بن زبیر سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرام نے آپس میں کہا کہ قریش نے کبھی کسی کو علانیہ باواز بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا ہے، ہم میں کون ہے جو ان کو ایک دفعہ یہ کلام پاک سنا ڈالے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں یہ کام کرتا ہوں، صحابہ نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ وہ تم پر زیادتی کریں گے، ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہئے کہ جس کا خاندان زبردست ہو، تاکہ اگر قریش کے لوگ اس پر دست درازی کریں، تو اس کے خاندان والے اس کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوں، حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے یہ کام کر ڈالنے دو، میرا محافظ اللہ ہے پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے، جبکہ قریش کے سردار وہاں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عبداللہ نے مقام ابراہیم پر پہنچ کر پورے زور سے سورۃ رحمن کی تلاوت شروع کر دی، قریش کے لوگ پہلے تو سوچتے رہے کہ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر جب انہیں پتہ چلا کہ یہ وہ کلام ہے جسے محمد ﷺ خدا کے کلام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر تھپڑ

مارنے لگے مگر حضرت عبداللہ نے پرواہ نہ کی، پٹتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے، جب تک ان کے دم میں دم رہا قرآن سناتے چلے گئے، آخر کار جب وہ اپنا سو جا ہوا منہ لیکر پلٹے تو ساتھیوں نے کہا، ہمیں اسی چیز کا ڈر تھا، انہوں نے جواب دیا آج سے بڑھ کر یہ خدا کے دشمن میرے لئے کبھی ہلکے نہ تھے، تم کہو تو کل پھر ان کو قرآن سناؤں، سب نے کہا بس اتنا ہی کافی ہے، جو کچھ وہ نہیں سننا چاہتے تھے وہ تم نے انہیں سنا دیا۔ (سیرت ابن ہشام: جلد اول ص ۳۳۶)

شان نزول:

کہا گیا ہے کہ الرحمن عَلَّمَ الْقُرْآن اہل مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اس کو کوئی بشر سکھاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی وہ کہا کرتے تھے کہ الرحمن کیا ہے؟ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں شمار کرائی ہیں، عَلَّمَ الْقُرْآن میں اللہ تعالیٰ نے نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی ہے اور وہ نعمت قرآن ہے اس لئے کہ قرآن پر دارین کی سعادت کا مدار ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) عَلَّمَ الْقُرْآن کے فقرے سے آغاز کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نہ تو یہ کلام آپ کا خود طبع زاد ہے اور نہ کسی انسان وغیرہ کا سکھایا ہوا، بلکہ یہ اللہ الرحمن کا تعلیم فرمودہ ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ یعنی انسان بند و غیرہ سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گیا جیسا کہ ڈارون کا فلسفہ ارتقاء ہے؛ بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے، انسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے۔

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ بیان سکھانے کا مطلب ہے اظہار مافی الضمیر کا طریقہ سکھایا، ہر شخص اپنی مادری زبان میں اپنے مافی الضمیر کو بغیر سکھائے خود بخود ادا کر لیتا ہے یہی تعلیم الہی کا نتیجہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

الْشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَان انسان کے لئے جو نعمتیں حق تعالیٰ نے زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں اس آیت میں علویات میں سے شمس و قمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام ان دونوں سیاروں کی حرکت اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے۔

فَبَايَ الْاَءِ رَبِّ كَمَا تُكَدِّبُنِ یہ انسان اور جنوں دونوں سے خطاب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے، یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے، فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ الْخ انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا۔

سَيُّوَان: یہاں انسان کی تخلیق کو صلصال سے بتایا گیا، اور سورۃ الحجر میں مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَآءٍ مَّسْنُونٍ کالی سڑی ہوئی سیاہ مٹی سے تخلیق کرنا بیان کیا گیا، اور سورۃ الصافات میں مِنْ طِينٍ لَازِبٍ یعنی چپکتی ہوئی مٹی سے تخلیق بیان کی گئی ہے، اور سورۃ

آل عمران میں خلقہ من تراب عام مٹی سے تخلیق بیان ہوئی، آدم علیہ السلام کی تخلیق چار قسم کی مٹی سے قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور مذکورہ چاروں قسمیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بظاہر تعارض و تضاد معلوم ہوتا ہے۔

جواب: چاروں میں کسی قسم کا تضاد و تعارض نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ چاروں حالات مختلف زمانوں کے ہیں، تعارض کے لئے زمانہ کا متحد ہونا شرط ہے، اول اللہ تعالیٰ نے زمین سے تراب (مٹی) لی پھر اس مٹی میں پانی ملا کر آمیزہ (گارہ) بنایا جس میں چپکا ہٹ پیدا ہوگئی، پھر اس کو ایک زمانہ تک اسی حالت پر چھوڑ دیا تو حملاً مسنون سڑی ہوئی سیاہ رنگ کی ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصویر سازی کی جیسا کہ مٹی کے برتن بنائے جاتے ہیں اور پھر اس کو سکھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ سوکھ کر نہایت سخت ٹھیکرے کے مانند بجنے والی ہو جاتی ہے، یہاں پر آخری مرحلہ کا بیان ہے اس کے علاوہ میں کہیں ابتدائی مرحلہ کا بیان ہے اور کہیں درمیانی مرحلہ کا بیان ہے۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ، جان سے جنس جنات مراد ہے، اور مارِج آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں، انسان کی طرح جن بھی عناصر اربعہ سے بنا ہوا ہے، مگر جن میں ناری عنصر غالب ہے جیسا کہ انسان میں خاکی عنصر غالب ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ سے سردی گرمی کے مشرق و مغرب مراد ہیں شمس و قمر کا مطلع اور مغرب اگرچہ بہت قلیل مقدار میں روزانہ ہی بدلتا رہتا ہے اس لئے آسانی سے اس کا احساس نہیں ہوتا، گرمی سردی کے مشرق و مغرب میں چونکہ بین فرق اور نمایاں فاصلہ ہوتا ہے اس لئے صرف ان کا ہی ذکر کر دیا ہے، اور بعض حضرات نے مشرقین اور مغربین سے شمس و قمر کے مشرق و مغرب مراد لئے ہیں۔

كُلٌّ مِّنْ عَلَيْهَا اَيُّ الْاَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ ۚ فَاِنَّ ۙ هٰذَا لِكِ وَغَيْرَ بَمَنْ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ ۚ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذَاوَهُ ۙ ذُو الْجَلَالِ الْعَظَمَةِ ۚ وَالْاَكْرَامِ ۙ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنْعَمِهِ عَلَيْهِمْ ۙ فَبِاَيِّ الْاٰثَرِ كَيْفَا تَكْذِبُوْنَ ۙ ۝۸ يَسْئَلُهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيُّ بِنٰطِقٍ اَوْ حَالٍ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ كُلِّ يَوْمٍ ۚ هُوَ فِي شَأْنٍ ۙ ۝۹ اَمْرٌ يُظْهِرُهُ فِي الْعَالَمِ عَلَى وَفْقٍ مَا قَدَّرَهُ فِي الْاَزَلِ مِنْ اَحْيَاءٍ وَّامَاتٍ وَّاَعْزَازٍ وَّاَذْلَالٍ وَّاَغْنَاءٍ وَّاَعْدَامٍ وَّاِجَابَةٍ دَاعٍ وَّاَعْطَاءٍ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَبِاَيِّ الْاٰثَرِ كَيْفَا تَكْذِبُوْنَ ۙ ۝۱۰ سَنَفْرُغُ لَكُمْ ۙ سَنَقْصِدُ لِحِسَابِكُمْ اَيُّهُ الثَّقَلَيْنِ ۙ ۝۱۱ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ فَبِاَيِّ الْاٰثَرِ كَيْفَا تَكْذِبُوْنَ ۙ ۝۱۲ يَمْعُرُ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ اِنْ اَسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا تَخْرُجُوْا مِنْ اَقْطَارِ نَوَاجِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۚ اَمْرٌ تَعْجِزُ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۙ ۝۱۳ بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّةَ لَكُمْ عَلَىٰ ذَلِكَ فَبِاَيِّ الْاٰثَرِ كَيْفَا تَكْذِبُوْنَ ۙ ۝۱۴ يَرْسُلُ عَلَيْكُمْ سُوَاطِ مِّنْ نَّارِهِ ۚ هُوَ لَهَا بِهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ اَوْ مَعَهُ ۙ وَنُحَاسٌ اَيُّ دُخَانٍ لَّالْهَبِ فِيهِ ۚ فَلَا تَنْتَصِرْنَ ۙ ۝۱۵ تَمْتَنِعْنَ مِنْ ذَلِكَ بَلْ يَسُوْقُكُمْ اِلَى الْمَحْشَرِ ۙ فَبِاَيِّ الْاٰثَرِ كَيْفَا تَكْذِبُوْنَ ۙ ۝۱۶ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ اَنْفَرَجَتْ اَبْوَابًا لِّلْزُلُوْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ ۚ فَكَانَتْ وَرْدَةً اَيُّ بِشَلْهَا مُحَمَّرَةً ۚ كَالِدِهَانِ ۙ ۝۱۷ كَالْاَدِيمِ الْاَحْمَرِ عَلَى خِلَافِ الْعَهْدِ بِهَا

وَجَوَابُ إِذَا فَمَا أَغْظَمَ الْهَوْلَ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۵۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿۵۹﴾ عَنِ ذَنْبِهِ وَيُسْأَلُونَ فِي وَقْتِ الْخُرْفِ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ وَالْجَانُّ هُنَا وَفِي مَا سَيَاتِي بِمَعْنَى الْجِنِّي وَالْإِنْسُ فِيهِمَا بِمَعْنَى الْإِنْسِي فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۶۰﴾ يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَمِهِمْ أَيْ سَوَادِ الْوُجُوهِ وَزُرْقَةُ الْعَيُونِ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۶۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۶۲﴾ أَيْ تَضُمُّ نَاصِيَةَ كُلِّ مِنْهُمَا إِلَى قَدَمَيْهِ مِنْ خَلْفٍ أَوْ قُدَّامٍ وَيُلْقَى فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۶۳﴾ يَطُوفُونَ يَسْعَوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ مَاءٍ حَارٍ أَنْ شَدِيدَ الْحَرَارَةِ يُسْقَوْنَ إِذَا اسْتَغَاثُوا مِنْ حَرِّ النَّارِ وَهُوَ مَنَقُوصٌ كَقَاضٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: جو کچھ اس پر یعنی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے من سے تعبیر کیا

ہے (صرف) تیرے با عظمت مومنین پر اپنے انعاموں کا احسان کرنے والے رب کی ذات باقی رہ جائے گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور سب آسمان اور زمین والے اسی سے مانگتے ہیں یعنی زبان قال سے یا زبان حال سے (طلب کرتے ہیں) جس چیز کی ان کو حاجت ہوتی ہے خواہ عبادت پر قدرت ہو، یا رزق یا مغفرت وغیرہ وغیرہ پر وہ ہر وقت ایک شان میں رہتا ہے (یعنی ہمہ وقت) ایسے شغل میں رہتا ہے جس کو وہ عالم میں اس کے مطابق جو اس نے ازل میں مقدر کر دیا ہے مثلاً زندگی دینا اور موت دینا اور عزت دینا اور ذلیل کرنا، اور مالدار کرنا اور مفلس کرنا اور داعی کی دعاء کو قبول کرنا، اور سائل کو عطا کرنا وغیرہ وغیرہ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے انسانو اور جنو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے یعنی تمہارے حساب کی طرف متوجہ ہوں گے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے جن اور انسانوں کی جماعتو اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ امر تعجیز کے لئے ہے تم طاقت کے بغیر نہیں نکل سکتے اور تم کو اس کی طاقت نہیں سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ تمہارے اوپر آگ کے شعلے چھوڑے گا (شواظ) آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو، یا مع دھوئیں کے، اور خالص دھواں چھوڑے گا یعنی ایسا دھواں کہ جس میں شعلہ نہ ہو پھر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ وہ تم کو محشر کی طرف کھینچ کر لے جائے گا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ پس جب آسمان پھٹ جائے گا یعنی ملائکہ کے نزول کے لئے دروازے کھل جائیں گے اور چمڑے کے مانند سرخ ہو جائے گا جیسا کہ سرخ چمڑا (یعنی) سابقہ حالت کے برخلاف اور اِذَا کا جواب فَمَا أَغْظَمَ الْهَوْلَ (محذوف ہے) یعنی کس قدر ہولناک منظر ہوگا؟ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اس دن کسی انسان اور جن کے گناہوں کی پرش نہ ہوگی اور دوسرے وقت میں پرش ہوگی (جیسا کہ فرمایا) فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ یعنی قسم ہے تیرے رب کی ہم ضرور ان سے باز پرس کریں گے، اور جان یہاں اور آئندہ جنئی کے معنی میں ہے، اور انس بھی مذکورہ مقاموں میں انسی کے معنی میں ہے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ مجرم اپنے حلیوں سے پہچانے جائیں گے یعنی چہروں

کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگوئی سے، ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑے جائیں گے، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ یعنی ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پیچھے سے یا آگے سے قدموں سے ملا دی جائے گی اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا، یہی ہے وہ جہنم جس کی مجرم تکذیب کرتے تھے، جہنم اور شدید گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے (یعنی) دوڑیں گے، آگ کی گرمی سے جب فریاد کریں گے تو گرم پانی پلائے جائیں گے، (آن) قاص کے مانند منقوص ہے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِی الْاَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ مفسر علام نے عَلَیْهَا کی تفسیر اِی الْاَرْضِ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جنت و نار، حور و غلمان فنا نہیں ہوں گے؛ بلکہ زمین کی اشیاء فنا ہوں گی، نیز کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَانٍ سے یہود پر رد ہو گیا، یہود کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں پوری کائنات کو پیدا فرمایا جمعہ کے دن آخری وقت میں حضرت آدم کی تخلیق فرمائی اور شنبہ کے دن کوئی کام نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ یہود ہفتہ کو چھٹی کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: سَنَقْصِدُ، سَنَفْرَغُ لَكُمْ کی تفسیر سَنَقْصِدُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ فراغت سے مراد توجہ اور قصد کرنا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی مصروفیت نہیں ہوتی کہ دیگر امور میں مشغولیت سے مانع ہو، اس قسم کی مشغولیت مخلوق کا خاصہ ہے۔

قَوْلُهُ: ثَقْلَانِ جن و انس کو ثقلان اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حیاة و مماتہ زمین پر ثقل ہوتے ہیں۔

قَوْلُهُ: فَانْفِذُوا امر تعجیز کے لئے ہے یعنی اگر تم ہماری حدود و سلطنت سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فاتوا بسورة مِّن مِّثْلِهِ۔

قَوْلُهُ: كَالِدِهَانِ، کانت کی خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے اور وردہ کی صفت بھی نیز کانت کے اسم سے حال بھی، دِهَانٌ دُهْنٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے، جیسے رُمَحٌ و رِمَاحٌ اس صورت میں دِهَانِ تلچھٹ کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ دوسری آیت میں آسمان کو تلچھٹ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاوَاتُ کَالْمُهْلِ اَوْرُمُهْلٍ تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ دِهَانِ اسم مفرد ہو جیسا کہ زخشری نے کہا ہے کہ دِهَانِ اسم لما یَذْهَبُ بہ۔

قَوْلُهُ: وَالْجَانُّ هَهُنَا و فیما سیاتی بمعنی الجنی وَالْاِنْسُ فِیْهِمَا بمعنی الْاِنْسِی اس پوری عبارت کے اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤَالٌ: یہ ہے کہ جان اور انس یہ دونوں اسم جنس ہیں اور سوال جنس سے نہیں بلکہ افراد جنس سے ہوتا ہے۔

جَوَابٌ: اسی سوال کا جواب دینے کے لئے مفسر علام نے فرمایا جَانُّ، جِنِّی کے اور اِنْسُ، اِنْسِی کے معنی میں ہے اور یہ

دونوں جنس کے افراد میں سے ہیں، یہ دونوں ان الفاظ میں سے ہیں کہ جن کی جنس اور فرد میں امتیازِ یاء کے اضافہ سے ہوتا ہے، جیسے زنج اور زنجی میں ہے۔

قَوْلًا: زَرْقَةُ الْعُیُونِ نیلگوں آنکھیں، اس کو گر بہ چشم بھی کہتے ہیں، اس کو کرنجی آنکھیں بھی کہتے ہیں۔
قَوْلًا: اَنْ یَّہِ اِنِّیَّ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے کھولتا ہوا پانی۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَاَنْ، عَلَیْهَا کی ضمیر کا مرجع، اَرْض ہے جس کا ذکر وَالْاَرْضُ وَضَعَهَا لِلْاِنَامِ ماقبل میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ الارض ان عام اشیاء میں سے ہے جن کی طرف ضمیر راجع کرنے کے لئے پہلے، مرجع کا ذکر لازم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جو جنات اور انسان زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اس میں جن وانس کے ذکر کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس سورت میں مخاطب یہی دونوں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان اور آسمان والی مخلوقات فانی نہیں ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے عام لفظوں میں پوری مخلوقات کا فانی ہونا بھی واضح فرما دیا ہے كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ مذکورہ دوسری آیت سے لیکر آیت ۳۰ تک اللہ تعالیٰ نے دو حقیقتوں کو بیان فرمایا ہے۔

ایک یہ کہ نہ تو تم خود لا فانی ہو اور نہ وہ سروسامان لازوال ہے جس سے تم اس دنیا میں متمتع ہو رہے ہو، لازوال اور لا فانی تو صرف اس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں، اب اگر تم میں سے کوئی شخص گھمنڈ و غرور میں مبتلا ہو کر ”ہم چومن دیگرے نیست“ کا نعرہ بلند کرتا ہے تو یہ محض اس کی بے وقوفی اور کم ظرفی ہے، اپنے ذرا سے دائرہ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، چند بندے جو اس کے گرد جمع ہو جائیں، ان کا بزعم خویش خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے، کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک رائی کے دانے کے برابر نہیں ہے، اس کے ایک کونے میں دس بیس سال یا سو پچاس سال جو خدائی اور کبریائی چلے اور قصہ پارینہ اور داستان ماضی بن جائے وہ آخر کیا خدائی؟ اور کیا کبریائی ہے؟ جس پر پھولے نہ سمائے۔

دوسری اہم حقیقت جس پر ان دونوں مخلوقوں کو متنبہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے سوا دوسری جن ہستیوں کو بھی تم معبود و مشکل کشا اور حاجت روا بنائے ہوئے ہو خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء و اولیاء یا چاند اور سورج یا دیوی دیوتا یا اور کسی قسم کی مخلوق، ان میں سے کوئی تمہاری حاجت کو پورا نہیں کر سکتا، وہ بے چارے تو خود اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے اللہ کے محتاج ہیں، ان کے ہاتھ تو خود اس کے آگے پھیلے ہوئے ہیں وہ خود اپنی حاجت روائی نہیں کر سکتے تو تمہاری مشکل کشائی کیا خاک کریں گے، اس ناپیدا کنار کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، تنہا ایک خدا کے حکم سے ہو رہا ہے، اس کی کار فرمائی میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

کُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ یعنی ہر وقت اس کا رگاہ عالم میں اس کی کارفرمائی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، ظاہر ہے کہ پوری کائنات میں ارضی اور سمائی مخلوقات کی بے شمار حاجتیں ہیں، جن کو ہر گھڑی اور ہر آن سوائے اس عظمت و جلال والے قادر مطلق کے کون سن سکتا ہے، اور کون ان کو پورا کر سکتا ہے، اسی لئے کُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ یعنی ہر لحظہ اور ہر لمحہ حق تعالیٰ کی ایک شان ہوتی ہے وہ کسی کو زندہ کرتا ہے کسی کو موت دیتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے تو کسی کو ذلیل کرتا ہے کسی تندرست کو بیمار کرتا ہے تو کسی مریض کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے تو کسی کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے کسی کو زلاتا ہے تو کسی کو بنساتا ہے، کسی کو عطا کرتا ہے تو کسی سے سلب کرتا ہے، کسی کو باقتدار کرتا ہے تو کسی کو اقتدار سے محروم کرتا ہے، کسی کو سر بلند کرتا ہے تو کسی کو قعر مذلت میں دھکیل دیتا ہے، غرضیکہ اللہ جل شانہ کی ہر آن اور ہر لمحہ ایک عجیب و نرالی شان ہوتی ہے۔

سَنَفَرُغْ لَكُمْ آيَةَ الْثَّقَلَانِ، ثَقْلَانِ، ثِقْلٌ کا تثنیہ ہے، ثقل خاص طور پر اس بوجھ کو کہتے ہیں جو کسی پر لدا ہوا ہو اور قابل قدر شئی کو بھی کہتے ہیں ایک حدیث میں یہی معنی مراد ہیں، مراد اس سے جنات اور انسان ہیں اس لئے کہ شروع سے روئے سخن انہی کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ اے جن اور انسانو! جو زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہو میں عنقریب تمہاری خبر لینے کے لئے متوجہ ہونے والا ہوں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ ایسا مشغول ہے کہ اسے ان نافرمانوں سے باز پرس کرنے کی فرصت نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے ایک خاص اوقات نامہ مقرر کر رکھا ہے جس کے مطابق وہ اس کائنات کے تصرفات میں عمل پیرا ہے جب جس کام کا وقت آجائے گا تو وہ کام اس وقت پر ہو جائے گا، فی الوقت اس امتحان گاہ میں پہلے دور (امتحان) کا سلسلہ چل رہا ہے، وقت پورا ہوتے ہی ایک لخت امتحان کا سلسلہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ امتحان گاہ بھی ختم کر دی جائے گی، اس کے بعد اس سلسلہ کا دوسرا دور شروع ہوگا، جس میں جن اور انسانوں کے اعمال کی جانچ شروع ہوگی اولین و آخرین کو از سر نو زندہ کر کے جمع کیا جائے گا، اس اوقات نامہ کے اعتبار سے یہ دوسرے دور کی کارروائی ہوگی، اس اوقات نامے کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے کہ ابھی پہلے دور کا کام چل رہا ہے، دوسرے دور کا وقت ابھی نہیں آیا۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ (الآية) اس کا مطلب یہ ہے کہ اے جن اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم بھاگ جائیں گے اور موت کے چنگل سے بچ جائیں گے، یا میدان حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے، اور حساب و کتاب سے بچ جائیں گے تو لو اپنی قوت آزما دیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کے دائرہ سے باہر نکل جاؤ، تو نکل کر دکھاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاِظٌ (الآية) حضرت ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ شَوْاِظٌ ضمہ شین کے ساتھ، آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اور فحاس اس دھوئیں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ نہ ہو، اس آیت میں بھی جن و انس کو مخاطب کر کے ان پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑنے کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے جہنم کے مجرمین کو مذکورہ دونوں قسم کا عذاب دیا جائے، اور بعض مفسرین نے اس آیت کو پچھلی آیت کا تکرار قرار دیکر یہ معنی کئے ہیں کہ اے جن و انسانو! آسمانوں کی حدود سے نکل

جانا تمہارے بس کی بات نہیں، اگر تم ایسا ارادہ کر بھی لو تو جس طرف تم بھاگ کر جاؤ گے تو آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بگولے تمہیں گھیر لیں گے (ابن کثیر) اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کرے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ اس کی تشریح آگے والا فقرہ يُعْرِفُ الْمَجْرُمُونَ بِسَيِّئِهِمْ فَيَوْمَئِذٍ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ کر رہا ہے، کہ مجرم اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ اس عظیم الشان مجمع میں جہاں تم اولین اور آخرین جمع ہوں گے، یہ پوچھتے پھرنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ کون کون لوگ مجرم ہیں؟ مجرموں کے اترے ہوئے چہرے اور ذلت و ندامت سے جھکی ہوئی آنکھیں اور بدن سے چھوٹا ہوا پسینہ خود ہی یہ راز فاش کر دیں گے، اگر باز پرس ہوگی تو اس بات کی کہ تم نے یہ جرم کیوں کیا؟ نہ یہ کہ کیا یا نہیں، یہ بعض مقام کا بیان ہے۔

نَوَاصِي، ناصیہ کی جمع ہے، پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں نَوَاصِي وَالْأَقْدَامِ سے پکڑنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، اور کسی کو ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں کو ایک جگہ جکڑ دیا جائے گا اور ڈنڈا ڈولی کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

وَلِمَنْ خَافَ اٰی لِكُلِّ مِنْهُمَا اَوْ لِمَجْمُوعِهِمْ مَّقَامَرَاتِهِمْ قِيَامَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرِكَ مَعْصِيَتَهُ جَنَّتَيْنِ ۝
فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ ذَوَاتَا تَشْنِیْهُ ذَوَابِ عَلٰی الْاَصْلِ وَلَا مُهَابِاءَ اَفْنَانِ ۝ اَغْصَانِ جَمْعُ فَنٍ كَطَلَلِ
فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ فِیْهِمَا عِیْنٌ تَجْرِیْنِ ۝ فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ فِی الدُّنْیَا اَوْ كُلِّ مَا
یُتَفَكَّهُ بِهِ زَوْجِنِ ۝ نَوْعَانِ رَطْبٌ وَیَابِسٌ وَالْمُرْسَمَانِ فِی الدُّنْیَا كَالْحَنْظَلِ خُلُوْا فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝
مُتَكَبِّرٰتٍ حَالٌ غَامِلٌ مَخْذُوْطٌ اٰی یَتَنَعَّمُوْنَ عَلٰی فُرُشٍ بَطَلْنِهِنَّ مِنْ اِسْتَبْرَقٍ مَا غُلِظَ مِنَ الدِّیْبَاجِ وَخَشِنَ
وَالظُّهَّائِرُ مِنَ السُّنْدُسِ وَجَنَّتَيْنِ الْجَنَّتَيْنِ نَمْرُهُمَا دَانِ ۝ قَرِیْبٌ یِّنَالَهُ الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ
فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ فِیْهِنَّ فِی الْجَنَّتَيْنِ وَمَا اُسْتَمَلَّتَا عَلَیْهِ مِنَ الْعُلَاقِیِ وَالْقُصُورِ قُصِرَتْ الظُّرُفُ الْعِیْنِ عَلٰی
اَزْوَاجِهِنَّ الْمُتَكَبِّرٰتِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَمْ یَطْمَئِنَّ یَفْتَضُّهُنَّ وَهْنٌ مِنَ الْخُورِ اَوْ مِنْ نِسَاءِ الدُّنْیَا الْمُنْشَاتِ
اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ صَفَاءً وَالْمَرْجَانُ ۝ اٰی اللُّوْلُؤُ بِیَاضًا
فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ هَلْ مَا جَزَاءُ الْاِحْسَانِ بِالطَّاعَةِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ بِالنَّعِیْمِ فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝
وَمِنْ دُونِهِمَا اٰی الْجَنَّتَيْنِ الْمَذْكُوْرَتَيْنِ جَنَّتَيْنِ ۝ اٰیضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝
مُدْهَامَتَيْنِ ۝ سَوْدَاوَانِ مِنْ شِدَّةِ خُضْرَتِهِمَا فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ فِیْهِمَا عِیْنٌ نَضَّاحَتَيْنِ ۝ فَوَارَتَانِ
بِالْمَاءِ لَا یَنْقَطِعَانِ فَبَايَ الْاَعْرَبِكُمْ تَكْذِبُنِ ۝ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝ هُمَا مِنْهَا وَقِیلٌ مِنْ غَیْرِهَا

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ^{۶۹} فِيهِنَّ أَى الْجَنَّتَيْنِ وَقُصُورُهُمَا خَيْرٌ مِنْ أَخْلَاقِ حِسَانٍ^{۷۰} وَجُوهَهَا فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ^{۷۱}
 حُورٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ الْعُيُونِ وَبَيَاضُهَا مَقْصُورَاتٌ مَسْتُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ^{۷۲} مِنْ دُرٍّ مُجَوَّفٍ مُضَافَةٌ إِلَى الصُّورِ
 شَبِيهَةٌ بِالْخُدُورِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ^{۷۳} لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ قَبْلَ ازْوَاجِهِنَّ وَلَا جَانٌ^{۷۴} فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ^{۷۵}
 مُتَكَيِّنَ أَى ازْوَاجِهِنَّ وَاعْرَابَهُ كَمَا تَقَدَّمَ عَلَى رَفِيفٍ خَضِرٍ جَمْعُ رَفْرَفَةٍ أَى بُسْطٍ أَوْ وَسَائِدٍ وَعَبَقْرِيَّ حِسَانٍ^{۷۶}
 جَمْعُ عَبَقْرِيَّةٍ أَى طَنَافِسٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ^{۷۷} تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِى الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ^{۷۸} تَقَدَّمَ وَلَفْظُ اسْمٍ زَائِدٌ.

۱۰۰

ترجمہ: اور اس شخص کے لئے یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے یا دونوں کے مجموعہ کے لئے جو اپنے رب کے روبرو

حساب کے لئے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اس کی نافرمانی ترک کر دی دو باغ ہیں سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (دونوں باغ) کثیر شاخوں والے (گھنے) ہوں گے ذَوَاتَا، ذَوَاتُ کا تثنیہ ہے اصل کے مطابق اور اس کا لام یاء ہے، أَفْنَان، فَنَن کی جمع ہے (جیسا کہ) أَطْلَال، طَلَل کی جمع ہے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دنیاوی ہر قسم کے میوؤں کی یا ہر اس میوے کی جس سے تفکہ حاصل کیا جائے دو قسمیں ہیں تر اور خشک اور ان دونوں قسم کے میوؤں سے دنیا میں جو کڑوا ہے، جنت میں وہ شیریں ہوگا، جیسا کہ حَظْل (صبر) سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز سبز ریشم کے ہوں گے متکئین حال ہے، اس کا عامل يَتَنَعَّمُونَ محذوف ہے، استبرق، ریشم کے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دبیز اور کھردرا ہو اور ابرا (اوپر کا کپڑا) سندس یعنی باریک ریشم کا ہوگا، اور ان دونوں باغوں کے پھل بالکل قریب قریب ہوں گے جن کو کھڑے ہونے والا اور بیٹھنے والا اور لیٹنے والا (بھی) لے سکتا ہے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان باغوں میں اور جس پر وہ باغ مشتمل ہوں گے (مثلاً) بالا خانے اور محلات وغیرہ ایسی عورتیں ہوں گی جو اپنی نظروں کو جن و انس میں سے اپنے شوہروں پر محبوس کئے ہوں گی جو ٹیک لگائے ہوں گے ان سے پہلے ان میں نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ جن نے یعنی ان سے کسی نے وطی نہ کی ہوگی اور وہ حوروں کے قبیل سے ہوں گی، یا دنیا کی عورتوں کے قبیل سے ہوں گی جن کو (ولادت کے توسط کے بغیر) پیدا کیا گیا ہوگا، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ حوریں صفائی میں یا قوت کے اور سفیدی میں موتی کے مانند ہوں گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ بھلا اطاعت کا بدلہ نعمتوں کے احسان کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے؟ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ مذکورہ دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور بھی ہیں جو درجے میں ان سے کم ہوں گے، اس کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے ان کی سبزی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے سو تم اپنے رب کی کون کون سی

نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو ایسے پانی سے جوش مارتے ہوں گے جو کبھی منقطع نہ ہوگا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اور ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے وہ دونوں (یعنی) کھجور اور انار فواکہ سے ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ سے ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اور ان باغوں (کے مکانوں میں) خوبصورت عورتیں ہوں گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ وہ عورتیں گوری گوری رنگت والی اور ان کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ اور سفیدی نہایت سفید ہوگی، وہ دُرّ مجوف کے خیموں میں مستور ہوں گی، حال یہ کہ وہ خیمے محلوں پر اضافہ شدہ اوڑھنی کے مشابہ ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان سے پہلے ان پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا، اور نہ کسی جن نے، یعنی ان کے شوہروں سے پہلے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان کے شوہر سبز مسندوں اور عمدہ گدوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، اور اس کا اعراب ماقبل میں گذرے ہوئے کے مانند ہے، زعفران، زعفرانہ کی جمع ہے سبز تکیوں کو کہتے ہیں، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت اور جلال والا ہے اور لفظ اسمُ زائد ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: قِيَامُهُ یہ مقام کی تفسیر ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام مصدر ہے۔
قَوْلُهُ: ذَوَاتِ عَلَى الْاَصْلِ وَلَا مُهَيَّاءٌ، ذَاتٌ کے تشبیہ میں دو لغت ہیں، ایک اصل کے اعتبار سے دوسرے لفظ کے اعتبار سے، ذات کی اصل ذَوِيَّةٌ ہے اس میں عین کلمہ واو ہے اور لام کلمہ یاء ہے، اس کا مفرد اصل میں ذَوَاتٌ ہے، اصل کے مطابق اس کا تشبیہ ذَوَاتَانِ ہے، اضافت کی وجہ سے نون تشبیہ ساقط ہو گیا، جس کی وجہ سے ذَوَاتَا رہ گیا، اور مفرد کو خلاف اصل ذات ہی استعمال کیا۔ (ترویج الارواح)

قَوْلُهُ: جَمْعُ فَنَنْ جیسا کہ اَطْلَال جمع طَلَل اس اضافہ و تشریح سے مفسر علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَفْنَان، فَنَنْ کی جمع ہے نہ کہ فَنُّ کی جیسا کہ اَطْلَال، طَلَل کی جمع ہے نہ کہ طَلُّ کی۔

قَوْلُهُ: وَجَنَّا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ، جَنَّا الْجَنَّتَيْنِ مبتداء اور دَان اس کی خبر جنئی بمعنی معجنی ہے اور دَان اصل میں دانو تھا۔

قَوْلُهُ: فِي الْجَنَّتَيْنِ وَمَا اشْتَمَلْنَا الْخ یہ فیہن کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُؤَالٌ: فِيهِنَّ کا مرجع جنتان ہے جو کہ تشبیہ ہے لہذا اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی تشبیہ ہونی چاہئے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے مفسر علام نے وَمَا اشْتَمَلْنَا عَلَيْهِ مِنَ الْعَلَالِي وَالْقُصُور کا اضافہ کر کے اسی سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فِیْہُنَّ کا مرجع فقط جَنَّتَانِ ہی نہیں ہے بلکہ وہ بھی ہیں جن کو جنان شامل ہیں مثلاً محلات اور بالا خانے وغیرہ۔

قَوْلٌ: مِنْ نِّسَاءِ الدُّنْيَا الْمُنْشَاتِ، نِسَاءِ الدُّنْيَا کی صفت المنشآت لا کر اشارہ کر دیا کہ دنیا کی عورتیں بھی اہل جنت کو ملیں گی مگر ان کو نئے سرے سے بنایا جائے گا یعنی دوبارہ ان کی تخلیق ہوگی مگر یہ تخلیق ولادت کے واسطے سے نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دست قدرت سے بنائیں گے۔

قَوْلٌ: صَفَاءً وَبَيَاضًا جنتی عورتوں کو صفائی میں یا قوت اور سفیدی میں لَوْلُو کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے نہ کہ ان کی تمام صفات میں۔

قَوْلٌ: هَلْ مَا جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ، هَلْ کا استعمال چار طریقہ پر ہوتا ہے بمعنی قَدْ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ① هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ ② بمعنی استفہام، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ③ بمعنی الامر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ④ بمعنی نفی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْيَمِينُ یہاں بھی هَلْ بمعنی نفی ہے۔

قَوْلٌ: مُدْهَامَّتَانِ یہ الدُّهُمَةُ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں سیاہی، اسی سے فَرَسٌ اذْهَمُ ہے، اور سبزی جب شدید ہو جاتی ہے تو وہ سیاہی مائل ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: وَهُمَا مِنْهَا لَيْسَ نَخْلٌ اور رُمَّانٌ یہ دونوں امام ابو یوسف رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ اور محمد رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کے نزدیک فواکہ میں شمار ہیں اور امام ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کے نزدیک فواکہ میں شامل نہیں ہیں، اس لئے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ دُرِّ مُجَوَّفٍ، مُضَافَةً إِلَى الْقُصُورِ شَبِيہًا بِالْخُدُورِ یعنی وہ خیمے درجوف کے ہوں گے یعنی اتنا بڑا موتی ہوگا کہ جس کو اندر سے خالی کر کے خیمہ بنایا جائے گا، اور مضافۃً الی القصور کا مطلب ہے وہ خیمے قصر (محل) کے اندر ہوں گے اور بمنزلہ اوڑھنی کے ہوں گے جیسا کہ گھر کے اندر عورتیں ہوتی ہیں اور ن کے سروں پر اوڑھنی بھی ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: عَبْقَرِيٍّ یہ عَبْقَرٍ کی طرف منسوب ہے عرب کا خیال ہے کہ وہ جنوں کی ایک بستی ہے لہذا ہر عجیب و غریب چیز کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور قاموس میں ہے کہ عَبْقَرٍ اس مقام کا نام ہے جہاں جنات بکثرت ہوتے ہیں، اور عَبْقَرِيٍّ اس کو کہتے ہیں جو ہر طرح سے کامل ہو۔ (اعراب القرآن ملخصاً)

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

رابط:

سابقہ آیتوں میں جن و انس پر دنیوی نعمتوں اور مجرمین کی سزاؤں کا ذکر تھا، ان آیات میں اخروی نعمتوں اور صالحین کے بہتر صلہ کا ذکر ہے، اور اہل جنت کے دو باغوں کا ذکر اور ان میں جو نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے اس کے بعد دوسرے

باغوں کا اور ان میں مہیا کی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہے۔

پہلے دو باغ جن حضرات کے لئے مخصوص ہیں ان کو تو لِسْمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ سے متعین کر کے بتلادیا ہے، یعنی ان اعلیٰ قسم کے دو باغوں کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ہر وقت ہر حال میں اللہ کے سامنے قیامت کے روز کی پیشی اور حساب و کتاب سے ڈرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ کسی گناہ کے پاس نہیں جاتے اور وہ اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ انہیں دنیا میں غیر ذمہ دار شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا گیا بلکہ ایک روز مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، ظاہر بات ہے کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا وہ لامحالہ خواہشات نفس کی بندگی سے بچے گا، اور حق و باطل، ظلم و انصاف، حلال و حرام، پاک و ناپاک میں تمیز کرے گا، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ سابقین اور مقربین خاص ہی ہو سکتے ہیں۔

دوسرے دو باغوں کے مستحق کون لوگ ہوں گے؟ اس کی تصریح آیات مذکورہ میں نہیں کی گئی، مگر یہ بتلادیا گیا ہے کہ یہ دونوں باغ پہلے دو باغوں کی بہ نسبت کم درجے کے ہوں گے و مِّنْ دُونَهُمَا جَنَّتَانِ یعنی پہلے دو باغوں سے یہ دونوں باغ کمتر ہوں گے، اس سے بقرینہ مقام معلوم ہو گیا، کہ ان دو باغوں کے مستحق عام مومنین ہوں گے، جو مقربین خاص سے درجہ میں کم ہیں، روایات حدیث سے بھی یہی تفسیر رائج معلوم ہوتی ہے، درمنثور میں منقول ایک مرفوع حدیث بھی اسی تفسیر کی تائید کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ دونوں باغوں کی تفسیر میں فرمایا مقربین کے لئے سونے کے دو باغ ہوں گے اور اصحاب الیمین کے لئے دو باغ چاندی کے ہوں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو باغ اعلیٰ درجہ کے اور دوسرے دو باغ اس سے کم درجہ کے ہوں گے۔

اور قرطبی وغیرہ بعض مفسرین نے ”قیام رب“ کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ جو شخص اس بات سے ڈرا کہ ہمارا رب ہمارے ہر قول و فعل خفیہ و علانیہ عمل پر نگران اور قائم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مجاہد اور نخعی نے کہا کہ مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ سے وہ شخص مراد ہے جس نے کسی معصیت کا ارادہ کیا ہو اور پھر وہ خوفِ خدا کی وجہ سے اس معصیت کے ارتکاب سے باز رہا ہو۔ (فتح القدیر شوکانی)

﴿مَّتَّ﴾

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ أَيْ ثَلَاثٌ أَوْ رُبُعٌ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا: أَفْبَهَذَا الْحَدِيثِ الْآيَةُ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ

الآيَةُ، وَهِيَ سِتُّ أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ آيَةً.

سورہ واقعہ مکی ہے، سوائے اُفبہذا الحدیث (الآیہ) اور ثلثہ مِّنَ الْأَوَّلِينَ

(الآیہ) کے اور ۹۶/۹۷/۹۹ آیتیں ہیں۔ ابن عباس اور قتادہ سے

آیات کی تعداد ۹۹ حجازی اور شامی ہیں، اور ۹۷ بصری، ۹۶ کوفی ہیں۔

وَقِيلَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ قَامَتِ الْقِيَامَةُ ۚ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۖ ۱
نَفْسٌ تُكَذِّبُ بَانَ تَنْفِيهَا كَمَا نَفَتْهَا فِي الدُّنْيَا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۖ ۲ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِّخَفْضِ أَقْوَامٍ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ
وَلِرَفْعِ آخَرِينَ بِدُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ ۖ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۖ ۳ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيدَةً ۖ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۖ ۴ فَتَبَّتْ
فَكَانَتْ هَبَاءً مُّبْتَثًّا ۖ ۵ مُنْتَشِرًا ۖ وَإِذَا الثَّانِيَةُ بِدَلٍّ مِّنَ الْأُولَى ۖ وَكُنْتُمْ فِي الْقِيَمَةِ ۖ ۶ أَزْوَاجًا أَصْنَافًا ثَلَاثَةً ۖ ۷
فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ وَهُمْ الَّذِينَ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ ۸ تَعْظِيمٌ لِّشَانِهِمْ
بِدُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ الشِّمَالُ بَانَ يُوتَى كُلٌّ مِنْهُمْ كِتَابُهُ بِشِمَالِهِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ ۹ تَحْقِيرٌ
لِّشَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَالسَّابِقُونَ ۖ إِلَى الْخَيْرِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ مُبْتَدَأُ السَّابِقُونَ ۖ ۱۰ تَاكِيدٌ لِّتَعْظِيمِ شَانِهِمْ وَالْخَبَرُ
أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۖ ۱۱ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۖ ۱۲ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۖ ۱۳ مُبْتَدَأُ أَى جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَقَلِيلٌ مِّنَ
الْآخِرِينَ ۖ ۱۴ مَن أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ السَّابِقُونَ مِّنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَهَذِهِ الْأُمَّةُ وَالْخَبَرُ
عَلَى سُرْمٍ مَّوْضُونَةٍ ۖ ۱۵ مَسْجُوجَةٍ بِقَضْبَانِ الذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ۖ ۱۶ حَالَانِ مِنَ الضَّمِيرِ
فِي الْخَبَرِ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ ۖ ۱۷ أَى عَلَى شَكْلِ الْأَوْلَادِ لَا يَهْرُمُونَ بِأَكْوَابٍ أَقْدَاحٍ لَا غُرَى لَهَا

وَأَبْرِقُ لَهَا عُرَى وَخَرَاطِيمُ وَكَأْسٍ إِنَاءٍ شُرْبِ الْخَمْرِ مِّنْ مَّعِينٍ ۝۱۸ اِی خَمْرُ جَارِیۃٌ مِّنْ مَّنْبَعٍ لَا یَنْقَطِعُ أَبَدًا لَا یَصْدَعُونَ عَنْهَا وَلَا یَنْزِفُونَ ۝۱۹ بَفْتَحِ الزَّایِ وَكَسِرْهَا مِنْ نَزْفِ الشَّارِبِ وَأَنْزِفْ اِی لَا یَحْضُلُ لَهُمْ مِنْهَا صُدَاعٌ وَلَا ذَهَابٌ عَقْلٍ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْیَا وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَيَّرُونَ ۝۲۰ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُونَ ۝۲۱ وَ لَهُمْ لِلْأَسْتِمَاعِ حُورٌ نِّسَاءٌ شَدِیدَاتُ سَوَادِ الْعُیُونِ وَبِیَاضِهَا عَیْنٌ ۝۲۲ ضَخَامُ الْعُیُونِ كُسِرَتْ عَیْنُهُ بَدَلَ ضَمِّهَا لِمُجَانَسَةِ الْیَاءِ مُفْرَدُهُ عِیْنَاءُ كَحَمَرَاءٍ وَفِی قِرَاءَةِ بَجَرٍ حُورٌ عِیْنٌ كَأَمْثَالِ الثُّلُثِ الْمَكْنُونِ ۝۲۳ الْمَصُونُ جَزَاءٌ مَّفْعُولٌ لَهُ اَوْ مَصْدَرٌ وَالْعَامِلُ مُقَدَّرٌ اِی جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذَكَرَ لِلْجَزَاءِ اَوْ جَزَیْنَاهُمْ اِیْمَا كَانُوا یَعْمَلُونَ ۝۲۴ لَا یَسْمَعُونَ فِیْهَا فِی الْجَنَّةِ لَغْوًا فَاحِشًا مِّنَ الْكَلَامِ وَلَا تَأْثِیْمًا ۝۲۵ مَا یُؤْثِمُ إِلَّا لَكِنْ قَلِيلًا قَوْلًا سَامًا سَامًا ۝۲۶ بَدَلَ مِنْ قَلِيلًا فَإِنَّهُمْ یَسْمَعُونَهُ وَأَصْحَابُ الْیَمِیْنِ ۝۲۷ مَا أَصْحَابُ الْیَمِیْنِ ۝۲۸ فِی سِدْرٍ شَجَرِ النَّبَقِ تَخْضُودٍ ۝۲۹ لَا شَوْكَ فِیْهِ وَطَلْحٍ شَجَرِ الْمَوْزِ مَنُضُودٍ ۝۳۰ بِالْحَمْلِ مِنْ أَسْفَلِهِ اِلَى أَعْلَاهُ وَطَلٌّ مَّمدُودٌ ۝۳۱ دَائِمٌ قَمَاءٌ مَّسْكُوبٌ ۝۳۲ جَارٍ دَائِمًا وَفَاكِهَةٍ كَثِیرَةٍ ۝۳۳ لَامَقْطُوعَةٍ فِی زَمَنِ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝۳۴ بَثْمٍ وَفُرْشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝۳۵ عَلَى السَّرْرِ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝۳۶ اِی الْحُورَ الْعِیْنَ مِنْ غَیْرِ وَلَادَةٍ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝۳۷ عَذَارَى كَلَّمَا أَتَاهُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ وَجَدُوهُنَّ عَذَارَى وَلَا وَجَعَ عُرْبًا بَضَمِ الرَّاءِ وَسُكُونِهَا جَمْعُ عُرُوبٍ وَهِيَ الْمُتَحَبِّبَةُ اِلَى زَوْجِهَا عَشْقَالَهُ أَتْرَابًا ۝۳۸ جَمْعُ تَرَبٍّ اِی مُسْتَوِیَاتٍ فِی السِّنِّ لِأَصْحَابِ الْیَمِیْنِ ۝۳۹ صِلَةُ أَنْشَانَاهُنَّ اَوْ جَعَلْنَاهُنَّ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے جب واقع ہونے والی واقع ہوگی یعنی قیامت قائم ہوگی اس کے وقوع کی کوئی نفس تکذیب کرنے والا نہیں ہوگا کہ اس کا انکار کر دے جیسا کہ دنیا میں اس کا انکار کیا تھا وہ بلند اور پست کرنے والی ہوگی وہ قوموں کی پستی کو ظاہر کرنے والی ہوگی، ان کے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے اور دوسری قوموں کو بلند کرنے والی ہوگی ان کے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے جبکہ زمین پوری طرح ہلا دی جائے گی، یعنی شدید حرکت دیدی جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو وہ منتشر غبار کے مانند ہو جائیں گے ثانی اذا پہلے اذا سے بدل ہے تم قیامت میں تین قسم کے گروہ ہو جاؤ گے تو دائیں ہاتھ والے اور وہ وہ ہوں گے جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے (فَأَصْحَابُ الْمِیْمَنَةِ) مبتداء ہے اور مَا أَصْحَابُ الْمِیْمَنَةِ اس کی خبر، کیا ہی خوب ہوں گے دائیں ہاتھ والے ان کے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے، ان کی تعظیم شان کا بیان ہے، اور بائیں ہاتھ والے، بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے؟ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے، ان کی تحقیر شان کا بیان ہے، اور خیر کی طرف سبقت کرنے والے اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں مبتداء ہے۔ سبقت کرنے والے ہیں ان کی تعظیم شان کے لئے تاکید ہے یہی لوگ ہیں مقرب نعمتوں والی جنت میں ایک بڑا گروہ تو پہلے لوگوں میں سے (ثُلَّةٌ مِّنْ

الاولین) مبتداء ہے یعنی گذشتہ امتوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت اور بعد والوں میں سے ایک چھوٹا گروہ امت محمد ﷺ سے یہ امام ماضیہ میں سے اور اس امت میں سے سبقت کرنے والے ہیں ایسی مسہریوں پر ہوں گے جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنی ہوئی ہوں گی ان پر ٹیک لگائے آئے سامنے بیٹھے ہوں گے خبر کی ضمیر سے دونوں حال ہیں ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یعنی لڑکوں ہی کی شکل میں رہیں گے، بوڑھے نہ ہوں گے، ایسے آنکھوں کے لئے کہ جن میں دستہ نہیں ہوگا اور لوٹے لئے کہ جن میں دستہ اور ٹونٹی (نازہ) ہوگی آمدورفت کریں گے اور بہتی شراب سے بھرے ہوئے جام شراب لے کر (آمدورفت کریں گے) کاس شراب پینے کے برتن کو کہتے ہیں یعنی ایسے چشمے کی شراب کہ جو کبھی منقطع نہ ہوگا نہ اس سے سر میں درد ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا (يُنْزَفُونَ) زاء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ، یہ نَزَفُ الشَّارِبِ وَأَنْزَفُ سے مشتق ہے، یعنی نہ ان کو درد سر لاحق ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی بخلاف دنیوی شراب کے اور ایسے میوے لئے ہوئے جو ان کو پسند ہوں اور پرندوں کا گوشت لئے ہوئے جو ان کو مرغوب ہو اور ان کے استفادے کے لئے بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں یعنی ایسی عورتیں کہ جن کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ اور ان کی سفیدی نہایت سفید ہوگی (عُيُونٌ) میں عین کو ضمہ کے عوض کسرہ دیا گیا، یا، کی موافقت کی وجہ سے، اس کا واحد عَيْنَاءُ ہے، جیسا کہ حُمْرٌ کا واحد حَمْرَاءُ ہے، اور ایک قراءت میں حورٍ عینِ جر کے ساتھ ہے، جو محفوظ موتی کی طرح ہیں یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا جزاء مفعول لہ ہے، یا مصدر ہے اور عامل محذوف ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِّرَ لِلْجَزَاءِ (یا) جَزَيْنَاهُمْ نَهْ وَهَانَ (یعنی جنت میں) بکو اس یعنی فحش کلام سنیں گے، اور نہ گناہوں کی بات سنیں گے، صرف سلام ہی سلام کی آواز سنیں گے، (سلاماً سلاماً) قیداً سے بدل ہے یعنی وہ اس آواز کو سنیں گے اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی خوب ہیں داہنے ہاتھ والے وہ بغیر خار کے بیروں میں ہوں گے سِدْرُ بَیْر کے درخت کو کہتے ہیں اور تہ بہ تہ کیلوں میں ہوں گے طَلْحُ کیلے کے درخت کو کہتے ہیں جو نیچے سے اوپر تک لدے ہوئے ہوں گے اور دراز دراز ہمیشہ رہنے والے سایوں میں ہوں گے اور ہمیشہ جاری پانی میں ہوں گے اور بکثرت پھلوں میں ہوں گے، نہ وہ کسی وقت ختم ہوں گے اور نہ ادائیگی ٹمن کے لئے روکے جائیں گے اور مسہریوں پر اونچے اونچے غالیچوں پر ہوں گے ہم نے ان حوروں کو خاص طور پر بغیر ولادت کے بنایا ہے اور ہم نے ان کو باکرہ بنایا ہے یعنی ایسی دوشیزہ کہ جب بھی ان کے پاس ان کے شوہر آئیں گے تو ان کو دوشیزہ ہی پائیں گے اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی، محبت کرنے والیاں ہم عمر ہوں گی (عُزْبَا) راء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ عورتیں دائیں ہاتھ والوں کے لئے (لَا صَحْبَ الْيَمِينِ) اُنْشَانَاهُنَّ سے متعلق ہے، یا جَعَلْنَاهُنَّ سے متعلق ہے، (یعنی یہ سب چیزیں اصحاب الیمین کے لئے ہوں گی)۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، ”وَاقِعَةُ“ قیامت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ہے، قیامت کو واقعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لامحالہ واقع ہوگی إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، إِذَا میں چند وجوہ ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں، إِذَا ظرفِ محض کے لئے

ہے یعنی اس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور اس کا عامل لَیْسَ ہے، اس کے معنی نفی پر متضمن ہونے کی وجہ سے گویا کہ کہا گیا ہے اِنْتَفَى التَّكَذِیْبُ وَقْتُ وَقُوعِهَا یا شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ كَانَتْ كَيْتَ وَكَيْتَ اور یہی اس میں عامل ہے۔

قَوْلٌ: لَیْسَ لَوْقَعَتْهَا لَام، بمعنی فی ہے، مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَیْسَ نَفْسٌ كَاذِبَةٌ تُوْجَدُ فِی وَقْتٍ وَقُوعِهَا، كَاذِبَةٌ کا موصوف نفس محذوف ہے۔

قَوْلٌ: خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ، ہی مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے ہی کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا ہے مُظْهِرَةٌ کے لفظ سے اشارہ کر دیا کہ خفض و رفع تو علم ازلی کے اعتبار سے مقدر ہو چکا ہے قیامت اس کو ظاہر کر دے گی۔

قَوْلٌ: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ یا تو اول اِذَا سے بدل ہے جیسا کہ مفسر رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْكَ کا مختار ہے یا پھر ثانی اِذَا اولیٰ کی تاکید ہے یا پھر شرطیہ ہے اور اس کا عامل مقدر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد والافعل (رُجَّتِ) عامل ہو۔

قَوْلٌ: فَاصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ مَا اَصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ، اَصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ مبتداء اول اور ما استفہامیہ مبتداء ثانی اَصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ جملہ ہو کر مبتداء ثانی کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر۔

سُؤَالٌ: خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد ہونا ضروری ہوتا ہے یہاں عائد نہیں ہے۔
جَوَابٌ: اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے ہے، لہذا عائد کی ضرورت نہیں بعد والے جملہ کی بھی یہی ترکیب ہوگی، ما اگر چہ شی کی حقیقت سے سوال کے لئے آتا ہے مگر کبھی اس کے ذریعہ صفت اور حالت کا سوال بھی مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ تو کہے مازید فیقال عالم اور طبیب۔ (روح المعانی)

قَوْلٌ: ثَلَاثَةٌ ضمہ کے ساتھ انسانوں کی بڑی جماعت اور فتح کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ۔
قَوْلٌ: مَوْضُونَةٌ، الْوَضْنُ بِمَعْنَى نَضْنُ الدَّرْعِ زرہ بنانا، یہاں مطلق بننے کے معنی میں ہے۔

قَوْلٌ: عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ یہ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ مستقرین کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے اور مُتَكِنِّیْنَ عَلَیْهَا مُتَقَبِّلِیْنَ یہ دونوں مستقرین کی ضمیر سے حال ہیں۔

قَوْلٌ: یَطُوفُ عَلَیْهِمْ یہ جملہ متانفہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مُقَرَّبُونَ سے حال ہو المعنی یَدُورُ حَوْلَهُمْ لِلْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ لَا یَهْرُمُونَ وَلَا یَتَغَيَّرُونَ۔

قَوْلٌ: لَا یَهْرُمُونَ یہ مخلصون کی تفسیر ہے۔
قَوْلٌ: اِبَارِیْقٌ، اِبْرِیْقُ کی جمع ہے آفتاب (لونا) یہ بَرَقٌ سے مشتق ہے، آفتابے چونکہ بہت زیادہ چمکدار ہوں گے اس لئے اس کو ابریق کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: حُوزٌ عِیْنٌ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، جس کی طرف مفسر علام نے اپنے قول لَھُمْ لِّلْاِسْتِمْتَاعِ سے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلًا: مَحْضُودٌ، خَضَدَ الشَّجَرَ خَضْدًا سَ مَا خُذَ هُ (ض) کائے توڑنا۔

قَوْلًا: بِشْمَنِ اگر مفسر علام بشی فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس لئے کہ صرف شمن اور قیمت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی بھی وجہ سے جنتیوں کو منع نہیں کیا جائے گا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

رابط:

سورہ رحمن اور اس سورت کے مضمون میں یکسانیت ہے اس لئے کہ دونوں سورتوں میں قیامت، دوزخ اور جنت کے حالات و اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اور بحر میں کہا ہے کہ دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں بحر میں کی سزا اور مطیعین کی جزاء کا ذکر ہے۔

سورہ واقعہ کی خصوصی فضیلت:

الشعب میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ كُفَّ لَيْلَةً لَمْ تُصِبْهُ فَلَاقَةُ جو شخص روزانہ رات کو سورہ واقعہ تلاوت کرے گا اس کو فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی، اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً اسی کے مثل روایت کیا ہے اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سورہ الواقعہ سورۃ الغنی فاقراء وھا وَعَلِّمُوهَا اَوْلَادَکُمْ سورہ واقعہ سورہ غنا ہے تم اسے پڑھا کرو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ۔ (روح المعانی)

عبداللہ بن مسعود کے مرض الوفا کا سبق آموز واقعہ:

ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابو ظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا مَا تَشْتَكِي آپ کو کیا تکلیف ہے (تو فرمایا ذُنُوبِي (اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَا تَشْتَهِي آپ کی کیا خواہش ہے تو فرمایا رَحْمَةُ رَبِّي یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں آپ کے لئے کسی طبیب کو بلاتا ہوں تو فرمایا الطَّبِيبُ اَمْرٌ ضَرِي (مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں، تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِي فِيهَا (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمان نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے، وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا، تو فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ

فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا (ابن کثیر، معارف) (ترجمہ) جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔

لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ① اول یہ ہے کہ دنیا میں تو وقوع قیامت کی تکذیب کرنے والے بے شمار لوگ ہیں مگر جب قیامت برپا ہوگی اور روز روشن کی طرح سامنے آکھڑی ہوگی تو کوئی تنفس یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے، مفسر علام نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے ② دوسرا یہ کہ اس کے وقوع کا ٹل جانا ممکن نہ ہوگا اور خدا کے سوا اس کو کوئی ٹال بھی نہیں سکتا مگر وہ نالے گا نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ سب کو الٹ پلٹ اور تہ و بالا کر کے رکھ دے گی اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اٹھانے والی اور گرانے والی ہوگی، مطلب یہ کہ دنیا میں جو بلند مرتبہ اور عالی مقام سمجھے جاتے ہیں وہ قیامت کے روز ذلیل و خوار ہوں گے، اور دنیا میں جو لوگ حقیر اور بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں وہ عالی مقام اور سرخ رو ہوں گے یعنی قیامت کے روز عزت و ذلت کا فیصلہ ایک دوسری بنیاد پر ہوگا جو دنیا میں بڑی عزت والے بنے پھرتے ہیں وہ ذلیل ہو جائیں گے اور جو ذلیل سمجھے جاتے ہیں وہ عزت پائیں گے۔

میدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں ہوں گی:

ایک جماعت تو وہ ہوگی جن کے اعمال نامے ان کے دا بنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہ اصحاب الیمین ہوں گے اور یہ عرش کے دائیں جانب ہوں گے یہ سب لوگ جنتی ہوں گے، اور ایک جماعت وہ ہوگی جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، یہ اصحاب الشمال ہوں گے، اور ان کا مقام عرش کے بائیں جانب ہوگا، اور یہ سب لوگ جہنمی ہوں گے، تیسری جماعت ایک اور ہوگی یہ سابقین و مقربین کی ہوگی، اور ان لوگوں کا مقام عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا۔ (ابن کثیر ملخصاً)

سابق سے قیامت کے احوال اور احوال کا ذکر چل رہا ہے اسی سلسلہ میں فرمایا گیا کہ زمین کو زلزلے کے شدید جھٹکے سے دو چار کر دیا جائے گا، اور یہ جھٹکا مقامی یا علاقائی نہ ہوگا بلکہ عالمی ہوگا، اس جھٹکے کے نتیجے میں پہاڑ جیسی مضبوط اور پائیدار مخلوق ریزہ ریزہ ہو کر ریگ رواں اور پراگندہ غبار ہو جائے گی۔

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً، كُنْتُمْ كَاخْطَابِ اگرچہ بظاہر ان لوگوں سے ہے جن کو یہ کلام سنایا جا رہا ہے یا اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اس کو پڑھ اور سن رہے ہیں، مگر مراد اس سے تمام مکلفین ہیں خواہ جن ہوں یا انس، جو روز آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے ہیں، یہ سب کے سب تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ الْخِ اس جگہ مِیْمَنَہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، مِیْمَنَہ یمین سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی

داہنے ہاتھ کے ہیں اور یمن سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی نیک فال کے اور نیک شگون کے ہیں، اگر اس کو یمن سے مشتق مانا جائے تو اصحاب الیمین کے معنی ہوں گے، داہنے ہاتھ والے اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ظاہر ہے کہ اصحاب الیمین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، یا خوش نصیب اور سعید لوگ مراد ہوں گے، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد عالی مرتبہ لوگ ہوں، اہل عرب سیدھے ہاتھ کو قوت اور عزت کا نشان سمجھتے تھے، جس کا احترام مقصود ہوتا تھا اس کو مجلس میں داہنے ہاتھ کی طرف بٹھاتے تھے، اگر عرب کسی کے متعلق عزت و احترام کا کلمہ کہنا چاہتے تو کہتے فُلَانٌ مِّنْیَ الْیَمَنِ۔

وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ اس آیت میں لفظ المشأمة استعمال ہوا ہے مشأمة، شؤم سے ہے جس کے معنی بد بختی نحوست اور بد فالی کے ہیں اور عربی زبان میں بائیں ہاتھ کو شومی بولا جاتا ہے، شومی قسمت اسی سے ماخوذ ہے پس اصحاب المشأمة سے مراد بد بخت لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلت سے دو چار ہوں گے اور دربار الہی میں بائیں طرف کھڑے ہوں گے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ امام احمد نے حضرت صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، اللہ ورسولہ اعلم۔

آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق کی طرف دعوت دی جائے تو اس کو قبول کر لیں، اور جب ان سے حق مانگا جائے تو ادا کر دیں، اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا سابقین سے مراد انبیاء ہیں، ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دو قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین میں ہیں، اور حضرت حسن رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ ہر امت میں سابقین ہوں گے ابن کثیر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں ہے، کیونکہ سابقین سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کی طرف سبقت کی ہو، اور دوسروں سے آگے نکل گئے ہوں، خواہ جہاد کا معاملہ ہو یا انفاق فی سبیل اللہ کا، یا خدمت خلق کا معاملہ ہو یا دعوت الی الحق کا، غرض دنیا میں خیر پھیلانے اور برائی مٹانے کے لئے ایثار و قربانی اور محنت و جانفشانی میں پیش پیش رہے ہوں، اسی وجہ سے آخرت میں بھی یہی لوگ سب سے آگے ہوں گے، گویا وہاں اللہ کے دربار کا نقشہ یہ ہوگا کہ دائیں طرف صالحین اور بائیں جانب فاسقین، اور سب سے آگے بارگاہ خداوندی کے قریب سابقین ہوں گے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث سے ظاہر ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ، ثُلَّةٌ ثاء کے ضمہ کے ساتھ، جماعت کو کہتے ہیں، زخشری نے کہا ہے کہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں (روح المعانی) یہاں اولین و آخرین سے کیا مراد ہے؟ اولین و آخرین کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے نبی ﷺ کی بعثت تک جتنی امتیں گزری ہیں وہ اولین ہیں، اور آپ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک کے لوگ آخرین ہیں، اس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعثت محمدی سے

پہلے ہزار ہا برس کے دوران جتنے انسان گزرے ہیں ان کے سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور آپ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آنے والے انسانوں میں جو لوگ سابقین کا مرتبہ پائیں گے ان کی تعداد کم ہوگی۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہاں اولین و آخرین سے آپ ﷺ کی امت کے اولین و آخرین مراد ہیں، یعنی آپ ﷺ کے ابتدائی دور کے لوگ اولین ہیں جن میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی، اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین کی تعداد کم ہوگی۔

تیسری جماعت کہتی ہے کہ اس سے ہر نبی کی امت کے اولین و آخرین مراد ہیں یعنی ہر نبی کے ابتدائی پیروؤں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور بعد کے آنے والے لوگوں میں کم ہوں گے، آیت کے الفاظ ان تینوں مفہوموں کے حامل ہیں اور بعید نہیں کہ یہ تینوں ہی صحیح ہوں کیونکہ ان تینوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخْلَدُونَ اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، ان کی عمر ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گی، ان جنتی غلاموں کے متعلق راجح تحقیق یہ ہے کہ وہ حوروں کی طرح جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے، اور یہ سب اہل جنت کے خادم ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل دنیا کے وہ بچے ہوں گے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے ہوں گے، چونکہ ان کی نیکی بدی کچھ نہ ہوگی جس کی وجہ سے وہ نہ جزاء کے مستحق ہوں گے اور اور نہ سزا کے، خیال رہے کہ اہل دنیا سے وہی لوگ مراد ہیں جن کو جنت نصیب نہ ہوئی ہو، ورنہ تو مومنین صالحین کے بچوں کے بارے میں خود قرآن نے شہادت دی ہے کہ وہ اپنے آباء کے ساتھ جنت میں ہوں گے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الآیۃ) سورہ طور آیت ۲۱۔ (مظہری، معارف ملخصاً)

اِنَّا اَنْشَاْنَاهُمْ اِنْشَاءً، اِنْشَاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی تخلیق ایک خاص انداز سے کی ہے یہ خاص انداز حورانِ جنت کے لئے تو اس طرح ہے کہ وہ جنت ہی میں بغیر واسطہ ولادت کے پیدا کی گئی ہیں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی ان کی خاص تخلیق سے مطلب یہ ہوگا کہ جو دنیا میں بد شکل سیاہ رنگ یا بوڑھی تھی اب اس کو حسین شکل و صورت میں جوان رعنا کر دیا جائے گا، جیسا کہ ترمذی اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِنَّا اَنْشَاْنَاهُمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ جو عورتیں دنیا میں بوڑھی چندھی سفید بال بد شکل تھیں انھیں یہ نئی تخلیق حسین اور نو جوان بنا دے گی، اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھیں، آپ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری رشتہ کی خالہ ہے، آنحضرت نے بطور مزاح فرمایا لَا تَدْخُلِ الْجَنَّةَ عَجُوزٌ یعنی جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی، یہ بچاری بہت غمگین ہوئیں، بعض روایات میں ہے کہ روئے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور اپنی بات کی حقیقت بیان فرمائی، کہ جس وقت یہ جنت میں جائیں گی تو بوڑھی نہ ہوں گی بلکہ جوان ہو کر داخل ہوں گی اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وہم ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝ فِي سَمُومٍ رِيحٌ حَارَّةٌ مِّنَ النَّارِ تَنفُذُ
 فِي الْمَسَامِ وَحَمِيمٍ ۝ مَاءٌ شَدِيدٌ الْحَرَارَةِ ۝ وَظِلٌّ مِّنْ يَّحْمُومٍ ۝ دُخَانٌ شَدِيدٌ السَّوَادِ لَا يَبَارِدُ كَغَيْرِهِ مِّنَ الظَّلَالِ ۝ وَلَا كَرِيمٍ ۝
 حَسَنَ الْمَنْظَرِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتَرَفِّينَ ۝ مُنْعَمِينَ لَا يَتَعَبُونَ فِي الطَّاعَةِ وَكَانُوا يَصْرُوفُونَ عَلَى الْحِنثِ
 الذَّنْبِ الْعَظِيمِ ۝ أَيْ الشِّرْكِ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۝ إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۝ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ فِي الْهَمَزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ
 التَّحْقِيقُ وَتَسْهِيلُ الثَّانِيَةِ وَإِذْخَالُ الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ ۝ أَوَابًا ۝ أَوَّلُونَ ۝ بَفَتْحِ الْوَائِ لِّلْعَطْفِ وَالْهَمْزَةِ
 لِلِاسْتِفْهَامِ وَهُوَ فِي ذَلِكَ وَفِي مَا قَبْلَهُ لِلِاسْتِغْنَاءِ وَفِي قِرَاءَةِ بَسْكَوْنِ الْوَائِ عَطْفًا بَأُو وَالْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَحَلٌّ إِنَّ
 وَاسْمَهَا قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ إِلَى مِيقَاتٍ لَّيُوقَبُ يَوْمٌ مَّعْلُومٌ ۝ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَهْلُ الصَّالُونَ
 الْمَكِيدُونَ ۝ لَا تَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُومٍ ۝ بَيَانٌ لِلشَّجَرِ فَمَلَكُوتُ مِنْهَا مِّنَ الشَّجَرِ الْبُطُونِ ۝ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ أَيْ
 الزُّقُومِ الْمَأْكُولِ مِنَ الْحَمِيمِ ۝ فَشَرِبُونَ شُرْبَ بَفَتْحِ الشَّيْنِ وَضَمِّهَا مُضَدُّرٌ الْهِيمِ ۝ الْإِبِلُ الْعَطَاشُ جَمْعُ
 هَيْمَانَ لِلذَّكْرِ وَهَيْمَى لِلْأُنْثَى كَعَطْشَانٍ وَعَطْشَى هَذَا نَزْلُهُمْ مَا أَعَدَّ لَهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
 نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ أَوْجَدْنَاكُمْ عَنْ عَدَمٍ فَلَوْلَا هَلَا تَصَدَّقُونَ ۝ بِالْبَعْثِ إِذَا الْقَادِرُ عَلَى الْإِنْشَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْإِعَادَةِ
 أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ۝ تُرِيقُونَ الْمَنَى فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ ۝ أَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَا وَتَسْهِيلِهَا
 وَإِذْخَالِ الْفَرْقِ بَيْنِ الْمُسْهَلَةِ وَالْأُخْرَى وَتَرْكِهِ فِي الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ تَخْلُقُونَهُ أَيْ الْمَنَى بَشَرًا أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝
 نَحْنُ قَدَّرْنَا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ بِعَاجِزِينَ عَلَى أَنْ نُبَدِّلَ نَجْعَلُ
 أَمْثَلَكُمْ مَكَانَكُمْ وَنُنْشِئُكُمْ نُخْلِقُكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ مِّنَ الصُّورِ كَالْقِرْدَةِ وَالْخَنَازِيرِ ۝ وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّشَاءَ الْأَوَّلَى
 وَفِي قِرَاءَةِ بَسْكَوْنِ الشَّيْنِ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ۝ فِيهِ إِدْغَامُ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّالِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝
 تُثِيرُونَ الْأَرْضَ وَتُلْقُونَ الْبَذَرَ فِيهَا ۝ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ ۝ تَنْبِتُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا ۝ نَبَاتًا يَابِسًا لَا
 حَبَّ فِيهِ فَظَلَّمْتُمْ أَصْلَهُ ظَلَلْتُمْ بِكُسْرِ اللَّامِ فَحُذِفَتْ تَخْفِيفًا أَيْ أَقْسَمْتُمْ نَهَارًا تَفْكُهُونَ ۝ حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى
 التَّائِينَ فِي الْأَصْلِ تَعْجَبُونَ مِنْ ذَلِكَ وَتَقُولُونَ ۝ إِنَّا لَمَغْرُمُونَ ۝ نَفَقَةُ زَرْعِنَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ مَسْنُوعُونَ رِزْقَنَا
 أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ ۝ أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ السَّحَابِ جَمْعُ مُزْنَةٍ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ
 لَجَعَلْنَاهُ أَجَلًا ۝ بَلْخَا لَا يُمْكِنُ شَرْبُهُ فَلَوْلَا فَهَلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ ۝ تُخْرِجُونَ مِنَ
 الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ ۝ أَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا ۝ كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلَخِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكَرَةً لِّلنَّارِ
 جَهَنَّمَ وَمَتَاعًا ۝ بُلْغَةً لِّلْمُقْوِينَ ۝ لِّلْمُسَافِرِينَ مِنْ أَقْوَى الْقَوْمِ أَيْ صَارُوا بِالْقُوَى بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ أَيْ الْقَفْرِ وَهُوَ
 مَفَازَةٌ لَا نَبَاتَ فِيهَا وَلَا مَاءَ فَسَبَّحْ نَزَّةً بِاسْمِ زَائِدٍ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ أَيْ اللَّهُ.

تَزَجْجَمُ: ایک بڑی جماعت اولین میں سے ہوگی اور ایک بڑی جماعت آخرین میں سے ہوگی اور اصحاب الشمال کیا ہی بُرے ہیں یعنی بائیں ہاتھ والے یہ لوگ آگ کی گرم ہوا (لُـو) میں ہوں گے جو مسامات میں نفوذ کر جائے گی اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے جو نہایت ہی گرم ہوگا اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے بِحُمُوم وہ دھواں جو نہایت سیاہ ہو، جو نہ ٹھنڈا ہوگا، جیسا کہ دیگر سائے ٹھنڈے ہوتے ہیں اور نہ فرحت بخش یعنی خوش منظر یہ لوگ اس سے پہلے دنیا میں بڑی خوشحالی میں رہتے تھے طاعت کے لئے مشقت نہیں اٹھاتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی شرک پر اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ (اَو) واؤ مفتوح کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہے، اور یہ استفہام یہاں اور اس سے پہلے استبعاد کے لئے ہے اور ایک قراءت میں واؤ کے سکون کے ساتھ ہے عطف کے طور پر، اور معطوف علیہ اِنَّ اور اس کے اسم کا محل ہے آپ کہہ دیجئے اگلے پچھلے سب جمع کئے جائیں گے ایک معین وقت پر یعنی قیامت کے دن پھر تم کو اے گمراہو! جھٹلانے والو! تھوڑے درخت سے کھانا ہوگا (مِنْ زُقُوم) شجر کا بیان ہے پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر یعنی زقوم کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پھر پینا بھی پیا سے اونٹوں کے مانند شربتِ شمین کے ضمہ اور فتح کے ساتھ مصدر ہے اَلْهِيْم پیا سے اونٹ کو کہتے ہیں، یہ هِيْمَان کی جمع ہے هِيْمِي اس کی مؤنث ہے پیاسی اونٹنی، جیسے عطشان و عطشى (غرض یہ کہ) یہ ان کی ضیافت ہوگی جو ان کے لئے قیامت میں تیار کی گئی ہے ہم نے تم کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لائے پھر تم کس لئے بعث بعد الموت کی (موت کے بعد زندہ ہونے کی) تصدیق نہیں کرتے؟ اس لئے کہ جو ذات ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی قادر ہے کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ منی کا جو نطفہ تم عورتوں کے رحم میں پہنچاتے ہو کیا تم اس منی کو انسان بناتے ہو؟ (اَأَنْتُمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کر کے چاروں جگہ پر اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر کیا ہے (قَدْ رَنَا) میں دال کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں، کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے جیسے پیدا کر دیں اور تمہاری ایسی صورت بنادیں کہ تم جانتے بھی نہیں ہو جیسا کہ بندر اور خنزیر اور تم کو اول پیدائش کا علم ہے اور ایک قراءت میں (نَشَاة) میں شمین کے سکون کے ساتھ ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ (تَذَكَّرُونَ) میں تائے ثانیہ کا اصل میں ذال میں ادغام ہے کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا؟ جو تم کاشت کرتے ہو (یعنی) زمین کو جو تہتے ہو اور اس میں تخم ریزی کرتے ہو کیا اس کو تم اگاتے ہو؟ یا اس کو ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورہ چورہ کر دیں یعنی خشک گھاس کر دیں کہ اس میں ایک بھی دانہ نہ ہو تو تم دن بھر تعجب کرتے رہ جاؤ (ظَلْتُمْ) کی اصل ظَلِلْتُمْ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے لام کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے، یعنی تم دن بھر حیرت زدہ رہ جاؤ (تَفَكَّهُونَ) میں اصل میں ایک تاء حذف کر دی گئی ہے یعنی تم اس سے تعجب میں رہ جاؤ اور کہنے لگو ہم پر تو کھیتی کی لاگت کا بھی تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم تو

رزق سے بالکل ہی محروم رہ گئے یا تم نے کبھی اس پانی میں غور کیا؟ جس کو تم پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ (مُزْنٌ) مُزْنَةٌ کی جمع ہے بمعنی بادل اگر ہم چاہیں تو اس کو نمکین کر دیں کہ اس کا پینا ہی ممکن نہ رہے تو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم نے کبھی اس آگ پر غور کیا جس کو تم روشن کرتے ہو؟ (یعنی) سبز درخت سے نکالتے ہو کیا تم نے اس درخت کو پیدا کیا؟ جیسا کہ مَرَخٌ، عِفَارٌ اور تَلَخٌ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو یعنی ان درختوں کو نارِ جہنم کے لئے یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے لئے کامل فائدہ کی چیز بنایا ہے (مُقَوِّينَ) أَقْوَى الْقَوْمِ سے ماخوذ ہے یعنی چٹیل میدان میں پہنچ گئے (الْقَوَى) قاف کے کسرہ اور یاء کے مد کیساتھ یعنی قَفَر (چٹیل میدان) ایسا جنگل کہ جس میں آب و گیاہ کچھ نہ ہو سوا اپنے عظیم الشان رب کی یعنی اللہ کی پاکی بیان کیجئے اسم کا لفظ زائد ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرُ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: هُمْ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ الخ یہ ہم مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا ہے۔
قَوْلٌ: سَمُومٌ، لُوءٌ، تِيزٌ بَھَاپٌ، وہ گرم ہوا جو ہر کے مانند اثر کرے، مَوْنُثٌ سَاعِی ہے (ج) سَمَائِمٌ، سَمُومٌ کو سَمُومِ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے اسی سے السَّمُ بمعنی زہر ماخوذ ہے، اس لئے کہ زہر بھی مسامات میں داخل ہو کر ہلاک کر دیتا ہے۔

قَوْلٌ: إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتَرَفِّينَ یہ جملہ ماقبل کی علت ہونے کی وجہ سے تعلیلیہ ہے، یعنی اصحابِ شمال مذکورہ عذاب کے مستحق اس لئے ہوں گے کہ وہ اپنی خوشحالی میں مگن اور مست ہونے کے ساتھ ساتھ شرک و کفر پر جو کہ سب سے بڑا گناہ ہے مصر تھے اور بعث بعد الموت کے منکر۔

قَوْلٌ: إِذْ خَالُ الْفِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ وَتَوَكَّاهُ کا اضافہ فرماتے تاکہ چار قراءتیں ہو جائیں، مفسر علام کی عبارت سے صرف دو قراءتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

قَوْلٌ: وَالْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَحَلُّ اِنْ وَاِسْمُهَا اِنْ وَاِسْمُهَا فِي وَاوٍ بمعنی مع ہے یعنی اَبَاؤُنَا الْاَوَّلُونَ کا عطف اِنْ کے محل پر ہے مع اس کے اسم کے اسی وجہ سے اَبَاؤُنَا الْاَوَّلُونَ مرفوع ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ معطوف کو اِنَّا کی خبر لَمَبْعُوثُونَ پر مقدم مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہو اِنَّا وَاَبَاؤُنَا لَمَبْعُوثُونَ ورنہ تو عطف لَمَبْعُوثُونَ کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہوگا۔

سَوَالٌ: ضمیر مرفوع مستتر متصل پر عطف کے لئے ضروری ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے جو یہاں موجود نہیں ہے، تقدیر عبارت لَمَبْعُوثُونَ نَحْنُ ہونی چاہئے۔

جَوَابٌ: ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید اس وقت ضروری ہے جب معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل نہ ہو ورنہ تو ضروری نہیں ہے، یہاں اَوَّ اَبَاؤُنَا میں ہمزہ استفہام کا فصل موجود ہے۔

قَوْلًا: لَوْ قَتِیْ اِی فِی وَقْتِ مِیْقَاتٍ بِمَعْنٰی وَقْتُتْ هِیْ اَوْر لَام بِمَعْنٰی فِی هِیْ۔

سَوَال: لَمَجْمُوعُونَ کا صلہ فی آتا ہے نہ کہ الی حالانکہ یہاں الی لایا گیا ہے۔

جَوَاب: لَمَجْمُوعُونَ لَمَسُوقُونَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ الی لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: مَا لِنُؤْنِ مِنْهَا، مِنْهَا کی ضمیر شجر کی طرف لوٹ رہی ہے اسم جنس ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اسم جنس میں مذکر اور مؤنث دونوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ (حمل)

قَوْلًا: اَلْهَيْمُ شَدِیدِ پِیَا سے اونٹ کو کہتے ہیں، هَيْامٌ مرض استقاء جس میں پیاس زیادہ لگتی ہے پانی پینے سے سیرابی نہیں ہوتی ہے، اس مرض کو جلندھر بھی کہتے ہیں، مفسر علام کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ هَيْمٌ هَيْمَانٌ مذکر اور هَيْمٰنِیْ مؤنث دونوں کی جمع ہے، مفسر علام کا هَيْمٌ کو هَيْمَانِیْ کی جمع لکھنا سبقت قلم ہے، درست یہ ہے کہ اَهْيَمٌ کی جمع ہے، اس لئے کہ هَيْمٌ اصل میں هَيْمٌ تھا، ضمہ ہاء کے ساتھ ہے بروزن حُمْرٌ ہاء کے ضمہ کو یاء کی موافقت کے لئے کسرہ سے بدل دیا، اور فَعْلٌ اَفْعَلُ کی جمع ہے جیسے حُمْرٌ اَحْمَرُ کی جمع ہے۔

قَوْلًا: لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا۔

سَوَال: لو کے جواب میں لام لانا ضروری ہوتا ہے لہذا لَجَعَلْنَاهُ ہونا چاہئے، لام تاکید کو کس مصلحت کے لئے حذف کیا گیا؟
جَوَاب: یہاں لام تاکید کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ بادلوں کی ملکیت اور ان کے پانی کو کھارنا بنانا یہ کسی بشر کی قدرت میں نہیں ہے یہ کام تو مالک الکل اللہ رب العالمین ہی کا ہے، بخلاف کھیتی اور زمین کے، اس میں مِلْکٌ کا شائبہ ہے اسی وجہ سے سابق میں لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا میں لام تاکید لایا گیا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

ثَلَاثَةٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْاٰخِرِیْنَ، ثَلَاثٌ بڑی جماعت کو کہتے ہیں، اولین و آخرین کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے دو قول اوپر سابقوں کے بیان میں بیان ہو چکے ہیں، اگر اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کی بعثت تک کے لوگ مراد ہوں اور آخرین سے آپ ﷺ کی امت تا قیامت مراد ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب الیمین یعنی مومنین متقین کی تعداد پچھلی امتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اور تنہا امت محمدیہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو امت محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی برابر یہ امت ہو جائے جس کا زمانہ بہت مختصر ہے، اس کے علاوہ لفظ ثلثہ میں اس کی بھی گنجائش ہے، یہ ثلثہ آخرین تعداد میں اولین سے بڑھ جائیں۔

اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بغوی نے اور ابن مردودہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا هُمَا مِنْ

اُمّتِی یعنی یہ اولین و آخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ و تابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک محروم نہ ہوگی اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ بہت کم ہوں گے، اور مومنین و متقین اولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفوں کے زعمے میں بھی وہ اپنا رشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، حتیٰ کہ یہ جماعت تا قیام قیامت اپنے کام میں لگی رہے گی۔ (معارف القرآن)

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ الخ شروع سورت سے یہاں تک محشر میں انسانوں کی تین قسموں کا ذکر تھا، مذکورۃ الصدرا آیات میں ان گمراہ لوگوں کو تنبیہ ہے جو سرے سے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں اور اس کی توحید کے قائل ہونے کے بجائے مختلف مظاہر قدرت کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

مذکورہ مختصر فقرے میں ایک بڑا اہم سوال انسان کے سامنے پیش کیا گیا ہے، دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر انسان صرف اسی ایک بات پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح پیدا ہوا ہے، تو اسے نہ قرآن کی تعلیم تو حید میں کوئی شک رہ سکتا ہے نہ اس کی تعلیم آخرت میں، انسان آخر اسی طرح تو پیدا ہوتا ہے کہ مرد اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دیتا ہے مگر کیا اس نطفہ میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے؟ یا انسان نے خود پیدا کی ہے یا خدا کے سوا کسی اور نے پیدا کر دی ہے؟ پھر استقرار حمل سے وضع حمل تک ماں کے پیٹ میں بچے کی درجہ بدرجہ تخلیق و پرورش اور ہر بچہ کی الگ الگ صورت گری اور ہر بچہ کے اندر مختلف ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں کو ایک خاص تناسب کے ساتھ رکھنا جس سے وہ ایک خاص شخصیت کا انسان بن کر اٹھے کیا یہ سب کچھ ایک خدا کے سوا کسی اور کا کام ہے؟ اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہ ہو تو وہ خود محسوس کرے گا کہ شرک یا دہریت کی بنیاد پر ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دیا جاسکتا۔

ظاہر میں نظریں ظاہری اسباب میں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور تخلیق کائنات کو ان ہی اسباب کی طرف منسوب کرنے لگتی ہیں، اصل قدرت اور حقیقی قوت فاعلہ جو ان اسباب و مسببات کو گردش دینے والی ہے اس کی طرف التفات نہیں کرتی۔

نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ یعنی جس طرح ہم انسانی زندگی کے خالق اور مالک ہیں اس میں ہمارا نہ کوئی شریک ہے اور نہ مددگار، اسی طرح ہم ہر تنفس کی موت کے بھی تنہا مالک ہیں اور ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا چنانچہ کوئی رحم مادر میں تو کوئی بچپن میں تو کوئی جوانی میں تو کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ یعنی اگر ہم چاہیں تو تمہاری صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنادیں اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق پیدا کر دیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ یعنی تم یہ کیوں نہیں سمجھتے جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جس کا تمہیں علم ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

ءَ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ پہلا سوال لوگوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا رہا تھا کہ تم از خود پیدا نہیں ہو گئے بلکہ اللہ کے ساختہ پر داختہ ہو، اور اسی کی تخلیق سے وجود میں آئے ہو، اب یہ دوسرا سوال ایک دوسری اہم حقیقت کی طرف توجہ دلا رہا ہے، کہ جس رزق پر تم پلتے ہو وہ بھی اللہ ہی تمہارے لئے پیدا کرتا ہے جس طرح تمہاری پیدائش میں انسانی کوشش کا دخل اس سے زائد کچھ نہیں کہ تمہارا باپ تمہاری ماں کے رحم میں نطفہ ڈال دے اسی طرح تمہارے رزق کی پیداوار میں بھی انسان کی کوشش کا دخل اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ کسان زمین میں بیج ڈال دے، زمین جس میں کسان بیج ڈالتا ہے تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے اس کے اندر جو بیج تم ڈالتے ہو اس کو نشوونما کے قابل تم نے نہیں بنایا، ان میں سے کوئی چیز بھی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے یہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت اور اسی کی پروردگاری کا اثر ہے، جب تم وجود میں اسی کے لانے سے آئے ہو اور اسی کے پیدا کردہ رزق سے پل رہے ہو تو تم کو اس کے مقابلہ میں خود مختاری کا یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کا حق آخر کیسے پہنچتا ہے؟

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ تمہاری بھوک مٹانے کا ہی نہیں تمہاری پیاس بجھانے کا انتظام بھی ہمارا ہی کیا ہوا ہے، یہ پانی جو تمہاری زندگی کے لئے روٹی سے بھی زیادہ ضروری ہے تمہارا اپنا فراہم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے ہم نے فراہم کیا ہے۔

نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ مقوین اقواء سے مشتق ہے اور وہ قواء بمعنی صحرا سے مشتق ہے مقوی کے معنی ہوئے صحرا میں فروکش ہونے والا، مراد اس سے وہ مسافر ہے جو جنگل میں کہیں ٹھہر کر اپنے کھانے کے انتظام میں لگا ہو مراد آیت کی یہ ہے کہ سب تخلیقات ہماری ہی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ اس کا لازمی اور عقلی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر ایمان لائے اور اپنے رب عظیم کی تسبیح پڑھا کرے کہ یہی اس کی نعمتوں کا شکر ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۖ بِمَسَاقِطِهَا لِغُرُوبِهَا وَإِنَّهُ أَى الْقَسَمِ بِهَا لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۖ اِی لَو کُنْتُمْ مِنْ ذَوِی الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عَظَمَ هَذَا الْقَسَمِ ۖ اِنَّهُ اِی الْمَثَلُو عَلَیْکُمْ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ ۖ فِی کِتَابٍ مَّکْتُوبٍ مَّکْنُونٍ ۖ مَّصُونٌ وَهُوَ الْمُصْحَفُ لَا یَمْسُهُ خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهَى ۖ اِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۖ اِی الَّذِیْنَ طَهَّرُوا اَنْفُسَهُمْ مِنَ الْاَحْدَاثِ تَنْزِیْلٌ مُّنْزَلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۖ اَفِهَذَا الْحَدِیْثِ الْقُرْآنُ اَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ۖ مُتَهَاوِنُونَ مُکَذِّبُونَ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَکُمْ مِنْ الْمَطَرِ اِی شُکْرَهُ اَنْتُمْ تُکَذِّبُونَ ۖ بِسُقْیَا اللّٰهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطْرًا بَنُوْءٌ کَذَا فَلَوْلَا فَهَلَا اِذَا بَلَغَتِ الرُّوحُ وَقْتُ النِّزَعِ الْحُلُقُومِ ۖ وَهُوَ مَجْرِی الطَّعَامِ وَاَنْتُمْ یَا حَاضِرِی الْمَمِیْتُ حَیْنِذٍ تَنْظُرُونَ ۖ اِلَیْهِ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ بِالْعِلْمِ وَلَکِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۖ مِنْ التَّجْسِیْرِ اِی لَا تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَهَلَا اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ۖ مَجْرَتَیْنِ بَانَ تَبِعْتُوْا اِی غَیْرَ مَبْعُوْثِیْنَ بِزَعْمِکُمْ تَرْجِعُوْهَا تَرْدُوْنَ الرُّوحَ اِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوْغِ الْحُلُقُومِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۖ

فِي مَا زَعَمْتُمْ فَلَوْلَا الثَّانِيَةُ تَاكِيدٌ لِلْأُولَى وَإِذَا ظُرِفَ لِرَجْعُونَ الْمُتَعَلِّقُ بِهِ الشَّرْطَانِ وَالْمَعْنَى هَلَّا تَرَجَعُونََهَا
 أَنْ نَفِيتُمُ الْبَغْثَ صَادِقِينَ فِي نَفْيِهِ أَيْ لِيُسْتَفَى عَنْ مَحَلِّهَا الْمَوْتُ فَأَمَّا أَنْ كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝۱۸ فَرَوْحٌ أَيْ فَلَهُ
 اسْتِرَاحَةٌ وَرَيْحَانٌ رِزْقٌ حَسَنٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۝۱۹ وَهَلِ الْجَوَابُ لِمَا أَوْلَانِ أَوَلَهُمَا أَقْوَالٌ وَأَمَّا أَنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝۲۰
 فَسَلَّمَ لَكَ أَيْ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝۲۱ مِنْ جِهَةِ أَنَّهُ مِنْهُمْ وَأَمَّا أَنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الصَّالِينَ ۝۲۲
 فَزُلْ مِنْ حَمِيمٍ ۝۲۳ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ۝۲۴ إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ۝۲۵ مِنْ إِضَافَةِ الْمَوْصُوفِ إِلَى صِفَتِهِ فَسَبِّحْ بِاسْمِ
 رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝۲۶ تَقَدَّمَ

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں غروب ہونے کے لئے چھپنے والے ستاروں کی اگر تم سمجھو تو یہ یعنی ان کی قسم ایک
 بڑی قسم ہے یعنی اگر تم اہل علم میں سے ہو تو اس قسم کی عظمت کو جان لو گے یہ یعنی جو تم کو سنایا جا رہا ہے مکرّم قرآن ہے جو ایک
 محفوظ کتاب میں ہے اور وہ مصحف ہے اس کو پاک (لوگ) ہی چھوتے ہیں (لَا يَمَسُّهُ) نبی بمعنی خبر ہے یعنی وہ جنہوں نے
 خود کو احداث سے پاک کر لیا رب العالمین کی جانب سے نازل کردہ ہے تو کیا اس کلام یعنی قرآن کو سرسری کلام سمجھتے ہو اہمیت
 نہیں دیتے ہو تکذیب کرتے ہو کیا تم نے اس کی تکذیب ہی کو غذا (دھندا) بنا لیا ہے؟ اور تم بارش کے ذریعہ اس کے رزق
 کے شکر کے بجائے ناشکری کرتے ہو یعنی اللہ کی سیرابی کی مطرنا بنو کذا کہہ کر ناشکری کرتے ہو (یعنی فلاں ستارے کے
 طلوع یا غروب کی وجہ سے بارش ہوئی ہے) پس جب روح نزع کے وقت زخروں تک پہنچ جائے اور وہ کھانے کی تلی ہے، اور
 اے میت کے پاس حاضر لوگو! تم اس مرنے والے کو دیکھ رہے ہو اور ہم مرنے والے سے تمہاری بہ نسبت علم کے اعتبار سے
 زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے (تبصرون) بصیرت سے ماخوذ ہے، یعنی تم کو ہماری موجودگی کا علم نہیں ہوتا،
 پس اگر تم کو زندہ کر کے تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے یعنی تمہارے اعتقاد کے مطابق تم کو زندہ کیا جانے والا نہیں
 ہے تو کس لئے تم روح کو حلق میں پہنچنے کے بعد جسم کی طرف نہیں لوٹا لیتے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ثانی لولا پہلے لولا
 کی تاکید ہے، اور اِذَا بَلَغْتَ مِثْلَ إِذَا، ترجعون کا ظرف ہے، اور ترجعون سے دو شرطیں متعلق ہیں یعنی اگر بعثت کی نفی میں
 تم سچے ہو تو اس کو کیوں نہیں لوٹا لیتے ہو، تاکہ موت نفس کے محل سے منٹھی ہو جائے پس اگر میت مقربین میں سے ہے تو اس کے
 لئے راحت ہے اور رزق حسن ہے اور آرام والی جنت ہے (فَرَوْحٌ) یا تو اَمَّا کا جواب ہے یا اِنَّ کا یاد دہانی (اس میں) تین
 قول ہیں اور جو شخص اصحاب الیمین میں سے ہے تو تیرے لئے یعنی اصحاب الیمین کے لئے عذاب سے سلامتی ہے اس
 وجہ سے کہ وہ اصحاب الیمین میں سے ہے لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہو تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی
 ضیافت ہے اور روزخ میں جانا ہے یہ خبر سراسر حق قطعاً یقینی ہے، موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے،
 پس تو اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح بیان کر جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترمیم تفسیری فوائد

قَوْلًا: فَلَا أَقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ، لَا جمہور مفسرین کے نزدیک تاکید کے لئے زائدہ ہے معنی میں فَاُقْسِمُ کے ہے، جیسے لَا وَاللَّهِ اور بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ لَا مخاطب کے گمان کی نفی کرنے کے لئے اور منفی محذوف ہے اور وہ کفار کا کلام ہے اور یہ لیس کما تقول کے معنی میں ہے، فراء نے کہا ہے کہ یہ لافنی کے لئے ہے اور لیس الامر کما تقولون کے معنی میں ہے بعض حضرات نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلًا: مَوَاقِعَ، موقع کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، بعض حضرات نے مَوَاقِعَ سے مراد نجوم کی منزلیں اور بعض نے نزول قرآن مراد لیا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم بھی بتدریج آپ پر نازل ہوا ہے۔
قَوْلًا: وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَعْلَمُونَ عَظِيمٌ، لَا أَقْسِمُ قسم ہے اور لقرآن کریم جواب قسم ہے اور إِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَعْلَمُونَ عَظِيمٌ، قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اور جملہ معترضہ میں بھی موصوف و صفت کے درمیان جملہ معترضہ اور وہ لَوَتَعْلَمُونَ ہے۔

قَوْلًا: لَعَلَّمْتُمْ عَظَمَ هَذَا الْقِسْمِ اس کے اضافہ سے مفسر علام نے جواب لو کے حذف کی طرف اشارہ کر دیا۔
قَوْلًا: وَهُوَ الْمَصْحَفُ بعض حضرات نے کتاب مکنون سے لوح محفوظ مراد لی ہے، اس صورت میں لَا يَمْسُهُ کے معنی ہوں گے لَا يَطْلُعُ عَلَيْهِ إِلَّا الْمَلَائِكَةُ الْمُطَهَّرُونَ اس صورت میں یہ آیت بغیر طہارت قرآن کو چھونے کے عدم جواز کی دلیل نہ ہوگی۔

قَوْلًا: خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
سُؤَال: قرآن میں کہا گیا ہے لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ یہ خلاف واقعہ ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ قرآن بغیر طہارت کے چھوتے ہیں، اور قرآن خلاف واقعہ کی خبر نہیں دے سکتا۔
جَوَاب: خبر بمعنی نہیں ہے۔

قَوْلًا: مُنْزَلٌ اس سے اشارہ کر دیا کہ تَنْزِيلٌ مصدر بمعنی مُنْزَلٌ اسم مفعول ہے۔
قَوْلًا: أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ میں استفہام تو بخوبی ہے یعنی تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔
قَوْلًا: مُذْهِبُونَ یہ اِذْهَابٌ سے ہے اِذْهَانٌ اور تدہین کے معنی ہیں کسی چیز پر تیل لگا کر چکنا اور نرم کرنا، مُدَاهِنَةٌ فِي الدِّينِ اسی سے ہے دین میں مداہنت اختیار کرنا اور اس کے لازم معنی نفاق کے بھی ہیں، جس چیز پر تیل وغیرہ لگا کر نرم اور چکنا کیا جاتا ہے اس کا باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہے اوپر سے نرم اور چکنی معلوم ہوتی ہے حالانکہ اندر اس کے عکس ہوتا ہے نفاق میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، یہاں مراد مطلقاً کفر ہے اور قرآن کو سرسری، معمولی سمجھنا اور حیثیت نہ دینا بھی اِذْهَانٌ کا مصداق ہے۔

قَوْلًا: مِنَ الْمَطَرِ اس میں اشارہ ہے کہ رزق سے مراد سبب رزق ہے اور اِنِّیْ شَاكِرٌ سے اشارہ کر دیا کہ عبارت حذف

مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، تَكْفُرُونَ شُكْرَ الْمَطَرِ یعنی خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنا تم نے اپنا مشغلہ اور اپنی غذا بنالیا ہے، حتیٰ کہ خدا داد بارش کو بعض ستاروں کے طلوع و غروب کی طرف منسوب کرتے ہو۔

قَوْلًا: بِسُقْيَا اللَّهِ یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اصل میں سَقَى اللَّهُ ہے۔

قَوْلًا: إِذَا ظَرَفَ لَتَرَجِعُونَ، إِذَا بَلَغَتِ الْخُلُقُومَ، تَرَجِعُونَ کا ظرف مقدم ہے تَرَجِعُونَ سے دو شرطیں متعلق ہیں اور وہ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ اور اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ہیں، متعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں کی جزاء ہیں۔

فَائِدَةٌ: کلام میں قلب ہے معنی یہ ہیں ہَلَّا تَرَجِعُونَهَا اِنْ نَفَيْتُمُ الْبَعْثَ صَادِقِينَ فِي نَفِيهِ۔

قَوْلًا: فَلَهُ رَوْحٌ اس میں اشارہ ہے کہ رَوْحٌ مبتداء ہے اور فَلَهُ خبر مقدم ہے۔

قَوْلًا: هَلِ الْجَوَابُ لَأَمَّا أَوْ لِأَنَّ أَوَّلَهُمَا، فَرَوْحٌ الْخِ جَوَابٌ ہے، اس میں تین قول ہیں ① أَمَّا کا جواب ② اِنْ

کا جواب ③ دونوں کا جواب ہو، رائج یہ ہے کہ فَرَوْحٌ وَ رَيْحَانُ الْخِ، أَمَّا کا جواب ہے اور اِنْ کا جواب محذوف ہے اس لئے کہ اِنْ کے جواب کا حذف کثیر الوقوع ہے۔

قَوْلًا: أَيْ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ اس میں اشارہ ہے کہ سلام بمعنی سلامت ہے۔

قَوْلًا: مِنْ جِهَةٍ أَنَّهُ مِنْهُمْ اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ اصْحَابِ الْيَمِينِ میں من تعلیلیہ ہے اِی مِنْ اَجَلِ أَنَّهُ مِنْهُمْ۔

قَوْلًا: فَتُزَلُّ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے اِی لَهُ نُزُلٌ۔

قَوْلًا: تَقَدَّمَ یعنی سَبَّحَ نَزَّہ اور لفظ اسم زائدہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

سابقہ آیات میں عقلی اور مشاہداتی دلائل سے دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس دنیا کی تخلیق کے ذریعہ دیا گیا تھا، آگے حق تعالیٰ کی طرف سے قسم کے ساتھ نقلی دلیل پیش کی گئی ہے۔

فَلَا أُفْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ اگر لاکو قرآن کے بارے میں مزعوم اور ظن باطل کی نفی کے لئے لیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین کا یہی خیال ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ قرآن شاعری یا کہانت نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے بلکہ ستاروں کے گرنے یا ان کے مطلع و مغرب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن بڑا با عظمت ہے۔

ستاروں اور تاروں کے مواقع سے مراد ان کے مقامات، ان کے مدار، اور منزلیں ہیں اور قرآن کے بلند پایہ کتاب ہونے پر ان کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ عالم بالا میں اجرام فلکی کا نظام جیسا محکم اور مضبوط ہے ویسا ہی مضبوط اور محکم یہ کلام بھی ہے جس خدا نے وہ نظام بنایا ہے اسی خدا نے یہ کلام نازل فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے یہ ترجمہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں آیتوں کے پیغمبروں کے دلوں پر اترنے کی، نجوم سے مراد آیات لی ہیں اور مواقع النجوم سے پیغمبروں کے قلوب (موضح القرآن) اور بعض حضرات نے قیامت کے دن ستاروں کا گرنا اور جھڑنا مراد لیا ہے۔

فی کتاب مکنون کے معنی ہیں چھپی ہوئی کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے۔

لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ یہاں دو مسئلے غور طلب ہیں اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ جس کتاب کی صفت مکنون بیان کی گئی ہے یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے، اور لَا يَمْسُهُ کی ضمیر اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک ہستیوں کے کوئی نہیں چھو سکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مُطَهَّرُونَ سے مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مَسَّ سے مراد حقیقی معنی یعنی ہاتھ سے چھونا مراد نہیں لیا جاسکتا، بلکہ لازمی اور مرادی معنی یعنی مطلع ہونا مراد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ لوح محفوظ کو چھونا کسی مخلوق کا کام نہیں۔

دوسرا احتمال اس جملہ کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر اِنَّهُ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ میں مذکور ہے، اس صورت میں لَا يَمْسُهُ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو، اور لفظ مَسَّ سے ہاتھ سے چھونے کے حقیقی معنی مفہوم ہوں گے۔

قرآن بے طہارت چھونے کے مسئلہ میں فقہاء کے مسالک:

۱ مسلک حنفی:

مسلک حنفی کی تشریح امام علاء الدین کا شانی نے بدائع والصنائع میں یوں کی ہے، جس طرح بے وضو نماز پڑھنا جائز نہیں اسی طرح قرآن کریم کو بھی ہاتھ لگانا جائز نہیں، البتہ اگر غلاف کے اندر ہو تو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے، غلاف سے بعض فقہاء کے نزدیک جلد اور بعض کے نزدیک وہ جزدان مراد ہے جس میں قرآن لپیٹ کر رکھا جاتا ہے، رہا قرآن کو بے وضو حفظ پڑھنا تو یہ درست ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس حکم سے بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، تعلیم کے لئے بچوں کو قرآن مجید بے وضو ہاتھ میں دیا جاسکتا ہے۔

۲ مسلک شافعی:

امام نووی رحمہ اللہ نے المنہاج میں مسلک شافعی کو یوں بیان فرمایا ہے نماز اور طواف کی طرح مصحف کو ہاتھ لگانا اور اس کے کسی ورق کو بے وضو چھونا ممنوع ہے، حتیٰ کہ قرآن کریم جزدان یا لفافے وغیرہ میں ہو تب بھی جائز نہیں البتہ قرآن کسی کے سامان میں رکھا ہوا ہو یا سکھ پر کوئی آیت لکھی ہو تو اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے، بچہ اگر بے وضو ہو تو وہ بھی قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ (ملخصاً)

۳ مالکی مسلک:

جمہور فقہاء کے ساتھ وہ اس امر میں متفق ہیں کہ قرآن کو ہاتھ لگانے کے لئے وضو شرط ہے لیکن قرآن کی تعلیم کے لئے وہ استاذ اور شاگرد دونوں کے لئے ہاتھ لگانا جائز قرار دیتے ہیں، ابن قدامہ نے مغنی میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے مگر عورت حالت حیض میں قرآن پڑھ سکتی ہے، کیونکہ ایک عرصہ تک اگر ہم اس کو قرآن کی تلاوت سے روکیں گے تو اس کے بھول جانے کا امکان ہے۔ (الفقه على المذاهب الاربعہ)

۴ مسلک حنبلی:

مذہب حنبلی کے مسائل جو ابن قدامہ نے نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں، حالت جنابت و نفاس میں قرآن یا اس کی پوری آیت کا پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ بسم اللہ اور الحمد للہ وغیرہ کہہ سکتی ہے، رہا بلا وضو قرآن کو ہاتھ لگانا تو یہ کسی حالت میں درست نہیں۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر معنی میں نہیں کے ہے یہ تفسیر حضرت عطاء طاؤس سالم اور حضرت محمد باقر رحمہما اللہ سے منقول ہے۔ (روح المعانی ملخصاً) مطلب یہ ہے کہ قرآن کو چھونے کیلئے حدث اصغر اور اکبر نیز ظاہر نجاست سے بھی ہاتھ کا پاک ہونا ضروری ہے، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر کہا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔ فاروق اعظم کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو قرآن کے اوراق کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، فاروق اعظم نے مجبور ہو کر اول غسل کیا، پھر یہ اوراق ان کے ہاتھ میں دیئے گئے، اس واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، روایات حدیث جن میں غیر ظاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کے لئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا اختلاف ہے اس لئے بہت سے حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلہ میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر صرف روایات حدیث کو پیش کیا ہے وہ احادیث یہ ہیں:

امام مالک نے مؤطا میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو خط آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا الطَّاهِرُ (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو اور روح المعانی میں یہ روایت مسند عبدالرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے، اور طبرانی میں ابن مردويه نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ۔

مذکورہ روایت کی بناء پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت

ضروری ہے، اور ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک صاف ہونا بھی ضروری ہے، حضرت علی، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابو حنیفہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) سب کا یہی مسلک ہے اور جو اختلاف نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت ہے اور جمہور امت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے ان احادیث اور آیت مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا ہے، دوسرے حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی ہے، اس لئے کہ اختلاف مسئلہ میں نہیں بلکہ اس کی دلیل میں ہے۔

مَسْئَلَتُهَا: قرآن کا غلاف جس کو چولی کہتے ہیں جو قرآن کے ساتھ سلی ہوتی ہے وہ بھی قرآن کے حکم میں ہے اس کے ساتھ بھی قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں، البتہ جزدان جس میں قرآن کو رکھتے ہیں اگر قرآن اس میں رکھا ہو تو اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے، مگر امام مالک (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور امام شافعی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (مظہری)

مَسْئَلَتُهَا: جو کپڑا آدمی پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں البتہ علیحدہ رومال یا چادر یا ٹوپی وغیرہ سے چھونا جائز ہے۔ (مظہری)

وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ یعنی روح نکلتے ہوئے تم بے بسی اور لا چاری کے ساتھ دیکھتے ہو لیکن اس کو ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے، اس وقت تمہاری بہ نسبت علم کے اعتبار سے ہم اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے۔

فَلَوْلَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ، مَدِينِينَ، دَانِ يَدِينُ سے ہے، اس کے ایک معنی ہیں ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے، یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

فَأَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقْرَبِينَ سورت کے شروع میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں، اور قبول ایمان میں بھی دوسروں سے سبقت کرتے ہیں، اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ الہی قرار پاتے ہیں۔

وَأَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ اصْحَابِ الْيَمِينِ یہ دوسری قسم ہے، یہ عام مومنین ہیں یہ بھی جہنم سے بچ جائیں گے، اور جنت میں جائیں گے تاہم درجات میں سابقین سے کم ہوں گے، موت کے وقت ان کو بھی سلامتی کی خوشخبری دیتے ہیں۔

وَأَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمَكْذِبِينَ الضَّالِّينَ یہ تیسری قسم ہے جن کو آغاز سورت میں اصْحَابِ الْمَشْأَمَةِ کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حالمین نحوست یہ اپنے کفر کی سزا عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

سُورَةُ الْحَدِيدِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

سُورَةُ الْحَدِيدِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ حدید کی ہے یا مدنی ہے، ۲۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اِى نَزَّهَهُ كُلُّ شَيْءٍ فَاَلَلَامُ
مزیدہ وحی بما، دُونَ سَن تَغْلِيْبًا لِا كَثَر وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِى مُلْكِهِ الْحَكِيْمُ ① فِى صُنْعِهِ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِ
بِالْاَنْشَاءِ وَيُمِيْتُ بَعْدَهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ بِاِبْدَايَةِ وَالْاٰخِرُ بَعْدَ كُلِّ
شَيْءٍ بِاِنْهَائِيَةِ وَالظَّاهِرُ بِالْاَدِلَّةِ عَلَيْهِ وَالْبَاطِنُ عَنْ اِدْرَاكِ السَّخَوَاسِ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③
هُوَ الَّذِى خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِى سِتَّةِ اَيَّامٍ بَيْنَ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ
الْكُرْسِىِّ اسْتَوَاءً يَلِيْقُ بِهِ يَعْلَمُ مَا يَلْجُ يَدْخُلُ فِى الْاَرْضِ كَالْمَطَرِ وَالْاَسْوَاتِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا كَالنَّبَاتِ وَالْمَعَادِنِ
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ وَمَا يَعْرُجُ بِضَعْدٍ فِيْهَا كَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّيِّئَةِ وَهُوَ مَعَكُمْ بِعِلْمِهِ
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ④ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِىُّ اللَّهِ تُرْجِعُ الْأُمُورَ ⑤ الْمَوْجُودَاتِ جَمِيعُهَا
يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ يَدْخُلُهُ فِى النَّهَارِ فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ اللَّيْلُ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِى اللَّيْلِ فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ النَّهَارُ
وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑥ بِمَا فِيْهَا بَيْنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ اٰمَنُوْا دُومُوا عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفَقُوْا فِى
سَبِيْلِ اللَّهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَحْلِفِيْنَ فِيْهِ مِنْ مَّالٍ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ وَيَسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهِ مَنْ بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِى غَزْوَةِ
الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوْكٍ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا اِشَارَةً اِلَى عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦
وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ خِطَابُ لِلْكَفَّارِ اِى لَا مَنَافِعَ لَكُمْ مِنَ الْاِيْمَانِ بِاللَّهِ وَالرَّسُوْلِ يَدْعُوْكُمْ لَتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ
بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَاءِ وَبَفَتْحِهَا وَنَصَبِ مَا بَعْدَهُ مِثْلًا قَدْ اَخَذَهُ اللَّهُ فِى عَالَمِ الدَّرِّ حِيْنَ
اَشْهَدَهُمْ عَلَى اَنْفُسِهِمُ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ اِى سَرِيْدِيْنَ الْاِيْمَانِ بِهِ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ
هُوَ الَّذِى يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ اٰيَاتِ الْقُرْآنِ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ الْاِيْمَانِ

وَأَنَّ اللَّهَ بِكُمْ فِي إِخْرَاجِكُمْ مِنَ الْكُفْرِ إِلَى الْإِيمَانِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَمَالَكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِلَّا فِيهِ إِذْ غَامُ نُونٌ أَنْ فِي لَامٍ لَا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِمَا فِيهِمَا فَيَصِلُ إِلَيْهِ أَمْوَالُكُمْ مِنْ غَيْرِ أَجْرٍ الْإِنْفَاقِ بِخِلَافٍ مَا لَوْ أَنْفَقْتُمْ فَتُوجَرُونَ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَكَّةَ وَقَاتَلَ ۝ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا مِنَ الْفَرِيقَيْنِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى الْجَنَّةَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَيُجَازِيكُمْ بِهِ.

ع ۱۷

ترجمہ:

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یعنی ہر چیز اس کی پاکی بیان کرتی ہے (لئے) میں لام زائدہ ہے مَنْ کے بجائے مَا کا استعمال اکثر کو غلبہ دینے کے اعتبار سے ہے وہ اپنے ملک میں زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے زمین اور آسمان کی بادشاہت اسی کی ہے پیدا کر کے زندگی دیتا ہے اس کے بعد موت دیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے بغیر ابتداء کے ہر چیز سے پہلے اور وہی آخر ہے یعنی بلا نہایت کے ہر چیز کے بعد رہے گا وہی ظاہر ہے اس پر دلائل موجود ہونے کی وجہ سے اور وہ حواس کے ادراک سے مخفی ہے اور ہر شے کو جاننے والا ہے وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو دنیا کے ایام کے مطابق چھ دنوں میں پیدا فرمایا ان میں پہلا دن یکشنبہ (اتوار) کا ہے اور آخری دن جمعہ کا، پھر وہ عرش کرسی پر مستوی ہو گیا ایسا استواء جو اس کی شان کے لائق ہے وہ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسا کہ بارش کا پانی اور مردے، اور اس کو بھی جو زمین سے نکلتی ہے جیسا کہ نباتات اور معدنیات اور جو آسمان سے نازل ہو، جیسا کہ رحمت اور عذاب اور جو اس کی طرف چڑھے، جیسا کہ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ اور تم جہاں کہیں ہو وہ علم کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے یعنی تمام موجودات، وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے تو دن بڑھ جاتا ہے اور رات گھٹ جاتی ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور دن گھٹ جاتا ہے اور وہ سینوں کے رازوں کا پورا عالم ہے یعنی سینوں میں جو راز اور معتقدات ہیں ان کو بخوبی جانتا ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ یعنی ایمان پر دائم رہو، اللہ کے راستہ میں اس مال میں سے خرچ کرو جس میں تم کو نایب بنایا ہے ان لوگوں کے مال میں جو تم سے پہلے گزر چکے اور اس میں تمہارے بعد والوں کو تمہارا خلیفہ بنائے گا، یہ آیت غزوہ عسره کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ غزوہ تبوک ہے پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے (اس میں) حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی طرف اشارہ ہے، تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ یہ کفار کو خطاب ہے یعنی اللہ پر ایمان لانے سے کوئی چیز تم کو مانع نہیں ہے حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے، اور خود خدا نے تم سے اس پر عہد لیا تھا، اگر تم کو ایمان لانا ہو یعنی اگر اس پر ایمان لانے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف سبقت کرو (أَخِذْ) ہمزہ کے ضمہ اور خاء کے کسرہ کے

ساتھ اور دونوں کے فتح کے ساتھ اور اس کے مابعد فتح کے ساتھ ہے، یعنی اللہ نے انسان سے عالم ذر (نمل) میں جبکہ ان کو خود ان کے اوپر اَللّٰسْتُ بِرَبِّکُمْ کے ذریعہ شاہد بنایا تھا تو سب نے جواب دیا تھا بلی وہی ہے جو اپنے بندے پر قرآن کی واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تم کو کفر کی ظلمت سے ایمان کے نور کی طرف نکالے یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو کفر سے ایمان کی طرف نکال کر تم پر بڑا نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان کے بعد اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے؟ آسمانوں اور زمین کی میراث مع تمام ان چیزوں کے جو ان میں ہیں اللہ کے لئے ہے تمہارے اموال بغیر اجیر انفاق کے اسی کے پاس پہنچ جائیں گے، بخلاف اس مال کے جس کو تم نے خرچ کیا تو اس پر تم کو اجر عطا کیا جائے گا، تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور (فی سبیل اللہ) لڑ چکے برابر نہیں یہی لوگ ہیں بڑے درجے والے ان لوگوں سے جنہوں نے (فتح مکہ کے بعد) خرچ کیا اور قتال کیا، دونوں فریقوں میں سے ہر ایک سے اللہ کا جنت کا وعدہ ہے اور ایک قراءت میں (کُلُّ) رفع کے ساتھ مبتداء ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے سو وہ اس کی تم کو جزاء دے گا۔

تَحْقِیْقُ شَرْکِیِّ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

سُؤَالٌ: سَبَّحَ لِلّٰہِ میں سَبَّحَ کو متعدی بالام لایا گیا ہے حالانکہ سَبَّحَ متعدی بنفسہ استعمال ہوتا ہے۔
جَوَابٌ: لام زائدہ تاکید کے لئے ہے جیسے نَصَحْتُ لَهُ وَشَكَّوْتُ لَهُ یا تَعْلِيلُ کے لئے ہے، مفسر علام نے سَبَّحَ لِلّٰہِ کی تفسیر نَزَّہَہُ سے کر کے اور فاللام مزیدہ کا اضافہ کر کے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔
قَوْلٌ: بالانشاء اس لفظ سے اشارہ کر دیا کہ یُحِیْی سے مراد زندہ چھوڑنا نہیں ہے جیسا کہ نمرود بعض کو قتل کر دیتا تھا اور بعض کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محاجہ کرتے ہوئے انا اُحِیْی وَاُمِیْتُ کہا اور دو آدمیوں کو بلایا جن میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا انا اُحِیْی وَاُمِیْتُ بعض کو قتل نہ کرنا زندہ کرنا نہیں ہے بلکہ یُحِیْی سے مراد انشاء حیات ہے۔

قَوْلٌ: الْکُرْسِیٰ مناسب تھا کہ العرش کی تفسیر کرسی سے کرنے کے بجائے اپنی حالت پر رہنے دیتے۔
قَوْلٌ: اسْتَوَاءٌ یَلِیْقُ بِهِ یہ سلف کی تفسیر ہے، خلف اس کی تاویل قہر اور غلبہ سے کرتے ہیں۔
قَوْلٌ: وَالسَّیِّئَةُ بہتر ہوتا کہ اس کو حذف کر دیتے اس لئے کہ آسمان کی طرف کلمات طیبات صعود کرتے ہیں نہ کہ کلمات سیئہ۔

قَوْلٌ: دُؤِمُوا عَلٰی الْاِیْمَانِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: خطاب مومنین کو ہے لہذا ان سے آمِنُوا کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جَوَابٌ: آمِنُوا سے مراد دوام و قرار علی الایمان ہے جو کہ مومنین سے بھی مطلوب ہے۔

قَوْلًا: وَالرَّسُولُ يَدْعُو كَمَا يَهْدِي لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ: وَالرَّسُولُ يَدْعُو كَمَا يَهْدِي لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔

قَوْلًا: وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ يَهْدِي لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ: وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ يَهْدِي لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔

قَوْلًا: اِی مُرَبِّدِیْنِ الْاِیْمَانَ یَهْدِی لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ: اِی مُرَبِّدِیْنِ الْاِیْمَانَ یَهْدِی لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔

سُؤَال: اَوَلِیْ فَرَمَیَا مَالِکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ جِس کا مقتضی ہے کہ مخاطب مومن نہیں ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْمِنِیْنَ جِس کا مقتضی ہے کہ مخاطب مومن ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اگر تم موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو، اس لئے کہ ان حضرات کی شریعت بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ تم محمد پر ایمان لاؤ۔

قَوْلًا: فَبَادِرُوا الْاِیْمَانَ اِس میں اشارہ ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور وہ فَبَادِرُوا الْاِیْمَانَ ہے۔

قَوْلًا: مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ یَهْدِی لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ: مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ یَهْدِی لَكُمْ سُبُلَ الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔

قَوْلًا: کُلًّا، وَعَدَ اللّٰهُ کَامَفْعُولٍ مُّقَدَّمٍ ہے، اور ابن عامر نے کُلُّ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

رابط:

سورۃ واقعہ کو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ پر ختم فرمایا ہے، اس میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور سورۃ حدید کو سَبِّحْ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع فرمایا ہے، تو گویا کہ سورۃ حدید کی ابتداء علت ہے سورۃ واقعہ کے اختتامی مضمون کی، گویا کہ فرمایا گیا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ لِاَنَّهُ سَبِّحَ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

سورۃ حدید کے فضائل:

ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے مُسَبِّحَات پڑھا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا اِنْ فِیْھِنَّ اَیَّۃٌ اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ اَیَّۃٍ آپ نے فرمایا ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے، اور ابن ضرس نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، اور یحییٰ نے کہا کہ ہم ہزار آیتوں کے مساوی آیت سورۃ حشر کی آخری آیت کو سمجھتے تھے۔ (روح)

سُورَةُ مُّسَبِّحَاتِ پانچ سورتوں کو حدیث میں مسبحات سے تعبیر کیا گیا ہے جن کے شروع میں سَج یا تسبیح آیا ہے ان میں پہلی

سورت سورہ حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صف، چوتھی جمعہ، پانچویں تغابن، ان پانچوں سورتوں میں سے تین یعنی حدید، حشر، صف میں، سَبَّحَ بِصَيْغَةِ ماضی آیا ہے، اور آخری دو سورتوں یعنی جمعہ اور تغابن میں یُسَبِّحُ بِصَيْغَةِ مضارع آیا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہر زمانے اور ہر وقت خواہ ماضی ہو یا مستقبل و حال، جاری رہنا چاہئے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اپنے خالق کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے آج بھی کر رہا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ حصر کے ساتھ فرمایا، وہی عزیز اور حکیم ہے، عزیز کے معنی ہیں قوی طاقتور، اور حکیم کے معنی ہیں حکمت کے ساتھ کام کرنے والا یعنی وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے، اس کی تخلیق اس کی تدبیر، اس کی فرمانروائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں، اس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور وہ ایسا عزیز و طاقتور ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

لطیف نکتہ:

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے، جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبار، ذو انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے محض اس کے اقتدار مطلق کا اظہار ہوتا ہے، اور وہ بھی صرف ان مواقع پر استعمال ہوا ہے، جہاں سلسلہ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے، اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے عزیز کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں اس کے ساتھ حکیم، علیم، غفور، وھاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور استعمال ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، معاف اور درگزر کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو اور بدسیرت اور تند خو ہو، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص یا جماعت کو دوسروں پر بالادستی حاصل ہے، وہ اپنی طاقت کو یا تو نادانی اور جہالت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگ دل ہے، طاقت کے ساتھ ان بُری صفات کا اجتماع جہاں کہیں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم و علیم، اور رحیم و غفور اور حمید و وھاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے اور یہ تمام صفات کمال اس کی ذات میں شامل ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس لئے کہ تمام موجودات اسی کی پیدا کردہ ہیں اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ موجود رہیگا جیسا کہ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ میں اس کی تصریح موجود ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا، اور سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے، اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات اور اس کی کنہ کو محسوس کرنا تو درکنار عقل و فکر و خیال تک

اس کی کنہ اور حقیقت کو نہیں پاسکتے، اور وہ اپنی ذات اور کنہ کے اعتبار سے ایسا باطن اور مخفی ہے کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم و از ہرچہ دیدہ ایم و شنیدہ ایم و خواندہ ایم

اس کی بہترین تفسیر نبی ﷺ کی دعاء کے وہ الفاظ ہیں، جو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سکھائے تھے اور پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔

اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاتِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ.

(بخاری، مسلم کتاب الذکر والدعاء)

اس دعاء میں جو ادائیگی قرض کے لئے مسنون ہے اور اول و آخر و ظاہر و باطن کی بہترین تفسیر ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلْجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا (الآية) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرات اور غلہ جات و میوہ جات ہیں اور جو بیج داخل ہوتے ہیں ان کی کمیت و کیفیت کو وہ جانتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ یعنی اللہ علم کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطہ علم میں نہیں آ سکتی مگر اس کا وجود یقینی ہے اس کے بغیر انسان کا نہ وجود قائم رہ سکتا ہے اور نہ کوئی کام اس سے ہو سکتا ہے اس کی مشیت اور قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے جو ہر حال اور ہر جگہ میں ہر انسان کے ساتھ رہتی ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَحْلِفِيْنَ فِيْهِ يٰۤاَيُّهَا غَزْوَةُ تَبُوكَ كے بارے میں نازل ہوئی ہے، روح المعانی میں ہے وَالْآيَةُ عَلَى مَا رَوَى عَنِ الضَّحَّاكِ نَزَلَتْ فِي تَبُوكَ فَلَا تَغْفَلَ. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب کا روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے اس لئے کہ جن حالات میں انفاق فی سبیل اللہ کی بڑے زوردار اور نئے انداز سے اپیل کی جا رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپیل اور ترغیب غیر معمولی حالات کے پیش نظر کی جا رہی ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق نے اپنا کل مال اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصف مال اس ہنگامی فوجی اور قومی ضرورت کے لئے خدمت میں پیش کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غزوہ میں ایک ہزار دینار اور تین سواونٹ مع ساز و سامان کے پیش کئے، اور ایک دوسری روایت کی رو سے اس ہنگامی اور فوری ضرورت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مع ان کے ساز و سامان کے پیش کئے، اسی موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمایا ما علی عثمان بعد هذه اور ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَخْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَاثِبٌ اِلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا يُدَالِي مَا عَمِلَ بَعْدَهَا. (صاوی)

فَلَا تَبْخُلُوا بِهِ (روح المعانی) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال ہمیشہ سے نہ تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے، کل یہ دوسرے لوگوں کے پاس تھا پھر اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا کر اسے تمہارے حوالہ کیا، پھر ایک وقت آئے گا کہ جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا، دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے، اس عارضی جانشینی کی تھوڑی سی مدت میں جب یہ تمہارے قبضہ تصرف میں ہے، اسے اللہ کے کام میں خرچ کرو تا کہ آخرت میں اس کا مستقل اور دائمی اجر تمہیں حاصل ہو، اسی مطلب کے مطابق اس اعرابی کا قول ہے جس سے کسی نے سوال کیا لِمَنْ هَذِهِ الْاِبْلُ؟ فقال هِيَ لِلّٰهِ تعالیٰ عندی یہ اللہ کا اونٹ ہے جو میرے پاس امانت ہے۔

اسی مضمون کو حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے، ترمذی میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اکثر حصہ تقسیم کر دیا، ایک دست گھر کے لئے رکھ لیا، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اس بکری میں سے تقسیم کے بعد کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا ما بقی اِلَّا کَتِفُہَا ایک شانے کے سوا کچھ نہیں بچا، آپ ﷺ نے فرمایا بَقِیَ کُلُّہَا اِلَّا کَتِفُہَا ایک شانے کے سوا پوری بکری باقی رہ گئی یعنی خدا کی راہ میں جو کچھ دیدارِ اصل وہی باقی رہ گیا۔

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا یَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَالِیْ مَالِیْ، وَهَلْ لَّكَ مِنْ مَالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَافْنَيْتَ، اَوْ لَبِسْتَ فَابْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ وَمَا سِوَا ذٰلِكَ فَذَاهِبٌ وَتَارِكٌ لِلنَّاسِ۔ آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرے مال میں تیرا حصہ اس کے سوا کیا ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پُرانا کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے، اور اسے دوسروں کے لئے چھوڑ جانے والا ہے۔ (مسلم)

گذشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید بیان فرمانے کے بعد اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کیا جائے ثواب تو ہر ایک کو ہر حال میں ملے گا، لیکن ثواب کے درجات میں ایمان و اخلاص اور مسابقت کے اعتبار سے فرق ہوگا، اس کے لئے فرمایا۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٍ لَّيْنِ اَجْرُكَ مَسْتَحَقٌّ تُوَدُّونَ هِیْ هِیْ لَیْکِنْ اَیْکِ گروہ کا رتبہ دوسرے گروہ سے لازماً بلند تر ہے کیونکہ اس نے زیادہ سخت حالات میں اللہ تعالیٰ کی خاطر وہ خطرات مول لئے جو دوسرے گروہ کو درپیش نہ تھے، اس نے ایسی حالت میں مال خرچ کیا کہ جب دور دور کہیں یہ امکان نظر نہ آتا تھا کہ کبھی فتوحات سے اس خرچ کی تلافی ہو جائے گی اور اس نے ایسے نازک دور میں کفار سے جنگ مول لی جب ہر وقت یہ اندیشہ تھا کہ دشمن غالب آکر اسلام کا نام لینے والوں کو پیس ڈالیں گے۔

مجاہد و قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور عامر و شعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ مراد ہے پہلے قول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔

أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل گئے گزرے تھے جیسا کہ بعض حضرات امیر معاویہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اور ان کے والد حضرت ابوسفیان رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں طلقاء کہہ کر ان کی تنقیص و اہانت کرتے ہیں، نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ کے بارے میں فرمایا لَا تَسْبُوا اصْحَابِي میرے اصحاب پر سب و شتم نہ کرو تم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ میرے صحابی کے خرچ کئے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ بِنَافِقٍ مَالَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا بَانَ يُنْفِقَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَيُضِعْفَهُ لَهُ وَفِي قِرَاءَةٍ فَيُضَعْفُهُ بِالتَّشْدِيدِ مِنْ عَشْرِ إِلَى أَكْثَرٍ مِنْ سَبْعِ مِائَةٍ كَمَا ذَكَرَ فِي الْبَقَرَةِ وَلَهُ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝
مُقْتَرَنٌ بِهِ رَضَى وَاقْبَالَ، أذْكَرُ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَامْنَهُمْ وَ يَكُونُ بِإِيمَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ بُشْرِكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتْ أَيْ دُخُلُهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝
يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا أَبْصُرُونَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكُسْرِ الظَّاءِ أَيْ
أَمْهِلُونَا نَقْتَبِسْ نَاخُذُ الْقَبَسَ وَالْإِضَاءَةَ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ لَهُمْ اسْتَهْزَأَ بِهِمْ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا
فَرَجِعُوا فَضْرَبَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ سُورٌ قِيلَ هُوَ سُورُ الْأَعْرَافِ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ مِنْ جِهَةِ
الْمُؤْمِنِينَ وَظَاهِرُهُ مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِينَ مِنْ قَبْلِهِ الْعَذَابُ ۝ ينادونهم ألم نكن معكم على الطاعة
قالوا بلى ولكنكم فتنتم أنفسكم بالبنفاق وتربصتم بالمؤمنين الدوائر ولربتم شكتم في دين الإسلام
وغرتكم الأمانى حتى جاء أمر الله الموت وغرکم بالله الغرور ۝ الشيطان فالیوم لا یؤخذ بالیاء والتاء
منکم فدیة ولا من الذین کفروا ما ولیکم النار ہی مولکم اولى بکم وبئس المصیر ۝ هی المریان یجن للذین آمنوا
نزلت فی شان الصحابة لما اکثروا المزاح أن تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل بالتخفيف والتشديد من الحق
القران ولا یكونوا معطوف على تخشع كالذین اوتوا الكتب من قبل هم اليهود والنصارى فطال علیهم الامد
الزمن بينهم وبين انبيائهم فقست قلوبهم لم تلن لذكر الله وكثير منهم فسقون ۝ اعلموا خطاب للمؤمنين
المذكورين أن الله يحيى الأرض بعد موتها بالنبات فكذلك يفعل بقلوبكم بردها الى الخشوع
قد بينا لكم الآيات الدالة على قدرتنا بهذا وغيره لعلمكم تعقلون ۝ إن المصدقين من التصديق وأذغمت التاء

فِي الصَّادِ اَيَ الَّذِيْنَ تَصَدَّقُوا وَالْمَصَدَّقَاتِ اللَّائِي تَصَدَّقْنَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيفِ الصَّادِ فِيهِمَا مِنَ التَّصَدِيقِ الْاِيْمَانِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا رَّاجِعٌ اِلَى الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ بِالتَّغْلِيْبِ وَعَطْفُ الْفِعْلِ عَلٰى الْاِسْمِ فِي صَلَٰةِ اِلَ لَّانَّهُ فِيْهَا حَلٌّ مَّحَلِّ الْفِعْلِ وَذِكْرُ الْقَرْضِ بِوَصْفِهِ بَعْدَ التَّصَدِّقِ تَقْيِيْدٌ لَهُ يُضَعِّفُ وَفِي قِرَاءَةٍ يُضَعِّفُ بِالتَّشْدِيْدِ اَيَ قَرْضَهُمْ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۹ الْمُبَالِغُوْنَ فِي التَّصَدِيقِ وَالشَّهَادَةِ عِنْدَ رَبِّهِمْ عَلٰى الْمُكَذِّبِيْنَ مِنَ الْاَسْمِ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا الدّٰلَةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ۝۲۰ النَّارِ.

۲۸

ترجمہ: کون شخص ہے کہ جو اپنا مال اللہ کو قرض حسن کے طور پر دے یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرے؟ اس طریقہ پر کہ (خالص) اللہ کے لئے خرچ کرنے پھر اللہ تعالیٰ اس قرض کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے، اور ایک قراءت میں فیضعف تشدید کے ساتھ ہے دس گنے سے سات سو گنے تک زیادہ جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہوا، اور اس کے لئے (اجر) بڑھانے کے ساتھ پسندیدگی کا اجر بھی ہے (یعنی) اس اجر کے ساتھ رضا مندی اور قبولیت ہے، اس دن کا ذکر کیجئے کہ جس دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے، کہ ان کا اجر ان کے سامنے ہے اور نور ان کے دہنی جانب دوڑتا ہوگا اور ان سے کہا جائے گا آج تمہارے لئے ایسی جنت کی یعنی اس میں داخل ہونے کی خوشخبری ہے کہ جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے، جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے (ذرا) ہماری طرف (بھی) دیکھ لو اور ایک قراءت میں ہمزہ کے فتح اور طاء کے کسرہ کے ساتھ ہے (یعنی ذرا ہمارا بھی) انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں ان سے استہزاء کے طور پر کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو تو وہ لوٹ جائیں گے، تو ان کے اور مومنین کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی کہا گیا ہے کہ وہ اعراف کی دیوار ہوگی اس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندورنی حصہ میں مومنین کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر منافقین کی جانب عذاب ہوگا یہ لوگ چلا کر ان سے کہیں گے کیا طاعت میں ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے خود کو نفاق کے فتنہ میں پھنسا رکھا تھا اور مومنین پر حوادث کے منتظر رہا کرتے تھے اور دین اسلام میں شبہ کرتے تھے اور تمہیں تمہاری (فضول) تمناؤں نے دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم یعنی موت آپہنچی، اور تمہیں اللہ کے بارے میں ایک دھوکہ باز شیطان نے دھوکے ہی میں رکھا، الغرض! آج تم سے نہ فدیہ قبول کیا جائے گا یا اور تاء کے ساتھ اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہی تمہارے لائق ہے (یعنی) تمہارے لئے اولیٰ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا؟ یہ آیت صحابہ کرام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی کہ جب وہ مذاق، دل لگی زیادہ کرنے لگے کہ ان کے قلوب ذکر الہی سے اور اس حق یعنی قرآن سے نرم ہو جائیں جو

نازل ہو چکا ہے (نَزَلَ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے ان لوگوں کے مانند کہ جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں پھر جب ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا یعنی ان کے اور ان کے انبیاء کے درمیان (زمانہ دراز گزر گیا) تو ان کے قلوب سخت ہو گئے اللہ کے ذکر کے لئے نرم نہ رہے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں یقیناً مانو مومنین مذکورین کو خطاب ہے کہ اللہ ہی زمین کو گھاس اگا کر اس کی موت کے بعد اس کو زندہ کر دیتا ہے چنانچہ تمہارے قلوب کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا ان کو خشوع کی جانب لوٹا کر ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں جو ہر طریقہ سے ہماری قدرت پر دلالت کرتی ہیں تاکہ تم سمجھو، بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد یہ تصدق سے ماخوذ ہے تاء کو صادمیں ادغام کر دیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے صدقہ کیا اور وہ عورتیں جنہوں نے صدقہ کیا اور ایک قراءت میں صاد کی تخفیف کے ساتھ ہے، تصدیق سے ماخوذ ہے، اور مراد ایمان ہے اور جو خلوص کے ساتھ قرض حسن دے رہے ہیں یہ تغلیباً ذکر اور اثبات دونوں کی طرف راجع ہے، اور فعل کا عطف اس اسم پر ہے جو الف لام کے صلہ میں ہے اس لئے (جائز ہے) کہ اسم یہاں فعل کے معنی میں واقع ہو، تصدق کے ذکر کے بعد قرض کو اس کی صفت کے ساتھ ذکر کرنا تصدق کو مقید کرنے کے لئے ہے ان کا قرض ان کے لئے بڑھادیا جائے گا اور ایک قراءت میں يُضَعَّفُ تشدید کے ساتھ ہے، اور ان کے لئے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق یعنی تصدیق میں مبالغہ کرنے والے ہیں اور تکذیب کرنے والی امم سابقہ پر گواہ ہیں ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرنے والی آیتوں کو جھٹلایا ان کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْهِيلٍ وَ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اس میں ترکیب کے اعتبار سے چند صورتیں ہیں ① مَنْ استفہامیہ مبتداء ذَا اس کی خبر، اور الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ اس سے بدل یا صفت ② مَنْ ذَا مبتداء اور الَّذِي اس کی خبر ③ ذَا مبتداء موصوف اور الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ موصول صلہ سے مل کر صفت اور مَنْ خبر مقدم، اس میں معنی استفہام ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا۔

قَوْلًا: يُضَاعِفُهُ فاء کے بعد ان مقدرہ کے ذریعہ جواب استفہام ہونے کی وجہ سے منصوب، استیناف یا یقرضُ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع۔

قَوْلًا: رِضًا وَاِقْبَالَ معطوف علیہ معطوف سے مل کر مُقْتَرِنٌ کا فاعل۔

قَوْلًا: اُذْکَر مفسر علام نے اُذْکَر محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یَوْمَ فعل محذوف کا ظرف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو الخ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَجْرٌ کریم کا ظرف ہو یعنی اس دن میں اجر کریم ہے اور تیسری صورت یہ بھی جائز ہے کہ یَسْعٰی کا

ظرف ہو یعنی تو دیکھے گا کہ مومنین و مومنات کا نور اس دن میں ان کے سامنے دوڑے گا۔

قَوْلًا: يَسْعَى نُورُهُمْ جملہ حالیہ ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ یسعی کو یوم میں عامل نہ قرار دیا جائے۔

قَوْلًا: وَيَكُونُ، يَكُونُ کو مقدر مان کر اس احتمال کو ختم کر دیا کہ وَيَأْيَمَانِهِمْ، يَسْعَى کے ماتحت ہو اور معنی یہ ہوں کہ نور ان

کی داہنی جانب ان سے دور ہوگا، اس لئے کہ ایمان سے جمیع جہات مراد ہیں۔

قَوْلًا: دُخُولُهَا اس کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ جنت حذف مضاف کے ساتھ ہے بشر اکم مبتداء کی خبر ہے تقدیر

عبارت یہ ہے بشر اکم اليوم بدخول الجنة۔

قَوْلًا: ذَلِكَ اِىْ دُخُولِ الْجَنَّةِ۔

قَوْلًا: يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ يَوْمَ تَرَىٰ سَے بدل ہے۔

قَوْلًا: لَهُ بَابٌ بَاطِنَةٌ فِيهِ الرَّحْمَةُ، لَهُ بَابٌ جملہ ہو کر نور کی صفت اول ہے اور بَاطِنَةٌ فِيهِ الرَّحْمَةُ صفت ثانی ہے۔

قَوْلًا: الْغُرُورُ بِالْفَتْحِ بمعنی شیطان کما قال المفسر وبالضم شذوذاً مصدر بمعنی اغترأ بالباطل۔

قَوْلًا: مَا وَاكُمُ النَّارُ مَا وَاكُمُ خبر مقدم النَّارُ مبتداء مؤخر اس کا عکس بھی جائز ہے۔

قَوْلًا: هِيَ مَوْلَاكُمْ، مولا مصدر بھی ہو سکتا ہے اِیْ وَلَا يَتَكُمُ اِیْ ذَاتُ وَلَا يَتَكُمُ یا بمعنی مکان ہو اِیْ مَكَانٌ

وَلَا يَتَكُمُ یا بمعنی اولیٰ ہو سکتا ہے جیسا کہ هُوَ مَوْلَاهُ اِیْ اُولٰی هِيَ نَاصِرُكُمْ وہ آگ ان کی ناصر و مددگار ہے اور یہ

استہزاء ہے۔

قَوْلًا: اَلْمَرْيَانِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا جمہور کے نزدیک یا ن سکون ہمزہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ اِنِّیْ یٰنِی (رَمٰی یرمٰی) کا

مضارع واحد مذکر غائب ہے، پھر یاء کو جو کہ عین کلمہ ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قَوْلًا: رَاجِعٌ اِلَى الذِّكْرِ وَالْاِنَاثِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ

کا عطف دونوں فعلوں یعنی الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ پر ہے صرف اول پر ماننے کی صورت میں صلہ کے تام ہوئے بغیر

عطف لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

سُؤَالٌ: اَقْرَضُوا اللّٰهَ کا عطف الْمُصَدِّقِينَ پر ہے، جو کہ اسم ہے، لہذا فعل کا عطف اسم پر لازم آتا ہے جو کہ درست

نہیں ہے۔

جَوَابٌ: جس اسم پر الف لام بمعنی الَّذِیْ داخل ہو تو وہ اسم بھی فعل کے حکم میں ہو جاتا ہے لہذا عطف درست ہے۔

قَوْلًا: وَذَكَرَ الْقَرْضَ بِوَصْفِهِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: الْمُصَدِّقِينَ تشدید کے ساتھ بمعنی صدقہ دینے والے ہے، پھر اس کے بعد فرمایا وَاقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

حَسَنًا اس کا مطلب بھی صدقہ کرنا ہے تو الْمُصَدِّقِينَ کے ذکر کرنے کے بعد وَاقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کے ذکر کی کیا

ضرورت رہتی ہے یہ تو تکرار ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اضافہ کا مقصد صدقہ کو صفت حسن کے ساتھ متصف کرنا ہے یعنی صدقہ اخلاص اور للہیت کے ساتھ دیا جائے، لہذا یہ تکرار بے فائدہ نہیں۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ، وَالَّذِينَ آمَنُوا مبتداء، أُولَٰئِكَ مبتداء ثانی اور هُمْ میں یہ بھی جائز ہے کہ مبتداء ثالث ہو اور الصَّادِقُونَ اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر خبر مبتداء ثانی کی اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر خبر ہوئی مبتداء اول کی اور یہ بھی جائز ہے کہ هُمْ ضمیر فصل ہو اور أُولَٰئِكَ اور اس کی خبر مل کر مبتداء اول کی خبر ہو۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیح

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا الخ یہ وہ عجیب و غریب، پُر تاثیر، درد انگیز الفاظ ہیں کہ جو کفر کے مقابلہ میں اسلام کی جانی اور مالی نصرت کی اپیل کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، خدا کی یہ شان کریں ہی تو ہے کہ آدمی اگر اس کے عطا کئے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمہ قرض قرار دے بشرطیکہ وہ قرض حسن ہو وَلَوْ جَاهِ اللَّهُ خلوص نیت کے ساتھ ہو، اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں ایک یہ کہ وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے گا دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا کرے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کا عجیب واقعہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں نے اسے سنا تو حضرت ابوالدحداح انصاری رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! اے ابوالدحداح! انہوں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے، آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دیدیا، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا دحداح کی ماں باہر نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دیدیا ہے، وہ بولیں تم نے نفع کا سودا کیا، دحداح کے باپ! اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل گئیں (ابن ابی حاتم) اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخلص اہل ایمان کا طرز عمل اس وقت کیا تھا؟ اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کیسا قرض حسن ہے جسے کئی گنا بڑھا کر واپس دینے اور پھر اوپر سے اجر کریم عطا کر نیکا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الآیۃ) ”اس دن“ سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے، کھلے کافر تو پل صراط تک پہنچنے

سے پہلے ہی جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے، البتہ کسی بھی نبی کے سچے یا کچے امتیوں کو پل صراط پر چلنے سے پہلے روشنی عطا کی جائے گی، وہاں روشنی جو کچھ بھی ہوگی صالح عقیدے اور صالح عمل کی ہوگی، ایمان کی صداقت اور کردار کی پاکیزگی ہی نور میں تبدیل ہو جائے گی، جس شخص کا عمل جتنا تابندہ ہوگا اس کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی اور جب وہ محشر سے جنت کی طرف چلیں گے تو ان کی روشنی ان کے سامنے اور داہنی جانب ہوگی، اس کی بہترین تشریح قتادہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی ایک مرسل روایت میں ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کا نور اتنا تیز ہوگا کہ جتنی مدینہ سے عدن تک کی مسافت ہے اور کسی کا نور مدینہ سے صنعاء کی مسافت کی مقدار ہوگا، اور کسی کا اس سے کم یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہوگا جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہ بڑھے گا۔ (ابن جریر ملخصاً)

حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ظلمت شدیدہ کے وقت مومنین اور مومنات کو نور تقسیم کیا جائے گا تو منافقین اس سے بالکل محروم رہیں گے۔

مگر طبرانی نے حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”پل صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن و منافق کو نور عطا کرے گا جب یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا۔“

بہر حال خواہ ابتداء ہی سے منافقین کو نور نہ ملا ہو یا مل کر بجھ گیا ہو، اس وقت وہ مومنین سے درخواست کریں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں، کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو ان کو ان درخواست کا جواب نا منظوری کی شکل میں دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ روشنی پیچھے تلاش کرو پیچھے تقسیم ہو رہی ہے، وہ لوگ روشنی حاصل کرنے کے لئے پیچھے کی طرف پلٹیں گے تو ان کے اور جنتیوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔

سُئَالٌ: حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اور حضرت ابو امامہ باہلی کی روایتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جَوَابٌ: تفسیر مظہری میں دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اصل منافقین جو کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا، مگر وہ منافقین جو اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوں گے جن کو منافق کا نام تو نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لہذا کسی کے لئے قطعی طور پر منافق کہنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے واقف ہے سے معلوم ہے کہ کون منافق ہے اور کون مومن؟ لہذا سلب نور کا یہ معاملہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہوں گے۔ (ملخصاً)

الْمَرْبَانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ (الآیۃ) الفاظ اگرچہ عام ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب عام مومنین کو ہے، مگر تمام مسلمان مراد نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا وہ خاص گروہ مراد ہے کہ جو زبانی ایمان کا اقرار کر کے رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں میں شامل ہو گیا تھا اس کے باوجود اسلام کے درد سے اس کا دل خالی تھا، آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ کفر کی

تمام طاقتیں اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، چاروں طرف سے انہوں نے اہل ایمان پر نرغہ کر رکھا ہے عرب کی سرزمین میں جگہ جگہ مسلمانوں کو تختہ مشق بنایا جا رہا ہے، گوشے گوشے سے مظلوم مسلمان سخت بے سروسامانی کی حالت میں پناہ لینے کے لئے مدینے کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں، مخلص مسلمانوں کی کمران مظلوموں کو سہارا دیتے دیتے ٹوٹی جا رہی ہے، اور دشمن کے مقابلہ میں بھی یہی مخلص مومن سر بکف ہیں مگر یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان کا دعویٰ کرنے والا یہ گروہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا، اس پر ان لوگوں کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم کیسے ایمان والے ہو؟ اسلام کے لئے حالات نزاکت کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں، کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر سن کر تمہارے دل پگھلیں اور اس کے دین کے لئے تمہارے دلوں میں ایثار و قربانی اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو؟ کیا ایمان لانے والے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اللہ کے دین پر برا وقت آئے اور وہ اس کی ذرا سی ٹیس بھی اپنے دل میں محسوس نہ کریں، اللہ کے نام پر انہیں پکارا جائے اور وہ اپنی جگہ سے بلیس تک نہیں، اللہ اپنی نازل کردہ کتاب میں خود چندے کی اپیل کرے اور اسے اپنے ذمہ قرض قرار دے اور صاف صاف یہ سنا دے کہ ان حالات میں جو اپنے مال کو میرے دین سے عزیز تر رکھے گا وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہوگا، اس پر بھی ان کے دل نہ خدا کے خوف سے کانپیں اور نہ اس کے آگے جھکیں، یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد قبول کرے شروع میں اہل کتاب یہ باتیں اپنے پیغمبروں سے پاتے تھے، مدت کے بعد ان پر غفلت چھا گئی، دل سخت ہو گئے، وہ بات نہ رہی، اکثر وہ نے نہایت سرکشی اور نافرمانی شروع کر دی، اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع لہذا اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہیں پہنچی۔

إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قُرْآن مجید میں متعدد مقامات پر نبوت کے نزول کو بارش کی برکات سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انسانیت پر اس کے وہی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو زمین پر بارش کے ہوتے ہیں جس طرح مردہ پڑی ہوئی زمین بارانِ رحمت کا ایک چھینٹا پڑتے ہی لہلہا اٹھتی ہے، اسی طرح جس ملک میں اللہ کی رحمت سے ایک نبی مبعوث ہوتا ہے اور وحی کتاب کا نزول شروع ہوتا ہے وہاں مری ہوئی انسانیت یکا یک جی اٹھتی ہے۔

إِعْلَمُوا أَنَّ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَعِبٌّ وَلَهُمْ وَزِينَةٌ تَزِينُ وَتَفَاخُرُ بَيْنَكُمْ وَتَكَثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ أَى الْإِسْتِغَالِ فِيهَا وَأَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا يُعِينُ عَلَيْهَا فَمِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ كَمَثَلِ أَى هِىَ فِى اعْجَابِهَا لَكُمْ وَأَضْمَحِلَّهَا كَمَثَلِ غَيْثِ مَطَرٍ أَتَجَبَّ الْكُفَّارَ الزَّرَّاعَ نَبَاتُهُ النَّاشِئُ عَنْهُ ثُمَّ يَهْبِجُ يَبْسُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا تَمْرُكُونُ حُطْلَمًا فَنَاتًا يَضْمَجُ بِالرِّيَّاحِ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ لِمَنْ أَثَرَ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ لِّمَنْ لَّمْ يُوَثِّرْ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَا التَّمَتُّعُ فِيهَا الْأَمْتَاعُ الْغُرُورُ ۝ سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَوْ وُصِّلَتْ إِحْدَاهُمَا بِالْآخَرِى وَالْعَرْضُ السَّعَةُ ۚ أَعَدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ يَعْنِي
اللُّوحُ الْمَحْفُوظُ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا نَخْلُقُهَا وَيُقَالُ فِي النِّعْمَةِ كَذَلِكَ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لَكَيْلًا كَى نَاصِبَةً
لِنَفْعَلِ بِمَعْنَى أَنْ أَيْ أَخْبَرَ بِذَلِكَ تَعَالَى لِئَلَّا تَأْسَوْا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا أَيْ فَرَحَ بِطَرْبِلِ فَرَحَ
شُكْرِ عَلَى النِّعْمَةِ بِمَا أَنْتُمْ بِالْمَدِّ اعْطَاكُمْ وَبِالْقَصْرِ جَاءَكُمْ مِنْهُ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ فَيُخَوِّرُ
بِهِ عَلَى النَّاسِ الَّذِينَ يَخْلَوْنَ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ بِهِ لَهُمْ وَعَيْدٌ شَدِيدٌ وَمَنْ يَتَوَلَّ عَمَّا
يَجِبُ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ ضَمِيرُ فَضْلٍ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُقُوطِهِ الْغَنَى عَنْ غَيْرِهِ الْحَمِيدُ ۝ لِأَوْلِيَائِهِ
لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا إِلَى الْأَنْبِيَاءِ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ
وَالْمِيزَانَ الْعَدْلَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ أَخْرَجْنَاهُ مِنَ الْمَعَادِنِ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ يُقَاتِلُ بِهِ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ مُعْطُوفٌ عَلَى لِيَقُومَ النَّاسُ مَنْ يَنْصُرُهُ بِآلَاتِ الْحَرْبِ مِنَ الْحَدِيدِ
وغيره وَرُسُلُهُ بِالْغَيْبِ حَالٌ مِنْ هَاءٍ يَنْصُرُهُ أَيْ غَائِبًا عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
يَنْصُرُونَهُ وَلَا يَبْصُرُونَهُ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ لَا حَاجَةَ لَهُ إِلَى النُّصْرَةِ لَكِنَّا تَنْفَعُ مَنْ يَأْتِي بِهَا.

ترجمہ:

خوب جان لو دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر (غرور) اور مال و اولاد کو ایک دوسرے
سے بڑھ چڑھ کر جلتانا ہے یعنی ان میں مشغول ہو جانا ہے، لیکن طاعت اور وہ چیزیں جو اس میں معاون ہوں (مثلاً) توبہ، امورِ
آخرت سے ہیں (مذکورہ چیزوں کی مثال) ان چیزوں کی مثال تیرے لئے تعجب خیز ہونے میں اور (جلدی) مضحمل ہونے میں
ایسے ہے جیسے بارش سے پیدا ہونے والی کھیتی کسانوں کو خوش کرتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو زرد دیکھتے ہو
پھر وہ چورہ چورہ ہو جاتی ہے پھر ہوا کے ذریعہ نیست و نابود ہو جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لئے سخت عذاب ہے جو آخرت پر
دنیا کو ترجیح دیتا ہے اور اللہ کی طرف سے نصرت اور خوشنودی ہے اس شخص کے لئے جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دی اور دنیا
کی زندگی یعنی اس سے تمتع حاصل کرنا محض دھوکے کا سامان ہے تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف دوڑو جس کی
وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے اگر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا لیا جائے اور عرض سے مراد وسعت ہے (نہ کہ چوڑائی) یہ
ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے
فضل والا ہے نہ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے خشک سالی وغیرہ اور نہ خاص تمہارے نفس میں جیسا کہ مرض اور بچے (وغیرہ) کا
فوت ہو جانا، مگر یہ کہ وہ کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوتی ہے ان نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے اور نعمت میں بھی ایسا ہی
کہا جائے گا (جیسا کہ مصیبت کے بارے میں کہا گیا) یہ کام اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (لکھنا) میں کئی فعل کا ناصب ہے
ان کے معنی میں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی تاکہ تم فوت شدہ چیز پر رنجیدہ نہ ہو اور نہ تم اس نعمت پر جو تم کو عطا کی گئی ہے

اتر آنے کے طور پر خوشی کا اظہار کرو بلکہ نعمت پر شکریہ کے طور پر اظہار مسرت کرو (اتکُم) مد کے ساتھ اَعْطَاکُمْ کے معنی میں ہے اور قصر کے ساتھ جَاءَ کُمْ مِنْہ کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ عطا کردہ نعمت پر کسی اتر آنے والے اور اس نعمت کی وجہ سے لوگوں پر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ خود (بھی) اپنے اوپر واجبات میں بخل کرتے ہیں اور اس میں لوگوں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کے لئے سخت وعید ہے (سنو) جو شخص بھی اپنے اوپر واجبات سے منہ پھیرے بلاشبہ اللہ ہُوَ ضمیر فصل ہے اور ایک قراءت ہُوَ کے سقوط کے ساتھ ہے، بے نیاز ہے اور اپنے اولیاء کی حمد کا سزاوار ہے یقیناً ہم نے اپنے رسول ملائکہ کو اپنے انبیاء کی طرف حج قاطعہ دیکر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب بمعنی کتب اور ترازو (یعنی) عدل کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا یعنی معادن سے نکالا جس میں شدید ہیبت ہے اس کے ذریعہ قتال کیا جاتا ہے، اور لوگوں کے لئے (اور بھی) بہت سے فوائد ہیں اور اس لئے بھی تاکہ اللہ مشاہدہ کے طور پر جان لے (لِيَعْلَمَ) کا عطف لِيَقُومَ النَّاسُ پر ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی بغیر دیکھے مدد کرتا ہے؟ (یعنی) کون اس کے دین کی لوہے کے آلات وغیرہ کے ذریعہ مدد کرتا ہے؟ (بالغیب) يَنْصُرُهُ کی ہاء سے حال ہے یعنی دنیا میں ان سے غائبانہ طور پر، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا اس کی مدد کرتے ہیں حالانکہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور زبردست ہے اس کو نصرت کی حاجت نہیں لیکن جو نصرت کرے گا اسی کو فائدہ دے گی۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِيْ فَوَائِدٍ

قَوْلًا: اَى الْاِسْتِغَالُ فِيْهَا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال اور اولاد فی نفسہ بُری چیز نہیں ہیں بلکہ ان میں اسہاک و اشتغال ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

قَوْلًا: اِیْ هِیَ اس میں اشارہ ہے کہ فِیْ اِعْجَابِہَا، ہِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلًا: الزَّرَّاعُ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کافر بمعنی زارع (کسان) کی جمع ہے، حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا المراد بالكفار الزَّرَّاعُ زہری نے کہا ہے کہ عرب زارع کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بیج کو مٹی میں چھپاتا ہے یعنی يَكْفُرُ بمعنی يَسْتُرُ ہے۔

قَوْلًا: التَّمَتُّعُ فِيْهَا کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا حذف مضاف کے ساتھ مبتداء ہے تاکہ متاع الغرور کا حمل حیوة الدنیا پر ہو سکے۔

قَوْلًا: وَالْعَرَضُ، السَّعَةُ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جنت کے عرض یعنی چوڑائی کا ذکر کیا گیا ہے مگر طول (لمبائی) کا ذکر نہیں کیا۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں العرض سے مراد چوڑائی نہیں ہے جو کہ طول کا مقابل ہے بلکہ مطلقاً وسعت مراد

ہے جس میں طول و عرض دونوں شامل ہیں۔

قَوْلًا: وَيَقَالُ فِي النِّعْمَةِ كَذَلِكَ یعنی جس طرح نفس و مال میں مصیبتیں اور بلائیں منجانب اللہ آتی ہیں اسی طرح نعمتیں
اور راحتیں بھی اسی کی تقدیر اور حکم سے آتی ہیں۔

قَوْلُهُ: مِنْهُ اَي مِنْ فَضْلِ اللَّهِ.

قَوْلًا: لَهُ وَعِيدٌ شَدِيدٌ اس سے اشارہ ہے کہ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ الْخِمْبَتَاءِ ہے اس کی خبر لَهُمْ وَعِيدٌ شَدِيدٌ محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَنْ يَتَوَلَّ، من شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور وہ فَالْوَبَالُ علیہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اَعْلَمُوا اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهٗوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ سَابِقَةَ آيَاتِ
مِىں اہل جنت کے اور اہل جہنم کے حالات کا بیان تھا، جو آخرت میں پیش آئیں گے اور دائمی ہوں گے، اور آخرت کی نعمتوں سے
محرومی اور عذاب میں گرفتاری کا بڑا سبب انسان کے لئے دنیا کی فانی لذتیں اور ان میں انہماک، آخرت سے غفلت کا سبب ہے،
اس لئے ان آیات میں اس فانی دنیا کا ناقابل اعتماد ہونا بیان کیا گیا ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ وہ حقیر اور ناقابل
بھروسہ چیزیں ہیں کہ ان کی طرف مائل ہونا بھی عقل و دانشمندی کے خلاف ہے چہ جائیکہ ان پر مطمئن ہو جانا۔

اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غفلت کے اسباب کو واقعاتی ترتیب کے ساتھ نہایت پُر تاثیر طریقہ پر مشاہداتی مثال کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ابتدائے عمر سے آخر عمر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور جن میں دنیا دار منہمک اور مشغول اور اس پر خوش رہتے ہیں اس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ بہ ترتیب چند چیزیں اور چند حالات ہیں ان حالات کی قرآنی اور واقعاتی ترتیب یہ ہے، پہلے لَعْبُ پھر لَبُو، پھر زینت، پھر مال و اولاد کی کثرت پر فخر۔

لعب وہ کھیل ہے کہ جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں کہ ان میں سوائے لعب و مشقت کے کوئی فائدہ نہیں، اور لہو وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گزاری کا مشغلہ ہوتا ہے ضمنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی اس میں حاصل ہو جاتا ہے جیسے بڑے بچوں کے کھیل مثلاً گیند، بلا، تیراکی یا نشانہ بازی وغیرہ، حدیث میں نشانہ بازی اور تیرنے کی مشق کو اچھا کھیل فرمایا ہے، زینت، بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور بناؤ سنگار، اس سے کوئی شرف ذاتی حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس میں اضافہ ہوتا، ہر انسان اس دور سے گذرتا ہے۔

مطلب یہ کہ عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گزرا، اس کے بعد لہو شروع ہوتا ہے، اس دور میں

انسان لایعنی اور غیر اہم کاموں میں وقت کو ضائع کر دیتا ہے، اس کے بعد اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے اس کے بعد تفاخر کا دور شروع ہوتا ہے ہر شخص میں اپنے ہم عصروں اور ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ بزعم خود اپنے نسب اور خاندان اور طاہری و جاہت پر فخر کرنے لگتا ہے جو پارینہ قصوں اور بوسیدہ ہڈیوں پر فخر اور پدرم سلطان بود کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر سمجھتا ہے، جب ایک دور سے دوسرے دور کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آ جاتی ہے، بچے ابتدائی دور میں جن کھیلوں کو اپنا سرمایہ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے ہیں، اگر کوئی ان سے چھین لے تو ان کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسے کسی بڑے آدمی کا مال و اسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے، لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اس وقت مقصود زندگی بنایا تھا وہ کچھ نہ تھیں، بچپن میں لعب پھر لہو میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بنا رہا، بڑھاپا آیا، اب مشغلہ کا ثمر فی الاموال والا ولاد کا ہو گیا کہ اپنے مال و دولت کے اعداد و شمار اور اولاد و نسل کی زیادتی پر خوش ہوتا رہے ان کو گنتا گنتا رہے، مگر جیسے جوانی کے زمانہ میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگی تھیں بڑھاپے میں پہنچ کر جوانی کی حرکتیں لغو اور ناقابل التفات نظر آنے لگیں اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے، اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت اور ان کے جاہ و منصب پر فخر سرمایہ زندگی کا مقصود اعظم بنا ہوا ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ دور بھی گذر جانے والا ہے اگلا دور برزخ پھر قیامت ہے اس کی فکر کرو کہ وہی اصل ہے قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل اور مقاصد دنیویہ کا زوال پذیر، ناقص، ناقابل اعتماد ہونا بیان فرمادیا اور آگے اس کو کھیتی کی ایک مثال سے واضح فرمادیا۔

دنیا کی ناپائیداری کی ایک مشاہداتی مثال:

کَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ فَتْرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو سرعت زوال میں کھیتی کی مثال سے سمجھایا ہے اس مثال سے جو بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی وہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی زندگی دراصل ایک عارضی زندگی ہے یہاں کی بہار بھی عارضی اور خزاں بھی عارضی، دل بہلانے کا سامان یہاں بہت کچھ ہے مگر وہ درحقیقت نہایت حقیر اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، جنہیں آدمی کم عقلی کی وجہ سے بڑی چیز سمجھتا ہے حالانکہ یہاں بڑے سے بڑے اور لطف و لذت کے سامان جو حاصل ہونے ممکن ہیں وہ نہایت حقیر اور چند سال کی حیات مستعار تک محدود ہیں اور ان کا بھی حال یہ ہے کہ تقدیر کی ایک ہی گردش خود اسی دنیا میں ان سب پر جھاڑ و پھیر دینے کے لئے کافی ہے۔

مثال کا خلاصہ:

اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بارانِ رحمت کے چھینٹے مردہ اور خشک زمین پر پڑتے ہیں تو یہ مردہ زمین گل بوٹوں سے لالہ زار بن جاتی ہے، اور نباتات کی رونیدگی سے ایسی ہری بھری ہو جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے قدرت نے زمرد سبز کافرش بچھا دیا ہے، کاشتکار اپنی سرسبز اور شاداب لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر مست و مگن نظر آنے لگتا ہے، مگر آخر کار وہ پہلی اور زرد پڑنی شروع ہو جاتی ہے اور مرجھا کر خشک ہو جاتی ہے، آخر ایک دن وہ آتا ہے کہ بالکل چوراچور سا ہو جاتی ہے، یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تروتازہ حسین خوبصورت ہوتا ہے بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی طرح طے کرتا ہے، مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصود، آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے لئے آخرت کے حال کا ذکر فرمایا۔

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ یعنی آخرت میں ان دو حالوں میں سے ایک حال میں ضرور پہنچے گا، ایک حال کفار کا ہے ان کے لئے عذاب شدید ہے اور دوسرا حال مومنین کا ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے، عذاب شدید کے مقابلہ میں دو چیزیں ارشاد فرمائیں، مغفرت اور رضوان جس میں اشارہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی معافی ایک نعمت ہے جس کے نتیجے میں آدمی عذاب سے بچ جاتا ہے مگر یہاں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عذاب سے بچ کر پھر جنت کی دائمی نعمتوں سے بھی سرفراز ہونا ہے جس کا سبب رضوان یعنی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو ان نہایت مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ یعنی ان سب باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ایک عاقل اور صاحب بصیرت انسان کے لئے اس نتیجے پر پہنچنا بالکل آسان ہے کہ دنیا دھوکے کی ٹٹی اور ناقابل اعتماد سرمایہ ہے اگر انسان اس بات کو سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے کہ دنیا کی لذتوں میں منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرے۔

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ، سَابِقُوا، مُسَابَقَةٌ سے ماخوذ ہے یعنی اپنے ہم معصروں سے مغفرت یعنی اسباب مغفرت کی جانب آگے بڑھنے کی کوشش کرو، یعنی جس طرح تم دنیا کی دولت و لذتیں اور فائدے سمیٹنے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی جو کوشش کر رہے ہو اسے چھوڑ کر یا اس کے ساتھ ساتھ اس چیز کو ہدف اور مقصود بناؤ اور اس طرف دوڑنے میں بازی لیجانے کی کوشش کرو۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اس سے پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے مسابقت اور کوشش کا حکم تھا، اس سے کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہمارے عمل کا ثمرہ ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال حصول جنت کے لئے علت تامہ نہیں کہ جن پر حصول جنت کا مرتب ہونا لازمی ہو، انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اسے مل چکی ہیں، ہمارے یہ

اعمال جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت نہیں بن سکتے، جنت میں جو بھی داخل ہوگا وہ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہی داخل ہوگا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کیا آپ کو بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ہاں! میں بھی، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہو جائے۔
(مظہری، معارف)

اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی دو چیزیں:

دو چیزیں انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں ایک راحت و عیش جس میں منہمک ہو کر انسان اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے اس سے بچنے کی ہدایت سابقہ آیات میں آچکی ہے دوسری چیز مصیبت اور غم ہے اس میں مبتلا ہو کر بھی بعض اوقات انسان مایوس اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس کو مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا میں بیان فرمایا ہے، یعنی جو مصیبت تم کو زمین میں یا تمہاری جانوں میں پہنچتی ہے وہ سب ہم نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں مخلوقات کے پیدا کرنے سے بھی پہلے لکھ دیا تھا، زمین کی مصیبت سے مراد زمینی آفات مثلاً قحط زلزلے کھیت و باغ وغیرہ میں کمی اور اپنی جان و مال و اولاد میں نقصان ہونا وغیرہ ہیں۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ (الآیۃ) یہاں جس حزن و فرح سے روکا گیا ہے، وہ، وہ غم اور خوشی ہے جو انسانوں کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا یہ ایک فطری عمل ہے، اور اسلام دین فطرت ہے اس میں خالق فطرت نے انسانی فطرت کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ یہی اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور راحت پر اترتا نہیں ہے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل و کرم ہے اور اس کا احسان ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ (الآیۃ) میزان سے مراد انصاف ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، بعض نے اس کے معنی ترازو کئے ہیں، ترازو کے اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی، تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو پورا پورا ان کا حق دیں وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ یہاں بھی أَنْزَلْنَا خَلَقْنَاهُ اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے لوہے سے بے شمار اشیاء تیار ہوتی ہیں، جنگی ضرورت کی بھی اور غیر جنگی ضرورت کی بھی۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ يَعْصِي الْكُتُبَ الْأَرْبَعَةَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْفُرْقَانَ فَانْهَاهَا فِي ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ⑤ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ تَبِعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهَابَانِيَّةً هِيَ رَفْعُ النِّسَاءِ وَاتِّخَاذُ الصَّوَابِ بِابْتَدَعُوهَا مِنْ قَبْلِ أَنْفُسِهِمْ مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ مَا آمَرْنَاهُمْ بِهَا إِلَّا لِكِنْ فَعَلُوها ابْتِغَاءَ رِضْوَانٍ مَرْضَاةٍ

اللَّهُ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا إِذْ تَرَكَهَا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَكَفَرُوا بدين عيسى عليه الصلوة والسلام و دخلوا في دين ملكهم وبقى على دين عيسى كثير منهم فامتنوا بنبينا فاتينا الذين امنوا به منهم اجرهم وكثير منهم فيقولون ۱۷ ياتينا الذين امنوا بعيسى اتقوا الله وامنوا برسوله محمد صلى الله عليه وسلم وعلى عيسى يؤتيكم كفلين نصيبين من رحمته لايمانكم بالنبيين ويجعل لكم نورا تمشون به على الصراط ويغفر لكم والله غفور رحيم ۱۸ لئلا يعلم اي اعلمكم بذلك ليعلم اهل الكتب التوراة الذين لم يؤمنوا بمحمد صلى الله عليه وسلم ان مخففة من الثقيلة واسمها ضمير الشأن والمعنى انهم لا يقدرون على شئ من فضل الله خلاف ما في زعمهم انهم احباء الله واهل رضوانه وان الفضل بيد الله يؤتيه يعبه من يشاء فاتى المؤمنين منهم اجرهم مرتين كما تقدم والله ذو الفضل العظيم ۱۹

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی ذریت میں نبوت اور کتاب جاری رکھی یعنی چاروں کتابیں، تورات، انجیل اور زبور اور قرآن، یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہیں ان میں سے کچھ تو، راہ یافتہ ہوئے اور ان میں اکثر نافرمان رہے پھر بھی ان کے پیچھے پے در پے ہم رسولوں کو بھیجتے رہے اور ان کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا کی، اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت و رحمت پیدا کی اور رہبانیت: وہ عورتوں کو ترک کر دینا ہے، اور خلوت خانے بنانا ہے تو انہوں نے از خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا یعنی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا لیکن ان لوگوں نے رہبانیت کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کیا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہیں کی جب کہ ان میں سے اکثر نے اس کو ترک کر دیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے منکر ہو گئے اور اپنے بادشاہوں کے دین کو اختیار کر لیا اور بہت سے حضرت عیسیٰ کے دین پر قائم رہے، پھر ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لائے، سو ان میں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہم نے ان کو اجر عطا کیا اور زیادہ تر ان میں نافرمان رہے اے وہ لوگو! جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد ﷺ پر اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے تمہارے دونہوں پر ایمان لانے کی وجہ سے دو حصے (اجر) عطا فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسا نور عطا کرے گا کہ جس کو لیکر تم پل صراط پر چلو گے اور وہ تم کو بخش دے گا اور وہ غفور رحیم ہے تاکہ جان لیں یعنی تم کو اس کے ذریعہ بتا دیا کہ اہل کتاب یعنی تورات والے جو محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے، ان مخفہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شئی پر بھی قادر نہیں ہیں ان کے گمان کے برخلاف کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور اس کی رضا مندی والے ہیں اور بلاشبہ فضل، اللہ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے عطاء کرے ان (اہل کتاب) میں سے ایمان لانے والوں کو دُور اجر عطا کیا، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ (الآية) واو عاطفہ ہے، معطوف علیہ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا ہے، لام جواب قسم کے لئے ہے اور قسم یعنی اقسام محذوف ہے، اعتناء اور تعظیم کی زیادتی کے لئے قسم کو مکرر لایا گیا ہے۔
سُؤَالٌ: حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام ہی کو کیوں خاص کیا گیا؟

جَوَابٌ: مذکورہ دونوں حضرات کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء ان ہی کی ذریت میں سے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ابوالثانی ہیں اور حضرت ابراہیم ابوالعرب والروم وبنی اسرائیل ہیں۔ (صاوی)

قَوْلٌ: وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا مَفْعُولَ ثَانِي مَقْدَمِ كَلَمَلٍ فِي الذُّبُورَةِ مَفْعُولِ اَوَّلِ ہے۔
قَوْلٌ: الْكُتُبِ اس سے اشارہ ہے کہ الكتاب میں الف لام جنس کا ہے۔

قَوْلٌ: وَرَهْبَانِيَّةً، رَهْبَانِيَّةً اکثر کے نزدیک باب اشتغال کے قاعدہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِبْتَدَعُوا الرَّهْبَانِيَّةَ اِبْتَدَعُوها اور بعض حضرات نے رافعة پر عطف کی وجہ سے منصوب کہا ہے، اور اِبْتَدَعُوها رَهْبَانِيَّةً کی صفت ہے۔

قَوْلٌ: لَكِنْ فَعَلُوها، اِلَّا کی تفسیر لکن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ متشبی منقطع ہے اور کہا گیا ہے کہ متشبی متصل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ لَشَيْءٍ مِنَ الْاَشْيَاءِ اِلَّا لِابْتِغَاءِ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اس صورت میں عموم احوال سے استثناء ہوگا، اور كَتَبَ بمعنی قضی ہے۔

قَوْلٌ: رَهْبَانِيَّةً، رَهْبَانِيَّةً کے معنی عبادت و ریاضت میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا اور لوگوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ تنہائی اختیار کر لینا ہے، راء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں رهبان کی طرف نسبت ہوگی جو کہ راسب کی جمع ہے جیسا کہ رُكْبَان رَاكِبٌ کی جمع ہے۔

قَوْلٌ: اِنِّیْ اَعْلَمُكُمْ بِذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اس میں اشارہ ہے کہ لَنَّا میں لازائدہ ہے تاکید کے لئے۔
قَوْلٌ: وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ، اللہ مبتداء اور ذوالفضل اس کی خبر، اور العظیم، الفضل کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

رابط آیات:

سابقہ آیات میں اس عالم کی ہدایت اور اس میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے انبیاء و رسل اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کرنے کا عمومی ذکر تھا، مذکورہ الصدر آیات میں ان میں سے خاص خاص انبیاء و رسل کا ذکر ہے پہلے حضرت نوح

ﷺ کا کہ وہ آدم ثانی ہیں اور طوفان کے بعد کے انسان ان کی نسل سے ہیں، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے جو ابوالانبیاء ہیں اس کے بعد ایک مختصر جملے وَقَفَيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا میں پورے سلسلہ انبیاء و رسل کا ذکر فرمایا، آخر میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اور آپ کی شریعت کا ذکر فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی خاص صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافَةً وَرَحْمَةً یعنی جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا انجیل کا اتباع کیا ہم نے ان کے دلوں میں رافت اور رحمت پیدا کر دی یعنی یہ لوگ آپس میں مہربان اور رحیم ہیں، یا پوری خلق خدا کے ساتھ ان کو شفقت و رحمت کا تعلق ہے، رافت اور رحمت قریب قریب ہم معنی ہیں مگر جب ایک ساتھ بولے جاتے ہیں تو رافت سے مراد رقیق القلبی ہوتی ہے جو کسی کو تکلیف و مصیبت میں دیکھ کر ایک شخص کے دل میں پیدا ہو، اور رحمت سے مراد وہ جذبہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ اس کی مدد کی کوشش کرے، حضرت عیسیٰ چونکہ نہایت رقیق القلب اور خلق خدا کے لئے رحیم و شفیق تھے اس لئے ان کی سیرت کا یہ اثر ان کے پیروؤں میں سرایت کر گیا وہ اللہ کے بندوں پر ترس کھاتے تھے اور ہمدردی کے ساتھ ان کی خدمت کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی صفات جو سورہ فتح میں بیان فرمائی ہیں جن میں ایک صفت رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ بھی ہے، مگر وہاں اس صفت سے پہلے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک اور خاص صفت اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ بھی بیان فرمائی ہے، فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کفار سے جہاد و قتال کے احکام نہ تھے، اس لئے کفار کے مقابلہ میں شدت ظاہر کرنے کا وہاں کوئی محل نہ تھا۔

(معارف ملخصاً)

رہبانیت کا مفہوم:

اس کا تلفظ راء کے فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے، اس کا مادہ رَهَبٌ ہے، جس کے معنی خوف کے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق و فجور عام ہو گیا، خصوصاً بادشاہوں اور رؤساء نے، انجیل میں ترمیم کر کے اس سے کھلی بغاوت شروع کر دی، ان میں جو علماء و صلحاء تھے انہوں نے اس بد عملی سے روکا تو ان کو قتل کر دیا گیا، جو کچھ بچ گئے انہوں نے دیکھا کہ اب نہ مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ بچنے کی کوئی صورت، لہذا ان لوگوں نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر یہ صورت نکالی کہ اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کی چیزیں جمع کرنے کی فکر نہ کریں اور رہنے کے لئے مکان کا انتظام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل یا پہاڑ میں زندگی بسر کریں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کر کے ان کے طریقہ کو رہبانیت سے تعبیر کرنے لگے۔

ان کا یہ طریقہ کوئی شرعی طریقہ نہیں تھا بلکہ یہ طریقہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے اختیار کیا گیا تھا اس لئے اصلہ کوئی مذموم چیز نہ تھی، مگر جب ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو اس کو نبھانا چاہئے تھا، مگر ان لوگوں نے اس کی رعایت

نہیں کی بلکہ اس میں کوتاہی اور اس کی خلاف ورزی شروع کر دی، قرآن مجید میں اس آیت میں ان کی اسی بات پر نکیر فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک طویل حدیث اس پر شاہد ہے، ابن کثیر نے بروایت ابن ابی حاتم اور ابن جریر، ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، جن میں سے صرف تین فرقوں کو عذاب سے نجات ملی جنہوں نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے بعد ظالم و جابر بادشاہوں اور دولت و قوت والے فاسقوں و فاجروں کو ان کے فسق و فجور سے روکا، ان کے مقابلہ میں حق کا کلمہ بند کیا اور دین عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف دعوت دی، ان میں سے پہلے فرقے نے قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر ان کے مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور قتل کر دیئے گئے، پھر ان کی جگہ ایک دوسری جماعت کھڑی ہوئی جن کو مقابلہ کی اتنی بھی طاقت نہیں تھی، مگر کلمہ حق پہنچانے کے لئے اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر ان کو حق کی دعوت دی، ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا، بعض کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو زندہ آگ میں جلایا گیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے ان سب مصائب پر صبر کیا، یہ بھی نجات پا گئے، پھر ایک تیسری جماعت ان کی جگہ کھڑی ہوئی جن میں نہ مقابلہ کرنے کی قوت تھی نہ ان کے ساتھ رہ کر خود اپنے دین پر عمل کرنے کی صورت بنتی تھی اس لئے ان لوگوں نے جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ لیا، اور راہب بن گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا ہے وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاْهَا عَلَيْهِمْ۔

اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے ان پر اس رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ جو چیز ان پر فرض کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور دوسرا مطلب یہ کہ رہبانیت ہماری فرض کی ہوئی نہ تھی بلکہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے خود انہوں نے اسے اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔

دونوں صورتوں میں یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دین حق میں شامل نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں (مسند احمد) ایک اور حدیث میں ہے رَهْبَانِيَّةٌ هَذِهِ اَلْاَمَةُ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ (مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ) یعنی اس امت کی روحانی ترقی کا راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے ترک دنیا نہیں، یہ امت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہِ خدا میں جہاد کر کے ان کا مقابلہ کرتی ہے، بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے ایک صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا، اور عورت سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا اَمَّا وَاللّٰهِ اَنْتَ لَا خَشَاكُمَ لِّلّٰهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهٗ لَكِنِّي اَصُوْمُ وَاَفْطُرُ وَاُصَلِّي وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنِّ سُلَّتْنِي فَلَيْسَ مِنِّي خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

رہبانیت مطلقاً مذموم و ناجائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ رہبانیت کا عام اطلاق ترک لذات، ترک مباحت کے لئے ہوتا ہے، اس کے چند درجے ہیں ایک یہ کہ کسی مباح و حلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے، یہ تو دین کی تحریف و تغیر ہے، اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے اور قرآنی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ** میں اسی کی ممانعت ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو اعتقاداً حرام قرار نہیں دیتا مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے دنیوی ضرورت جیسے بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے اور دینی ضرورت یہ ہے کہ یہ محسوس کرے کہ اگر میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، جیسے جھوٹ غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی شخص لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحت کو ترک کر دے اور اس ترک کی پابندی کو بطور علاج و دوا کے اس وقت تک کرے جب تک وہ رذیلہ دور نہ ہو جائے جیسے کہ صوفیاء کرام مبتدی کو کم کھانے اور کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے، درحقیقت یہ رہبانیت نہیں تقویٰ ہے جو مطلوب ہے، اور اسلاف اور صحابہ کرام و تابعین عظام اور ائمہ دین سے ثابت ہے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو تو حرام قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے، یہ ایک قسم کا غلو ہے جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور جس حدیث میں **لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ** آیا ہے اس سے ایسا ہی ترک مباحت مراد ہے، کہ اس کے ترک کو افضل و ثواب سمجھے۔ (معارف)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یہ لفظ عام طور پر صرف مسلمانوں کے لئے بولا جاتا ہے مگر یہاں اہل کتاب مراد ہیں، شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ آگے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لانے کا تقاضہ یہ ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر بھی ایمان لاؤ اور جب وہ ایسا کر لیں تو **الَّذِينَ آمَنُوا** کے خطاب کے مستحق ہوں گے۔

لَيْسَ لَكُمْ عِلْمُ الْكِتَابِ اس میں لازماً یہ ہے معنی **لَيْسَ لَكُمْ عِلْمُ الْكِتَابِ** کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر احکام اس لئے بیان کئے گئے تاکہ اہل کتاب سمجھ لیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان ہے، رسول اللہ ﷺ پر نہیں، اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے مستحق نہیں جب تک حضرت خاتم النبیین پر ایمان نہ لے آئیں۔ (معارف)



سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ نَبِيَّتُهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ثِنْتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ مجادلہ مدنی ہے، بائیس آیتیں ہیں۔

الجنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ تَرَاجِعُكَ أَتَيْهَا
النَّبِيُّ فِي مَرْوَجِهَا ۝ الْمُظَاهِرُ مِنْهَا وَكَانَ قَالًا لَهَا أَنْتِ عَلَى كَظْمِهَا أَيْ قَدْ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَأَجَابَهَا بِأَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْمُودُ عِنْدَهُمْ مِنْ أَنَّ الظَّهَارَ
يُوجِبُ فُرْقَةَ مُؤَبَّدَةٍ وَهِيَ خَوْلَةٌ بِنْتُ ثَعْلَبَةَ وَهِيَ أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ ۝ وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ ۝ وَحَدَّثَهَا وَفَاقَتْهَا
وَصَبِيَّةٌ صَغَارًا إِنْ ضَمَّتْهُمْ إِلَيْهِ ضَاعُوا أَوْ إِلَيْهَا جَاعُوا ۝ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۝ تَرَاجِعُكُمَا إِنْ اللَّهُ
سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ ١ ۝ غَالِمٌ الَّذِينَ يُظْهِرُونَ أَصْلَهُ يَتَّظَهُرُونَ أَذْغَمَتِ التَّاءُ فِي الظَّاءِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْفَاءِ بَيْنَ الظَّاءِ
وَالهَاءِ الْخَفِيفَةِ وَفِي أُخْرَى كَيْفَ تَبْلُغُونَ وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي كَذَلِكَ مِنْكُمْ مَنْ نَسَايَهُمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ
إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الَّتِي بِهِمْ مَزَّةٌ وَيَاءٌ وَبَلَاءٌ ۝ وَلَدَنَهُمْ وَإِنَّهُمْ بِالظَّهَارِ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۝ كَذِبًا
وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ ۝ ٢ ۝ لِلْمُظَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ ۝ وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا أَيْ فِيهِ بَأْسٌ
يُخَالِفُوهُ بِإِمْسَاكِ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا الَّذِي هُوَ خِلَافُ مَقْصُودِ الظَّهَارِ مِنْ وَضْعِ الْمَرْأَةِ بِالتَّحْرِيمِ
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ أَيْ اِغْتَاقُهَا عَلَيْهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ آسَاسًا ۝ بِالْوَطَنِ ۝ ذَلِكُمْ تُوَعِّظُونَ بِهِ ۝ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ٣ ۝
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ رَقَبَةً فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ آسَاسًا ۝ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَيْ الصِّيَامَ فَلِطَعَامِ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۝
عَلَيْهِ أَيْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ آسَاسًا حَمْلًا لِلْمُطَلَقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوَّةِ الْبَلَدِ
ذَلِكَ أَيْ التَّخْفِيفُ فِي الْكَفَّارَةِ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۝ وَتِلْكَ أَيْ الْأَحْكَامُ الْمَذْكُورَةُ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ
بِهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ٤ ۝ تَوْلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادُّونَ يُخَالِفُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُتِبُوا أَذِلُّوا ۝ كَمَا كُتِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فِي مُخَالَفَتِهِمْ رَسُولَهُمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۝ دَالَةٌ عَلَى صِدْقِ الرَّسُولِ ۝ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ

مُہینٌ ۝ ذُوْ اِِبَانَةٍ یَّوْمَ یَبْعَثُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فِیْ ذَیْنِہُمْ بِمَا عَمِلُوْا اَحْصٰہُ اللّٰهُ وَنَسُوْہُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝

ترجمہ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اے نبی یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے ظہار کرنے والے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اس کے شوہر نے اس سے کہا تھا اَنْتِ عَلٰی کَظْہَرِ اُمِّیْ تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کے مانند (حرام) ہے، اور آپ ﷺ سے اس عورت نے اس بارے میں دریافت کیا تھا، تو آپ نے اس کو عرف کے مطابق جواب دیا کہ وہ (تو) اس پر حرام ہو گئی جیسا کہ ان کے یہاں یہ دستور تھا کہ ظہار دائمی فرقت کا موجب مانا جاتا تھا، اور وہ خولہ بنت ثعلبہ تھی اور اس کے شوہر اس بن صامت تھے، اور اللہ سے اپنی تنہائی کی اور اپنے فاقہ کی اور چھوٹے بچوں کی شکایت کر رہی تھی اگر ان بچوں کو اپنے شوہر کو دیتی ہے تو ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اگر اپنے ساتھ رکھتی ہے تو بھوکے مرنے کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے، تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یَظْہَرُوْنَ) کی اصل یَتَظْہَرُوْنَ تھی، تاکو طاء میں ادغام کر دیا گیا، اور ایک قراءت میں ظا اور ہاء خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں (یُظْہَرُوْنَ) یُقاتِلُوْنَ کے وزن پر ہے اور دیگر جگہ بھی ایسا ہی ہے، وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے ہیں (اللّٰثِی) ہمزہ اور یاء اور بغیر یاء کے ہے اور وہ لوگ ظہار کر کے ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مظاہر کو کفارہ کے ذریعہ بخشے والا اور معاف کرنے والا ہے اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر ظہار میں اپنے قول سے رجوع کرنا چاہتے ہیں یعنی ظہار کے بارے میں کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، بایں طور کہ اپنی کہی ہوئی بات کا خلاف کرنا چاہتے ہیں مظاہر منہا بیویوں کو روک کر جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے اور وہ (مقصد) بیوی کو وصف حرمت سے متصف کرنا ہے تو اس پر بیوی کو ہاتھ لگانے (جماع) سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے اس (حکم کفارہ) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ہاں جو شخص غلام نہ پائے تو اختلاط کرنے سے پہلے لگا تار دو مہینے کے روزے رکھتا رہے اور جو شخص روزہ بھی نہ رکھ سکے تو اس پر اختلاط سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے، ہر مسکین کو ایک مد شہر کی غالب خوراک کے اعتبار سے اور کفارہ میں یہ سہولت اس لئے ہے کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ یعنی مذکورہ احکام اللہ کی بیان کردہ حدود ہیں اور ان احکام کے منکر کے لئے دردناک عذاب ہے بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ذلیل کئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ اپنے رسولوں کی مخالفت کی وجہ سے ذلیل کئے گئے تھے اور بے شک ہم واضح آیتیں نازل کر چکے ہیں جو رسول کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں اور ان آیتوں کے انکار کرنے والوں کے لئے اہانت والا عذاب ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کر دے گا جنہیں اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جنہیں یہ بھول گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

سورہ مجادلہ تعداد سورت کے اعتبار سے نصف ثانی کی پہلی سورت ہے، قرآن میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں، یہ اٹھاونویں سورت ہے، اس سورت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی سطر اس بات سے خالی نہیں کہ اس میں اللہ کا لفظ، ایک یا دو یا تین مرتبہ مذکور نہ ہوا بلکہ ۳۵ مرتبہ لفظ اللہ اس سورت میں مذکور ہوا ہے۔

قَوْلُهُ: قَدْ سَمِعَ اللَّهُ أَيْ أَجَابَ اللَّهُ، قَدْ تَحْقِيقُ كَلِمَةٍ۔

قَوْلُهُ: فِي زَوْجِهَا أَيْ فِي شَانِ زَوْجِهَا۔

قَوْلُهُ: لِمَا قَالُوا أَيْ لِقَوْلِهِمْ مَاضٍ۔

قَوْلُهُ: فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ أَيْ اِغْتَاظُهَا عَلَيْهِ أَيْ اِغْتَاظُهَا، تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ کی تفسیر، بیان معنی کے لئے ہے تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ یہ ترکیب اضافی مبتداء ہے، اور عَلَيْهِ اس کی خبر ہے، بہتر ہوتا کہ مفسر علام عَلَيْهِ کے بجائے عَلَيْهِمْ فرماتے، اس لئے کہ یہ جملہ ہو کر وَالَّذِينَ يَظْهَرُونَ کی خبر ہے، مبتداء جمع ہے لہذا خبر کا بھی جمع ہونا ضروری ہے، فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ پر فاء، اس لئے داخل ہے کہ مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے۔

قَوْلُهُ: بِالْوُطَى أَنْ يَتَمَسَّاسًا کی تفسیر، وُطَى سے امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک دوائی وُطَى بھی وُطَى کے حکم میں ہیں۔

قَوْلُهُ: حَمْلًا لِلْمُطَلَّقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا جماع سے پہلے ضروری ہیں، اسی طرح اطعام بھی جماع سے پہلے ہی ہونا چاہئے، اطعام میں اگرچہ قبل ان یتماسا کی قید نہیں ہے مگر اس کو بھی تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ اور صیام شہرین پر قیاس کرتے ہوئے قَبْلَ أَنْ يَتَمَسَّاسًا کی قید کے ساتھ مقید کریں گے۔

قَوْلُهُ: لِكُلِّ مَسْكِينٍ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوَّةِ الْبَلَدِ یہ تفسیر بھی امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے اس لئے کہ ان کے یہاں ہر مسکین کو ایک مد دینا ضروری ہے، خواہ گندم ہو یا جو یا تمر وغیرہ، امام صاحب کے نزدیک گندم اگر ہو تو نصف صاع ہے اور جو وغیرہ ایک صاع ہے۔

قَوْلُهُ: أَيْ التَّخْفِيفُ فِي الْكَفَّارَةِ کفارہ ظہار میں جو تین چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے یہ بھی ایک قسم کی تخفیف اور سہولت ہے اس لئے کہ اگر ایک ہی چیز متعین کر دی جاتی تو زحمت کا باعث ہو سکتی تھی۔

قَوْلُهُ: كُتِبُوا يَقْنِي الْوُقُوعَ ہونے کی وجہ سے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

شان نزول:

اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک واقعہ ہے، احادیث کی روشنی میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے، یہ خاتون جن کے معاملہ میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں ہیں قبیلہ خزرج کی خولہ بنت ثعلبہ تھیں، اور ان کے شوہر اوس بن صامت انصاری قبیلہ اوس کے سردار عبادہ بن صامت کے بھائی تھے، اس واقعہ کی تفصیل میں اگرچہ فروعی اختلاف بہت ہیں مگر قانونی اور اصولی باتوں میں اتفاق ہے، خلاصہ ان روایات کا یہ ہے کہ حضرت اوس بن صامت بڑھاپے میں کچھ چڑچڑے سے ہو گئے تھے، اور بعض روایات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کچھ جنون کی سی لٹک پیدا ہو گئی تھی، جس کے لئے راویوں نے کمان بہ لَمَم کے الفاظ استعمال کئے ہیں، لَمَم کے معنی دیوانگی کے نہیں بلکہ اسی طرح کی کیفیت کو کہتے ہیں جس کو اردو زبان میں غصہ میں پاگل ہو جانا کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ ہے، اس واقعہ کی وجہ صاحب جمل اور صاوی نے کچھ اس طرح بیان کی ہے، ایک روز اوس بن صامت گھر میں داخل ہوئے ان کی بیوی نماز پڑھ رہی تھیں اور تھیں شکیل و جمیل اور متناسب الاعضاء، حضرت اوس نے جب ان کو سجدہ میں دیکھا اور ان کے پچھونڈے پر نظر پڑی تو ان کو اس صورت حال نے تعجب میں ڈال دیا، جب حضرت خولہ نماز سے فارغ ہو گئیں تو ان سے حضرت اوس نے جماع کی خواہش ظاہر کی حضرت خولہ نے انکار کر دیا جس پر حضرت اوس کو غصہ آ گیا، اور غصہ کی حالت میں ان کے منہ سے انت علیٰ کَظْهَرِ اُمِّی کے الفاظ نکل گئے، اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرت خولہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور سارا قصہ آپ سے بیان کیا اس وقت تک اس خاص مسئلہ کے متعلق آنحضرت ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ نے قول مشہور اور سابق دستور کے موافق ان سے فرمایا مَا اَرَاكَ اِلَّا قَدْ حَرَمْتَ عَلَيْهِ یعنی میری رائے میں تم اپنے شوہر پر حرام ہو گئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری پوری جوانی اس شوہر کی خدمت میں ختم ہو گئی، اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، اب میں کہاں جاؤں میرا اور میرے بچوں کا گذار کیسے ہوگا؟ بار بار انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ انہوں نے طلاق کے الفاظ تو نہیں کہے ہیں، تو پھر طلاق کیسے پڑ گئی، آپ کوئی صورت ایسی بتائیں جس سے میں اور میرے بچے اور بوڑھے شوہر کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے، مگر ہر مرتبہ حضور اس کو وہی جواب دیتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ سے فریاد کی اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْا اِلَيْكَ ”اے میرے اللہ میں تجھ ہی سے فریاد کرتی ہوں“ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا مَا اُمِرْتُ فِيْ شَانِكَ بِشَيْءٍ حَتّٰى الْاَنَ ان تمام روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، سب ہی اقوال صحیح ہو سکتے ہیں، حضرت خولہ نے بار بار اپنی بات دہرائی اور کوئی صورت نکالنے پر اصرار کیا، اسی کو قرآن کریم میں تُجَادِلُ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت خولہ اصرار کرتی رہیں اور آپ ﷺ ایک ہی جواب دیتے رہے، حضرت عائشہ فرماتی

ہیں کہ میں اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک دھور ہی تھی اور خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بات دہرا رہی تھیں، آخر مجھے کہنا پڑا کہ کلام کو مختصر کرو، اتنے میں آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی کیفیت طاری ہو گئی اور سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے شوہر کو بلا کر فرمایا، کہ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، انہوں نے اس سے معذوری ظاہر کی، تو فرمایا دو مہینے کے لگا تار روزے رکھو، انہوں نے عرض کیا اوس کا حال تو یہ ہے کہ دن میں اگر دو تین مرتبہ کھائے پیے نہیں تو اس کی بینائی جواب دینے لگتی ہے، آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، انہوں نے کہا وہ اتنی قدرت نہیں رکھتے الا یہ کہ آپ مدد فرمائیں، آپ نے ان کو کچھ غلہ عطا فرمایا اور دوسرے لوگوں نے بھی کچھ جمع کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بیت المال سے ان کی مدد فرمائی، اس طرح فطرہ کی مقدار دے کر کفارہ ادا کیا گیا۔

(مظہری، معارف، فتح القدیر، شوکانی)

مسئلہ ظہار سے تین اصولی بنیادیں مستنبط ہوتی ہیں:

- ① ایک یہ کہ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ عورت بدستور شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ ② دوسرے یہ کہ بیوی شوہر کے لئے وقتی طور پر حرام ہوتی ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ یہ حرمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ شوہر کفارہ ادا نہ کر دے اور یہ کہ صرف کفارہ ہی اس حرمت کو رفع کر سکتا ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم:

اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ مثلاً ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا کہ جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اسی کی مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا، اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد توجرت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہیں تھی۔

قاعدہ: وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا، لِمَا قَالُوا میں لام، عن کے معنی میں ہے۔

ما مصدر یہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں، اس آیت سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے، بیوی کفارہ کے بغیر حلال نہ ہوگی، خود ظہار کفارہ کی علت نہیں، اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا اور وہ اس سے اختلاط کا خواہشمند نہیں تو کفارہ لازم نہیں، البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دیکر آزاد کرنا واجب ہے، اگر یہ شوہر خود نہ کرے تو بیوی حاکم کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔

(معارف ملخصاً)

فتح رب رقبۃ (الایۃ) کفارہ ظہار یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل

روزے رکھے اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے اتنے روزے رکھنے پر قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دیدے، فطرہ کے گندم کی مقدار نصف صاع ہے، جس کا صحیح صحیح وزن ایک کلوچھ سو تینتیس گرام ہوتا ہے۔

مسائل:

مسئلہ ۱: ظہار کرنے والے کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اسی شخص کا معتبر ہے جو عاقل بالغ ہو، اور بحالت ہوش و حواس ظہار کے الفاظ زبان سے ادا کرے، لہذا بچے اور پاگل اور سونے والے کا ظہار معتبر نہیں۔

مسئلہ ۲: حالت نشہ میں ظہار کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ سمیت فقہاء کی ایک بڑی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا، کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے، البتہ اگر مرض کی وجہ سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو اور نشہ کی حالت میں اس کے منہ سے ظہار یا طلاق کے الفاظ نکل گئے ہوں تو ان الفاظ کو نافذ نہیں کیا جائے گا، احناف اور شوافع اور حنابلہ کی رائے یہی ہے اور صحابہ کرام کا مسلک بھی یہی تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی ان کے نزدیک حالت نشہ کی طلاق و ظہار معتبر نہیں، احناف میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام کرنی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے، مالکیہ کے نزدیک ایسے نشہ کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کر رہا ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

مسئلہ ۳: امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ظہار اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو، ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے کہ قرآن کریم میں **الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُم** کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، جن میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ذمیوں کے لئے نہیں ہو سکتا، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد کے نزدیک یہ احکام ذمی اور مسلمان دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے البتہ ذمی کے لئے روزہ نہیں ہے وہ یا غلام آزاد کرے یا مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کر سکتی ہے؟

مثلاً اگر بیوی شوہر سے کہے تو میرے لئے میرے باپ کی طرح ہے یا میں تیرے لئے تیری ماں کی طرح ہوں تو کیا یہ بھی ظہار ہوگا، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کیلئے بیان کئے ہیں، جبکہ شوہر بیوی سے ظہار کرے **الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُم مِّنْ نِّسَائِهِمْ** اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہو سکتے ہیں جسے طلاق دینے کا اختیار ہے، یہی رائے سفیان ثوری اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ کی ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار تو نہیں ہے مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ عورت کا ایسے الفاظ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ابن قدامہ نے نقل کیا ہے، امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ میں اگر اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لئے ایسا ہے جیسے میرا باپ، تو ظہار ہوگا، اور اگر شادی کے بعد کہے تو قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارہ یمین لازم آئے گا، بخلاف اس کے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور حسن بن زیاد و لؤلؤی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے، اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارہ ظہار لازم آئے گا، البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے، ابراہیم نخعی اس کی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی عائشہ کو حضرت زبیر کے صاحبزادے مصعب نے نکاح کا پیغام دیا، اس نے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو ہُوَ عَلَیَّ كَظْهَرِ اَبِيْیِی وہ میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرے باپ کی پیٹھ، کچھ مدت کے بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہو گئیں، مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فقہاء نے جن میں متعدد صحابہ بھی شامل تھے یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارہ ظہار لازم ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا، مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا، اس لئے کفارہ اس پر واجب ہو گیا۔

کفارہ ظہار ادا کرنے سے پہلے تعلق قائم کرنے کا حکم:

کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر شوہر نے زن و شوہر کے تعلقات قائم کر لئے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ گناہ ہے اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہئے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہئے مگر کفارہ اسے ایک ہی ادا کرنا ہوگا، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ نے یہ تو فرمایا تھا کہ استغفار کرو اور اس وقت تک بیوی سے الگ رہو جب تک کہ کفارہ ادا نہ کرو مگر آپ ﷺ نے انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ کفارہ ظہار کے علاوہ کوئی اور کفارہ دینا ہوگا۔

بیوی کو کس کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، عامر شعی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ دینا ظہار ہے، اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ماں کی بھی صرف پیٹھ کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے، مگر فقہاء امت میں سے کسی نے بھی ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے، اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ دینے کا ہے۔

ظہار کے صریح اور غیر صریح الفاظ کیا ہیں؟

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو کے ساتھ دی گئی ہو کہ اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، مثلاً یہ کہا ہو کہ تو میرے لئے میری ماں کے پیٹ یا ران کے جیسی ہے۔

مذکورہ مسائل کے مراجع اور مصادر:

(فقہ حنفی) مدایہ، فتح القدیر، بدائع الصنائع، احکام القرآن للجصاص (فقہ مالکی) حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر، بدایۃ المجتہد، احکام القرآن ابن عربی (فقہ شافعی) المنہاج للنووی، تفسیر کبیر، (فقہ حنبلی) المغنی لابن قدامہ (فقہ ظاہری) المحلی لابن حزم، الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔

خولہ بنت ثعلبہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا صحابہ کرام کی نظر میں:

ان صحابیہ کی فریاد کا بارگاہ الہی میں مسموع ہونا اور فوراً ہی ان کی فریادری کے لئے فرمان مبارک نازل ہونا ایسا واقعہ تھا کہ جس کی وجہ سے صحابہ کرام میں ان کی ایک خاص قدر و منزلت تھی، ابن عبدالبر نے استیعاب میں قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ خاتون راستہ میں ایک روز حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْہُ کو ملیں، تو آپ نے ان کو سلام کیا یہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہنے لگیں اوہو، اے عمر! ایک وقت تھا جب میں نے تم کو بازار عکاظ میں دیکھا تھا، اس وقت تم عمیر کہلاتے تھے، لاٹھی ہاتھ میں لئے بکریاں چراتے پھرتے تھے، پھر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ تم عمر کہلانے لگے پھر ایک وقت آیا کہ تم امیر المؤمنین کہے جانے لگے، ذرا رعیت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، یاد رکھو جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کے لئے دور کا آدمی بھی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے اس کے حق میں اندیشہ ہے کہ وہ اسی چیز کو کھودے گا جسے وہ بچانا چاہتا ہے، اس پر جا رو عبدی جو حضرت عمر کے ساتھ تھے، بولے، اے عورت تو نے امیر المؤمنین کے ساتھ بہت باتیں کر لیں، حضرت عمر نے فرمایا: انہیں کہنے دو، جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ ان کی بات تو سات آسمانوں کے اوپر سنی گئی تھی، عمر کو تو بدرجہ اولیٰ سنی چاہئے، امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اختصار کے ساتھ اس سے ملتا جلتا قصہ نقل کیا ہے۔

الْمَرَّتْ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَاجِعُهُمْ بَعْلَمُهُ وَلَا خَمْسَةَ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا
أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ إِنْ مَا كَانُوا ثُمَّ يَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ الْمَرَّتْ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا
عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ ۖ هُمْ السُّيُودُ نَهَايَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

علیہ وسلم عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ مَنْ تَنَاجَيْهِمْ اِی تَحَدُّثِهِمْ سِرًّا نَاطِرِیْنَ اِلَى الْمُؤْمِنِیْنَ لِیُوقِعُوْا فِی قُلُوْبِهِمُ الرِّیْبَ
وَ اِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ بِمَا لَمْ یَحِیْكَ بِهِ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُهُمُ السَّامُ عَلَیْكَ اِی الْمَوْتُ وَیَقُولُوْنَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا
بَلَاءٌ یَّعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُولُ مِنَ التَّحِیَّۃِ وَاِنَّهٗ لَیْسَ بِنَبِیٍّ اِنْ كَانَ نَبِیًّا حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یُصَلُّوْنَهَا فِیْئُسَ الْمَصِیْرِ ۝۸
یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَةِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹
اِنَّمَّا التَّجْوٰی بِالْاِثْمِ وَنَحْوِهٖ مِنَ الشَّیْطٰنِ بِغُرُوْرِهِ لَیَحْزَنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِهٖۤ اِضْرَآءٌ لِّهٖمْ شَیْءٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اِی اِرَادَتِهٖ
وَعَلٰی اللّٰهِ فَلِیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فِی الْمَجٰلِسِ مَجْلِسِ النَّبِیِّ صَلٰی اللّٰهُ
عَلِیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ الذِّكْرِ حَتّٰی یَجْلِسَ مَنْ جَآءَ كُمْ وَفِی قِرَآءَةِ الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا فِیْ سَبْحِ اللّٰهِ لَكُمْ فِی الْجَنَّةِ وَ اِذَا قِیْلَ
اَنْشُرُوْا قُومُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَغَیْرِهَا مِنَ الْخَیْرَاتِ فَانْشُرُوْا وَفِی قِرَآءَةِ بَعْضِ الشَّیْنِ فِیْهِمَا یَرْفَعُ
اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ بِالطَّاعَةِ فِیْ ذٰلِكَ وَ یَرْفَعُ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ فِی الْجَنَّةِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۱۱
یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ اَرَدْتُمْ مِّنَاجَاتِهٖ فَقَدْ مَّوَابِنَ یَدٰی نَجْوٰیكُمْ قَبْلَهَا صَدَقَۃٌ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ
لِذُنُوْبِكُمْ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تَصَدَّقُوْنَ بِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِّمُنَاجَاةِكُمْ رَّحِیْمٌ ۝۱۲ بِكُمْ یَعْنِیْ فَلَا عَلَیْكُمْ فِی
الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَیْرِ صَدَقَۃٍ ثُمَّ نُسِخَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهِ عَاشَفَقْتُمْ بِتَحْقِیْقِ السَّمَزَتِیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ اِلَیْهَا وَتَسْهِیْلِهَا
وَادْخَالَ الْفِی بَیْنِ الْمُسْهَلَةِ وَالْاُخْرٰی وَتَرْكِهِ اِی اَخْفَتُمْ مِنْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدٰی نَجْوٰیكُمْ صَدَقَۃٌ لِلسَّكْرِ
فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا الصَّدَقَۃَ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ عَنْهَا فَاقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِی دُومُوا
عَلٰی ذٰلِكَ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳

ع ۲

ترجمہ: کیا آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب کو جانتا ہے؟ کوئی
سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی کہ چوتھا اپنے علم کے اعتبار سے اللہ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی مگر یہ کہ چھٹا ان
میں اللہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں پھر ان
سب کو قیامت میں ان کے کئے ہوئے اعمال بتلا دے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں
دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ اس منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں اور آپس میں گناہ کی اور ظلم
و زیادتی کی اور پیغمبر کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (اور) وہ یہود ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کانا پھوسی
سے منع فرمادیا تھا جو کہ وہ کیا کرتے تھے، یعنی مومنین کی طرف دیکھ کر چپکے چپکے باتیں کرتے تھے، تاکہ مومنین کے دل
میں شک ڈالیں، اور اے نبی جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں
اللہ نے نہیں کیا، اور ان کا وہ لفظ السَّامُ عَلَیْكَ ہے یعنی آپ پر موت ہو اور وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں

اس سلام پر جو ہم کرتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا؟ اور یہ کہ وہ نبی نہیں ہے، اگر وہ نبی ہوتا تو (اللہ تعالیٰ ضرور ہم کو گرفتار عذاب کر دیتا) ان کے لئے جہنم کافی ہے جس میں یہ جانیں گے سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے اے ایمان والو! جب تم سرگوشیاں کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم و زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی نہ ہوں بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی سرگوشیاں کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے گناہ وغیرہ کی سرگوشیاں شیطانی کام ہیں اس کے فریب کی وجہ سے، جس سے اہل ایمان کو رنج پہنچے گو وہ اللہ کی اجازت اور ارادہ کے بغیر ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کر لو آپ ﷺ کی مجلس میں یا ذکر کی مجلس میں تاکہ تمہارے پاس (بعد میں) آنے والا بھی بیٹھ جائے، اور ایک قراءت میں مجلس کے بجائے مجالس ہے، تو کشادگی کر لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں کشادگی فرمائیں گے اور جب تم سے یہ کہا جائے کہ نماز وغیرہ یا کسی بھلے کام کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو اور ایک قراءت میں (فَاسْتُزُوا) میں دونوں (یعنی شین اور زاء کے ضمہ کے ساتھ ہے) اور اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اس حکم قیام کی اطاعت کی وجہ سے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے جنت میں درجات بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے، اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی (تنہائی میں مشورہ) کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے فقراء کو کچھ صدقہ دیدیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر اور تمہارے گناہوں کے لئے پاکیزہ تر ہے، ہاں اگر صدقہ کرنے کی چیز نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری سرگوشی کو بخشے والا اور مہربان ہے یعنی بغیر صدقہ کے تمہارے سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے پھر یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم اَشْفَقْتُمْ سے منسوخ ہو گیا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کر کے کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے فقراء کے لئے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے، پس جب تم نے یہ نہ کیا یعنی صدقہ نہ دیا اور اللہ نے بھی تمہیں معاف کر دیا اور تم پر اس کے وجوب سے رجوع کر لیا، تو اب نمازوں کو قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، یعنی اس کی پابندی رکھو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِیْبِ تَسْهِيلِ وَ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اَلَمْ تَرَ تَعْلَمَ، تَرَ کی تفسیر تَعْلَمَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رویت سے رویت قلبی مراد ہے۔
قَوْلًا: مَا يَكُونُ میں مانا یہ ہے اور يَكُونُ تامہ ہے، یعنی يُوَجَدُ وَيَقَعُ، من زائدہ ہے نَجْوٰی مصدر ہے تَنَاجٰی کے معنی میں ہے اور يَكُونُ کا فاعل ہے جملہ مَا يَكُونُ مستانفہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے جو حق تعالیٰ کی وسعت علم کی تاکید کر رہا

ہے، النَّجْوَى، التَّحَدُّثُ سِرًّا چپکے چپکے باتیں کرنا، کانا پھوسی کرنا، نَجْوَى ثَلَاثَةٍ میں اضافۃ المصدر الی الفاعل ہے، یہاں
إِلَّا کے بعد واقع ہونے والے جملے مستثنیٰ متصل ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہیں، اور عمومِ حال سے مستثنیٰ ہیں، اِی مَّا
يُوجَدُ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ إِلَّا فِي حَالٍ مِنْ هَذِهِ الْأَحْوَالِ۔

قَوْلُهُ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوا عَنِ الْخَيْرِ یہ آیت یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلٌ: ومعصیت الرسول یہاں اور آئندہ تاء مجرورہ (لمبی) تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے حالت وقف میں بعض قراء ہاء پر وقف کرتے ہیں اور بعض تاء پر، لیکن وصل کی صورت میں تاء پر متفق ہیں۔

قَوْلُهُ: اُنْشُرُوْا تم اٹھ کھڑے ہو (ض، ن) امر جمع مذکر حاضر۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

اسبابِ نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں:

❶ اول واقعہ:

آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا جو سیاسی قدم اٹھایا وہ یہ تھا کہ یہود اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ صلح فرمایا تاکہ مدینہ کے یہود کی طرف سے اطمینان ہو جائے کیونکہ مشرکین مکہ کی جانب سے ریشہ دوانیاں رہتی تھیں اور ہمہ وقت خطرہ رہتا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دو طرفہ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں، مگر صلح کے باوجود یہود اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے، یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کو ذہنی طور پر پریشان کرنے کے لئے آپس میں سر جوڑ کر گھسّر پھسّر کرنے لگتے اور اس کی طرف دیکھتے جاتے اور بعض اوقات آنکھ وغیرہ سے اشارہ بھی کرتے تاکہ مسلمان یہ سمجھے کہ ان کے خلاف یا اسلام کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے، آنحضرت ﷺ نے یہود کو اس نازیبا حرکت سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر یہ آیت اَلَّذِیْنَ نُهَوْا عَنِ الذَّنْحٰی النَّخِ نَازِل ہوئی۔

❷ دوسرا واقعہ:

اسی طرح منافقین بھی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے باہم کا نا پھوسی اور سرگوشی کرتے تھے، اس پر یہ آیت
 إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَنَاجَوْا الْخَ اور إِنَّمَا النَّجْوَى الْخَ نازل ہوئی۔

۳ تیسرا واقعہ:

یہود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ازراہ شرارت بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہتے، سام کے معنی موت کے ہیں۔

۴ چوتھا واقعہ:

منافقین بھی اسی طرح کہتے تھے، ان دونوں واقعوں پر وَإِذَا جَاءُوكَ جَيَّوْكَ نازل ہوئی، اور امام ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح کر کے خفیہ طور پر کہتے لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

۵ پانچواں واقعہ:

ایک مرتبہ آپ مسجد کے صفہ میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا چند صحابہ جو غزوہ بدر کے شرکاء میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہیں ملی اور نہ اہل مجلس نے جگہ میں گنجائش نکالی کہ مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ نکل آتی، جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو بعض آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرمایا، اس پر منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے؟ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے، سولوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا لِخِ نَازِلٍ نَّزِلٍ هُوَ۔ (معارف ملخصاً)

۶ چھٹا واقعہ:

بعض اغنیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے تھے اور فقراء کو استفادہ کا موقع کم ملتا تھا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گذرتا تھا، اس پر یہ آیت اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ نَازِلٍ هُوَ۔

۷ ساتواں واقعہ:

جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے، اس پر یہ آیت اَاسْفَقْتُمْ نَازِلٍ هُوَ۔ (معارف ملخصاً)

آیات مذکورہ اگرچہ خاص واقعات کی بناء پر نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر شان نزول میں آچکا ہے، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ آیت کا شان نزول کچھ بھی ہو، ہدایات قرآنی عام ہوتی ہیں، اعتبار معنی کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کے خصوص کا۔

خفیہ مشوروں کے متعلق ہدایات:

خفیہ مشورہ عموماً مخصوص اور رازدار دوستوں سے ہوتا ہے، جن پر اطمینان کیا جائے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے، اس لئے ایسے موقع پر ایسے منصوبے بھی بنائے جاتے ہیں جن میں کسی پر ظلم کرنا ہے یا کسی کو قتل کرنا ہے یا کسی کی املاک پر قبضہ کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، حق تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور سمع و بصر کے اعتبار سے تمہارے پاس موجود ہوتا ہے اور تمہاری ہر بات کو سنتا اور ہر حرکت کو دیکھتا اور جانتا ہے اگر تم کوئی مجرمانہ حرکت کرو گے تو اس کی سزا سے نہ بچ سکو گے، آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ تم کتنے ہی زیادہ یا کم سرگوشی میں شریک ہو حق تعالیٰ موجود ہوتا ہے، یہاں مثال کے طور پر دو، عددوں کا ذکر کیا گیا ہے، تین اور پانچ یعنی اگر تم تین آدمی خفیہ مشورہ کر رہے ہو تو چوتھا حق تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور اگر پانچ آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چھٹا وہاں اللہ موجود ہے، تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جماعت کے لئے اللہ کے نزدیک طاق عدد پسند ہے۔

مسلمانوں کے لئے سرگوشی سے متعلق ہدایت:

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الْآخِرِ حَتَّى يَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ فَإِنَّ ذَلِكَ يَحْزُنُهُ، یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کرو جب تک کہ دوسرے (تیسرے) آدمی نہ آجائیں کیونکہ اس سے اس کی دل شکنی ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الْخِ سابقہ آیات میں کفار کو ناجائز سرگوشی پر تنبیہ کی گئی تھی، اسی آیت سے مسلمانوں کے لئے بھی ہدایت نکل آئی کہ وہ بھی اپنی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں میں اس کا دھیان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے سب حالات معلوم ہیں اور ہماری ہر گفتگو کا علم ہے اس استحضار کے ساتھ یہ کوشش کریں کہ ان کے مشوروں اور سرگوشیوں میں کوئی بات فی نفسہ گناہ کی یا دوسروں پر ظلم کی یا خلاف شرع کام کی نہ ہو بلکہ جب بھی آپسی مشورہ ہونیک کام کا ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ اس سے پہلی آیت میں اس چیز کو بیان فرمایا کہ جو لوگوں کے درمیان تباغض اور تنافر کا سبب ہوتی ہے وہ تناجی بالاثم والعدوان والمعصية ہے، اور اس آیت میں اس چیز کو بیان فرمایا جو آپس میں موذت اور محبت کا سبب بنتی ہے مثلاً مجلس میں کشادگی پیدا کرنا، دوسروں کو جگہ دینا مل کر بیٹھنا، یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے آپس میں محبت اور موذت پیدا ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت کا شان نزول:

ابن ابی حاتم نے مقاتل سے نقل کیا ہے کہ ایک جمعہ کو آپ ﷺ صفہ میں تشریف فرما تھے، جگہ تنگ تھی، آپ ﷺ بدرین کا بہت اکرام فرماتے تھے، مجلس بھری ہوئی تھی، اہل بدر میں سے چند لوگ آئے جن میں ثابت بن قیس بن شماس بھی تھے لوگ اپنی اپنی جگہ لے چکے تھے، یہ بدرین حضرات آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا پھر ان بدرین حضرات نے قوم کو سلام کیا، قوم نے بھی جواب دیا، یہ حضرات اس امید پر کھڑے رہے کہ ان کے لئے جگہ کر دی جائے گی مگر اہل مجلس نے ان کے لئے جگہ نہ کی، یہ بات آپ ﷺ پر گراں گذری، چنانچہ آپ نے اپنے آس پاس والوں میں سے بعض سے فرمایا قُم یا فلان و یا فلان چنانچہ چند لوگ اٹھ گئے مگر یہ بات ان کو شاق گذری اور ناگواری کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہونے لگے، منافقین بھی کہنے لگے کہ بیٹھے ہوؤں کو اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو بٹھانا یہ کیسا انصاف ہے؟ اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

(روح المعانی)

اس آیت میں دوسرا حکم آداب مجلس سے متعلق یہ ہے کہ إِذَا قِيلَ لَكُمْ اَنْشُزُوا فَاَنْشُزُوا یعنی جب تم میں سے کسی سے کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اسے اٹھ جانا چاہئے، اس آیت میں لفظ قیل مجہول استعمال ہوا ہے، اس کا ذکر نہیں کہ یہ کہنے والا کون ہو؟ مگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنے والے شخص کو اپنے لئے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں ہے۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ فَيَجْلِسُ فِيهِ وَلَكِنْ تَفْسَحُوا وَتَوَسَّعُوا یعنی کوئی شخص دوسرے شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دیدیا کریں۔ (ابن کثیر، معارف)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہنا، آنے والے شخص کے لئے تو جائز نہیں، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس کا کہنے والا امیر مجلس یا مجلس کا منتظم ہو سکتا ہے، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اگر امیر مجلس یا اس کی طرف سے کوئی منتظم کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہیں تو آداب مجلس میں سے یہ ہے کہ ان سے مزاحمت نہ کرے بلکہ اپنی جگہ سے اٹھ جائے، اس لئے کہ بعض اوقات مصلحت اور ضرورت کا تقاضہ بھی یہی ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس حکم کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان آپ ﷺ سے تخیلہ یعنی تنہائی میں زیادہ باتیں کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو دقت ہوتی تھی، اور عمومی مجلس کا حرج بھی ہوتا تھا ہر شخص یہ کوشش کرتا تھا کہ میں آپ

ﷺ سے تنہائی میں زیادہ سے زیادہ باتیں کروں اس سے آپ ﷺ کو بھی تکلیف ہوتی تھی، اس وقت سے نجات کی اور اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ شکل نکالی کہ جو لوگ آپ ﷺ سے تخلیہ میں باتیں کرنا چاہیں وہ پہلے کچھ صدقہ کریں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کتنا صدقہ مقرر کیا جائے، کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی قدرت سے زیادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نصف دینار۔ میں نے عرض کیا لوگ اس کی قدرت بھی نہیں رکھتے، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا بس ایک جو، برابر سونا، آپ نے فرمایا یا علی انت زہید حضرت علی فرماتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، اس حکم کے آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک مسئلہ آپ سے دریافت کر لیا۔

(ابن جریر، حاکم، ابن المنذر، عبد بن حمید)

اس کے علاوہ کچھ منافقین کی شرارت بھی اس میں شامل ہو گئی کہ مخلص مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے آپ ﷺ سے علیحدہ سرگوشی کا وقت مانگتے تھے اور اس طرح مجلس کو طویل کر دیتے تھے، زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ آیت منافقین اور یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، منافقین اور یہود تخلیہ کے بہانے آپ کا بہت سا وقت ضائع کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ محمد تو کان کے کچے ہیں، ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، ان ہی وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے پابندی لگا دی۔

(فتح القدیر شوکانی)

جب قرآن کریم میں آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کے دس درہم کر لئے اور ایک درہم صدقہ کر کے آپ سے سرگوشی کر کے سب سے پہلے میں نے اس آیت پر عمل کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے کہ اس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ بعد میں عمل کرے گا، اس لئے کہ یہ آیت بہت جلد منسوخ ہو گئی، قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایک دن سے بھی کم مدت باقی رہا، مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ دس دن تک رہا پھر منسوخ ہو گیا، مذکورہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا مگر جس مصلحت کے لئے یہ حکم جاری کیا گیا تھا وہ حاصل ہو گئی مسلمان تو اپنی دلی محبت کے تقاضے سے ایسی مجلس طویل کرنے سے اجتناب کرنے لگے اور منافقین اس لئے رک گئے کہ ان کے لئے مال خرچ کرنا گراں گذرتا تھا اور ان کو یہ بھی خوف لاحق ہوا کہ اگر ہم مسلمانوں کے خلاف طرز اختیار کریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا نفاق ظاہر ہو جائے۔

الَّذِينَ تَسْطُرُ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا بِهِمُ الْمُنافِقُونَ قَوْمًا بِهِمُ الْيَهُودُ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ إِلَّا الْمُنافِقُونَ مِّنْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا مِنْهُمْ مِّنَ الْيَهُودِ بَلْ هُمْ مُذَبْذَبُونَ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ أَيُّ قَوْلِهِمْ أَنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ وَهُمْ يَعْمُونَ ۝ أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ فِيهِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مِّنَ الْمُفَاسِقِ

اتَّخَذُوا اِيْمَانَهُمْ جُنَّةً سِتْرًا عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ فَصَدُّوا بِهَا الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِى الْجِهَادِ فِيْهِمْ
 بِقَتْلِهِمْ وَاِخْذِ اَمْوَالِهِمْ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۙ ذُو اَبَانَةٍ ۙ لَنْ تَغْنَى عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا
 مِنَ الْاِغْنَاءِ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۙ اذْكَرَ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهُ اَنَّهُمْ مُّؤْمِنُوْنَ
 كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۙ مِنْ نَّفْعٍ حَلْفِهِمْ فِى الْاٰخِرَةِ كَالدُّنْيَا اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكَٰذِبُوْنَ ۙ اِسْتَحْوَذَ
 اِسْتَوْلٰى عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ بِطَاعَتِهِمْ لَهٗ فَاَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَتَبٰٓءُ الْاِثْمِ اِنَّ حِزْبَ
 الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۙ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادُّوْنَ يُخٰلِفُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلَهُ اُولٰٓئِكَ فِى الْاٰذِلِّيْنَ ۙ الْمَغْلُوْبِيْنَ كَتَبَ اللّٰهُ فِى
 اللُّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَوْ قَضٰى لَاغْلِبَنَّ اَنَا وَرَسُوْلِيْ بِالْحُجَّةِ اَوْ السَّيْفِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۙ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
 وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ يُصَادِقُوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَوْ كَانُوْا اِى الْمُحَادِّثِيْنَ اَبَآءَهُمْ اِى الْمُؤْمِنِيْنَ
 اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۙ بَلْ يَقْضُوْنَ عَنْهُمْ بِالسُّوْءِ وَيُقَاتِلُوْنَهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ كَمَا وَقَعَ لَجْمَاعَةٍ مِّنَ
 الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَا يُوَادُّوْنَهُمْ كَتَبَ اَثْبَتَ فِى قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيْدِيَهُمْ بَرُوْجٌ يَّنُوْرٌ
 مِّنْهُ تَعَالٰى وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرِضْوَانِهِ بِشَوَابِهِ اُولٰٓئِكَ
 حِزْبُ اللّٰهِ يَتَّبِعُوْنَ اَمْرَهُ وَيَخْتَلِفُوْنَ نَهْيَهُ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۙ الْفٰئِزُوْنَ ۙ

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں منافقوں کو دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے، اور وہ یہود ہیں، یہ منافق نہ تم میں سے ہیں یعنی مومنین میں سے اور نہ ان میں سے یعنی یہود میں سے بلکہ مذہب ہیں جھوٹی قسم کھاتے ہیں یعنی اس بات پر کہ وہ مومن ہیں حالانکہ وہ (خود بھی) جانتے ہیں کہ وہ (اپنی) اس قسم میں جھوٹے ہیں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بلاشبہ جو یہ نافرمانی کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے یعنی اپنی جان اور اپنے مال کے لئے ڈھال بنا رکھا ہے سو قسموں کے ذریعہ مومنین کو اپنے ساتھ جہاد کرنے سے یعنی خود کو قتل ہونے اور اپنے مالوں کو لینے سے بچائے ہوئے ہیں سوان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے بچانے میں کچھ کام نہ آئیں گے (یُغْنٰی) اِغْنَاء سے ہے یہ تو جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ اٹھا کھڑا کرے گا تو اس کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے کہ وہ مومن ہیں جیسا کہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور سمجھیں گے کہ دنیا کے مانند آخرت میں ان کی قسم سے ان کو کچھ فائدہ ہوگا یقین مانو کہ وہی جھوٹے ہیں ان کے شیطان کی اتباع کرنے کی وجہ سے شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہ شیطانی لشکر ہے اس

کے متبعین ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارہ میں ہے بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہی لوگ مغلوبین میں سے ہیں اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں لکھ چکا ہے یا فیصلہ کر چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول دلیل کے ذریعہ یا تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا زور آور اور غالب ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھنے والا (یعنی) سچی دوستی کرنے والا ہرگز نہ پائیں گے گو وہ مخالفت کرنے والے ان کے یعنی مومنین کے باپ دادے یا بیٹے یا بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ان کو ضرر پہنچانے اور ایمان کی بابت ان سے قتال کرنے کا قصد رکھتے ہیں، جیسا کہ صحابہ کی ایک جماعت کے لئے ایسا واقعہ پیش آیا بھی ہے یہی لوگ جو ان سے سچی دوستی نہیں رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت کر دیا ہے اور جن کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے کی ہے اور جنہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اس میں رہیں گے اور اللہ ان سے ان کی طاعت کی وجہ سے راضی ہے اور وہ اللہ کے ثواب سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے جو اس کے حکم کی اتباع کرتا ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے آگاہ رہو اللہ کی جماعت ہی کامیاب لوگ ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا : اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ يَهْمُ بِهٖ مُنَافِقِيْنَ كِي حَالَتْ بِرَاٰظِهِمْ تَعْجِبُ كَلَّ لَئِ لَا يَآگِيَا هٖ جَوَ كَهٗ يَهُودَ سَ دَوْتِي رَكْهَتِيْ اَوْرَانِ كِي خِيْر خَوَآهِيْ كَرْتِي تَحَّ، اَوْر مُسْلِمَانُوں كَ رَازِ يَهُودِيُوں كُو پَہْچَا دِيَا كَرْتِي تَحَّ يَہ نہ خَالِصِ مُسْلِمَانِ تَحَّ، اَوْر نہ كَافِر بَلْكَہ اِن كَا اِيَكِ سِرِّ اِسْلَامِ سَ مَلَا ہُوَا تَحَّا اَوْر دُوسَرَا كُفْرَ سَ، اِس لَئِ كَہ مُنَافِقِ بَظَاہِرِ مُسْلِمَانِ تَحَّ اَوْر دَر بَاطِنِ كَافِر، گُويَا كَہ دُوكَشْتِيُوں كَ سَوَارِ تَحَّ جِس مِيں ہَلَاكَتِ يَقِيْنِيْ ہُوتِي ہٖ۔

قَوْلًا: تَوَلَّوْا، تَوَلَّيْ سہ مضارع جمع مذکر غائب وہ لوگ دوستی کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ یہ جملہ یا تو مستانفہ ہے یا پھر تَوَلَّوْا کے فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: وَهُمْ يَعْلَمُونَ یہ جملہ یَحْلِفُونَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلًا: اَيْمَانَهُمْ جُنَّةٌ يَدُونُ اِتَّخَذُوا کے مفعول ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو اپنے اور اپنے مالوں کی حفاظت کے لئے ڈھال اور وقایہ بنا رکھا ہے۔

قَوْلًا : مِنْ عَذَابِهِ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ الْإِغْنَاءِ، شَيْئًا كَيْ بَعْدَ مِنْ الْإِغْنَاءِ مَحْذُوفٌ مَانٌ كَرَّ اِشَارَهُ كَرَدِيَا كَيْ لَنْ تُغْنِيَ كَامْفَعُولٌ مُطْلَقٌ هِيَ اَيُّ لَنْ

تَغْنِيَ اَعْنَاءَ شَيْئًا.

قَوْلًا: وَيَحْسَبُونَ، يَحْلِفُونَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلًا: اِسْتَحْوَذَ یہ اصل کے مطابق فعل ماضی ہے، اِی غَلَبَ وَاِسْتَوْلَى وہ مسلط ہو گیا، اس نے قابو کر لیا، اِسْتَحْوَذَ سے ہے، بروزن اِسْتِصْوَابٌ یہ خلاف قیاس ہے اس لئے کہ قیاس اِسْتَحَاذَ ہے، جیسا کہ اِسْتَعَاذَ اور اِسْتَقَامَ واو کو الف سے بدل کر۔

قَوْلًا: لَا غِلْبَنَ یہ اُقْسِمُ قسم محذوف کا جواب بھی ہو سکتا ہے اسی وجہ سے اس کے اوپر لام قسم داخل کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کتب اللہ قسم کے معنی میں ہو اور لَا غِلْبَنَ جواب قسم ہو۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

الْمَرْتَرِ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بد حالی اور انجام کار عذاب شدید کا ذکر فرمایا: جو اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھیں گے، مَفْضُوب عَلَيْهِمْ جن پر خدا کا غضب نازل ہوا وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں، اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں، یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جس وقت مدینہ میں منافقین کا زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں، یہود کو مدینہ سے جلا وطن نہیں کیا گیا تھا۔

کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ، یا دوسرے اقسام کے کفار، کسی مسلمان کے لئے ان سے دلی دوستی جائز نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالات کفار کی شدید ممانعت و مذمت وارد ہوئی ہے اور جو مسلمان کسی غیر مسلم سے دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرے میں رکھنے کی وعید آئی ہے مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، ان پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا، یا اقتصادی اور تجارتی معاملات ان سے کرنا دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد ہے، البتہ ان سب چیزوں کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا جائز ہیں جو اپنے دین کے لئے مضر نہ ہوں اور نہ اسلام اور دیگر مسلمانوں کے لئے مضر ہوں۔

اِتَّخَذُوا اٰیْمَانَهُمْ جُنَّةً، اٰیْمَانَهُمْ کو جمہور نے ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ یمین کی جمع ہے بمعنی قسم یعنی یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہ وہ مسلمان ہیں مسلمانوں کی گرفت سے بچے ہوئے ہیں اور حسن رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اور ابوالعالیہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ان منافقوں نے اپنے ظاہری ایمان کو اپنے اور اپنے اموال کے لئے ڈھال اور وقایہ بنا رکھا ہے۔

یَوْمَ يَنْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ مَطْلَب یہ ہے کہ یہ منافقین صرف دنیا ہی میں اور صرف انسانوں ہی کے سامنے جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے بلکہ آخرت میں خود اللہ جل شانہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہ رہیں گے، جھوٹ اور فریب ان کی رگ رگ اور نس نس میں اس طرح پیوست ہو چکا ہے کہ مرکر بھی یہ ان سے نہ چھوٹے گا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَمَلَهُمْ يُحِبُّونَ ۚ

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں، ایک بات اصولی ہے اور دوسری امر واقعی، اصولی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دین حق پر ایمان اور اعدائے حق کی محبت، دو بالکل متضاد چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ اجتماع کسی طرح قابل تصور نہیں ہے، یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایمان اور دشمنانِ خدا اور رسول کی محبت ایک دل میں جمع ہو جائیں، اسی طرح جن لوگوں نے اسلام اور مخالفین اسلام سے بیک وقت رشتہ جوڑ رکھا ہے ان کو اپنے بارے میں اچھی طرح غور کر لینا چاہئے کہ وہ فی الواقع کیا ہیں مومن ہیں یا منافق؟ اگر ان کے اندر کچھ بھی راستبازی موجود ہے اور وہ کچھ بھی یہ احساس اپنے اندر رکھتے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے منافقت انسان کے لئے ذلیل ترین رویہ ہے تو انہیں بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش چھوڑ دینی چاہئے، ایمان تو ان سے دو ٹوک فیصلہ چاہتا ہے مومن رہنا چاہتے ہیں تو ہر اس رشتہ اور تعلق کو قربان کر دیں جو اسلام کے ساتھ ان کے تعلق سے متصادم ہوتا ہو، اور اگر اسلام کے رشتے سے کسی اور رشتے کو عزیز تر رکھتے ہیں تو بہتر ہے کہ ایمان کا جھوٹا دعویٰ چھوڑ دیں۔

یہ تو ہے اصولی بات، مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف اصول بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس امر واقعی کو بھی مدعیان ایمان کے لئے نمونے کے طور پر پیش فرما دیا ہے کہ جو لوگ سچے مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے تمام ان رشتوں کو کاٹ کر پھینک دیا جو اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔

تمام صحابہ کرام کا یہی حال تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے ایسے واقعات بیان کئے ہیں، اس کی نظیریں بدر و احد کے معرکوں میں سارا عرب دیکھ چکا تھا، مکہ سے جو صحابہ کرام ہجرت کر کے آئے تھے وہ صرف خدا اور اس کے دین کی خاطر اپنے قبیلے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے تھے، حضرت ابو عبیدہ نے اپنے والد عبد اللہ بن جراح کو قتل کیا، حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا عبد اللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبد اللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ آپ اجازت دیں تو میں اپنے باپ کو قتل

کردوں، آپ نے منع فرمایا حضرت ابوبکر کے سامنے ان کے والد ابو قحافہ نے حضور کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تو ارحم امت صدیق اکبر کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابو قحافہ گر پڑے، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا، اس قسم کے بہت سے واقعات صحابہ کرام کے ساتھ پیش آئے ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

وَأَيَّدَ هُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ يَهَاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون کا ذریعہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے روح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے کہ وہی مومن کی اصل طاقت اور قوت ہے۔ (فرطی، معارف ملخصاً)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ حشر مدنی ہے، چوبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَى نَزَّهَهُ فَالْأَمُّ
مَزِيدَةٌ وَفِي الْإِتْيَانِ بِمَا تَغْلِيْبٌ لِأَكْثَرٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فِي مُلْكِهِ وَصْنَعِهِ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ مِنَ الْيَهُودِ مِنْ دِيَارِهِمْ مَسَاكِينَهُمْ بِالْمَدِينَةِ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ هُوَ حَشَرُهُمْ
إِلَى الشَّامِ وَأَخْرَجَهُمْ أَنْ جَلَّاهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ إِلَى خَيْبَرَ مَا ظَنَنْتُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ
أَنْ يُخْرِجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ خَيْرٌ أَنْ حُصُونُهُمْ فَأَعْلَلَهُ بِهِ تَمَّ الْخَبْرُ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ فَاتَّهَمُوا اللَّهَ أَسْرَهُ وَعَذَابَهُ
مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۝ لَمْ يَخْطُرْ بِبَالِهِمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَقَذَفَ الْقَى فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ بِسُكُونِ
الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفَ بِقَتْلِ سَيِّدِهِمْ كَعَبِ بْنِ الْأَشْرَفِ يُخْرَبُونَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ مِنْ أَخْرَبَ
بَيُوتَهُمْ لِيَنْقُلُوا مَا اسْتَحْسَنُوهُ مِنْهَا مِنْ خَشَبٍ وَغَيْرِهِ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ۝
وَلَوْ لَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ قَضَى عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ الْخُرُوجَ مِنَ الْوَطَنِ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْمَسْنَى كَمَا فَعَلَ
بِقَرِيظَةَ مِنَ الْيَهُودِ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا خَالَفُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ
اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لَهُ مَا قَطَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ مِنْ لَبْنَةٍ نَخْلَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ أَى
خَيْرِكُمْ فِي ذَلِكَ وَلِيُخْرِجَ بِالْإِذْنِ فِي الْقَطْعِ الْفَاسِقِينَ ۝ الْيَهُودُ فِي اعْتِرَاضِهِمْ بَانَ قَطَعَ الشَّجَرُ الْمُشْمِرِ
فَسَادَ وَمَا أَفْلَهُ رَدَّ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ أَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ عَلَيْهِ مِنْ زَائِدَةٍ خَيْلٍ وَلَا رِكَابِ اِبِلٍ
أَى لَمْ تُقَاسُوا فِيهِ مَشَقَّةً وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ فَلَا حَقَّ لَكُمْ فِيهِ
وَيُخْتَصُّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ فِي الْآيَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ عَلَى مَا
كَانَ يُقَسِّمُهُ مِنْ أَنْ لِكُلِّ مِنْهُمْ خُمْسَ الْخُمْسِ وَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَاقِي يَفْعَلُ فِيهِ مَا يَشَاءُ

فَاَعْطَى مِنْهُ الْمُهَاجِرِينَ وَثَلَاثَةً مِنَ الْأَنْصَارِ لِفَقْرِهِمْ مَا آفَأَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى كَالصَّفَرَاءِ
وَوَادِي الْقُرَى وَيَنْبَغُ فَلِلَّهِ يَأْمُرُ فِيهِ بِمَا يَشَاءُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي صَاحِبِ الْقُرْبَى قَرَابَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ وَالْيَتَامَى أَطْفَالُ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ هَلَكَتْ آبَاؤُهُمْ فَقَرَاءُ وَالْمَسْكِينِ
ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ الْمُنْقَطِعِ فِي سَفَرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ وَالْأَرْبَعَةُ عَلَى
مَا كَانَ يُقَسِّمُهُ مِنْ أَنْ لِكُلِّ مِنْ الْأَرْبَعَةِ خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ الْبَاقِي كَي لَا كَسَى بِمَعْنَى اللَّامِ وَأَنْ مُقَدَّرَةٌ بَعْدَهَا
يَكُونُ الْفِي عِلَّةِ الْقِسْمَةِ كَذَلِكَ دَوْلَةٌ مُتَدَا وَلَا بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَتَكُمْ الرَّسُولُ مِنْ الْفَقْرِ وَغَيْرِهِ
فُخِّدُوهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِفُقَرَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ أَيْ اغْجِبُوا
الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝
فِي إِيْمَانِهِمْ وَالَّذِينَ تَبَوُّوا الدَّارَ الْمَدِينَةَ وَالْإِيْمَانَ أَيْ الْفُؤَادَ وَهُمْ الْأَنْصَارُ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ
هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً حِسَابًا مِمَّا آوَتْوَا أَيْ أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُهَاجِرِينَ
مِنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ الْمُخْتَصَّةِ بِهِ وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۝ حَاجَةً أَيْ مَا يُؤْثِرُونَ بِهِ
وَمَنْ يُوقِ شَخْصَهُ حِرْصَهَا عَلَى الْمَالِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَنِي الْمُهَاجِرِينَ
وَالْأَنْصَارِ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آسمان اور زمین میں جو شئی بھی ہے وہ
اس کی تسبیح بیان کرتی ہے یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہے، لام زائدہ ہے، اور مَنْ کے بجائے مَا لانا اکثر (یعنی غیر ذوی العقول)
کو غلبہ دینے کی بناء پر ہے، وہ اپنے ملک انتظام میں غالب اور حکمت والا ہے، اور وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو کہ وہ
بنو نضیر کے یہودی تھے، مدینہ میں ان کے گھروں سے پہلے ہی حشر میں نکالا، ان کا یہ اخراج (مدینہ) سے خیبر کی جانب تھا، اور
دوسرا حشر وہ تھا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے دور خلافت میں خیبر سے شام کی طرف نکالا تھا۔
یَعْنِي: متن میں تسامح ہے، جس کو ترجمہ میں درست کر دیا گیا ہے۔

اے مومنو! تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے اللہ کے
عذاب سے ان کی حفاظت کریں گے مَانِعْتُهُمْ، اُن کی خبر ہے اور حُصُونُهُمْ، مَانِعْتُهُمْ کا فاعل ہے اس سے خبر تمام
ہو گئی، مگر اللہ یعنی اس کا حکم اور اس کا عذاب ایسی جگہ سے آپڑا کہ ان کو (وہم) و گمان بھی نہ تھا، یعنی مومنوں کی جانب سے،
ان کے دل میں کبھی یہ بات آئی بھی نہ تھی اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا (رُعب) عین کے سکون اور ضمہ کے

ساتھ ہے ان کے سردار کعب بن اشرف کو قتل کر کے اور وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے (يُخَرَّبُونَ) اُخْرَبَ سے تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے، تاکہ وہ اپنی پسندیدہ چیزوں، لکڑی وغیرہ کو منتقل کر سکیں، اور مومنین کے ہاتھوں سے اُجڑا رہے تھے، سوائے دانشمندو! عبرت حاصل کرو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جلا وطنی (یعنی وطن سے نکلنا) مقدر نہ کر دی ہوتی تو دنیا ہی میں اللہ ان کو قتل و قید کی سزا دیتا جیسا کہ قرینہ کے یہود کے ساتھ کیا گیا، اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے ہی یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا اللہ اس کو شدید عذاب دے گا اے مسلمانو! تم نے جو کھجور کے درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے کھڑے رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا اختیار دیدیا تھا، اور اس لئے بھی کہ کاٹنے کی اجازت دیکر فاسقوں (یعنی یہود) کو اللہ رسوا کرے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ پھلدار درختوں کو کاٹنا فساد ہے، اور ان کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگا دیا ہے اے مسلمانو! نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ یعنی تم نے اس مال کے لئے کوئی مشقت نہیں اٹھائی لیکن اللہ جس پر چاہے اپنے رسول کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہذا اس مال میں تمہارا حق نہیں اور وہ مال آپ ﷺ اور ان لوگوں کے لئے خاص کیا گیا ہے جن چار قسموں کا دوسری آیت میں آپ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق آپ اس مال کو تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ ان میں ہر ایک کے لئے دسواں حصہ اور باقی آپ ﷺ کے لئے ہے اس میں آپ جو چاہیں کریں چنانچہ اس میں سے آپ نے مہاجرین کو عطا فرمایا اور فقراء انصار میں سے تین (آدمیوں) کو عطا فرمایا بستی والوں جیسا کہ صفراء اور وادی القریٰ اور بنیعی کا جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگایا وہ اللہ کا ہے اس میں جس کے لئے چاہے حکم فرمائے اور رسول کا ہے اور قرابت والوں کا ہے یعنی بنی ہاشم و بنی مطلب میں سے نبی ﷺ کی قرابت والوں کا، اور یتیموں یعنی مسلمانوں کے ان بچوں کا جن کے آباء ہلاک ہو گئے، اور وہ محتاج ہیں، اور مسکینوں کا یعنی مسلمانوں میں سے حاجتمندوں کا اور مسافروں کا یعنی ان مسلمان مسافروں کا جو اپنے سفر کو جاری نہ رکھ سکیں، یعنی اس مال کے مستحق نبی ﷺ ہیں اور چار فریق ہیں جیسا کہ آپ تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ چاروں کے مجموعہ کے لئے دسواں حصہ اور باقی آپ ﷺ کے لئے ہے تاکہ تمہارے دولتمندوں کے ہاتھوں میں ہی مال گردش کرتا نہ رہ جائے (کَنَلَا) کئی بمعنی لام ہے اور لام کے بعد ان مقدر ہے (کَنَلَا) سے مذکورہ طریقہ پر تقسیم کرنے کی علت کا بیان ہے اور رسول جو کچھ تمہیں مال فقی وغیرہ سے دے اس کو لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ان فقراء مہاجرین کے لئے (شاباشی ہے) جو ان کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں (درحقیقت) یہی ہیں سچے لوگ اپنے ایمان میں اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی یعنی ایمان سے الفت کر لی اور وہ انصار ہیں اپنی طرف ہجرت کر کے

آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے یعنی نبی ﷺ نے مہاجرین کو بنی نضیر سے حاصل شدہ مال میں سے جو کہ آپ ﷺ کے لئے خاص تھا کچھ دیدیا تھا، بلکہ اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے ہیں گو خود کو اس مال کی کتنی ہی حاجت کیوں نہ ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا یعنی مال کی حرص سے وہی ہیں کامیاب لوگ اور وہ لوگ جو ان کے یعنی مہاجرین و انصار کے بعد قیامت تک آئیں گے کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ ڈال، اے ہمارے پروردگار بے شک تو شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

حَقِیْقِیْ وَتَرْکِیْبِیْ تَسْهِیْلِیْ وَتَفْسِیْرِیْ فَوَائِدُ

سورۃ حشر انسٹوویں سورت ہے، اس کا دوسرا نام سورۃ النضیر ہے، یہ بالاتفاق مدنی سورت ہے۔

قَوْلًا: بنو نضیر یہ قبیلہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے تھا۔

قَوْلًا: لِأَوَّلِ الْحَشْرِ لام بمعنی فی ہے ای فی اول الحشر اور لام بمعنی عند بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ میں ہے اس وقت لام توقیت کے لئے ہوگا، اَوَّلِ الحشر یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبل سے ہے، ای الحشر الاول۔

قَوْلًا: اِلَى خَيْبَرَ صحیح مِنْ خَيْبَرَ ہے۔

قَوْلًا: تَمَرِّبِهِ الْخَبْرَ، اَنْهَمُ، میں هُمْ اَنْ کا اسم ہے مَانِعَةٌ اسم فاعل هُمْ اس کا مفعول حَصُونُهُمْ اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول نے مل کر اَنْ کی خبر جیسے اَنْ زَيْدًا قَائِمًا ابُوہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حَصُونُهُمْ مبتداء مؤخر اور مَانِعَتُهُمْ خبر مقدم، مبتداء اپنی خبر مقدم سے مل کر اَنْ کی خبر ہو۔

قَوْلًا: حُصُونٌ، حِصْنٌ کی جمع ہے بمعنی قلعے۔

قَوْلًا: مِنْ اَخْرَبَ اس کا تعلق تخفیف سے ہے، مطلب یہ کہ يُخْرِبُونَ کو تخفیف کے ساتھ پڑھیں تو اَخْرَبَ سے ہوگا، اور اگر تشدید کے ساتھ پڑھیں يُخْرِبُونَ تو (تفعیل) سے ہوگا۔

قَوْلًا: لَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، اَنْ مصدر یہ ہے، اَنْ مع اپنے مابعد کے مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتداء محلا مرفوع ہے اس کی خبر وجوباً محذوف ہے اور وہ مَوْجُودٌ ہے ای لَوْلَا كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَوْجُودٌ لَعَذَّبَهُمْ، لَعَذَّبَهُمْ لَوْلَا کا جواب ہے۔

قَوْلًا: الْجَلَاءُ ای الخروج من الوطن مع الامل والولد، جلا وطنی کہتے ہیں مع اہل و عیال کے وطن چھوڑ کر چلے جانا، بخلاف خروج کے کہ وہ تنہا اور مع اہل و عیال دونوں طریقوں سے ہو سکتا ہے۔

قَوْلًا: اللَّيْنَةُ یہ لَيْنٌ سے مشتق ہے عمدہ کھجور کو کہتے ہیں (ای النَّخْلَةُ الْكَرِيمَةُ) اس کی جمع اَلْيَانُ آتی ہے۔

قَوْلًا: وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ وَأَوْعَظُهُمْ مَعُطُوفٌ عَلَيْهِ مَحْذُوفٌ هِيَ تَقْدِيرُ عِبَارَتِ يَهِيَ أَذِنٌ فِي قَطْعِهَا لِيُعْجَزَ الْمُؤْمِنِينَ وَيُخْزِيَ الْمُنَافِقِينَ.

قَوْلًا: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ ایک تو یہ ہے کہ لِلْفُقَرَاءِ کا تعلق فعل محذوف سے کیا جائے جیسا کہ علامہ محلی کی رائے ہے علامہ محلی نے اَعْجَبُوا فعل محذوف مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَعْجَبُوا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا (الآیہ) اور یہ اظہار تعجب علی سبیل المدح ہے، یعنی تعجب ہے کہ مہاجرین نے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا کہ اپنا گھربار عزیز واقارب، مال و دولت، غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنا سب کچھ تیاگ دیا اور بے یار و مددگار غریب الوطن ہو کر دیار غیر میں مقیم ہو گئے، لِلْفُقَرَاءِ کو فعل محذوف سے متعلق کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ذی القربی کے لئے فقر شرط نہ ہوگا، بلکہ مال غنیمت (فی) میں ذوی القربی کا حق ہوگا خواہ وہ محتاج اور حاجتمند ہوں یا نہ ہوں، یہی مسلک امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا ہے مفسر علام چونکہ شافعی المسلک ہیں اس لئے اسی کے پیش نظر اَعْجَبُوا فعل محذوف مانا ہے تاکہ لِلْفُقَرَاءِ کو ذی القربی سے بدل قرار نہ دینا پڑے، دوسری صورت یہ کہ للفقراء کو ذی القربی سے بدل قرار دیا جائے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ للفقراء کو ذی القربی اور اس کے مابعد سے بدل الکل قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ فقر اور حاجت مع ذوالقربی تمام مذکورین کے لئے شرط ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوالقربی میں جو نادر اور غریب ہوں گے تو وہ مال فی (غنیمت) میں حصہ دار ہوں گے ورنہ نہیں۔

قَوْلًا: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ مَدْحَ انصَارَ کے لئے کلام متانف ہے یا اس کا عطف للفقراء پر بھی کر سکتے ہیں، الَّذِينَ مذکورہ دونوں صورتوں میں یا تو مبتداء ہوگا یا پھر اس کا عطف للفقراء پر ہوگا۔ اس صورت میں الذین محل جر میں ہوگا کہ الذین مبتداء ہو تو يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ جملہ ہو کر اس کی خبر ہوگی۔

قَوْلًا: أَلْفُوهُ یہ اشارہ ہے کہ الْإِيمَانُ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

رابط:

سابقہ سورت میں منافقین کی یہود کے ساتھ دوستی کی مذمت کا بیان تھا، اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلا وطنی کی سزا اور آخرت میں شدید عذاب کا ذکر ہے۔

شان نزول:

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے سیاسی اقدام کے طور پر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قبائل یہود کے ساتھ جن میں بنو نضیر اور بنو قریظہ اور بنو قینقاع بھی شامل تھے، تحریری معاہدہ صلح فرمایا جس کی رو سے یہود اور مسلمان آپس میں

ایک دوسرے کے حلیف ہو گئے، یہ معاہدہ مندرجہ ذیل چودہ دفعات پر مشتمل تھا، جو ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد ہوا تھا:

- ① قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آ رہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔
- ② ہر گروہ کو اپنی جماعت کا عدل و انصاف کے ساتھ فدیہ دینا ہوگا۔ ③ ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔ ④ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔ ⑤ ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جو ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔ ⑥ جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی ⑦ کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی کی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو۔ ⑧ بوقت جنگ یہود کو مسلمانوں کا ساتھ جان و مال سے ساتھ دینا ہوگا، مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔ ⑨ نبی ﷺ کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آپ ﷺ کی مدد لازم ہوگی۔ ⑩ جو قبائل اس عہد میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو آپ ﷺ کی اجازت ضروری ہوگی۔ ⑪ کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے، قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ ⑫ مسلمان اگر کسی سے صلح کریں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔ ⑬ جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو قصاص لیا جائے گا، الا یہ کہ مقتول کا ولی دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔ ⑭ جب کبھی نزاع یا کسی میں اختلاف رونما ہوگا تو اس میں آپ ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔

(البدایہ والنہایہ ملخصاً)

قبیلہ بنو نضیر مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی دوران عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے قبیلہ بنی عامر کے دو کافروں کے قتل کا ایک واقعہ پیش آیا، بنو عامر سے آنحضرت ﷺ کا معاہدہ تھا۔

بیر معونہ اور عمرو بن امیہ ضمری کا واقعہ:

بیر معونہ کا واقعہ جو کہ تاریخ اسلام میں بڑا دردناک واقعہ ہے اس کا مختصر حال اس طرح ہے کہ حادثہ رجب کے چند روز بعد ہی ماہ صفر ۴ھ میں ابوالبراء عامر بن مالک بن جعفر نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بستی میں تبلیغ اسلام کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت ان کے ساتھ کردی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ محض ایک سازش تھی جو کہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے تیار کی گئی تھی، چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہو گئے، ان قراء کی جماعت میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے، اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافر ملے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اپنے انہتر ساتھیوں کا بے رحمانہ قتل اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے ان کا غم و غصہ کتنا ہوگا ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اس لئے انہوں نے یہ ٹھان لیا کہ ان سے اپنے انہتر مقتول ساتھیوں کا بدلہ لینا چاہئے، چنانچہ عمرو بن امیہ ضمری نے موقع پا کر ان دونوں کافروں کو قتل

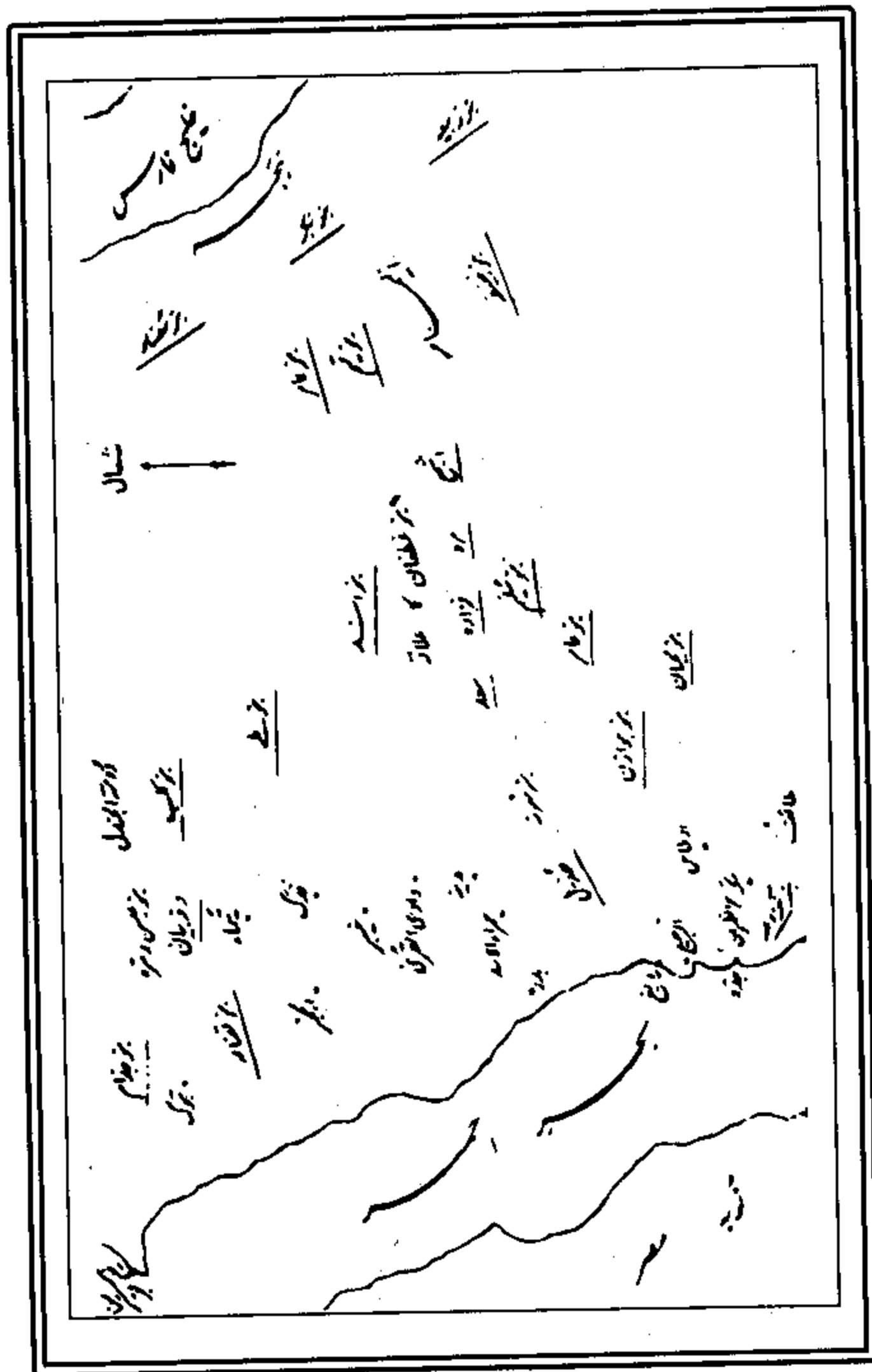
کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ صلح تھا، جب آنحضرت ﷺ کو اس کی غلطی کا علم ہوا تو آپ نے معاہدہ اور اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں کی دیت (خونبہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا اس سلسلہ میں بنو نضیر کے پاس بھی جانا ہوا۔ (ابن کثیر، معارف)

یہود کا تاریخی پس منظر:

عرب کے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے محض ان ہی کی زبانی روایات ہیں، درحقیقت جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب ۷۰ء میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور ۱۳۲ء میں ان کو سرزمین فلسطین سے نکال دیا، اس دور میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزیں ہو گئے، یہاں آ کر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز مقامات دیکھے وہاں آباد ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے جوڑ توڑ اور سازشی فطرت کے ذریعہ ان مقامات پر پورا قبضہ جمالیا، ایلہ، متقنا، تبوک، تیما اور وادی القرئی، فدک، اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا، اور بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں آ کر یثرب پر قابض ہو گئے، یہ لوگ جب مدینہ میں آ کر آباد ہوئے تو اس وقت دوسرے عرب قبائل بھی آباد تھے جن کو انہوں نے دبا لیا، اور عملاً اس علاقہ کے مالک بن بیٹھے، اس کے تقریباً تین صدی بعد ۴۵ء میں یمن کے اس سیلاب عظیم کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورہ سبا کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے اس سیلاب کی وجہ سے قوم سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل گئے ان میں سے غسانی شام میں اور بنی خزاعہ مکہ اور جدہ کے درمیان اور اوس اور خزرج یثرب میں جا کر آباد ہو گئے، یثرب پر چونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے ان ہی کا مکمل کنٹرول تھا، اس لئے انہوں نے اول اول اوس و خزرج کی دال نہ گلنے دی، جس کی وجہ سے یہ دونوں قبیلے چاروں چار بنجر اور سنگلاخ زمینوں پر بس گئے، آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص اپنے غسانی بھائیوں سے مدد لینے کے لئے شام گیا اور وہاں سے ایک لشکر لا کر ان یہودیوں کا زور توڑ دیا، اس طرح اوس اور خزرج نے یثرب پر پورا تسلط حاصل کر لیا، یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ یثرب کے باہر جا کر بسنے پر مجبور ہو گئے، تیسرے قبیلے بنو قینقاع سے چونکہ مذکورہ دونوں یہودی قبیلوں کی ان بن تھی، اس لئے وہ شہر کے اندر ہی مقیم رہا، مگر یہاں رہنے کے لئے ان کو قبیلہ خزرج کی پناہ لینی پڑی، اور اس کے مقابلہ میں بنی نضیر اور بنی قریظہ نے قبیلہ اوس کی پناہ لی، ذیل کے نقشے سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہودیوں کی بستیاں کہاں کہاں تھیں؟



(عہد نبوی میں قبائل عرب کے علاقے کے نقشے)



یہود اور ان کی عہد شکنی:

غزوہ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلح نامہ کے پابند رہے مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غداری اور خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوہ احد کے بعد اپنے ساتھ چالیس یہودیوں کا ایک قافلہ لے کر مکہ معظمہ پہنچا، ادھر ابوسفیان اپنے چالیس آدمیوں کو لیکر حرم بیت اللہ میں داخل ہوا اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا، کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد جب مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرائیل امین نے آنحضرت ﷺ کو سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتادی، آپ ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمادیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کے قتل کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔

کعب بن اشرف کا قتل اور اس کے اسباب:

مدینہ منورہ میں جب فتح بدر کی بشارت پہنچی تو کعب بن اشرف یہودی کو بے حد صدمہ ہوا، اور یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے، کہ مکہ کے بڑے سردار اور اشرف مارے گئے، تو پھر زمین کا طن اس کی ظہر سے بہتر ہے یعنی جینے سے مرجانا بہتر ہے تاکہ آنکھیں اس ذلت اور رسوائی کو نہ دیکھیں۔

لیکن جب خبر کی تصدیق ہوگئی تو مقتولین بدر کی تعزیت کے لئے ایک وفد لیکر مکہ روانہ ہوا اور مقتولین بدر کے مرثیے لکھے جن کو پڑھ پڑھ کر خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں لوگوں کو جوش دلا کر آمادہ قتال کرتا تھا، آخر ایک روز قریش کو حرم مکہ میں لے جا کر اور غلاف کعبہ پکڑ کر مسلمانوں سے قتال کرنے کا حلف اٹھایا، اس کے بعد جب مدینہ واپس آیا تو مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کئے، کعب بن اشرف بڑا شاعر تھا، آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا اور کفار مکہ کو آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے ہمیشہ بھڑکاتا رہتا تھا اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی ایذائیں دیتا رہتا تھا، جب صبر و تحمل کی حد ہوگئی اور پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور وہ کسی طرح باز نہ آیا تو آخر کار مجبور ہو کر آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، فتح الباری)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے آپ کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور کچھ آدمی متعین کر دیئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو قتل کر ڈالیں، آپ آکر بیٹھے ہی تھے کہ جبرائیل امین نے آکر آپ کو ان کے ارادہ سے مطلع کر دیا آپ فوراً وہاں سے جبرائیل امین کے پروں کے سایہ میں باہر تشریف لے آئے، اور واپسی کے بعد اس کے قتل کا حکم دیا۔

(فتح الباری: ج ۷ ص ۲۵۹)

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کعب بن اشرف کو قتل

کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی ہے، یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! محمد بن مسلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے جن کو سن کر بظاہر وہ خوش ہو جائے، آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ ایک روز کعب بن اشرف سے ملنے گئے اور اثناء گفتگو میں یہ کہہ دیا کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) ہم سے صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے اور اس شخص نے ہم کو مشقت میں ڈال دیا ہے، میں اس وقت آپ کے پاس قرض لینے کے لئے آیا ہوں، کعب بن اشرف نے کہا ابھی کیا ہے؟ آگے چل کر دیکھنا، خدا کی قسم تم ان سے اکتا جاؤ گے، محمد بن مسلمہ نے کہا اب تو ہم اس کے پیرو ہو چکے ہیں ان کا چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے انجام کے منتظر ہیں، اس وقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ غلہ ہم کو بطور قرض دیدیں، کعب نے کہا بہتر ہے مگر میرے پاس کوئی چیز رہن رکھ دو، انہوں نے کہا کہ آپ کیا چیز رہن رکھوانا چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا اپنی عورتوں کو رہن کیسے رکھ سکتے ہیں، اول تو غیرت و حمیت گوارہ نہیں کرتی، پھر یہ کہ آپ نہایت حسین و جمیل ہیں، کعب نے کہا آپ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا یہ تو ساری عمر کی عار ہے، لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ تم وہی ہو جو دو سیر اور تین سیر غلہ کے عوض رہن رکھے گئے تھے، ہاں ہم اپنا ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔

حسب وعدہ یہ لوگ رات کو ہتھیار لیکر پہنچے اور جا کر کعب کو آواز دی، کعب نے اپنے قلعہ سے اترنے کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو؟ کعب نے کہا محمد بن مسلمہ ابونا مکہ میرا دودھ شریک بھائی ہے کوئی غیر نہیں تم فکر نہ کرو، بیوی نے کہا مجھے اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے، کعب نے کہا اگر شریف آدمی رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جائے تو اس کو ضرور جانا چاہئے، اس دوران محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھا دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا، جب دیکھو کہ میں نے اس کے بالوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے تو فوراً اس کا سر اتار لینا، چنانچہ جب کعب نیچے آیا تو سر تا پا خوشبو سے معطر تھا، محمد بن مسلمہ نے کہا، آج جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں، کعب نے کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ معطر عورت ہے، محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے رفقاء کو بھی سونگھایا، کچھ دیر کے بعد پھر محمد بن مسلمہ نے کہا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا شوق سے، محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے جب سر کے بال مضبوط پکڑ لئے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا، فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کر دیا اور آنا فانا اس کا کام تمام کر دیا۔ (فتح الباری: ج ۷، ص ۲۶۰)

اور اخیر شب میں رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا اَفْلَحَتِ الْوُجُوهُ ”یہ چہرے کامیاب ہوئے“ ان لوگوں نے جواباً عرض کیا، وَ وَجْهُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ”اے اللہ کے رسول آپ کا چہرہ مبارک بھی“ اس کے بعد کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا، آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا، جب یہود کو اس کا علم ہوا تو یگانخت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض

کیا: کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا، آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا، اور لوگوں کو ہمارے قتال پر آمادہ کرتا تھا، یہود دوم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بعد ازاں آپ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا۔ (طبقات ابن سعد)

کعب بن اشرف اور اس کی دریدہ دہنی اور قتل کے اسباب:

① نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی اور سب و شتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔ ② آپ کی ہجو میں اشعار کہنا۔ ③ غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطور تشبیہ ذکر کرنا۔ ④ غدر اور نقض عہد۔ ⑤ لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے ابھارنا۔ ⑥ دعوت کے بہانہ سے آپ کے قتل کی سازش کرنا۔ ⑦ دین اسلام پر طعن کرنا۔

بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت مسلمانوں کی رواداری:

آج کے بڑے حکمران اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے بڑے لکچر دیتے ہیں اور حقوق انسانی کے تحفظ کے نام سے بڑی بڑی عالمی اور ملکی اور علاقائی انجمنیں بنا رکھی ہیں اور تحفظ حقوق انسانی کے چودھری کہلاتے ہیں، ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنو نضیر کی مسلسل سازشیں، خیانتیں، قتل رسول کے منصوبے جو آپ ﷺ کے سامنے آتے رہے، اگر آج کل کے کسی حکمران اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا؟ آج کل تو زندہ لوگوں پر پیڑول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں، کچھ غنڈے شریعہ جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں۔

آپ ﷺ کے بدترین دشمن کے ساتھ بے مثال رواداری:

یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسول کی ہے جب غداریاں اور سازشیں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اپنا سب مال لے کر صرف شہر خالی کر دینے کا فیصلہ فرمایا، اور اس کے لئے بھی ان کو دس روز کی مہلت دی تاکہ آسانی کے ساتھ اپنا سامان لیکر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں، جب اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی تو فوجی اقدام کی ضرورت پیش آئی۔

یہود کی شرارت اور بد عہدی:

بنی عامر کے دو آدمیوں کی دیت کے سلسلہ میں آپ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ یہود کی بستی بنو نضیر تشریف لے گئے، بنو نضیر نے آپ کے تشریف لے جانے پر بظاہر دیت میں شرکت کے بارے میں آمادگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ایک قلعہ کی دیوار کے سایہ

میں بٹھادیا اور لوگوں کو جمع کرنے کے بہانے ادھر ادھر چلے گئے اور جدا ہو کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ یہ بہت اچھا موقع ہے کہ کوئی شخص قلع پر چڑھ کر اوپر سے پتھر دھکیل دے تاکہ محمد ﷺ اور ان کے تینوں ساتھی کچل جائیں۔

چنانچہ ایک شخص عمر بن محاسن بن کعب فوراً اوپر چڑھا کہ پتھر آپ پر گرا دے ابھی وہ گرانے نہ پایا تھا کہ آپ کو خدا نے بذریعہ وحی یہودیوں کے اس منصوبے کی اطلاع دے دی، آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہمراہ لیکر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے، یہودیوں نے آپ کو واپس بلانا چاہا، آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے قتل کا منصوبہ تیار کیا اب ہم کو تمہارا اعتبار نہیں رہا، اور بنو نضیر اس الزام کا انکار بھی نہ کر سکے، اب ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کا سوال ہی نہیں رہا، آپ ﷺ نے ان کو یہ الٹی میٹم بھیج دیا کہ تم یہاں سے دس دن کے اندر جلا وطن ہو جاؤ، دس دن کے بعد اگر تمہاری بستی میں کوئی شخص پایا گیا تو اس کی گردن مار دی جائے گی، بنو نضیر نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے، دوسری طرف عبداللہ بن ابی منافق نے یہودیوں کو پیغام بھیج دیا کہ میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا، اور بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہاری مدد کے لئے آئیں گے، اسی جھوٹے بھروسے اور اعتماد پر انہوں نے آپ ﷺ کے الٹی میٹم کا یہ جواب دیا کہ ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے، اس پر آپ ﷺ نے ربیع الاول ۴ھ میں ان کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن جاری رہا، اس محاصرہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنو نضیر نے عبداللہ بن ابی کے ذریعہ آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم جلا وطنی کو تیار ہیں، آپ نے حکم دیا کہ سوائے ہتھیاروں کے دیگر تمام مال و اسباب جو اونٹوں پر بار ہو سکتا ہو لیکر یہاں سے نکل جاؤ، چنانچہ بنو نضیر ہتھیاروں کے علاوہ دیگر مال اونٹوں پر لا کر لے گئے حتیٰ کہ در اور مکان کی کڑیاں اور الماریاں وغیرہ سب لے گئے اور مکانات کو ویران و مسمار کر گئے، غرضیکہ کوئی چیز قابل استعمال نہیں چھوڑی حتیٰ کہ مٹکے تک توڑ گئے، یہاں سے روانہ ہو کر کچھ تو خیبر میں مقیم ہو گئے اور کچھ شام میں جا کر آباد ہو گئے، یہودیوں میں یامین بن عمیر اور سعید بن وہب دو شخص مسلمان ہوئے اس لئے ان کے مال و اسباب اور اسلحہ وغیرہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، اسی غزوہ کے بارے میں سورہ حشر نازل ہوئی۔

(تاریخ الاسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی ملخصاً)

لَاوْلُ الْحَشْرِ ”حشر“ کے معنی منتشر افراد کو جمع کرنا یا منتشر افراد کو جمع کر کے نکال دینا، اور لاوْلُ الْحَشْرِ کے معنی ہیں پہلے حشر کے ساتھ یا پہلے حشر کے موقع پر، اب رہا یہ سوال کہ یہاں اول حشر سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک اس سے بنی نضیر کا مدینہ سے اخراج مراد ہے، اور اس کو پہلا حشر اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا جب یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالا گیا، دوسرے گروہ کے نزدیک اس سے مسلمانوں کی فوج کا اجتماع مراد ہے جو بنی نضیر سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہوا تھا، اس صورت میں لاوْلُ الْحَشْرِ کے یہ معنی ہیں کہ ابھی مسلمان ان سے لڑنے کے لئے جمع ہی ہوئے تھے، اور کشت و خون کی نوبت نہ آئی کہ اللہ کی قدرت سے وہ جلا وطنی کے لئے تیار ہو گئے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً الْخِ الْمَسْلُومِينَ فِي حَرْبٍ اَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً الْخِ الْمَسْلُومِينَ فِي حَرْبٍ

نخلستان واقع تھے ان کے بہت سے درختوں کو کاٹ ڈالا یا جلا ڈالا گیا تھا، تاکہ محاصرہ بآسانی کیا جاسکے اور درخت فوجی نقل و حرکت میں حائل نہ ہوں چنانچہ جو درخت حائل نہیں تھے انہیں کھڑا رہنے دیا گیا تھا، اس پر مدینہ کے منافقوں اور بنو قریظہ اور خود بنو نضیر نے شور مچا دیا کہ محمد ﷺ تو فساد فی الارض سے منع کرتے ہیں مگر خود ہرے اور پھلدار درختوں کو کاٹے جا رہے ہیں، یہ آخر فساد فی الارض نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تم لوگوں نے جو درخت کاٹے اور جن کو کھڑا رہنے دیا ان میں سے کوئی فعل بھی ناجائز نہیں ہے بلکہ دونوں کو اللہ کا اذن حاصل ہے، اس سے شرعی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو جنگی ضروریات کے لئے تخریبی کارروائی ناگزیر ہو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمادی ہے، قَطَّعُوا مِنْهَا مَا كَانَ مَوْضِعَ الْقِتَالِ مسلمانوں نے بنو نضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے۔ (تفسیر نیشاپوری)

مَسْکُوتٌ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا، اسی طرح درختوں اور کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بحالت جنگ ان سب کاموں کو جائز قرار دیا ہے، مگر شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ (الآیۃ) أَفَاءً، فئی سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اسی لئے زوال کے وقت کے سایہ کو فئی کہتے ہیں، اس لئے کہ زوال سے پہلے جو سایہ مغرب کی طرف تھا زوال کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے، جو اموال غنیمت کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہو جاتے ہیں، اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی کی طرف لوٹ آتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو أَفَاءً کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فئی کہا جائے، مگر جو مال جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہو اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہوتا ہے اس لئے اس کو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین اور غنائمین میں مال غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس کا کلی اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا، جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں، یا اپنے لئے رکھیں، البتہ یہ پابندی عائد کردی گئی اور چند اقسام مستحقین کی متعین کردی گئیں کہ اس مال کی تقسیم ان ہی اقسام میں دائر رہنی چاہئے، اس کا بیان آئندہ آیت میں اس طرح فرمایا مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى اس میں اہل قرئی سے مراد بنو نضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنو قریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، آگے مصارف و مستحقین کی پانچ قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔ (معارف)

آیات مذکورہ میں فئی کے احکام اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے، اوپر مال غنیمت اور مال فئی میں فرق کا بیان ہو چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور فئی وہ مال جو بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں یا رضامندی سے بصورت جزیہ

وخراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوا ہو، مذکورہ فرق کو فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ سے ظاہر کیا گیا ہے، اونٹ اور گھوڑے دوڑانے سے مراد جنگی کارروائی ہے، لہذا جو مال براہ راست اس کارروائی سے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے، اور جس مال کے حصول کا اصل سبب یہ کارروائی نہ ہو وہ مال فنی ہے۔

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت:

مال غنیمت اور مال فنی کے درمیان اوپر فرق بیان کیا گیا ہے اس کو اور زیادہ کھول کر فقہائے اسلام نے اس طرح بیان کیا ہے، کہ مال غنیمت صرف اموال منقولہ ہیں جو جنگی کارروائیوں کے دوران دشمن کے لشکروں سے حاصل ہوں، اور اس کے ماسوا دشمن کے ملک کی زمینیں مکانات اور دیگر اموال منقولہ وغیرہ منقولہ غنیمت کی تعریف سے خارج ہیں، اس تشریح کا ماخذ حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا وہ خط ہے جو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو فتح عراق کے بعد لکھا تھا، اس میں وہ فرماتے ہیں فَانْظُرْ مَا أَجْلَبُوا بِهِ عَلَيْكَ فِي الْعُسْكَرِ مِنْ كِرَاعٍ أَوْ مَالٍ فَاقْسِمَهُ بَيْنَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَاتْرُكِ الْأَرْضِينَ وَالْأَنْهَارَ لِعُمَّالِهَا لِيَكُونَ ذَلِكَ فِي أَعْطِيَاتِ الْمُسْلِمِينَ۔

”جو مال و متاع فوج کے لوگ تمہارے لشکر میں سمیٹ لائے ہیں اس کو ان مسلمانوں میں تقسیم کر دو جو جنگ میں شریک تھے، اور زمینیں اور نہریں ان لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو ان پر کام کرتے ہیں تاکہ ان کی آمدنی مسلمانوں کی تنخواہوں کے کام آئے۔“ (کتاب الخراج لابن یوسف رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ص ۲۴) اسی بنیاد پر حضرت حسن بصری رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ جو کچھ دشمن کے کیمپ سے ہاتھ آئے وہ ان کا حق ہے جنہوں نے اس پر فتح پائی، اور زمین مسلمانوں کے لئے ہے، مال غنیمت میں پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے فوج میں تقسیم کئے جائیں گے، یہ رائے یحییٰ بن آدم کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ”الخراج“ میں بیان فرمائی ہے اس سے بھی زیادہ جو چیز غنیمت اور فنی کے فرق کو واضح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جنگ نہاوند کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہو چکا تھا اور مفتوحہ علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا تھا ایک صاحب سائب بن اقرع کو قلعہ میں جواہر کی دو تھیلیاں ملیں، ان کے دل میں یہ الجھن پیدا ہوئی کہ آیا یہ مال غنیمت ہے جسے فوج میں تقسیم کیا جائے یا اس کا شمار اب فنی میں ہے، جسے بیت المال میں جمع ہونا چاہئے؟ آخر کار انہوں نے مدینہ حاضر ہو کر معاملہ حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے پیش کیا، اور انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ غنیمت صرف وہ اموال منقولہ ہیں جو دوران جنگ فوج کے ہاتھ آئیں، جنگ ختم ہونے کے بعد اموال غیر منقولہ کی طرح اموال منقولہ بھی فنی کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں مستحقین کی تعداد چھ بتائی گئی ہے، جن میں ایک اللہ ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے اسے حصے کی کیا ضرورت؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو یہ مال ملک تصرف کے طور پر دے رکھا تھا جب انہوں نے غداری کی اور مالک حقیقی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تو اللہ نے اپنے وفادار بندوں کے ذریعہ یہ مال واپس

اپنی ملکیت میں لے لیا، اسی وجہ سے اس کو مال فی کہتے ہیں، اب اس میں سے جس کو کسی ملے گا، وہ کسی انسان کی جانب سے خیرات یا صدقہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ رب العالمین کی جانب سے نہایت پاکیزہ عطیہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مال فی میں سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی دیا جاتا تھا۔

اب مستحق اور مصارف کل پانچ رہ گئے ① رسول ② ذوی القربی ③ یتیم ④ مسکین ⑤ مسافر۔ یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورہ انفال میں آیا ہے، اور یہی مصارف مال فی کے ہیں، مال فی کے بارے میں یہ بات پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اغنیاء ذوی القربی کا حصہ ساقط ہو گیا، فقراء ذوی القربی کا حصہ آج بھی باقی ہے، یہ مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اغنیاء ذوی القربی کے حصہ کو آپ کی وفات کے بعد ساقط نہیں کرتے بلکہ جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کا حصہ تھا آج بھی حصہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ ذوی القربی کو حصہ ان کے احترام و اکرام کے طور پر دیا جاتا تھا اس میں اغنیاء اور فقراء سب شامل ہیں مثلاً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالدار آدمی تھے مگر ان کو بھی مال فی میں سے دیا جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوی القربی کو مال فی سے دینے کی دو وجہ، ایک نصرت رسول ﷺ یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنا، اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربی کو بھی حصہ دیا جاتا تھا، دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربی پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے، تو ان کے فقراء و مساکین کو صدقہ کے بدلہ میں مال فی سے حصہ دیا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہو گیا، تو یہ وجہ باقی نہ رہی اس لئے اغنیاء ذوی القربی کا حصہ بھی رسول کے حصہ کی طرح ختم ہو گیا البتہ فقراء ذوی القربی کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا، البتہ وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے۔ (کذا فی الہدایہ)

كَذٰلِكَ يَكُوْنُ دُوْلَةٌ بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ، دُوْلَةٌ دَالِ كِی دال کے ضمہ کے ساتھ اور ایک لغت فتح کے ساتھ بھی ہے دست گرداں (چرخ) دَالِ يَدْوُلُ دَوْلًا (ن) گردش کرنا، دولت بھی چونکہ گردش کرتی ہے، آج اس کے پاس تو کل اُس کے پاس، اس لئے اس کو دولت کہتے ہیں (لغات القرآن) آیت کا مطلب یہ ہے کہ مال فی کے مستحقین اس لئے متعین کر دیئے گئے ہیں تاکہ یہ مال مالداروں ہی کے درمیان گردش کرنے والی چیز نہ بن جائے۔

یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے، جس میں اسلامی معاشرہ اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں ہی میں گھومتا رہے، جس کے نتیجے میں امیر روز بروز امیر تر اور غریب روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں، قرآن مجید میں اس پالیسی کو صرف بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اسی مقصد کے لئے سود، سٹہ، جوا، جواکتساب مال کے ایسے ذرائع ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے، ان سب کو سخت حرام قرار دیا ہے، اور زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، اموال غنیمت میں سے خمس نکالنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے دولت کی معاشرے کے غریب طبقات تک رسائی ہو سکے، اخلاقی حیثیت سے بھی

بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا ہے، خوشحال طبقوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے جسے خیرات سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی کی اہم ترین مدات دو ہیں، ایک زکوٰۃ اور دوسرے فنی زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمانوں کے سرمایہ، مولیٰ، اموال تجارت اور زرعی پیداوار سے وصول کی جاتی ہے اور وہ زیادہ تر غریبوں ہی کے لئے مخصوص ہے، اور فنی میں جزیہ اور خراج سمیت وہ تمام آمدنیاں شامل ہیں جو غیر مسلموں سے حاصل ہوتی ہیں، اور انکا بھی بڑا حصہ غریبوں ہی کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، یہ اس طرف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ اسلامی حکومت کو اپنی آمد و خرچ کا نظام اور تمام مالی اور معاشی معاملات کا انتظام اس طرح کرنا چاہئے کہ دولت کے ذرائع پر مالدار اور بااثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور نہ دولت مندوں کے درمیان گردش کرتی رہ جائے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام جیسے منصفانہ اور عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کرتے ہیں؟

مَا تَكُمُ الرُّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ (الآیۃ) یہ آیت اگرچہ مال فنی کے سلسلہ میں آئی ہے اور اس سلسلہ کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فنی میں اگرچہ مستحقین کے طبقات بیان کر دیئے ہیں مگر ان میں کس کو کتنا دیں اس کی تیسرین رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر رکھی ہے اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمائیں اسی کو راضی ہو کر لے لیں، اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں، آگے اس کو اتقوا اللہ کے حکم سے مؤکد کر دیا کہ اگر اس معاملہ میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ ترکیب نحوی کے اعتبار سے لِلْفُقَرَاءِ كَوْلِذِي الْقُرْبَىٰ کا بدل قرار دیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔ (مظہری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جو عام یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو ان کے فقر و احتیاج کی بناء پر مال فنی کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے ان آیات میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے اگرچہ حقدار اس مال میں تمام فقراء و مساکین ہیں لیکن پھر بھی ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں، جن کی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف کمالات دیدیہ معروف ہیں، امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے لِسْمِ الْمُهَاجِرِينَ كَوْلِذِي الْقُرْبَىٰ سے بدل قرار دینے کے بجائے فعل محذوف سے متعلق مانا ہے، اسی کے پیش نظر مفسر علام نے اس کو اَعْجَبُوا فَعَلَ مقدر کے متعلق کیا، اس کی مزید وضاحت تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، ملاحظہ فرمائی جائے۔

مذکورہ آیت میں مال فنی کا صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے، جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا گویا قرآن کا انکار ہے، معاذ اللہ و افض جواں حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویٰ کے لئے آزمائے جانے کی گواہی دی ہے، ان حضرات مہاجرین کا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے۔ (بغوی، مظہری)

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ، تَبَوَّءُوا کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں، اور دار سے مراد دارِ ہجرت یاد ار ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے مدینہ طیبہ کو دار ایمان کہنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عرب کے تمام علاقہ جہاد اور فوج کشی کے ذریعہ فتح ہوئے مگر مدینہ طیبہ ایمان کے ذریعہ فتح ہوا۔ (قرطبی)

اس آیت میں ایمان کا دار پر عطف کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انصار نے دارِ ہجرت میں ٹھکانہ بنایا اور ایمان میں ٹھکانہ بنایا حالانکہ ٹھکانہ بنانا کسی مقام اور جگہ میں ہوتا ہے ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس میں ٹھکانہ بنایا جاسکے، اس لئے بعض حضرات نے کہا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اَخْلَصُوا الْإِيمَانَ یعنی یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دارِ ہجرت کو ٹھکانہ بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط رہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واو بمعنی مع ہو تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ایمان کے ساتھ دارِ ہجرت کو ٹھکانہ بنایا، مَنْ قَبْلِهِمْ کا مطلب ہے مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے پہلے ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو کر پختہ ہو چکا تھا، انصار کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ مہاجرین کو اللہ کا رسول جو کچھ دے اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فنی کا اولین مستحق مہاجرین کو قرار دیا مگر انصار نے برا نہیں مانا۔

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی اپنے مقابلہ میں مہاجرین ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں خود بھوکے رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں، جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے، انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ گل کر دینا تا کہ مہمان کو ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں، صبح جب وہ انصاری صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمُ الْآيَةُ۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر)

وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اس آیت میں ایک عام ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح اور کامیابی پانے والے ہیں، لفظ شح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں، البتہ لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے اور وہ یہ کہ شح کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب بخیلی نفس میں خوب رچ بس کر پختہ ہو گئی ہو، حدیث شریف میں ہے کہ شح سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اس نے انہیں خونریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کیا۔ (صحیح مسلم کتاب البر)

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا (الآیۃ) یہ مال فنی کے مستحقین کی تیسری قسم ہے یعنی صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے بعد آنے والے اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے نقش قدم پر چلنے والے، اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت

تک ہونے والے اہل ایمان و تقویٰ سب آگئے، لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین کو مؤمن مانتے ہوں، اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے والے اور ان پر سب و شتم کرنے والے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد رکھنے والے، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات فرمائی اِنَّ الرافضی الذی یُسبُّ الصَّحَابَةَ لَیْسَ لَهُ فِی مَالِ الْفَقِی نَصِیْبٌ لِّعَدَمِ اِتِّصافِہِ بِمَا مَدَحَ اللّٰہُ بہ ہٰؤَلاءِ فِی قَوْلِہِم رافضی کو جو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر سب و شتم کرتے ہیں مال فی سے حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی ہی مذمت کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

الْمَثَرُ تَنْظُرٌ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِہِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ وَہُمْ بَنُو النَّضِیْرِ وَاِخْوَانِہِمُ فِی الْکُفْرِ لَیْنٌ لَا مَقْسَمَ فِی الْاَرْبَعَةِ اُخْرِجْتُمْ مِنْ الْمَدِیْنَةِ لَنُخْرِجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نَطِیْعُ فِیْکُمْ فِی خُذْلَانِکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَاِنْ قُوْلُتُمْ حُذِفَتْ مِنْہِ السَّلَامُ الْمُوَطَّئَةُ لَنُصَرِّکُمْ وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اَنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ لَیْنٌ اُخْرِجُوْا لَا یُخْرِجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَیْنٌ قُوْلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَیْنٌ نُّصَرِّوْهُمْ جَاءَ وَابْتِغَیَ بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ عَنْ جَوَابِ الشَّرْطِ فِی الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ ثُمَّ لَا یَنْصُرُوْنَ ۝ اِی الْیَہُوْدَ لَا اَنْتُمْ اَشْدُّ رَہْبَةً خَوْفًا فِی صُدُوْرِہِمُ اِی الْمُنَافِقِیْنَ مِنْ اَللّٰہِ لِتَاخِیْرِ عَذَابِہِ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَہُوْنَ ۝ لَا یَقَاتِلُوْنِکُمْ اِی الْیَہُوْدَ جَمِیْعًا مُّجْتَمِعِیْنَ اِلَّا فِی قَرْیَ مَحْصَنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ سُوْرٍ وَفِی قِرَاءَةِ جُدُرٍ بِاسْمِهِمْ حَرْبُہُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ تَحْسِبُهُمْ جَمِیْعًا مُّجْتَمِعِیْنَ وَقُلُوْبُهُمْ شَتٰی مُّتَفَرِّقَةٌ خِلَافَ الْحِسَابِ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ مَثَلُہُمْ فِی تَرْکِ الْاِیْمَانِ کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ قَرِیْبًا بِزَمَنِ قَرِیْبٍ وَہُمْ اَہْلٌ بِدَرٍ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ذَاقُوْا وَاَبَالَ اَمْرِہُمْ عُسُوْبَتَہِ فِی الدُّنْیَا مِنَ الْقَتْلِ وَغِیْرَہِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ مُّؤَلِّمٌ فِی الْاٰخِرَةِ مَثَلُہُمْ اِیضًا فِی سَمَاعِہِمُ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ وَتَحْلُفُہُمْ عَنْہُمْ کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اٰکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیٌّ وَّمِنْکَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ کَذٰبًا مِنْہِ وَرِیَاءٌ فَکَانَ عَاقِبَتُہُمَا اِی الْغَاوِیِّ وَالْمَغْوِیِّ وَقُرِیْ بِالرَّفْعِ اِسْمُہُ کَانَ اَنْہُمَا فِی النَّارِ خَالِدِیْنَ فِیْہَا ۝ وَذٰلِکَ جَزَاؤُ الظَّالِمِیْنَ ۝ الْکَافِرِیْنَ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں اور وہ بنو نضیر اور ان کے کفر کے بھائی ہیں، اگر تم کو مدینہ سے نکالا گیا چاروں جگہ لام قسم کا ہے تو یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہاری ذلت کے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا (قُوتِلْتُمْ) سے لام قسم حذف کر دیا گیا ہے تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں اگر وہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور

اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر بالفرض ان کی مدد پر آ بھی گئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے پانچوں جگہ قسم مقدر کے جواب کی وجہ سے جواب شرط سے استغناء ہے پھر یہود کی مدد نہ کی جائے گی (مسلمانو! یقین مانو) تمہاری ہیبت ان منافقوں کے دل میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے اس کے عذاب کے مؤخر ہونے کی وجہ سے یہ اس لئے ہے کہ یہ نہ سمجھ لوگ ہیں، یہ یعنی یہود سب مل کر بھی لڑ نہیں سکتے، ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیوار کی آڑ میں ہوں اور ایک قراءت میں جدار کے بجائے جُذُر ہے، ان کی لڑائی تو ان کے آپس میں ہی بڑی سخت ہے گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن گمان کے برخلاف ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ترک ایمان میں ان لوگوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں، قریبی زمانہ میں اور وہ مشرکین اہل بدر ہیں، جنہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا اس کا انجام قتل وغیرہ دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے نیز ان کی مثال منافقوں کی بات سننے میں اور ان سے تخلف اختیار کرنے میں شیطان کے مانند ہے کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر چنانچہ جب وہ کفر کر چکا تو (شیطان) کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور اس کا یہ قول ریا اور کذب پر مبنی ہے پس ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے یعنی گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والا اور (عاقبتُہما) کو اسم کان کے طور پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے، اور ظالموں کافروں کی یہی سزا ہے۔

حَقِیْقِیْ وَتَرْکِیْ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اِخْوَانُهُمْ فِی الْکُفْرِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن میں جو منافقوں کو بنو نضیر (یہود) کا بھائی کہا گیا ہے یہ باعتبار کفر میں ہم مذہب ہونے کے ہے، نہ کہ باعتبار ہم نسب ہونے کے اس لئے کہ بنو نضیر وغیرہ یہود تھے، اور منافقین کا تعلق اوس و خزرج سے تھا۔

قَوْلًا: لَا مُقَسِّمٍ فِی اَرْبَعَةِ مَوَاقِعَ چار مواقع میں لام قسم کا ہے جو قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور وہ چار مقام یہ ہیں ① لَنْ اُخْرِجْتُمْ ② لَنْ اُخْرِجُوْا ③ وَلَنْ قُتِلُوْا ④ وَلَنْ نَّصْرُوْهُمْ اِیْکَ پانچویں جگہ اور ہے اور وہ وَ اِنْ قُتِلْتُمْ اَلْخ ہے یہاں لام قسم مقدر ہے۔

قَوْلًا: وَاسْتَغْنٰی بِجَوَابِ الْقَسْمِ یعنی جواب قسم مذکورہ پانچوں جگہ جواب قسم کی وجہ سے جواب شرط سے مستغنی ہے اس لئے کہ قاعدہ معروف ہے کہ جب قسم اور شرط دونوں جمع ہو جائیں تو مؤخر کا جواب محذوف ہوتا ہے (ابن مالک نے کہا ہے)۔

وَ اِخْذِ لَدٰی اِجْتِمَاعِ شَرْطٍ وَقَسْمٍ جَوَابَ مَا اُخْرِتَ فَهُوَ مُلْتَزَمٌ

تَرْجُمًا: جب قسم اور شرط جمع ہو جائیں تو ان میں سے مؤخر کی جزا کو لازمی طور پر حذف کر دے۔

وہ پانچ مقامات جو قسم محذوف کا جواب واقع ہو رہے ہیں اور جن کی دلالت کی وجہ سے جواب شرط کو حذف کر دیا گیا یہ ہیں:

① لَنُخْرِجَنَّ ② لَنَنْصُرَنَّكُمْ ③ لَا يَخْرُجُونَ ④ لَا يَنْصُرُونَهُمْ ⑤ لَيُؤَلَّنَّ الْأَذْبَارَ.

قَوْلُ: مُجْتَمِعِينَ اس میں اشارہ ہے کہ جمیعاً، لَا يُقَاتِلُونَكُمْ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُ: مَثَلُهُمْ فِي تَرَكِ الْإِيمَانِ اس عبارت کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ كَمَثَلِ الَّذِينَ الْخَ مَثَلُهُمْ مبتدا، محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُ: وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ اِسْمُ كَانَ، عَاقِبَتُهُمَا میں تاء پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں، نصب کی وجہ یہ ہے کہ كَانَ کی خبر مقدم ہے اور اَنْتَهُمَا فِي النَّارِ، اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر كَانَ کا اسم مؤخر ہے، اور تاء کے رفع کی صورت میں عَاقِبَتُهُمَا کان کا اسم ہے اور اَنْتَهُمَا فِي النَّارِ جملہ ہو کر كَانَ کی خبر۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (الآیۃ) جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کو دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا نوٹس بھیجا تو عبد اللہ بن ابی اور مدینہ کے دوسرے منافق لیڈروں نے بنو نضیر کے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ ہم دو ہزار جنگ جو بہادروں کے ساتھ تمہاری مدد کو آئیں گے اور بنو غطفان اور بنو قریظہ بھی تمہاری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے، لہذا تم مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور ہرگز ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالو اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور اگر تم کو مدینہ سے نکال دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے دوسرا رکوع پہلے نازل ہوا ہے اور پہلا رکوع اس کے بعد نازل ہوا ہے جبکہ بنو نضیر مدینہ سے نکالے جا چکے تھے، دوسرے رکوع میں اہم ترین مضمون ہونے کی وجہ سے ترتیب قرآنی کے اعتبار سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ چنانچہ منافقین کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا، کہ بنو نضیر جلا وطن کر دیئے گئے لیکن یہ ان کی مدد کو نہ پہنچے، اور نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے،

وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ اِنِّیْ جَاۤءُ وَّلِنَّصُرَهُمْ اِسْ اِضَافۃ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فقرے میں فرمایا لَا يَنْصُرُوْهُمْ اِس کا مطلب ہے کہ منافقین یہودی مدد کو نہیں آئیں گے، دوسرے فقرے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہودی مدد کو آئیں گے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مفسر علام نے لئن نصر وہم کی تفسیر جاء و لنصرہم سے کر کے جواب دیدیا کہ یہ بطور فرض کے ہے یعنی بالفرض والتقدیر مدد کے لئے نکلے بھی تو ان کی مدد نہ کریں گے، ورنہ تو جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرمادیں اس

کا وجود کیونکر ممکن ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ یہودی مدد کا ارادہ کریں بھی تو ان کی مدد نہ کر سکیں گے۔

لَا تَنْتُمْ أَشَدَّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے یہ اس لئے کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں یعنی تمہارا خوف ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر یہ سمجھ دار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ و تسلط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہذا ڈرنا اللہ سے چاہئے نہ کہ مسلمانوں سے۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا (الآیہ) یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یاد یواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں، اور تمہاری ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ نَشْتَىٰ یہ منافقین کی دوسری کمزوری کا بیان ہے، پہلی کمزوری یہ تھی کہ وہ بزدل تھے خدا سے ڈرنے کے بجائے انسانوں سے ڈرتے تھے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ جن کو تم متحد و متفق سمجھ رہے ہو یہ آپس میں ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں، جس بات نے ان کو جمع کر دیا ہے وہ صرف یہ بات ہے کہ اپنے شہروں میں باہر سے آئے ہوئے (محمد ﷺ) کی پیشوائی اور فرمانروائی چلتے دیکھ کر ان سب کے دل جل رہے ہیں اور اپنے ہی ہم وطن انصار کو مہاجرین کی پذیرائی کرتے دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ان کو ملا سکے، ہر ایک اپنی چودھراہٹ چاہتا تھا کوئی کسی کا مخلص دوست نہ تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے غزوہ بنو نضیر سے پہلے ہی منافقین کی اندورنی حالت کا تجزیہ کر کے مسلمانوں کو بتا دیا کہ ان کی طرف سے فی الحقیقت کوئی خطرہ نہیں ہے، لہذا تمہیں یہ خبریں سن کر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جب تم بنو نضیر کا محاصرہ کرنے کے لئے نکلو گے تو یہ منافق سردار دو ہزار کا لشکر لے کر پیچھے سے تم پر حملہ کر دیں گے، اور ساتھ ہی ساتھ بنی قریظہ اور بنی غطفان کو بھی تم پر چڑھالائیں گے، یہ سب لاف زبیاں ہیں جن کی ہوا آزمائش کی پہلی گھڑی ہی نکال دی گئی۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا (الآیہ) یہ بنو نضیر کی مثال کا بیان ہے اور الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اہل بدر مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہود کا قبیلہ بنو قینقاع مراد ہے دونوں کا انجام بد قریبی زمانہ میں واضح ہو چکا تھا، کیونکہ بنو نضیر کی جلا وطنی کا واقعہ غزوہ بدر واحد کے بعد واقع ہوا ہے اور بنو قینقاع کا واقعہ بھی واقعہ بدر کے بعد پیش آیا تھا۔

غزوہ بنی قینقاع:

غزوہ بنی قینقاع ۱۵ اشوال بروز شنبہ ۲ھ میں واقع ہوا، بنی قینقاع عبد اللہ بن سلام کی برادری کے لوگ تھے جو کہ نہایت شجاع اور بہادر تھے، زرگری کا کام کرتے تھے مدینہ کے جوہری بازار پر ان کا قبضہ تھا، مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی بازار میں

آمدورفت تھی، آپ ﷺ نے بنی نضیر اور بنی قریظہ کے ساتھ بنی قینقاع سے بھی معاہدہ فرمایا تھا، سب سے پہلے بنی قینقاع نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے باقاعدہ ان سے معاہدہ فسخ کرنے کا اعلان فرمادیا، اسی دوران بنو قینقاع کے ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کو چھیڑا اور اس کو برسرِ بازار برہنہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں اور یہودیوں میں تکرار شروع ہو گئی اور یہ تو تو میں میں بڑھ جانے کی وجہ سے قتل و قتال کی نوبت آ گئی، جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا، اسی دوران آپ ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کر کے وعظ و نصیحت فرمائی، آپ نے فرمایا:

”اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا کہیں اسی طرح تمہارے اوپر بھی نازل نہ ہو جائے، اسلام لے آؤ اس لئے کہ تم یقینی طور پر خوب پہچانتے ہو کہ میں بالیقین اللہ کا نبی ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔“

یہودیہ سنتے ہی مشتعل ہو گئے، اور یہ جواب دیا کہ آپ اس غرہ میں ہرگز نہ رہنا جس کی وجہ سے ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم یعنی قریش سے مقابلہ میں آپ غالب آ گئے، واللہ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو خوب معلوم ہو جائے گا کہ ہم مرد ہیں، اس پر حق جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئْتَيْنِ الثَّقَاتِ (الآیۃ)۔

بنو قینقاع مضافات مدینہ میں رہتے تھے، آپ ﷺ نے بنی قینقاع کا محاصرہ فرمایا بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے یہ محاصرہ پندرہ شوال سے لیکر ذی قعدہ کی ابتدائی تاریخوں تک جاری رہا، بالآخر مجبور ہو کر سولہویں روز یہ لوگ قلعے سے اتر آئے، آپ ﷺ نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم فرمایا۔

رأس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی الحاح و زاری اور بے حد اصرار کی وجہ سے قتل سے تو درگزر فرمایا مگر ان کو جلاوطن کر دیا گیا، اور ان کا تمام مال بطور مال غنیمت لیکر مدینہ واپس تشریف لائے اس مال میں سے ایک خمس خود لیا اور بقیہ چار خمس غانمین پر تقسیم فرمادیئے۔ (سیرت مصطفیٰ ملخصاً)

كَمْثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اٰكْفُرْ (الآیۃ) یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے کہ منافقین نے یہودیوں کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اعلان کر دیتا ہے، اور جھوٹے ہی کہہ دیتا ہے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اٰكْفُرْ (الآیۃ) میں انسان سے اسم جنس مراد ہے، اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے جس انسان سے اٰكْفُرْ کہا تھا وہ برصیصا نام کا ایک راہب تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی شیطان نے راہب کے دل میں وسوسہ ڈالا اس راہب نے اس عورت کو اپنے پاس بلایا شیطان نے اس کو زنا میں مبتلا کر دیا، جس کی وجہ سے وہ عورت حاملہ ہو گئی، راہب نے بدنامی کے خوف سے اس کو قتل کر کے دفن کر دیا، ادھر شیطان نے قوم کو سارا واقعہ بتا دیا اور دفن کی جگہ کی بھی نشاندہی کر دی لوگوں نے عورت کی لاش کو برآمد کر لیا اور راہب کو قتل کرنے کے لئے صومعہ سے نیچے اتار لائے، اسی وقت شیطان حاضر ہوا اور اس راہب سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے سجدہ کرے تو وہ اسے ان کے ہاتھ سے بچا سکتا ہے، چنانچہ راہب نے اس کو سجدہ

کر دیا، اس کے بعد شیطان نے اس سے براءت ظاہر کر دی۔ (جمل)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ لِيَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْ يُقَدِّمُوا لَهَا خَيْرًا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾
لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ ۖ وَجَعَلْ
فِيهِ تَمَيزًا كَالْإِنْسَانِ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مَّتَشَقِّقًا ۚ مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِمَذْكُورَةٍ
نَّضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ فَيُؤْمِنُونَ ۖ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ
وَالْعَلَانِيَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الطَّاهِرُ ۚ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ السَّلَامُ
ذُو السَّلَامَةِ مِنَ النَّقَائِصِ ۚ الْمُؤْمِنُ الْمُصَدِّقُ رُسُلُهُ بِخَلْقِ الْمُعْجَزَةِ لَهُمُ الْمُهِينُ مِنَ هَيْمَنَ يُهَيِّمُ ۚ إِذَا كَانَ
رَقِيبًا عَلَى الشَّيْءِ ۚ أَيْ الشَّهِيدُ عَلَى عِبَادِهِ بِأَعْمَالِهِمُ الْعَزِيزُ الْقَوِيُّ الْجَبَّارُ ۚ جَبَرَ خَلْقَهُ عَلَى مَا أَرَادَ الْمُتَكَبِّرُ
عَمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ سُبْحَنَ اللَّهِ نَزَّهَ نَفْسَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُنْشِئُ مِنَ الْعَدَمِ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۚ وَالتَّسْعَةُ وَالتِّسْعُونَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيثُ وَالْحُسْنَى مُؤْنَثُ الْآحْسَنِ
يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٤﴾ تَقَدَّمَ أَوَّلُهَا.

۳۶

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کر لے کہ کل (قیامت کے دن) کے واسطے
(اعمال) کا کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے؟ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تم ان لوگوں
کے مانند مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا یعنی اس کی اطاعت کو ترک کر دیا تو اللہ نے بھی انہیں ان کی
جانوں سے غافل کر دیا اس بات سے کہ وہ اپنی ذات کے لئے نیکی آگے بھیجیں، ایسے ہی لوگ فاسق ہوتے ہیں، اہل نار اور
اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں، اور اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے اور اس کے
اندر انسان کے مانند شعور پیدا کر دیا جاتا تو تو دیکھتا اس کو کہ خشیت الہی سے وہ پست ہو کر پھٹا جاتا ہے ہم ان مذکورہ مثالوں
کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں، پھر ایمان لے آئیں، وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب
اور حاضر یعنی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے وہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں،
بادشاہ ہے سب باتوں سے جو اس کی شایان شان نہیں پاک صاف ہے، تمام نقائص سے سالم ہے اپنے رسولوں کی ان کے
لئے معجزات کی تخلیق کر کے نصرت کرنے والا ہے نگہبان ہے یہ ہینمن یھيمن سے مشتق ہے یعنی جب کسی شی پر نگہبان
ہو یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والا ہے قوی ہے جبار ہے اس نے اپنی مخلوق کو بنایا جیسا چاہا، بڑائی والا ہے
(برتر ہے) اس شی سے جو اس کے لائق نہیں اللہ پاک ہے اس نے اپنی خود ہی پاکی بیان کی ہے ان چیزوں سے جن کو اس

دوسری بات جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں انسان کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے کہ قیامت جس کا آنا یقینی بھی ہے اور قریب بھی، اس کے لئے تم نے کیا سامان بھیجا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصلی وطن آخرت ہے دنیا میں تو یہ چند دن کے لئے ویزے پر آیا ہوا ہے، اس کی نیشنلٹی تو آخرت کی ہے یعنی یہ حقیقی طور پر آخرت کا باشندہ ہے، جس طرح دنیا میں اپنے ملک سے ویزا لے کر دوسرے ملک جاتے ہیں اور وہاں جا کر کچھ کما کر اپنے وطن کو نہ بھیجے اور سراسر بھول جائے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں سے دنیا کا سامان مال و دولت کوئی شخص وہاں ساتھ نہیں لے جاسکتا تو بھیجنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک مال منتقل کرنے کا جو طریقہ ہے کہ یہاں کی حکومت کے بینک میں جمع کر کے دوسرے ملک کی کرنسی حاصل کرے جو وہاں چلتی ہے، یہی صورت آخرت کے معاملہ میں بھی ہے کہ جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں خرچ کیا جاتا ہے وہ آسمانی حکومت کے بینک میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں کی کرنسی ثواب کی صورت میں اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے اور وہاں پہنچ کر بغیر کسی دعوے اور مطالبہ کے اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے، کس قدر نادان ہے وہ شخص جو آج کے لطف و لذت میں اپنا سب کچھ لٹا رہا ہے اور نہیں سوچتا کہ کل اس کے پاس کھانے کو روٹی اور سر چھپانے کو جگہ بھی باقی رہے گی یا نہیں؟ اسی طرح وہ شخص بھی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے جو اپنی دنیا بنانے کی فکر میں ایسا منہمک ہے کہ اپنی آخرت سے بالکل غافل ہو چکا ہے۔

فَانْسَلُفْهُمْ اَنْفُسَهُمْ یعنی ان لوگوں نے اللہ کو بھول اور نسیان میں کیا ڈالاد حقیقت خود اپنے آپ کو بھول میں ڈال دیا کہ اپنے نفع نقصان کی خبر نہ رہی، یعنی خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے، جب آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کا بندہ ہے تو لازماً وہ دنیا میں اپنی ایک غلط حیثیت متعین کر بیٹھتا ہے، اسی طرح جب وہ یہ بھول جاتا ہے، کہ وہ ایک خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے تو وہ اس ایک خدا کی بندگی تو نہیں کرتا جس کا وہ درحقیقت بندہ ہے اور ان بہت سوں کی بندگی کرتا رہتا ہے جن کا وہ فی الواقع بندہ نہیں ہے جو سراسر قانون دنیا کی بھی خلاف ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جس طرح خدا کی کبریائی اور اس کے حضور بندے کی ذمہ داری اور جواب دہی کو صاف صاف بیان کر رہا ہے، اس کا فہم اگر پہاڑ جیسی عظیم مخلوق کو نصیب ہوتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کو رب قدیر کے سامنے جواب دہی کرنی ہے تو وہ بھی خوف سے کانپ اٹھتا لیکن حیرت کے لائق ہے اس انسان کی بے حسی اور بے فکری کہ جس انسان کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی مضبوط اور سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پارہ پارہ ہو جاتا، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد محترم کی ایک طویل نظم کے تین شعر جو محل اور موقع کے لحاظ سے موزوں ہیں نقل کئے جاتے ہیں۔

(فوائد عثمانی)

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفل بدعات کو کان بہرے ہو گئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
 آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی پارہ جس کے لحن سے طور بدئی ہونے کو ہے
 حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو کوہ جس سے خاشعاً متصدعا ہونے کو ہے

حضرت شاہ صاحب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اگر پہاڑ سنیں تو وہ بھی دب جائیں، یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا اگلی آیت هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الخ میں متکلم کی عظمت کا ذکر ہے، قرآن مجید میں اگرچہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات بے نظیر طریقہ سے بیان کی گئی ہیں، جن سے ذات الہی کا نہایت واضح تصور حاصل ہوتا ہے لیکن دو مقامات ایسے ہیں جن میں صفات باری کا جامع ترین بیان پایا جاتا ہے، ایک سورہ بقرہ میں آیت الکرسی دوسرے سورہ حشر کی یہ آیات۔

روایات میں سورہ حشر کی ان تین آیتوں هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے آخر تک کی بہت فضیلت آئی ہے مومن کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کی تلاوت کی پابندی رکھے۔

﴿مَشَتْ﴾

سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ ممتحنہ مدنی ہے، تیرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ
أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ تُوَصِّلُونَ إِلَيْهِمْ قَصْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَوْهُمْ الَّذِي أَسْرَهُ إِلَيْكُمْ وَوَرَى بِحَنِينٍ
بِالْمُودَّةِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذَلِكَ لِمَالَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِ
الْمُشْرِكِينَ فَاسْتَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ أَرْسَلَهُ بِإِغْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى لَهُ بِذَلِكَ وَقَبْلَ غُذَرِ
حَاطِبٍ فِيهِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ أَيْ دِينَ الْإِسْلَامِ وَالْقُرْآنِ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَيَأْتَاكُمْ مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيقِهِمْ
عَلَيْكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا أَيْ لِأَجْلِ أَنْ أَسْتَمُّ بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي وَجَوَابِ
الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ فَلَا تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ
وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ أَيْ إِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ أَخْطَأَ طَرِيقَ
الْهُدَى وَالسَّوَاءِ فِي الْأَضَلِّ الْوَسْطِ إِنْ يَتَّقَوْكُمْ يُظْفَرُوا بِكُمْ يَكُونُوا أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ بِالْقَتْلِ
وَالضَّرْبِ وَالسُّتْهُمْ بِالسُّوءِ بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ وَوَدُّوا تَمَنُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ قَرَابَتُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ
الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ لَا جِلْهَ لَهُمْ أَسْرَرْتُمْ الْخَبَرَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۝ يَفْصِلُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ
وَالْفَاعِلِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ فَتَكُونُونَ فِي الْجَنَّةِ وَهُمْ فِي جُمْلَةِ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ ۝ بِكسر الهمزة وضمِّها فِي الْمَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ أَيْ بِهِ
قَوْلًا وَفِعْلًا وَالَّذِينَ مَعَهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ قَالُوا الْقَوِيُّ هُمْ أَنَا أَبْرَأُ وَأَجْمَعُ بَرِيءٌ كَظَرِيفٍ
مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ أَنْ كَرْنَا كُمْ وَبَدَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ أَبَدًا بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ
وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ وَأَوْ حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ۝ الْآقُولُ إِبْرَاهِيمَ لِأَنَّهُ لَا اسْتِغْفَرَ لَكَ مُسْتَشْنِي مِنْ أُسْوَةٍ أَيْ فَلَيْسَ لَكُمْ

التَّاسِي بِهِ فِي ذَلِكَ بَانَ تَسْتَغْفِرُوا لِلْكَفَّارِ وَقَوْلُهُ وَمَا أَمَلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ اِي مِنْ عَذَابِهِ وَثَوَابِهِ مِنْ شَيْءٍ كُنِيَ بِهِ عَنْ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ لَهُ غَيْرُ الْإِسْتِغْفَارِ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَيْهِ مُسْتَشْنَى مِنْ حَيْثُ الْمُرَادُ مِنْهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرُهُ بِمَا يُتَأَسَى فِيهِ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَاسْتَغْفَارُهُ قَبْلَ أَنْ يَتَّبِعِينَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ كَمَا ذُكِرَ فِي بَرَاءَةِ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنْبَاْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④ مِنْ مَقُولِ الْخَلِيلِ وَمَنْ مَعَهُ اِي وَقَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِي لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَيُظَنُّوا أَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيُفْتَنُوا اِي تَذْهَبُ عُقُولُهُمْ بِنَا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ⑤ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑥ فِي مُلْكِكَ وَصُنْعِكَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ جَوَابُ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ فِيهِمْ أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ بَدَلُ اسْتِمَالٍ مِنْكُمْ بِإِعَادَةِ الْجَارِ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ اِي يَخَافُهُمَا أَوْ يَظُنُّ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ وَمَنْ يَقُولُ بَانَ يُؤَالِي الْكَفَّارَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيدُ ⑦ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ.

تَرْجُمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو میرے اور

اپنے دشمنوں کفار مکہ کو دوست نہ بناؤ، تم تو ان کے پاس آپسی دوستی کی وجہ سے نبی ﷺ کے ان سے جہاد کرنے کے ارادہ کا پیغام بھیجتے ہو، جس کو انہوں نے رازدارانہ طور پر تم کو بتا دیا ہے اور ارادہ حنین کا ظاہر فرمایا۔

نکات: بعض نسخوں میں وَرَّيْ بِحَيْنَبَرٍ ہے جو کہ سبقت قلم ہے صحیح وَرَّيْ بِحُنَيْنٍ ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے پاس اس معاملہ میں ایک خط بھیج دیا تھا، اس لئے کہ ان (اہل مکہ) کے پاس ان (حاطب بن ابی بلتعہ) کی مشرک اولاد اور اہل خانہ تھے، چنانچہ حضور ﷺ نے وہ خط اس شخص سے، اللہ تعالیٰ کے (بذریعہ) وحی اطلاع دینے کی وجہ سے واپس منگا لیا تھا، جس کے ذریعہ وہ بھیجا تھا اور حاطب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کا اس معاملہ میں عذر قبول فرمایا تھا اور اس حق یعنی دین اسلام اور قرآن کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں وہ پیغمبر کو اور (خود) تمہیں بھی مکہ سے ان کو تنگ کر کے محض اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو جواب شرط جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے "فَلَا تَتَّخِذُوا هُمْ أَوْلِيَاءَ" ہے یعنی ان کو اپنا دوست نہ بناؤ، تو تم ان کے پاس دوستی کی وجہ سے خفیہ طور پر پیغام بھیجتے ہو مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، تم میں سے جو بھی آپ کے پیغام کو خفیہ طور پر پہنچانے کا کام کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا یعنی راہ ہدایت سے بھٹک گیا، سَوَاء، کے اصل معنی وسط کے ہیں، اگر وہ تم پر قابو پالیں یعنی کامیاب ہو جائیں، تو تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں گے اور قتل اور مار پیٹ کے لئے تم پر دست درازی اور گالی گلوچ کے لئے زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگو، تمہاری قرابت داری اور تمہاری مشرک اولاد جن کے لئے تم نے خفیہ پیغام رسائی کی ہے آخرت میں عذاب سے (بچانے) میں کچھ کام نہ آئیں گی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا

(یـفـصـل) مجہول اور معروف دونوں ہیں تو تم جنت میں ہوؤ گے اور وہ منجملہ کفار کے دوزخ میں ہوں گے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے (مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام (کے طرز عمل) میں (اُسوۃ) ہمزہ کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، اور ان کے مومن ساتھیوں میں قولاً وفعلاً بہترین نمونہ ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو ان سب سے بیزار ہیں (بُراء اء) بُری ء کی جمع ہے، جیسا کہ ظریف کی جمع ظُرَفَاءُ آتی ہے، ہم تمہارے (عقائد) کے بالکل منکر ہیں کُفَرْنَا بِکُمْ بمعنی اَنکَرْنَا ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی اَلْبُغْضَاءُ اَبَدًا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو واؤ سے بدل کر، جب تک کہ اللہ وحدہ پر ایمان نہ لاؤ، مگر اپنے باپ سے ابراہیم علیہ السلام کے قول کہ میں آپ کے لئے ضرور استغفار کروں گا یہ اُسوۃ سے مستثنیٰ ہے، یعنی تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام کے اس قول لَا سْتَغْفِرَنَّ میں اسوۃ حسنہ نہیں ہے، بایں طور کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو، اور مجھے خدا کے سامنے اس کے عذاب اور ثواب میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قول (مَا اَمْلِكُ) سے اس بات کی طرف کنایہ کیا ہے کہ وہ اس کے لئے سوائے استغفار کے کسی چیز کا مالک نہیں، (مَا اَمْلِكُ) لَا سْتَغْفِرَنَّ پر معطوف ہے اور باعتبار مراد کے مستثنیٰ ہے اور اگرچہ، مَا اَمْلِكُ، اپنے ظاہر یعنی معنی وضعی کے اعتبار سے ان میں سے ہے، جس کی اقتداء کی جائے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس کے اللہ کا دشمن ظاہر ہونے سے پہلے تھا، جیسا کہ سورۃ براءت میں ذکر کیا گیا، اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا مقولہ ہے، یعنی انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال یعنی تو ان کو ہم پر غالب نہ فرما کہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور فتنہ پردازی کرنے لگیں، یعنی ہمارے بارے میں ان کے دماغ خراب ہو جائیں، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، بے شک تو ہی اپنے ملک میں اور اپنی صنعت میں غالب حکمت والا ہے اے امت محمدیہ! یقیناً تمہارے لئے ان میں اچھا نمونہ ہے یہ قسم مقدر کا جواب ہے، اس شخص کے لئے (لَمَنْ) کُفْر، سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل الاشتمال ہے کہ کفار سے (دلی) دوستی رکھے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز ہے اور اپنے اطاعت گزار بندوں کی حمد و ثنا کا سزاوار ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: قَصْدَ النَّبِيِّ ﷺ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تُلْقُونَ، کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: وَرَى، یہ تَوْرِيۃ کا فعل ماضی ہے، تَوْرِيۃ کہتے ہیں، مقصد کو پوشیدہ رکھنا اور خلاف مقصد کو ظاہر کرنا، یا ایسا لفظ بولنا جو ذو معنیں ہو، ایک معنی قریب ہوں اور دوسرے بعید، متکلم معنی بعید کا ارادہ کرے اور مخاطب معنی قریب مراد لے، جیسا کہ حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعاقب کرنے والے دشمن کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: رَجُلٌ يَهْدِيَنِ السَّبِيلَ ہدایت کے معنی رہبری کرنے کے ہیں، رہبری دنیا کے راستہ کی بھی ہوتی ہے یہ معنی قریب ہیں اس لئے اولاً ذہن اسی معنی کی طرف سبقت کرتا ہے اور دوسرے معنی آخرت کی رہنمائی و رہبری کرنے کے ہیں یہ اس کے معنی بعید ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی معنی مراد لئے تھے۔

قَوْلُهُ: بِخَيْبَرٍ، یہ ناقلین کی تصحیف ہے صحیح بِحُنَيْنٍ ہے، اس لئے کہ غزوہ خیبر ماہ محرم ۷ھ میں فتح مکہ سے ایک سال پہلے واقع ہوا ہے اور فتح مکہ ماہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا ہے، یہ آیات فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہیں اور خیبر اس سے پہلے ہی فتح ہو چکا تھا لہذا خیبر کی طرف تو یہ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔

قَوْلُهُ: بِالْمُودَةِ، میں باء سیہ ہے۔

قَوْلُهُ: بِاعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى، یہ فاستردادہ، کے متعلق ہے۔

قَوْلُهُ: لِأَجْلِ أَنْ آمَنْتُمْ، یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اَنْ تُوْمِنُوْا، بتاویل مصدر ہو کر يُخْرِجُونَ کا مفعول لہ ہے۔

قَوْلُهُ: لِلْجِهَادِ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جِهَادًا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اِنْ كُنْتُمْ، کا جواب شرط محذوف ہے، جس پر ”لا تتخذوا“ دلالت کرتا ہے، اور وہ فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ ہے۔

قَوْلُهُ: تُسْرَوْنَ، یہ تلقون سے بدل ہے۔

قَوْلُهُ: سِوَاءَ السَّبِيلِ، یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے، ای السبیل السواء۔

قَوْلُهُ: لَوْ تَكْفُرُونَ، لو بمعنی اَنْ مصدر یہ ای تمنوا کفر کم۔

قَوْلُهُ: مِنَ الْعَذَابِ، لَنْ يَنْفَعَكُمْ مِنْهُ کے متعلق ہے۔

قَوْلُهُ: يَوْمَ الْقِيَمَةِ، اگر یہ لَنْ تَنْفَعَكُمْ سے متعلق ہو تو اس وقت يَوْمَ الْقِيَمَةِ پر وقف ہوگا اور يَفْصِلُ سے جملہ متانفہ ہوگا اور یہ بھی درست ہے کہ اپنے مابعد يَفْصِلُ سے متعلق ہو، اس صورت میں اَوْلَادُكُمْ پر وقف ہوگا، اور يَوْمَ الْقِيَمَةِ سے جملہ متانفہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: اِنَّا بُرَاءُ اَوْ اُجْمَعُ بَرِيٍّ كَظَرِيفٍ یعنی جس طرح ظریف کی جمع ظرفاء آتی ہے اسی طرح بَرِيٍّ کی جمع بُرء اَوْ اُجْمَعُ آتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ وَاَوْا یعنی ابداء کو وابداء بھی پڑھ سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ: مُسْتَثْنٰی مِنْ اُسُوۃٍ یعنی اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ اَلْحَقَّ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوۃٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِيْمَ سے مستثنیٰ ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام کے ہر قول و فعل میں اچھا نمونہ ہے مگر کفار کے لئے استغفار کرنے میں نہیں ہے۔

قَوْلًا: اَلَا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لَا بَيْدَ لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ، اَلَا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ الْخِمْ مَسْتَنِيْ هِيَ اور سابق ميں قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوَةٌ حَسَنَةً مَسْتَنِيْ منہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہر قول و فعل قابل تأسی (یعنی قابل اقتداء) ہے مگر ان کا قول لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ الْخِمْ قابل تأسی نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے کافر والد کے لئے استغفار کیا یہ ہمارے لئے قابل تأسی نہیں کہ ہم بھی کافر کے لئے استغفار کر سکیں گویا کہ کافر باپ کے لئے استغفار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خاص ہے دوسروں کیلئے اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء جائز نہیں۔

قَوْلًا: وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، کا عطف لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ پر ہے اور معطوف و معطوف علیہ کا حکم ایک ہی ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا کہ: میں آپ کے لئے استغفار کروں گا، اور یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے دو باتیں کہیں اول یہ کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا دوسری یہ کہ میں آپ کے لئے اللہ کی طرف سے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، ان دونوں باتوں کو اَلَا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ کہہ کر قابل اقتداء ہونے سے ح کر دیا، حالانکہ دوسری بات یعنی مَا اَمْلِكُ لَكَ الْخِمْ قابل اقتداء ہے، دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا قول: قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، ہے (سورہ فتح) بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے یعنی مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اور سورہ فتح کی آیت: قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ الْخِمْ میں تعارض ہے۔

اعترض: اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہر قول و فعل کو قابل تأسی یعنی قابل اقتداء قرار دیا ہے مگر ان میں سے کافر کے لئے استغفار کو قابل اقتداء ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس مستثنیٰ پر وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ کا عطف کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ معطوف و معطوف علیہ کا حکم ایک ہی ہوتا ہے؛ لہذا مَا اَمْلِكُ لَكَ الْخِمْ بھی قابل اقتداء ہونے سے خارج ہو گیا، حالانکہ سورہ فتح کی آیت ”قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا“ سے اس کا قابل اقتداء ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی شخص اللہ کی طرف سے کسی خیر و شر کا مالک نہیں ہے، لہذا یہ معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کا قول ”مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ“ قابل اقتداء ہے نہ کہ نا قابل اقتداء۔

قَوْلًا: كُنِيَ بِهِ عَنْ اَنَّهُ لَا يَمْلِكُ لَهُ غَيْرَ الْاِسْتِغْفَارِ، سے مذکورہ اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ کے دو معنی ہیں ایک معنی مرادی جو کہ یہاں مقصود ہیں، جس کو كُنِيَ بِهِ سے تعبیر کیا ہے اور دوسرے معنی وضعی جو کہ مقصود نہیں ہیں اور وہ یہ ہے کہ مَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ الْخِمْ کو معطوف علیہ یعنی لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ الْخِمْ سے خارج کر دیا جائے یعنی نہ تو کافر کے لئے استغفار کرنا قابل اقتداء اور نہ یہ کہنا قابل اقتداء ہے کہ میں آپ کے لئے اللہ کی جانب سے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں، حالانکہ دوسری بات آیت فتح کی روشنی میں قابل اقتداء ہے۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا قول مَا اَمْلِكُ لَكَ الْخ معنی مرادی کے اعتبار سے قابل اقتداء ہے؛ مگر معنی وضعی کے اعتبار سے قابل اقتداء نہیں ہے، مفسر علام کے قول مستثنیٰ مِنْ حَيْثُ الْمَرَادُ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرُهُ مِمَّا يُتَأَسَّى فِيهِ کا یہی مطلب ہے۔

مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:

قَوْلُهُ: وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ، یہ مستثنیٰ کا تمہ ہے، اصل مستثنیٰ لَا سْتَغْفِرَنَّ الْخ ہے، وَمَا اَمْلِكُ لَكَ جملہ حالیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور مجموعہ کے استثناء سے تمام احوال سے استثناء لازم نہیں آتا، لہذا مستثنیٰ کا آخری جزء یعنی وَمَا اَمْلِكُ لَكَ الْخ جو دراصل مستثنیٰ کے لئے قید ہے، قابل تأسی ہونے سے خارج نہ ہوگا، اس کی تائید روح البیان کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، فمورد الاستثناء نفس الاستغفار لا قيده یعنی اصل مستثنیٰ نفس الاستغفار ہے نہ کہ اس کی قید: مَا اَمْلِكُ لَكَ الْخ۔

قَوْلُهُ: لِمَنْ كَانَ یہ اعادہ جار کے ساتھ لَكُمْ کی کُم ضمیر سے بدل الاشتمال ہے، صحیح تو یہ ہے کہ بدل البعض ہے، اس لئے کہ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ، کُم کا بعض ہے، البتہ بعض اوقات بدل الاشتمال کا اطلاق بدل البعض پر ہو جاتا ہے (کما صرح الرضی) اور جن حضرات نے ضمیر سے بدل واقع ہونے کو منع کیا ہے، تو انہوں نے بدل الكل کو منع کیا ہے اور سیبویہ کے نزدیک بدل مطلقاً جائز ہے۔

قَوْلُهُ: مَنْ يَتَوَكَّلْ شرط ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس کی تفسیر فوبالہ علی نفسہ، اللہ تعالیٰ کا قول فَإِنَّ اللَّهَ الْخ جواب کی علت ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ اس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نزول کا زمانہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کا ہے جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور ابن عباس، مجاہد، قتادہ، اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کی بھی متفقہ رائے یہی ہے کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جس وقت کہ مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر حملہ کرنے کی خفیہ طور پر تیاری شروع فرمادی، اس پروگرام کو صیغہ راز میں رکھا گیا اور چند مخصوص صحابہ کے علاوہ آپ ﷺ نے کسی کو نہ بتایا کہ آپ ﷺ کس مہم کے لئے تیاری فرما رہے ہیں؟ ایسا جنگی چال کے طور پر کیا گیا تاکہ دشمن کو قبل از وقت مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کے منصوبوں کا پتہ نہ چل سکے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک صحابی ہیں، جو کہ بدرین میں سے تھے، یمن کے رہنے والے تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی، مکہ والوں سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن ان کے بیوی بچے اور دیگر اہل خانہ مکہ ہی میں تھے۔

انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کی مکہ پر حملہ کی تیاری کی اطلاع دے کر ایک احسان کردوں؛ تاکہ وہ اس احسان کے بدلے ان کے بیوی بچوں کا خیال رکھیں، اتفاق سے اسی زمانہ میں مکہ معظمہ سے ایک عورت آئی جو پہلے بنی عبدالمطلب کی لونڈی تھی، اس نے آزاد ہو کر گانے بجانے کا کام شروع کر دیا تھا، اس کا نام سارہ تھا اس نے مدینہ آ کر آپ ﷺ سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کچھ مالی مدد کی طالب ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا ہجرت کر کے آئی ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، اس کے بعد دریافت فرمایا کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس کا جواب بھی نفی میں دیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ پھر تم یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ مکہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے آپ ﷺ لوگوں ہی سے میرا گزارا تھا، مکہ کے بڑے بڑے سردار تو غزوہ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے، اب میرا گزارہ مشکل ہو گیا ہے، میں سخت حاجت اور ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپے پیسے کی بارش کرتے تھے) اس نے کہا واقعہ بدر کے بعد ان کی تقریبات جشن طرب ختم ہو چکی ہیں، اس وقت سے مجھے کسی نے نہیں بلایا، رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور کپڑے وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

(معارف ملخصاً)

جب وہ مکہ جانے لگی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس سے ملے اور چپکے سے اس کو بعض سرداران مکہ کے نام ایک خط دے دیا اور دس دینار دیئے، تاکہ وہ راز فاش نہ کرے اور یہ خط مکہ کے سرداروں کو پہنچا دے بعض روایتوں میں دس دیناروں کے ساتھ ایک چادر دینے کا بھی ذکر ہے (اعراب القرآن بحوالہ قشیری والعلمی) ابھی وہ مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس واقعہ کی اطلاع آپ ﷺ کو دے دی، آپ ﷺ نے فوراً ہی حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت مقداد بن اسود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس کے پیچھے روانہ کیا (بعض روایات میں دوسرے ناموں کا ذکر ہے) اور حکم دیا کہ تیزی سے جاؤ، روضہ خاخ کے مقام پر ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ایک خط ہے جس طرح بھی ہو اس سے وہ خط حاصل کرو اگر وہ دیدے تو اسے چھوڑ دینا اگر نہ دے تو اس کو قتل کر دینا۔

خط کا متن:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَدْ تَوَجَّهَ إِلَيْكُمْ بِجَيْشٍ كَاللَّيْلِ يَسِيرُ كَالسَّيْلِ، وَاقْسَمَ بِاللَّهِ لَوْ لَمْ يَسِرْ إِلَيْكُمْ إِلَّا وَحْدَهُ لَا ظَفَرَهُ اللَّهُ بِكُمْ، وَلَا نَجْوَى لَهُ مَوْعِدُهُ فِيكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ وَلِيُّهُ وَنَاصِرُهُ.

تذکرہ: حمد و صلوٰۃ کے بعد، بے شک اللہ کے رسول تمہاری طرف متوجہ ہوئے ہیں ایسا لشکر لے کر جو (کثرت میں) رات کی مانند ہے اور چلنے میں سیلاب کی مانند ہے، اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اگر وہ تمہاری طرف صرف اکیلے ہی متوجہ ہوتے تو بھی اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو تم پر فتح عطا فرماتا اور ان سے تمہارے بارے میں اپنے وعدے کی ضرورت تکمیل فرماتا، بلاشبہ اللہ اس کا والی اور ناصر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حکم کے مطابق تیزی سے اس کا تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا، ہم نے اس سے کہا وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا میرے پاس کسی کا کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا، اس کی تلاشی لی مگر خط ہمارے ہاتھ نہ لگا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی ضرور خط اس نے کہیں چھپایا ہے، پھر ہم نے اس سے کہا، تو خط نکال کر دیدے ورنہ ہم ننگا کر کے تیری جامہ تلاشی لیں گے، جب اس نے دیکھا کہ ہم سے نجات مشکل ہے، تو اس نے اپنی چوٹی سے خط نکال کر دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی ہے، ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں، آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! حاطب بدر میں حاضر تھا اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے قلوب پر مطلع ہو گیا (یعنی ان کے اخلاص و ایمان کو جانچ لیا ہے) اور فرمایا ہے: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم جو چاہو سو کرو میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے ہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر) آپ ﷺ کی جانب سے معافی کا اعلان سنا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

(ابن کثیر)

حاطب بن ابی بلتعہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ کی خدمت میں:

آپ ﷺ نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تم نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے یہ کام کفر و ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تا کہ وہ میرے احسان مند رہیں

اور میرے بچوں کی حفاظت کریں، آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرمادیں، تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے، سورہ مؤتحنہ کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔

(صحیح بخاری تفسیر سورہ المؤتحنہ، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

تُلَقُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ (الآیہ) مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی خفیہ باتیں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم رکھنا چاہتے ہو، حالانکہ تم کو میرے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات قائم نہیں کرنے چاہئیں کفار کو اس قسم کے خط لکھنا یہ ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے، اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکا ہے اس سے بچنا چاہئے، اور یہ بات یاد رکھو، کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا اور مسلمان جب تک کہ وہ مسلمان ہے کبھی کافر کا دوست نہیں ہو سکتا، شرک اور کفر کی وجہ سے تمہارا اور ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟

يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ (الآیہ) یعنی پیغمبر ﷺ اور تم کو کیسی کیسی ایذا میں دیکر ترک وطن پر مجبور کیا محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو کہ تمہارا اور سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو؟ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي (الآیہ) یعنی تمہارا گھربار کو چھوڑ کر نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو اپنا دشمن بنایا ہے، تو پھر انہیں دشمنوں سے دوستی کا ٹھٹھنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ وَاِنَّا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ (الآیہ) یعنی اگر کوئی انسان کوئی کام دنیا سے چھپا کر کرتا ہے، تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپا پائے گا، دیکھو حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو، مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرمادیا۔

اِنْ يَشْفَوْكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ اَعْدَاءُ یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کر لو گے وہ کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انتہائی رواداری کے باوجود اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں گے، زبان سے ہاتھ سے، غرضیکہ ہر طرح سے ایذا پہنچائیں گے، اور ان کی یہ خواہش ہوگی کہ تم کفر میں واپس پلٹ آؤ، کیا ایسے شریر اور بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا (الآیہ) یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ اور تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، یوں ہم ان کے لئے فتنہ کا باعث بن جائیں گے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُم مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۚ بَاۡنٌ يَّهْدِيْهِمْ لِاِيْمَانٍ فَيَصِيْرُوْا لَكُمْ اَوْلِيَاءَ ۗ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ عَلٰۤى ذٰلِكَ ۚ وَقَدْ فَعَلَهُۥۤ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لَّهْم مَّا سَلَفَ رَّحِيْمٌ ۝۷ بِهٖم لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يِقَاتِلُوْكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْۙ بَدَلُ اَشْتِمَالٍ مِّنْ

الَّذِينَ وَتُقْسِطُوا تَقْسُطُوا إِلَيْهِمْ بِالْقِسْطِ أَى الْعَدْلِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ①
 الْعَادِلِينَ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَادُونَكَ عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوهُمْ بَدَلُ
 اشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِينَ تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ② يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ
 بِالْبِسْطَيْنِ مَهْجَرَاتٍ مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْخُدْيَةِ عَلَىٰ أَنْ مِّن جَاءَ مِنْهُم إِلَى الْمُؤْمِنِينَ يُرَدُّ
 فَأَمْتَحِنُوهُنَّ بِالْحَلْفِ أَنَّهُنَّ مَا خَرَجْنَ إِلَّا رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ لَا بُغْضًا لِأَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِلرِّجَالِ مِنَ
 الْمُسْلِمِينَ كَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْلِفُهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ ظَنَنْتُمُوهُنَّ
 بِالْحَلْفِ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ تَرُدُّوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَأَهْنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَأَتَوْهُم بِأَيِّ الْكُفَّارِ
 أَزْوَاجَهُنَّ مَا أَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهْرِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ بِشَرْطِهِ إِذَا اتَّيَمَّمْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مَهْرًا
 وَلَا تَمْسِكُوا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بِعَصَمِ الْكُفَّارِ زَوْجَاتِكُمْ لِقَطْعِ اسْلَابِكُمْ لَهَا بِشَرْطِهِ أَوْ الْإِلَاحَاتِ
 بِالْمُشْرِكِينَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ إِرْتِدَادِهِنَّ نِكَاحِكُمْ بِشَرْطِهِ وَسَأَلُوا أَطْلُبُوا مَا أَنْفَقْتُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهْرِ فِي
 صُورَةِ الْإِرْتِدَادِ بِمَنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفَقُوا عَلَى الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقْدَمُ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَهُ
 ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ بِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ③ وَإِنْ قَاتَلْتُمُ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ أَى وَاحِدَةً فَكَثُرَ مِنْهُنَّ أَوْ شَيْءٌ
 مِنْ مَّهْرِهِنَّ بِالذَّهَابِ إِلَى الْكُفَّارِ مُرْتَدَّاتٍ فَعَاقِبْتُمْ فَعَزَّوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِنَ الْغَنِيمَةِ
 مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا لِفَوَاتِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ④ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ مَا أَمَرُوا
 بِهِ مِنَ الْإِيتَاءِ لِلْكَفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ اذْهَبَ هَذَا الْحُكْمُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا
 يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ وَأَدِ الْبَنَاتِ أَى
 ذَهَبْنَهُنَّ أَحْيَاءَ خَوْفِ الْعَارِ وَالْفَقْرِ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ أَى بِوَلَدٍ مُنْشُوطٍ
 يُنْسِبْنَهُ إِلَى الزَّوْجِ وَوَصَفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيقِيِّ فَإِنَّ الْأُمَّ إِذَا وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا
 وَلَا يَعْصِيكَ فِي مَعْرُوفٍ هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللَّهِ تَعَالَى كَتَرَكَ النِّيَاحَةَ وَتَمْزِيقَ الثِّيَابِ وَجَزَ الشَّعْرِ وَشَقَّ
 الْجَنَيبِ وَخَمَشَ الْوَجْهَ فَبَايَعَهُنَّ فَعَلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ
 وَاسْتَغْفَرَ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُودُ
 قَدْ يَسُؤُا مِنَ الْآخِرَةِ أَى مِنْ ثَوَابِهَا مَعَ اتِّقَانِهِمْ بِهَا لِعِنَادِهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهِ
 كَمَا يَسُؤُا الْكُفَّارُ الْكَاسِبُونَ ⑥ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ⑦ أَى الْمَقْبُورِينَ مِنْ خَيْرِ الْآخِرَةِ إِذَا تَعَرَّضَ عَلَيْهِمْ
 مَقَاعِدُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ كَانُوا آمَنُوا وَمَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے جن کفار مکہ سے تم نے خدا کی طاعت میں دشمنی کی ہے، اس طریقہ سے کہ وہ ان کو ایمان کی ہدایت دیدے، تو وہ تمہارے دوست ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے بعد ایسا کر بھی دیا، اور اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ (گناہوں) کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ تم کو ان کفار کے ساتھ جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے حسن سلوک کرنے سے الذین سے بدل الاشتمال ہے، اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا اور یہ حکم، جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں جلا وطن کیا، اور تم کو جلا وطن کرنے میں مدد کی الذین سے بدل الاشتمال ہے، یعنی یہ کہ تم ان کو دوست نہ بناؤ، جو لوگ ایسے کافروں سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں، اے ایمان والو! جب تمہارے پاس اقرار کرنے والی مومن عورتیں کفار سے ہجرت کر کے آئیں ان کے ساتھ حدیبیہ میں اس بات پر صلح کرنے کے بعد کہ جو ان میں سے مومنین کے پاس آئے گا اس کو لوٹا دیا جائے گا، تو ان کو حلف کے ذریعہ جانچ کر لیا کریں کہ وہ صرف اسلام میں رغبت کی وجہ سے ہجرت کر کے آئی ہیں، نہ کہ اپنے کافر شوہروں سے بغض کی وجہ سے، اور نہ کسی مسلمان سے عشق کی وجہ سے، آپ ﷺ ان سے ایسی ہی قسم لیا کرتے تھے، ان کے حقیقی ایمان کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن اگر وہ تمہیں قسم کی وجہ سے مومنہ معلوم ہوں، تو تم ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں اور ان کے کافر شوہروں کا جو مہر ان پر خرچ ہوا ہو وہ ان کو دیدو اور جب تم ان عورتوں کا مہر ادا کر دو تو تم پر ان سے نکاح کرنے میں نکاح کی شرط کے ساتھ کوئی گناہ نہیں ہے اور اپنی بیویوں میں سے کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو تمہارے اسلام کے ان کو (تم سے) منقطع کرنے کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ، یا ان بیویوں کے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملنے کے سبب ان کے ارتداد کے سبب، تمہارے نکاح منقطع کرنے کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ، اور جو کچھ تم نے ان پر مہر خرچ کیا ہو ان کے ارتداد کی صورت میں ان کے کافر شوہروں سے طلب کر لو، اور وہ بھی مہاجرات پر خرچ کیا ہو مال طلب کر لیں جیسا کہ سابق میں گذر چکا، کہ ان کو دیا جائے گا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے ایک یا اس سے زیادہ یا ان کا کچھ مہر فوت ہو جائے اور مرتد ہو کر ان کفار سے جا ملنے کی وجہ سے، پھر جب تم ان سے جہاد کرو اور تم کو مال غنیمت حاصل ہو تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں تو انہیں ان کے اخراجات کے برابر ان کو مال غنیمت سے دیدو کفار کی طرف سے ان کے نفقہ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اور بلاشبہ مومنین نے اس پر عمل کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا، یعنی کافروں اور مومنین کو دیکر، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ

ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کیا کرتی تھیں یعنی شرم یا فقر کے خوف سے ان کو زندہ دفن کیا کرتی تھیں، اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان بنالیوں یعنی اٹھانے ہوئے بچہ کو اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کریں گی (بین ایدینہن) سے ولد حقیقی کا وصف بیان کیا ہے، اس لئے کہ ماں جب اس کو جنتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گرتا ہے، اور کسی نیک کام میں تیری حکم عدولی نہ کریں گی اور نیک کام وہ ہے جو اللہ کی طاعت کے مطابق ہو، جیسا کہ نوہ کرنے کو اور کپڑے پھاڑنے کو، اور بال نوچنے کو اور گریبان پھاڑنے کو اور چہرہ نوچنے کو ترک کرنا ہے، تو آپ ﷺ ان سے بیعت فرمالیا کریں آپ ﷺ نے بیعت کا یہ عمل قولاً فرمایا، اور کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا، اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا معاف کرنے والا ہے اسے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے وہ یہود ہیں جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں یعنی اس کے ثواب سے آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود آنحضرت ﷺ سے عناد کی وجہ سے ان کے برحق ہونے کا علم رکھنے کے باوجود جیسا کہ کفار جو قبروں میں آخرت کی خیر سے ناامید ہو چکے ہیں جب کہ ان کے روبرو ان کا جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جائے گا اگر ایمان لائے ہوتے اور جہنم کا وہ ٹھکانہ جس کی طرف وہ جارہے ہوں گے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيكِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلٌ: طَاعَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى، اَنِ عَادَيْتُمْ لِاجْلِ طَاعَةِ اللَّهِ، طَاعَةٌ لِلَّهِ، يَهْدِيْتُمْ كَامِفْعُولٍ لَهُ هِيَ۔
 قَوْلٌ: تَقْسُطُوا، تَقْسِطُوا كِي تَفْسِيرُ تَقْضُوا سَے کر کے یہ بتا دیا کہ تَقْسِطُوا، تَقْضُوا کے معنی کو متضمن ہے؛ تاکہ اس کا صلہ اِلَى لَانَا صَحیح ہو جائے، تَقْسِطُوا کا عطف تَبَرُّوْهُمْ پر عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، بہتر ہوتا کہ تَقْسِطُوا کی تفسیر تَعْطُوْهُمْ قِسْطًا مِّنْ اَمْوَالِكُمْ سے کرتے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کو اپنے اموال میں سے کچھ دیدیا کرو، اس لئے کہ صرف نہ لڑنے والے کافروں کے ساتھ انصاف کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، عدل و انصاف تو ہر ایک کے ساتھ ضروری ہے خواہ وہ محارب ہو یا نہ ہو، لہذا عدل کی تخصیص صرف غیر مجاہدین کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔
 قَوْلٌ: بِشَرْطِهِ یعنی نکاح کے شرائط کو پورا کر کے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو مثلاً یہ کہ حالت اسلام میں اس کی عدت گذر جائے اگر وہ مدخول بہا ہو، اور یہ کہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔

قَوْلٌ: عِصْمَةُ عِصْمَةٍ کی جمع ہے بمعنی نکاح، ناموس، کوافر، جمع کافرة، جیسا کہ ضواریب، جمع ضاربة۔

قَوْلٌ: لِقَطْعِ اِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشَرْطِهِ، اِی بِشَرْطِ الْقَطْعِ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کی جو تلقین کی گئی تھی، اس پر سچے اہل ایمان اگرچہ بڑے صبر و ضبط کے ساتھ عمل کر رہے تھے، مگر اللہ کو معلوم تھا کہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہنوں اور قریب ترین عزیزوں سے تعلق توڑ لینا کیسا سخت اور مشکل کام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب تمہارے یہی کافر رشتہ دار، مسلمان ہو جائیں گے، اور آج کی دشمنی کل پھر محبت میں تبدیل ہو جائے گی، جن حالات میں یہ بات کہی گئی تھی کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ نتیجہ کیسے رونما ہوگا اس لئے کہ بظاہر دور دور تک بھی اس کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی، ان آیات کے نزول کے چند ہی ہفتہ بعد مکہ فتح ہو گیا اور مکہ کے لوگ جو درجہ جو اسلام میں داخل ہونے لگے، اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس چیز کی انہیں امید دلائی گئی تھی وہ کیسے پوری ہوئی۔

لَا يَنْهٰكُمْ الدِّينَ لِمَ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّينِ (الآیۃ) اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں سے حسن سلوک کرنا تو اچھی بات ہے مگر کیا انصاف بھی ان ہی کے لئے مخصوص ہے، اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ نا انصافی کرنا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ عدل و انصاف تو ہر شخص کے ساتھ ضروری ہے، خواہ کافر ہو یا غیر کافر، حتیٰ کہ اسلام کی تو یہ ہدایت ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کیا جائے اس میں کافر و غیر کافر اور حربی و غیر حربی سب برابر ہیں، بلکہ اسلام میں تو انصاف جانوروں کے ساتھ بھی ضروری ہے، اس آیت میں بھلائی اور احسان کرنے کی ہدایت ہے، ان ہی معنی کی رعایت کے لئے تُقْسِطُوا کو تعطوا کے معنی میں اور مقسطین بمعنی مُعْطِيْنَ لیا ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نقلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو دیئے جاسکتے ہیں، صرف کافر حربی کو دینا ممنوع ہے۔ مذکورہ آیت میں ان کفار کے بارے میں بتایا گیا کہ جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کر رہے ہوں اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں حصہ لے رہے ہوں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موالات اور دلی دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں بروا احسان کا معاملہ کرنے سے ممانعت نہیں، بلکہ صرف قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے، اور یہ ممانعت صرف برسرِ پیکار دشمنوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں۔

سابقہ آیات میں کفار سے جس ترک تعلق کی ہدایت کی گئی تھی اس کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے اِنَّمَا يَنْهٰكُمْ الدِّينَ قَتَلُوْكُمْ فِى الدِّينِ (الآیۃ) میں یہ بتایا گیا کہ اس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے، لہذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہئے، اور ان کافروں کے ساتھ احسان و حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ برائی نہ کی ہو، اس کی بہترین تشریح وہ واقعہ ہے جو حضرت اسماء بنت ابی بکر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کی کافر والدہ کے درمیان پیش آیا تھا، حضرت ابو بکر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک بیوی قتیلہ بنت عبد العزیٰ کافرہ تھیں اور ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئی تھیں حضرت اسماء بنت ابی بکر

رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ان ہی کے وطن سے تھیں، صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ اور مدینہ کے درمیان آمد و رفت کا راستہ کھل گیا تو وہ اپنی بیٹی (اسماء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) سے ملنے کے لئے مدینہ طیبہ آئیں، اور کچھ تحفہ تحائف بھی لائیں، خود حضرت اسماء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی یہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا کہ کیا اپنی ماں سے مل لوں؟ اور کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی بھی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ان سے صلہ رحمی کرو، (مسند احمد بخاری، مسلم) اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اپنے کا فر ماں باپ کی خدمت کرنا بھائی، بہنوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے، جب کہ وہ دشمن اسلام نہ ہوں۔

(احکام القرآن للحصص، روح المعانی)

شان نزول:

بَايَئُهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ كُمُ الْمُؤْمِنَتُ مُهَاجِرَاتٍ (الآية) یہ آیتیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں، اس واقعہ کا بیان سورہ فتح کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق:

واقعہ حدیبیہ کی تفصیل سورہ فتح میں گزر چکی ہے، جس میں قریش مکہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا تھا، اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دہ کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں اس پر غم و غصہ کا اظہار ہوا مگر رسول اللہ ﷺ باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمالیا اور پھر سب صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد و عورت دونوں داخل تھے یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت، جو بھی مکہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اس کو آپ ﷺ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور آپ ﷺ ابھی مقام حدیبیہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ ابو جندل رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہے جس کو قریش مکہ نے قید میں ڈال رکھا تھا وہ کسی طرح ان کی قید سے فرار ہو کر آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں ان کو دیکھ کر بہت تشویش ہوئی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہئے، لیکن ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں یہ کیسے ہوگا؟

مگر رسول اللہ ﷺ معاہدہ تحریر فرما چکے تھے، ایک فرد کی خاطر اس معاہدہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا تھا، جس کی وجہ سے آپ

ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھا بچھا کر واپس کر دیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا جس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں، صفی بن الراحب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا بعض روایات میں اس کے شوہر کا نام مسافر الخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورتیں مکہ سے بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں (روح المعانی) آپ ﷺ نے ان کو واپس نہیں کیا البتہ اس پر جو کچھ مہر وغیرہ خرچ ہوا تھا وہ دیدیا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ (روح المعانی)

مذکورہ آیات کا پس منظر:

اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اول اول تو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے رہے اور انہیں معاہدہ کی شرائط کے مطابق واپس کیا جاتا رہا، پھر مسلمان عورتوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، کفار نے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا، ام کلثوم کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ انہیں واپس لے جانے کے لئے آئے، اور آپ ﷺ سے اپنی بہن ام کلثوم کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو واپس نہیں کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ آیت اُمیمہ بنت بشر جو کہ بنی عمرو بن عون کی عورت تھی اور ابی حسان بن الدحداحہ کے نکاح میں تھی مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اس کے اہل خانہ نے واپسی کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے انکو رد فرما دیا، اس کے بعد سہیل بن صیف نے اس سے نکاح کر لیا عبد اللہ بن سہیل ان سے پیدا ہوئے۔ (روح المعانی)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت کے اسباب نزول متعدد ہیں بہر حال شان نزول کا واقعہ جو بھی ہو مگر آیت عہد نامہ صلح کی اس دفعہ کی وضاحت کے لئے نازل ہوئی جس کے الفاظ کے عموم کی رو سے ہر مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت واپس کرنا ضروری تھا، چنانچہ آیت نے وضاحت فرمادی کہ عہد نامہ کے الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر اس میں عورتیں داخل نہیں ہیں، مطلب یہ کہ عورتوں کو واپس نہ کرنا نقض عہد کا مسئلہ نہیں تھا؛ بلکہ عہد نامہ کی ایک دفعہ کی تشریح کا مسئلہ تھا، کفار مکہ اس دفعہ کی تشریح اس کے برخلاف کرتے تھے جو مسلمان کرتے تھے کہ عورتیں اس عموم میں داخل نہیں چنانچہ آیت شریفہ نے اس دفعہ کی یہی تشریح و وضاحت فرمائی، ہاں عورتوں کے معاملہ میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کر دیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهُنَّ جَرَّاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ، أَلَمْ يَعْلَمَنَّ بِإِيمَانِهِنَّ (الآية) عورتوں کی معاہدہ سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ، ان کا مسلمان ہونا ہے، مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں یہ احتمال تھا کہ وہ ایمان اور اسلام کی

خاطر نہ آئی ہوں؛ بلکہ کوئی اور غرض ہو مثلاً اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص کی محبت کے سبب آئی ہو یا کسی اور دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو، وہ عند اللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کا امتحان لو۔ (معارف)

”مہاجرات“ کے امتحان لینے کا طریقہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مہاجرات کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ مہاجرات سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت یا مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے یا کسی اور دنیوی غرض سے نہیں آئی ہیں، بلکہ ان کا آنا خالص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور رضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف اٹھا لیتیں تو رسول اللہ ﷺ اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدیتے، اور اس کا مہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے کافر شوہر کو واپس دے دیتے تھے۔ (قرطبی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیت میں تفصیل سے آیا ہے ”إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ“ (الآیۃ) گویا آنے والے مہاجر عورتوں کے امتحان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آتی ہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات، مہاجرات سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ابن منذر اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ اور ایک جماعت نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مہاجرات کے امتحان کی کیفیت اس طرح نقل کی ہے کہ جب کوئی مہاجر عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح حلف لیتے کہ واللہ! نہ تو میں گھومنے پھرنے کی غرض سے آئی ہوں اور نہ میں شوہر سے ناراضگی کی وجہ سے آئی ہوں اور نہ میں کسی دنیوی غرض سے آئی ہوں واللہ! میں تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آئی ہوں۔

(روح المعانی)

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مومن قرار دیدو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں اور نہ یہ عورتیں کافر مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر شوہر ان کے لئے حلال ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مُسْکَلٌ: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے۔

وَأَتَوْهُمْ مَا أَنْفَقُوا اس آیت میں مال کی واپسی کے سلسلے میں خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو، بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کو ان کے شوہروں نے دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہوگا اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہو تو وہاں سے، ورنہ عام مسلمان چندہ کر کے دیں۔ (قرطبی، معارف ملخصاً)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ گزشتہ آیت سے یہ معلوم ہو چکا کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، یہ آیت سابقہ آیت کا تکملہ ہے کہ اب مسلمان مرد اس سے نکاح کر سکتا ہے اگرچہ سابق کافر شوہر بھی زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح کا فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا، اس کے متعلق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں کے درمیان فرقت کی تکمیل ہو گئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلامی ہو دار الکفر یا دار الحرب میں یہ صورت ممکن نہیں ہے، البتہ اگر وہ عورت دار الکفر سے دارالاسلام میں آجائے تو اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا، دوسرا مسلمان مرد اگر چاہے تو مہر دے کر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، اس لئے کہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائے مہر پر موقوف نہیں ہے، البتہ مہر کی ادائیگی لازم اور واجب ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس شخص کو یہ خیال ہو کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے اب جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرما دیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا لہذا یہ دوسرا نکاح جدید مہر کے ساتھ ہوگا۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْتَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ (الآیۃ) عِصْمٌ، عَصْمَةُ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اسے فوراً طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جائے، طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، روایت کیا گیا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وجہ سے اپنی بیوی فاطمہ بنت ابوامیہ مخزومیہ کو طلاق دیدی اور معاویہ بن ابی سفیان نے اس سے نکاح کر لیا، اور دوسری بیوی کلثوم بنت جبرول الخزاعی کو بھی اسی وجہ سے طلاق دے دی۔ اسی طرح

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مشرکہ بیوی اروی بنت ربیعہ کو طلاق دے دی۔ (روح المعانی) البتہ اگر بیوی کتابیہ ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں؛ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے۔

اگر کسی کافر کی بیوی مسلمان ہو کر مسلمان کے پاس چلی گئی ہو، تو اس عورت کو تو واپس نہیں کیا جائے گا؛ البتہ کافر شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ مہر وغیرہ صرف کیا ہو امال مسلمانوں سے طلب کر لے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی گئی ہو، تو مسلمان شوہر بھی مہر وغیرہ میں خرچ کیا ہو امال کافروں سے طلب کر لیں، مسلمانوں نے اس حکم پر بطیب خاطر عمل کیا مگر کافروں نے عمل نہیں کیا۔

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَقَبْتُمْ (الآیۃ) اس معاملہ کی دو صورتیں تھیں: ایک صورت یہ تھی کہ جن کفار سے مسلمانوں کے معاہدہ تعلقات تھے ان سے مسلمانوں نے یہ معاملہ طے کرنا چاہا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے ہماری طرف آگئی ہیں ان کے مہر ہم واپس کر دیں گے، اور ہمارے آدمیوں کی جو کافر بیویاں ادھر رہ گئی ہیں ان کے مہر تم واپس کر دو، لیکن انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا، چنانچہ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ان عورتوں کا مہر ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے جو مشرکین کے پاس مکہ میں رہ گئی تھیں، مگر مشرکوں نے ان کے مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مہاجر عورتوں کے جو مہر تمہیں مشرکین کو واپس کرنے ہیں وہ ان کو بھیجنے کے بجائے مدینہ ہی میں جمع کر لئے جائیں اور جن لوگوں کو مشرکین سے اپنے دیئے ہوئے مہر واپس لینے ہیں ان میں سے ہر ایک کو اتنی رقم دے دی جائے جو اسے کفار سے ادا ہونی چاہئے تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو اس میں سے تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دارالکفر چلی گئی ہیں ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ (ایسر التفاسیر وابن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی تلافی کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (ایسر التفاسیر)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں؟

ایسا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا، حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔ (معارف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھی، باقی پانچ عورتیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ میں رک گئی تھیں اور پہلے ہی سے کافر تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجے میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں جن کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے ان کا حق ادا کیا، (قرطبی) اور

بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بروایت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی تھیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئیں۔ (مظہری)

عورتوں کی بیعت:

جب مکہ فتح ہوا تو قریش کے لوگ جوق در جوق حضور ﷺ سے بیعت کرنے کے لئے آنے لگے آپ ﷺ نے مردوں سے کوہ صفا پر خود بیعت لی، اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اپنی طرف سے مامور فرمایا کہ وہ عورتوں سے بیعت لیں اور ان باتوں کا اقرار کرائیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں (ابن جریر بروایت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) پھر مدینہ واپس لے جا کر آپ ﷺ نے ایک مکان میں انصار کی خواتین کو جمع کرنے کا حکم دیا، اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ (ابن جریر) ان مواقع کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں عورتیں فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرتی رہیں جن کا ذکر متعدد احادیث میں ہے۔

ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی ہند بنت عتبہ کی بیعت:

مکہ معظمہ میں جب عورتوں سے بیعت کی جا رہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیوی ہند بنت عتبہ نے اس حکم کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضور سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہیں؛ کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات کے لئے ان سے پوچھے بغیر ان کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر بس معروف حد تک یعنی بس اتنا مال لے لیا کرو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو۔

(احکام القرآن لابن العربی)

دواہم قانونی نکتے:

وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ یعنی وہ کسی (معروف) نیک کام میں آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گی، اس مختصر فقرے میں دواہم قانونی نکتے بیان کئے گئے ہیں،

پہلا نکتہ:

یہ کہ نبی ﷺ کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید لگائی گئی ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے بارے میں اس امر کے کسی ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی کہ آپ کبھی منکر کا حکم بھی دے سکتے ہیں، اس سے خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا میں کسی مخلوق کی اطاعت قانون خداوندی کی حدود سے باہر جا کر نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ جب خدا کے رسول ﷺ تک کی

اطاعت معروف کی شرط سے مشروط ہے تو پھر کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہو سکتا ہے کہ اسے غیر مشروط اطاعت کا حق پہنچے، اس قاعدہ کو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ، اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف معروف اور اچھی چیزوں میں ہے۔“

(مسلم، ابو داؤد، نسائی)

دوسرا اہم نکتہ:

دوسری بات جو قانونی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ ہے کہ اس آیت میں پانچ منفی احکام دینے کے بعد مثبت حکم صرف ایک ہی دیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ تمام نیک کاموں میں نبی ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جائے گی، جہاں تک برائیوں کا تعلق ہے، تو وہ بڑی بڑی برائیاں گناہی گنہیں جن میں زمانہ جاہلیت کی عورتیں مبتلا تھیں، اور ان سے باز رہنے کا عہد لے لیا گیا، مگر جہاں تک بھلائیوں کا تعلق تھا ان کی کوئی فہرست دے کر اس پر عہد نہیں لیا گیا کہ تم فلاں فلاں اعمال کرو گی؛ بلکہ صرف یہ عہد لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حضور ﷺ حکم فرمائیں گے اس کی پیروی تمہیں کرنی ہوگی، اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ نیک اعمال صرف وہی ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے تو عہد ان الفاظ میں لیا جانا چاہئے تھا کہ تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو گی، یا یہ کہ تم قرآن کے احکام کی نافرمانی نہ کرو گی، لیکن جب عہد ان الفاظ میں لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حکم رسول اللہ ﷺ دیں گے تم اس کی خلاف ورزی نہ کرو گی، تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے لئے حضور ﷺ کو وسیع ترین اختیارات دیئے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے تمام احکام واجب الاطاعت ہیں خواہ وہ قرآن میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

اسی آئینی اختیار کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے بیعت لیتے ہوئے ان بہت سی برائیوں کے چھوڑنے کا بھی عہد لیا جو اس وقت عرب معاشرہ میں عورتوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور متعدد ایسے احکام دیئے جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں، اس کے لئے حسب ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ سے روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لیا کہ وہ مرنے والوں پر نوحہ نہیں کریں گی، یہ روایات بخاری، مسلم، نسائی وغیرہ میں ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عورتوں سے بیعت لینے کے لئے مامور کیا اور حکم دیا کہ ان کو نوحہ کرنے سے منع کریں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں مرنے والوں پر نوحہ کرتے ہوئے کپڑے پھاڑتی تھیں، منہ نوچتی تھیں، بال کاٹتی تھیں اور سخت واویلا مچاتی تھیں۔ (ابن جریر)

زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مرنے

والوں پر نوحہ کرتے ہوئے منہ نوچیں، گریبان پھاڑیں۔ (ملخصاً ابن جریر)

قنادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حسن بصری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ جو عہد آپ ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں سے لئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ غیر محرم مردوں سے بات نہ کریں گی، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ غیر مردوں سے تخلیہ میں بات نہ کریں گی، حضرت قنادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مزید یہ وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم گھر پر نہیں ہوتے اور ہمارے یہاں کوئی صاحب ملنے آ جاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میری مراد یہ نہیں ہے، یعنی عورت کا کسی آنے والے سے اتنی بات کہہ دینا ممنوع نہیں ہے کہ صاحب خانہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ (یہ روایت ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے)۔

حضرت فاطمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خالہ امیمہ بنت رقیقہ سے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے یہ عہد لیا کہ نوحہ نہ کرنا اور جاہلیت کے بناؤ سنگھار کر کے اپنی نمائش نہ کرنا۔ (مسند احمد)

حضور ﷺ کی خالہ بنت قیس کہتی ہیں کہ میں انصار کی چند عورتوں کے ساتھ بیچہ کے لئے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے قرآن کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد لیا، پھر فرمایا ”وَلَا تَغْشَيْنَ اَزْوَاجَكُنَّ“ اپنے شوہروں سے دھوکے بازی نہ کرنا، جب ہم واپس ہونے لگیں تو ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ جا کر حضور ﷺ سے پوچھو، شوہروں سے دھوکے بازی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے جا کر پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”تَاخِذْ مَالَهُ فَتَحَابِي غَيْرَهُ“ یہ کہ تو شوہر کا مال لے اور دوسرے پر لٹا دے۔ (مسند احمد)

جو لوگ حضور ﷺ کے اس آئینی اختیار کو آپ ﷺ کی حیثیت رسالت کے بجائے حیثیت امارت سے متعلق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ چونکہ اپنے وقت کے حکمران بھی تھے اس لئے اپنی اس حیثیت میں آپ ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں وہ صرف آپ ﷺ کے زمانہ تک ہی واجب الطاعت تھے، وہ بڑی جہالت کی بات کرتے ہیں، اوپر کے سطور میں جو احکام نقل کئے گئے ہیں ان پر آپ ایک نظر ڈال لیجئے، ان میں عورتوں کی اصلاح کے لئے جو ہدایات آپ ﷺ نے دی ہیں وہ اگر محض حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے ہوتیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوری دنیا کے مسلم معاشرے کی عورتوں میں یہ اصلاحات کیسے رائج ہو سکتی تھیں؟ آخر دنیا کا وہ کونسا حاکم ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ ایک مرتبہ اس کی زبان سے ایک حکم صادر ہو اور روئے زمین پر جہاں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں وہاں کے مسلم معاشرے میں ہمیشہ کے لئے وہ اصلاحات رائج ہو جائیں، جس کا حکم اس نے دیا ہے؟

سُورَةُ الصَّفِّ نَبِيٌّ فِي رُبْعِ عَشْرَةِ آيَاتٍ وَفِيهَا اَرْكَوَعَانِ

سُورَةُ الصَّفِّ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ صف کی (یا) مدنی ہے، چودہ (۱۴) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اٰی نَزَّيْنَهُ فَاللّٰمُ مَرْيَدَةٌ
وَجِئْتُ بِمَا، ذُوْنٌ مِنْ تَغْلِيْبًا لِّاَكْثَرٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهِ الْحَكِيْمُ ① فِيْ صُنْعِهِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَمْ تَقُوْلُوْا فِيْ
طَلَبِ الْجِهَادِ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② اِذَا اَنْهَزْنٰهُمْ بِاَحَدٍ كَبُرَ عَظَمٌ مَّقْتًا تَمِيْزٌ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا فَاَعْبَلُ كَبُرَ
مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يَنْظُرُوْا يُكْرِمُ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًّا حَالٌ اٰی صَافِيْنَ
كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْسٌ ④ مُلَزَقٌ بَعْضُهُ اِلَى بَعْضٍ ثَابِتٌ وَاذْكُرْ لِّذٰقَالِ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ يَقُوْمُ لَمْ تُؤْذُوْنِيْ قَالُوْا
اِنَّهُ اِذْ رَاٰی مُنْتَفَخُ الْخُصِيَّةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ وَكَذَّبُوْهُ وَقَدْ لَبِثْتَ خَلِيْقٌ تَعْلَمُوْنَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلَيْكُمْ الْجُمْلَةُ
حَالٌ وَالرَّسُوْلُ يُحْتَرَمُ فَلَمَّا زَاغُوْا عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِاَيْدِيْهِ اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اَمَّا لَهَا عَنِ الْهُدٰى عَلَى وَفْقِ
مَا قَدَرَهُ فِي الْاَزَلِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ الْكَافِرِيْنَ فِيْ عِلْمِهِ وَاذْكُرْ لِّذٰقَالِ عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنٰی اِسْرَآءِيْلَ
لَمْ يَقُلْ يٰۤاَيُّهَا قَوْمٌ لَّا اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ قَبْلِيْ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا
بِرَسُوْلِيْ يٰۤاَيُّهَا مَنْ بَعْدِيْ اَسْمَةُ اَحْمَدُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَمَّا جَآءَهُمْ جَآءَ اَحْمَدُ الْكُفَّارَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْغَلَامَاتِ
قَالُوْا هٰذَا اٰی الْمَجْنٰى بِهِ سَحَرٌ وَفِيْ قِرَآءَةِ سَاحِرٍ اٰی الْجَانِّ بِهِ مُبَيِّنٌ ⑥ بَيِّنٌ وَمَنْ لَا اَحَدٌ اَظْلَمُ اَشَدُّ ظُلْمًا
مَنْ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَوَضَعَ اٰيَاتِهِ بِالسِّحْرِ وَهُوَ يَدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ الْكَافِرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا مَنَاصِبُوْبٌ بَانَ مُقَدَّرَةٌ وَاللّٰمُ مَرْيَدَةٌ نُّوْرُ اللّٰهِ شَرْعُهُ
وَبِرَاسِيَّتِهِ بِاَقْوَاهُمْ اِنَّهُ سَحَرٌ وَشِعْرٌ وَكِهَانَةٌ وَاللّٰهُ مُتِمُّ مُظْهَرُ نُوْرِهِ وَفِيْ قِرَآءَةِ بِالْاِضَافَةِ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ⑧ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَبِذِيْقَالِ لِيُظْهِرَهُ يَغْلِبُهُ عَلَى الَّذِيْنَ كُلِّهِ جَمِيْعُ الْاَذْيَانِ
الْمُخَالَفَةِ لَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨

تَرْجُمَہُ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمین و آسمان میں ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یعنی اس کی تزیہ کرتی ہے (للہ) میں لام زائدہ ہے اور مَنْ کے بجائے، مَا اکثر کو غلبہ دینے کے اعتبار سے لایا گیا ہے، وہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں حکیم ہے اے ایمان والو! طلب جہاد میں تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ جب کہ تم اُحد میں شکست کھا گئے اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسند ہے مَقْتًا تمیز ہے (اَنْ تَقُولُوْا) کُبْرَ کا فاعل ہے، کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے (یعنی) مدد اور اکرام کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں (صَفًّا) حال ہے بمعنی صَافِیْن گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی باہم پیوستہ ایک عمارت ہیں اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستارہ ہو؟ انہوں نے کہا کہ موسیٰ آدڑ ہے یعنی پھولے ہوئے خسیوں والا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی اور ان کی تکذیب کی حالانکہ تم کو (بخوبی) معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں قَدْ تحقیق کے لئے ہے جملہ حالیہ ہے اور رسول محترم ہوتا ہے چنانچہ جب وہ ان کو ایذا پہنچا کر جادہ حق سے ہٹ گئے تو اللہ نے ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر دیا اس کے مطابق بَازِل میں مقدر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو جو اس کے علم میں کافر ہے ہدایت نہیں دیتا اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل! (یہاں) یسا قوم نہیں فرمایا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی ان میں قربت داری نہیں تھی میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب احمد ان کافروں کے پاس کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ چیز جس کو یہ لیکر آئے ہیں کھلا جادو ہے اور ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی اس کے لانے والا جادوگر ہے اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا؟ جس نے اللہ کی طرف شرک کی اور ولد کی نسبت کر کے بہتان لگایا اور اس کی آیات کو سحر سے متصف کیا حالانکہ وہ اسلام کی جانب بلایا جاتا ہے اللہ ظالم کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو یعنی اس کی شریعت اور براہین کو اپنے منہوں باتوں سے بجھا دیں کہ یہ تو سحر ہے اور شعر ہے اور کہانت ہے، (لِیُطْفَؤْا) اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو ظاہر کرنے والا ہے اور ایک قراءت میں (مُتِمُّ نُورِہ) اضافت کے ساتھ ہے اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور دین حق دیکر بھیجا؛ تا کہ دیگر تمام مذاہب پر یعنی تمام مخالف دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔

تَحْقِیْقُ شُرَکِیِّہِ لِتَسْہِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: مَکِیَّةٌ اَوْ مَدَنِیَّةٌ عَکْرَمَہُ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی، قَادَہُ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور حَسَنَ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول کے مطابق مکی ہے، جمہور کے قول کے مطابق مدنی ہے۔

قَوْلًا: مَقْتًا تَمِيْزُ یعنی فاعل سے منقول ہو کر تمیز ہے، یعنی مَقْتًا اصل میں فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے کُبْرَتْ مَقْتٌ قَوْلُكُمْ، اَلْمَقْتُ: اشد البغض، ناپسندیدہ۔

قَوْلًا: مَرْصُوصٌ، رَصٌّ سے اسم مفعول، مضبوط، سیسہ پلائی ہوئی، رَصٌّ، دو چیزوں کو ملا کر جوڑنا، چمکانا، رَصَّاصٌ، رانگ، سیسہ۔

قَوْلًا: يَنْصُرُ وَيُكْرِمُ یہ يُحِبُّ کے لازم معنی کا بیان ہے، مقصد اس تفسیر سے ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔
اعتراض: مَحَبَّة کے معنی میلانِ قلب کے ہیں یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں اس لئے کہ میلانِ قلب کے لئے قلب لازم ہے اور قلب کے لئے جسم لازم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ اور پاک ہیں۔
جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مَحَبَّة کے لازم معنی مراد ہیں یعنی میلانِ قلب اور رقتِ قلب کے لئے نصرت اور اکرام لازم ہے جو یہاں مراد ہے، لہذا یہاں لازم معنی مراد ہیں۔

قَوْلًا: صَفًّا یہ يَقَاتِلُونَ کی ضمیر سے حال ہے، صَافِينَ کا مفعول، اَنْفُسُهُمْ محذوف ہے، ای صَافِينَ اَنْفُسُهُمْ۔
قَوْلًا: لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ قرابت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرابت اور نسب کا تعلق اَب (والد) سے ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اَب نہیں تھا۔

قَوْلًا: مُصَدِّقًا یہ رسولؐ بمعنی مرسل کی ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح مبشرؐ بھی۔
قَوْلًا: يَاتِي مِنْ بَعْدِي جملہ ہو کر رسول کی صفت ہے۔

قَوْلًا: اَلْمَجِيءُ یہ جاء سے اسم مفعول ہے مَجِيءٌ دراصل مَجِيُوْءٌ تھا بروزن مَضْرُوْبُ یاء کا ضمہ جیم کو دے دیا، دوساکن یاء اور واؤ جمع ہوئے، واؤ کو حذف کر دیا اور جیم کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دے دیا، مَجِيءٌ ہو گیا۔

قَوْلًا: لَا اَحَدٌ اس سے اشارہ ہے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِنْ مَنْ اسْتَفْهَامِ انکاری بمعنی نفی ہے۔
قَوْلًا: وَوَصَفِ آيَاتِهِ وصف کا عطف نِسْبَةِ الشُّرُكِ پر ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قَوْلًا: وَهُوَ يُدْعَى اِلَى الْاِسْلَامِ جملہ حالیہ ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحِ

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن مخاطب وہ مومنین ہیں جو کہہ رہے تھے کہ اگر ہمیں احب الاعمال کا علم ہو جائے تو انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض احب الاعمال بتلائے گئے تو سست ہو گئے، اس لئے اس آیت میں ان کو توبیخ کی گئی ہے، ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی

ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت نے آپس میں ایک روز یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں؟ بغوی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اس کے لئے قربان کر دیں۔ (مظہری)

ابن کثیر نے مسند احمد کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ چند حضرات نے جمع ہو کر مذاکرہ کیا اور چاہا کہ کوئی صاحب جا کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی، ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہو گئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوری سورہ صف پڑھ کر سنائی جو اس وقت آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اس سورت میں یہی بتایا گیا ہے کہ احب الاعمال کہ جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں ایسی ایسی جانبازی دکھائیں وغیرہ وغیرہ، جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی مومن کے لئے ایسے دعوے کرنا درست نہیں اسے کیا معلوم ہے کہ وقت پر وہ اپنے ارادہ کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ یہ سابقہ آیت کی مزید تاکید ہے۔

مَسْئَلَتُہَا: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ کا مصداق یہی ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو؛ بلکہ کرنے کا ارادہ ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

وَ اذْکُرْ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِہٖ یَقُومِ لِمْ تُوْذُوْنِیْ یہ جانتے ہوئے بھی کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ اللہ کے سچے نبی ہیں پھر بھی بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی عیوب بھی ان کی طرف منسوب کرتے تھے حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی، بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو عظیم الخصیتین کی بیماری ہے جس کو عربی میں اُذْرَة کہتے ہیں حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ چونکہ بہت باحیا تھے اس لئے وہ اپنا ستر کھلنے نہیں دیتے تھے اور نہ دیگر بنی اسرائیل کے مانند ننگے غسل کرتے تھے اسی وجہ سے بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ آدر ہیں، واقعہ کی تفصیل سورہ احزاب میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَلَمَّا زَاغُوا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبُہُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ جو لوگ خود ٹیڑھی راہ چلنا چاہیں انہیں وہ خواہ مخواہ سیدھی راہ چلائے اور جو لوگ اس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں ان کو زبردستی ہدایت سے سرفراز فرمائے، اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ کسی شخص یا قوم کی گمراہی کا آغاز اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا؛ بلکہ خود اس شخص یا قوم کی طرف سے ہوتا ہے، البتہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہی کو پسند کرے وہ اس کے لئے راست روی کے نہیں بلکہ گمراہی کے اسباب ہی

فراہم کرتا ہے، تاکہ جن راہوں میں وہ بھٹکنا چاہے بھٹکتا چلا جائے اللہ تعالیٰ نے تو اسے انتخاب کی آزادی عطا فرمادی ہے اس انتخاب میں کوئی جبر اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَا قَصْدِ اس لَی بَیَان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ ﷺ ہی کے ساتھ ایسا نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں یہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے؛ اس لئے جس طرح تم موسیٰ و ہارون، داؤد و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لئے کہ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری سنائی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا اَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى (ایسر التفاسیر) میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں، عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کا صاف صاف نام لے کر خوشخبری دی ہے، آپ ﷺ کے دو مشہور نام ہیں احمد اور محمد یہاں احمد نام لیا گیا ہے، احمد اگر یہ فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد بیان کرنے والا، اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے آپ ﷺ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ ﷺ کی گئی اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدیر) آپ ﷺ کے اسماء گرامی میں احمد بھی صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں مشہور و معروف تھا، آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد اور والدہ نے احمد رکھا تھا، ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا أَحْمَدُ وَالْحَاشِرُ“۔

”محمد“ نام رکھنے کی وجہ:

ولادت کے ساتویں دن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد ﷺ آپ کا نام تجویز کیا، قریش نے کہا اے ابوالحارث! (ابوالحارث عبدالمطلب کی کنیت ہے) آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا؟ جو آپ کے آبا و اجداد اور آپ کی قوم میں اب تک کسی نے نہیں رکھا؟ عبدالمطلب نے کہا میں نے یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق دنیا میں اس مولود کی حمد و ثنا کرے، اور آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کا نام احمد رکھا۔

(سیرۃ المصطفیٰ ملخصاً)

آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا، جو اس نام کے رکھنے کا

باعث ہوا، وہ یوں ہے کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں ہے اور دوسری جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور دوسری جانب مغرب میں، کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتے پر ایسا نور ہے کہ جو آسمان کے نور سے ستر درجہ زائد ہے مشرق و مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں، قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں، اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کو کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں، یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان ان کو آ کر ہٹا دیتا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر:

مُتَّبِعِينَ نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لیکر مغرب تک، لوگ اس کی اتباع کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی حمد و ثنا کریں گے، اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا اور آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کو رویائے صالحہ کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ تم برگزیدہ خلائق سید الامم سے حاملہ ہو اس کا نام محمد رکھنا اور ایک روایت میں ہے احمد رکھنا، حضرت بریدہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اور ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمَا کی روایت میں یہ ہے کہ محمد اور احمد نام رکھنا۔ (خصائص الکبریٰ، سیرۃ المصطفیٰ)

انجیل میں محمد کے بجائے احمد نام سے بشارت کی مصلحت:

مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے آنے والے رسول کا نام احمد بتایا ہے، آپ ﷺ کا نام بھی احمد تھا اور محمد بھی اور دیگر نام بھی، مگر انجیل میں احمد کے نام سے بشارت دی گئی ہے اور یہ دونوں ہی نام ایسے تھے کہ اس سے پہلے کسی کے نہیں رکھے گئے، حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے عرب اور عجم کے دلوں اور زبانوں پر ایسی مہر لگائی کہ کسی کو محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال ہی نہ آیا، اسی وجہ سے قریش نے متعجب ہو کر عبدالمطلب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ نیا نام کیوں تجویز کیا؟ جو آپ کی قوم میں کسی نے نہیں رکھا، لیکن ولادت سے کچھ عرصہ پہلے لوگوں نے جب علماء بنی اسرائیل کی زبانی یہ سنا کہ عنقریب محمد اور احمد نام سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے تو چند لوگوں نے اسی امید پر اپنی اولاد کا نام محمد رکھا مگر خدا کی مشیت کہ ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

انجیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت:

انجیل برناباس جس کے متعلق ہم مضمون کے آخر میں تفصیلی گفتگو کریں گے، اس کے باب ۷۱ میں آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی ہے، ہم ان میں سے چار بشارتیں نقل کرتے ہیں۔

پہلی بشارت:

تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کبی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔

فریسیوں اور لاویوں نے کہا اگر نہ تو مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ کوئی اور نبی، تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے؟ اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا، جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ درحقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا، جس کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو خدا کے اس رسول کے موزے کے بند، یا اس کے جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لیکر آئے گا؛ تاکہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔ (باب ۴۲)

دوسری بشارت:

بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے، اسی وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا اور کہیں نہیں پھیلیں جن کے لئے وہ بھیجے گئے تھے، مگر خدا کا رسول جب آئے گا خدا کو یا اس کو اپنے ہاتھ ہی مہر دے دیگا، یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچا دے گا، وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا، اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا، اس کے آگے ایک طویل مکالمہ میں شاگردوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ (باب ۴۳)

میرے جانے سے تمہارا دل پریشان نہ ہو، نہ تم خوف کرو، کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ خدا ہمارا خالق ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہی تمہاری حفاظت کرے گا، رہا میں! تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا، اندریاس نے کہا، استاذ ہمیں اس کی نشانی بتا دے، تاکہ ہم اسے پہچان لیں، یسوع نے جواب دیا، وہ تمہارے زمانہ میں نہیں آئے گا، بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جب کہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی آدمی مومن باقی رہ جائے گا، اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا، اور اپنے رسول کو بھیجے گا، جس کے سر پر بادل کا سایہ ہوگا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا، اور اس کی تقدیس ہوگی، اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے، وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔ (باب ۷۲)

تیسری بشارت:

خدا کا عہد یروشلم میں معہد سلیمان کے اندر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور، مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا، پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہو سکے گی، اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز قبول فرمائے گا، میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مگر میرے بعد مسیح آئے گا خدا کا بھیجا ہوا تمام دنیا کی طرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی اور اس کی رحمت نازل ہوگی۔

(باب ۸۳)

چوتھی بشارت:

(یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا دنیا کی تمام قومیں انتظار کر رہی ہیں، جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی، (پیدائش ۲۲: ۱۸) مگر خدا جب مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ نا پرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں، اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ بمشکل ۳۰ موجب ایمان باقی رہ جائیں گے، اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا، جس کے لئے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا، اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے، وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔

(باب ۹۶)

سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا، اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے، مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جس کا مجھے بڑا غم ہے، کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔

(باب ۹۷)

سردار کاہن نے پوچھا وہ نبی کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا، اس مسیح کا نام قابل تعریف ہے کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا، خدا نے کہا، اے محمد! انتظار کر، کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا، اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا، اور اس کو تجھے تحفے کے طور پر دوں گا، یہاں تک کہ جو تیری تعریف کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی، جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبر نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا، تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان مل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ملے گا، سو اس کا مبارک نام محمد ہے۔

(باب ۹۷)

برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک (جو بعد میں یہوداہ اسکر یوتی نکلا) مجھے ۳۰ سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ دے گا، پھر فرمایا:

اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھالے گا، اور اس عداوت کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں، مگر جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی، مگر جب محمد ﷺ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کر دی جائے گی، اور خدا یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے، وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا تا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (باب ۱۱۳)

حواری برناباس کا تعارف:

انجیل برنابا (یا) برناباس، کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برناباس کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ برناباس کون ہے؟ اور حواریوں میں اس کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک جلیل القدر حواری ہیں، انجیل برناباس ان ہی کی طرف منسوب ہے، دوسرے حواریوں کی طرح انہوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات اور آپ کے اشادات کو جمع کیا تھا، لیکن یہ انجیل عرصہ دراز سے غائب تھی، گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا، برناباس حواری کے تعارف کے سلسلہ میں ایک جملہ پولوس کے شاگرد لوقا کی کتاب الاعمال میں ملتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اور یوسف نام کا ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لاکر (حواریوں) رسولوں کے پاؤں پر رکھ دی۔

(اعمال ۴: ۳۶، ۳۷ بحوالہ ہابل سے قرآن نک، حاشیہ، ص: ۳۶۱)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل تھے، اسی وجہ سے حواریوں نے ان کا نام نصیحت کا بیٹا رکھ دیا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیوی پونجی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کر دی تھی۔

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام حواریوں سے پولس کا تعارف کرایا تھا، حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ ساؤل (پولس) جو کل تک ہم لوگوں کو ستاتا اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے آج اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہو سکتا ہے، لیکن یہ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقع تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، چنانچہ لوقا، پولس کے بارے میں لکھتا ہے۔

اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں (حواریوں) میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین

نہیں آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ خدا کو دیکھا اور اس نے اُس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی۔

(اعمال ۹: ۲۶، ۲۷ بحوالہ مذکور)

اس کے بعد کتاب الاعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں۔ (اعمال ۱۵: ۲۶)

کتاب الاعمال کے پندرھویں باب تک برناباس اور پولس ہر معاملہ میں شیرو شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ ساتھ رہنے اور تبلیغ و دعوت میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر سخت اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے روادار نہیں تھے، یہ واقعہ کتاب الاعمال کے بیان کے مطابق کچھ اس قدر ناگہانی اور ڈرامائی انداز سے پیش آیا کہ قاری پہلے سے اس کا مطلق اندازہ نہیں لگا سکتا لوقا لکھتے ہیں۔

ایک روز پولس نے برناباس سے کہا جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں، اور برناباس کا مشورہ تھا کہ یوحنا (جو مرقس کہلاتا ہے) کو بھی لے چلیں، اس میں دونوں میں ایسی تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ (کتاب الاعمال: ۱۵، ۳۵ تا ۴۱، بحوالہ مذکورہ)

کیا اتنا شدید اختلاف صرف اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا (مرقس) کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ یہی تھیس کے نام دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے: مرقس کو ساتھ لے کر آ جا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس سے پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا اس لئے اس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن پورے عہد نامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برناباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات استوار ہو گئے، اگر جھگڑے کی وجہ مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برناباس اور پولس کے تعلقات کیوں استوار نہیں ہوئے؟

جب ہم خود پولس کے خطوط میں برناباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ برناباس سے اس کی ناراضی کا سبب یوحنا (مرقس) تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے۔

لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کش ہو گیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برناباس بھی ان کے

ساتھ ریا کاری میں پڑ گیا۔ (گلتیوں ۲: تا ۱۳، حاشیہ ہائیل سے قرآن تک، ص: ۳۶۵ ملخصاً)

اس خط میں پولس دراصل اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ بعد یروشلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے اور انہوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں یہودی مسیحی اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تمام رسموں پر عمل کرنا ضروری ہے اسی لئے انہیں مختون بھی کہا جاتا ہے اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ ضروری نہیں، اس لئے انہیں نا مختون کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ یہودی مسیحیوں میں چھوت چھات کی رسم بھی جاری تھی، اور وہ غیر قوموں کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملہ میں سو فیصد غیر قوموں کا حامی تھا، اور ختنہ اور دوسری شریعت کی رسوم کی منسوخی اس کے انقلاب انگیز نظریات میں سے ایک نظریہ ہے، جسے ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے خطوط میں جا بجا مختلف دلائل پیش کئے ہیں، (جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے)۔

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے جناب پطرس اور برناباس پر اسی لئے ملامت کی کہ انہوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں (یعنی یہودی مسیحیوں) کا ساتھ دیا اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور دوسری شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

پطرس اسی اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہذا وہ بہت جلد ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں یہاں تک کہ برناباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نئے مریدوں کی دلشکنی ہوتی ہے، جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کو برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا کرنے سے اسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔ (حاشیہ ہائیل سے قرآن تک ص: ۳۶۶)

واضح رہے کہ یہ واقعہ برناباس اور پولس رسول کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلم میں حواریوں کے اجتماع کے بعد ہوئی تھی، اور یروشلم کے اجتماع اور برناباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب الاعمال کے باب ۱۵ میں بیان کئے ہیں۔

اس لئے یہ بات انتہائی قرین قیاس ہے کہ پولس اور برناباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا (مرقس) کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے نئے مریدوں کے لئے ختنہ اور دوسری شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور اس نے چار چیزوں کے سوا ہر گوشت حلال کر دیا تھا، اور برناباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھا جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ (مثلاً) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے: ”اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان

ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند زینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا، اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تمہارے یہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اسے کسی پردیسی سے خریدا ہو، جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جائے، اور میرا عہد تمہارے جسم پر ابدی عہد ہوگا اور وہ فرزند زینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔“ (پیدائش ۱۷: ۱ تا ۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

”اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔“ (احیاء ۱۲: ۳ بحوالہ مذکور)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ختنہ کی گئی تھی، چنانچہ انجیل لوقا میں ہے ”اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اور ان کی ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا۔“ (لوقا ۲: ۲۱)

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ لہذا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ برناباس جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے براہ راست ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، پولس سے اس بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ دراز تک اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہو رہا تھا، شروع میں برناباس نے پولس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے مخلص عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مرید بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے، اور اسی بنا پر گلیٹیوں کے نام خط میں برناباس کو ملامت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے:

”مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح ریاکاری کی، یہاں تک کہ برناباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔“ (گلیٹیوں ۲: ۱۳)

اس بات کو پادری جے پیٹرن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برناباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس (یوحنا) نہ تھا بلکہ اس کے پس پشت یہ نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”برناباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا اور یوں وہ دقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔“

(حیات و خطوط، پولس ۸۹، ۹۰)

انجیل برناباس کا تعارف:

مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انجیل برناباس پر آجائے ہمیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے: اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اور آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے

آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا، جو تقوے کا دعویٰ کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے تاکہ تم نجات پاؤ اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، اور تم اللہ کے حق میں ہلاک نہ ہو جاؤ، اور اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس: ۲ تا ۹)

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر جدا ہونے کے بعد برناباس نے جو عرصہ دراز تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے، حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک سوانح لکھی ہو اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کر کے صحیح عقائد و نظریات بیان کئے ہوں؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خود بائبل میں برناباس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے اس میں پولس کے ساتھ ان کے جن اختلافات کا ذکر ہے ان کے پیش نظر یہ بات چنداں بعید نہیں ہے کہ برناباس نے ایک ایسی انجیل لکھی ہو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو اور وہ مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف ہو، اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو انجیل برناباس کو برناباس کی تصنیف سمجھنے کے راستہ سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی، اس لئے کہ عام لوگوں، بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا شبہ اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے پہنچی ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کی بہت سی باتیں اناجیل اور بعد اور مروجہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ واقعی برناباس کی تصنیف ہے۔

لیکن اوپر جو گذارشات ہم نے پیش کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر برناباس کی کسی تصنیف میں پولس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عقیدہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو تو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ پولس کے نظریات کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ پولس اور برناباس میں کچھ نظریاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

اس بنیادی نکتے کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ انجیل برناباس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصور ذہن سے دور ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ذہن میں آ ہی جاتا ہے، اس کے بعد آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی برناباس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دورانیہ نہیں ہیں کہ برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی، عیسائیوں کے قدیم مآخذ میں برناباس کی انجیل کا تذکرہ ملتا ہے اظہار الحق میں (ص: ۲۳۴، ج: ۱) پر اکیہو مو کے حوالہ سے جن گم شدہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برناباس کا نام بھی موجود ہے امریکانا، (ص: ۲۶۲، ج: ۳) کے مقالہ برناباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے، چونکہ انجیل برناباس دوسری انجیلوں کی طرح رواج نہیں پاسکی، اس لئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے، لیکن کلیسا کی تاریخ میں یہیں ایک

واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برناباس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد و نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے بہت پہلے ایک پوپ جیلا شمس اول کے نام سے گزرا ہے اس نے اپنے دور میں ایک فرمان جاری کیا تھا جو فرمان ”جیلا شمس“ کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برناباس بھی ہے۔

(دیکھئے انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲، ج ۳، مقالہ برناباس، اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)

انجیل برناباس کی مخالفت کی اصل وجہ:

عیسائی جس وجہ سے انجیل برناباس کے مخالف ہیں وہ دراصل یہ نہیں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق جگہ جگہ صاف اور واضح بشارتیں ہیں، کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے اس انجیل کو رد کر چکے تھے، ان کی ناراضگی کی اصل وجہ کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیلی بحث درکار ہے۔

حضرت عیسیٰ کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے، دوسری شریعت کا اتباع کرتے تھے، عقائد اور احکام اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے، اور وہ ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے، بعد میں جب سینٹ پال (پولس) اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد و اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا تھا اس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ ان کے زمانہ میں وہ ان کا سخت مخالف تھا، اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیروؤں کا دشمن رہا، پھر جب اس جماعت نے ان سے ایک نیا دین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول کی سند پیش نہیں کی بلکہ اپنے کشف و الہام کو بنیاد بنایا اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی دنیا قبول کرے، اس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی شریعت یہودی تمام پابندیوں سے آزاد ہے اس نے کھانے پینے میں حرام و حلال کی تمام قیود ختم کر دیں، اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور سے ناگوار تھا حتیٰ کہ اس نے مسیح کی الوہیت اور اس کے ابن خدا ہونے کا اور صلیب پر جان دیکر اولاد آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا، مسیح کے ابتدائی پیروؤں نے اس کی مزاحمت کی مگر سینٹ پال (پولس) نے جو جو دروازہ کھولا تھا اس سے یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو مسیح کی الوہیت کے عقیدے

سے انکار کرتے تھے، مگر چوتھی صدی کے آغاز ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کونسل نے پولسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلم مذہب قرار دیدیا، پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہو گئی اور قیصر تھیوڈور شیس کے زمانہ میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا، اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں، مردود قرار دیدی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں، ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اٹھانا سیوس (Athanasius) کے ایک خط کے ذریعہ معتبر و مسلم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا پھر اس کی توثیق ۳۸۶ء میں پوپ ڈیمیسیس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی، اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس (Galasius) نے اس مجموعہ کو مسلم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کر دی جو غیر مسلم تھیں، حالانکہ جن پولسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا ان کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا، انجیل برناباس ان غیر مسلم کتابوں میں اس لئے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اس سرکاری عقیدہ کے بالکل خلاف تھی۔

آپ ﷺ کی آمد کا ثبوت اہل کتاب سے:

اس بشارت کا عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہونا خود اہل کتاب کے بیان سے حدیثوں میں ثابت ہے؛ چنانچہ خازن میں بروایت ابو داؤد، نجاشی بادشاہ حبشہ کا جو کہ نصاریٰ کے عالم بھی تھے یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ ﷺ ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اور خازن ہی میں ترمذی سے عبد اللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہود میں سے تھے، آیا ہے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام تورات کے مبلغ تھے اس لئے تورات میں اس بشارت کا ہونا عیسیٰ علیہ السلام ہی سے منقول کہا جائے گا، اور مولانا رحمت اللہ رحمہ اللہ نے اظہار الحق میں خود تورات کے موجود نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں (جلد دوم صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ) اور ان مضامین کا انجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضرب نہیں کہ حسب تحقیق علماء محققین، اناجیل کے نسخ محفوظ نہیں رہے مگر پھر بھی جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے چنانچہ یوحنا کی انجیل ترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں باب میں ہے کہ ”تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے، پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا“، فارقلیط احمد کا ترجمہ ہے، اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا ترجمہ کر دیتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو بیرکلوٹوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد، یعنی بہت سراہا گیا بہت حمد کرنے والا، پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا گیا تو فارقلیط کر دیا۔

فَلَمَّا جَاءَ هُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مذکورہ تمام مضامین اور معجزات

پیش فرما کر اپنی ثبوت کا اثبات فرمایا، تو وہ لوگ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے بعض نے اس سے نبی ﷺ مراد لئے ہیں اور قالوا کا قائل کفار مکہ کو بنایا ہے لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ نوری نور سے مراد قرآن یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں منہ سے بجانے کا مطلب وہ طعن و تشنیع اور وہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کی باتیں ہیں جو وہ کہا کرتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ ۖ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ ۖ مَنْ عَذَابِ الْعِمْ ۖ مُؤْلِمٌ فَكَانَهُمْ قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ تَوْمُنُونَ تَدُومُونَ عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ أَنَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ فافْعَلُوهُ يَغْفِرْ جَوَابُ شَرْطِ مُقَدَّرِ أَيْ إِنْ تَفْعَلُوهُ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۖ إِنَّهَا الْفُوزُ الْعَظِيمُ ۖ وَيُؤْتِيكُمْ نِعْمَةً وَآخِرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ بِالنَّصْرِ وَالْفَتْحِ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ وَلِدِينِهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِضَافَةِ كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّونَ كَذَلِكَ الدَّالُّ عَلَيْهِ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ أَيْ مَنِ الْأَنْصَارِ الَّذِينَ يَكُونُونَ مَعِيَ مُتَوَجِّهًا إِلَى نُصْرَةِ اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ وَالْحَوَارِيُّونَ أَصْفِيَاءُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبِهِمْ أَوَّلُ مَنْ أَسَنَ بِهِ وَكَانُوا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِّنَ الْحَوَارِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيلَ كَانُوا قَصَّارِينَ يَحُورُونَ الثِّيَابَ يُبَيِّضُونَهَا فَأَمَنْتَ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِعِيسَى وَقَالُوا إِنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ لِّقَوْلِهِمْ إِنَّهُ ابْنُ اللَّهِ رَفَعَهُ إِلَيْهِ فَاقْتَلَتِ الطَّائِفَتَانِ فَأَيَّدْنَا قَوِيًّا الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ عَلَىٰ عَدُوِّهِمُ الطَّائِفَةِ الْكَافِرَةِ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۖ غَالِبِينَ ۖ

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتاؤں کہ جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟ (تنجیکم) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، گویا کہ انہوں نے کہا ہاں، تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو اور اپنی جان سے اور اپنے مالوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ بہتر ہے تو اس کام کو کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن (قابل رہائش) جنت میں ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے اور تم کو ایک دوسری نعمت بھی عطا کرے گا جس کو تم پسند کرتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے (آپ ﷺ) مومنین کو فتح و نصرت کی خوشخبری سنائیے! اے ایمان والو! اللہ کے یعنی اس کے دین کے مددگار بن جاؤ اور ایک قراءت میں (انصار اللہ) اضافت کے ساتھ ہے جیسا کہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے حواری انصار اللہ ہوئے، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول دلالت کرتا ہے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو؟ یعنی ان مددگاروں میں سے جو میرے ساتھ اللہ کی

نصرت کی جانب متوجہ ہوں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، اور حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب کردہ تھے، یہ وہ لوگ تھے جو شروع ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، اور وہ بارہ اشخاص تھے، یہ حُور سے مشتق ہے، حُور خالص سفیدی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھوتے یعنی سفید کیا کرتے تھے، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی اور انہوں نے کہا وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کے بندے ہیں جن کو آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا اور ایک جماعت نے کفر کیا ان کے اس قول کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں ان کو آسمانوں پر اٹھایا گیا دونوں جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ہم نے ان لوگوں کی، یعنی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی جو دونوں فریقوں میں سے ایمان لائے، یعنی کافر جماعت پر، پس وہ غالب آگئے یعنی فتح یاب ہو گئے۔

تَحْقِيقُ شَرْكِيَّةِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلًا: هَلْ أَدْلُكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيَمِّ استنبہام بمعنی خبر ہے خبر کو لفظ استنبہام سے ذکر کرنے کا مقصد تشویق و ترغیب ہے، اس لئے کہ استنبہام اوقع فی النفس ہوتا ہے، جہاد کو تجارت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ" (الآیۃ) یعنی مجاہد کی جان و مال جس کو وہ راہِ خدا میں صرف کرتا ہے اس خرچ کرنے کو اشترا سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ تجارت میں ہوتا ہے۔

قَوْلًا: تُوْمِنُونَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای ہی تُوْمِنُونَ یا جملہ متانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کے جواب میں واقع ہے، ای مَا هِيَ التِّجَارَةُ؟ اس کا جواب دیا گیا هِيَ تُوْمِنُونَ الخ۔
قَوْلًا: ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ الْخ، ذَالِكُمْ مبتداء خیر خبر۔

قَوْلًا: أَنَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ سے اشارہ کر دیا کہ تَعْلَمُونَ کا مفعول محذوف ہے اور فَا فَعَلُوا سے اشارہ کر دیا کہ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کا جواب شرط محذوف ہے۔

قَوْلًا: يَغْفِرْ لَكُمْ یہ شرط محذوف کا جواب ہے ای إِنْ تَفْعَلُوا۔

قَوْلًا: يَغْفِرْ لَكُمْ یہ شرط مقدر کا جواب ہے ای إِنْ تَفْعَلُوا، يَغْفِرْ لَكُمْ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس امر کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو جو تُوْمِنُونَ سے مفہوم ہے اس لئے کہ تُوْمِنُونَ، آمَنُوا کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً مفسر علام نے یُوْتِكُمْ عامل کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اُخْرٰی موصوف محذوف کی صفت ہے اور موصوف صفت سے مل کر یُوْتِكُمْ مقدر کا مفعول ہے اور اس عامل مقدر کا عطف مذکور یعنی يُدْخِلُكُمْ پر ہے۔

قَوْلًا: تُحِبُّونَهَا، اُخْرٰی کی صفت ہے۔

قَوْلًا: نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ الْخ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای تِلْكَ النِّعْمَةُ الْاُخْرٰی نصر من اللہ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ (الآية) قرطبی میں ہے کہ مقاتل نے فرمایا یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت عثمان بن مظعون رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے ایک روز آپ ﷺ سے عرض کیا، اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں (اپنی بیوی) خولہ کو طلاق دیدوں؟ اور ترک دنیا اختیار کر لوں، اور خُصّی ہو جاؤں، اور گوشت کو حرام کر لوں (یعنی ترک کر دوں) اور رات کو کبھی نہ سوؤں، اور ہمیشہ دن میں روزہ رکھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ نکاح میری سنت ہے اور اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) نہیں ہے میری امت کی رہبانیت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے، اور میری امت کا خُصّی ہونا روزہ رکھنا ہے اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ کرو، اور میرا طریقہ یہ ہے کہ میں سوتا بھی ہوں اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں جو میری سنت سے صرف نظر کرے وہ میرا نہیں ہے، پھر حضرت عثمان بن مظعون رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک کونسی تجارت پسندیدہ ہے، تاکہ میں وہ تجارت کروں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ نے یہ تذکرہ کیا کہ کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ہے تو ہم وہ عمل کرتے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں ایمان اور مجاہدہ بالمال والنفس کو تجارت فرمایا ہے کیونکہ جس طرح تجارت میں کچھ مال خرچ کرنے اور محنت کرنے کے صلہ میں منافع حاصل ہوتے ہیں ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ کی رضا اور آخرت کی دائمی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے کہ جس نے یہ تجارت اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور جنت میں اس کو پاکیزہ بہترین مساکن و مکانات عطا فرمائے گا جن میں ہر طرح کے آرام و عیش کے سامان ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں ”مساکن طیبہ“ کی تفسیر میں اس کا بیان آیا ہے، آگے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کچھ دنیا کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرماتے ہیں۔ (معارف)

وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ (الآية) لفظ أُخْرَى، نعمۃ کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب، یعنی دشمنوں کے ممالک کا فتح ہونا، ”نعمت اخروی“ سے مراد یا تو آخرت کی نعمتیں ہیں ان کو دنیا کے اعتبار سے قریب کہا گیا ہے یا پھر اس سے مراد خیبر اور مکہ کی فتح ہے اور یہ تو ظاہر ہے قریبی فتح کو محبوب اور پسندیدہ اس لئے کہا گیا کہ انسان فطری طور پر نقد فائدہ کا دلدادہ اور متمنی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کو محبوب سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا ”خُلِقَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا“ دنیا میں فتح و کامرانی بھی اگرچہ اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے لیکن مومن کے لئے اصل اہمیت کی چیز یہ نہیں ہے

بلکہ آخرت کی کامیابی ہے اسی لئے جو نتیجہ دنیا کی اس زندگی میں حاصل ہونے والا ہے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے اور جو نتیجہ آخرت میں رونما ہونے والا ہے اس کے ذکر کو مقدم رکھا گیا۔

كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ الْآيَةُ حَوَارِيٍّ، حواری کی جمع ہے جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب سے پاک و صاف ہو، اسی لئے ان لوگوں کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے حواری کہا گیا، ان کی تعداد بارہ تھی، اس آیت میں زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دشمن سے تنگ آ گئے تو آپ نے لوگوں سے کہا، مَنْ اَنْصَارِي اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوگا؟ بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

فَائِدَةٌ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے بائبل میں عموماً لفظ ”شاگرد“ استعمال کیا گیا ہے، لیکن بعد میں ان کے لئے ”رسول“ کی اصطلاح عیسائیوں میں رائج ہو گئی، اس معنی میں نہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے بلکہ اس معنی میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو اپنی طرف سے مبلغ بنا کر بھیجا کرتے تھے، یہ لفظ یہودیوں کے یہاں ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا کہ جو ہیکل کے لئے چندہ جمع کرتے تھے، اس کے مقابلہ میں قرآن کی اصطلاح، حواری، مذکورہ دونوں اصطلاحوں سے بہتر ہے اس لفظ کی اصل ”حَوْرٌ“ ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں، دھوبی کو حواری اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کپڑے کو دھو کر سفید کرتا ہے، خالص اور بے آمیز چیز کو بھی حواری کہا جاتا ہے اسی لئے مخلص دوست کو حواری کہتے ہیں۔

عیسائیوں کے تین فرقے:

فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ بَعْوَى رَحْمَتِ اللَّهِ تَعَالَىٰ فِي هَٰذِهِ الْآيَاتِ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے کہا وہ خود خدا تھے، آسمان پر چلے گئے، دوسرے فرقے نے کہا وہ خدا نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اٹھالیا، اور دشمنوں پر فوقیت دیدی، اور تیسرے فرقے نے وہ بات کہی جو حق اور صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے حفاظت اور رفعت درجہ کے لئے آسمانوں پر اٹھالیا، یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے جس کی وجہ سے نزاع بڑھتے بڑھتے قتال تک کی نوبت آ گئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومن فرقے پر غالب آ گئے، یہاں کہ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے اس مومن فرقے کی تائید کی، اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت اور دلیل کے غالب آ گیا۔ (مظہری، معارف)



سُورَةُ الْجُمُعَةِ نَبِيٍّ وَهِيَ أَحَدُ عَشْرَةِ آيَةٍ فِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ أَحَدَى عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ جمعہ مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يُسَبِّحُ اللَّهَ يُنَزِّبُهُ فَالْأَمُّ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ فِي ذِكْرِ مَا تَغْلِبُ لِأَكْثَرِ الْمَلَائِكَةِ الْقُدُّوسِ الْمُنَزَّهِ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① فِي مُلْكِهِ وَصُنْعِهِ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ الْعَرَبَ وَالْأَنْبِيَاءَ مَنْ لَا يَكْتُبُ وَلَا يَقْرَأُ كِتَابًا رَسُولًا مِنْهُمْ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ الْقُرْآنَ وَيُزَكِّيهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ وَلَنْ تُخَفَّفَ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ وَأَنْتُمْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ قَبْلَ مَجِيئِهِ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ② بَيْنَ وَآخِرِينَ عَطَفَ عَلَى الْأُمِّيِّينَ أَيْ الْمَوْجُودِينَ وَالْأَتِينَ مِنْهُمْ بَعْدَهُمْ لَمَّا لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ فِي السَّابِقَةِ وَالْفَضْلِ وَهُمْ التَّابِعُونَ وَالْإِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ كَافٍ فِي بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوثِ فِيهِمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْ عَدَاهُمْ بِمَنْ بَعَثَ إِلَيْهِمْ وَأَمَّنُوا بِهِ مِنْ جَمِيعِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لِأَنَّ كُلَّ قَرْنٍ خَيْرٌ بِمَنْ يَلِيهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ③ فِي مُلْكِهِ وَصُنْعِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ النَّبِيُّ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ④ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ كُفُّوا الْعَمَلَ بِهَا ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا لَمْ يَعْمَلُوا بِمَا فِيهَا مِنْ نَعْتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ كَمَثَلِ الْخِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا أَيْ كُتُبًا فِي عَدَمِ انْتِفَاعِهِ بِهَا يَسُّ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوفٌ تَقْدِيرُهُ هَذَا الْمَثَلُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑤ الْكَافِرِينَ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑥ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيهِ الشَّرْطَانِ عَلَى أَنَّ الْأَوَّلَ قَيْدٌ فِي الثَّانِي أَيْ إِنْ صَدَقْتُمْ فِي زَعْمِكُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ وَالْوَلِيُّ يُؤْثِرُ الْآخِرَةَ وَمَبْدُوءُهَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْهُ وَلَا تَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا إِمَّا قَدَّمَتْ أَيْدِيَهُمْ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكُذِّبِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ⑦ الْكَافِرِينَ قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَقْرُونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ مُلْقِيَكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین

میں ہیں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، لام زائدہ ہے مَنْ کے بجائے مَا ذکر کرنے میں اکثر کو غلبہ دینا ہے جو بادشاہ ہے، ان چیزوں سے پاک ہے جو اس کی شایان شان نہیں، وہ اپنے ملک میں غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (یعنی) عرب میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا اُمّی وہ شخص ہے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو، اور وہ محمد ﷺ ہیں، جو انہیں اس قرآن کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو شرک سے پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب قرآن اور حکمت (یعنی) جس میں احکام ہیں اِنْ مَخْفَہٌ عَنْ الثَّقِیْلِ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اِیْ اِنْھُمْ، سکھاتا ہے یقیناً یہ اس کی آمد (بعثت) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور بعد والوں میں (مبعوث فرمایا) اور اٰخِرِیْنَ کا عطف اَلْاٰمِیْنَ پر ہے یعنی ان امیوں میں سے موجودین میں اور (آئندہ) ان کے بعد آنے والے امیوں میں، لیکن سبقت اور فضل میں ان کے برابر نہیں پہنچے، اور وہ (نہ پہنچنے والے) تابعین ہیں، اور تابعین پر، تابعین کے بعد تا قیامت آنے والے جن و انس جو کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے، صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے تابعین پر اثباتِ فضیلت پر اقتصار کرنا کافی ہے، وہ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ہیں کہ جن میں آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے، اس لئے کہ ہر زمانہ اپنے مابعد متصل زمانہ سے بہتر ہوتا ہے، اپنے ملک و صنعت میں وہی غالب باحکمت ہے یہ خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے یعنی نبی کو اور ان کو جن کا نبی کے ساتھ ذکر کیا گیا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا یعنی جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان صفات پر جو آپ ﷺ کی (صفات) اس (تورات) میں تھیں جس کی وجہ سے وہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، ان کی مثال فائدہ حاصل نہ کرنے میں اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے، غرضیکہ ان لوگوں کا برا حال ہے جنہوں نے خدا کی ان آیتوں کو جھٹلایا جو محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے والی ہیں، اور مخصوص بالذم محذوف ہے، اور اس کی تقدیر ہذا مثل ہے، اور اللہ ظالم یعنی کافر کو ہدایت نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شرکت غیرے اللہ کے مقبول (محبوب) ہو تو تم موت کی تمنا کرو (تَمَنَّوْا) سے دو شرطیں متعلق ہیں اس طریقہ پر کہ اول ثانی میں قید ہے، یعنی اگر تم اپنے گمان میں اس بات میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو اور محبوب آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کا مبداء موت ہے لہذا تم اس کی تمنا کرو، وہ کبھی اس موت کی تمنا نہیں کریں گے، بوجہ ان اعمالِ کفریہ کے جن کو وہ اختیار کر چکے ہیں، یعنی بوجہ آپ ﷺ کے انکار کے جو ان کی تکذیب کو مستلزم ہے اللہ تعالیٰ ان ظالموں کا فروں کو خوب جانتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم جس موت سے بھاگتے ہو وہ تم کو آ پکڑے گی فَانَّہُ میں فاء زائدہ ہے، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتا دے گا اور تم کو اس کی جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: الْقُدُّوسُ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت پاک، برکت والا، برون وزن فُعُولٌ بضم فاء عربی میں اس وزن پر صرف چار الفاظ آئے ہیں، قُدُّوسٌ، سُبُّوحٌ، ذُرُّوعٌ، فُرُوعٌ، ان کو بھی بفتح الفاء پڑھنا جائز ہے باقی اس وزن پر جتنے بھی الفاظ آئے ہیں سب فتح فاء کے ساتھ آئے ہیں۔

قَوْلٌ: فِي الْأَمِّيْنِ ای اِلٰی اُمِّیْنِ وَاٰخَرِیْنَ، ای اِلٰی اٰخَرِیْنَ فی بمعنی الٰی ہے۔

قَوْلٌ: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ رَسُوْلًا کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔

قَوْلٌ: مَخْفَفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِنْ كَانُوْا فِيْ اِنْ خَفَفَهُ عَنْ الثَّقِيْلَةِ ہے اصل میں اِنَّهُمْ تھکا اور دلیل اس کی مابعد میں لام کا واقع ہونا ہے، ای لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ اس قسم کا لام مخففہ عن الثقیلہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

قَوْلٌ: عَظَفَ عَلَى الْأَمِّيْنِ یعنی اٰخَرِیْنَ کے اعراب میں دو وجہ ہیں، اول یہ کہ اٰخَرِیْنَ، اُمِّیْنِ پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہو، ای بَعَثَهُ فِي الْأَمِّيْنِ وَفِي الْاٰخَرِیْنَ مِنَ الْأَمِّيْنِ اور۔

قَوْلٌ: لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ یہ اٰخَرِیْنَ کی صفت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اٰخَرِیْنَ، يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای يُعَلِّمُ الْاٰخَرِیْنَ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔

قَوْلٌ: الْمَوْجُوْدِيْنَ مِنْهُمْ یہ اُمِّیْنِ معطوف علیہ کی تفسیر ہے اور مراد اُمِّیْنِ سے وہ عرب ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

قَوْلٌ: لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ فِي السَّابِقَةِ، لَمَّا کی تفسیر لَمَّا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ عدم سابقیہ تا قیامت ہے، یہ مطلب نہیں کہ اب تک سابقیہ میں مساوی نہیں ہوئے مگر آئندہ امید ہے، جیسا کہ لَمَّا سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ لَمَّا کا مفہوم ہے تاہنوز، اور لَمَّا کے ذریعہ نفی عام ہوتی ہے خواہ متوقع الحصول ہو یا نہ ہو بخلاف لَمَّا کے کہ اس کا استعمال اس منفی میں ہوتا ہے جو متوقع الحصول ہو۔

قَوْلٌ: وَالْاِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ یعنی اٰخَرِیْنَ کی تفسیر میں تابعین پر اقتصار کرنا کافی ہے، دراصل یہ مفسر علام کی جانب سے دیگر مفسرین کی تفسیر سے عدول کرنے کا اعذار ہے، یعنی دیگر مفسرین حضرات نے صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی فضیلت تا قیامت آنے والے مسلمانوں پر بیان فرمائی ہے، اور مفسر علام مَحَلِّ رَحْمَتِ اللہِ تَعَالٰی کی عبارت سے صرف تابعین پر فضیلت معلوم ہوتی ہے، حق دیگر مفسرین کے ساتھ ہے، اعذار کا حاصل یہ ہے کہ جب تابعین پر صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی فضیلت ثابت ہوگئی تو تابعین کے بعد والے حضرات پر تو بطریق اولیٰ فضیلت ثابت ہوگی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر قرن اپنے مابعد متصل قرن سے بہتر ہوتا ہے۔

قَوْلٌ: مِمَّنْ بُعِثَ اِلَيْهِمْ، مَنْ عَدَاہُمْ کا بیان ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ جَمِیْعٍ یہ بیان کا بیان ہے۔

قَوْلًا: لِأَنَّ كُلَّ قَرْنٍ يَفْسِرُ كَقَوْلِ كَافٍ كِي عِلَّتْ هِيَ۔

قَوْلًا: النَّبِيُّ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ يَهْدِيهِ مِنَ يَشَاءُ كِي تَفْسِيرُ هِيَ وَأَمَّا مِنْ ذَكَرَ مِنْ أَمِيُونٍ وَأَخْرَجُوا هِيَ۔

قَوْلًا: شَرْطَانِ، أَيْ إِنْ زَعَمْتُمْ وَأَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔

قَوْلًا: الْأَوَّلُ قَيْدٌ فِي الثَّانِي۔

اعترض: یعنی اول ثانی کی شرط ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ اصل شرط ثانی ہے اور اول اس کی قید ہے، اور یہ مشہور قاعدہ کے خلاف ہے، اور قاعدہ مشہورہ یہ ہے کہ جب ایک جزاء دو شرطوں سے متعلق ہو تو درحقیقت اول ہی شرط ہوتی ہے اور ثانی اول کی شرط ہوتی ہے گویا کہ شرط اول اور شرط ثانی مل کر معنی میں اِنْ صَدَقْتُمْ فِي زَعْمِكُمْ کے ہیں۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ مشہورہ اس وقت ہے جب کہ جزاء دونوں شرطوں کے بعد یا پہلے واقع ہو، یہاں جزاء دونوں شرطوں کے درمیان واقع ہے، لہذا یہ قاعدہ مشہورہ کے خلاف نہیں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

نام:

الجمعة آیت نمبر ۹ کے فقرے، إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول:

پہلے رکوع کا زمانہ نزول ۷ھ ہے، اور غالباً یہ رکوع فتح خیبر کے موقع پر یا اس کے قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے جب یہ آیات نازل ہوئیں، اور حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد اور فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے تھے، اور خیبر کی فتح ابن ہشام کے بقول محرم میں اور ابن سعد کے بقول جمادی الاولیٰ ۷ھ میں ہوئی ہے۔

دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی پانچویں روز جمعہ قائم کر دیا، اور اس رکوع کی آخری آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ اقامت جمعہ کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد لازماً کسی ایسے زمانہ میں پیش آیا ہوگا جب لوگوں کو دینی اجتماعات کے آداب کی پوری تربیت ابھی نہیں ملی تھی۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ نَبِيٌّ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے، (مسلم شریف کتاب الجمعہ) قرآن کریم کی جو سورتیں سَبَّحَ، يُسَبِّحُ سے شروع ہوئی ہیں ان کو مُسَبِّحَاتُ کہا جاتا ہے، ان تمام

سورتوں میں زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہیں سب کے لئے اللہ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے، اگر اس تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہے یعنی بزبان حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا ذرہ ذرہ اپنے صانع حکیم کی حکمت و قدرت پر گواہی دیتا ہے، یہی اس کی تسبیح ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے شعور اور طرز کے مطابق حقیقی تسبیح کرتی ہے، اس لئے کہ شعور و ادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر و حجر بلکہ ہر شی میں رکھا ہے، اس عقل و شعور کا لازمی نتیجہ اور لازمی تقاضہ تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ۔

اس تمہید کو آگے کے مضمون سے بڑی گہری مناسبت ہے، عرب کے یہودی رسول اللہ ﷺ کی ذات و صفات اور کارناموں میں رسالت کی صریح نشانیاں پچشم سردیکھ لینے کے باوجود اور اس کے باوجود کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی صریح بشارت دی تھی جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آتی تھی، صرف اس بناء پر آپ ﷺ کا انکار کرتے تھے کہ اپنی قوم و نسل سے باہر کے کسی شخص کی رسالت مان لینا سخت ناپسند کرتے تھے، آگے کی آیتوں میں ان کے اسی رویے پر انہیں ملامت کی جا رہی ہے، اس لئے کلام کا آغاز اس تمہیدی فقرے سے کیا گیا ہے اس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے یعنی یہ پوری کائنات اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ ان تمام نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے جن کی بناء پر یہودیوں نے اپنی نسلی برتری کا تصور قائم کر رکھا ہے، وہ کسی کا رشتہ دار نہیں، نہ جانب داری کا اس کے یہاں کوئی کام، اپنی ساری مخلوق کے ساتھ اس کا معاملہ یکساں عدل و رحمت اور ربوبیت کا ہے، کوئی خاص نسل یا قوم اس کی چہیتی نہیں ہے کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتی رہے ہر حال میں اس کی نوازشیں اسی کے لئے مخصوص رہیں اور کسی دوسری نسل یا قوم سے اس کو عداوت نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر خوبیاں بھی رکھتی ہو تو بھی وہ اس کی عنایتوں سے محروم رہے، پھر فرمایا گیا کہ وہ بادشاہ ہے یعنی دنیا کی کوئی طاقت اس کے اختیارات کو محدود کرنے والی نہیں ہے تم بندے اور رعیت ہو، تمہارا یہ منصب کب سے ہو گیا کہ تم یہ طے کرو کہ وہ تمہاری ہدایت کے لئے اپنا پیغمبر کسے بنائے؟ اور کسے نہ بنائے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ وہ قدوس ہے یعنی وہ اس سے بدرجہا منزہ اور پاک ہے کہ اس کے فیصلہ میں کسی خطا اور غلطی کا امکان ہو، آخر میں اللہ کی دو مزید صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ زبردست ہے، اس سے لڑ کر کوئی جیت نہیں سکتا، دوسری یہ کہ وہ حکیم ہے یعنی جو کچھ وہ کرتا ہے وہ عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے، اور اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں کوئی ان کو توڑ نہیں سکتا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ الرَّسُولَ مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، اُمِّيُّ کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت و خواندہ کا رواج نہیں تھا، بہت کم لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے، اور یہ کہ جو رسول بھیجا گیا ہے وہ بھی انہیں میں سے ہے یعنی اُمی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمی اور جو فرائض اس رسول کے سپرد کئے گئے ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے، وہ سب علمی، تعلیمی اور اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی امی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ امی قوم ان کو سیکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب تعلیم و

اصلاح کا کام کیا تو انہی امین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے کہ جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنالو ہا منوالیا۔

بعثت نبوی کے تین مقاصد:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے تین مقاصد صفت نعمت الہیہ کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں، ایک تلاوت قرآن، یعنی قرآن پڑھ کر امت کو سنانا، اور دوسرے ان کو ظاہر و باطن غرضیکہ ہر قسم کی نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن، لباس وغیرہ کی ظاہری گندگی بھی شامل ہے اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے کتاب و حکمت کی تعلیم ہے، یہ تینوں چیزیں حق تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد بھی۔

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ آخرین کے لفظی معنی، دوسرے لوگ، لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ کے معنی، جو ابھی تک ان لوگوں یعنی امین کے ساتھ نہیں ملے، مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (معارف)

اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مومنین اولین یعنی صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ہی کے ساتھ سمجھے جائیں گے، یہ بعد کے مسلمانوں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ (روح، معارف)

لفظ آخرین کے عطف میں دو قول ہیں، بعض حضرات نے اس کا امین پر عطف قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول ﷺ امین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی ان سے نہیں ملے، اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ امین یعنی موجودین میں رسول ﷺ کا بھیجنا تو ظاہر ہے مگر جو لوگ ابھی آئے ہی نہیں ان میں رسول ﷺ بھیجنے کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا جواب بیان القرآن میں یہ دیا گیا ہے کہ ان میں بھیجنے سے مراد ان کے لئے بھیجنا ہے، کیونکہ لفظ ”فِي“ عربی زبان میں ”کیلئے“ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آخرین کا عطف يُعَلِّمُهُمُ کی ضمیر منصوب پر ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ آنحضرت ﷺ تعلیم دیتے ہیں امین کو اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔ (اختارہ فی المظہری، معارف)

اس کی مزید تفصیل، تسہیل و تحقیق کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

صحیح مسلم و بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورہ معہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ہمیں سنائی جب آپ ﷺ نے آیت ”وَآخَرِينَ مِنْهُمْ“ (الایہ) پڑھی تو ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس وقت سکوت فرمایا، مگر مکرر سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ پر رکھ دیا (جو اس وقت مجلس میں موجود

تھے) اور فرمایا: اگر ایمان شریا ستارے کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے۔

(مظہری)

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ (الایۃ) اَسْفَار، سِفَرُ کی جمع ہے بڑی کتاب کو کہتے ہیں، کتاب کو سفر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو گویا قاری اس کے معانی میں سفر کرتا ہے اس لئے کتاب کو سفر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

اس آیت میں بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے اور عمل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں صاف صاف آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی گئی تھی آپ ﷺ کی ایسی علامات بیان کی گئی تھیں کہ جو صرف آپ ﷺ ہی پر چسپاں ہوتی تھیں جس کا تقاضہ تھا کہ یہ لوگ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لاتے مگر حسد اور دشمنی کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لائے، یہودی کی اس بے عملی کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اس کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ؟

اللہ تعالیٰ نے یہود کو تورات کا حامل بنایا تھا مگر یہود نے اس کی ذمہ داری نہ سمجھی اور نہ ادا کی، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں اور اسے کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ کس چیز کا بار اٹھائے ہوئے ہے، بلکہ یہودی کی حالت گدھے سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ وہ تو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا مگر یہود سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور پھر بھی کتاب اللہ کے حامل ہونے کی ذمہ داری سے سرفرازی اختیار نہیں کرتے، بلکہ دانستہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، اس کے باوجود ان کا زعم یہ ہے کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور رسالت کی نعمت ہمیشہ کیلئے ان کے نام لکھ دی گئی ہے گویا یہودی کی رائے یہ ہے کہ خواہ وہ اللہ کے پیغام کا حق ادا کریں یا نہ کریں، بہر حال اللہ اس کا پابند ہے کہ وہ اپنے پیغام کا حامل ان کے سوا کسی کو نہ بنائے۔

یہود اپنے کفر و شرک اور ساری بد اخلاقیوں کے باوجود یہ دعویٰ بھی رکھتے تھے، نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّائُهُ یعنی ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اور اپنے سوا کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے، بلکہ یوں کہا کرتے تھے، لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصَارًا گویا وہ آخرت کے عذاب سے خود کو بالکل محفوظ اور مامون سمجھتے تھے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی جا گیر سمجھتے تھے۔

جب یہود اپنے آپ کو خدا کا محبوب اور چہیتا سمجھتے ہیں، اگر آخرت کی تمام نعمتوں کو اپنی جا گیر سمجھتے ہیں، اور یہ بھی ان کا ایمان ہے کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزار ہا درجہ اعلیٰ اور بہتر ہیں، تو اس کا مقتضایہ ہے کہ ان کے دل میں موت کی تمنا پیدا ہو، تاکہ دنیا کی مکدر اور رنج و غم سے بھری ہوئی زندگی سے نکل کر خالص آرام و راحت اور دائمی زندگی میں پہنچ جائیں۔

اس لئے آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ آپ ﷺ یہود سے فرمائیں کہ جب تم خدا کے محبوب اور لاڈلے ہو اور تمہیں یہ خطرہ بالکل نہیں کہ آخرت میں تمہیں کوئی عذاب ہو سکتا ہے تو پھر تم ذرا موت کی تمنا کرو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ قرآن نے خود ہی ان کا جواب دیدیا، یعنی یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، اس لئے کہ ان کا موت سے فرار بے سبب نہیں ہے، وہ زبان سے خواہ کیسے لمبے چوڑے دعوے کریں، مگر ان کے ضمیر خوب

جانتے ہیں کہ خدا اور اس کے دین کے ساتھ ان کا معاملہ کیا ہے اور آخرت میں ان حرکتوں کے کیا نتائج نکلنے کی توقع کی جاسکتی ہے جو وہ دنیا میں کر رہے ہیں، اسی لئے ان کا نفس خدا کا سامنا کرنے سے جی چراتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی راہ میں بھی جان دینے کے لئے تیار نہ تھے، نہ خدا کی راہ میں اور نہ قوم کی راہ میں اور نہ خود اپنی جان و مال و عزت کی راہ میں، انہیں صرف زندگی درکار تھی خواہ کیسی ہی زندگی ہو، اسی چیز نے ان کو بزدل بنا دیا تھا۔

قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ يَهُودُ خُدا کی محبوبیت اور جنت کی ٹھیکے داری کے دعوے کے باوجود، موت سے بھاگتے ہیں، آپ ﷺ ان سے فرمادیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ آکر رہے گی، اب نہیں تو آئندہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ بَعْضِنَا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا فَاْمْضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ ذِكْرًا كَثِيرًا كُنْتُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ١٠ تَفُوزُونَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدِيسَتْ عِيْرٌ وَضُرِبَ لِقُدُومِهَا الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرَ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَتَزَلَّ وَلِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا أَيِ التِّجَارَةِ لِأَنَّهَا مَطْلُوبُهُمْ دُونَ اللَّهْوِ وَتَرَكُوهُ فِي الْخُطْبَةِ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ ١١ يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهُ أَيْ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ تَعَالَى .

ترجمہ: اے ایمان والو جب جمعہ کے روز جمعہ (کی نماز) کے لئے اذان کہی جائے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو، مِنْ بَعْضِنَا فِی ہے اور خرید و فروخت ترک کر دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھتے ہو کہ یہ بہتر ہے، پھر تم اس پر عمل کرو، پھر جب نماز ہو چکے تو تم زمین میں پھیل جاؤ امر اباحت کے لئے ہے، اور خدا کا فضل (روزی) طلب کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم کامیاب ہو آپ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ آیا، اور دستور کے مطابق اس کی آمد پر ڈھول بجایا گیا تو لوگ اس کے لئے مسجد سے نکل گئے، سوائے بارہ آدمیوں کے تو یہ آیت نازل ہوئی، وہ لوگ جب کسی تجارت کو دیکھیں یا کوئی تماشہ نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں، یعنی تجارت کی طرف، اس لئے کہ وہ ان کا مطلوب ہے نہ کہ تماشہ اور آپ کو خطبہ میں کھڑا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ جو اللہ کے پاس ثواب ہے وہ ایمان والوں کے لئے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے کہا جاتا ہے ہر شخص اپنے اہل و عیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق میں سے روزی دیتا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: مِنْ بِمَعْنَى فِیْ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ میں مِنْ بِمَعْنَى فِیْ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مِنْ بیانیہ ہو اور اِذَا نُودِیْ کا بیان ہو۔

قَوْلٌ: یَوْمَ الْجُمُعَةِ، الجمعة میں دو قراءتیں ہیں، اول دونوں یعنی جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے اور دوسری جُمُعَةِ کے میم کے سکون کے ساتھ یہ شاذ ہے، اور ایک قراءت میم کے فتح کے ساتھ بھی ہے مگر یہ بھی شاذ ہے۔

قَوْلٌ: فَامْضُوا، فَاسْعُوا کی تفسیر فامضوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں سعی کے معروف معنی یعنی دوڑنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ نماز کے لئے دوڑنا ممنوع ہے بلکہ مراد متوجہ ہونا اور پیادہ چلنا ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّهٗ خَيْرٌ یہ جملہ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ محذوف ہے اور فَاَفْعَلُوْہ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اِنْ کُنْتُمْ شَرَطَ کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلٌ: لَا تَهَا مَطْلُوْبُهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ ما قبل میں دو چیزوں کا ذکر ہے، تجارت اور لہو، لہذا مناسب یہ تھا کہ لَهَا کے بجائے لَهُمَا فرماتے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق میں مذکور اگرچہ دو چیزیں ہیں مگر مطلوب ان میں سے صرف ایک یعنی تجارت ہی ہے لہو مطلوب نہیں ہے، اسی وجہ سے لَهَا کی ضمیر کو مفرد لایا گیا ہے، اس سوال کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اُو کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے لہذا مراد تو ایک ہی ہے خواہ تجارت ہو یا لہو، ضمیر مَوْنَتْ لا کر متعین کر دیا کہ تجارت مراد ہے۔

قَوْلٌ: وَتَرْكُوكَ قَائِمًا یہ جملہ اِنْفَضُّوا کا فاعل ہے اور قَائِمًا سے اشارہ کر دیا کہ خطبہ کھڑے ہو کر ہونا چاہئے نہ کہ بیٹھ کر۔

قَوْلٌ: یَقَالُ کُلُّ اِنْسَانٍ یَرْزُقُ عَائِلَتَهُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ وَاللّٰہِ خَیْرُ الرَّازِقِیْنِ میں خَیْرُ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو تعدد کا تقاضہ کرتا ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کا استعمال کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے، تاکہ مفضل اور مفضل علیہ کا ثبوت ہو جائے اور یہاں رازق ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے تو اسم تفضیل کا استعمال کیسے درست ہوا؟

جَوَابٌ: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ یہاں خَیْرُ کا صیغہ متعدد ہی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ کہا جاتا ہے کہ کُلُّ اِنْسَانٍ یَرْزُقُ عَائِلَتَهُ، تو معلوم ہوا کہ ہر انسان اپنے اہل و عیال کا رازق ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ رازق حقیقی ہے اور انسان رازق مجازی کیوں کہ انسان اللہ کے عطا کردہ رزق ہی میں سے دیتا ہے لہذا اسم تفضیل کا استعمال صحیح ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

يَوْمَ الْجُمُعَةِ یوم الجمعہ کو یوم الجمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، کائنات کی تخلیق کا بھی آخری دن ہے، حضرت آدم علیہ السلام اسی روز پیدا ہوئے، اسی دن قیامت آئے گی۔

”جمعہ“ دراصل ایک اسلامی اصطلاح ہے زمانہ جاہلیت میں اس کو یوم عربہ کہا کرتے تھے، جب اسلام میں اس دن کو مسلمانوں کے اجتماع کا دن متعین کیا گیا تو اس کو یوم الجمعہ کہا جانے لگا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا، قریش اس روز جمع ہوتے اور کعب بن لوی خطبہ دیتے، یہ واقعہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پانچ سو ساٹھ سال پہلے کا ہے، کعب بن لوی حضور ﷺ کے جدا بعد میں سے ہیں۔

اسلام سے پہلے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا طریقہ اہل کتاب میں موجود تھا، یہودیوں کے یہاں اس غرض کے لئے سبت (ہفتہ) کا دن مقرر تھا، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی، عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لئے اپنا شعار ملت اتوار کو قرار دیا، اگرچہ اس کا کوئی حکم نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا اور نہ انجیل میں اس کا کوئی ذکر ہے، لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے، اسی وجہ سے بعد کے عیسائیوں نے اس دن کو اپنی عبادت کے لئے مقرر کر لیا، اور پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ اس کو عام تعطیل کا دن قرار دیدیا، اسلام نے امتیاز کے لئے ان ملتوں کے شعار کو چھوڑ کر جمعہ کو شعار ملت قرار دیا ہے۔

نُودَىٰ لِلصَّلَاةِ میں نُودَىٰ سے جمعہ کی اذان مراد ہے وَذُرُوا الْبَيْعَ، بیع کو ترک کرنے کا مطلب ہر وہ کام ترک کرنا ہے جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہو، اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا، سونا، حتیٰ کہ مطالعہ وغیرہ کرنا سب ممنوع ہیں۔ جمعہ کی اذان شروع میں صرف ایک ہی تھی، جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے، آپ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک ایک ہی اذان تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور مدینہ طیبہ کی آبادی دور دور تک پھیل گئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان ”زوراء“ پر شروع کرادی، جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لہذا یہ اذان اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہو گئی جو ایک مستقل حجت ہے، بیع و شراء یا دیگر کاروبار میں مشغولیت جو خطیب کے روبرو اذان کے بعد حرام قرار دی گئی تھی اب وہ پہلی اذان سے شروع ہو گئی۔

شان نزول:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً (الآية) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ ایک روز آپ ﷺ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ ضروریات زندگی کا سامان لے کر شام سے آگیا، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ایک بہت بڑے تاجر دحبیہ کلبی کا تھا، اطلاع عام کے لئے ڈھول وغیرہ بجوا کر عام منادی کرادی گئی، مدینہ میں ان دنوں خشک سالی تھی ہر شخص کو خورد و نوش کے سامان کی اشد ضرورت تھی جن میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل تھے، اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں قافلہ کا سامان ختم ہو جائے جس کی وجہ سے ہم نہ پاسکیں آپ ﷺ کو خطبہ پڑھتا چھوڑ کر سوائے بارہ آدمیوں کے سب بازار میں چلے گئے، یہ روایت ابو داؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے، یاد رہے کہ اس وقت خطبہ جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا، جیسا کہ آج بھی عیدین کے بعد خطبہ ہوتا ہے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ خطبہ جمعہ لازمی اور ضروری ہے اس کے بعد جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے ہونے لگا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ عَشَرَ آيَةً فِيهَا اَلْكَوْنُ

سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ مَدَنِيَّةٌ أَحَدَى عَشَرَ آيَةً.

سورہ منافقون مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا بِالْسِتِّ نَسْتَكْفِرُ ۖ عَلَىٰ خِلَافِ مَا فِي
 قُلُوبِهِمْ نَشْهَدُ أَنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝^۱ فِيمَا أَضْمَرُوا
 مُخَالِفًا لِمَا قَالُوا إِتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سِتْرَةً عَنِ أَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوا بِهَا عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ أَى عَنِ
 الْجِهَادِ فِيهِمْ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝^۲ ذَلِكَ أَى سَوْءَ عَمَلِهِمْ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا بِاللسَانِ ثُمَّ كَفَرُوا بِالْقَلْبِ أَى
 اسْتَمَرُّوا عَلَىٰ كُفْرِهِمْ بِهِ فَطَبَعَ خَتَمٌ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ بِالْكَفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝^۳ الْإِيمَانُ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ
 لِحَمَالِهِمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ لِفَصَاحَتِهِ كَأَنَّهُمْ مِنْ عَظِيمِ أَجْسَامِهِمْ فَبِئْسَ الْتَفَهُمُ خُشْبٌ بِسُكُونِ
 الشَّيْنِ وَضَمِّهَا مُسْتَدَّةٌ مُمَالَةً إِلَى الْجِدَارِ يَحْسَبُونَ كُلَّ صِيحَةٍ تُصَاحُ كَيْدًا فِي الْعَسْكَرِ وَإِنْ شَادَ ضَالَّةٌ
 عَلَيْهِمْ لِمَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الرُّغْبِ أَنْ يَنْزَلَ فِيهِمْ مَا يُبَيِّحُ دِمَائِهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُوهُمْ فَإِنَّهُمْ يُفْشُونَ
 سِرَّكَ لِلْكَفَّارِ قَالَتْ لَهُمُ اللَّهُ أَهْلَكُهُمْ أَنْ يُوَفَّقُونَ ۝^۴ كَيْفَ يُضَرَّفُونَ عَنِ الْإِيمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَإِذَا
 قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا تُغْتَدِرِينَ يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ عَطَفُوا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ
 يُغْرِضُونَ عَنْ ذَلِكَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝^۵ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝^۶ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا صَحَابَهُمْ مِنَ
 الْأَنْصَارِ لَا تَتَّبِعُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا يَتَفَرَّقُوا عَنْهُ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِقُ لِلْمُهَاجِرِينَ وَغَيْرِهِمْ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝^۷ يَقُولُونَ لَنْ رَجَعْنَا أَى مِنْ غَزْوَةِ بَنِي
 الْمُضْطَلِقِ إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ عَنْوَابَهُ أَنْفُسَهُمْ مِنْهَا الْأَذَلُّ عَنْوَابَهُ الْمُؤْمِنِينَ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ الْغَلْبَةُ
 وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝^۸ ذَلِكَ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ ﷺ کے پاس جب منافق آتے ہیں تو اپنے دل کی بات کے برخلاف زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں، اس بات میں جو یہ اپنے قول کے برخلاف (دل) میں چھپائے ہوئے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے (یعنی) اپنی جان و مال کے لئے وقایہ بنا رکھا ہے پس ان قسموں کے ذریعہ اللہ کے راستہ سے یعنی اس میں جہاد کرنے سے محفوظ ہو گئے ہیں بلاشبہ وہ کام جو یہ کر رہے ہیں برا ہے یہ یعنی ان کی بد عملی یہ ہے کہ وہ زبانی ایمان لائے پھر دل سے کافر ہو گئے یعنی اپنے کفر پر بدستور قائم رہے پس ان کے قلوب پر کفر کی وجہ سے مہر کر دی گئی ہے اب یہ ایمان کو سمجھتے نہیں ہیں جب آپ ﷺ انہیں دیکھیں تو آپ ﷺ کو ان کے جسم ان کی خوبصورتی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوں اور جب یہ باتیں کریں تو آپ ﷺ ان کے کلام کی طرف اس کی فصاحت کی وجہ سے (اپنا) کان لگائیں گویا کہ وہ جسموں کے عظیم ہونے اور نا سمجھ ہونے میں لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے لگائی ہوئی (خُشْبُ) شین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہر اس آواز کو جو لگائی جاتی ہے اپنے خلاف سمجھتے ہیں یعنی ہر ندا کو مثلاً لشکر کے کوچ کے نداء اور گمشدہ کا اعلان، اس لئے کہ ان کے قلوب میں اس بات کی ہیبت ہے کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی ایسا حکم نازل نہ ہو گیا ہو جو ان کے خون کو حلال کر دے، یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو یہ آپ ﷺ کے راز کافروں پر ظاہر کر دیتے ہیں، اللہ انہیں غارت کرے کہاں پھرے جارہے ہیں؟ (یعنی) براہان قائم ہونے کے بعد ایمان سے کہاں پھرے جارہے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے معذرت کرتے ہوئے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ استغفار کریں، تو اپنے سرمٹکاتے ہیں (لَوْوَا) تشدید و تخفیف کے ساتھ، یعنی وہ سروں کو گھماتے ہیں، اور آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے اعراض کرتے ہیں حال یہ کہ وہ تکبر کر رہے ہوتے ہیں، ان کے حق میں آپ ﷺ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل سے مستغنی ہو گیا، اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے انصاری بھائیوں سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو مہاجرین جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جائیں، اور آسمانوں اور زمین کے رزق کے سب خزانے اللہ ہی کی ملک ہیں مہاجرین وغیرہ کا وہی رازق ہے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم غزوہ بنی مصطلق سے لوٹ کر مدینہ پہنچ گئے تو عزت والا مراد اس سے انہوں نے خود کو لیا ہے ذلت والے کو مراد اس سے مومنین کو لیا، مدینہ سے نکال دے گا (سنو) عزت غالبہ تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے لیکن یہ منافقین اس کو جانتے نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلًا: سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ بعض نسخوں میں سُوْرَةُ الْمُنَافِقِيْنَ یا کے ساتھ ہے۔

قَوْلًا: اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ شرط ہے اور قَالُوا نَشْهَدُ الْخِج جواب شرط ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور قَالُوا، الْمُنَافِقُوْنَ سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ”اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ حَالٌ كَوْنِهِمْ قَانِلِيْنَ كَيْتٌ وَكَيْتٌ فَلَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ“ فلا تَقْبَلُ مِنْهُمْ جواب شرط ہے۔

قَوْلًا: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مابعد پر لام داخل ہے، گو وہ جواب قسم ہے، اور نَشْهَدُ بمعنی نکلے ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نَشْهَدُ اپنے معنی ہی میں ہو اور مقصد اپنے اوپر سے نفاق کی تہمت کو دفع کرنا ہو۔

قَوْلًا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ، نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اور وَاللّٰهُ يَشْهَدُ الْخِج کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔
قَوْلًا: جُنَّةٌ جِیم کے ضمہ کے ساتھ یعنی ڈھال، وقایہ، جمع جُنُنٌ۔

قَوْلًا: بِاللِّسَانِ، بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا کے بعد بِاللِّسَانِ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئِلَ: منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد کفر اختیار کیا حالانکہ وہ سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تو پھر تُمَّ کَفَرُوْا کہنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابًا: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تُمَّ ترتیب اخباری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب ایجادی کے لئے مطلب یہ ہے کہ لسانی طور پر ایمان لائے اور قلوب سے کفر اختیار کیا، لہذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

قَوْلًا: تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ۔

سُئِلَ: تَسْمَعُ کا صلہ لام نہیں آتا حالانکہ یہاں تَسْمَعُ کا صلہ لام استعمال ہوا ہے۔

جَوَابًا: تَسْمَعُ، تَصْنَعُ کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے تسمع کا صلہ لام لانا درست ہے۔

قَوْلًا: كَانَهُمْ خُشِبٌ مُّسْنَدَةٌ اس میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ جملہ مستانفہ ہے، دوسری یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور وہ هُمْ ہے، ای هُمْ كَانَهُمْ۔

قَوْلًا: فِي تَرْكِ التَّفْهَمِ یہ وجہ شبہ کا بیان ہے، یعنی منافقوں کو ان لکڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جن کو دیوار سے لگا کر رکھ دیا گیا ہو، منافقین جن میں رَأْسُ الْمُنَافِقِيْنَ عَبْدُ اللّٰهِ بن ابی بھی شامل ہے آپ ﷺ کی مجلس میں آ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے جسم و جثہ کے اعتبار سے کچھ شخم تھے اور شکل و صورت میں بھی شکیل و جمیل تھے مگر دین کی کچھ بھی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے، یعنی جس طرح دیوار سے لگی لکڑی فی الوقت مفید و کارآمد نہیں ہوتی اسی طرح یہ لوگ بھی علم و نظر سے خالی تھے۔ (صاوی ملخصاً)

قَوْلًا: يَخْسِبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ، كُلَّ صَيْحَةٍ، يَخْسِبُونَ کا مفعول بہ اول ہے اور عَلَيْهِمْ مفعول بہ ثانی ہے اِنی

كَائِنَةً عَلَيْهِمْ.

قَوْلًا: تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ، تَعَالَوْا اور يَسْتَغْفِرْ، رَسُولُ اللَّهِ میں تنازع کر رہے ہیں، تَعَالَوْا مفعول چاہتا ہے اور يَسْتَغْفِرْ فاعل چاہتا ہے، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیکراول کیلئے مفعول محذوف مان لیا گیا ہے ای تَعَالَوْا إِلَيْهِ.

قَوْلًا: لَوْوَارَاءُ وُسْهُمْ، إِذَا کا جواب ہے۔

قَوْلًا: لَوْوَا صِغَةً جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے، مصدر تَلَوِيَّةٌ. لِيٌّ مادہ ہے گھمانا، مٹکانا وغیرہ وغیرہ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

سورة منافقون کے نزول کا مفصل واقعہ:

جو واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب بنا، وہ غزوہ مریسیع جس کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں کے موقع پر پیش آیا تھا، جو محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق شعبان ۶ھ میں اور قتادہ اور عروہ کی روایت کے مطابق ۲ شعبان سن ۵ھ میں پیش آیا حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ سعد بن معاذ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا اس غزوہ میں شریک ہونا صحیح بخاری میں مذکور ہے اور روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے یہ ثابت ہے کہ سعد بن معاذ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے غزوہ خندق سے فارغ ہو کر غزوہ بنی قریظہ کے زمانہ میں وفات پائی جو سن ۵ھ میں ہوا ہے پس اگر غزوہ مریسیع سن ۶ھ میں غزوہ بنی قریظہ کے ایک سال بعد مانا جائے تو سعد بن معاذ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی اس میں شرکت کیسے ممکن ہو سکتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سن ۵ھ کی روایت صحیح ہے۔

غزوہ مریسیع کا سبب:

رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بہت سی فوج جمع کر رکھی ہے اور حملہ آور ہونے کی تیاری میں ہے آپ ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کیلئے بریدہ بن حبیب اسلمی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کو روانہ فرمایا، بریدہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے آ کر خبر کی تصدیق کی، آپ ﷺ نے صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کو خروج کا حکم دیا، صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ فوراً تیار ہو گئے، تیس گھوڑے ہمراہ لئے جن میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے، اس مرتبہ مال غنیمت کی طمع میں منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد ہمراہ ہو گئی تھی آپ ﷺ نے مدینہ میں زید بن حارثہ کو نائب مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا اور ام المومنین ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کو ساتھ لیا اور ۲ شعبان دوشنبہ سن ۵ھ کو مریسیع کی طرف روانہ ہوئے۔

مرسیع ایک چشمہ یا تالاب کا نام ہے، اسی مقام پر بنی مصطلق سے مقابلہ ہوا آپ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اچانک ان پر حملہ کر دیا اس وقت وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، اُن کے دس آدمی مقتول ہوئے اور باقی مرد و عورت، بچے، بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں دو سو گھرانے قید ہوئے، انہیں قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، مال غنیمت کی تقسیم کے نتیجے میں جویریہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئیں ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک بڑی رقم کے عوض مکاتبہ بنا دیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدل کتابت کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس مالی تعاون کے لئے آئیں اور صورت حال بتاتے ہوئے عرض کیا کہ: میں سردار بنی مصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، میری اسیری کا حال آپ ﷺ پر مخفی نہیں، میں تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں، انہوں نے مجھے مکاتبہ بنا دیا ہے اب میں بدل کتابت میں آپ سے مدد کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ تمہاری طرف سے بدل کتابت کی رقم میں ادا کردوں اور آزاد کر کے تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں۔

(سیرت المصطفیٰ، رواہ ابو داؤد)

ادھر جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار، عبداللہ بن زیاد کی روایت کے مطابق بہت سے اونٹ لے کر مدینہ حاضر ہوئے تاکہ زرفدیہ دے کر اپنی بیٹی جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کرالائیں، نہایت عمدہ قسم کے دو اونٹ جو نہایت پسندیدہ تھے ایک گھانی میں چھپا دیئے مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور وہ اونٹ آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی بیٹی کے زرفدیہ کے طور پر پیش کئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھانی میں چھپا آئے ہو؟ حارث نے کہا؟ ”أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ“ میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے سوا اس کا کسی کو علم نہ تھا اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا۔

الغرض آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا تو بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دامادی رشتہ دار ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت المصطفیٰ)۔

ایک ناخوشگوار واقعہ:

ابھی مسلمانوں کا لشکر چشمہ مرسیع پر ہی تھا کہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا، جو کہ پانی کے چشمے پر ایک مہاجر جن کا نام جبجہا تھا اور ایک انصاری جن کا نام سنان بن وبرہ تھا کے درمیان پیش آیا تھا، صورت واقعہ کی یہ ہوئی کہ جبجہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ملازم تھے جو ان کے گھوڑے کی نگہداشت کرتے تھے، ان کے اور سنان کے درمیان پانی کے سلسلے میں چمی گویاں ہو گئیں اور بات زیادہ بڑھ گئی حتیٰ کہ ہاتھ پائی کی نوبت آ گئی جبکہ مہاجرین نے انصاری کے ایک طمانچہ یا لات مار دی، مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو آواز دی، دونوں طرف سے کچھ لوگ جمع ہو گئے قریب تھا کہ باہم مسلمانوں میں ایک فتنہ کھڑا ہو جائے جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ فوراً موقع پر پہنچے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا ”مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ“ یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا ”دَعُوَهَا فَإِنَّهَا مُنْتَنَةٌ“ اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہئے خواہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے، اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے کیونکہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا، تحقیق سے زیادتی جبکہ مہاجرین کی ثابت ہوئی، عبادہ بن صامت رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کے سمجھانے سے سنان بن وبرہ نے اپنا حق معاف کر دیا، اور دونوں جھگڑنے والے پھر آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

عبداللہ بن ابی کی شرارت:

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس غزوہ میں مالِ غنیمت کی طمع میں بہت سے منافق اور خود عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی شریک ہو گیا تھا، عبداللہ بن ابی نے موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا کرنے اور فتنہ برپا کرنے کی پوری کوشش کی، اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مومنین میں سے صرف زید بن ارقم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ موجود تھے اس وقت حضرت زید کم عمر تھے عبداللہ بن ابی نے مجلس میں انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا، اور کہنے لگا تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا اپنے اموال اور جائیداد ان کو تقسیم کر کے دے دیئے، یہ تمہاری ہی روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر آ گئے ہیں اس کی مثال: سَمَنٌ كَلْبُكُ يَا كَلْكُ ہے ”اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے“ اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ ان کی مالی مدد نہ کرو جس سے یہ خود منتشر ہو جائیں گے، اور اب تمہیں چاہئے کہ جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو عزت والا ذلت والوں کو نکال دے، اس نے عزت والے سے خود کو مراد لیا اور ذلت والوں سے مراد مسلمانوں کو لیا، حضرت زید بن ارقم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بول پڑے کہ واللہ تو ہی ذلیل و خوار و مبغوض ہے، عبداللہ بن ابی کو جب محسوس ہوا کہ میرا نفاق ظاہر ہو جائے گا تو باتیں بنانے لگا اور حضرت زید رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات یوں ہی ہنسی مذاق میں کہہ دی تھی۔

حضرت زید بن ارقم عبداللہ منافق کی مجلس سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، رسول اللہ ﷺ پر یہ خبر شاق گذری، زید بن ارقم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کم عمر صحابی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقم نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ الفاظ خود اپنے کانوں سے سنے ہیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہیں تم کو شبہ تو نہیں ہو گیا؟ مگر زید نے پھر وہی جواب دیا، پھر اس بات کا پورے لشکر میں چرچا ہونے لگا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبد اللہ بن ابی کی گستاخی اور فتنہ پردازی کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! اس کا انجام کیا ہوگا؟ لوگوں میں یہ شہرت دی جائے گی کہ میں اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قتل کر دیتا ہوں؟ اس لئے آپ ﷺ نے عبد اللہ منافق کے قتل سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک دیا، اس واقعہ کی خبر جب عبد اللہ بن ابی منافق کے صاحبزادے عبد اللہ بن عبد اللہ مومن کو ہوئی تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ ﷺ کا ارادہ اس گفتگو کے نتیجے میں میرے والد کو قتل کرنے کا ہے؟ تو آپ ﷺ اجازت دیجئے میں اپنے باپ کا سر قبل اس کے کہ آپ ﷺ اپنی مجلس سے اٹھیں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا میرا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام عادت کے خلاف بے وقت سفر کرنے کا اعلان عام فرما دیا اور آپ ﷺ بھی اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو گئے، جب عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روانہ ہو گئے تو آپ ﷺ نے عبد اللہ منافق کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ عبد اللہ منافق قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا یہ لڑکا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹا ہے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے عبد اللہ منافق کا عذر قبول فرمایا اور زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی رسوائی کے سبب لوگوں سے چھپے رہنے لگے۔

آپ ﷺ پورے دن اور پوری رات اپنی عادت کے برخلاف سفر کرتے رہے، جب دھوپ تیز ہو گئی تو آپ ﷺ نے ایک جگہ قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم فرمایا، قافلہ مسلسل شب و روز چلنے کی وجہ سے چونکہ تھکا ہوا تھا فوراً منزل پر اترتے ہی بخواب ہو گیا۔ ادھر زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار آنحضرت ﷺ کے قریب آتے تھے کیونکہ ان کو پورا یقین تھا کہ اس شخص عبد اللہ منافق نے مجھے پوری قوم میں جھوٹا ثابت کر کے رسوا کیا ہے اللہ تعالیٰ ضرور میری تصدیق اور اس شخص کی نکیر میں قرآن نازل فرمائے گا، اچانک زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی تو زید سمجھ گئے کہ اس بارے میں ضرور کوئی وحی نازل ہوئی ہوگی، جب آپ ﷺ کی یہ کیفیت رفع ہوئی تو زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ میری سواری چونکہ آپ ﷺ کی سواری کے قریب تھی آپ ﷺ نے اپنی سواری ہی پر سے میرا کان پکڑا اور فرمایا، یا غلام! صدقَ اللہ حدیثک اور پوری سورۃ المنافقون عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معارف)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ الصَّلَاةِ الْخَمِيسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۖ وَأَنْفِقُوا فِي الزَّكَاةِ مِنْ مَّا رَزَقَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا بِمَغْنًى بَلَاءٌ أَوْ لَا زَائِدَةٌ وَلَوْلَا لِنَمُنِّي أَخْرِجْنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْ بِإِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الصَّادِ أَتَصَّدَّقُ بِالزَّكَاةِ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ بَانَ أَحَجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَا قَصَرَ أَحَدٌ فِي الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ إِلَّا

سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ.

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر بیچ وقتہ نماز سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں وہ بڑے زیاں کاروں میں ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اس میں سے زکوٰۃ میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! تو کس لئے مجھے تھوڑی دیر کے کی مہلت نہیں دیتا؟ (لَوْلَا) بمعنی ہَلَّا یا لَا زائدہ ہے، اور لَوْ تَمَنَّى کے لئے ہے کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں، کہ حج کروں، (فَاصَّدَّقْ) تاء کو اصل میں صاد میں ادغام کر کے، یعنی زکوٰۃ ادا کروں، ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا نے فرمایا، کسی نے حج و زکوٰۃ میں کوتاہی نہیں کی مگر یہ کہ اس نے موت کے وقت (دنیا میں) واپسی کا سوال نہ کیا ہو، اور جب کسی کا وقت مقرر آجاتا ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے یا اورتاء کے ساتھ۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ، ای اَمَارَاتُهُ، وَمُقَدَّمَاتُهُ مضاف محذوف ہے اس لئے کی موت کے بعد کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

قَوْلُهُ: لَوْلَا، بمعنی هَلَّا یعنی لولا تخفیف ہے جو کہ ماضی کے ساتھ خاص ہے مگر معنی میں مضارع کے ہے جیسا کہ یہاں مناسب یہ ہے کہ لَوْلَا التماس، دعاء، عرض، گزارش کے معنی میں ہو، اس لئے کہ لَوْلَا تخفیف کا یہاں کوئی موقع نہیں ہے دوسری صورت یہ کہ لَوْلَا میں لَا زائدہ ہو اور لَوْ بمعنی تمنا ہو، ای لَيْتَكَ أَخَّرْتَنِي.

قَوْلُهُ: أَجَلٍ قَرِيبٍ، ای زمانِ قلیل.

قَوْلُهُ: وَأَكُنْ (ن) سے، اصل میں أَكُونُ تھا مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق بغیر واؤ کے لکھا گیا ہے ورنہ أَكُونُ ہو چاہئے، تلفظ میں دونوں صورتیں جائز ہیں واؤ اور حذف واؤ کے ساتھ اور اس کو فَاصَّدَّقْ پر عطف کرتے ہوئے نصب ہوگا اور محل فَاصَّدَّقْ پر عطف ہونے کی وجہ سے حذف واؤ اور جزم ہوگا، فَاصَّدَّقْ اصل میں فَاتَّصَّدَّقْ تھا جمہور نے تاء کو صاد میں ادغام کر کے پڑھا ہے اور یہ جواب تمنی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ يُؤَخِّرُ هَذَا لِلتَّمَنَّى، فَقَالَ، وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا الخ.

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

يَسْأَلُهَا الَّذِينَ آمَنُوا يَهَاں تمام ان لوگوں سے خطاب ہے جو دائرۃ اسلام میں داخل ہوں قطع نظر اس سے کہ سچے مومن ہوں یا محض زبانی اقرار کرنے والے، اس عام خطاب کے ذریعہ ایک کلمہ نصیحت ارشاد فرمایا جا رہا ہے یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ قرآن مجید میں الَّذِينَ آمَنُوا کے ذریعہ کبھی تو سچے اہل ایمان کو خطاب کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے مخاطب منافقین ہوتے ہیں؛ کیونکہ وہ زبانی اقرار کرنے والے ہوتے ہیں اور کبھی بالعموم ہر طرح کے مسلمان اس سے مراد ہوتے ہیں، کلام کا موقع محل بتا دیتا ہے کہ کہاں کونسا گروہ مراد ہے؟

اس سورت کے پہلے رکوع میں منافقین کی جھوٹی قسموں اور ان کی سازشوں کا ذکر تھا اور ان سب کا مقصد دنیا کی محبت سے مغلوب ہونا تھا، اسی وجہ سے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں اور مال غنیمت سے حصہ بھی ملے، اس دوسرے رکوع میں خطاب مخلص مومنین کو ہے جس میں ان کو ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش اور غافل نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے، دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں، مال اور اولاد، اس لئے خاص طور پر ان کا نام لیا گیا ہے ورنہ مراد اس سے پوری متاع دنیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال و اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آجائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حدود کی پروا نہ کرو، منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا شیوہ اور کردار ہے جو انسان کو خسارہ میں ڈال دیتا ہے، اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ یہ کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں یعنی اس کے احکام کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔

فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور ادا نہیں کی یا حج فرض تھا مگر نہیں کیا، وہ موت سامنے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی تمنا کرے گا کہ میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جاؤں یعنی موت میں کچھ مہلت مل جائے تاکہ میں صدقہ خیرات کر لوں اور فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں، مگر حق تعالیٰ شانہ نے اگلی آیت لَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ (الایۃ) میں بتلادیا کہ موت کے آنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جاتی یہ تمنا میں لغو اور فضول ہیں۔ (معارف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ التَّغَابُنِ نَبِيٌّ مَدَنِيٌّ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا اَرْكُوعًا

سُورَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ تغابن مکی ہے یا مدنی ہے، اٹھارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يُنَزِّلُ السَّحَابَ مَاءً زَائِدَةً وَأَتَى بِمَا، دُونَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِأَكْثَرِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ② فِي أَصْلِ الْخَلْقَةِ ثُمَّ يُمَيِّتُهُمْ وَيُعِيدُهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ④ إِذْ جَعَلَ شَكْلَ الْآدَمِيِّ أَحْسَنَ الْأَشْكَالِ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ⑤ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلَنُونَ ⑥ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦ بِمَا فِيهَا مِنَ الْأَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ الْمَرِيَاتِكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ نَبَّأُ خَيْرَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ عُقُوبَةُ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑧ مُؤَلِّمٌ ذَلِكَ إِي عَذَابُ الدُّنْيَا بِأَنَّهُ ضَمِيرُ الشَّانِ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْإِيمَانِ فَقَالُوا أَبَشِّرْ أُرِيدَ بِهِ الْجِنْسُ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ وَاسْتَغْنَى اللَّهُ عَنْ إِيْمَانِهِمْ وَاللَّهُ غَنِيٌّ عَنْ خَلْقِهِ ⑨ حَمِيدٌ ⑩ مَحْمُودٌ فِي أَعْمَالِهِ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ مُخَفَّفَةً وَأَسْمَهَا مَحْذُوفٌ إِي أَنَّهُمْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑪ فَأَمْنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الْقُرْآنِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑫ أَذْكَرَ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ⑬ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ⑭ يَغِبُنُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ بِأَخْذِ مَنَازِلِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ آمَنُوا وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الْفِعْلَيْنِ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑮ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ ⑯ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑰ هِيَ

تَبَّحُ
١٥١

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیزیں ہیں

وہ اللہ کی تسبیح پاکی بیان کرتی ہیں لہٰذا میں لام زائدہ ہے اور مَنْ کے بجائے مَا کو لایا گیا ہے اکثر کو غلبہ دینے کے لئے، اسی کی سلطنت ہے اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے تم کو پیدا کیا، سو تم میں سے بعض تو اصل خلقت میں کافر ہیں اور بعض مومن پھر وہ اس کے مطابق تم کو موت دے گا، اور لوٹائے گا، اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے، اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائی، اور بہت اچھی بنائیں، اس لئے کہ اس نے انسانی شکل کو سب شکلوں میں بہتر بنایا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہ آسمان اور زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو تم چھپاؤ اور جو تم ظاہر کرو، وہ اس کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کے رازوں یعنی اسرار و معتقدات کو بھی جانتا ہے اے کفار مکہ! کیا تمہارے پاس پہلے کافروں کی خبریں نہیں پہنچیں؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال یعنی کفر کا انجام دنیا میں چکھ لیا اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ یعنی دنیا کا عذاب اس لئے ہے کہ ان کے پاس (بَاسَئِئُ) میں ضمیر شان ہے ان کے رسول ایمان پر دلالت کرنے والی واضح دلیلیں لے کر آئے، تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کرے گا؟ بشر سے جنس بشر مراد ہے سوا انکار کر دیا اور ایمان سے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی ان کے ایمان سے بے نیازی کی، اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ اپنے افعال میں محمود ہے ان کافروں نے خیال کیا کہ دوبارہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے، اَنْ مَّخْفَفَهُ مِنَ الثَّقِيلَةِ ہے اس کا اسم محذوف ہے اِیْ اَنْتُمْ، آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمہیں تمہارے کئے ہوئے اعمال کی خبر دی جائے گی اور اللہ کے لئے یہ بالکل آسان ہے سو تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور نور یعنی قرآن پر جس کو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اس دن کو یاد کرو جس دن تم کو جمع کرنے کے دن یعنی قیامت کے دن جمع کرے گا وہی دن ہے ہار جیت کا مومنین کافروں کو ہر ادیس گے جنت میں ان کے گھروں کو اور ان کے اہل کو لے کر، اگر وہ ایمان لاتے اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور نیک اعمال کئے اللہ اس کی برائیاں دور کرے گا اور اس کو ایسی جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں قرآن کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہیں، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

سورۃ تغابن مکی ہے سوائے یٰٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ اِلٰخ کے یہ آیت مدینہ میں عوف بن مالک کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلًا: لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ دونوں میں جار مجرور کو حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقی ملک اور حقیقی حمد اللہ ہی کی ہے، اگرچہ مجازی طور پر غیر اللہ کی بھی ملک و حمد ہوتی ہے۔

قَوْلًا: وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یہ ماقبل کی دلیل کے طور پر ہے۔

قَوْلًا: ثُمَّ يُمِيتُهُمْ وَيُعِيدُهُمْ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے اس لئے کہ موقعِ یُمِيتُكُمْ وِیُعِيدُكُمْ کا ہے۔

قَوْلًا: فَذَاقُوا اس کا عطف کَفَرُوا پر ہے، یہ عطف مسبب علی السبب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ کفر، ذوق و بال کا سبب ہے۔

قَوْلًا: وَبَالٍ ثَقُلَ، شدت، اعمال کی سخت سزا (کُرْم) سے۔

قَوْلًا: اُرِيدَ بِهِ الْجَنَسُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بَشَرٌ اور يَهْدُوْنَ نَدَا میں مطابقت ثابت کرنا ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سِوَالٌ: سوال یہ ہے کہ يَهْدُوْنَ نَدَا کی ضمیر بَشَرٌ کی طرف راجع ہے حالانکہ مرجع مفرد ہے اور ضمیر جمع ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ بَشَرٌ سے جنس بشر مراد ہے لہذا بشر میں جمعیت کے معنی موجود ہیں جس کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلًا: زَعَمَ، متعدی بدو مفعول ہے اور لَنْ يُبْعَثُوا قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلًا: فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ یہ مکہ کے کافروں سے خطاب ہے اور فاء جواب شرط پر واقع ہے، اور شرط محذوف ہے اِیْ اِذَا كَانَ الْاَمْرُ كَذَلِكَ فَآمِنُوا۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ آسمان اور زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے تنزیہ اور تقدیس بیان کرتی ہے، زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (الآیۃ) یہ پوری کائنات اسی کی سلطنت میں ہے اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل بھی ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے، اگر کسی کے پاس کچھ حسن و کمال ہے تو اسی کے مبداء فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہے جب چاہے سلب کر سکتا ہے اس لئے اصل تعریف کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ انسان کے لئے خیر و شر، نیکی و بدی اور کفر و ایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی جو آزادی بخشی ہے اسی کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے اس نے کسی پر جبر نہیں کیا، اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر و معصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر نہ ہوتا، لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا ”الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا؟“ (سورة الملك) لہذا جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل و کسب ہے، جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے، اسی طرح مومن اور مومن کے ایمان کا خالق

بھی اللہ ہی ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا و سزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

انسانوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں:

قرآن حکیم نے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، کافر اور مومن، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد آدم سب ایک برادری ہے اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو دو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا، اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تحزب اور گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب و خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے، ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں اور علاقوں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے، اختلاف رنگ و زبان وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں، کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ قرار نہیں دے سکتا۔ (معارف)

بدبودار نعرہ:

ایک مرتبہ پانی کے معاملہ میں ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان جھگڑا ہو گیا، نوبت زبانی تکرار سے بڑھ کر، ہاتھ پائی تک پہنچ گئی انصاری نے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا، دونوں طرف سے لوگ جمع ہو گئے مسلمانوں میں فتنہ برپا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ موقع پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا ”مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ“ یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا ”دَعَوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتَنَةٌ“ اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہترین صورتیں بنائیں، صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی ایک مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مُصَوِّرُ آیا ہے، غور کرو تو کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ ہیں کسی کی شکل صورت کسی سے نہیں ملتی، ایک انسان ہی کو لے لیجئے کہ انسانی چہرہ جو چھ سات مربع انچ سے زیادہ کا نہیں، اربوں انسانوں کا ایک ہی قسم کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکل دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہنچا ننادشوار ہو جائے، مذکورہ آیت میں انسان کی بہترین صورت گری کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات میں سب صورتوں سے زیادہ حسین بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں خواہ کتنا ہی بد شکل اور بد صورت کیوں نہ سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات کی اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے ”فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ قیامت کو ”یوم الجمع“ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن اولین و آخرین ایک

ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے، اور اس دن کو یوم التغابن، خسارہ کا یا ہار جیت کا دن، اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک گروہ نقصان میں اور ایک گروہ فائدے میں رہے گا یا ایک گروہ جیت جائے گا اور دوسرا گروہ ہار جائے گا، اہل حق باطل پر، اہل ایمان اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر سبقت لے جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لئے تھے اگر وہ ایمان لاتے، اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کی ہوگی یہ کہ ان کے لئے جنت میں جو نعمتیں رکھی تھیں (اگر وہ ایمان لاتے) ان سے محروم ہو جائیں گے، جنتی بھی اپنا بایں معنی نقصان محسوس کریں گے کہ اگر وہ دنیا میں اور زیادہ نیک عمل کرتے تو ان کی نعمتوں میں اور زیادہ اضافہ ہوتا۔

مفلس کون ہے؟

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا جس شخص کے پاس مال و متاع نہ ہو تو ہم اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ لیکر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کو مارا یا قتل کیا ہوگا، کسی کا مال غصب کیا ہوگا (تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا اور کوئی روزہ لے جائے گا تو کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنت لے جائے گا جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے، اور ان کا بدلہ چکا دیا جائے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ فِي قَوْلِهِ إِنَّ الْمُصِيبَةَ بِقَضَائِهِ يَهْدِ قَلْبَهُ لِلصَّبْرِ عَلَيْهَا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۱ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۲ الْبَيْنُ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۳ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ بَٰنَ تَطِيعُوهُمْ فِي السَّخْلِفِ عَنِ الْخَيْرِ كَالْجِهَادِ وَالْهَجْرَةِ فَإِنَّ سَبَبَ نَزُولِ الْآيَةِ الْإِطَاعَةُ فِي ذَلِكَ وَإِنْ تَعَفَّوْا عَنْهُمْ فِي تَشْيِطِهِمْ إِيَّاكُمْ عَنْ ذَلِكَ الْخَيْرِ مُعْتَلِينَ بِمَشَقَّةٍ فَرَّاقَكُمْ عَلَيْهِمْ وَتَصَفَّحُوا وَتَغَفَّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۴ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لَّكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۱۵ فَلَا تَفُوتُوهُ بَاسْتِغَالِكُمْ بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نَاسِخَةً لِّقَوْلِهِ اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَاسْمَعُوا مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ سَمَاعَ قَبُولٍ وَأَطِيعُوا وَأَنْفَقُوا فِي الطَّاعَةِ خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ خَيْرُكُمْ مَنْ يُؤَقُّ نَفْسَهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۱۶ الْفَائِزُونَ إِنِّ تَقَرُّضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا بَٰنَ تَتَصَدَّقُوا عَنْ طِيبِ قَلْبٍ يُضْعِفُهُ لَكُمْ وَفِي قِرَاءَةٍ يُضْعِفُهُ بِالتَّشْدِيدِ بِالْوَاحِدَةِ عَشْرًا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ وَأَكْثَرٍ وَهُوَ التَّصَدَّقُ عَنْ طِيبِ قَلْبٍ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ شَكُورٌ مُجَارٍ عَلَى الطَّاعَةِ حَلِيمٌ ۝ فِي الْعِقَابِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ عِلْمُ الْغَيْبِ
السِّرِّ وَالشَّهَادَةِ الْعَلَانِيَةِ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ

ترجمہ: کوئی مصیبت قضاء الہی کے بغیر نہیں پہنچ سکتی جو اللہ پر اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ مصیبت تقدیر الہی ہی سے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اس مصیبت پر صبر کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر شئی کا جاننے والا ہے (اے لوگو!) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمارے رسولوں پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے، اللہ معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں، اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو کہ خیر سے پیچھے رہنے میں ان کی بات نہ مانو، مثلاً جہاد و ہجرت (وغیرہ میں) آیت کے نزول کا سبب ان باتوں میں اطاعت کرنا ہے اور اگر تم ان کو اس خیر سے تم کو روکنے کو معاف کر دو حال یہ ہے کہ وہ تمہاری جدائی کی علت جدائی کی مشقت بیان کریں، اور درگزر کر دو، اور معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، تمہارے مال اور تمہاری اولاد سراسر تمہاری آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے لہذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو فوت نہ کرو جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو یہ آیت اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ کے لئے ناسخ ہے، اور جس بات کا تم کو حکم کیا جائے اس کو تسلیم کرنے کے طور پر سنو اور اطاعت کرو اور اس کی اطاعت میں خرچ کرو، جو تمہارے لئے بہتر ہے (خیراً) یکن مقدّر کی خبر (اور جملہ ہو کر) انْفِقُوا امر کا جواب ہے اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے، اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے اس طریقہ پر کہ طیب خاطر سے خرچ کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا رہے گا اور ایک قراءت میں (يُضَعِّفُهُ) تشدید کے ساتھ صیغہ افراد کے ساتھ ہے دس سے سات سو اور اس سے بھی زیادہ اور جو چاہے گا (تمہارے گناہ بھی) معاف فرما دے گا، اللہ بڑا قدر دان ہے یعنی طاعت پر اجر دینے والا بردبار ہے معصیت پر سزا دینے میں، غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ، أَصَابَ كَأَحَدًا مَفْعُولٌ بِهِ مَحذُوفٌ ہے اور مِنْ مُصِيبَةٍ، مِنْ کی زیادتی کے ساتھ أَصَابَ کا فاعل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا أَصَابَ أَحَدًا مُصِيبَةً۔

قَوْلُهُ: فِي قَوْلِهِ اِي فِي قَوْلِ الْقَائِلِ۔

قَوْلُهُ: فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ اس کی جزاء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَلَا ضَيْرَ وَلَا بَأْسَ عَلَى رَسُولِنَا۔

قَوْلُهُ: فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا جزاء محذوف کی علت ہے۔

قَوْلًا: اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، اللَّهُ مُبْتَدَأٌ هُوَ اور لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کی خبر ہے۔

قَوْلًا: أَنْ تُطِيعُوهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مضاف محذوف ہے، یعنی اگر تمہاری ازواج اور اولاد کا رخیہ میں آڑے آئیں تو ان کی اطاعت سے اجتناب کرو، یہ آیت کہا گیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَوْلًا: خَبْرٌ يَكُنْ مُقَدَّرَةً یعنی خیرًا، لیکن مقدر کی خبر ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی يُؤْتِكُمْ خَيْرًا اور یہی اولیٰ ہے اس لئے کہ كَانَ اور اس کے اسم کا حذف مع بقاء الخبر، اِنْ اور لَوْ کے بعد اکثر ہوتا ہے، لیکن اپنے اسم و خبر سے مل کر انفقوا امر کا جواب ہے۔

قَوْلًا: شُحٌّ بَخْلٍ حرص، یہ باب عَلِمَ وَضَرَبَ کا مصدر ہے شُحٌّ خاص طور سے ایسی بخیلی کو کہتے ہیں جو عادت بن گئی ہو۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

کہا گیا ہے کہ اس آیت کی نزول کا سبب کافروں کا یہ قول تھا کہ "لَوْ كَانَ مَا عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ حَقٌّ لَصَانَهُمُ اللَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ فِي الدُّنْيَا" اگر مسلمانوں کا مذہب حق ہوتا، تو دنیا میں ان کو مصیبت اور تنگی نہ پہنچتی، (فتح القدیر) قلب کو مصیبت کے وقت ہدایت دینے کا یہ مطلب ہے کہ قلب یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مصیبت اللہ ہی کی طرف سے ہے، جس کی وجہ سے اس پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" نکل جاتا ہے۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرو گے تو ہمارے رسول ﷺ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام تو صرف تبلیغ ہے، امام زہری رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فرماتے ہیں اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ ہے، اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔

(فتح القدیر)

شان نزول:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوا لَهُمْ تَرْمِذِي، حاکم اور ابن جریر نے ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا سے روایت کیا ہے یہ آیت مکہ کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بیوی بچے آڑے آئے اور روکنے کی کوشش کی، مگر وہ پھر بھی ہجرت کر کے مدینہ آپ ﷺ کی

خدمت میں پہنچ گئے وہاں جا کر لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے دین میں کافی تفقہ حاصل کر لیا ہے اس سے ان کو کار خیر میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے رنج ہوا تو انہوں نے اپنے بچوں کو جو کہ اس کار خیر میں حارج ہوئے تھے سزا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (روح المعانی)

اور عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عوف بن مالک اشجعی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کرنے کا ارادہ کیا، ان کے بیوی بچوں نے مل کر ان کو غزوہ میں جانے سے روک لیا اور جدائی کو اپنے لئے شاق اور ناقابل برداشت بتایا، بعد میں جب عوف بن مالک کو تنبہ اور ندامت ہوئی تو اپنے بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا، اس سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

وَإِنْ تَعَفُّوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ سابقہ آیت میں جن کے بیوی بچوں کو دشمن قرار دیا ہے، ان کو جب اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تھا تو ارادہ کیا تھا کہ آئندہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ کریں گے اس پر آیت کے اس حصہ میں یہ ارشاد نازل ہوا کہ اگرچہ ان کے بیوی بچوں نے تمہارے لئے دشمن کا سا کام کیا ہے کہ تمہارے لئے فرض سے مانع ہوئے مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تشدد اور بے رحمی کا معاملہ نہ کرو بلکہ غفور و درگزر اور معافی کا برتاؤ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت بھی مغفرت اور رحمت کی ہے۔ (معارف)

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لِّعَنَى تَمَّهَارَے اموال اور اولاد جو تمہیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں تمہاری آزمائش ہیں، پس اس آزمائش میں تم اس وقت سرخ رو ہو سکتے ہو جب کہ تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہوتے ہیں، یہ دونوں چیزیں جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں وہیں انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ نِسْتِ وَهِيَ ثِنْتَا عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعًا

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ طلاق مدنی ہے، تیرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ الْمُرَادُ أُمَّتُهُ بِقَرِينَةٍ مَا بَعْدَهُ أَوْ قُلْ لَهُمْ
إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ أَرَدْتُمُ الطَّلَاقَ فَطَلَقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ لِأَوَّلِهَا بَانَ يَكُونُ الطَّلَاقُ فِي طَهْرٍ لَمْ تَمَسَّ فِيهِ
لِتَفْسِيرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانُ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ أَخْفَظُوهَا لِتُرَاجِعُوا قَبْلَ فَرَاغِهَا
وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ أَطِيعُوهُ فِي أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا تَخْرِجَنَّ مِنْهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ
إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ زَنَا مُبَيَّنَةٍ بَفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا أَوْ بَيِّنَتْ أَوْ بَيِّنَةٍ فَيَخْرُجَنَّ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ وَتِلْكَ
الْمَذْكُورَاتُ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ① مُرَاجَعَةٌ فِيمَا إِذَا
كَانَ وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ قَارَبْنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بَانَ تُرَاجِعُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ مِنْ غَيْرِ
ضَرَارٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ كُوهُنَّ حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُضَارُوهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ
وَأَشْهَدُ وَأَذْوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ عَلَى الرَّجْعَةِ أَوْ الْفِرَاقِ وَاقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ لَا لِمَشْهُودٍ عَلَيْهِ أَوْ لَهُ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ
كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ② مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
يَخْطُرُ بِبَالِهِ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فِي أُمُورِهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ③ كَافِيهِ إِنَّ اللَّهَ بِالْغُفْرِ مُرَادُهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِضَافَةِ
قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ كَرْخَاءً وَشِدَّةً ④ قَدْرًا ⑤ سِقَاتًا ⑥ وَاللَّيْ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَايَاءٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ يُؤْسَنُ مِنَ الْمَحِيضِ
بِمَعْنَى الْحَيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ شَكَّكُمْ فِي عِدَّتِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ ⑦ وَاللَّيْ لِمَحِيضٍ لِيَصْغُرْهُنَّ
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالْمَسْئَلَتَانِ فِي غَيْرِ الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَرْوَاجُهُنَّ، أَمَا هُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ مَا فِي آيَةِ الْبَقَرَةِ
يَتَرَبَّصْنَ بَأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ⑧ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطْلَقَاتٍ أَوْ مُتَوَفَّى عَنْهُنَّ
أَرْوَاجُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ⑨ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ الْمَذْكُورُ فِي الْعِدَّةِ

أَمْرًا لِلَّهِ حُكْمُهُ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝ أَسْكِنُوهُنَّ أَيْ الْمُطَلَّقَاتِ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ
 أَيْ بَعْضَ مَسَاكِينِكُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ أَيْ سَعَتِكُمْ عَطْفُ بَيَانٍ أَوْ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ بِإِعَادَةِ الْجَارِ وَتَقْدِيرِ مُضَافٍ
 أَيْ أَمَكِنَهُ سَعَتِكُمْ لَا مَا دُونَهَا وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ الْمَسَاكِينُ فَيَحْتَجْنَ إِلَى الْخُرُوجِ أَوْ النِّفْقَةِ
 فَيَفْتَدِينَ مِنْكُمْ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَضَعْنَ لَكُمْ أَوْلَادَكُمْ مِنْهُنَّ فَأَتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ
 عَلَى الْإِرْضَاعِ وَاتَّمَرُوا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوفٍ بِجَمِيلٍ فِي حَقِّ الْأَوْلَادِ بِالتَّوَافُقِ عَلَى أَجْرِ مَعْلُومٍ عَلَى
 الْإِرْضَاعِ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ تَضَايَقْتُمْ فِي الْإِرْضَاعِ فَامْتَنِعِ الْآبُ مِنَ الْأُجْرَةِ وَالْأُمُّ مِنْ فِعْلِهِ فَتَضَرَّعْ لَهُ لِأَبٍ
 أُخْرَى ۝ وَلَا تَكْرَهُ الْأُمُّ عَلَى إِرْضَاعِهِ لِيَنْفَقَ عَلَى الْمُطَلَّقَاتِ وَالْمُرْضِعَاتِ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قَدَّرَ ضَيْقَ
 عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَلْيَنْفَقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ أَيْ عَلَى قَدَرِهِ لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ وَقَدْ جَعَلَهُ
 بِالْفَتْوحِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے نبی! ما بعد کے قرینہ سے مراد آپ کی
 امت ہے، یا اس کے بعد قل لہم محذوف ہے (اے نبی! آپ ﷺ مسلمانوں سے کہئے) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے
 لگو یعنی طلاق دینا چاہو تو تم ان کو طلاق عدت کے شروع وقت میں دو اس طریقہ سے کہ طلاق ایسے طہر میں ہو کہ جس میں
 قربت (وطی) نہ کی ہو، آنحضرت ﷺ کے یہ تفسیر کرنے کی وجہ سے، (رواہ الشیخان) اور تم عدت کو یاد رکھو تا کہ عدت پوری
 ہونے سے پہلے تم رجوع کر سکو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اس کے امر و نہی میں اس کی اطاعت کرو ان عورتوں کو
 ان کے مسکن سے نہ نکالو اور نہ وہ خود اس سے نکلیں یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو جائے، الا یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں
 (زنا وغیرہ) یا ان کے فتح اور کسرہ کے ساتھ یعنی ظاہر یا ظاہر کرنے والی ہوں تو ان پر حدود قائم کرنے کے لئے ان کو نکالا جائے، یہ
 مذکورہ سب اللہ کے مقرر کردہ احکام ہیں، جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تجھے کیا معلوم کہ
 شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد مراجعت کی صورت نکال دے اس صورت میں جب کہ طلاق ایک یا دو ہوں پھر جب وہ
 (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت گزرنے کے قریب ہو جائے تو ان کو قاعدہ کے
 مطابق بغیر ضرر پہنچائے (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے مطابق ان کو رہائی دو یعنی ان کو چھوڑ دو کہ ان کی عدت
 پوری ہو جائے، اور (بار بار) رجعت کر کے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ، رجعت یا فرقت پر آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنا لو اور تم
 ٹھیک ٹھیک بلا رورعایت کے اللہ کے لئے گواہی دو اور تمہارا ارادہ کسی کو نہ فائدہ پہنچانے کا ہو اور نہ نقصان پہنچانے کا، اس مضمون
 سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نجات کی شکل
 نکال دیتا ہے یعنی دنیا و آخرت کی تکلیف سے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچا دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا یعنی

اس کے دل میں خیال بھی نہیں آتا، جو شخص اپنے کاموں میں اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام یعنی مراد پوری کر کے رہتا ہے اور ایک قراءت میں اضافت کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شیء مثلاً فراخی اور شدت (تنگی) کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور تمہاری وہ بیویاں جو حیض سے ناامید ہو گئی ہیں (وَالسَّالِیْسِ) میں ہمزہ اور یاء اور بلا یاء کے دونوں جگہ، اگر تم کو ان کی عدت کے بارے میں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے (اور اسی طرح) وہ عورتیں کہ جن کو صغریٰ کی وجہ سے حیض نہیں آیا تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے مذکورہ دونوں مسئلے ان عورتوں کے ہیں کہ جن عورتوں کے شوہروں کی وفات نہ ہوئی ہو، اب رہی وہ عورتیں کہ جن کے شوہروں کی وفات ہوئی ہے تو ان عورتوں کی عدت وہ ہے جس کا ذکر ”یَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا“ میں ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت خواہ مطلقات ہوں یا ”مُتَوَفَّی عَنْهُنَّ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ“ ہوں ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں دنیا و آخرت میں آسانی فرمادے گا عدت کے بارے میں جو مذکور ہوا یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے پاس بھیجا ہے جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور فرمادے گا اور اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو یعنی اپنی گنجائش کے مطابق نہ کہ اس سے کم اور گھر میں ان پر تنگی کر کے ان کو تکلیف مت پہنچاؤ کہ وہ نکلنے یا نفقہ پر مجبور ہو جائیں کہ وہ تمہارے پاس سے چلی جائیں اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حاملہ ہوں تو بچہ کی ولادت ہونے تک ان کو خرچ دو پھر وہ عورتیں (مدت کے بعد) ان سے تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو دودھ پلائی کی اجرت دو اور آپس میں اولاد کے حق میں مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو دودھ پلائی کی اجرت معروفہ پر اتفاق کر کے اور اگر تم دودھ پلانے کے معاملہ میں باہم کشمکش (تنگی) کرو گے تو باپ اجرت دینے سے اور ماں دودھ پلانے سے رک جائیں گے تو باپ کے لئے کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی اور مطلقات اور مرضعات پر وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے، اور جس کو (اللہ نے) تنگ روزی بنایا ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس سے زیادہ مکلف نہیں بناتا جتنا اس کو دیا ہے خدا تعالیٰ جلدی ہی تنگی کے بعد فراغت عطا فرمائے گا، اور بلاشبہ فتوحات کے بعد اس نے ایسا کر دیا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بِقَرِينَةٍ مَا بَعْدَهُ. مابعد سے مراد اذا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ہے اس لئے کہ اس میں صیغہ جمع استعمال ہوا ہے جس سے مراد امت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب آپ ﷺ ہی کو ہو اور طَلَّقْتُمُ جمع کا صیغہ بطور تعظیم لایا گیا ہو، اَوْ قُلْ لَهُمْ سے احتمال ثانی کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: اَرَدْتُمُ الطَّلَاقَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ ہوتا ہے کہ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ میں ترتب شیء علی نفسہ لازم آرہا ہے اور یہ تحصیل حاصل ہے جو محال ہے اس لئے کہ شیء کا حمل خود اپنے

اور درست نہیں ہوتا، اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے ارد تم الطلاق کا اضافہ فرمایا، تاکہ ترتب شیء علی نفسہ کا شبہ ختم ہو جائے۔

قَوْلٌ: لَا وَلَهَا، اِیْ فِی اَوَّلِ الْعِدَّةِ یعنی عدت کے اول وقت میں اور عدت کا وقت امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک طہر کا وقت ہے مطلب یہ ہے کہ اول طہر میں جس میں قربت نہ کی ہو طلاق دو، یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے مسلک کے مطابق ہے۔

قَوْلٌ: بُیِّنَتْ اَوْ بَیِّنَةٌ یہ مُبَیِّنَةٌ بفتح الیاء اور بکسر الیاء کی قراءت کی تشریح ہے بُیِّنَتْ فتح کی صورت میں اور بَیِّنَةٌ کسرہ کی صورت میں۔

قَوْلٌ: احفظوها، اِیْ احفظوا وقت عِدَّتِہَا یعنی اس وقت کو یاد رکھو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

قَوْلٌ: ذَلِکُمْ یُوعَظُ بِہِ، اِیْ الْمَذکور من اول السورة الى ہذا۔

قَوْلٌ: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا یہ احکام نساء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلٌ: وَفِی قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ، اِیْ بِالْعُ امْرِہِ۔

قَوْلٌ: وَاللّٰمِیْ مبتداء ہے اور فَعِدَّتُہُنَّ اس کی خبر ہے۔

قَوْلٌ: اِنْ اَرْتَبْتُمْ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اِیْ فَاَعْلَمُوا اَنَّہَا ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ شرط اور جواب شرط جملہ معترضہ ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فَعِدَّتُہُنَّ جواب شرط ہو۔

قَوْلٌ: اُولَاتُ الْاَحْمَالِ مبتداء ہے اَجَلُہُنَّ مبتداء ثانی ہے۔

قَوْلٌ: اَنْ یَّضَعَنَّ ثانی مبتداء کی خبر ہے اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

نام:

اس سورت کا نام الطلاق ہے، بلکہ یہ اس سورت کے مضمون کا عنوان بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے اس کا دوسرا نام، سورۃ النساء القصری، چھوٹی سورۃ نساء بھی منقول ہے، مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول سورۃ بقرہ کی ان آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام پہلی مرتبہ دیئے گئے تھے۔

اس سورت کے احکام کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان ہدایات کو ذہن نشین کر لیا جائے جو طلاق اور عدت سے متعلق اس سے پہلے قرآن میں بیان ہو چکی ہیں۔

۱ طلاق دوبار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا پھر بھلے طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔

(البقرہ، ۲۲۹)

۲ اور مطلقہ عورتیں (طلاق کے بعد) اپنے آپ کو تین حیض تک روک رکھیں اور ان کے شوہر اس مدت میں ان کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لینے کے حقدار ہیں اگر وہ اصلاح پر آمادہ ہوں۔ (البقرہ، ۲۲۸)

پھر اگر وہ (تیسری بار) ان کو طلاق دیدیں تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہوں گی جب تک کہ اس عورت کا نکاح کسی اور سے نہ ہو جائے۔ (البقرہ، ۲۳۰)

۳ جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورا کرنے کا تم مطالبہ کرو۔ (الاحزاب، ۴۹)

۴ اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو روک رکھیں۔ (البقرہ، ۲۳۴)

ان آیات میں جو قواعد مقرر کئے گئے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ مرد اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق دے سکتا ہے۔

۲ ایک یا دو طلاق کی صورت میں مرد کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت گزر جانے کے بعد اگر وہی شوہر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس کے لئے تحلیل کی کوئی شرط نہیں ہے۔

۳ مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اس کی عدت یہ ہے کہ اسے طلاق کے بعد تین حیض آجانے تک چھوڑے رکھے، ایک یا دو صریح طلاق کی صورت میں شوہر کو مدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہوگا، تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

۴ غیر مدخولہ عورت جسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدی جائے اس کے لئے کوئی عدت نہیں وہ چاہے تو طلاق کے فوراً بعد نکاح کر سکتی ہے۔

۵ جس عورت کا شوہر مرجائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

سورہ طلاق کے نزول کا مقصد:

سورہ طلاق کے نزول کے دو مقاصد ہیں:

۱ ایک یہ کہ مرد کو جو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اس کو استعمال کرنے کے حکیمانہ طریقے بتائے جائیں، جن سے حتی الامکان جدائی کی نوبت ہی نہ آنے پائے اور اگر جدائی ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں ہو کہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں، کیونکہ خدائی شریعت میں طلاق ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر رکھی گئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سخت ناپسند فرماتا ہے،

نبی ﷺ کا ارشاد ہے ”مَا أَحَلَّ اللَّهُ شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ“ تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

۲ دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورہ بقرہ کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دیکر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کر دی جائے، اس سلسلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن مدخولہ عورتوں کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، طلاق کی صورت میں ان کی عدت کیا ہوگی، اور جو عورت حامل ہو اسے اگر طلاق دیدی جائے یا اس کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت کیا ہے؟ اور مختلف قسم کی مطلقہ عورتوں کی نفقہ اور سکونت کا انتظام کس طرح ہوگا، اور جس بچے کے والدین طلاق کے ذریعہ الگ ہو گئے ہوں ان کی رضاعت کا انتظام کس طرح کیا جائے؟

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ يہاں خطاب اگرچہ بظاہر آپ ﷺ ہی کو معلوم ہوتا ہے مگر مراد امت ہے، اس کی تائید طَلَّقْتُمُ کے جمع کے صیغہ سے بھی ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ طَلَّقْتُمُ جمع کا صیغہ آپ ﷺ ہی کے لئے تعظیم کے طور پر بولا گیا ہو، امت کے مراد ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں خاص طور پر آپ ﷺ ہی کو خطاب مقصود ہوتا ہے تو وہاں اکثر يٰأَيُّهَا الرَّسُولُ فرمایا جاتا ہے اور جہاں امت کو خطاب مقصود ہوتا ہے وہاں يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ فرمایا جاتا ہے۔

اسلامی عائلی قانون کی روح:

اسلامی عائلی قانون کی روح یہ ہے کہ جن مردوں اور عورتوں میں ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو جس سے ان دونوں کی دنیا اور آخرت دونوں درست ہوں، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال و اخلاق بھی درست ہوں، اسی لئے نکاح کے معاملہ میں شروع سے آخر تک اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک و صاف رکھنے کی اور اگر کبھی پیدا ہو جائے تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے، جن مذاہب میں طلاق کا اصول نہیں ہے ان میں ایسے واقعات میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور بعض اوقات انتہائی برے نتائج سامنے آتے ہیں، اس لئے اسلام نے نکاح کی طرح طلاق کے بھی قواعد و ضوابط مقرر فرما دیئے مگر ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیدی کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض و مکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے“ (ابوداؤد) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”تَزَوُّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَرُ مِنْهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ“ یعنی نکاح کرو طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرشِ رحمن ہل جاتا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب اللہ

تعالیٰ کے نزدیک غلاموں کا آزاد کرنا ہے اور سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ طلاق ہے۔ (معارف، قرطبی)

بہر حال اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض ناگزیر موقعوں پر شرائط کے ساتھ اجازت دی تو اس کے لئے کچھ اصول اور قواعد بنا کر اجازت دی جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس رشتہ ازدواج کو ختم کرنا ہی ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور حسن معاملہ کے ساتھ انجام پائے، محض غصہ اتارنے اور انتقام لینے کی صورت نہ بنے۔

پہلا حکم:

فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ ”عدت“ کے لغوی معنی شمار کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس عدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے سے ممنوع ہو جاتی ہے، اس مدت انتظار کو عدت کہتے ہیں، اور نکاح سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں، ① ایک یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے اس عدت کو عدت وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہے، ② دوسری صورت طلاق ہے، عدت طلاق غیر حاملہ کے لئے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اور بعض دیگر ائمہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک تین حیض مکمل ہیں اور امام شافعی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی اور دوسرے بعض ائمہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک طہر عدت طلاق ہے یعنی کچھ ایام یا مہینے مقرر نہیں، جتنے مہینوں میں تین حیض اور تین طہر پورے ہو جائیں وہی عدت طلاق ہوگی، اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے حیض منقطع ہو چکا ہے ان کا حکم آئندہ مستقلاً آرہا ہے، اور اسی طرح حمل والی عورتوں کا حکم بھی آگے آرہا ہے اس میں عدت وفات اور عدت طلاق دونوں یکساں ہیں، فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ اور صحیح مسلم کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فَطَلِّقُوا لِقَبْلِ عَدَّتِهِنَّ تلاوت فرمایا، آیت مذکورہ کی دونوں قراءتوں اور ایک روایت سے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم متعین ہو گیا کہ جب کسی عورت کو طلاق دینا ہو تو عدت شروع ہونے سے قبل طلاق دی جائے اور امام شافعی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی وغیرہ کے نزدیک چونکہ عدت طہر سے شروع ہوتی ہے اس لئے لِقَبْلِ عَدَّتِهِنَّ کا مفہوم یہ قرار دیا کہ بالکل شروع طہر میں طلاق دے دی جائے۔

طَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دے اور نہ اس طہر میں دے جس میں شوہر مباشرت کر چکا ہو، جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے تو اس کو ایک طلاق دیدے، اس صورت میں اگر شوہر رجوع نہ کرے اور عدت گذر جائے تو وہ صرف ایک ہی طلاق سے جدا ہو جائے گی۔ (ابن جریر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں عدت کے لئے طلاق یہ ہے کہ طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دی جائے، یہی تفسیر عبداللہ بن عمر، عطاء، مجاہد، میمون بن مہران، مقاتل وغیرہم سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

اس آیت کے منشا کو بہترین طریقہ سے خود رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر واضح فرمایا تھا جب حضرت عبداللہ بن عمر

رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تھی، اس واقعہ کی تفصیلات قریب قریب حدیث کی ہر کتاب میں نقل ہوئی ہیں۔

قصہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ سن کر سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ اس سے کہو کہ بیوی سے رجوع کرے یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر اسے حیض آئے اور اس سے فارغ ہو کر وہ طاہر ہو جائے اس کے بعد اگر وہ طلاق دینا چاہے تو طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دے۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے، دوسری یہ کہ اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس طلاق سے رجعت کر لینا واجب ہے (بشرطیکہ طلاق قابل رجعت ہو جیسا کہ ابن عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعہ میں تھی) تیسری یہ کہ جس طہر میں طلاق دینی ہو اس میں مباشرت نہ ہو، چوتھی یہ کہ یہ آیت فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ کی یہی تفسیر ہے۔

دوسرا حکم:

وَإِخْصُوا الْعِدَّةَ ہے مطلب یہ کہ عدت کے ایام کو اہتمام سے یاد رکھنا چاہئے، یاد رکھنے کی ذمہ داری اگرچہ دونوں کی ہے مگر چونکہ ایسے معاملات میں جن کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں کی ہوتی ہے اکثر خطاب مرد کو ہوتا ہے۔

تیسرا حکم:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اس آیت میں لفظ بُيُوتِهِنَّ سے اشارہ کر دیا کہ گھر میں عورت کا بھی حق سکونت ہے اور جب تک اس کی عدت ختم نہیں ہو جاتی عورت کا حق سکونت باقی رہتا ہے محض طلاق دینے سے سکنتی کا حق ساقط نہیں ہو جاتا، اور نہ وہ خود نکل سکتی ہے اگرچہ شوہر اس کی اجازت بھی دیدے، اس لئے کہ سکنتی محض حقوق العباد میں سے نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے۔

چوتھا حکم:

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ یہ ماقبل کی آیت کے مضمون سے مستثنیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ بیت سکنتی سے نہ تو مرد کا معتدہ کو نکالنا جائز ہے اور نہ اس کا خود نکلنا جائز ہے مگر یہ کہ عورت کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے، بے حیائی سے مراد مثلاً خود ہی گھر سے نکل بھاگے یا زنا کا ارتکاب کرے یا زبان درازی سے سب کو تنگ کر دے۔

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ (الآیہ) اس آیت سے احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید ہے کہ یہ شریعت کے مقرر کردہ حدود و قواعد ہیں

جو شخص ان مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا، تو اس نے گویا خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے، اگر رجوع کرنا ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرو، بصورت دیگر انہیں معروف طریقہ کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

اس رجعت یا طلاق پر گواہ بنا لو یہ امر استحباب کے لئے ہے، بعض حضرات کے نزدیک وجوب کے لئے ہے، نیز گواہوں کو تاکید کی گئی ہے کہ کسی کی رورعایت کے بغیر گواہی دیں نہ کسی کو فائدہ پہنچانا مقصد ہو اور نہ نقصان پہنچانا۔

جن عورتوں کا حیض کبرسنی یا کسی اور وجہ سے منقطع ہو گیا ہو یا صغرنی کی وجہ سے ابھی شروع نہ ہوا ہو تو ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔

مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ دوسرے ہی دن وضع حمل ہو جائے، حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت وضع حمل ہے اور غیر حاملہ کی چار ماہ دس دن، نیز مطلقہ رجعیہ اور بانہ کے لئے سکنی ہے۔

وَكَانَ هِيَ كَافُ الْجَرْدِ خَلَّتْ عَلَى أَيِّ مِّنْ قَرْيَةٍ أَى وَكَثِيرٍ مِّنَ الْقُرَى عَتَتْ عَصَتْ يَغْنَى أَهْلَهَا
عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَهَا فِي الْآخِرَةِ وَإِنْ لَمْ تَجِءْ لِيَتَحَقَّقْ وَقُوعُهَا حَسَابًا شَدِيدًا وَعَدَّ بِنَهَا عَذَابًا ثَكْرًا ① بِسَكُونِ
الْكَافِ وَضَمِّهَا فَظِيْعًا وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا عُقُوبَتَهُ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ② خَسَارًا وَهَلَاكًا
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا تَكْرِيرُ الْوَعِيدِ تَاكِيدٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ أَصْحَابَ الْعُقُولِ الَّذِينَ آمَنُوا نَعْتٌ
لِّلْمُنَادَى أَوْ بَيَانٌ لَهُ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ③ هُوَ الْقُرْآنُ رَسُولًا أَى مُحَمَّدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلِ مُقَدَّرٍ أَى
وَأَرْسَلَ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا كَمَا تَقَدَّمَ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بَعْدَ مَجِئِ
الذِّكْرِ وَالرَّسُولِ مِنَ الظُّلُمَاتِ الْكُفْرِ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِ إِلَى النُّورِ الْإِيمَانِ الَّذِي قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الْكُفْرِ وَمَنْ يُؤْمِنْ
بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ فِي جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ④ هُوَ رِزْقُ
الْجَنَّةِ الَّتِي لَا يَنْقَطِعُ نَعِيمُهَا اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَعْنِي سَبْعَ أَرْضِينَ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ الْوَحْيُ
بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَنْزِلُ جِبْرَائِيلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ لِيَتَعَلَّمُوا مُتَعَلِّقٌ
بِمَخْذُوفٍ أَى أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِيلِ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑤

عند التقدیر

ع ۱۸

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں (کسائن) میں کاف جر ہے، جو اُٹی پر داخل ہے کَم کے معنی میں ہے، جس کے رہنے والوں نے اپنے رب کے حکم کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے آخرت میں ان کا سخت محاسبہ کیا اور سخت عذاب دیا اگرچہ آخرت کا وقوع ابھی نہیں ہوا مگر یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، نُکْرًا کاف کے سکون اور ضمہ کے

ساتھ بمعنی شدید ہے، اور وہ آگ کا عذاب ہے، پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ لیا (یعنی ان کا انجام بھگت لیا) انجام کار ان کا خسارہ زیاں اور ہلاکت ہی ہوئی، اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے وعید کی تکرار تاکید کے لئے ہے پس اللہ سے ڈرو، اے عقلمند اور ایمان والو! (الَّذِينَ آمَنُوا) منادی کی صفت یا اس کا بیان ہے، یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکر قرآن نازل فرمایا ہے رسول ﷺ یعنی محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا رسولاً فعل مقدر یعنی اَرْسَلَ کی وجہ سے منصوب ہے، وہ تم کو اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، مَبِیْنَتٌ یاء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ، جیسا کہ سابق میں گذر چکا تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ذکر اور رسول آنے کے بعد اس کفر کی ظلمت سے جس پر وہ تھے نور یعنی اس ایمان جس پر وہ کفر کے بعد قائم رہے، کی طرف نکالے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا (اللہ) اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی اور ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے اور وہ جنت کی روزی ہے جس کی نعمتیں کبھی منقطع ہونے والی نہیں، اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی یعنی سات زمینیں وحی ان کے درمیان یعنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان اترتی ہے، حضرت جبریل علیہ السلام اس کو ساتویں آسمان سے ساتویں زمین پر لے کر اترتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو علم کے اعتبار سے گھیر رکھا ہے۔ (یعنی علمی احاطہ کر رکھا ہے)۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: وَكَأَنَّ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ یہ کلام متانف ہے وعدہ فتح کی تصدیق کے لئے لایا گیا ہے، كَأَنَّ خبریہ بمعنی گم ہے مِّنْ قَرْيَةٍ، كَأَنَّ کی تمیز ہے كَأَنَّ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے اور عَتَتْ اس کی خبر ہے۔

قَوْلٌ: عَتَتْ، اَعْرَضَتْ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بعن ہے۔
قَوْلٌ: یعنی اہلہا قریہ بول کر اہل قریہ مراد لیا گیا ہے، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور مجاز مرسل کے قبیل سے ہے، علاقہ حال محل کا ہے یعنی محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: لتحقق وقوعها اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: جزاء سزا اور حساب و کتاب آخرت میں ہوگا، پھر حَاسَبْنَاهَا ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرنے کا کیا مقصد ہے؟
جواب: حساب کا وقوع چونکہ یقینی ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا یعنی اس کا وقوع ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ ماضی کا وقوع یقینی ہوتا ہے، یا اس لئے کہ اللہ کے علم ازلی میں اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
(بالاضافہ صاوی)

قَوْلٌ: تکریر الوعد توکید یعنی مذکورہ چار جملوں میں وعید کو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، وہ چار جملے یہ ہیں،

① فَحَاسَبْنَاهَا ② وَعَذَّبْنَاهَا ③ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا ④ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا.

قَوْلُهُ: «أَوْبَيَانُ» بیان سے مراد عطف بیان ہے۔

قَوْلُهُ: «مُبَيِّنَاتٍ» یہ آیات سے حال ہے، فتح کی صورت میں اللہ نے اس کو واضح کر دیا، کسرہ کی صورت میں وہ خود واضح ہے۔

(صاوی)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكَرًا اس آیت میں ان قوموں کے حساب و عذاب کا ذکر ہے جو آخرت میں ہونے والا ہے، مگر یہاں اس کو ماضی کے صیغے حَاسَبْنَاهَا اور عَذَّبْنَاهَا سے تعبیر کرنا اس کے یقینی الوقوع ہونے کے اعتبار سے ہے (کما فی روح) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں سوالات اور باز پرس مراد نہ ہو بلکہ سزا کی تعیین ہو اسی کو حساب کرنے سے تعبیر فرمادیا۔

قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُولًا اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ أَرْسَلَ محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور بھیجا رسول کو، دیگر مفسرین حضرات نے اور توجیہات بھی لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں کثرت ذکر کی وجہ سے رسول گویا خود ذکر ہو گیا تو یہ زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا۔

لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِلَى النُّورِ یعنی جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی کی طرف نکال لائے، اس ارشاد کی پوری اہمیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عائلی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے، اور اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نئی نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرہ کے لئے مفید قانون میسر نہیں آ سکا جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول ﷺ نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہم کو دیا تھا، اور جس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت نہ کبھی پیش آئی اور نہ پیش آ سکتی ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ، مِثْلَهُنَّ فِي تَشْبِيهِ اجمالی ہے کہ کس چیز میں زمین مثل سماوات ہے اس آیت سے اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں، پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں ہیں اور کس وضع و صورت میں ہیں؟ تہ برتہ طبقات کی شکل میں ہیں یا ہر زمین کا مقام الگ الگ ہے؟ اگر اوپر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں فرشتے آباد ہیں اسی طرح ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ ہے اور اس میں کوئی مخلوق آباد ہے یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے متصل اور پیوستہ ہیں؟ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس

سلسلہ میں آئی ہیں ان میں اکثر ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح اور ثابت قرار دیا ہے اور بعض نے موضوع اور منکھوت تک کہہ دیا ہے، مگر عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ (معارف)

مِثْلُهُنَّ کی تفسیر احادیث کی روشنی میں:

اس کی تفسیر صحاح میں یوں آئی ہے، بخاری اور مسلم میں ہے، جس نے کسی کی زمین ظلماً غصب کر لی تو قیامت میں وہ زمین اپنے ساتوں طبقوں سمیت اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی ”طَوَّقَهُ مِنْ اَرْضِ سَبْعِیْنِ“ اور بخاری میں ہے ”خُسِفَ بِهِ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنِ“ ان احادیث سے سات زمینوں کا ثبوت اطمینان بخش طریقہ پر ثابت ہو گیا ہے۔

اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے اثر میں ہرز زمین پر مخلوق اور نبی کا ہونا بھی منقول ہے۔ (خلاصۃ التفسیر)

قدیم مفسرین میں صرف ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اس دور میں اس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور بھی کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ کائنات میں اس زمین کے علاوہ کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے؟ موجودہ زمانہ کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ سو اچودہ سو سال پہلے کے لوگ اسے بآسانی باور کر سکتے، اسی لئے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں اس سے لوگوں کے ایمان متزلزل نہ ہو جائیں، چنانچہ مجاہد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ ان سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس کی تفسیر تم لوگوں سے بیان کر دوں تو تم کافر ہو جاؤ گے اور تمہارا کفر یہ ہوگا کہ اسے جھٹلاؤ گے، قریب قریب یہی بات سعید بن جبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی منقول ہے، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا، کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر میں تمہیں اس کا مطلب بتا دوں تو تم کافر نہ ہو جاؤ گے؟ (ابن جریر، عبد بن حمید) تاہم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور بیہقی نے ابوالضحیٰ کے واسطے سے باختلاف الفاظ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی یہ تفصیل نقل کی ہے ”فِی کُلِّ اَرْضٍ نَبِیٌّ کَذَبَیْکُمْ وَاَدَمُ کَاذِبٌ کَرِیْمٌ“ ان میں سے ہرز زمین میں نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور آدم ہے تمہارے آدم جیسا، اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ جیسا، اس روایت کو ابن حجر نے فتح الباری میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، البتہ میرے علم میں ابوالضحیٰ کے علاوہ کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے، اس لئے یہ بالکل شاذ روایت ہے، بعض دوسرے علماء نے اس کو کذب اور موضوع قرار دیا ہے، اور ملا علی قاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کو موضوعات کبیر میں (ص ۱۹) میں موضوع کہتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہی کی روایت ہے تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے رد کرنے کی اصل وجہ لوگوں کا اسے بعید از عقل و فہم سمجھنا ہے، ورنہ بجائے خود اس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے چنانچہ

علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے اور نہ شرعاً، مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح آدمی ہماری زمین میں آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی طرف راجع ہوتے ہیں اور ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے یہاں دوسروں کی بہ نسبت اسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ہمارے نوح اور ابراہیم عَلَيْهِمَا السَّلَام ممتاز ہیں، آگے چل کر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ زمین سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی صرف سات ہی نہ ہوں سات کے عدد پر جو عدد تام ہے اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نئی ہو پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی دوری جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں ”ہو من باب التقریب للافہام“ یعنی اس سے ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو جائے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حال ہی میں امریکہ کے رائڈ کار پریشن نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے صرف اس کے اندر تقریباً ۶۰ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات زمین سے بہت کچھ مشابہ اور ملتے جلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہوں۔

(اکانومسٹ، لندن، مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۶۹ء)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے اثر میں ہر زمین پر مخلوق اور نبی کا ہونا منقول ہے، اس کی تفصیل اور تقریر میں جناب مولانا ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے رسائل تصنیف کئے ہیں، اور بعض لوگوں کو جو یہ شبہ ہوا ہے کہ ہر زمین میں مثل ان انبیاء کا ہونا مستوجب ہے مماثلت نبی کریم ﷺ سردار انبیاء کو اور مستلزم ہیں اس بات کو کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء نہ ہوں، اس نے غور نہیں کیا، معافی اور مفاد تشبیہ میں، بلکہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی علوشان کو نہ سمجھا ورنہ ایسی جرات نہ ہوتی نہ مماثلت موجب مساوات ہے اور نہ حضور ﷺ کے فضل خاتمیت کا معارض۔

(حاشیہ خلاصۃ التفاسیر للنائب لکھنوی ملخصاً)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ التَّحْرِيمِ بِدَنِيَّةٍ وَهِيَ ثِنْتَا عَشْرَةَ آيَةً فِيهَا اَرْكَوْنَا

سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ اِثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ تحریم مدنی ہے، بارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تَحَرِّمُ مَا حَلَّلَ اللّٰهُ لَكَ ۚ مِنْ اَمَتِكَ مَارِیَةَ الْقُبَطِیَّةِ
لَمَّا وَاَقَعَهَا فِی بَیْتِ خَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَیْهَا كَوْنُ ذٰلِكَ فِی بَیْتِهَا وَعَلٰی فِرَاشِهَا
حَیْثُ قُلْتَ هٰی حَرَامٌ عَلٰی تَبْتَغِیْ بِتَحْرِیْمِهَا مَرْضَاتِ اَزْوَاجِكَ اِی رِضَاهُنَّ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ غَفَرَ لَكَ
هٰذَا التَّحْرِیْمَ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ شَرْعًا لَكُمْ لِحَلَّةِ اَیْمَانِكُمْ تَحْلِیْلُهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِی سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ وَبِیْنَ الْاَیْمَانِ
تَحْرِیْمُ الْاَمَةِ وَهَلْ كَفَرَ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُقَاتِلٌ اَعْتَقَ رَقَبَةً فِی تَحْرِیْمِ مَارِیَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ یَكْفِرْ
لَاَنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ وَاللّٰهُ مُوَلِّیُّكُمْ نَاصِرُكُمْ ۝ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ وَ اِذْ كُرِ اِذَا سَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهِ هٰی خَفْصَةُ
حَدِیْثًا ۚ هُوَ تَحْرِیْمُ مَارِیَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْسِدِیْ فَلََمَّا نَبَّأَتْ بِهٖ غَائِشَةُ ظَنَّا بِسُوءِهَا اَنْ لَا خَرَجَ فِی ذٰلِكَ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ
اَطْلَعَهُ عَلَیْهِ عَلَى الْمُنْبَأِ بِهٖ عَرَّفَ بَعْضُهُ لِحَفْصَةَ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ تَكَرُّمًا مِنْهُ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاكَ هٰذَا
قَالَ نَبَاَنِی الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ اِی اللّٰهُ اِنْ تَتُوْبَا اِی خَفْصَةُ وَغَائِشَةُ اِلٰی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ مَالَتْ اِلٰی تَحْرِیْمِ
مَارِیَةَ اِی سَرَكُمَا ذٰلِكَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِیِّ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَهُ ذٰلِكَ ذَنْبٌ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ
اِی تَتُوْبَا وَاُطْلِقَ قُلُوْبٌ عَلٰی قَلْبَیْنِ وَلَمْ یُعْبَرْ بِهٖ لِاسْتِثْنَائِ الْجَمْعِ ثَنِیَّتَیْنِ فِیْمَا هُوَ كَاَلْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ
وَ اِنْ تَظْهَرَا بِاَذْغَامِ التَّاءِ الثَّانِیَةِ فِی الْاَصْلِ فِی الظَّاءِ وَفِی قِرَاءَةِ بَدْوْنِهَا فَتَعَاوَنَا عَلَیْهِ اِی النَّبِیُّ فِیْمَا یَكْرَهُهُ
وَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ فَضَّلَ مُوَلِّیُّهُ نَاصِرُهُ وَجَبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبُوْبَكْرٌ وَعُمَرُ مَغْطُوْفٌ عَلٰی مَحَلِّ اسْمِ اِنْ
فَیَكُوْنُوْنَ نَاصِرِیْهِ وَالْمَلٰئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِعَدِّ نَصْرِ اللّٰهِ وَالْمَذْكُوْرَیْنِ ۝ ظَهَرَ اَنْ اَعْوَانَ لَهُ فِی نَصْرِهِ عَلَیْكُمْ
عَلٰی رَبِّهِ اِنْ طَلَقَكُنَّ اِی طَلَّقَ النَّبِیُّ اَزْوَاجَهُ اَنْ یُّبَدِّلَهُ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُمْ خَیْرٌ عَسٰی
وَالْجُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ یَقَعْ التَّبْدِیْلُ لِغَدَمِ وَقُوْعِ الشَّرْطِ مُسْلِمَتِ مُقْرَأَتِ بِالْاِسْلَامِ مُؤْمِنَتِ مُخْلِصَاتِ

قَتِیْتُ مُطِیْعَاتٍ تَبِیْتُ عِبْدَتِ سَلِیْحَتِ صَائِمَاتٍ اَوْ مُهَاجِرَاتٍ تَبِیْتُ وَابْكَارًا ۝ یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ بِالْحَمْلِ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ الْكُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ ۝ كَاَصْنَٰمِهِمْ مِنْهَا یَعْنٰی اَنَّهَا مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تُتَّقَدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْیَا تُتَّقَدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهِ عَلَیْهَا مَلَكَةٌ خَزَنَتُهَا عِدَّتُهُمْ بِسَعَةِ عَشَرَ كَمَا سَیَاتٰی فِی الْمُدِّیْرِ غِلَظٌ مِّنْ غَلِظِ الْقَلْبِ شِدَادٌ فِی الْبَطْشِ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ بِدَلٍّ مِّنَ الْجَلَالَةِ اِی لَا یَعْصُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ تَاكِیْدُ وَالْاٰیَةُ تَخْوِیْفٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ عَنِ الْاِرْتِدَادِ وَلِلْمُنَافِقِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْیَسَنِیَّتِهِمْ دُونَ قُلُوْبِهِمْ یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوْا الْیَوْمَ یُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ عِنْدَ دُخُوْلِهِمُ النَّارَ اِی لَا یَنْفَعُكُمْ اِنَّمَا تُخْرَجُوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِی جَزَاءُ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس کو جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے؟ یعنی اپنی باندی ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو جب کہ آپ ﷺ نے اس سے حصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے گھر میں ہمبستری فرمائی، اور حصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا موجود نہیں تھیں، اچانک آگئیں اور یہ بات ان کے گھر میں ان کے بستر پر ان کو گراں گذری، اس وقت آپ ﷺ نے ہٰی حَرَامٌ عَلٰی وہ میرے اوپر حرام ہے فرمادیا، اس کو حرام کر کے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے آپ ﷺ کے اس حرام کرنے کو معاف فرمادیا، تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کفارہ دے کر جس کا سورہ مائدہ میں ذکر ہے کھول ڈالنا فرض مشروع کیا ہے اور باندی کو حرام کر لینا بھی قسم میں داخل ہے! کیا آپ ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا (یا ادا نہیں فرمایا) مقاتل نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ماریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی تحریم کے سلسلہ میں ایک غلام آزاد فرمایا، اور حسن نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے کفارہ ادا نہیں فرمایا، اس لئے کہ آپ ﷺ تو بخشنے بخشنے ہیں، اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی حکمت والا ہے اور یاد کرو اس وقت کو جب آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج سے اور وہ حصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ہیں راز دارانہ طور پر ایک بات کہی اور وہ ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی تحریم کی بات تھی اور آپ ﷺ نے (حصہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) سے یہ بھی فرمایا کہ اس راز کو ظاہر نہ کرنا مگر اس نے اس بات کی عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو خبر کر دی یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ نے اپنے نبی کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا تو نبی نے حصہ کو تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی ٹال گئے آپ ﷺ کے کرم (حسن خلق کی وجہ سے) سو پیغمبر نے اس بیوی کو وہ بات بتلا دی تو کہنے لگی آپ ﷺ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر دی اے حصہ اور عائشہ! اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کر لو تو بہتر ہے، یقیناً تم دونوں کے دل ماریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی تحریم کی طرف مائل ہو گئے ہیں یعنی ان کو (اس تحریم) نے خوش کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات ناگوار گذری، اور یہ بات گناہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے (ای تقبلا) اور قلبین پر قلوب کا اطلاق کیا، دونوں کو تثنیہ سے تعبیر نہیں کیا، دوستیوں

کے کلمہ واحد کے مانند میں جمع ہونے کے ثقیل ہونے کی وجہ سے، اور اگر تم دونوں نبی کے خلاف اس چیز میں جس کو نبی ناپسند کرتا ہے مدد کرو گی تو اللہ اس کا مددگار ہے ھُوَ ضمیر فصل ہے اور جبرائیل اور میکائیل والے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جبرئیل و صالح المؤمنون کا اِن کے اسم کے محل پر عطف ہے تو یہ سب آپ ﷺ کے مددگار ہیں اور اللہ اور مذکورین کی مدد کے علاوہ فرشتے اس کے مددگار ہیں یعنی تمہارے مقابلہ میں اس کی نصرت کے معاون (و مددگار ہیں) اگر نبی تم کو طلاق دیدے یعنی نبی اپنی ازواج کو طلاق دیدے، تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے عوض میں تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا، (یُبَدِّلُہ) دال کی تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے (اَزْوَاجًا) عسی کی خبر اور جملہ جواب شرط ہے اور شرط کے واقع نہ ہونے کی وجہ سے تبدیلی واقع نہیں ہوئی، جو اسلام لانے والیاں ہوں گی توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزے رکھنے والیاں؛ ہجرت کرنے والیاں ہوں گی بیوہ اور کنواریاں ہوں گی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اللہ کی طاعت پر آمادہ کر کے نار جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن کافر انسان ہیں اور پتھر ہیں جیسا کہ پتھر کے بت یعنی جہنم شدید حرارت والی ہے جس کو مذکورہ چیزوں سے جلایا گیا ہے نہ کہ دنیا کی آگ کے مانند جس کو لکڑی وغیرہ سے جلایا جاتا ہے جس کے ٹکراؤ سخت دل فرشتے ہیں جن کی تعداد انیس ہے جیسا کہ سورہ مدثر میں آئے گا غلاظ، غلظ القلب سے ماخوذ ہے اور پکڑ کرنے کے اعتبار سے شدید ہیں جن کو جو حکم اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے (مَا أَمَرَ اللّٰہُ) لفظ اللہ سے بدل ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے (بلکہ) جس بات کا حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں یہ تاکید ہے اور آیت میں مومنین کے لئے ارتداد سے اور زبان سے نہ کہ دل سے ایمان لانے والے منافقین کے لئے ڈراوا ہے، اے کافرو! تم آج عذر بہانہ مت کرو ان سے یہ بات دوزخ میں داخلے کے وقت کہی جائے گی، یہ اس لئے کہ عذر و معذرت ان کو کوئی نفع نہ دے گی، تمہیں صرف تمہارے کرتوتوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

تَحْقِيقُ شَرَكِيَّةٍ تَسْبِيلٍ تَفْسِيرِي فَوَائِدُ

سورہ تحریم کا دوسرا نام سورۃ النبی بھی ہے۔ (فرطی)

قَوْلًا: مَارِيَةِ الْقِبْطِيَّةِ یہ وہ باندی تھیں جنہیں مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا، یہ واقعہ ۷ھ میں پیش آیا اور ان کے لطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

قَوْلًا: تَحِلَّةٌ کھولنا، حلال کرنا حَلَّلَ کا مصدر ہے۔

قَوْلًا: جَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوفٌ، اِنْ تَتُوبَا شَرْطُہ ہے اور فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا علت شرط ہے یعنی تم توبہ اس لئے کرو کہ تمہارے قلوب حق سے غیر حق کی طرف مائل ہو گئے ہیں، جواب شرط تَقْبَلَا مَحْذُوفٌ ہے یعنی اگر تم توبہ کرو گی تو قبول کر لی جائے گی کما صرَّحَ بہ المفسر العلام، اور بعض حضرات نے یکن خیرًا لکم جزاء مَحْذُوفٌ مانی ہے۔

قَوْلًا: اُطْلِقْ قُلُوبٌ عَلَى قَلْبَيْنِ النّخ.

سُؤَال: قُلُوبُكُمَا میں تشنیہ کی جگہ قلوب جمع لایا گیا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ قَلْبَاکُمَا تھا اس لئے کہ دو آدمیوں کے دو ہی قلب ہوتے ہیں۔

جَوَاب: مثل کلمہ واحدہ میں دو تشبیہوں کا اجتماع ثقیل ہونے کی وجہ سے قلوب جمع لایا گیا ہے۔

سُؤَال: مثل کلمہ واحدہ کیوں فرمایا نہ کہ کلمہ واحدہ؟

جَوَاب: مضاف اور مضاف الیہ حقیقت میں دو کلمے ہوتے ہیں مگر شدت اتصال کی وجہ سے مثل کلمہ واحدہ کے شمار ہوتے ہیں۔

قَوْلًا: فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ یہ شرط کی جزاء محذوف کی علت ہے وہ ناصر سے محروم اس لئے نہیں ہوگا کہ اللہ اس کا مولا اور ناصر ہے۔

قَوْلًا: صَالِحُ اسْمٍ جُنْسٍ ہے جس کا اطلاق واحد، تشنیہ، جمع سب پر ہوتا ہے اسی لئے اس کی صفت المومنون لانا صحیح ہے، کتاب میں مذکور ترکیب کے علاوہ ایک صورت یہ بھی جائز ہے کہ جبریل اور اس کے معطوفات مبتداء ہوں اور ظہیر بمعنی ظہراء مبتداء کی خبر۔

سُؤَال: ظہیر خبر مفرد ہے اور مبتداء جمع ہے یہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: ظہیر فعیل کے وزن پر ہے اس وزن میں واحد، تشنیہ، جمع سب برابر ہوتے ہیں۔

قَوْلًا: خَبَرٌ عَسَى، اَنْ يُبَدِّلَهُ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكَ، عَسَى کی خبر ہے اور دُبُّہ، عَسَى کا اسم ہے عَسَى اپنے اسم و خبر سے مل کر جواب شرط ہے اور اِنْ طَلَّقَكَ شَرْط ہے، مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ اس جملہ کا فعل جامد ہے اور جب جملہ اس قسم کا ہو تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ جزاء محذوف مانی جائے اور اس جملہ کو دلیل جزاء قرار دیا جائے۔ (صاوی)

قَوْلًا: قُوا بِرُوزْنِ عُوا امر جمع مذکر حاضر یہ اصل میں اَوْقُوا تھا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (الآية) اس آیت کے سبب نزول کے سلسلے میں چند اقوال ہیں، واحدی نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے حضرت حفصہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کے گھر میں ماریہ قبطیہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کا واقعہ سبب نزول ہے، وقال القرطبي اكثر المفسرين على ان الآيت نزلت في حفصة اور بعض مفسرین نے حضرت زینب بنت جحش رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کے گھر شہد پینے کے واقعہ کو سبب نزول قرار دیا ہے، اور بعض مفسرین نے اس عورت کے واقعہ کو شان نزول قرار دیا

ہے جس نے خود کو آپ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ (فتح القدیر، شوکانی)

فائدہ: ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط اطراف و نواح میں بادشاہوں کو بھیجے تھے ان میں سے ایک اسکندریہ کے رومی بطریق کے نام بھی تھا جسے عرب میں مقوقس کہتے تھے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نامہ مبارک لیکر گئے تھے، حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا اور جواب میں لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی آنا باقی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ شام میں نکلے گا تاہم میں آپ کے قاصد کے ساتھ احترام سے پیش آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں دوڑ کیاں (باندیاں) بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا رتبہ رکھتی ہیں (ابن سعد) ان لڑکیوں میں سے ایک سیرین تھیں اور دوسری ماریہ (عیسائی حضرت مریم کو ماریہ کہتے ہیں) مصر سے واپسی پر حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا، دونوں مشرف باسلام ہو گئیں، جب دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیرین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادیں اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھ لیا، ان ہی کے لطن سے ۸ھ میں آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ (الاستیعاب، الاصابہ) یہ خاتون نہایت خوبصورت تھیں، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے کسی عورت کا آنا اس قدر نا پسند نہ ہوا جتنا ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنا ہوا تھا، کیونکہ وہ حسین و جمیل تھیں اور آپ ﷺ کو بہت پسند آئی تھیں ان کے بارے میں متعدد طریقوں سے جو قصہ احادیث میں نقل ہوا ہے وہ مختصر ایہ ہے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ:

آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لئے باری مقرر فرمائی تھی، حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری میں آپ ﷺ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دیدی، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے گھر ہم بستر ہوئے، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس آئیں تو دروازہ بند پایا دروازہ پر بیٹھ گئیں اور رونے لگیں جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو رونے کا سبب دریافت فرمایا، تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر، میرے حق کی کچھ رعایت نہ کی گئی، کیا آپ ﷺ نے مجھے اس لئے اجازت دی تھی آپ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نرمی سے سمجھا کر خوش کیا اور فرمایا میں نے اسے حرام کر لیا، اور میرے بعد ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوں گے مگر یہ راز مخفی رہے (بخاری، بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) یہی واقعہ مذکورہ آیت کے نزول کا سبب ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ:

صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیویوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک روز حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا، تو مجھے رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ ﷺ نے مغایر نوش فرمایا ہے (مغایر ایک خاص قسم کا گوند ہوتا ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ جس بیوی کے پاس تشریف لے جاتے یہی بات سننے کو ملتی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، ان بیوی نے کہا شاید کوئی مکھی مغایر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، اسی وجہ سے شہد میں بدبو آنے لگی ہو؟ رسول اللہ ﷺ بدبو کی چیزوں سے بہت زیادہ پرہیز فرماتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ آئندہ میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات ناگوار ہو اس بات کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر ان صاحبہ نے دوسری بیوی سے کہہ دیا، بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صلاح و مشورہ کرنے والی ہیں اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوں اور ان کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ (معارف)

اکابر اہل علم نے ان دونوں قصوں میں سے اسی دوسرے قصے کو صحیح قرار دیا ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ شہد کے معاملہ میں حضرت عائشہ کی حدیث نہایت صحیح ہے، اور حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حرام کر لینے کا قصہ کسی عمدہ طریق سے نقل نہیں ہوا، قاضی عیاض فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ماریہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ شہد کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے، قاضی ابوبکر ابن عربی شہد ہی کے قصے کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور یہی رائے امام نووی اور حافظ بدرالدین عینی کی ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (الآية) اس آیت میں بھی قرآن کے عام اسلوب کے مطابق آپ ﷺ کا نام لیکر خطاب فرمانے کے بجائے آپ ﷺ کے اعزازی لقب یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب فرمایا ہے، فرمایا آپ ﷺ اپنی ازواج کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے اپنے اوپر حلال چیز کو حرام فرما کر کیوں تنگی کرتے ہیں یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ میں اگرچہ صورت استفہام کی ہے مگر مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے یہ کلام اگرچہ از روئے شفقت ہوا مگر صورت جواب طلبی کی تھی اور آپ ﷺ کو اس بات پر تنبیہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ ﷺ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کرنے کا اختیار

کسی کو بھی نہیں ہے حتیٰ کہ خود نبی ﷺ کو بھی نہیں ہے، اگرچہ حضور ﷺ نے اس چیز کو نہ عقیدۂ حرام سمجھا تھا اور نہ اسے شرعاً حرام قرار دیا تھا؛ بلکہ صرف اپنی ذات پر اس کے استعمال کو ممنوع کر لیا تھا، لیکن چونکہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک عام آدمی کی نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی تھی، اور آپ ﷺ کے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ امت بھی اس شی کو حرام یا کم از کم مکروہ سمجھنے لگے، یا امت کے افراد یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس فعل پر مشفقانہ گرفت فرمائی اور آپ ﷺ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں، ① اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدۂ حرام قرار دے تو یہ کفر اور گناہ عظیم ہے ② اور اگر عقیدۂ حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لے تو یہ گناہ ہے، اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے ③ تیسری صورت یہ کہ نہ عقیدۂ حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ترک کرنے کا دل میں عزم کر لے، یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعث ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ کوئی شوگر (شکر) کا مریض (شکر) کا استعمال ترک کر دے۔ (معارف)

واقعہ مذکورہ میں آپ ﷺ نے قسم کھالی تھی نزول آیت کے بعد اس قسم کو توڑا اور کفارہ ادا کیا، جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غلام کفارہ قسم میں آزاد کیا۔ (ازبیان القرآن)

قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ یعنی ایسی صورت میں جہاں قسم کا توڑنا ضروری یا مستحسن ہو تمہاری قسموں سے حلال ہونے یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینے کا راستہ نکال دیا ہے، قسم کا یہ کفارہ سورہ مائدہ آیت ۸۹ میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ آنحضور ﷺ نے بھی کفارہ ادا کیا۔ (کما مرآنا)

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ (الآیۃ) وہ راز کی بات کیا تھی جو آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے کہی تھی، صحیح اور اکثر روایات کی رو سے شہد کو حرام کرنے کی بات تھی، اور مخفی رکھنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس سے تکلیف و رنج نہ ہو، مگر اس بیوی نے یہ راز دوسری بیوی پر ظاہر کر دیا، اس راز کی بات کے بارے میں اگرچہ اوراقِ اہل بھی منقول ہیں مگر رائج یہی قول ہے۔

فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ (الآیۃ) جب اس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اس افشائے راز کی خبر کر دی تو آپ ﷺ نے اس بیوی سے افشائے راز کا شکوہ کیا مگر پوری بات نہیں کھولی کچھ بات کہی اور کچھ کو ٹال گئے تاکہ اس بیوی کو زیادہ خجالت اور شرمندگی نہ ہو، یہ آنحضرت ﷺ کا کرم اور حسن سلوک تھا، جس بیوی سے راز کی بات کہی تھی وہ کون تھی؟ اور جس پر راز ظاہر کیا وہ کون؟ قرآن کریم نے اس کو بیان نہیں کیا، اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہی گئی تھی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ذکر کر دیا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیج کر آپ ﷺ کو طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ بہت نماز گزار اور بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری، معارف) بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک طلاق دیدی تھی مگر جبریل کے کہنے سے آپ ﷺ نے رجوع فرمالیا۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا، إِنْ تَتُوبَا تَتُوبَا تَتْنِيہ کا صیغہ ہے جس سے مراد دو بیویاں ہیں وہ دو کون ہیں؟ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک طویل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حفصہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ہیں، حضرت ابن عباس نے ایک روز موقع پا کر خود حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ان دونوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا وہ حفصہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ہیں، إِنْ تَتُوبَا میں دونوں ازواج کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے قلوب حق سے مائل ہو گئے ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ تم توبہ کرو، کیونکہ آپ ﷺ کی محبت اور رضا جوئی ہر مومن کے لئے ضروری ہے، مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی لہذا اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْوَا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا اس آیت میں اہل ایمان کو ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور وہ ہے اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر میں بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (سنن ابی داؤد و سنن ترمذی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا بِفَتْحِ النُّونِ وَضَمِّهَا صَادِقَةٌ بَانَ لَا يُعَادَ إِلَى الذَّنْبِ وَلَا يُرَادُ الْعَوْدُ إِلَيْهِ عَلَى رُبُّكُمْ تَرْجِيَةٌ تَقَعُ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ بَسَاتِينَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ بِادْخَالِ النَّارِ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ أَمَامَهُمْ وَيَكُونُ بَأْيَمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمُنَافِقُونَ يُطْفِئُ نُورَهُمْ وَأَغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقِينَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَأَغْلُظْ عَلَيْهِمْ بِالْإِنْتِهَارِ وَالْمَقَاتِ وَمَا وَهُمْ مِنْهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ هِيَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَهُمَا فِي الدِّينِ إِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتْ امْرَأَةُ نُوحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةُ تَقُولُ لِقَوْمِ إِنَّهُ مَجْنُونٌ وَامْرَأَةُ لُوطٍ وَاسْمُهَا وَاعِلَةُ تَدُلُّ عَلَى أَضْيَافِهِ إِذَا نَزَلُوا بِهِ لَيْلًا بِإِقَادِ النَّارِ وَنَهَارًا بِالتَّدْخِينِ فَلَمْ يُغْنِيَا أَى نُوحٍ وَلُوطٍ عَنْهُمَا مِنْ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَقِيلَ لَهُمَا ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ۝ مِنْ كُفَّارٍ قَوْمِ نُوحٍ وَقَوْمِ لُوطٍ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِتَتْ بِمُوسَى وَاسْمُهَا سَيْهَ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بَانَ أَوْتَدَ يَدَيْهَا وَرَجَلَيْهَا وَالْقَى عَلَى صَدْرِهَا رَحَى عَظِيمَةً

وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسُ فَكَانَتْ إِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وَكَلَهَا ظَلَّلَتْهَا الْمَلَائِكَةُ إِذْ قَالَتْ فِي حَالِ التَّغْذِيبِ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ فَكَشَفَ لَهَا فَرَاتَهُ فَسَهَّلَ عَلَيْهَا التَّغْذِيبَ وَنَجَّيَ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَتَغْذِيبِهِ وَنَجَّيَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ اَهْلُ دِينِهِ فَقَبَضَ اللَّهُ رُوحَهَا وَقَالَ ابْنُ كَيْسَانَ رُفِعَتْ إِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةٌ فَهِيَ تَأْكُلُ وَتَشْرَبُ وَمَرِيَمَ عَطَفَ عَلَى امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ فَفَخَّخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا أَيْ جِبْرِئِيلُ حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْبِ ذُرْعِهَا بِخَلْقِ اللَّهِ فَعَلَهُ الْوَاصِلُ إِلَى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ بَعِيسَى وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا بِشَرَائِعِهِ وَكُتِبَ لَهُ الْمُنْزَلَةُ وَكَانَتْ مِنَ الْقَتِيلِينَ ۝ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِيعِينَ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو (نُصُوْحًا) میں نون کے فتح اور ضمہ کے ساتھ اس طریقہ پر کہ نہ دوبارہ گناہ کرے گا اور نہ اس کا ارادہ کرے گا امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کو دور کر دے گا اور یہ ایسی توقع ہے کہ جس کا وقوع (یقیناً) ہوگا، تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو آگ میں داخل کر کے رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا اللہ سے دعاء کرتے ہوں گے (یقولون) جملہ مستانفہ ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اس نور کو جنت میں پہنچنے تک باقی رکھے اور منافقوں کا نور بجھ جائے گا، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہماری مغفرت فرما بے شک تو ہر شے پر قادر ہے اے نبی! کفار سے تلوار سے اور منافقین سے زبان اور دلیل سے جہاد کیجئے اور ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑک سے ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں ان دونوں نے ان کے دین میں جب کہ کفر کیا خیانت کی نوح علیہ السلام کی بیوی جس کا نام وابلہ تھا، اپنی قوم سے کہا کرتی تھی کہ یہ (میرا شوہر) پاگل ہے اور لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا اپنی قوم کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی نشاندہی کر دیتی تھی، جب رات کو آتے تھے تو آگ جلا کر اور دن میں دھواں کر کے، نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام ان سے اللہ کے عذاب کو روکنے میں کچھ کام نہ آئے ان کو حکم دیا جائے گا کہ قوم نوح اور قوم لوط میں سے داخل ہونے والے کافروں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور اللہ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی اور اس کا نام آسیہ تھا، اور فرعون اس کے ہاتھ اور پیروں میں میخ گاڑ کر سزا دیتا تھا، اور اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، اور اس کو سورج کے رخ کر دیتا تھا، اور جب وہ لوگ جن کے اس کو حوالہ کیا تھا الگ ہو جاتے تو فرشتے اس پر سایہ فگن ہو جاتے، جب کہ اس نے حالت تعذیب میں دعاء کی اے میرے پروردگار! تو میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے (پردے) اٹھا دیئے، جس سے اس نے اپنا مکان دیکھ لیا، اور سزا کو

برداشت کرنا اس کے لئے آسان ہو گیا، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے (یعنی اس کی سزا سے) بچا اور مجھے اس کی ظالم قوم یعنی اس کے ہم مذہب لوگوں سے بچا تو اللہ نے اس کی روح کو قبض کر لیا، اور ابن کیسان نے کہا ہے کہ ان کو زندہ جنت کی طرف اٹھالیا گیا، تو وہ کھاتی ہے اور پیتی ہے، (اور مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی اس کا عطف اِمْرَاةَ فِرْعَوْنَ پر ہے، جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی، یعنی جبرائیل نے اس طریقہ پر کہ اس نے اس کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی، اللہ نے جبرائیل کے فعل کو تخلیق کر کے چنانچہ وہ عیسیٰ سے حاملہ ہو گئیں، اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی شریعت کی اور اس کی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ عبادت گزار لوگوں میں سے تھی۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: نَصُوْحًا نُونُ کے فتح کے ساتھ، مبالغہ کا صیغہ ہے، بروزن شُكُوْرٌ، تَوْبَةٌ کی صفت ہے یعنی انتہائی خالص توبہ، اور نون کے ضمہ کے ساتھ، مصدر ہے جیسے نَصَحَ نَصْحًا وَ نَصُوْحًا اس صورت میں توبہ کی صفت مبالغہ ہوگی اور زید عدل کے قبیل سے ہوگی، ورنہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آئے گا، نَصُوْحًا، تَوْبَةٌ کی صفت اسناد مجازی کے طور پر ہوگی ورنہ حقیقت میں نَصُوْحًا تَائِب کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: تَرْجِيَّةٌ تَقَعُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سُئِلَ: یہ ہے کہ عَسَى تَرْجَى اور توقع کے لئے استعمال ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تَرْجَى اور توقع نہیں ہوتی بلکہ یقینی الوقوع ہوتی ہے۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عَسَى اگرچہ توقع و تَرْجَى، امید و طمع کے لئے آتا ہے مگر قرآن میں یقینی الوقوع کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔

قَوْلُهُ: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ، يَوْمَ يَأْتُو، يُدْخِلُكُمْ کی وجہ سے منصوب ہے یا اذ کر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یا تو اس کا عطف النبی پر ہے اس صورت میں وقف معہ پر ہوگا اور نور ہم یَسْعٰی کلام متانف ہوگا اس صورت میں نور ہم مبتداء ہوگا اور یَسْعٰی بینہم اس کی خبر اور یہ بھی ہو سکتا ہے نُورُ هُمْ یَسْعٰی جملہ حال ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہو۔

قَوْلُهُ: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا، ضَرَبَ بِمَعْنٰی جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہے مَثَلًا مفعول بہ ثانی مقدم اِمْرَاةَ نُوْحٍ مفعول بہ اول

ہے مفعول بہ اول کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ الْخ سے مفعول اول یعنی امْرَاةُ نُوحٍ، امْرَاةُ لُوطٍ کا حال بیان کیا جا رہا ہے لہذا مفعول اول کو مؤخر کر دیا تا کہ حال اور صاحب حال متصل ہو جائیں۔

قَوْلُہُمْ: اِمْرَاَتُ نُوحٍ وَ اِمْرَاَتُ لُوطٍ مصحف امام کے رسم الخط کے مطابق امْرَاةُ کوبھی تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

قَوْلُہُمْ: شَیْئًا یہ حذف موصوف کے ساتھ لَمْ یُغْنِیَا کا مفعول مطلق ہے ای لَمْ یُغْنِیَا اِغْنَاءً شَیْئًا۔

قَوْلُہُمْ: قِیلَ یَقِیْنِی الْوَقُوْعُ ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے، اور قائل ملائکہ ہیں۔

قَوْلُہُمْ: وَ تَعَذِّیْبُہِ یَہْ عَمَلِہِ کا عطف تفسیری ہے۔

قَوْلُہُمْ: ای جبرئیل، جبرئیل، رُوحَنَا کی تفسیر ہے۔

تَفْسِیْرُ وَ تَشْرِیْحُ

تَوْبُوا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کے لفظی معنی لوٹنے، رجوع کرنے کے ہیں، مراد گناہوں سے رجوع کرنا ہے، قرآن و سنت کی اصطلاح میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادام و شرمندہ ہو اور آئندہ اس کے ارتکاب نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، نَصُوْح، نَصَح کے معنی عربی زبان میں خلوص اور خیر خواہی کے ہیں، خالص شہد کو عَسْلُ ناصِح کہتے ہیں اس لئے کہ وہ موم اور دیگر آلائشوں سے پاک صاف ہوتا ہے، پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کرنے کو بھی نصاحت کہتے ہیں، تَوْبَةُ النُّصُوْح کا مطلب ہوگا ایسی خالص توبہ کہ جس میں ریاء و نفاق کا شائبہ تک نہ ہو، یا آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور گناہ سے توبہ کر کے خود کو بد انجامی سے بچالے، یا یہ کہ گناہ کی وجہ سے اس دین میں جو شگاف پڑ گیا ہے توبہ کے ذریعہ اس کی اصلاح کرے حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ توبۃ النصوص یہ ہے کہ آدمی اپنے گزشتہ عمل پر نادام ہو اور اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ عزم رکھتا ہو، اور کلبی نے کہا کہ توبۃ النصوص یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادام ہو اور اپنے بدن و اعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے، حضرت علی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک مرتبہ ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ توبۃ الکذابین ہے، اس نے پوچھا پھر صحیح توبہ کیا ہے؟ فرمایا اس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہئے ① جو کچھ ہو چکا اس پر نادام ہو ② جن فرائض سے غفلت کی ان کو ادا کرے ③ جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کرے ④ جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگے ⑤ آئندہ کے لئے عزم کرے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا ⑥ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے، جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا ہے اور اس کو اطاعت کی تلخی کا مزا چکھا، جس طرح اب تک تو اسے معصیتوں کی حلاوت کا مزا چکھاتا رہا ہے۔

فَائِدَة: توبہ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے، اول یہ کہ توبہ درحقیقت کسی معصیت پر اس لئے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے، ورنہ کسی گناہ سے اس لئے پرہیز کا عہد کر لینا کہ مثلاً وہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے یا کسی بدنامی یا مالی نقصان کا موجب ہے، یہ توبہ کی تعریف میں نہیں آتا، دوسرے یہ کہ جس وقت یہ احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے تو توبہ کرنے میں جلدی کرے اور بلا تاخیر اس کی تلافی کرنی چاہئے، تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار توڑتے چلے جانا اور توبہ کو کھیل بنا لینا اور اسی گناہ کا بار بار اعادہ کرنا جس سے توبہ کی گئی ہے یہ توبہ کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے، چوتھے یہ کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے یہ عزم کر چکا ہو کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا اس سے اگر بشری کمزوری کی بنا پر اسی گناہ کا اعادہ ہو جائے تو پچھلا گناہ تازہ نہ ہوگا، البتہ اسے بعد والے گناہ پر پھر توبہ کرنی چاہئے، پانچویں یہ کہ ہر مرتبہ جب معصیت یاد آئے توبہ کی تجدید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر اس کا نفس اپنی سابقہ گنہگارانہ زندگی کی یاد سے لطف لے رہا ہو تو بار بار توبہ کرنی چاہئے یہاں تک کہ گناہوں کی یاد اس کے لئے لذت کے بجائے شرم ساری کی موجب بن جائے۔

عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ آیت میں لفظ عَسَى استعمال ہوا ہے اس کے معنی امید اور توقع کے ہیں مگر یہاں اس سے مراد وعدہ ہے اس لئے کہ بڑے لوگوں مثلاً بادشاہوں کا امید دلانا وعدہ سمجھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تو بادشاہوں کے بادشاہ ان کی توقع اور امید دلانا وعدہ ہی سمجھا جائے گا، مگر لفظ عَسَى استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ انسان کا کوئی بھی عمل یا تمام اعمال صالحہ بھی جنت کی قیمت نہیں بن سکتے اور نہ از روئے انصاف اللہ پر یہ لازم آتا ہے کہ عمل صالح کے بدلے میں ضرور جنت میں داخل کرے یہ محض اللہ کے فضل و کرم پر موقوف ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو بھی آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے بھی جب تک اللہ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ نہ کرے۔ (بخاری، مظہری)

لَا يُخْزِي اللَّهَ النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مطلب یہ کہ اللہ پر واجب اور لازم نہیں کہ محض عمل کے عوض کسی کو جنت میں داخل کرے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اور مومنین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا، کفار اور منافقین کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دے گا کہ ان لوگوں نے خدا پرستی کی بھی تو ان کو کیا صلہ ملا؟ رسوائی باغیوں اور نافرمانوں کے حصہ میں آئے گی نہ کہ وفاداروں اور فرمانبرداروں کے حصے میں۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتِ نُوْحٍ (الآیة) سورت کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو عورتیں دو پیغمبروں کی بیویاں ہیں جنہوں نے دین کے معاملہ میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں جہنم میں گئیں، اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت بھی ان کو عذاب سے نہ

بچاسکی، ان سے میں ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واہلہ بیان کیا گیا ہے، دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ بیان کیا گیا ہے (قرطبی) ان کے ناموں میں اور بھی مختلف اقوال ہیں تیسری وہ عورت جو سب سے بڑے کافر خدائی کے مدعی فرعون کی بیوی آسیہ تھی مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی، اس کو اللہ نے یہ درجہ دیا کہ دنیا ہی میں اس کو جنت کا مقام دکھلادیا، شوہر کی فرعونیت اس کی راہ میں کچھ حائل نہیں ہو سکی، چوتھی حضرت مریم ہیں جو کسی کی بیوی نہیں مگر ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو نبوت کے کمالات عطا کئے اگرچہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں۔ (معارف)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتِ فِرْعَوْنَ (الآیۃ) یہ مثال فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام جادو گروں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے اور جادو گر ایمان لے آئے تو آسیہ بنت مزاحم نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر دیا، فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کی، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومیچہ کر کے ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا، مگر ان سب کچھ کے باوجود کفر کی صولت و شوکت ان کی استقامت فی الدین، شہداء و مصائب پر صبر و ثابت قدمی کو متزلزل نہ کر سکی۔

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا كَلِمَاتٌ سَمِيَّةٌ مِّنْ لَّدُنْ رَبِّهَا (۶۶) کلمات سے مراد آسمانی صحیفے ہیں اور کتب سے مراد مشہور آسمانی کتابیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ ملک مکی ہے، تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تَبْرَكَ تَنْزَرُهُ عَنْ صِفَاتِ الْمُحَدَّثِينَ الَّذِي بِيَدِهِ فِي تَصْرِفِهِ الْمُلْكُ السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا وَالْحَيَاةَ فِي الْآخِرَةِ أَوْ هُمَا فِي الدُّنْيَا فَالْنُّطْفَةُ تُعْرَضُ لَهَا الْحَيَاةُ وَهِيَ مَا بِهِ الْإِحْسَاسُ وَالْمَوْتُ ضِدُّهَا أَوْ عَدْمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِي بِمَعْنَى التَّقْدِيرِ لِيَبْلُوكُمْ لِيُخْتَبِرَكُمْ فِي الْحَيَاةِ أَتُكْمَلُ أَحْسَنُ عَمَلًا أَطْوَعَ لِلَّهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي انْتِقَامِهِ بِمَنْ عَصَاهُ الْغَفُورُ ② لِمَنْ تَابَ إِلَيْهِ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِ مُنَاسَةٍ مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ لَهُنَّ وَلَا لِغَيْرِهِنَّ مِنْ تَقَوُّتٍ تَبَايُنٍ وَعَدَمٍ تَنَاسُبٍ فَأَرْجِعِ الْبَصَرَ ③ أَعِدْهُ إِلَى السَّمَاءِ هَلْ تَرَى فِيهَا مِنْ فُطُورٍ ④ صُدُوعٍ وَشُقُوقٍ ثُمَّ أَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ يَنْقَلِبُ يَرْجِعُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا ذَلِيلًا لِعَدَمِ ادْرَاكِ خَلْقِهِ وَهُوَ حَسِيرٌ ⑤ مُنْقَطِعٌ عَنْ رُؤْيَا خَلْقِهِ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا الْقُرْبَى إِلَى الْأَرْضِ بِمَصَابِيحَ بَنُجُومٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا مَرَاجِمَ لِلشَّيْطَانِ إِذَا اسْتَرْقَوْا السَّمْعَ بَانَ يَنْفَصِلُ شِهَابٌ عَنِ الْكَوْكَبِ كَالْقَبَسِ يُوْخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الْجَنِّيَّ أَوْ يَخْبِلُهُ لَا أَنَّ الْكَوْكَبَ يَزُولُ عَنْ مَكَانِهِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ⑥ النَّارَ الْمُوقَدَةَ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَيُسَّ السَّعِيرُ ⑦ هِيَ إِذَا الْقَوَا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهيقًا صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَارِ وَهِيَ تَقُورُ ⑧ تَغْلِي تَكَادُ تَمِيزُ وَقُرَى تَتَمِيزُ عَلَى الْأَصْلِ تَنْقَطِعُ مِنَ الْغَيْظِ غَضَبًا عَلَى الْكُفَّارِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ سَأَلُوهُمْ خَزَنَتُهَا سَوْالَ تَوْبِيخٍ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ⑨ رَسُولٌ يُنذِرُكُمْ عَذَابَ اللَّهِ تَعَالَى قَالُوا بَلَى قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ مَا أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ⑩ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِ الْمَلَائِكَةِ لِلْكَفَّارِ حِينَ أَخْبَرُوا بِالتَّكْذِيبِ وَأَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِ الْكُفَّارِ لِلنَّذْرِ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ لَأَيُّ عَقْلٍ

تَفَكَّرْ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَأَعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ۖ وَهُوَ تَكْذِيبُ النُّذُرِ فَسَحَقًا
 يَسْكُونُ الْحَاءَ وَضَمَّهَا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَبُعْدًا لَهُمْ عَنْ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَخَافُونَهُ
 بِالْغَيْبِ فِي غَيْبَتِهِمْ عَنْ أَغْنَى النَّاسِ فَيُطِيعُونَهُ سِرًّا فَيَكُونُ عَلَانِيَةً أُولَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ أَيْ الْجَنَّةِ
 وَأَسْرَوْا أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلَكُمْ أَوَاجْهَرُ وَإِنَّهُ تَعَالَى عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ بِمَا فِيهَا فَكَيْفَ بِمَا نَطَقْتُمْ بِهِ وَسَبَبُ
 نُزُولِ ذَلِكَ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَسْرَوْا قَوْلَكُمْ لَا يَسْمَعُكُمُ اللَّهُ مُحَمَّدٌ إِلَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ مَا
 تُسِرُّونَ أَيْ أَيْنَتَفَى عِلْمُهُ بِذَلِكَ وَهُوَ اللَّطِيفُ فِي عِلْمِهِ الْخَبِيرُ ۝ فِيهِ لَا

ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ بڑا عالی شان ہے مُحدثین

(مخلوق) کی صفات سے پاک ہے، جس کے قبضہ تصرف میں بادشاہی اور قدرت ہے جس نے دنیا میں موت کو پیدا فرمایا اور
 حیات کو آخرت میں پیدا فرمایا، یا دونوں کو دنیا میں پیدا فرمایا چنانچہ نطفہ میں حیات ڈالی جاتی ہے، اور حیات وہ ہے کہ جس سے
 احساس ہوتا ہے، اور موت اس کی ضد ہے یا عدم حیات کا نام موت ہے، یہ دونوں قول ہیں، اور ثانی صورت میں خَلْق بمعنی تقدیر
 ہوگا، تاکہ حیات میں تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ یعنی زیادہ فرمانبردار ہے، وہ اپنی نافرمانی
 کرنے والے سے انتقام لینے میں زبردست ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو معاف کرنے والا ہے اس نے سات
 آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے بعض بعض کے اوپر اتصال کے بغیر، تو خدا کی اس صنعت میں یا اس کے علاوہ (کسی اور صنعت) میں
 کوئی خلل مثلاً تباہی اور عدم تناسب نہیں دیکھے گا پھر نظر آسمان کی طرف لوٹا کہیں تجھے کوئی خلل یعنی شگاف اور خستگی نظر آتی ہے؟
 پھر نظر مکرر بار بار ڈال نقص کا ادراک نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و در ماندہ ہو کر تیری طرف لوٹے گی حال یہ کہ وہ نقص کے
 ادراک سے عاجز ہوگی بے شک ہم نے آسمان دنیا کو یعنی زمین سے قریبی آسمان کو چراغوں ستاروں سے آراستہ کیا ہے اور ہم
 نے انہیں شیطین کو مارنے کا آلہ (ذریعہ) بنایا ہے جب کہ وہ چوری چھپے سننے کے لئے کان لگاتے ہیں اس طریقہ سے کہ ستارہ
 سے شعلہ جدا ہوتا ہے، جس طرح کہ چنگاری آگ سے جدا ہوتی ہے تو وہ جہنم کو قتل کر دیتا ہے، یا اس کو پاگل بنا دیتا ہے، نہ یہ کہ
 ستارہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور ہم نے شیطانوں کے لئے دوزخ کا جلانے والا عذاب یعنی جلانے والی آگ تیار کر رکھا ہے
 اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے اور جب وہ اس میں ڈالے جائیں
 گے تو وہ اس کی گدھے کی آواز کے مانند ناخوشگوار آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی قریب ہے کہ کافروں پر غصہ کے
 مارے پھٹ جائے اور اصل کے مطابق تَتَمَيَّزُ بھی پڑھا گیا ہے بمعنی تنقطع جب کبھی اس میں ان میں کی کوئی جماعت جہنم
 میں ڈالی جائے گی تو جہنم کے نگران بطور توبخ ان سے سوال کریں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا رسول کہ جس نے تم کو اللہ کے
 عذاب سے ڈرایا ہو نہیں آیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلادیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ

بھی نازل نہیں کیا تم بہت بڑی گمراہی میں ہو احتمال یہ ہے کہ یہ نبیوں کو کفار کا جواب ہو، اور وہ فرشتوں سے (یہ بھی) کہیں گے اگر ہم سمجھنے کے لئے سنتے یا غور کرنے کے لئے سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے غرض وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے جب کہ ان کا اعتراف جرم ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور وہ جرم رسولوں کی تکذیب ہے سوائے دوزخ پر لعنت ہے یعنی ان کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے، (سُحْقًا) حاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بیشک وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں (یعنی) جب کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتے ہیں تو وہ چھپ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ظاہر میں بطریق اولیٰ اطاعت کرنے والے ہوں گے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے یعنی جنت، اور اے لوگو! تم خواہ چھپ کر بات کرو یا ظاہر کر کے بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کا جاننے والا ہے تو پھر جو تم بولتے ہو اس کا کیا حال ہوگا؟ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین نے آپس میں کہا کہ تم خفیہ طور پر باتیں کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ محمد (ﷺ) کا خدا سن لے، کیا وہ نہ جانے گا جس نے اس چیز کو پیدا کیا جس کو تم چھپاتے ہو یعنی کیا اس کا علم اس سے منہی ہو جائے گا؟ نہیں، وہ اپنے علم کے اعتبار سے باریک بین اور اس سے باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا، وَالْحَيَاةَ فِي الْآخِرَةِ، اَوْهُمَا فِي الدُّنْيَا، موت اور حیات کے بارے میں اختلاف ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کلبی اور مقاتل سے منقول ہے کہ موت اور حیات دونوں جسم ہیں، اس صورت میں موت اور حیات دونوں، وجودی ہوں گے اور خَلَقَ اپنے اصلی معنی میں ہوگا، دونوں کے درمیان تقابل تضاد ہوگا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موت عدم حیات کا نام ہے اس صورت میں حیات وجودی اور موت عدمی ہوگی، اس صورت میں تقابل عدم والمملکہ کا ہوگا، جیسا کہ عدم البصر میں، موت کی دوسری تفسیر کی صورت میں خَلَقَ بمعنی قَدَّر ہوگا، اس لئے کہ تقدیر کا تعلق عدمی اور وجودی دونوں سے جائز ہے، بخلاف خلق کے کہ اس کا تعلق وجودی شئی سے تو درست ہے مگر عدمی سے درست نہیں ہے۔

حق بات:

حق بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک موت وجودی ہے مگر حیات کی ضد ہے جیسا کہ حرارت اور برودت، دونوں آپس میں متضاد ہونے کے باوجود وجودی ہیں پہلا قول اہل سنت والجماعت اور دوسرا معتزلہ کا ہے۔

(حاشیہ جلالین ملخصاً)

بہتر ہوتا کہ مفسر علام (بیدہ) کی تفسیر بقدرتہ سے کرتے اس لئے کہ ”ملک“ استیلاء تصرف کو کہتے ہیں، لہذا مطلب ہوگا فی تصرفہ التصرف جس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قَوْلًا: وَالْحَيَاةُ فِي الْآخِرَةِ یعنی موت دنیا میں پیدا کی اور حیات آخرت میں، مگر اس قول کی مساعدت اللہ تعالیٰ کا قول لِيَبْلُوَكُمْ نہیں کرتا، اس لئے کہ امتحان اور آزمائش کا تعلق دنیوی حیات سے ہے نہ کہ اخروی حیات سے، معلوم ہوا موت و حیات کا تعلق دنیا سے ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: الْقُرْبَىٰ یہ قریب کا اسم تفصیل ہے یعنی وہ آسمان جو زمین سے قریب تر ہے، دنیا کو دنیا اسی وجہ سے کہتے ہیں یہ آخرت کی نسبت قریب ہے۔

قَوْلًا: يَنْقَلِبُ جمہور کے نزدیک باء کے سکون کے ساتھ ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے اور بعض حضرات نے باء کے رفع کے ساتھ بھی پڑھا ہے یا تو جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے یا حال مقدرہ ہونے کی وجہ سے اور فاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں فَيَنْقَلِبُ تھا۔

قَوْلًا: رُجُومًا، رُجُومٌ، رَجْمٌ کی جمع ہے رَجْمٌ مصدر ہے اس کا اطلاق مرجوم بہ پر کیا گیا ہے اسی لئے مفسر علام نے رجوم کی تفسیر مَرَّاجِمَ سے کی ہے اُنْیُ رَجْمٌ بہ۔

قَوْلًا: بَانَ يَنْفِصِلُ شَهَابٌ الخ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نجوم کے ذریعہ آسمان دنیا کو زینت بخشی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نجوم اپنی جگہ پر قائم رہیں اور وَجَعَلْنَهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ کا مقتضی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں دونوں باتوں میں تضاد و تعارض ہے؟

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ پورا نجوم شیاطین کو مارنے کے لئے اپنی جگہ نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا ٹکڑا شیاطین کو مارتا ہے، جیسا کہ آگ میں سے ایک چنگاری۔

قَوْلًا: يَنْخَبِئُ یہ خَبَلٌ بہ سکون باء سے مشتق ہے جس کے معنی فساد فی العقل کے ہیں۔

قَوْلًا: وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا الخ، وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا خبر مقدم ہے اور عذاب جہنم مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلًا: فِيهِ لَا اس میں اشارہ ہے کہ استفہام انکاری ہے، لہذا نفی النفی ہو کر اثبات ہو گیا، مقصد اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کا اثبات ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

سورہ ملک کے فضائل:

اس سورت کی فضیلت میں متعدد روایات آئی ہیں، جن میں چند روایات صحیح یا حسن ہیں، ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف ۳۰ آیات ہیں یہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو بخش

دیا جائے گا۔“

(ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)

دوسری روایت میں ہے ”قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی۔“ (مجمع الزوائد)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے سورۃ التمر السجدہ اور سورۃ ملک ضرور پڑھتے تھے۔

سورۃ ملک کے دیگر نام:

اس سورت کو حدیث میں واقعہ اور منجیہ بھی فرمایا گیا ہے، ”واقعہ“ کے معنی ہیں بچانے والی اور ”منجیہ“ کے معنی ہیں نجات دینے والی۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، تَبَارَكَ، بَرَكَتُہ سے مشتق ہے جس کے معنی بڑھنے اور زیادتی کے ہیں، جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی شان میں بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ”سب سے بالا و برتر“ ہونے کے ہوتے ہیں، بِيَدِهِ الْمُلْكُ ملك اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہاتھ سے مراد یہ معروف ہاتھ نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے مراد قدرت اور اختیار ہے یعنی ہر شئی اس کے شاہانہ اختیار میں ہے یز و غیرہ جیسے الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے متشابہات میں سے ہیں، جس کے حق ہونے پر ایمان لانا واجب ہے مگر اس کی کیفیت و حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم و جوارح سے بالاتر اور پاک ہے، تفسیر مظہری میں ہے کہ موت اگرچہ عدمی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے جس کو وجود میں کسی وقت آنا ہے، اور ایسی تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں ناسوتی وجود سے قبل موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے ان اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔

موت و حیات کے درجات مختلفہ:

اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات و ممکنات کی مختلف اقسام میں تقسیم فرما کر ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے سب سے زیادہ کامل اور مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی ہے، جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے، اور یہ معرفت ہی احکام شرعیہ کی تکلیف کا مدار ہے اور وہ بار امانت ہے کہ جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ ڈر گئے تھے، اور انسان نے اُسے اپنی اس خداداد صلاحیت کے سبب اٹھالیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت اَفَمَنْ كَانَ مَيِّتًا فَآخِزْنَاهُ میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی اور مخلوقات کی بعض اصناف و اقسام حیات کا یہ درجہ تو نہیں رکھتیں مگر ان میں حس و حرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد حس و حرکت اور موت سے مراد اس کا

ختم ہو جانا ہے اور ممکنات کی بعض اقسام میں یہ حس و حرکت بھی نہیں صرف نمو (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسا کہ درخت اور عام نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی آیت یُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا میں آیا ہے، حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات، میں منحصر ہیں، ان کے علاوہ اور کسی میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے پتھروں سے بنے بتوں کے لئے فرمایا ”أَمْوَاتٌ غَيْرِ أَحْيَاءٍ“ لیکن اس کے باوجود بھی جمادات میں ایک قسم کی حیات موجود ہے جو وجود کے ساتھ لازم ہے، اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو، اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہو گئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے ہر چیز وجود میں آنے سے پہلے موت کے عالم میں تھی، بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ یہ اہل کفر کی تکذیب کے مقابلہ میں اہل ایمان کا اور ان کی نعمتوں کا ذکر ہے جو انہیں قیامت والے دن اللہ کے یہاں ملیں گی، بالغیب کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (مظہری ملخصاً)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا سَهْلَةً لِّلْمَشْيِ فِيهَا فَأَمْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا جَوائِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ الْمَخْلُوقِ لَا جِلْدَكُمْ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ من القبور للجزاء ءَأَمَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِذْ خَالَ أَلْفَ بَيْنِهَا وَبَيْنَ الْأُخْرَى وَتَرَكَهَا وَابْدَأَ بِهَا أَلْفًا مِّنْ فِي السَّمَاءِ سُلْطَانُهُ وَقُدْرَتُهُ أَنْ يَخْسِفَ بَدْلٌ مِّنْ يَكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ تَتَحَرَّكُ بِكُمْ وَتَرْتَفِعُ فَوْقَكُمْ أَمَّا أَمْنُكُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ بَدْلٌ مِّنْ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا رِيحًا تَرْمِيكُمْ بِالْحَصَبِ فَسَتَعْلَمُونَ عِنْدَ مُعَايِنَةِ الْعَذَابِ كَيْفَ نَذِيرٌ ۝ إِنْذَارِي بِالْعَذَابِ أَيْ أَنَّهُ حَقٌّ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْأُمَمِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ۝ إِنْكَارِي عَلَيْهِم بِالتَّكْذِيبِ عِنْدَ إِغْلَاكِهِمْ أَيْ أَنَّهُ حَقٌّ أَوَّلَمْ يَرَوْا يَنْظُرُوا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ فِي الْهَوَاءِ صَفَّتِ بِأَسْطَاتٍ أَخْبَحْتَهُنَّ وَيَقْبِضْنَ ۝ أَخْبَحْتَهُنَّ بَعْدَ الْبَسْطِ أَيْ وَقَابِضَاتٍ مَا يُمْسِكُهُنَّ عَنِ الْوُقُوعِ فِي حَالِ الْبَسْطِ وَالْقَبْضِ إِلَّا الرَّحْمَنُ بِقُدْرَتِهِ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ الْمَعْنَى لَمْ يَسْتَدِلُّوا بِثُبُوتِ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ عَلَى قُدْرَتِنَا أَنْ نَفْعَلَ بِهِمْ مَا تَقَدَّمَ وَغَيْرِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَمَّا مُبْتَدَأُ هَذَا خَبَرُهُ الَّذِي بَدَلُ مِنْ هَذَا هُوَ جُنْدٌ أَعْوَانٌ لَّكُمْ صِلَةُ الَّذِي يَنْصُرُكُمْ صِفَةُ جُنْدٍ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ أَيْ غَيْرِهِ يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهُ أَيْ لَا نَاصِرَ لَكُمْ إِنْ مَا الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي عُرْوَةٍ ۝ غَرَّهُمُ الشَّيْطَانُ بَانَ الْعَذَابُ لَا يَنْزِلُ بِهِمْ أَمَّا هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ الرَّحْمَنُ رِزْقَهُ أَيْ الْمَطَرُ عَنْكُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ فَمَنْ يَرْزُقُكُمْ أَيْ

لَا رَازِقَ لَكُمْ غَیْرُهُ بَلْ لَجُّوْا تَمَادُوْا فِی عُتُوِّ تَكْبَرٍ ۝۱۱ وَنُفُوْرٍ ۝۱۲ تَبَاعُدٍ عَنِ الْحَقِّ ۝۱۳ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا وَّاقِعًا عَلٰی وَجْهِهِ اَهْدٰی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا مُّعْتَدِلًا ۝۱۴ عَلٰی صِرَاطٍ طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۱۵ وَخَبْرٌ مِنَ الثَّانِیَةِ مَخْذُوْفٌ دَلَّ عَلَیْهِ خَبْرُ الْاَوَّلٰی اِیْ اَهْدٰی وَالْمَثَلُ فِی الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ اِیْ اِیْهُمَا عَلٰی هُدٰی قُلْ هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ خَلْقَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْیِدَةَ ۝۱۶ الْقُلُوْبُ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۷ مَا سَرِیْدَةٌ الْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ مُّخْبِرَةٌ بِقِلَّةِ شُكْرِهِمْ جِدًّا عَلٰی هَذِهِ النِّعَمِ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاكُمْ خَلَقَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۸ لِلسَّحَابِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ وَعَدَدُ الْحَشْرِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۹ فِیْهِ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِمَجِیْبِهِ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲۰ بَیْنَ الْاِنْذَارِ فَلَمَّا رَاَوْهُ اِی الْعَذَابَ بَعْدَ الْحَشْرِ زُلْفَةً قَرِیْبًا سَیِّئَتْ اَسْوَدَتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقِیْلَ اِیْ قَالِ الْخَزَنَةُ لَهُمْ هٰذَا اِی الْعَذَابُ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهِ بِاِنْذَارِهِ تَدْعُوْنَ ۝۲۱ اَنْتُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ وَهَذِهِ حِكَایَةُ حَالٍ تَاْتِیْ غُیْبٍ عَنْهَا بِطَرِیْقِ الْمَضٰی لِتَحَقِّقِ وُقُوْعَهَا قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِی اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِعَذَابِهِ كَمَا اَسْأَلُوْنَ اَوْ رَحِمَنَا فَلَمْ یُعَذِّبْنَا فَمَنْ یُجِیْرُ الْكَافِرِیْنَ مِنْ عَذَابِ الْیَمِّ ۝۲۲ اِی لَا مُجِیْرَ لَهُمْ مِنْهُ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اَمْنًا بِہِ وَعَلِیْہِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ بِالنَّاءِ وَالْبَاءِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲۳ بَیْنَ اَنْحٰنٍ اَمْ اَنْتُمْ اَمْ هُمْ قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا غَائِرًا فِی الْاَرْضِ فَمَنْ یَّاتِیْكُمْ بِمَآءٍ مُّعِیْنٍ ۝۲۴ جَارٍ تَسَالُهُ الْاَیْدِی وَالْاَدْلَاءُ كَمَا تَاْتِیْ اِی لَا یَاْتِیْ بِہِ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ اَنْ یَّبْعَثَكُمْ وَیَسْتَحِبُّ اَنْ یَّقُوْلَ الْقَارِئُ عَقِیْبَ مَعِیْنِ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ كَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ وَتَلِیْتُ هَذِهِ الْاٰیَةَ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَجَبِّرِیْنَ فَقَالَ تَاْتِیْ بِہِ الْفُوْسُ وَالْمُعَاوِلُ فَذَهَبَ مَآءُ عَیْنِہِ وَعَمِی نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجُرَاةِ عَلٰی اللّٰهِ وَعَلٰی اٰیَاتِہِ.

تَرْجُمہ: وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر نرم، اس پر چلنے کے قابل کر رکھا ہے تاکہ تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور خدا کی روزی میں سے جس کو اس نے تمہارے لئے پیدا کیا، کھاؤ، اور قبروں میں سے جزاء کے لئے اسی کی طرف اٹھ کھڑا ہونا ہے، کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے؟ (اُمِیْنْتُمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ، اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کر کے، اور اس کو الف سے بدل کر، کہ آسمان والا یعنی آسمان میں جس کی سلطنت اور قدرت ہے تم کو زمین میں دھنسا دے (اَنْ یَخْسِفَ) مَنْ سے بدل ہے اور اچانک زمین لرز نے لگے، یعنی تم کو لے کر تھر تھرانے لگے اور تمہارے اوپر پلٹ جائے، کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے؟ اس بات سے کہ وہ ایسی آندھی بھیج دے کہ جو تمہارے اوپر سنگ ریزے برسائے، عنقریب معائنہ عذاب کے وقت، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے میرا ڈرانا کیسا رہا!! اس سے پہلے جو

اتنی گزر چکی ہیں انہوں نے بھی (دین حق کو) جھٹلایا (سودیکھ لو!) موت کے وقت میرا عذاب ان کے جھٹلانے کی وجہ سے کیسا رہا!! یعنی وہ عذاب مقتضی کے مطابق رہا، کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر ہوا میں پر پھیلانے اور پروں کو سمیٹے ہوئے پر پھیلانے کے بعد پرندوں پر نظر نہیں کی حالت بسط و قبض میں رحمٰن ہی (ان کو) اپنی قدرت سے تھامے رہتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (آیت کا) مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ پرندوں کے ہوا میں ٹھہرے رہنے سے ہماری قدرت پر استدلال نہیں کرتے، کہ ہم ان کے ساتھ ماقبل میں مذکور وغیرہ عذاب کا معاملہ کر سکتے ہیں خدا کے سوا تمہارا وہ کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ یعنی تم سے اس کے عذاب کو دفع کر سکے (اَمَّنْ) مبتداء ہے (ہذا) اس کی خبر ہے (الَّذِي) هذا سے بدل ہے (جند) بمعنی اَعوان ہے (لکم) الَّذِي کا صلہ ہے اور يَنْصُرُكُمْ جند کی صفت ہے، یعنی اس کے سوا تمہارے عذاب کو دفع کر سکے، مطلب یہ ہے کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں، یہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، شیطان نے یہ کہہ کر ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ ان پر عذاب ہونے والا نہیں ہے، وہ کون ہے؟ جو تم کو روزی پہنچا سکے اگر رحمٰن اپنی روزی یعنی بارش کو تم سے روک لے اور جواب شرط محذوف ہے، جس پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے، (اور وہ) فَمَنْ يَرْزُقُكُمْ ہے، یعنی اس کے علاوہ تمہارا کوئی رازق نہیں، بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت میں حق سے دوری پراڑے ہوئے ہیں (اچھا بتاؤ!) وہ شخص جو اوندھا، منہ کے بل چلے منزل مقصود پر پہلے پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا کھڑے ہو کر ہموار سڑک پر چلے ثانی مَنْ کی خبر محذوف ہے جس پر پہلے مَنْ کی خبر یعنی اَهْدٰی دلالت کر رہی ہے اور (مذکورہ) مثال مومن اور کافر کی ہے، یعنی ان میں سے کونسا ہدایت پر ہے؟ آپ ان سے کہئے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم میں بہت کم لوگ ہیں جو شکر گزار ہیں (مَا) زائدہ ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کی بہت کم شکر کی خبر دے رہا ہے آپ (یہ بھی) کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا (پیدا کیا) اور حساب کے لئے، اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے، اور یہ لوگ مومنین سے کہتے ہیں یہ حشر کا وعدہ کب (پورا ہوگا؟) اگر تم اس وعدہ میں سچے ہو (تو بتلاؤ!) آپ کہئے کہ اس کی آمد کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، جب یہ لوگ حشر کے بعد عذاب کو قریب تر دیکھیں گے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی سیاہ ہو جائیں گے اور کہا جائے گا یعنی دوزخ کے نگران ان سے کہیں گے یہی ہے وہ عذاب کہ جس سے ڈرانے کے سبب تم دعویٰ کرتے تھے کہ تم کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا، یہ آنے والی حالت کا بیان ہے جس کو متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے، آپ ان سے کہئے کہ اچھا تم بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو مومن ہیں اپنے عذاب سے ہلاک کر دے جیسا کہ تم چاہتے ہو یا ہمارے اوپر رحم فرمائے کہ ہم کو عذاب نہ دے، تو کافروں کو عذاب الیم سے کوئی بچائے گا؟ یعنی ان کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہی رحمان ہے ہم تو اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، عذاب دیکھنے کے وقت تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا،

فستعلمون تاء اور یاء کے ساتھ کہ کھلی گمراہی میں کون ہے؟ ہم یا تم یا وہ؟ آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا پانی گہرائی میں اتر جائے یعنی زمین میں نیچے چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے چشمہ کا پانی لائے؟ جس کو تم ہاتھوں اور ڈولوں سے حاصل کر سکو جیسا کہ تمہارا (موجودہ) پانی، یعنی اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں لاسکتا پھر تم تمہارے زندہ ہوا ٹھننے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اور مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا (معین) کے بعد کہے اللہ رب العالمین جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، بعض جبارین کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی گئی تو اس نے کہا پھاوڑے اور کدال لے آئیں گے، چنانچہ اس کی آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور اندھا ہو گیا، ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ اور اس کی آیتوں پر بے باکی کرنے سے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: مَنَّا كِبٰهَا جمع منتہی المجموع ہے، واحد مَنَكِبٌ بمعنی جانب، طرف، اسی نسبت سے آدمی کے مونڈھوں کو منکب کہا جاتا ہے۔

قَوْلٌ: بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ الْخ اس میں کل پانچ قراءتیں ہیں، پہلا ہمزہ محقق ہی ہوتا ہے، دوسرا کبھی محقق اور کبھی مسہل، دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کر کے، یہ چار صورتیں ہو گئیں، اور ایک صورت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر کل پانچ صورتیں ہو گئیں۔

قَوْلٌ: اَنْ يَخْسِفَ یہ مَنْ سے بدل الاشتمال ہے۔

قَوْلٌ: حَاصِبٌ بِادِخْتِ کہ سنگ ریزہ بردارد (صراح) حَاصِبًا، بادِ سگبار، سخت آندھی، حَصْبَاءُ کنکریوں کو کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: اِنذَارِی اس میں اشارہ ہے کہ نذیر بمعنی انداز ہے اور یاء محذوف ہے۔

قَوْلٌ: اَوَلَمْ يَرَوْا وَاَوْعَاطِفَ ہے اور ہمزہ محذوف پر داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَغْفُلُوا وَلَمْ يَرَوْا۔

قَوْلٌ: صَفَتْ وَيَقْبِضْنَ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

سَوَالٌ: يَقْبِضْنَ کا عطف صافات پر ہے، کیا وجہ ہے کہ معطوف علیہ اسم ہے اور معطوف فعل؟

جَوَابٌ: پرندوں میں اصل یہ ہے کہ ان کے پر کھلے ہوئے اور پھیلے ہوئے ہوں اس لئے کہ طائر کو طائر یا پرندہ کو پرندہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں صفت طیر اور صفت پرواز اصل ہے اور قبض یعنی پروں کو سکیزنا یہ طاری (خلاف اصل) ہے لہذا اصلی صفت کو اسم سے تعبیر کیا اس لئے کہ اسم استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اور قبض (یعنی سکیزنے) کو فعل سے تعبیر کیا کیونکہ وہ طاری اور حادث ہے اور فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

قَوْلٌ: قَابِضَاتٍ اس میں اشارہ ہے کہ يَقْبِضْنَ، قابضات کی تاویل میں ہے تا کہ عطف درست ہو جائے، دونوں جگہ اَجْنِحَتِهِنَّ ظاہر کر کے اشارہ کر دیا کہ دونوں کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسرے مَنْ مبتداء کی خبر پہلے مَنْ مبتداء کی خبر پر

قیاس کرتے ہوئے حذف کردی گئی ہے ای اُھْدٰی اور اُھْدٰی اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہے، مفسر علام نے اپنے قول اِیْھِمَا عَلٰی ھُدٰی سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: مَا مَزِیْدَةٌ، قَلِیْلًا مَّا مِیْن مَا تَاکِیْدُ قَلْبَتِ کَے لَئے زَائِدَہ ہے اور قَلِیْلًا مَوْصُوفِ مَحْذُوفِ کی صفت ہے ای شُکْرًا قَلِیْلًا۔

قَوْلٌ: اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ یہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ فَبَیِّنُوْا وَقْتًا۔

قَوْلٌ: بِمَجِیْدَہِ ای بوقت مجیدہ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلٌ: زُلْفَةً یہ اِزْلَاف کا اسم مصدر ہے، بمعنی قریب۔

قَوْلٌ: اَنْکُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ تَدْعُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلٌ: وَھَذَہُ حَکَایَہُ حَالِ تَاثِی یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سِوَالٌ: فرشتے روز قیامت کافروں سے کہیں گے کہ یہ وہی عذاب ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور تم اس کی تردید و تکذیب کرتے تھے، یہ سوال و جواب سب زمانہ مستقبل (قیامت) میں ہوں گے اس کا تقاضا تھا کہ قِیْلَ کے بجائے یقولون سے تعبیر کرتے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ وقوع یقینی کی وجہ سے حکایت حال آتیہ کو ماضی سے تعبیر کر دیا ہے، مذکورہ عبارت سے اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قَوْلٌ: اَرَاَیْتُمْ اَرَاَیْتُمْ بِمَعْنٰی اَخْبِرُوْنِی ہے جو دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، اِنْ اَھْلَکْنِی اللّٰہُ الْخِ جملہ شرطیہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلٌ: لَا مُجِیْرَ لَھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ فَمَنْ یُجِیْرُ کُمْ مِیْنِ اسْتَفْہَامِ انکاری ہے۔

قَوْلٌ: اَمْ اَنْتُمْ کَا تَعْلُقَ فَسَتَعْلَمُوْنَ مِیْنِ تَاءِ کی قراءت کی صورت میں ہے اور اَمْ اَنْتُمْ کَا تَعْلُقَ فَسَتَعْلَمُوْنَ یاء کی قراءت کی صورت میں ہے۔

قَوْلٌ: مَعِیْنٌ یہ اصل میں مَعِیُوْۤنٌ بروزن مفعول ہے جیسا کہ مَبِیْعٌ اصل میں مَبِیُوْعٌ تھا یاء کا ضمہ ماقبل عین کو دید یا اور واو مِیْنِ التَّعَا سَا کُنِیْنِ ہوا واو حذف ہو گیا عین کو ی کی مناسبت سے کسرہ دید یا گیا۔

قَوْلٌ: وَعَمِیْ یہ ذَہَبَ مَاءُ عِیْنِہِ کا عطف تفسیری ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذُلُوْلًا (الایۃ) ذُلُوْل کے معنی مطیع و منقاد کے ہیں، اس جانور کو ذلول کہا جاتا ہے جو سواری دینے میں سرتابی اور شوخی نہ کرے، زمین کو مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کا قوام اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا کہ نہ تو پانی کی

طرح سیال و رقیق اور نہ روئی اور کچڑ کی طرح دبے والا، کیونکہ اگر زمین ایسی ہوتی تو اس پر چلنا اور ٹھہرنا مشکل ہو جاتا، اسی طرح زمین کو لوہے اور پتھر کی طرح سخت بھی نہیں بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس میں نہ کھیتی کی کاشت کی جاتی اور نہ درخت لگائے جاتے اور نہ اس میں کنویں اور نہریں کھودی جاسکتیں۔

زمین کا اپنی بے حد و حساب مختلف النوع آبادی کے لئے جائے قرار ہونا بھی کوئی معمولی یا سرسری بات نہیں ہے، اس کرۂ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر انسان غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم و دانہ قادر مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ کرۂ ارضی فضائے بسیط میں معلق ہے کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے باوجودیکہ زمین مغرب سے مشرق کی جانب ۶/۵۱۰۳۵ میل برابر تقریباً ۱۵۵ کلومیٹر فی گھنٹہ محوری حرکت کرتی ہے (فلکیات جدیدہ) اس میں کوئی اضطراب و اہتزاز نہیں ہے اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز (جھٹکا) ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آنے سے بآسانی لگا سکتے ہیں تو کرۂ ارض پر کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی یہ کرۂ ارضی باقاعدگی سے سورج کے سامنے آتا اور جاتا ہے جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں، اگر اس کا ایک ہی رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رخ ہمیشہ پوشیدہ رہتا تو یہاں کسی ذی حیات کا وجود ممکن نہ ہوتا، کیونکہ پوشیدہ رخ کی سردی اور بے نوری، نباتات اور حیوانات کو پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رخ کی گرمی کی شدت روئے زمین کو بے آب و گیہ اور غیر آباد بنا دیتی، اس کرۂ ارضی پر پانچ سو میل تقریباً ۵۰ کیلومیٹر بلندی تک ہوا کا ایک کثیف غلاف چڑھا ہوا ہے جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب جو ہوا میں فی سکند ۳۰ میل برابر کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں کرۂ ارض پر وہ تباہی مچاتے کہ کسی بھی ذی حیات اور نباتات کی بقا ممکن نہ ہوتی۔

وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَآلِیْهِ النَّشُورُ پہلے زمین میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی تھی، اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ کے رزق کا دروازہ ہے اِلَیْهِ النَّشُورُ میں بتلادیا کہ کھانے پینے رہنے سہنے کے فوائد زمین سے حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر موت اور آخرت سے بے فکر ہو کر نہیں، انجام کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، زمین پر رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں لگے رہو۔

أَمِنتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ اس آیت میں مشرکوں، کافروں اور نافرمانوں کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ ذات جو عرش پر جلوہ گر ہے جب چاہے تمہیں زمین میں دھنسا دے یعنی وہی زمین جو تمہاری قرار گاہ اور آرام گاہ ہے اور تمہاری روزی کا مخزن و منبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو جو نہایت ہی پرسکون ہے حرکت و جنبش میں لا کر تمہاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

جس طرح وہ زمین کو جنبش اور حرکت دیکر تم کو ہلاک کر سکتا ہے اسی طرح وہ آسمان سے کنکر اور پتھر برسا کر بھی تم کو نیست و نابود کر سکتا ہے جیسا کہ وہ اس سے پہلے قوم لوط اور اصحاب فیل کے ساتھ کر چکا ہے، لیکن اس وقت سمجھ میں آنا بے سود ہوگا۔

اگلی آیت میں عبرت و نصیحت کے لئے ان قوموں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے زمانہ میں اللہ کے نبیوں کو جھٹلا کر مبتلائے عذاب ہو چکی تھیں، اس کے بعد چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نمونوں کو بیان فرمایا ہے جو اسی کی اور صرف اسی کی قدرت و حکمت سے ممکن ہے، وہی ہر چیز کا نگہبان اور ہر شئی اسی کی زیر قدرت ہے اگر وہ تمہاری روزی اور اس کے اسباب کو روک لے تو تمہارے پاس کونسا لشکر ہے جو رحمان کے مقابلہ میں مدد کر کے تمہارے رزق کو جاری کر سکے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں، اور جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے اسی جگہ پر چلے جا رہے ہیں جس پر انہیں کسی نے ڈال دیا ہے۔

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاءُ كُفْرًا غَوْرًا (الایۃ) یعنی آپ ﷺ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ اس بات پر غور کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ پانی کو خشک فرمادیں کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دیں کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو تمہیں پانی مہیا کر دے؟ یہ اللہ کی مہربانی ہی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ خَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا كَوْنًا

سُورَةُ النُّونِ مَكِّيَّةٌ اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ نون مکی ہے، باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ نَ أَخَذَ حُرُوفَ الْهَجَاءِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْقَلَمِ
الَّذِي كُتِبَ بِهِ الْكَائِنَاتُ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ ۝ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ ۱ اِى الْمَلَائِكَةُ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ مَا أَنْتَ
يَا مُحَمَّدُ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ ۲ اِى انْتَفَى الْجُنُونُ عَنْكَ بِسَبَبِ اِنْعَامِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا وَهَذَا رَدُّ
لِقَوْلِهِمْ اِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ ۳ وَاِنَّ لَكَ لَاجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ ۴ مَقْطُوعٌ ۝ ۵ وَاِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ دِينٍ عَظِيمٍ ۝ ۶ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ ۷
بِآيَاتِكُمُ الْمَفْتُونَ ۝ ۸ مُضْذَرٌّ كَالْمَعْقُولِ اِى الْفُتُونُ بِمَعْنَى الْجُنُونِ اِى اَبِكَ اَمْ بِهِمْ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۝ ۹ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ ۱۰ لَهُ وَاَعْلَمُ بِمَعْنَى عَالِمٍ ۝ ۱۱ فَلَا تُطِيعُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ ۱۲ وَذُوقُوا تَمَنَّا لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ
تُذْهِنُ تُلِينُ لَهُمْ فَيَذْهَبُونَ ۝ ۱۳ يُلِينُونَ لَكَ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى تَذْهِنٍ وَاِنْ جُعِلَ جَوَابُ التَّمْنَى الْمَفْهُومُ مِنْ
وَذُوقُوا قَدِيرَ قَبْلِهِ بَعْدَ الْفَاءِ هُمْ وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ ۝ ۱۴ كَثِيرِ الْحَلْفِ بِالْبَاطِلِ ۝ ۱۵ مَهِينٍ ۝ ۱۶ حَقِيرٍ هَمَّازٍ عِيَابٍ اِى
مُغْتَابٍ مَشَاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ ۱۷ سَاعَ بِالْكَلَامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلَى وَجْهِ الْاِفْسَادِ بَيْنَهُمْ مَنَاعٌ لِلْخَيْرِ بِخِيلٍ بِالْمَالِ عَنْ
الْحَقِّ مَعْتَدٍ ظَالِمٍ اَتِيْمٍ ۝ ۱۸ اَتِيْمٌ عَمَلٌ غَلِيظٌ جَانِبٌ بَعْدَ ذَلِكَ رَزِيْمٌ ۝ ۱۹ دَعَى فِى قُرَيْشٍ وَهُوَ الْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ
اِدْعَاهُ اَبُوهُ بَعْدَ ثَمَانِي عَشْرَةِ سَنَةٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَا نَعْلَمُ اَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَصَفَ
أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ مِنَ الْعُيُوبِ فَالْحَقُّ بِهِ عَارًا لَا يُفَارِقُهُ أَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِزَنِيمِ الظَّرْفُ قَبْلَهُ اَنَّ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَيْنَ ۝ ۲۰
اِى لِأَنَّ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ اِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِ اَيُّنَا الْقُرْآنُ قَالَ هِيَ اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ۝ ۲۱ اِى كَذَبَ بِهَا لِانْعِدَامِهَا
عَلَيْهِ بِمَا ذَكَرَ وَفِى قِرَاءَةٍ اَنْ بِهِمَزَتَيْنِ مَفْتُوحَتَيْنِ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ ۝ ۲۲ سَنَجْعَلُ عَلَى أَنْفِهِ عَلَامَةً يُعَيِّرُ بِهَا
مَا عَاشَ فَخُطِمَ أَنْفُهُ بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ اِنَّا بَلَوْنَهُمْ اِمْتَحَنَّا أَهْلَ مَكَّةَ بِالْقَحْطِ وَالْجُوعِ ۝ ۲۳ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ
الْبُسْتَانَ اِذَا أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا يُقْطَعُونَ ثُمَّ رَتَّبَهَا مُصْبِحِينَ ۝ ۲۴ وَفَتَّ الصَّبَاحَ كَيْلًا يَشْعُرُ لَهُمُ الْمَسَاكِينُ فَلَا

يُغْطَوْنَ مِنْهَا مَا كَانَ أَبُوهُمْ يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ مِنْهَا وَلَا يَسْتَنْوُونَ^(۱۸) فِي يَمِينِهِمْ بِمَشِيَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ أَيْ وَشَأْنُهُمْ ذَلِكَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَبِّكَ نَارًا أَحْرَقَتْهَا لِيَلَّا^(۱۹) وَهُمْ نَائِمُونَ^(۲۰) فَاصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ^(۲۱) كَاللَّيْلِ الشَّدِيدِ الظُّلُمَةِ أَيْ سَوْدَاءَ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ^(۲۲) أِنْ ائْتَدُوا عَلَى حَرْثِكُمْ غَلَّتْكُمْ تَفْسِيرٌ لِلتَّنَادَى أَوْ أَنْ مُصْذِرِيَّةٌ أَيْ بَانَ^(۲۳) إِنْ كُنْتُمْ صَرِيمِينَ^(۲۴) مُرِيدِينَ الْقَطْعَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلٌّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ فَأَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ^(۲۵) يَتَسَارُونَ^(۲۶) أَنْ لَا يَدْخُلَتْهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ^(۲۷) تَفْسِيرٌ لِّمَا قَبْلَهُ أَوْ أَنْ مُصْذِرِيَّةٌ أَيْ بَانَ وَغَدُوا عَلَى حَرْدٍ مَّنْعَ لِلْفُقَرَاءِ قُدْرِينَ^(۲۸) عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهَا سَوْدَاءَ مَحْترِقَةً قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ^(۲۹) عَنْهَا أَيْ لَيْسَتْ هَذِهِ ثُمَّ قَالُوا لِمَا عَلِمُوا بِهَا بَلْ نَحْنُ مُحْرَقُونَ^(۳۰) ثَمَرَتُهَا بِمَنْعِ الْفُقَرَاءِ مِنْهَا قَالِ أَوْسَطُهُمْ خَيْرُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا هَلَا تُسَيِّحُونَ^(۳۱) اللَّهُ تَائِبِينَ قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ^(۳۲) بِمَنْعِ الْفُقَرَاءِ حَقَّهُمْ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ^(۳۳) قَالُوا يَا لِلتَّسْبِيهِ وَبَلَّغْنَا هَلَاكَنَا إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ^(۳۴) عَلَى رَبِّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ^(۳۵) لِيَقْبَلَ تَوْبَتَنَا وَيَرُدَّ عَلَيْنَا خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِنَا رَوَى أَنَّهُمْ أَبَدُوا خَيْرًا مِنْهَا كَذَلِكَ أَيْ بِشَلِّ الْعَذَابِ لَهُؤُلَاءِ الْعَذَابُ لِمَنْ خَالَفَ أَمْرَنَا مِنْ كُفَّارِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ وَلِعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ^(۳۶) عَذَابُهَا مَا خَالَفُوا أَمْرَنَا وَنَزَلَ لِمَا قَالُوا إِنْ بُعِثْنَا نُعْطَى أَفْضَلَ مِنْكُمْ

۱۸

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ن، یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے اور قسم ہے اس قلم کی جس کے ذریعہ کائنات لوح محفوظ میں لکھی گئی، اور اس خیر و صلاح کی جس کو فرشتے لکھتے ہیں اے محمد ﷺ! آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں یعنی تیرے رب کے تیرے اوپر نبوت وغیرہ کے فضل کے سبب سے تجھ سے جنون منشی ہے یہ ان (مشرکوں) کے ان قول کا رد ہے کہ آپ مجنون ہیں اور بے شک تیرے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور آپ ﷺ بڑے (عمدہ خلق) دین پر ہیں اب آپ ﷺ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو جنون ہے؟ مفتون مصدر ہے جیسا کہ معقول یعنی فتون بمعنی جنون یعنی (جنون) آپ ﷺ کو ہے یا ان کو؟ بلاشبہ تیرا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ان کو بھی بخوبی جانتا ہے جو راہ ہدایت پر ہیں اور اعلم بمعنی عالم ہے، تو آپ ﷺ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے، وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں لو مصدر یہ ہے فَيُذْهِبُونَ کا عطف تَذْهِنُ پر ہے، اور اگر فَيُذْهِبُونَ کو جواب تمنی قرار دیا جائے جو کہ وَدُّوا سے مفہوم ہے تو يُذْهِبُونَ سے پہلے اور فاء کے بعد ہُمْ مقدر مانا جائے گا، اور کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا کہ جو جھوٹی بہت قسم کھانے والا بے وقار عیب گو یعنی غیبت کرنے والا چغل خور ہو یعنی لوگوں کے درمیان فساد برپا کرنے کی نیت سے ادھر کی ادھر لگانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، یعنی حقوق کے معاملہ میں مال خرچ کرنے میں بخیل ہو، حد

اعتدال سے گزرنے والا ظالم ہو، گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہو، تند خو سخت مزاج ہو پھر اس کے ساتھ بے نسب بھی ہو (یعنی) قریش کے نسب میں داخل کیا گیا ہو، اور وہ ولید بن مغیرہ ہے اس کے والد نے اس کو اٹھارہ سال بعد متبنی بنایا تھا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہمارے علم میں نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے علاوہ کسی کے ایسے اوصاف بیان کئے ہوں، اور اس کے ساتھ ایسے شرم (کے اوصاف) لاحق کر دیئے ہوں کہ جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں، زنیسم سے اس کے ماقبل کا ظرف (یعنی ذالک) متعلق ہے (اور یہ سرکشی محض اس لئے ہے) کہ وہ مال اور اولاد والا ہے اَنَّ معنی میں لَآئ کے ہے، اور لَآئ اس سے متعلق ہے جس پر اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ دلالت کرتا ہے، اور وہ کذب بھا الخ ہے، جب اس کو ہماری آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو گزشتہ لوگوں کے قصے ہیں یعنی اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلادیا، ہمارے اس کے اوپر مذکورہ انعام (مال و اولاد) کی وجہ سے، اور ایک قراءت میں اَنْ کَانَ کے بجائے اَنَّ کَانَ دو مفتوحہ ہمزوں کے ساتھ ہے ہم اس کی ناک پر عنقریب داغ لگا دیں گے یعنی عنقریب ہم اس کی ناک پر ایسی علامت لگا دیں گے کہ زندگی بھر اس کے ذریعہ اس کو عار دلائی جائے گی، چنانچہ یوم بدر میں اس کی ناک پر تلوار کا زخم لگا دیا گیا، بے شک ہم نے ان اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ساتھ ایسے ہی آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ باغ کے پھلوں کو صبح تڑکے ضرور توڑ لیں گے، تاکہ مساکین کو ان کے پھل توڑنے کا علم نہ ہو سکے اور وہ مساکین کو پھلوں میں سے وہ حصہ نہ دیں گے جو حصہ ان کے والد ان پر صدقہ کیا کرتے تھے، مگر انہوں نے اپنی قسم میں استثناء نہیں کیا (یعنی) انشاء اللہ نہیں کہا، اور جملہ مستانفہ ہے ای شانہم لَا یَسْتَثْنُوْنَ ذٰلَکَ، پس اس باغ پر تیرے رب کی جانب سے ایک گھومنے والی (بلا) گھوم گئی، یعنی ایسی آگ کہ اس نے باغ کو راتوں رات جلا دیا، اور وہ پڑے سوتے ہی رہے اور وہ باغ نہایت تاریک رات کے مانند ہو گیا یعنی خاک سیاہ ہو گیا، اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ اگر تم کو پھل توڑنے ہیں تو صبح تڑکے اپنی کھیتی پر چلو، اَنْ اَغْدُوْا، تَنَادَوْا کی تفسیر ہے (یعنی اَنْ بمعنی ای ہے) یا اَنْ مصدر یہ ہے ای بَانَ اور جواب شرط (محذوف ہے) جس پر اس کا ماقبل یعنی اَنْ اَغْدُوْا دلالت کر رہا ہے، پھر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس آنے نہ پائے یہ ماقبل کی تفسیر ہے (اور اَنْ بمعنی اُنّی ہے) یا اَنْ مصدر یہ ہے اور معنی میں بَانَ کے ہے اور وہ بزم خویش فقراء کو نہ دینے پر خود کو قادر سمجھ کر چلے، جب انہوں نے اس باغ کو جلا ہوا سیاہ دیکھا تو کہنے لگے ہم یقیناً باغ کا راستہ بھول گئے ہیں یعنی یہ ہمارا باغ نہیں ہے پھر جب ان کو معلوم ہوا تو کہنے لگے ہم تو فقراء کو پھلوں سے روکنے کی وجہ سے، پھلوں سے محروم ہو گئے، ان میں سے جو بہتر تھا اس نے کہا کہ کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی پاکی بیان کیوں نہیں کرتے؟ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے فقراء سے ان کا حق روک کر ہم ہی ظالم تھے پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ملامت کرنے لگے، کہنے لگے: ہائے افسوس! ہماری بد قسمتی یہ یقیناً سرکش تھے کیا عجب کہ ہمارا رب اس سے بہتر بدلہ دے (یُبَدِّلْنَا) تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے، ہم تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ وہ ہماری قوبہ قبول فرمائے، اور ہمیں ہمارے باغ سے

بہتر باغ عطا فرمادے، روایت کیا گیا ہے کہ ان کو اس سے بہتر باغ بدلے میں عطا کر دیا گیا، اسی طرح عذاب ہوا کرتا ہے یعنی ان لوگوں کے عذاب کے مانند اہل مکہ میں سے جنہوں نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی، اور آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہے اگر یہ آخرت کے عذاب کو جان لیتے تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: سورۃ ن اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے۔

قَوْلًا: احد حروف الہجاء اس عبارت کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (ن) حمن کا آخری حرف ہے یا نصر، ناصر، نور، کا پہلا حرف ہے۔

قَوْلًا: وَمَا يَسْطُرُونَ، مَا مصدر یہ ہے یا موصولہ مَا يَسْطُرُونَ ای بِمَسْطُورِہم یعنی قسم ہے اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں۔
قَوْلًا: مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ یہ جواب قسم ہے اور بِنِعْمَةٍ میں باء سببیہ ہے یعنی اپنے رب کے فضل کے سبب سے آپ ﷺ مجنون نہیں ہیں بنعمۃ جار مجرور سے مل کر اس فعل نفی کے متعلق ہے جس پر مَا دلالت کرتا ہے ای انتفی بنعمۃ ربك عنك المجنون، بمجنون میں باء زائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلًا: بِسَبَبِ أَنْعَامِهِ اس سے جس طرح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باء سببیہ ہے اسی طرح اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اَنْتَ، مَا کا اسم اور بمجنون اس کی خبر ہے۔

قَوْلًا: وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا الْخ یہ اور اس کا مابعد جواب قسم پر معطوف ہے، گویا کہ مقسم علیہ دو ہیں ایک مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ اور دوسرا وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ۔

قَوْلًا: بِأَيِّكُمْ خبر مقدم ہے اور الْمَفْتُونُ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: هُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى تَذْهِنُ یعنی فَيُذْهِنُونَ کا عطف تَذْهِنُ پر ہے اور جس طرح معطوف لَوْ کے ماتحت ہونے کی وجہ سے مُتَمَنَّى ہے فَيُذْهِنُونَ بھی مُتَمَنَّى ہوگا، اس طرح دو چیزیں مُتَمَنَّى ہوں گی مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ فَيُذْهِنُونَ جواب تَمَنَّى ہے لہذا منصوب ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی ساقط ہونا چاہئے، حالانکہ فَيُذْهِنُونَ میں نون اعرابی باقی ہے؟

جواب: یہ ہے کہ نون کے ساقط ہونے کے لئے فا کا سببیہ ہونا ضروری ہے اور یہاں فا عاطفہ ہے نہ کہ سببیہ۔

کِسْفٍ جَوَابِ: مفسر علام نے قُبْدَرَ قَبْلَهُ بعد الفاء سے دیا ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ فَيُذْهِنُونَ کی فاء کے بعد ہُمْ مبتداء مقدر مان لیا جائے اور يُذْهِنُونَ مبتداء کی خبر ہوگی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب تمنی ہوگا، لہذا اس صورت میں حذف نون کی ضرورت نہیں ہوگی (ترویح الارواح، فتح القدیر، شوکانی) اور بعض قراءتوں میں فَيُذْهِنُوا

بھی ہے اس صورت میں فَيَذْهَبُوا جواب تمنی ہوگا اور فاء سببیہ ہوگی جس کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہو گیا۔

(فتح القدیر)

قَوْلٌ : اِی مُغْتَابٌ ، اِی حرف تفسیر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُغْتَابٌ ، عِيَابٌ کی تفسیر ہے حالانکہ مُغْتَابٌ ، عِيَابٌ کی تفسیر نہیں ہے لہذا مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ اِی کے بجائے اَوْ کہتے تاکہ ہَمَّاز کی دوسری تفسیر ہو جاتی۔ (صاوی)

قَوْلٌ : بِنَمِيمٍ يَمْشَى کے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ادھر کی ادھر لگانے کے لئے بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔

قَوْلٌ : غَلِيظٌ، تندخو، جَافٌ خشک مزاج۔

قَوْلٌ : بعد ذلك یعنی مذکورہ تمام عیوب میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ غیر ثابت النسب ہے۔

قَوْلٌ : زَنِيمٌ، الزنمۃ سے ماخوذ ہے وہ چھلا جو بھیڑ بکری وغیرہ کے کان میں ڈال دیا جاتا ہے، مجازاً اس شخص کو کہا جانے لگا جس کو نسب میں شامل کر لیا گیا ہو، حقیقت میں وہ نسب میں داخل نہ ہو، عربی میں اس کو مستلحق کہتے ہیں، ولید بن مغیرہ ایسا ہی تھا۔

قَوْلٌ : لَآنَ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ میں اَنْ سے پہلے لام جارہ مقدر ہے اور وہ اِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا کے مدلول سے متعلق ہے اور مدلول کَذَبَ بِهَا ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلٌ : وَفِي قِرَاءَةٍ اَنَّ دو ہمزوں کے ساتھ پہلا ہمزہ استفہام تو بیٹی ہے اور دوسرا اَنْ مصدر یہ کا ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے اور معنی اَكْذَبَ بِهَا لَآنَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ۔

قَوْلٌ : السَّخَرُ طُوم درندوں کی تھو تھڑی کو کہتے ہیں خاص طور پر ہاتھی اور خنزیر کی سو نڈ اور تھو تھڑی کو، ولید بن مغیرہ کی ناک کو استہزاء خرطوم کہا گیا ہے۔

قَوْلٌ : وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ یعنی اِنْ كُنْتُمْ شَرْطُكَا جواب شرط محذوف ہے، جس پر ما قبل یعنی اَنْ اَعْدُوا دلالت کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ كُنْتُمْ صَارِمْ اَعْدُوا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ نون اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے جیسے اس سے قبل ص، ق وغیرہ گذر چکے ہیں، اس میں قلم کی قسم کھا کر یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، اور آپ ﷺ کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے، قلم کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس سے تبیین اور توضیح ہوتی ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ قلم سے خاص قلم مراد ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا، اور اسے تقدیر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے قیامت تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (سنن ترمذی) مَا يَسْطُرُونَ میں مَا مصدر یہ ہے مطلب یہ کہ قلم کی قسم اور جو کچھ فرشتے

لکھتے ہیں ان کے لکھنے کی قسم، مقسم بہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس کے مناسب کسی چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اور وہ قسم مضمون پر ایک شہادت ہوتی ہے، یہاں مَا يَسْطُرُونَ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا جا رہا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں؟ وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ خود مجنون۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ یہ جواب قسم ہے جس میں کفار کے قول کو رد کیا گیا ہے کیوں کہ وہ آپ ﷺ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے، آپ ﷺ نے فریضہ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی طعن و تشنیع سہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، مَنْ کے معنی ختم ہونے اور قطع کرنے کے ہیں۔

وَأَنَّكَ لَـٰعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ خلق عظیم سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تو اس خلق پر ہیں کہ جس کا حکم اللہ نے قرآن میں دیا ہے، یا اس سے مراد تہذیب و شائستگی نرمی و شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جن میں آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید اور وسعت آئی، اسی لئے جب حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے آپ ﷺ کے خلق کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ۔ (صحیح مسلم)

بلند اخلاقی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ کفار آپ ﷺ پر دیوانگی اور جنون کی جو تہمت رکھ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹی ہے کیونکہ اخلاق کی بلندی اور دیوانگی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو، اس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت ہے، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے اہل مکہ ناواقف نہیں تھے، اس لئے ان کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی اس بات کے لئے کافی تھا کہ مکہ کا ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں، ان کی یہ بے ہودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ دماغی توازن آپ ﷺ کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا خراب ہے جو مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر پاگلوں والی باتیں کرتے ہیں، یہی معاملہ ان مدعیان علم و تحقیق کا بھی ہے جو اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ پر مرگی اور جنون کی تہمت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کے اخلاق کے سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا یہ قول ”كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ“ قرآن آپ ﷺ کا اخلاق تھا، کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں فرمائی بلکہ خود اس کا مجسم نمونہ بن کر دکھایا تھا، ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا اور نہ کبھی عورت پر ہاتھ اٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کبھی آپ ﷺ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، حضرت انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے کبھی میری کسی بات پر اُف تک نہ کی، کبھی میرے کام پر یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں

فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا؟

(بخاری مسلم)

فَسْتَبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ مکہ کے یہ بد باطن مشرکین عداوت کے جوش میں پاگل ہو کر جو حقیقت کو چھپانے اور نور حق کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جب عنقریب قیامت کے دن حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے تو ساری دنیا دیکھ لے گی کہ کون دیوانہ تھا اور کون فرزانہ؟ بعض مفسرین نے ظہور حقیقت کے دن سے یوم بدر مراد لیا ہے

فَلَا تُطْعِ الْمُكَذِّبِينَ یعنی آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں، یہ تو یوں چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ احکام میں کچھ نرم پڑ جائیں، تو یہ بھی نرم پڑ جائیں کہ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع اور ایذا رسانی ترک کر دیں۔ (قرطبی)

مَسْئَلَةٌ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم بھی ہمیں کچھ نہ کہو، یہ مدہانت فی الدین اور حرام ہے (معارف، مظہری) یعنی بلا کسی اضطراب اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

وَلَا تُطْعِ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (الآیۃ) پہلی آیت میں عام کفار کی بات نہ ماننے اور دین کے معاملہ میں ان کی وجہ سے کوئی مدہانت نہ کرنے کا عام حکم تھا، اس آیت میں ایک خاص شریر کافر ولید بن مغیرہ کی صفات رذیلہ بیان کر کے اس سے اعراض کرنے اور اس کی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ حق بات میں مدہانت، حکمت تبلیغ کے لئے سخت نقصان دہ ہے، مذکورہ آیت میں جو نو اوصاف رذیلہ بیان کئے گئے ہیں ان کے بارے میں رائج قول تو یہی ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ کے اوصاف ہیں اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں، کسی نے ان اوصاف کا مصداق اسود بن عبد یغوث کو اور کسی نے اخنس بن شریق کو قرار دیا ہے، تفسیر زاہدی وغیرہ میں ہے کہ ولید جب اٹھارہ سال کا ہوا تو مغیرہ نے دعویٰ کیا کہ: میں اس کا باپ ہوں، جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ولید نے اپنی ماں سے کہا کہ محمد ﷺ نے میرے نو اوصاف بیان کئے ہیں، میں ان میں سے سوائے نویں (زینم) کے سب کو جانتا ہوں اور صرف اس کو نہیں جانتا، اگر تو مجھے صحیح صحیح نہ بتائے گی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا تو اس کی ماں نے کہا تیرا باپ نامرد تھا مجھے مال کے بارے میں تیرے چچا زاد بھائیوں سے اندیشہ ہوا تو میں نے فلاں غلام کو اپنے اوپر قابو دیدیا تو اسی سے ہے۔ (حاشیہ جلالین ملخصاً)

باغ والوں کا قصہ:

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ (الآیۃ) یہ باغ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعاء جو یمن کا مشہور شہر ہے اس سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا، اور بعض حضرات نے اس کا محل وقوع حبشہ بتایا ہے۔ (ابن کثیر) یہ لوگ اہل کتاب تھے اور یہ واقعہ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد کا ہے، (معارف) دو باغ والوں کا اسی قسم کا ایک واقعہ تمثیل کے طور پر سورہ کہف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے۔

باغ والوں کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے اس طرح منقول ہے کہ صنعاء یمن سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک باغ تھا اس مقام کو صروان کہا جاتا تھا، یہ باغ ایک صالح نیک بندے کا تھا، اس کا عمل یہ تھا کہ جب درختوں سے

پھل توڑتا تو پھل توڑنے کے دوران جو پھل نیچے گر جاتے وہ فقیروں اور مسکینوں کے لئے چھوڑ دیتا، اسی طرح کھیتی کا نئے وقت جو خوشہ گر جاتا اور کھلیان میں جو دانہ بھوسے کے ساتھ چلا جاتا وہ بھی فقیروں کے لئے چھوڑ دیتا (یہی وجہ تھی کہ جب پھل توڑنے اور کھیتی کا نئے کا وقت آتا تو بہت سے فقراء و مساکین جمع ہو جاتے تھے) اس مرد صالح کا انتقال ہو گیا اس کے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہماری عیال داری بڑھ گئی ہے اور پیداوار ضرورت سے کم ہے اس لئے اب ان فقراء کے لئے اتنا غلہ اور پھل چھوڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، ہمیں یہ سلسلہ بند کرنا چاہئے، آگے ان کا قصہ خود قرآن کریم حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اِذَا قَسَمُوا لِيَضْرِبُ عَنْهَا مُضْبِحِينَ وَلَا يَسْتَنْشُونَ یعنی انہوں نے قسم کے ساتھ یہ عہد کر لیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے، تاکہ فقراء و مساکین کو خبر نہ ہو اور ساتھ نہ لگ لیں، ان کو اپنے اس منصوبے پر اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی، بعض مفسرین نے ”لَا يَسْتَنْشُونَ“ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پورا کا پورا غلہ اور پھل گھر لے آئیں گے اور فقراء کا حصہ مستثنیٰ نہ کریں گے۔ (مظہری)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ ادھر تو یہ لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے اور ادھر آسمانی بلا نے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، جب صبح تڑکے پھل توڑنے کے لئے جانے لگے تو ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ پکارنے لگے، تاکہ فقیر و مسکین لوگ سن نہ لیں اور وہ اس بات پر خوش تھے کہ آج باغ میں آکر ہم سے کوئی کچھ نہ مانگے گا، اور وہ اپنے آپ کو اپنے اس منصوبہ میں کامیاب سمجھ رہے تھے۔

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا اِنَّا لَضَالُّونَ مگر جب اس جگہ باغ دکھیت کچھ نہ پایا، تو اول تو یہ کہنے لگے کہ ہم اپنے باغ کا راستہ بھول کر کسی دوسری طرف نکل آئے ہیں، یہاں نہ تو باغ ہے اور نہ کھیت، مگر جب دیگر نشانیوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جگہ تو یہی ہے، مگر کھیت اور باغ وغیرہ سب جل کر ختم ہو گیا ہے تو کہنے لگے ”بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ“ یعنی تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جس کو اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا، واقعی ہم اس نعمت سے بلکہ لاگت سے بھی محروم کر دیئے گئے، یہ واقعی حرمان نصیبی ہے۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ (الآیۃ) اس کا مطلب یہ ہے ان میں جو سب سے بہتر تھا اس نے اس وقت بھی جب وہ فقیروں کو نہ دینے کی قسم کھا رہے تھے کہا تھا کہ تم خدا کو بھول گئے؟ انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ مگر انہوں نے اس کی پروا نہ کی۔

قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے، اور اس تباہی و بربادی کا الزام آپس میں ایک دوسرے کو دینے لگے۔

عَسَى رَبُّنَا اَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غرباء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرمادیا جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے ہوتے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لادا جاتا تھا۔ (مظہری، معارف، واللہ اعلم بالصواب)

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝۱۰ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝۱۱ اِی تَابِعِينَ لَهُمْ فِی الْعَطَاءِ مَا لَكُمْ ۝۱۲ کَیْفَ تَحْكُمُونَ ۝۱۳ هَذَا الْحُكْمُ فَاسِدٌ أَمْ بَلْ لَكُمْ کِتَابٌ مُنْزَلٌ فِیهِ تَدْرُسُونَ ۝۱۴ تَقْرَءُونَ ۝۱۵ إِنْ لَكُمْ فِیهِ لَمَاتَخَيَّرُونَ ۝۱۶ تَخْتَارُونَ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عُهُودٌ عَلَيْنَا بِالْغَةِ ۝۱۷ وَاثِقَةٌ إِلَى یَوْمِ الْقِیَمَةِ ۝۱۸ مُتَعَلِّقٌ مَعْنَى بَعَلِّینَا وَفِی هَذَا الْکَلَامِ مَعْنَى الْقَسَمِ اِی اَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهُ اِنْ لَكُمْ لَمَاتَحْكُمُونَ ۝۱۹ بِه لِأَنْفُسِكُمْ سَلَهُمْ اِیْهُمْ بِذَلِكَ الْحُكْمِ الَّذِی یَحْكُمُونَ بِه لِأَنْفُسِهِمْ مِنْ اَنْهُمْ یُعْطُونَ فِی الْاٰخِرَةِ اَفْضَلَ مِنْ الْمُؤْمِنِیْنَ رَعِیمٌ ۝۲۰ کَفِیْلٌ لَهُمْ أَمْ لَهُمْ اِی عِنْدَهُمْ شُرَکَآءُ مُوَافِقُونَ لَهُمْ فِی هَذَا الْقَوْلِ یُکْفِلُونَ لَهُمْ بِه فَاِنْ كَانَ کَذٰلِكَ فَلِیَا تُؤَابِرُ شُرَکَآءُیْهِمْ الْکَافِلِیْنَ لَهُمْ بِه اِنْ کَانُوا صٰدِقِیْنَ ۝۲۱ اَذْکُرْ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ ۝۲۲ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ شِدَّةِ الْاَمْرِ یَوْمَ الْقِیَمَةِ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ یُقَالُ کَشَفْتَ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ اِذَا اشْتَدَّ الْاَمْرُ فِیْهَا وَیُذْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ اِمْتِحَانًا لِایْمَانِهِمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُونَ ۝۲۳ تَصِیْرُ ظُهُورِهِمْ طَبَقًا وَاحِدًا خَاشِعَةً حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ یُذْعَوْنَ اِی ذَلِیْلَةٌ اَبْصَارُهُمْ لَا یَرْفَعُونَهَا تَرَهَّقُهُمْ تَغْشَاهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ کَانُوا یُذْعَوْنَ فِی الدُّنْیَا اِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِمُونَ ۝۲۴ فَلَا یَأْتُونَ بِه بَانَ لَا یُصَلُّوْا فَذَرْنِیْ دَعْنِیْ وَمَنْ یُکَذِّبْ بِهَذَا الْحَدِیْثِ الْقُرْآنِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ نَاخِذُهُمْ قَلِیْلًا مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُونَ ۝۲۵ وَأَمْلِ لَهُمْ اُمَهِلُهُمْ اِنْ کِیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝۲۶ شَدِیْدٌ لَا یُطَاقُ اَمْ بَلْ تَسْأَلُهُمْ عَلٰی تَبْلِیغِ الرِّسَالَةِ اَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ بِمَا یُعْطُونَکَ مُثْقَلُونَ ۝۲۷ فَلَا یُؤْمِنُونَ لَذٰلِكَ اَمْعِنْدَهُمُ الْغِیْبُ اِی اللُّوْحُ الْمَحْفُوظُ الَّذِی فِیْهِ الْغِیْبُ فَهُمْ یُکْتُبُونَ ۝۲۸ مِنْهُ مَا یَقُولُونَ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فِیْهِمْ بِمَا یَشَاءُ وَلَا تَكُنْ کَصَاحِبِ الْحُوتِ ۝۲۹ فِی الضَّجْرِ وَالْعُجْلَةِ وَهُوَ یُونُسُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِذَا نَادٰی دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝۳۰ مَمْلُوءٌ عَمَّا فِی بَطْنِ الْحُوتِ لَوْلَا اَنْ تَذَرَّکَ اَذَرَکَ نِعْمَةٌ رَّحْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ مِنْ بَطْنِ الْحُوتِ بِالْعَرَاءِ بِالْاَرْضِ الْفَضَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝۳۱ لَکِنَّهُ رُحِمَ فَنُبِذَ غَیْرَ مَذْمُومٍ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ بِالنُّبُوَّةِ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّٰلِحِیْنَ ۝۳۲ الْاَنْبِیَاءِ ۝۳۳ وَاِنْ یَکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیَرْثَنَّوْنٰکَ بِضَمِّ الْیَاءِ وَفَتْحِهَا بِاَبْصَارِهِمْ اِی یَنْظُرُونَ اِلَیْکَ نَظْرًا شَدِیْدًا یَکَادُ اَنْ یُضْرِعَکَ وَیُسْقِطَکَ عَنْ مَّکَانِکَ لَمَّا سَمِعُوْا الذِّکْرَ الْقُرْآنَ وَیَقُولُوْنَ حَسَدًا اِنَّهٗ لَمَجْنُونٌ ۝۳۴ بِسَبَبِ الْقُرْآنِ الَّذِی جَاءَ بِه وَمَا هُوَ اِی الْقُرْآنُ اِلَّا ذِکْرٌ مَّوْعِظَةٌ لِلْعٰلَمِیْنَ ۝۳۵ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَا یَخْذُلُ بِسَبَبِهِ جُنُودٌ

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا، اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو تم سے بہتر ہم کو عطا کیا جائے گا، پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں، کیا ہم مسلمین اور مجرمین کو برابر کر دیں گے؟ یعنی گنہگاروں کو مسلمانوں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم یہ فاسد فیصلے کیسے کر رہے ہو؟ بلکہ کیا تمہارے پاس نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیزیں (لکھی) ہوں جن کو تم پسند کرتے ہو یا تمہارے لئے ہم پر کچھ پختہ قسمیں ہیں؟ (الی یوم القیامہ) معنی کے اعتبار سے عَلَيْنَا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں، یعنی اَفْسَمْنَا لَكُمْ اور جواب قسم (اِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُوْنَ) ہے کہ تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جسے تم اپنی طرف سے اپنے لئے مقرر کر لو آپ ﷺ ان سے دریافت فرمائیں کہ اس حکم کا کہ جس کا تم اپنے لئے فیصلہ کر رہے ہو وہ یہ کہ تم کو آخرت میں مسلمانوں سے بہتر عطا کیا جائے گا، کوئی ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے پاس شرکاء ہیں؟ جو اس بات میں ان کے موافق اور اس سلسلے میں ان کے لئے کفیل ہیں، اگر ایسا ہے تو اپنے کفالت کرنے والے شرکاء کو لے آئیں، اگر وہ سچے ہیں، اس دن کو یاد کرو جس دن ساق کی بجلی ظاہر ہو جائے گی، یہ عبارت ہے قیامت کے دن حساب اور جزاء کی شدت سے، جب شدت کارن پڑ جائے تو بولا جاتا ہے، كَشَفَتِ السَّاقُ عَنِ الْحَرَبِ، حرب نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، اور ان کو ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے سجدہ کے لئے بلایا جائے گا، تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی کمریں ایک تختہ ہو جائیں گی حال یہ ہے کہ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی خَاشِعَةً، یدعون کی ضمیر سے حال ہے، حال یہ کہ ذلیل ہوں گی، نظروں کو اوپر نہ اٹھائیں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہ سجدہ کے لئے دنیا میں بلائے جاتے تھے حال یہ کہ وہ صحیح سالم تھے تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے، اس لئے کہ انہوں نے (دنیا) میں نماز نہیں پڑھی تھی مجھ کو اور اس شخص کو جو جھٹلا رہا ہے اسی حال میں رہنے دے، ہم ان کو بتدریج اس طرح کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا یعنی ہم ان کو آہستہ آہستہ گرفت میں لیں گے، اور میں ان کو ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط شدید ہے کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیا آپ ﷺ ان سے تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت طلب کرتے ہیں کہ یہ اس کے بوجھ سے کہ جو یہ آپ ﷺ کو دیتے ہیں دے جا رہے ہیں؟ جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ یا ان کے پاس علم غیب ہے یعنی لوح محفوظ ہے کہ جس میں غیب (کی باتیں) ہیں کہ جو کہتے ہیں اس سے لکھ لیتے ہیں پس تو ان کے بارے میں جو وہ چاہتا ہے اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور تنگ دلی اور عجلت میں مچھلی والے کے مانند نہ ہو جا، اور وہ یونس علیہ السلام ہیں، اس نے اپنے رب سے عزم کی حالت میں دعاء کی (یعنی) مغموم ہو کر مچھلی کے پیٹ میں دعاء کی، اگر اسے اس کے رب کی نعمت رحمت نہ پالیتی تو مچھلی کی پیٹ سے بری حالت میں چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا، لیکن اس پر رحم فرمایا گیا، اور اس کو بری حالت میں نہیں ڈالا گیا، پھر اس کے رب نے اس کو نبوت سے نوازا تو اس کو صالحین انبیاء میں شامل کر

دیا اور قریب ہے کہ کافر آپ ﷺ کو تیز نگاہوں سے پھسلادیں، یا کے فتح اور ضمہ کے ساتھ، یعنی وہ لوگ آپ ﷺ کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو زمین پر پچھاڑ دیں گے اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ سے گرا دیں گے جب وہ قرآن سنتے ہیں اور حسد کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں یہ تو اس قرآن کی وجہ سے جس کو یہ لایا ہے دیوانہ ہو گیا ہے، درحقیقت یہ قرآن جہان والوں کے لئے یعنی جن وانس کے لئے نصیحت ہے اس کی وجہ سے جنون پیدا نہیں ہو سکتا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: ای تابعین مناسب تھا کہ مفسر علام تابعین کے بجائے مساوین لہم فی العطا فرماتے۔
قَوْلٌ: مَالَكُمْ یہ مبتداء خبر سے ملکر جملہ ہے اس لئے اس پر وقف کیا جاتا ہے ای ائی شئی یحصل لکم من هذه الاحکام البعیدة عن الصواب۔

قَوْلٌ: کَیْفَ تَحْکُمُونَ یہ دوسرا جملہ ہے۔
قَوْلٌ: اِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَخِیْرُونَ، اِنَّ لَكُمْ دراصل ان لکم فتح کے ساتھ تھا اس لئے کہ یہ تَدْرُسُونَ کا مفعول ہے لیکن خبر میں لَمَّا تَخِیْرُونَ میں لام سے تاکید لایا گیا تو اِنَّ کو سرہ دے دیا گیا، جیسا کہ علمت اِنَّکَ لَعَاقِلٌ میں اور طلحہ بن مصرف اور ضحاک نے ان ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، لام کو زائد برائے تاکید قرار دیکر۔

قَوْلٌ: متعلق مَعْنٰی بَعَلِّیْنَا، ای متصل بہ، یعنی اِلٰی یوم القیامۃ، عَلِّیْنَا کے متصل ہے یہاں متعلق سے مراد نحوی تعلق نہیں ہے کہ وہ تعلق فعل یا اس کے ساتھ خاص ہو جو فعل کے معنی میں ہو اَمْ لَكُمْ اِیْمَانٌ عَلِّیْنَا الخ قسم کے معنی میں ہے اور اِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْکُمُونَ جواب قسم ہے۔

قَوْلٌ: اِنْ کَانُوْا صَادِقِیْنَ اس کی جزاء ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُونَ، لَا یَعْلَمُونَ کا مفعول محذوف ہے ای لَا یَعْلَمُونَ اِنَّہٗ اِسْتَدْرَاج۔

قَوْلٌ: وَاُمْلِیْ لَہُمْ یہ عطف تفسیری ہے اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُہُمْ پر ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

صنادید قریش نے جب آپ ﷺ کی زبانی سنا کہ مسلمانوں کو آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی، تو کہنے لگے کہ اگر بالفرض قیامت قائم ہوگئی تو ہم وہاں بھی مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے بہتر اور آسودہ حال ہیں، یا کم از کم مساوی ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ”اَفَلَنْجَعَلَ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ؟“ یہ کس طرح ممکن

ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں؟ مطلب یہ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے، اَفَنَجْعَلُ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاعل عطفہ ہے معطوف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی اُنْحِيفُ فِي الْحَكْمِ فَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ الخ یعنی یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں تمیز نہ کرے، آخر تمہاری عقل میں یہ بات کیسے آئی کہ کائنات کا خالق کوئی اندھا راجا ہے؟ جس کے یہاں چوہٹ نگری کا راج ہے کہ جہاں ”سب دھان ستائیس سیر“ اور ”نکاسیر بھاجی“ اور ”نکاسیر کھا جا“ کا قانون جاری ہے، جو یہ نہ دیکھے گا کہ کن لوگوں نے دنیا میں اس کے احکام کی اطاعت کی اور برے کاموں سے پرہیز کیا اور کون لوگ تھے جنہوں نے بے خوف ہو کر ہر طرح کے گناہ اور جرائم اور ظلم و ستم کا ارتکاب کیا؟ اگر ایسا ہو تو اس سے بڑا ظلم اور نا انصافی کیا ہو سکتی ہے، قیامت کا آنا اور حساب و کتاب کا ہونا اور نیک و بد کی سزا یہ سب تو عقلاً بھی ضروری ہے، کیونکہ اس کا دنیا میں ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں جو عموماً فساق، فجار، بدکار، ظالم، چور اور ڈاکو ہیں نفع میں رہتے ہیں، بسا اوقات ایک چور اور ڈاکو ایک رات میں اتنا مال جمع کر لیتا ہے کہ شریف آدمی عمر بھر میں بھی حاصل نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ نہ خوف کو جانتا ہے اور نہ آخرت کو اور نہ کسی شرم و حیا کا پابند ہوتا ہے، اپنی خواہشات کو جس طرح چاہتا ہے پورا کرتا ہے، نیک اور شریف آدمی اول تو خدا سے ڈرتا ہے آخرت کی جواب دہی کا خوف دامن گیر رہتا ہے، اس کے علاوہ شرم و حیا کا بھی پاس و لحاظ کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ دنیا کے کارخانہ میں بدکار و بد معاش کامیاب اور شریف آدمی ناکام نظر آتا ہے، اب اگر آگے بھی کوئی ایسا وقت نہ آئے جس میں حق و ناحق کا صحیح فیصلہ ہو اور بدکار کو سزا و نیکو کار کو جزا ملے تو پھر تو کسی برائی کو برائی اور گناہ کو گناہ کہنا لغو لا حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک انسان کو بلا وجہ اس کی خواہشات سے روکتا ہے اور دوسرا شتر بے مہار ہو کر اپنی خواہشات کے پیچھے بے روک ٹوک سرپٹ دوڑ رہا ہے، انجام کار نتیجے میں دونوں برابر ہوں یہ تو عقل و انصاف کے بالکل خلاف ہے، قرآن کریم کے اس لفظ ”اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ“ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عقلاً یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت ضرور آئے کہ جس میں سب کا حساب ہو اور مجرموں کے لئے دنیا کی طرح کوئی چور دروازہ نہ ہو، جہاں انصاف ہی انصاف ہو، اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں اور پھر خدائی عدل و انصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ یعنی تم جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ ہمیں وہاں بھی وہ سب کچھ ملے گا جو یہاں ملا ہوا ہے، کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ جس میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور تم اس میں پڑھ کر یہ حکم لگاتے ہو، یا ہم نے تم سے پختہ عہد کر رکھا ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم پسند کرو گے؟

آپ ﷺ ان سے پوچھتے تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار ہے کہ قیامت کے دن ان کے لئے وہی فیصلے کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرمائے گا؟ یا جن کو انہوں نے اس کا شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوادیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تاکہ ان کی صداقت واضح ہو۔

یَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ بعض نے ”کشف ساق“ سے قیامت کے شہد اور اس کی ہولناکیاں مراد لی ہیں، صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ محاورے کے طور پر استعمال ہو گئے ہیں، عربی محاورہ کے مطابق سخت وقت آپڑنے کو کشف ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں اور ثبوت میں کلام عرب سے استشہاد کیا ہے، ایک اور قول جو حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما اور ربیع بن انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے اس میں کشف ساق سے مراد حقائق پر سے پردہ اٹھانا لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ یعنی دنیا میں تو ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں اور سینے تنے رہتے تھے، آخرت میں دنیا کے برعکس معاملہ ہوگا کہ ندامت و شرمندگی کی وجہ سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھائی ہوگی۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكْذِبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے نمٹنے کی فکر میں نہ پڑیں، ان سے نمٹنا میرا کام ہے یعنی آپ ﷺ قیامت کو جھٹلانے والوں کو اور مجھے چھوڑ دیں، پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں، یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے، مراد اس سے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے، یعنی کفار کی جانب سے جو یہ مطالبہ بار بار پیش ہوتا رہتا ہے کہ ہم اگر واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقی ماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے، اس پر فرمایا گیا کہ اپنی حکمت کو ہم خوب جانتے ہیں، ایک مدت تک ان کو مہلت دیتے ہیں فوراً عذاب نہیں بھیجتے، اس میں ان کی آزمائش بھی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرما کر آپ ﷺ کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ جس طرح یونس علیہ السلام نے ان لوگوں کے مطالبہ سے تنگ آ کر جلد بازی میں اپنی قوم کے لئے عذاب کی دعاء کر دی اور عذاب کے آثار سامنے آ بھی گئے، اور یونس علیہ السلام اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل ہو بھی گئے، مگر پھر پوری قوم نے الحاح و زاری اور اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب ہٹا لیا تو اب یونس علیہ السلام نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا، اس بدنامی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کر لی کہ اب ان لوگوں میں نہ جائیں، اس پر حق تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے دریا کے سفر کا، پھر مچھلی کے نکل جانے کا معاملہ فرمایا اور آپ ﷺ کی تمام لغزشوں کو معاف فرما کر اور رسالت سے نواز کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا، جیسا کہ سورہ صافات میں گذرا۔

وَاِنْ يَكْفُرُوا لَيَزْلُقْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ، لَيَزْلُقْنَكَ، اِزْلَاقٌ سے مشتق ہے جس کے معنی پھسلانے اور گرا دینے کے ہیں، مطلب یہ کہ کفار مکہ آپ ﷺ کو غضبناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی جگہ اور مقام سے لغزش دیدیں یعنی کار رسالت سے روک دیں، چنانچہ جب وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں تو کہنے

لگتے ہیں کہ ”یہ تو مجنون ہے۔“ (معارف)

اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ، یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت اور حفاظت حاصل نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی، امام ابن کثیر نے اس کا یہی مطلب لیا ہے، مزید لکھتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے، جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لئے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں، اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ”ما شاء اللہ“ یا ”بارک اللہ“ کہا کرو، تاکہ اسے نظر بند نہ لگے، اسی طرح اگر کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا: اسے غسل کرو اگر اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔

وَذَكَرَ الْمَآوِزَ فِي بَنِي إِسْدٍ مِنَ الْعَرَبِ، مَآوِزَیْ نَے ذِکْر کیا ہے کہ نظر بد بنی اسد میں زیادہ تھی، اور ان میں کا جب کوئی شخص کسی کو یا کسی کے مال کو نظر لگانا چاہتا تو تین روز تک خود کو بھوکا رکھتا پھر وہ اس شخص یا اس مال کے پاس جاتا جس کو نظر لگانی مقصود ہوتی اور اس کے بارے میں پسندیدہ الفاظ کہتا، اور تعریف و توصیف کرتا تو اس شخص یا مال کو نظر لگ جاتی اور ہلاک و برباد ہو جاتا۔ (صاوی، جمل)

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ اگر مذکورہ آیت کو پانی پر دم کر کے پلایا جائے یا دم کیا جائے تو ازالہ نظر بد کے لئے مجرب ہے۔ (صاوی)

امام بغوی وغیرہ مفسرین نے ان آیات کا ایک خاص واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اس سے کسی کو نقصان اور بیماری بلکہ ہلاکت تک پہنچ جانا جیسا کہ حقیقت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا حق ہونا وارد ہے، مکہ میں ایک شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور و معروف تھا، اونٹوں اور جانوروں کو نظر لگا دیتا تو وہ (اللہ کے حکم سے) فوراً مر جاتے، کفار مکہ کو آپ ﷺ سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح کی کوشش آپ ﷺ کو قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی کیا کرتے تھے، ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ ﷺ کو نظر لگوائیں اور اس شخص کو بلایا، اس نے نظر لگانے کی پوری کوشش کر لی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی یہ آیات اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی شخص کی لگ گئی ہو تو اس پر ان آیات کو پڑھ کر دم کر دینا اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے یعنی وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ (معارف القرآن، مظہری)

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا كَوْنٌ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ اِحْدَى اَوْ اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ حاقہ مکی ہے، اکیاون یا باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَاقَّةُ ۝ الْقِيَمَةُ ۝ الَّتِي يُحَقُّ فِيهَا مَا أَنْكَرَ مِنَ الْبُعْثِ
وَالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ أَوْ الْمُظْهَرَةِ لِذَلِكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ تَعْظِيمُ لِسَانِهَا وَهَمَّا مُبْتَدَأٌ وَخَبْرٌ خَبَرُ الْحَاقَّةِ
وَمَا أَدْرَاكَ أَيَّ أَغْلَمَكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ زِيَادَةُ تَعْظِيمِ لِسَانِهَا فَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ خَبْرُهُ وَمَا الثَّانِيَةُ
وَخَبْرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَذْرَى كَذَبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۝ الْقِيَامَةُ لِأَنَّهَا تَقْرَعُ الْقُلُوبَ
بِأَهْوَالِهَا فَمَا ثَمُودٌ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۝ بِالصَّيْحَةِ الْمُجَاوِزَةِ لِلْحَدِّ فِي الشَّدَةِ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا
بِرِيحٍ صَرْصَرٍ شَدِيدَةٍ الصَّوْتِ عَالِيَةٍ ۝ قُوَّةٌ شَدِيدَةٌ عَلَى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ سَخَرَهَا أَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ
عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةَ أَيَّامٍ أُولُهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الْأَرْبَعَاءِ لِثَمَانَ بَقِيْنَ مِنْ شَوَالٍ وَكَانَتْ فِي عَجْرِ
الشَّتَاءِ حُسُومًا ۝ مُتَتَابِعَاتٌ شُبِّهَتْ بِتَتَابُعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِي إِعَادَةِ الْكَيْ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةٌ بَعْدَ أُخْرَى حَتَّى
يَنْحَسِمَ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى مَطْرُوءَ حِينَ هَالِكِينَ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ أَصُولٍ تَخْلُ خَاوِيَةً ۝ سَاقِطَةٌ فَارِغَةٌ
فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝ صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ أَيُّ بَاقٍ لَا، وَجَاءَ فَرَعُونَ وَمَنْ قَبْلَهُ أَتْبَاعُهُ وَفِي
قِرَاءَةِ بَفَتْحِ الْقَافِ وَسُكُونِ الْبَاءِ أَيُّ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْأَمَمِ الْكَافِرَةِ وَالْمُؤْتَفِكَةُ أَيُّ أَهْلِهَا وَهِيَ قُرَى قَوْمِ لُوطٍ
بِالْخَاطِئَةِ ۝ بِالْفِعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَا فَعَصَوَا رَسُولَ رَبِّهِمْ أَيُّ لُوطًا وَغَيْرَهُ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً ۝ زَائِدَةٌ
فِي الشَّدَةِ عَلَى غَيْرِهَا إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ غَلَا فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْجِبَالِ وَغَيْرِهَا زَمَنَ الطُّوفَانَ حَمَلْنَاكُمْ
يَعْنِي آبَائَكُمْ إِذْ أَنْتُمْ فِي أَصْلَابِهِمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ السَّفِينَةُ الَّتِي عَمِلَهَا نُوحٌ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ
وَنَجَا هُوَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ فِيهَا وَغَرِقَ الْبَاقُونَ لِنَجْعَلَهَا أَيُّ هَذِهِ الْفِعْلَةِ وَهِيَ إِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَإِهْلَاكُ
الْكَافِرِينَ لَكُمْ تَذَكُّرٌ عِظَةٌ وَتَعِيَهَا لِتَحْفَظَهَا أَذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝ حَافِظَةٌ لِمَا تَسْمَعُ فَإِذَا انْفُخَ فِي الصُّورِ

نَفَخَهُ وَاحِدَةً ۝ لِفَضْلِ بَيْنِ الْخَلَائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ وَتَحْمِلَتِ رُفَعَتِ الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَدَكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝
 فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ قَامَتِ الْقِيَامَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ ضَعِيفَةٌ وَالْمَلَكُ يَعْنِي الْمَلَائِكَةَ
 عَلَى أَرْجَائِهَا جَوَانِبِ السَّمَاءِ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ أَى الْمَلَائِكَةِ الْمَذْكُورِينَ يَوْمَئِذٍ ثَمْنِيَةٌ ۝
 الْمَلَائِكَةُ أَوْ مِنْ صُفُوفِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لِلْحِسَابِ لَا تَخْفَى بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝
 فَاَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ خُطَابًا لِحِمَاةٍ لِمَا سَرَّهٖ هَاؤُمُ خُذُوا اقْرَءُوا كِتَابِيَةَ ۝ تَنَازَعُ فِيهِ
 هَاؤُمُ واقْرَءُوا إِنِّي ظَنَنْتُ تَيْبَسْتُ أَنِّ مَلِكٌ حَسَابِيَةَ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ مَرْضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
 قُطُوفُهَا تَمَارُهُ دَانِيَةٌ ۝ قَرِيبَةٌ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَيَقَالُ لَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا
 حَالُ أَى مُتَهَنِّينَ لِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا
 لَيْتَنِي لَسْتُ بِهٖ لَيْتَنِي لَمْ أُوْتِ كِتَابِيَةَ ۝ وَلَمْ أَدْرِمَا حِسَابِيَةَ ۝ لَيْتَهَا أَى الْمَوْتَةِ فِي الدُّنْيَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۝
 الْقَاطِعَةَ لِحَيَاتِي بَانَ لَا أُبْعَثُ مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَةَ ۝ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَةَ ۝ قُوَّتِي وَحُجَّتِي وَهَاءُ كِتَابِيَةِ
 وَحِسَابِيَةِ وَمَالِيَةِ وَسُلْطَانِيَةِ لِلْسَّكْتِ تُثْبِتُ وَقَفًا وَوَضَلًا إِتِبَاعًا لِمُصْحَفِ الْإِمَامِ وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ
 مَنْ خَذَفَهَا وَضَلًا خَذَوَهُ خَطَابُ لِحَزَنَةٍ جَهَنَّمَ فَعَلَّوَهُ ۝ أَجْمَعُوا يَدِيهِ إِلَى عُنُقِهِ فِي الْغَلَبِ ثُمَّ
 الْجَحِيمِ النَّارِ الْمُخْرِقَةِ صَلَّوَهُ ۝ أَذْخَلُوهُ ثُمَّ فِي سُلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْمَلِكِ
 فَاسْلُكُوهُ ۝ أَى أَذْخَلُوهُ فِيهَا بَعْدَ إِدْخَالِهِ النَّارِ وَلَمْ تَمْنَعْ الْفَاءُ مِنْ تَعْلُقِ الْفِعْلِ بِالظُّرْفِ الْمُقَدَّمِ إِنَّهُ
 كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَمِيمٌ ۝ قَرِيبٌ يَنْتَفِعُ
 بِهِ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غُسْلِينَ ۝ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ أَوْ شَجَرٍ فِيهَا لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخِطُؤُونَ ۝ الْكَافِرُونَ ۝

ترجمہ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، برپا ہونے والی، قیامت، کہ جس میں وہ چیز ثابت ہوگی جس کا انکار کیا گیا ہے، یعنی بعث اور حساب اور جزاء یا ان (مذکورہ) چیزوں کو ظاہر کرنے والی، کیسی کچھ ہے وہ برپا ہونے والی؟ یہ اس کی عظمت شان کا بیان ہے (مَا الْحَاقَّةُ) مبتدا و خبر ہے اور مبتدا خبر سے مل کر اول حاقہ کی خبر ہے اور آپ ﷺ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ ہے وہ برپا ہونے والی چیز؟ یہ بھی اس کی عظمت شان کی زیادتی کا بیان ہے مَا أُولَى (یعنی مَا أَذْرَاكَ) میں مَا مبتداء ہے اور اس کا ما بعد (یعنی أَذْرَاكَ) اس کی خبر ہے ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والی قیامت کو جھٹلایا قیامت کو قارعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قلوب کو اپنی ہولناکیوں کی وجہ سے کھڑکھڑا دینے والی ہے سو ثمود تو ایک زوردار آواز سے ہلاک کر دیئے گئے، یعنی ایسی آواز سے جو بے حد شدید تھی، اور عاد تو وہ ایک شدید آواز والی تیز و تند ہوا سے جو قوم عاد پر چلی اور ان کی قوت و شدت کے باوجود ہلاک کر دیئے گئے، جس کو ان پر اللہ نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک قہر کے ساتھ

مسلط کر دیا اس کی ابتداء چہار شنبہ کی صبح سے ہوئی جب کہ ماہِ شوال کے ختم ہونے میں آٹھ روز باقی تھے، اور یہ واقعہ موسمِ سرما کے آخر میں پیش آیا (تسلسل میں) داغنے والے کے فعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، مرض پر عمل سکتی (داغنے کا عمل) کے بار بار کرنے کی وجہ سے تا آنکہ مادہ مرض ختم ہو جائے تو تم، لوگوں کو دیکھتے کہ وہ زمین پر ہلاک ہو کر گری ہوئی کھوکھلی کھجور کے تنے ہیں سو کیا تم کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ باقیہ، نَفْسٌ مقدر کی صفت ہے یا، تا، مبالغہ کے لئے ہے یعنی باقیہ بمعنی باقی نہیں، اور فرعون نے اور اس کے تابعین نے، اور ایک قراءت میں قَبْلَہ کے بجائے قَبْلَہ ہے قاف کے فتح اور باء کے سکون کے ساتھ، یعنی وہ لوگ جو کافر امتوں میں سے پہلے گزر چکے ہیں، اور الٹی ہوئی بستی کے خطا کاروں نے اور وہ قوم لوط کی بستی والے تھے بھی خطا کیں کیں اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی یعنی لوط علیہ السلام وغیرہ کی، تو ہم نے انہیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا رَابِیۃ شدت میں دوسروں سے بڑھی ہوئی، جب پانی میں طغیانی آگئی یعنی طوفان کے زمانہ میں جب پانی ہر چیز پر چڑھ گیا، تو ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو، جب تم ان کی پشتوں میں تھے، کشتی میں جس کو نوح علیہ السلام نے بنایا تھا، چڑھالیا اور نوح علیہ السلام کو اور جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے بچالیا، اور باقی غرق ہو گئے، تاکہ ہم اس فعل کو جو کہ مومنین کو نجات دینا اور کافروں کو ہلاک کرنا ہے تمہارے لئے نصیحت بنادیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان جب اس کو سنیں تو یاد رکھیں پس جب صور میں مخلوق کے درمیان فیصلے کے لئے ایک پھونک پھونکی جائے گی اور یہ نَفْخَہ ثانیہ ہوگا اور زمین اور پہاڑ اٹھالئے جائیں گے اور ایک ہی چاٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی (یعنی) قیامت برپا ہو جائے گی، اور آسمان پھٹ پڑے گا اور اس دن وہ بالکل بودا ہو جائے گا، اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے (یعنی) آسمان کے کناروں پر اور اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے یعنی ملائکہ مذکورین (آٹھ ہوں گے) یا ملائکہ کی آٹھ صفیں ہوں گی اس دن تم سب حساب کے لئے پیش کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہیں رہے گا یَحْفَی تا اور یاء کے ساتھ ہے سو جس شخص کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اس سے خوش ہو کر اپنے اہل سے مخاطب ہو کر کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو ہاؤم اور اِقْرَؤْا نے کِتَابِیۃ میں تنازع کیا، مجھے تو یقین تھا کہ مجھے میرا حساب ملنا ہے پس وہ ایک پسندیدہ عیش میں اور بلند و بالا جنت میں ہوگا، جس کے پھل قریب ہوں گے جن کو کھڑے ہونے والا اور بیٹھنے والا اور لیٹنے والا حاصل کر سکے گا، اور اس سے کہا جائے گا، مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزشتہ زمانہ میں دنیا میں کئے، لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ کہے گا: کاش مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی! یا تنبیہ کے لئے ہے اور کاش میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیسا ہے کاش دنیا ہی میں موت میرا کام تمام کر دیتی یعنی موت میری حیات کو (اس طرح) منقطع کر دیتی کہ دوبارہ نہ اٹھایا جاتا، میرے مال نے بھی مجھے کچھ فائدہ نہ دیا اور میرا جاہ یعنی قوت اور حجت بھی جاتا رہا کِتَابِیۃ اور حِسَابِیۃ اور مَالِیۃ اور سُلْطَانِیۃ میں ہا سکوت کے ساتھ ہے حالت وقف اور وصل میں، مصحف امام اور نقل کے اتباع میں باقی رہتی ہے اور ان میں سے بعض نے حالت وصل میں حذف کیا ہے (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو یہ جہنم کے

نگرانوں کو خطاب ہے پھر اس کو طوق پہنا دو یعنی اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ طوق میں جکڑ دو پھر دوزخ کی جلتی ہوئی آگ میں اس کو داخل کر دو، پھر اسے ایسی زنجیروں میں کہ جس کی درازی فرشتوں کے ہاتھ سے ستر ہاتھ ہے یعنی آگ میں داخل کرنے کے بعد اس کو جکڑ دو، اور فساء ظرف مقدم سے فعل کے تعلق کو مانع ہے، بے شک یہ اللہ عظمیٰ والے پر ایمان نہ رکھتا تھا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، پس آج اس کا نہ کوئی عزیز ہے کہ یہ اس سے فائدہ اٹھائے اور نہ پیپ کے سوا کوئی کھانا، یعنی اہل دوزخ کا پیپ یا جہنم کا درخت (تھوہڑ) جسے گنہگاروں کا فروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: الْحَاقَّةُ، الْقِيَامَةُ وہ ساعت جس کا وقوع واجب و لازم ہے، یہ حق الشیء سے اسم فاعل ہے۔

قَوْلٌ: الْحَاقَّةُ، الْقِيَامَةُ موصوف محذوف کی صفت ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: مَا الْحَاقَّةُ استفہام کے طریقہ پر بیان کرنے کا مقصد اس کی عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔

قَوْلٌ: الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ، الْحَاقَّةُ مبتداء اول ہے اور مَا مبتداء ثانی ہے اور ثانی الْحَاقَّةُ مبتداء ثانی کی خبر ہے مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

سُؤال: خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے؟

جواب: اگر مبتداء کا بلفظ اعادہ کر دیا جائے تو یہ عائد کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

قَوْلٌ: وَمَا أَذْرَاكَ، مَا مبتداء ہے اور اس کا ما بعد یعنی أَذْرَاكَ اپنے مفعول ك اور مَا الْحَاقَّةُ باء مبتداء خبر جملہ ہو کر مفعول ثانی ہے۔

قَوْلٌ: لِأَنَّهَا تَفْرَعُ الْقُلُوبِ یہ قیامت کو القارعہ کہنے کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے۔

قَوْلٌ: حُسُومًا اس کے دو معنی ہیں ① جڑ سے کاٹ ڈالنا ② لگاتار، مسلسل، یہ معنی داغنے کے تسلسل کے اعتبار سے ہوں گے، یعنی جس طرح داغنے والا مادہ مرض ختم ہونے تک داغنا رہتا ہے، اسی طرح وہ ہوا مسلسل چلتی رہی، حَاسِمٌ داغنے والا۔

قَوْلٌ: الْكِي، كَوِي يَكْوِي (ض) كِيًا، داغنا الْمَكْوَاةُ داغنے کا آلہ، اس کو اردو میں کایاں کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: الْمُؤْتَفِكَاتُ اسم فاعل جمع مؤنث، واحد مُؤْتَفِكَةٌ (افتعال) اِنْتَفَاك مصدر ہے مادہ اِفْكُ الٹی ہونے والی، پلٹنے والی، مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں جو بحر مردار کے ساحل پر آباد تھیں، اور ان کی تخت گاہ (پایہ تخت) سدوم یا سندوم

(لغات القرآن)

قَوْلٌ: ذَاتُ الْخَطَا اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ الْخَاطِئُ اسم فاعل نسبت کے لئے ہے جیسا کہ لابن (دودھ بیچنے والا) تامل (تمر بیچنے والا) اس لئے کہ فعل خطا کا نہیں ہوتا بلکہ صاحب فعل خطا کا رہتا ہے۔

قَوْلًا: رَابِعَةً وَاحِدَةً، بِمَعْنَى زَائِدَةٍ، رُبُّوْهُ سَے مَآخُذُہِے جِس کے مَعْنٰی بڑھنے اور زَائِد ہونے کے ہیں اسی سے رُبُّوْہُہِے نیلے کو کہتے ہیں۔

قَوْلًا: هَذِهِ الْفِعْلَةُ يَهْ نَجْعَلُهَا كِیْ ضَمِيرِے كِیْ مَرَجِے كَا بَيَانِہِے فِعْلَةُ اِی صَنْعَةُ اور بعض حضرات نے هَا ضَمِيرِے كَا مَرَجِے سَفِينَةٍ كو قَرَار دیا ہے۔

قَوْلًا: كِتَابِيَّةٌ يَهْ اَصْلُ مِیْنِ كِتَابِيَّہِے، اِس پر هَاءُ سَكْتَهْ دَاخِل ہو گئی، تَا كہ يَاءُ كَا فَتْحَہِے ظَاہِر ہو جائے۔

قَوْلًا: تَنَازَعُ فِيْہِے هَاؤُمُ اور وَاَقْرَءُوا، كِتَابِيَّةٌ مِیْنِ دُونُوں فَعْلُوں نے نَزَاعُ كِیَا، فَعْلُ ثَانِی كُو عَمَلِ دے دیا اور اَوَّلِے كے لے ضَمِيرِے لے آئے، مَگر فَضْلہ ہونے كِی وَجہ سے حَذْفِے كَر دیا۔

قَوْلًا: مَرَضِيَّةٌ، رَاضِيَّةٌ كِی تَفْسِيرِے مَرَضِيَّةٌ سے كَر کے اِشَارَہ كَر دیا كہ اِس مِ فَاْعِلِ بِمَعْنٰی اِس مَفْعُوْلِہِے ہے۔

قَوْلًا: وَلَمْ تَمْنَعْ الْفَاءُ اِنے مَدْخُولِ اِسْلُكُوْہِے فَعْلِے كے تَعْلُقِے كُو ظَرْفِے مَقْدَمِے فِی سِلْسِلَةِ سے مَانعِے نَہِیْنِہِے، اِہْتِمَامِے وَ تَخْصِیصِے كے پِشِے نَظَرِے ظَرْفِے كُو مَقْدَمِے كَر دیا گیا ہے، اَصْلِ مِیْنِ فَاسْلُكُوْہِے فِی سِلْسِلَةِ ذَرْعُہَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا ہے جِیسا كہ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُوْہِے مِیْنِ جَحِيْمِے كُو اِخْتِصَاصًا مَقْدَمِے كَر دیا گیا ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحُ

اَلْحَاقَّةُ مَا اَلْحَاقَّةُ اِس سُوْرَتِ مِیْنِ قِیَامَتِ كے ہولناك مَنَاطِرِے كَا بَيَانِہِے ہے اور كُفَارِے وَ مُؤْمِنِیْنِ كِی جَزَاءِ سزا كا ذِكر ہے اَلْحَاقَّةُ قِیَامَتِ كے نَامُوں مِیْنِ سے اِیكِے نَامِہِے ہے، قُرْآنِ كَرِیْمِ مِیْنِ قِیَامَتِ كے بہت سے نَامِے آئے ہیں، تِیْنِے نَامِے اِسی سُوْرَتِ مِیْنِ آئے ہیں اَلْحَاقَّةُ، الْقَارِعَةُ، الْوَاقِعَةُ، حَاقَّةُ كے مَعْنٰی ثَابِتِے شَدِیْدِے اور ثَابِتِے كَرْنِے والی، كے ہیں، قِیَامَتِے خُودِے بَہِیْ ثَابِتِے اور بِرَحْمَتِے ہے اور اَمْرِے اِلٰہِی كُو ثَابِتِے كَرْنِے والی بَہِیْ، یہاں سُوَالِے كِی صُوْرَتِ مِیْنِ اَلْحَاقَّةُ كُو ذِكر كَرْنِے كا مَقْصِدِے اِس كِی ہولناكِی اور حیرت انگیزی بَيَانِے كَرنا ہے، قَارِعَةُ كے مَعْنٰی كھڑكھڑا دینے والی كے ہیں، قِیَامَتِے كے لے قَارِعَةُ كا لَفْظِے اِس لے بولا گیا ہے كہ وہ تَمَامِے مَخْلُوْقِے كُو مُضْطَرَبِے كَرْنِے والی اور زَمِیْنِے وَ آسْمَانِے كُو مُنْتَشِرِے كَرْنِے والی ہوگی، طَاغِيَّةُ یہِے طَغْيَانِے سے مُشْتَقِے ہے جِس كے مَعْنٰی حِدِے سے نَكْلنے كے ہیں مراد اِسی آواز ہے كہ دُنْیَا كِی تَمَامِے آوازوں سے بڑھی ہوئی ہو، قَوْمِے مُمُودِے خُتِے آواز كے عَذَابِے سے ہلاK كِی گئی تھی صِرْصِرِے اِس تِيز وَ تَہْدِے ہوا كو کہتے ہیں كہ جِس مِیْنِ پالا بَہِیْ ہو بعضِے رَوَايَاتِے سے معلوم ہوتا ہے كہ یہِے آندھی بدھ كے رُوزِے صَبْحِے سے شُرُوعِے ہو كر، دُوسرے بدھ كِی شامِے تِكِے رہی، اِس طَرَحِے آٹھ دن سات راتِیں ہوئی، حُسُوْمًا، حَاسِمِے كِی جَمْعِے ہے جِس كے مَعْنٰی قَطْعِے كَرْنِے، جڑ سے اَكھاڑ پھینكنے والے كے ہیں اور فَاسِدِے مَادَہِے كُو جڑ سے ختم كَرْنِے كے لے دَاغْنِے كا عَمَلِے چُونكہ بار بار كِیَا جاتا ہے، اِسی مَنَاسِبَتِے سے حُسُوْمًا كے مَعْنٰی مُسَلْسِلِے اور پے در پے كے كَر دِیئے جاتے ہیں، نَفْخَةُ وَ اَحْدَةُ مُطْلَبِے یہِے ہے كہ كِیبارگی، اور اِچا نَكِے صُوْرِے كِی آواز شُرُوعِے ہو جائے گی اور یہِے آواز مُسَلْسِلِے رہے گی یہاں تِكِے كہ اِس آواز سے سب مَرَجَائِے گے، قُرْآنِے وَ سُنَّتِے كِی نِصُوْصِے سے قِیَامَتِے مِیْنِ صُوْرِے كے دُوتے ہونا ثَابِتِے ہے پہلے نَفْخِے كُو صَعَقِے كِیَا جاتا ہے جِس كے مَتَعْلُقِے قُرْآنِے كَرِیْمِے مِیْنِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمَوَاتِ وَ مَنْ فِی

الارض کہا گیا ہے، دوسرے نفع کو نفع بعث کہا گیا ہے، بعض روایتوں میں جو دو نفعوں سے پہلے ایک تیسرے نفع کا ذکر ہے جس کو نفع فزع کہا گیا ہے، تو مجموعہ روایات و نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نفع ہی ہے اس کو ابتداء نفع فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نفع صعق ہو جائے گا۔ (معارف، مظہری)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ اس رکوع کی اکثر آیات کی تشریح، تسہیل و تحقیق کے زیر عنوان گذر چکی ہے، زیر نظر آیت تشابہات میں سے ہے جس کے معنی متعین کرنا مشکل ہیں ہم نہ یہ جان سکتے ہیں کہ عرش کی حقیقت کیا ہے اور نہ یہ جان سکتے ہیں کہ قیامت کے روز عرش کو آٹھ فرشتوں کے اٹھانے کی کیا کیفیت ہوگی؟ لیکن یہ بات بہر حال قابل تصور نہیں، کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہوئے ہونگے، اور ذات باری کا جو تصور قرآن پیش کرتا ہے وہ بھی اس خیال کے کرنے سے مانع ہے کہ وہ جسم، جہت اور مقام سے منزہ ہستی کسی جگہ متمکن ہو اور کوئی مخلوق اسے اٹھائے، اس لئے کھوج کرید کر کے اس کے معنی متعین کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو گمراہی کے خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، البتہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید میں اللہ کی حکومت اور فرمانروائی اور اس کے معاملات کا تصور دلانے کے لئے لوگوں کے سامنے وہی نقشہ پیش کیا گیا ہے جو دنیا میں بادشاہی کا نقشہ ہوتا ہے اور اس کے لئے وہی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو انسانی زبانوں میں سلطنت اور اس کے مظاہر و لوازم کے لئے مستعمل ہیں، کیونکہ انسانی ذہن اسی نقشہ اور انہیں اصطلاحات کی مدد سے کسی حد تک کائنات کی سلطانی کے معاملات کو سمجھ سکتا ہے، یہ سب کچھ اصل حقیقت کو انسانی فہم سے قریب تر کرنے کے لئے ہے، اس کو بالکل لفظی معنوں میں لینا درست نہیں ہے۔

فَلَا زَائِدَةٌ أَقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ^{۴۸} مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ^{۴۹} مِنْهَا أَيْ بِكُلِّ مَخْلُوقٍ إِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ^{۵۰} أَيْ قَالَهُ رَسُولُهُ عَنِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ^{۵۱} وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذْكُرُونَ^{۵۲} بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَا زَائِدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ آمَنُوا بِأَشْيَاءٍ يَسِيرَةٍ وَتَذْكُرُوهَا بِمَا آتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلَةِ وَالْعَفَافِ فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ^{۵۳} وَلَوْ تَقَوَّلَ أَيْ النَّبِيُّ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ^{۵۴} بَيَّنَّ قَالَ عَنَّا مَا لَمْ نَقُلْهُ لَأَخَذْنَا لِنَلْنَا مِنْهُ عِقَابًا بِالْيَمِينِ^{۵۵} بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ^{۵۶} نَيْطَ الْقَلْبِ وَهُوَ عِرْقٌ مُتَّصِلٌ بِهِ إِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهُ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ هُوَ اسْمُ مَا وَبَيْنَ زَائِدَةٍ لِتَاكِيدِ النَّفْيِ وَمِنْكُمْ حَالٌ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَزْرَيْنِ^{۵۷} مَانِعَيْنِ خَيْرٌ مَا وَجُمِعَ لِأَنَّ أَحَدًا فِي سِيَاقِ النَّفْيِ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَضَمِيرُ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ لَا مَانِعَ لَنَا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابُ وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ^{۵۸} وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ مُكَذِّبِينَ^{۵۹} بِالْقُرْآنِ وَمُصَدِّقِينَ وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ^{۶۰} إِذَا رَأَوْا ثَوَابَ الْمُصَدِّقِينَ وَعِقَابَ الْمُكَذِّبِينَ بِهِ وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَحَقُّ الْيَقِينِ^{۶۱} أَيْ لِمَلِيقِينَ حَقَّ الْيَقِينِ فَسَبِّحْ نَزَّهُ بِاسْمِ زَائِدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ^{۶۲}

ترجمہ: مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم مخلوقات میں دیکھتے ہو، فلا میں لا زائدہ ہے اور مخلوقات میں سے جن کو تم نہیں دیکھتے ہو یعنی تمام مخلوقات کی کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے یعنی اس نے اللہ کی جانب سے ایک پیغام رساں کی حیثیت سے نقل کیا اور یہ کسی کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے اور نہ کسی کا ہن کا قول ہے (افسوس) تم بہت کم نصیحت لے رہے ہو دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے، اور، ما زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ باتوں پر بہت کم یقین رکھتے ہیں، اور ان کا آپ ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں میں سے بعض پر ایمان لانا مثلاً صدقہ و خیرات پر اور صلہ رحمی پر اور زنا و غیرہ سے باز رہنے پر، تو اس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا (بلکہ یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے اور اگر نبی ہم پر کوئی بھی بات گھڑ لیتا باس طور کہ جو بات ہم نے نہیں کہی، ہماری طرف منسوب کر کے کہہ دیتا تو البتہ ہم یقیناً قوت اور قدرت کے ساتھ سزا میں پکڑ لیتے پھر ہم اس کی شبہ رگ کاٹ دیتے یعنی قلب کی رگیں کاٹ دیتے، اور وہ تین رگیں ہیں جو قلب سے متصل ہیں، جب وہ رگیں کٹ جاتی ہیں تو وہ شخص مرجاتا ہے، پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوگا اَحَدٌ، ما کا اسم ہے اور من تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے، اور منکم، اَحَدٌ سے حال ہے اور حاجزین بمعنی مانعین، ما کی خبر ہے اور مانعین کو جمع لایا گیا ہے، اس لئے کہ اَحَدٌ نفی کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عَنْہ کی ضمیر آپ ﷺ کی طرف راجع ہے یعنی ہم کو اسے عذاب دینے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، یقیناً یہ قرآن پر ہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے ہم کو پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے اے لوگو! بعض لوگ قرآن کی تکذیب کرنے والے ہیں اور بعض تصدیق کرنے والے اور بے شک یہ قرآن (یعنی اس کی تکذیب) کافروں کے لئے حسرت ہے جب کہ یہ لوگ تصدیق کرنے والوں کے اجر کو اور تکذیب کرنے والوں کے عذاب کو دیکھیں گے اور بے شک یہ قرآن یقینی حق ہے، پس آپ اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کریں، لفظ اسم زائدہ ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ یہ اور وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ یہ تینوں جواب قسم ہیں مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے کہا کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اور ابو جہل نے کہا کہ شاعر ہیں اور عقبہ نے کہا کہ کاهن ہیں تو اللہ نے اپنے مذکورہ کلام سے مذکورہ تینوں کا رد فرمایا۔

قَوْلُهُ: اِیْ قَالَهُ رِسَالَةٌ اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ اللہ کے کلام کو رسول کا کلام کیوں کہا گیا؟
جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ رسول کی جانب وہ رسول خواہ جبرئیل ہوں یا نبی، ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے نسبت کر دی گئی ہے حضرت جبرئیل امین چونکہ پیغام رساں کی حیثیت سے کلام کو لاتے ہیں اور رسول ﷺ اپنی امت کو تبلیغ کرتے ہیں اسی لئے

اس کلام کی نسبت آپ ﷺ کی اور جبریل کی طرف کرنا درست ہے۔

قَوْلٌ: قَلِيلًا، قَلِيلًا دونوں جگہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای ایماناً قَلِيلًا و ذِکْرًا قَلِيلًا۔

قَوْلٌ: نَبَاطُ الْقَلْبِ وہ رگ جو قلب سے متصل ہوتی ہے، اس کو شہ رگ اور رگِ جان بھی کہتے ہیں اس کے کٹنے سے یقیناً موت واقع ہو جاتی ہے۔

قَوْلٌ: وَجُمَعَ الْخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: مَنْ أَحَدٍ، مَا کا اسم ہے اور حاس جزین اس کی خبر ہے اسم و خبر میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ اسم واحد جبکہ خبر جمع ہے۔

جَوَابٌ: أَحَدٌ نکرہ تحت انفی ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

قَوْلٌ: وَمُصَدِّقِينَ اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ معطوف مع حرف عطف محذوف ہے، اس کا عطف مکذبین پر ہے۔

قَوْلٌ: حَقَّ الْيَقِينِ اس کی تفسیر لِلْيَقِينِ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

فَلَا أَقْسَمُ بِمَا تُبْصِرُونَ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ یعنی قسم ہے ان تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یا دیکھ سکتے ہو اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو اور نہ دیکھ سکتے ہو یعنی تمام چیزوں کی قسم خواہ وہ مرئی ہوں یا غیر مرئی۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ مطلب یہ کہ نبی ﷺ کو اپنی طرف سے وحی میں کسی کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو ہم اس کو سخت سزا دیں، بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کی شہ رگ فوراً نہ کاٹ ڈالی جائے تو یہ اس کے نبی ہونے کا ثبوت ہے؛ حالانکہ اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ سچے نبی ﷺ کے بارے میں ہے کہ وہ بھی اگر ایسا کریں تو سخت قابلِ مواخذہ ہوں گے نہ کہ جھوٹے مدعی نبوت کے بارے میں جو کہ سراسر ظالم و گناہگار ہیں۔

﴿مَثَّ﴾

سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَارْبَعُونَ آيَةً

سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ أَرْبَعٌ وَارْبَعُونَ آيَةً.

سورہ معارج مکی ہے، چوالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ سَأَلَ سَائِلٌ ۖ دَعَا دَاعٍ ۖ بِعَذَابٍ ۖ وَقَعَ ۖ ۱ ۖ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۖ ۲ ۖ هُوَ النَّضْرُ ۖ بَنُ الْحَارِثِ ۖ قَالَ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ ۖ ، الْآيَةُ ، مِّنَ اللَّهِ مُتَّصِلٌ بِوَاقِعِ ذِي الْمَعَارِجِ ۖ ۳ ۖ مَصَاعِدِ الْمَلَائِكَةِ وَهِيَ السَّمَوَاتُ ۖ تَعْرُجُ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ الْمَلَكَةُ وَالرُّوحُ جَبْرِيلُ إِلَيْهِ إِلَى مَهَبِطِ أَمْرِهِ مِنَ السَّمَاءِ فِي يَوْمٍ مُّتَعَلِّقٌ بِمُحْذُوفٍ ۖ أَيْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۖ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ ۴ ۖ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْكَافِرِ لِمَا يَلْقَى فِيهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُونُ عَلَيْهِ أَخَفٌّ مِنْ صَلَوةٍ مَّكْتُوبَةٍ يُصَلِّيُهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ ۖ فَاصْبِرْ هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْقِتَالِ صَبْرًا جَمِيلًا ۖ ۵ ۖ أَيْ لَا فَرْعَ فِيهِ ۖ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ أَيْ الْعَذَابَ بَعِيدًا ۖ ۶ ۖ غَيْرَ وَاقِعٍ ۖ وَنَزِيرُهُ قَرِيبًا ۖ ۷ ۖ وَاقِعًا لَا مُحَالَاةَ ۖ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ مُتَعَلِّقٌ بِمُحْذُوفٍ ۖ أَيْ يَقَعُ كَالْمُهْلِ ۖ ۸ ۖ كَذَائِبِ الْفِضَّةِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۖ ۹ ۖ كَالصُّوفِ فِي الْخِفَّةِ وَالطَّيْرَانِ بِالرَّيْحِ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۖ ۱۰ ۖ قَرِيبٌ قَرِيبُهُ لَا شَتِغَالَ كُلِّ بِحَالِهِ يُبْصِرُونَهُمْ يُبْصِرُ الْأَحْمَاءُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ ۖ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ ۖ يَوْمَ الْمُجْرِمُ يَتَمَنَّى الْكَافِرُ لَوْ بِمَعْنَى أَنْ يَفْتَدِيَ مِنْ عَذَابٍ يَوْمِيذٍ بِكُسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا بِبَنِيهِ ۖ ۱۱ ۖ وَصَاحِبَتِهِ زَوْجَتِهِ وَأَخِيهِ ۖ ۱۲ ۖ وَفَصِيلَتِهِ عَشِيرَتِهِ لِفَضْلِهِ مِنْهَا الَّتِي تُغْوِيهِ ۖ ۱۳ ۖ تَضُمُّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۖ ۱۴ ۖ ذَلِكَ الْإِفْتِدَاءُ عَطْفٌ عَلَى يَفْتَدِي كَلَّا رَدْعٌ لِمَا يُوَدُّ ۖ إِنَّهَا أَيْ النَّارُ لَظَى ۖ ۱۵ ۖ إِسْمٌ لِجَهَنَّمَ لِأَنَّهَا تَتَلْظَى أَيْ تَتَلَهَّبُ عَلَى الْكُفَّارِ نَزَاعَةً لِلشَّوَى ۖ ۱۶ ۖ جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّأْسِ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ۖ ۱۷ ۖ عَنِ الْإِيمَانِ بَانَ تَقُولُ إِلَى إِلَى وَجَمَعَ الْمَالَ فَأَوْعَى ۖ ۱۸ ۖ أَمْسَكَهُ فِي وَعَائِهِ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّ اللَّهِ تَعَالَى مِنْهُ ۖ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ ۱۹ ۖ حَالٌ مُّقْدَرَةٌ وَتَفْسِيرُهُ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ ۲۰ ۖ وَقَتٌ مِّنَ الشَّرِّ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۖ ۲۱ ۖ وَقَتٌ مِّنَ الْخَيْرِ أَيْ الْمَالَ بِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَى

بِسْمِهِ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ اِی الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ مُوَظُّونَ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ هُوَ الزَّكَاةُ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ الْمُتَعَفِّفِ عَنِ السُّؤَالِ فَيُحْرَمُ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بَيَّوْمِ الدِّينِ ۝ الْجَزَاءِ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ خَائِفُونَ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ نَزُولُهُ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ مِنَ الْإِمَاءِ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۝ الْمُتَجَاوِزُونَ الْحَلَالَ إِلَى الْحَرَامِ وَالَّذِينَ هُمْ لَا مَنِيَّتَهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ الْإِفْرَادِ مَا أُتْمِنُوا عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَالْدُنْيَا وَعَهْدِهِمْ الْمَأْخُودَ عَلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ رَعُونَ ۝ حَافِظُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِشَهَادَتِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ الْجَمْعِ قَائِمُونَ ۝ يُقِيمُونَهَا وَلَا يَكْتُمُونَهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ بِأَدَائِهَا فِي أَوْقَاتِهَا أُولَئِكَ فِي جَنَّتٍ مُكْرَمُونَ ۝

۱۶۷

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ایک سوال کرنے والے یعنی ایک مانگنے والے نے کافروں پر ایسے اللہ کی طرف سے واقع ہونے والا عذاب مانگا جس کو اللہ کی طرف سے کوئی دفع کرنے والا نہیں وہ نصر بن حارث ہے اس نے کہا اے اللہ! اگر یہ حق ہے (الآیۃ) مِنْ اللّٰهِ، واقع سے متعلق ہے کہ جو ملائکہ کے لئے سیڑھیوں والا ہے اور وہ آسمان ہے جس کی طرف فرشتے اور روح یعنی جبریل چڑھتے ہیں (تَعْرُجُ) تا اور یا کے ساتھ یعنی اس کے حکم کے نازل ہونے کی جگہ کہ وہ آسمان ہے ایسے دن میں (فی یوم) محذوف کے متعلق ہے یعنی ان پر قیامت کے دن میں عذاب واقع ہوگا اور اس دن کی مقدار کافر کی نسبت سے تکالیف کے اس دن میں لاحق ہونے کی وجہ سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی رہا مومن تو اس کے لئے ایک فرض نماز کے وقت سے بھی کم مدت ہوگی جس کو وہ دنیا میں پڑھا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، سو آپ ﷺ صبر کیجئے یہ حکم جہاد کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے، یعنی جس میں جزع فزع (شکوہ و شکایت نہ ہو) بے شک یہ لوگ اس عذاب کو بعید یعنی ناممکن الوقوع سمجھ رہے ہیں، اور ہم اس کو قریب یعنی لامحالہ عنقریب واقع ہونے والا سمجھ رہے ہیں (یہ عذاب اس دن) واقع ہوگا جس دن آسمان پکھلی ہوئی چاندی کے مانند ہو جائے گا اور پہاڑ ہلکے اور ہوا کے ذریعہ اڑنے میں اون کے مانند ہو جائیں گے اور ہر شخص کے اپنے حالات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دوست دوست کی (بھی) بات نہ پوچھے گا یعنی قرابت دار قرابت دار کی بات نہ پوچھے گا حالانکہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے یعنی دوست آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے اور ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں گے، مگر بات نہ کریں گے (يُبْصَرُونَهُمْ) جملہ مستانفہ ہے مجرم چاہے گا یعنی کافر تمنا کرے گا کہ اس کے عذاب کے بدلے فدیہ میں (يَوْمِئِذٍ) میم کے فتح اور کسرہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبہ کو، کنبہ کو فسیلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرد کنبہ ہی سے جدا ہوتا ہے جو اس کو پناہ دیتے ہیں یعنی اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تا کہ یہ فدیہ دینا اس کو نجات دلا دے اس کا عطف

یفتندی پر ہے مگر ہرگز ایسا نہ ہوگا یہ اس کی تمنا کا رد ہے یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے لظمی جہنم کا نام ہے اس لئے کہ وہ شعلہ زن ہوگی، یعنی کفار پر شعلہ زن ہوگی جو سر کی کھال کو کھینچنے والی ہوگی شوی، شِوَاۃ کی جمع ہے اور وہ سر کی کھال ہے، وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو ایمان سے پیٹھ پھیرتا ہے اور سرتابی کرتا ہے وہ کہے گی (اَلْسِیَّ اِلَیَّ) میری طرف آؤ! میری طرف آؤ!، اور مال جمع کر کے سنبھال کر رکھتا ہے (ذخیرہ کرتا ہے) یعنی اس کو تجوری میں بند کر کے رکھتا ہے اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتا انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے یہ حال مقدرہ ہے اور (ہلوع) کی تفسیر (اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا) ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو تکلیف لاحق ہونے کے وقت جزع فزع (واویلا) کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی حاصل ہوتی ہے یعنی مال حاصل ہوتا ہے تو اس مال میں حقوق اللہ سے بخلی کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی یعنی مومن جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوا لی اور غیر سوا لی کے لئے حق ہے اور وہ زکوٰۃ ہے، محروم وہ شخص ہے جو سوال سے اجتناب کرے اور وہ جو جزاء کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں؛ مگر بیویوں سے اور باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی ملامت نہیں، ہاں جو ان کے علاوہ کا طلبگار ہو ایسے ہی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں جس میں ان سے مواخذہ ہو اور ایک قراءت میں (اَمَانَتُهُمْ) مفرد ہے یعنی جس چیز پر ان کو امان بنایا جائے خواہ وہ امر دین سے ہو یا امر دنیا سے اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والے ہیں اور ایک قراءت میں شہادات جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی گواہی ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی ان کے اوقات میں ادا کر کے حفاظت کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جنت میں باعزت داخل ہوں گے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: لِلْكَافِرِينَ لَا تَعْلِيلَ کا بھی ہو سکتا ہے اِی نَازِلٌ مِّنْ اَجَلِ الْكَافِرِينَ یا بِمَعْنٰی عَلٰی ہٰی وَاَقَعَ عَلٰی الْكَافِرِينَ۔

قَوْلُهُ: لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ یا تو یہ عذاب کی صفت ثانی ہے یا عذاب سے حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے، اگر جملہ مستانفہ ہوگا تو عامل و معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: مَعَارِج، معراج کی جمع ہے بمعنی سیڑھی۔

قَوْلُهُ: جَبْرِئِيلُ اس میں اشارہ ہے کہ وَالرُّوحُ یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام ملائکہ میں شامل ہیں۔

قَوْلُهُ: اِلٰی مَهَبَطِ اَمْرِهِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص مقام میں ہیں اور ملائکہ اس کی طرف صعود کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم و مکان سے بری اور پاک ہے۔

جَوَابُ: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اِیْ اِلٰی مَحَلِّ هُبُوَطِ اَمْرِهِ یعنی اللہ کے امر کے اترنے کی جگہ کی طرف چڑھتے ہیں نہ کہ اللہ کی طرف۔

قَوْلٌ: اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا، اِیْ یَعْتَقِدُوْنَہٗ مَحَالًا۔

قَوْلٌ: لَوْ بِمَعْنٰی اَنْ، یعنی لَوْ اَنْ مصدر یہ کے معنی میں ہے اسی لئے لَوْ کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلٌ: تَضُمُّهُ، اِیْ فِی النِّسْبِ۔

قَوْلٌ: اِنَّهَا، اِیْ النَّارُ مقصد ضمیر کے مرجع کی تعیین ہے

سُؤَالٌ: ہَا ضَمِیرُ کَا مَرْجِعٍ مَفْسَرٌ عَلَامٌ نَے النَّارُ کو قرار دیا ہے حالانکہ النَّارُ سابق میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

جَوَابُ: النَّارُ کَالْفِظِ اِگر چہ سابق میں صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر الْعَذَابُ سے مفہوم ہے۔

قَوْلٌ: لَطٰی، اِنَّ کِیْ خَبْرِ اَوَّلٍ اور نَزَّاعَةُ خَبْرِ ثَانِیْ ہے۔

قَوْلٌ: لَطٰی عَلِیَّتٍ اور تَانِیَّتِ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قَوْلٌ: خُلِقَ هَلُوْعًا یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ انسان بوقت پیدائش اس صفت سے متصف نہیں ہوتا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

شان نزول:

سَأَلَ سَائِلٌ سَوَالَ کبھی کسی چیز کی تحقیق کے لئے بھی ہوتا ہے اس وقت اس کا صلہ عَنْ استعمال ہوتا ہے اور کبھی سَوَالَ بمعنی درخواست استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا صلہ بآتا ہے یہاں ایسا ہی ہے سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابِ ایک سوال کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی، یہ سائل کون تھا؟ اور اس نے عذاب کا سوال کیوں کیا تھا؟ نسائی اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عذاب کا سوال کرنے والا شخص نضر بن حارث بن کلدہ تھا، جس نے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا ”اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اِثْنًا بِعَذَابِ الْيَمِّ (انفال) یعنی یہ دعاء کی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے، اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں اس کو مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا، آگے اس عذاب کی کچھ حقیقت کا بیان ہے کہ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا اس عذاب کو دفع کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ يَهْ جملہ فعل محذوف سے متعلق ہے ای یقعُ فی یومٍ کان مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب جس کا ذکر اوپر آیا ہے کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا، اس کا وقوع اس روز ہوگا کہ جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی حضرت ابوسعید خدری رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ نے رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر ایک فرض نماز ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا، یہ بطور تمثیل کے مومنین پر اس وقت کے ہلکا ہونے کا بیان ہے حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کا دن ظہر اور عصر کے درمیانی وقت سے بھی کم ہوگا۔

قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا یا پچاس ہزار سال:

سُئِلَ: اس آیت میں روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے اور سورہ تنزیل السجدہ کی آیت میں ایک ہزار سال کا ذکر ہے، بظاہر ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تعارض اور تضاد ہے؟
جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ مدت مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہے کسی کے لئے پچاس ہزار سال کی اور کسی کے لئے ایک ہزار سال کی اور کسی کے لئے ایک فرض نماز کے وقت کی مقدار ہوگی، اور وقت کی درازی عذاب کی شدت و خفّت کے اعتبار سے کم و بیش معلوم ہوگی۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا، هَلُوعُ کے لفظی معنی ہیں حریص، بے صبر، کم ہمت، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُما نے فرمایا ہَلُوع وہ شخص ہے جو کہ مال حرام کی حرص میں مبتلا ہو، یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب انسان کو پیدا ہی اس حال میں کیا گیا ہے تو پھر اس کا کیا قصور؟ وہ مجرم کیوں قرار دیا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ مراد اس سے انسانی فطرت اور جبلت میں رکھی ہوئی استعداد اور مادہ ہے تو حق تعالیٰ نے انسان میں ہر خیر و شر کا مادہ اور استعداد بھی رکھی ہے اور شر و فساد کی بھی اور اس کو عقل و ہوش بھی عطا فرمائے ہیں اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہر ایک کا انجام بھی بتا دیا، اب انسان کو اختیار ہے کہ دونوں قسم کی صلاحیتوں میں سے جس کو چاہے بروئے کار لائے اور جس کو چاہے نہ لائے؛ لہذا یہ جو کچھ بھی کرے گا اپنے اختیار سے کرے گا اور اسی اختیار کی بناء پر اس کو جزا یا سزا ملے گی۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ نَحْوَكَ مُهْطِعِينَ ۖ جَالِ اِی مُدِیْمِی النَّظَرِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْكَ عِزِّیْنَ ۖ حَالِ اِیضًا اِی جَمَاعَاتٍ حَلَقًا حَلَقًا یَقُولُوْنَ اِسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِیْنَ لَیْنُ دَخَلَ بَهْلَآءُ الْجَنَّةِ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰی اَیْطَمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ اَنْ یَدْخَلَ جَنَّةٌ نَّعِیْمٌ ۖ کَلَّا ۚ رَدُّعٌ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِی الْجَنَّةِ اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ کَغَیْرِہُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ۚ مِنْ نَطْفٍ فَلَا یُطَمَعُ بِذٰلِکَ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّمَا یُطَمَعُ فِیْہَا بِالتَّقْوٰی فَلَا

قَوْلُهُ: اَنَا لَقَادِرُونَ یہ مقسم علیہ ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ یہ مقسم علیہ کا جز ہے۔

قَوْلُهُ: يَلْقَوْنَ، يُلَاقُوا کی تفسیر یَلْقَوْنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ باب مفاعله اپنی اصل پر نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: يَوْمَ يَخْرُجُونَ یہ يَوْمَهُمُ الَّذِي سے بدل البعض ہے۔

قَوْلُهُ: ذَلِكَ الْيَوْمَ مبتداء اور الَّذِينَ الْخِ خبر ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ یہ آپ ﷺ کے زمانہ کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے؛ لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور نہ ماننے والے تصدیق کرنے والے، اور تصدیق نہ کرنے والے دونوں برابر ہو جائیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی جنت تو ان لوگوں کیلئے ہے جن کی صفات ابھی بیان کی گئی ہیں، اب کیا یہ لوگ جو حق بات سننا تک گوارا نہیں کرتے اور حق کی آواز کو دبا دینے کے لئے دوڑے چلے آ رہے ہیں، کیا ایسے لوگ جنت کے امیدوار ہو سکتے ہیں؟

كَأَلَّا اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ مطلب یہ کہ جس مادہ سے یہ بنے ہیں اس لحاظ سے تو سب انسان برابر ہیں اگر وہ مادہ ہی انسان کے جنت میں جانے کا سبب ہو تو نیک و بد، ظالم و عادل سب ہی کو جنت میں جانا چاہئے؛ لیکن معمولی عقل بھی یہ فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ جنت کا استحقاق انسان کے مادہ تخلیق کی بناء پر نہیں؛ بلکہ اس کے اوصاف کی بناء پر ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ عَشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ ثَمَانِ أَوْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ نوح مکی ہے، اٹھائیس یا انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ
 إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا عَذَابُ الْيَوْمِ ۝ مَوْلَاهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ الْإِنذَارِ إِنْ أَيْ بَانَ
 أَقُولَ لَكُمْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ مِنْ زَائِدَةٍ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يُغْفَرُ بِهِ مَا قَبْلَهُ أَوْ
 تَبَعِيَّةً لِإِخْرَاجِ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَيُؤَخِّرُكُمْ بِلا عَذَابٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى أَجَلِ الْمَوْتِ إِنْ أَجَلَ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ
 إِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ذَلِكَ لَأَمْسَتْكُمْ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ دَائِمًا
 مُتَّصِلًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ عَنِ الْإِيمَانِ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ
 لَيْلًا يَسْمَعُوا كَلَامِي ۝ وَاسْتَعْشَوْنِي بِأَهْلِهِمْ غَطُّوا رُءُوسَهُمْ بِهَا لَيْلًا يَنْظُرُونِي وَأَصْرُوا عَلَىٰ كُفْرِهِمْ
 وَاسْتَكْبَرُوا عَنِ الْإِيمَانِ ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ أَيْ بِإِعْلَاءِ صَوْتِي ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ صَوْتِي
 وَأَسْرَمْتُ لَهُمُ الْكَلَامَ إِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ مِنْ الشِّرْكِ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلُ السَّمَاءَ الْمَطَرَ
 وَكَانُوا قَدْ مُنِعُوهُ عَلَيْكُمْ مَذَرًا ۝ كَثِيرَ الدُّرُورِ وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ
 بِسَاتِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝ جَارِيَةً مَالِكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ أَيْ تَسْأَلُونَ وَقَارَ اللَّهِ إِيَّاكُمْ بَانَ تُوْمِنُوا
 وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ جَمْعُ طُورٍ وَهُوَ الْحَالُ فَطُورًا نُطْفَةٌ وَطُورًا عِلْقَةٌ إِلَىٰ تَمَامِ خَلْقِ الْإِنْسَانِ وَالنَّظَرُ فِي
 خَلْقِهِ يُوجِبُ الْإِيمَانَ بِخَالِقِهِ أَلَمْ تَرَوْا تَنْظُرُوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمُوتٍ طِبَاقًا ۝ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ
 وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ ۝ أَيْ فِي مَجْمُوعِ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْيَا نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝ بِضَبَاحٍ مُضِيئًا
 وَهُوَ أَقْوَىٰ مِنْ نُورِ الْقَمَرِ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝ إِذْ خَلَقَ أَبَاكُمْ أَدَمَ مِنْهَا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا
 مَقْبُورِينَ وَيُخْرِجُكُمْ لِلْبَغْيِ إِخْرَاجًا ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ مَبْسُوطَةً لَتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا طَرَقًا

فَجَاوَزَ وَاسِعَةً

۱

تَرْجُمًا:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب آئے اگر وہ ایمان نہ لائے، نوح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں بایں طور کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو اور میری بات مانو وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا مَن زائدہ ہے بلاشبہ اسلام کے ذریعہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا مَن تبعضیہ ہے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے اور تم کو بلا عذاب مہلت دے گا موت کے مقررہ وقت تک یقیناً تم پر اللہ کے عذاب کا وعدہ جب آجائے گا اگر تم ایمان نہ لائے تو مؤخر نہ ہوگا اگر تم اس بات کو جان لیتے تو ایمان لے آتے نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہمیشہ مسلسل تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے سے یہ لوگ ایمان سے اور زیادہ بھاگنے لگے، میں نے انہیں جب کبھی تیری بخشش کے لئے بلایا تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں تاکہ میری بات نہ سنیں اور انہوں نے اپنے کپڑے اوڑھ لئے یعنی کپڑوں سے انہوں نے اپنے سروں کو چھپا لیا تاکہ مجھے نہ دیکھیں، اور وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے اور ایمان کے مقابلہ میں بڑا تکبر کیا پھر میں نے انہیں باواز بلند بلایا اور پھر میں نے ان کو اعلانیہ بھی سمجھایا اور چپکے سے بھی سمجھایا اور میں نے ان سے کہا تم اپنے رب سے شرک سے معافی طلب کرو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تمہارے لئے زوردار بارش بھیجے گا اور وہ لوگ بارش سے محروم کر دیئے گئے تھے اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغات لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو، یعنی اللہ سے اپنے وقار کی امید نہیں رکھتے کہ ایمان لے آؤ، حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے بنایا اُطوار، طور کی جمع ہے، اس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک حالت نطفہ کی ہے، اور ایک حالت دم بستہ کی ہے انسان کی تخلیق کے مکمل ہونے تک اور انسان کی تخلیق میں غور کرنا اس کے خالق پر ایمان کو واجب کرتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کئے، یعنی بعض کو بعض کے اوپر رکھا اور چاند کو ان میں یعنی ان کے مجموعہ میں جو سماء دنیا پر بھی صادق ہے نور بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا اور وہ چاند کے نور سے قوی تر ہے اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقہ سے پیدا کیا پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا حال یہ کہ تم قبر میں مدفون ہو گے اور وہ تم کو بعث کے لئے نکالے گا اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِيْ فَوَائِدُ

قَوْلًا: ثَمَانٍ اوْ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ آيَةً، ثَمَانٍ، ثَاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ آخر سے یا حذف ہو گئی قاض کے قاعدہ سے یا يَدْ و دَم کے قاعدہ سے اصل میں ثَمَانِي تھا۔

قَوْلًا: یہاں اشارہ اس سے کیا کہ اَنْ اَنْذِرْ میں اَنْ مصدر یہ ہے اور تفسیر یہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ ارسال میں قول کے معنی ہیں۔ (صاوی)

قَوْلًا: بَانَ اَقُولُ لَكُمْ کہ اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ میں اَنْ تفسیر یہ ہے اور مصدر یہ ہونا بھی صحیح ہے، کما سبق۔

قَوْلًا: يَغْفِرُ لَكُمْ یہ ماقبل میں مذکور تینوں امروں کا جواب ہے اور اسی وجہ سے مجزوم ہے۔

قَوْلًا: بِلا عَذَابٍ اس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اللہ تعالیٰ نے وَيُؤَخِّرُكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فرمایا حالانکہ دوسری آیت میں ”وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا“ فرمایا گیا ہے دونوں میں تعارض ہے؟

جَوَابٌ: يُؤَخِّرُكُمْ سے مراد دنیا میں عذاب کی تاخیر ہے موت تک نہ کہ موت کے مقررہ وقت میں تاخیر ہے۔

(حمل، صارت)

(حاشیہ جلالین)

قَوْلًا: بَعْدَ اَبْكُمُ اِنْ لَمْ تُؤْمِنُوْا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی سابقہ تعارض کو دفع کرنا ہے۔

قَوْلًا: لَا مُنْتُمْ اس میں اشارہ ہے کہ لو شرطیہ ہے اور لَا مَنْتُمْ اس کی جزاء ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

نام:

اس سورت کا نام سورہ نوح ہے، اس میں اول سے آخر تک حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے جس طرح کہ سورہ یوسف میں حضرت یوسف کا قصہ بالتفصیل بیان ہوا ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ سورہ یوسف قصہ یوسف علیہ السلام کے لئے خاص ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن میں اور کہیں نہیں آیا دیگر مقامات پر صرف نام آیا ہے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کے کہ یہ سورت مخصوص قصہ نوح کے لئے ہے مگر قصہ نوح علیہ السلام اس سورت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قرآن کریم میں دیگر ۲۳ مقامات پر بھی مفصلاً و مجملًا حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔

(قصص القرآن، خلاصۃ التفاسیر)

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں کہ جن کو رسالت سے نوازا گیا صحیح مسلم میں باب شفاعت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل روایت ہے اس میں اول رسول ہونے کی صراحت ہے۔
يَا نُوحُ اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَى الْاَرْضِ اے نوح! تم کو زمین پر پہلا رسول بنایا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالاً:

تورات کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے آٹھ واسطوں سے ملتا ہے: نوح بن لامک بن متوشلح بن اخنوخ بن یارد بن مہلیل بن فینان بن انوش بن شیت بن آدم (قصص القرآن) مگر یہ ظن و تخمین پر ہے یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں تورات کے مختلف نسخوں میں بھی کافی اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے پوری قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا جگہ خود ساختہ معبودوں نے لے لی تھی، اس قوم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی اور اپنے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی بد بخت قوم کو سمجھانے میں انتہائی کوشش کی اور بہت چاہا کہ رحمہ الہی کی آغوش میں آجائے مگر قوم نے ایک نہ سنی اور جس قدر اس جانب سے تبلیغی جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام ذرائع استعمال کئے گئے اور قوم کے بڑوں نے عوام الناس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر جیسے بتوں کی پرستش کو نہ چھوڑنا، حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال کی انتھک کوشش کے نتیجے میں ایک روایت کے اعتبار سے اسی افراد سے زیادہ ایمان نہ لائے۔

اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْا
 بندگی، دوسرے تقویٰ، تیسرے رسول کی اطاعت، مطلب یہ کہ اگر تم ان تین باتوں کو قبول کر لو تو اب تک جو گناہ تم سے ہو چکے ان سے وہ درگزر فرمائے گا، يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى الخ میں بعض مفسرین نے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے مَنْ کو تبعیض کا لیا ہے، اسلام اور ایمان لانے سے حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے مگر حقوق العباد معافی کے لئے صاحب حق سے معافی ضروری ہوگی، بعض مفسرین نے یہاں مِنْ زائدہ یا بمعنی عَنْ لیا ہے مطلب یہ کہ ایم لانے سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے مگر دوسری نصوص کی بنا پر شرط مذکور بہر حال ضروری ہے۔

یعنی اگر تم نے یہ تین باتیں مان لیں تو تمہیں دنیا میں اس وقت تک بلا عذاب جینے کی مہلت دے دی جائے گی جو اللہ تمہاری طبعی موت کے لئے مقرر کی ہے یعنی مقررہ مدت عمر سے پہلے کسی دنیاوی عذاب میں پکڑ کر ہلاک نہ کرے گا، اس کا حاکم یہ ہوا کہ اگر ایمان نہ لائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ مدت مقررہ سے پہلے ہی تم پر عذاب لا کر ہلاک کر دے، معلوم ہوا کہ عمر کی مدت مقررہ میں بعض اوقات کوئی شرط ہوتی ہے کہ اس نے فلاں کام کر لیا تو اس کی عمر مثلاً اسی سال ہوگی اور نہ کیا تو ساٹھ سال ہو اعمال صالحہ سے عمر کے بڑھنے اور نافرمانی کے کاموں کی وجہ سے عمر کے گھٹنے کا یہی مطلب ہے۔ (معارف ملخصاً)

اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر الہی کی دو قسمیں ہیں: ① معلق اور ② مبرم۔ ان دونوں تقدیروں کی طرف قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے ”يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ اَمَ الْكِتَابِ“ یعنی اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں اثبات یعنی ترمیم و تبدیل کرتا رہتا ہے اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے، اصل کتاب سے مراد وہ کتاب جس میں تقدیر

لکھی ہوئی ہے کیونکہ تقدیر معلق میں جو شرط لکھی گئی ہے اللہ کو پہلے ہی سے یہ معلوم ہے کہ وہ شخص یہ شرط پوری کرے گا یا نہیں
ن لئے تقدیر مبرم میں قطعی فیصلہ لکھا جاتا ہے۔ (معارف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور
آن کی تصریح کے مطابق نو سو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال بقید حیات رہے، اس حساب
سے آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور ولادت نوح علیہ السلام کے درمیان
۱۰۲ سال کا فاصلہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ۹۳۰ سال ہوئی ہے۔

(قصص القرآن، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ)

اَلنُّوحُ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا اِي السَّفَلَةِ وَالْفُقَرَاءِ مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ وَبِهِمُ الرُّؤْسَاءُ الْمُنْعَمُ
لِيهِمْ بِذَلِكَ وَوُلِدَ بِضَمِّ الْوَاوِ وَسُكُونِ اللَّامِ وَبِفَتْحِهِمَا وَالْاَوَّلُ قِيلَ جَمْعُ وَلَدٍ بِفَتْحِهِمَا كَخَشَبِ
لُخْشَبٍ وَقِيلَ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَبَخْلٍ الْاَخْسَارُ ۝ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَمَكْرًا اِي الرُّؤْسَاءُ مَكْرًا كَبَارًا ۝
ظَنِيْمًا جَدًّا بَانَ كَذَبُوا نُوْحًا وَاذْوُهُ وَمَنْ اَتْبَعَهُ وَقَالُوا لَنَسْفَةً لَا تَذَرُنَّ الْهَتَكُمُ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا بَفَتْحِ
وَاوٍ وَضَمِّهَا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ هِيَ اَسْمَاءُ اَضْنَامِهِمْ وَقَدْ اَضَلُّوا بِهَا كَثِيْرًا مِّنْ
نَّاسٍ بَانَ اَمْرُوهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِيْنَ الْاِضْلَالَ ۝ عَطَفَ عَلٰى قَدْ اَضَلُّوا دَعَا عَلَيْهِمْ لَمَّا اَوْحٰى
يَهٗ اَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ مِمَّا مٰصِلَةٌ خَطِيْئَتِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ خَطِيْئَاتِهِمْ بِالْهَمْزَةِ
لِرَفْعِهَا بِطُوفَانٍ فَادْخُلُوْا اَنَارًا غُوْقِبُوا بِهَا عَقَبَ الْاَغْرَاقِ تَحْتَ الْمَآءِ فَلَمْ يَجِدُوْا الْهَمَّ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِي
بِرِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ يَمْنَعُوْنَ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَقَالَ نُوْحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلٰى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِي
رِلْ دَارٍ وَالْمَعْنٰى اَحَدًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فٰجِرًا كَفَّارًا ۝ مَنْ يَفْجُرْ وَيَكْفُرْ قَالَ
لَكَ لِمَا تَقْدُمُ مِنَ الْاَيْحَاءِ اِلَيْهِ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَكَانَا مُؤْمِنِيْنَ وَلَمَنْ دَخَلَ بَيْتِيْ مَسْرُوْبًا
سَجْدِيْ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِيْنَ الْاِتْبَارًا ۝ بَلَا كَا فَاْبَلِكُوْا ۝

ترجمہ: نوح بن لامک بن مثنیٰ شلخ بن احنوخ واسم امه شمشخی بروزن سکری علیہ السلام نے

نہ کیا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کمزور طبقے اور فقراء نے ان لوگوں کی اطاعت کی کہ جن کے
بہ اولاد نے سرکشی اور کفر کے اعتبار سے ان کو نقصان ہی پہنچایا، جو ایسے رئیس ہیں کہ جن کے اوپر ان چیزوں کا انعام فرمایا،
وہ واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون اور دونوں کے فتح کے ساتھ (وُلِدَ) اور اول کہا گیا ہے کہ وَلِدٌ (بفتحہما) کی جمع ہے جیسا

کہ خُشْبٌ، خُشْبٌ کی جمع ہے، اور کہا گیا کہ جمع کے معنی میں ہے جیسا کہ بُخْلٌ اور بَخْلٌ اور ان لوگوں نے بڑا تکبر کیا اس طریقہ پر کہ انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، اور ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ایذا پہنچائی انہوں نے کمزور طبقے کے لوگوں سے کہا تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور وَدَّ کو نہ چھوڑنا وَاوَّ کے فتح اور ضمہ کے ساتھ اور نہ سَوَاع کو اور نہ یغوث کو اور نہ نَسْرَ چھوڑنا، یہ ان کے بتوں کے نام ہیں اور ان لوگوں نے ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اس طریقہ پر کہ ان لوگوں کو ان بتوں کی بندگی کرنے کا حکم دیا (الہی!) تو ان لوگوں کی گمراہی اور بڑھادے یہ عطف ہے قَدْ اَضَلُّوا پر اور حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے لئے یہ بددعاء اس وقت کی کہ جب بذریعہ وحی ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان چکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی ایمان لانے والا نہیں، ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے طوفان میں غرق کر دیا گیا مَّا زَاہ ہے، ایک قراءت میں خَطِیئَاتِهِمْ ہے ہمزہ کے ساتھ، اور جہنم میں پہنچا دیا گیا اور اللہ کے سوا انہوں نے اپنا کوئی مددگار نہ کہ جو ان سے عذاب کو روک سکے اور نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! تو روئے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ یعنی گمراہی میں آنے والا مطلب یہ کہ کسی کو نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے (دیگر) بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور فاجروں اور کافروں ہی کو جہنم دیں گے یعنی ان لوگوں کو جو کفر و فسق ہی کریں گے، اور آپ نے یہ بددعاء آپ کے پاس وحی آنے کے بعد کی۔ اے میرے پروردگار! تو میرے والدین کو کہ دونوں مومن تھے اور ہر اس شخص کو جو مومن ہو کر میرے گھر میں میری مسجد میں داخل ہو اور قیامت تک آنے والے مومنین و مومنات کو بخش دے اور کافروں کو سوائے ہلاکت کے اور کسی میں نہ بڑھا چنا نچہ وہ سب لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: بِذَلِكَ، اِی بِالْمَالِ وَالْوَلَدِ.

قَوْلًا: وَالْاَوَّلِ اِی وُلْدُ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وَلَدٌ کی جمع ہے جیسا کہ خُشْبٌ، خُشْبٌ کی جمع اور کہا گیا ہے کہ نہیں ہے البتہ معنی میں جمع کے ہے جیسا کہ بُخْلٌ، بُخْلٌ کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: وَدَّ مرد کی شکل کے ایک بت کا نام ہے، سَوَاع عورت کی شکل کے ایک بت کا نام ہے، یغوث شیر کی شکل کے، کا نام ہے، یعوق گھوڑے کی شکل کے بت کا نام ہے، نَسْرَ کرگس کی شکل کے بت کا نام ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِی (الایة) یعنی میری نافرمانی پر اڑے رہے میری ایک سن کر نہ دی اور مالداروں سرداروں کی پیروی کی کہ جن کو ان کے مال و اولاد نے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ سراسر نقصان میں رہے۔

وَمَكْرُؤًا مَكْرًا كُبَّارًا یہ مکر شدید کیا تھا؟ مکر سے مراد ان سرداروں اور پیشواؤں کے وہ مکر و فریب ہیں جس سے وہ اپنی قوم کے عوام کو حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف بہکاتے تھے اور بہکانے کے طریقے تقریباً تمام وہی تھے جو شرکین پر رب آپ ﷺ پر ایمان لانے سے روکنے کے لئے کرتے تھے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مکر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کی سازش ہے، اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا چھوٹوں سے یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت پر جسے رہنا ان کو ہرگز مت چھوڑنا۔

وَلَا تَسْذُرُونَ وَدَّ السَّخِیہ پانچوں قوم نوح علیہ السلام کے نیک آدمی تھے اور یہ انہیں کے نام ہیں جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں سے کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں رکھ لو، تاکہ ان کی یاد زہر رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو جب یہ تصویر بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباء تو ان کی پوجا کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (بخاری تفسیر، سورۃ نوح)

قوم نوح علیہ السلام کے ان پانچوں بزرگوں کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہونے لگی، چنانچہ ”ود“ دومہ ندل میں قبیلہ بکلب کا معبود تھا اور ”سواع“ ساحل بحر کے قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی، ”یعوث“ سبا کے قریب قبیلہ رطے کی بعض خوں کا بت تھا اور ”یعوق“ ہمدان کے علاقہ میں قبیلہ ہمدان کی شاخ خیوان کا بت تھا، اور یہ گھوڑے کی شکل کا تھا، اور ”نسر“ بلعیر کا بت تھا جس کی شکل گدھ کی سی تھی۔

قَدْ أَصْلَحُوا كَثِيرًا، أَصْلَحُوا کا فاعل قوم نوح کے رؤساء ہیں جنہوں نے مذکورہ پانچوں بزرگوں کے ناموں سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

قَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بددعا اس وقت فرمائی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل ناامید اور مایوس ہو گئے، اور اللہ نے بھی بذریعہ وحی اطلاع کر لیا کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں دَيَّارٌ، فَيَعَالُ کے وزن پر دَيَّوَارٌ تھا واو کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام دیا، رہنے بسنے والے۔

بِسْمِ اللَّهِ

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَعِشْرُونَ آيَةً وَقِيَمُهَا ثَمَانُونَ

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٍ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ جن کی ہے، اٹھائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلنَّاسِ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنِّي أَخْبَرْتُ بِالْوَخْيِ مِنَ اللَّهِ أَنَّهُ
الضَّمِيرُ لِلشَّيْءِ اسْتَمَعَ لِقِرَاءَتِي نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ جِنِّ نَصِيبِينَ وَذَلِكَ فِي صَلَوةِ الصُّبْحِ بِبَطْنِ نَخْلَةٍ مَوْضِعُ بَيْنِ
مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمْ الَّذِينَ ذَكَرُوا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ الْآيَةَ فَقَالُوا لِقَوْمِهِمْ لَمَّا
رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ فِي فَصَاحَتِهِ وَغَزَارَةِ مَعَانِيهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يَهْدِي إِلَى التَّوْحِيدِ
الْإِيمَانِ وَالصَّوَابِ قَامَتِيهِ وَلَكِنْ تَشْرِكُ بَعْدَ الْيَوْمِ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ وَأَنَّ الضَّمِيرَ لِلشَّيْءِ فِيهِ وَفِي الْمَوْضِعَيْنِ
بَعْدَهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا تَسْنُوهُ جَلَالُهُ وَعَظَمَتُهُ عَمَّا نُسَبِّحُ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً زَوْجَةً وَلَا وَلَدًا ۝
وَأَنَّ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا جَابِلُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝ غُلُُّوا فِي الْكَذِبِ بِوَصْفِهِ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ وَأَنَا ظَنَنَّا أَنَّ
مُخَفَّفَةً أَيْ أَنَّهُ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ بِوَصْفِهِ بِذَلِكَ حَتَّى بَيَّنَّا كَذِبَهُمْ بِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى
وَأَنَّ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُودُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ حِينَ يَنْزِلُونَ فِي سَفَرِهِمْ بِمَخُوفٍ فَيَقُولُ
كُلُّ رَجُلٍ أَعُوذُ بِسَيِّدِ هَذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سَفَهَائِهِ فَرَادُوهُمْ بِعُودِهِمْ بِهِمْ رَهَقًا ۝ طُغْيَانًا فَقَالُوا سُدْنَا
الْجِنُّ وَالْإِنْسُ وَأَنْتُمْ أَيْ الْجِنُّ ظَنُّوْكُمْ أَظَنُّنَّكُمْ يَا إِنْسُ أَنْ مُخَفَّفَةً أَيْ أَنَّهُ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝ بَعْدَ مَوْتِهِ
قَالَ الْجِنُّ وَأَنَا لَمَسْنَا السَّمَاءَ رُسْنَا اسْتِزَاقَ السَّمْعِ مِنْهَا فَوَجَدْنَاهَا مِلَأَتْ حَرَسًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ شَدِيدًا
وَشَهَبًا ۝ نَجُومًا مُخْرِقَةً وَذَلِكَ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا كُنَّا أَيْ قَبْلَ مَبْعَاثِهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَعْدُ مِنْهَا مَقَاعِدُ لِلتَّسْمِيعِ ۝ أَيْ نَسْتَمِعُ فَمَنْ يَسْتَمِعُ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شَهَابًا رَصْدًا ۝ أَيْ أُرْصِدُ
لَهُ لِيُرْمِيَ بِهِ وَأَنَا لَا تَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدُ بَعْدَ اسْتِزَاقِ السَّمْعِ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمَّا رَادُّ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝
خَيْرًا وَأَنَا مِمَّا الصَّالِحُونَ بَعْدَ اسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ وَمِنَادُونَ ذَلِكَ ۝ أَيْ قَوْمٌ غَيْرُ صَالِحِينَ كُنَّا طَرِيقَ قَدَدًا ۝

فَرَقًا مُخْتَلِفِينَ مُسْلِمِينَ وَكَافِرِينَ وَأَنَاظْنَاهُمْ أَنَّهُ لَنْ نُعْجزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجزَهُ هَرَبًا ۝۷
لَا نَفْؤُهُ كَائِنِينَ فِي الْأَرْضِ أَوْ بَارِبِينَ مِنْهَا إِلَى السَّمَاءِ وَأَنَا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى الْقُرْآنَ أَمْنًا بِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ
بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بِتَقْدِيرِ بُوَعْدِ الْفَاءِ بِخُصَا نَقْصًا مِنْ حَسَنَاتِهِ ۝۸ وَلَا رَهَقًا ۝۹ ظُلْمًا بِالزِّيَادَةِ فِي سَيِّئَاتِهِ
وَأَنَا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِمَّا الْقَاسِطُونَ الْجَائِرُونَ بِكُفْرِهِمْ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا شَدًّا ۝۱۰ قَصِدُوا بِهَدَايَةِ
وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝۱۱ وَقُودًا وَأَنَا وَإِنَّهُمْ وَإِنَّهُ فِي اثْنِي عَشَرَ مَوْضِعًا بِبَيِّ وَانَّهُ تَعَالَى إِلَى قَوْلِهِ
وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِكُسْرِ الهمزة اسْتِيفَانًا وَبِفَتْحِهَا بِمَا يُوجَّهُ بِهِ قَالَ تَعَالَى فِي كُفَارِ مَكَّةَ وَأَنَّ
مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ وَإِنَّهُمْ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى أَنَّهُ اسْتَمَعَ لِيُؤْتِقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ أَيْ
طَرِيقَةِ الْإِسْلَامِ لِأَسْقَيْنَهُمْ مَاءً غَدَقًا ۝۱۲ كَثِيرًا مِنَ السَّمَاءِ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا رَفَعَ الْمَطَرُ عَنْهُمْ سَبْعَ سِنِينَ
لِنَفْتِنَهُمْ لِنَخْتَبِرَهُمْ فِيهِ فَنَعْلَمُ كَيْفَ شُكْرُهُمْ عِلْمٌ ظَهُورٌ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ الْقُرْآنَ يَسْلُكْهُ
بِالنُّونِ وَالْيَاءِ نُدْخِلْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝۱۳ شَاقًّا وَأَنَّ الْمَسْجِدَ مَوَاضِعَ الصَّلَاةِ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا فِيهَا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝۱۴
بِأَن تَشْرِكُوا كَمَا كَانَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى إِذَا دَخَلُوا كِنَائِسَتَهُمْ وَبَيْعَتَهُمْ أَشْرَكُوا وَأَنَّهُ بِالْفَتْحِ وَبِالْكَسْرِ
اسْتِيفَانًا وَالضَّمِيرُ لِلشَّانِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوهُ يَعْبُدُهُ بِبَطْنِ نَخْلٍ
كَادُوا أَيْ الْجِنُّ الْمُسْتَمِعُونَ لِقِرَاءَتِهِ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لَبَدًا ۝۱۵ بِكُسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا جَمْعُ لَبْدَةٍ كَاللَّبْدِ فِي
رُكُوبِ بَعْضِهِمْ إِزْدِحَامًا حَرَصًا عَلَى سَمَاعِ الْقُرْآنِ.

۱۱

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ! لوگوں کو بتائیے کہ
مجھے وحی کے ذریعہ یہ بات بتائی گئی ہے (یعنی) وحی کے ذریعہ اللہ کی طرف سے مجھے خبر دی گئی ہے کہ نصیبین کے جنوں
کی ایک جماعت نے میری قراءت سنی اور یہ واقعہ بطن نخلہ میں جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے فجر کی نماز میں پیش آیا
اور یہ جن وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول ”وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ“ میں کیا گیا ہے، تو انہوں نے اپنی
قوم کے پاس واپس جا کر کہا ہم نے عجیب قرآن سنا ہے کہ اس کی (لفظی) فصاحت اور (معنوی) بلاغت وغیرہ سے تعجب
ہوتا ہے جو راہِ راست (اور) ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں آج کے بعد ہم کسی کو بھی اپنے
رب کا شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور بے شک ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے (انہ) میں اور اس کے بعد دونوں جگہ ضمیر
شان ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال و عظمت کی تمام ان چیزوں کی کہ اس کی طرف نسبت کرنے سے (جو اس کی شایان شان
نہیں) پاکی بیان فرمائی نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا، اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف جاہل اللہ کے بارے میں
اللہ کو بیوی اور بیٹے سے متصف کر کے افتراء پر دازی میں غلو کرتا ہے اور ہم تو یہی سمجھتے رہے (اَنْ) مخففہ ہے اِنِّی اَنَّهُ کہ

انس اور جن اس کو ان چیزوں سے متصف کر کے اس پر ہرگز افتراء پر دازی نہ کریں گے حتیٰ کہ ہمارے اوپر اس بارے میں ان کا کذب ظاہر ہو گیا بات یہ ہے کہ بعض لوگ جب کہ وہ اپنے سفر کے دوران کسی خطرناک مقام پر فروکش ہوتے تھے تو بعض لوگ جنات کی پناہ طلب کیا کرتے تھے اور ہر شخص کہتا تھا کہ میں اس مقام کے سردار کی اس مقام کے بے وقوف (جنوں) سے پناہ چاہتا ہوں جس کی وجہ سے جنات اپنی سرکشی میں اور چڑھ گئے اور کہنے لگے ہم جنوں اور انسانوں کے سردار ہو گئے، اے انسانو! جنات نے بھی تمہاری طرح گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو موت کے بعد دوبارہ زندہ نہ کرے گا، (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے، اور ہم نے چوری سے سننے کے لئے آسمان کا قصد کیا تو ہم نے اس کو دیکھا کہ پہرہ دار فرشتوں اور سخت جلا دینے والے شہابوں سے بھرا پڑا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور ہم آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے باتیں سننے کے لئے (آسمانوں پر) جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے اب جو بھی کان لگاتا ہے ایک شعلہ کو اپنی تاک میں پاتا ہے یعنی اس کو تاک میں لگا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ان کو مارے اور ہم نہیں جانتے کہ سننے کی ممانعت سے آیا زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے؟ اور یہ کہ قرآن سننے کے بعد بعض ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی یعنی بعض لوگ غیر صالح بھی ہیں، اور ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے ہیں یعنی مختلف فرقے ہو گئے ہیں، کہ بعض مسلمان اور بعض کافر ہیں، اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ کی زمین میں اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے، اَنْ مخففہ ہے اَنْی اِنَّہ اور نہ بھاگ کر ہم اسے ہر سکتے ہیں، یعنی نہ ہم اس کو زمین میں رہتے ہوئے عاجز کر سکتے ہیں اور نہ زمین سے آسمان کی طرف بھاگ کر اسے ہر سکتے ہیں، ہم تو ہدایت کی بات (قرآن) سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے، اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا، اسے اس کی نیکیوں میں نقصان کا اندیشہ نہ ہوگا اور نہ ظلم و زیادتی کا یعنی اس کی بدیوں میں زیادتی کا، ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض اپنے کفر کی وجہ سے ظالم ہیں پس جو فرمانبردار ہو گئے انہوں نے تو راہِ راست کا قصد کیا یعنی اس کی ہدایت کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں جہنم کا ایندھن بن گئے اور اِنَّ اور اِنَّہم اور اِنَّہ یہ کُل بارہ جگہ ہیں اور اِنَّہ تعالیٰ اور اَنَا مِنَ الْمَسْلُومِ اور ان کے درمیان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ بطور استیناف کے اور ہمزہ کے فتح کے ساتھ تاویل کر کے اور اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا (اور اے نبی! یہ بھی کہہ دو) اَنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، اَنْی اِنَّہم اور اس کا عطف اِنَّہ اَسْتَمَعَ پر ہے کہ اگر لوگ راہِ راست طریقہ اسلام پر سیدھے رہے تو یقیناً ہم انہیں بڑی وافر مقدار میں آسمان سے پانی پلائیں گے اور یہ (یعنی آیت کا نزول) اس کے بعد ہوا کہ سات سالوں تک (اہل مکہ) سے بارش روک لی، گئی تھی تاکہ اس میں ہم انہیں آزمائیں اور تاکہ ہم ان کے شکر کی کیفیت کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کریں اور جو اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا، یَسْلُکَہ نون اور یاء کے ساتھ ہے اور یہ کہ مسجدیں نماز کے مقامات صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو نہ پکارو بایں

تفسیر و تشریح

شان نزول:

آیات بالا کی تفسیر کو صحیح طریقہ سے سمجھنے کیلئے پہلے چند واقعات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

پہلا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شہاب الثاقب کے ذریعہ ان کو روک دیا گیا اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں جنات آپ ﷺ تک پہنچے جیسا کہ سورہ احقاف میں گذرا۔

دوسرا واقعہ:

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کسی جنگل یا وادی میں سفر کے دوران قیام کی ضرورت پیش آتی تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کر دیں گے، یہ الفاظ کہا کرتے تھے اعدوہ بعزیز هذا الرادی من شر سفہاء قومہ یعنی میں اس جنگل کے سرداروں کی پناہ لیتا ہوں اس کی قوم کے بے وقوف شریر لوگوں سے۔

تیسرا واقعہ:

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی بددعاء سے قحط پڑا تھا اور کئی سال تک رہا۔

چوتھا واقعہ:

جب آپ ﷺ نے دعوت اسلام شروع کی تو کفار مخالفین کا آپ کے خلاف ہجوم اور نرغہ ہوا۔ (معارف) بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ بازار عکاظ تشریف لیجا رہے تھے، راستہ میں غلہ کے منام پر آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت جنوں کا ایک گروہ ادھر سے گذر رہا تھا، تلاوت کی آواز سن کر وہ بکھر گیا اور غور سے قرآن سنتا رہا اسی واقعہ کا ذکر اس سورت میں ہے۔

اکثر مفسرین نے اس روایت کی بناء پر یہ سمجھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے مشہور سفر طائف کا واقعہ ہے جو ہجرت سے تین سال پہلے ۱۰ھ نبوی میں پیش آیا تھا مگر یہ قیاس متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ طائف کے اس سفر میں جنوں کے قرآن سننے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا قصہ سورہ احقاف میں بیان کیا گیا ہے، سورہ احقاف کی ان آیات پر نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو جن قرآن مجید سن کر ایمان لائے تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے، اس کے برعکس اس سورت کی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن سننے والے جن مشرکین اور منکرین آخرت و رسالت تھے پھر یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ طائف کے اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کوئی آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا بخلاف اس سفر کے، حضرت ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔

مزید براں روایات اس پر بھی متفق ہیں کہ اس سفر میں جنوں نے قرآن کی روایت کے مطابق جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ مکرمہ سے عکاظ تشریف لے جا رہے تھے، ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورہ احقاف اور سورہ جن کے واقعے دو الگ الگ ہیں۔

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا، عَجَبًا مَصْدَرٌ هُوَ بِطَوْرٍ مَبَالِغٍ يَحذف مضاف کے ساتھ ہے ای ذا عجب، معجب کے معنی میں یُهدى إِلَى الرُّشْدِ یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہِ راست حق و صواب کو واضح کرتا ہے جَدُّ کے معنی عظمت اور جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے اولاد دیا بیوی ہو۔

قُلْ مُجِيبًا لِّلْكَفَارِ فِي قَوْلِهِمْ اَرْجِعْ عَمَّا اَنْتَ فِيهِ وَفِي قِرَاءَةِ قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْا رَبِّيْ اِلٰهَا وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا ۝
قُلْ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا غِيًّا وَلَا مَشَدًّا ۝ خَيْرًا قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ اِنْ غَضِبَتْهُ اَحَدَةٌ
وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ اٰیَ غَيْرِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ مُلْتَحَجًا اِلَّا بِلَعْنٍ اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ مَّفْعُوْلٍ اَمْلِكُ لَكُمْ اِلَّا الْبَلَاغُ اِلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ اٰیَ غَيْرِهٖ وَرِسَالَتُهُ غُطِّتْ عَلٰی بِلَاغٍ وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَشْنٰی مِنْهُ وَالْاِسْتِثْنَاءِ اِغْتِرَاضٌ لِتَاكِيدِ نَفْيِ
الْاِسْتِطَاعَةِ وَمَنْ يَّعِصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فِي التَّوْحِيْدِ فَلَمْ يُوَسِّسْ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا حَالٌ مِنْ ضَمِيْرٍ مَنْ
فِيْ لَهُ رِغَايَةٌ لِّمُعْتَابًا وَهِيَ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنٰی يَدْخُلُوْنَهَا مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا اَبَدًا ۝ حَتّٰی اِذَا مَرَاوَا حَتّٰی
اِبْتِدَائِيَّةٌ فِيْهَا لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا اٰیَ لَا يَزَالُوْنَ عَلٰی كُفْرِهِمْ اِلٰی اَنْ يَّرَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ فَيَعْلَمُوْنَ عِنْدَ
خُلُوْلِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَذَرِ اَوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقْلُ عَدَدًا ۝ اَعُوْا اَنَا اَبُهِمُ اَمْ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلٰی الْقَوْلِ الْاَوَّلِ
اَوْ اَنَا اَمْ بِهٖ عَلٰی الثَّانِي فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَّتٰى بَدَا الْوَعْدُ فَتَزَلْ قُلْ اِنْ اِنِّىْ مَا اَدْرِىْ اَقْرَبُ مَا تُوْعَدُوْنَ مِنَ
الْعَذَابِ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْ اَمَدًا ۝ غَايَةٌ وَّاجَلًا لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا هُوَ عَلِمُ الْغَيْبِ مَا غَابَ بِهِ عَنِ الْعِبَادِ
فَلَا يُظْهَرُ يَطْلُعُ عَلٰی غَيْبِهٖ اَحَدًا ۝ مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَنْ اَمَرَ تَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ مَعَ اِطْلَاعِهٖ عَلٰی
مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجَزَةٌ لَّهٗ يَسْلُكُ يَجْعَلُ وَيُسَيِّرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ اٰیَ الرُّسُوْلِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ مَلَايَكَةٌ

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اَدْعُوا رَبِّي اِلٰهًا، اِلٰهًا مَقْدَرًا اَشَارَهُ كَرَدِيَا كِه اَدْعُوا بِمَعْنَى اَعْتَقِدْ هے جو متعدی بدو مفعول ہے دوسرا مفعول اِلٰهًا ہے، اَلْاَعْبُدُ كے معنی میں ہو تو اِلٰهًا مَقْدَرًا مانتے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلٌ: اِلَّا بِلَاغًا يَه لَا اَمْلِكُ كے مفعول سے مستثنیٰ ہے، یعنی میں تمہارے لئے سوائے پیغام رسانی کے کسی شی کا مالک نہیں ہوں نہ نفع کا اور نہ نقصان کا گویا کہ آپ نے فرمایا لَا اَمْلِكُ لَكُمْ شَيْئًا اِلَّا بِلَاغًا اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگا اور قُلْ اِنِّي لَنْ يُجِيبَنِيَ الْحَمْدُ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں جملہ معترضہ نفی استطاعت کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلٌ: وَرِسَالَاتِهِ اس کا عطف بلاغاً پر ہے اِی لَا اَمْلِكُ لَكُمْ اِلَّا التَّبْلِیْغُ وَالرِّسَالَةُ۔

قَوْلٌ: عَلٰی الْقَوْلِ الْاَوَّلِ وَ عَلٰی الْقَوْلِ الثَّانِیِ اَوَّلُ قَوْل سے مراد اَضْعَفُ نَاصِرًا اور ثانی سے اَقْلُ عَدَدًا ہے یعنی مدد کے اعتبار سے مومنین کمزور ہیں یا وہ اور عدد کے اعتبار سے میں کمزور ہوں یا وہ۔

تَنْبِيْهُ: اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلٌ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ كِهَا گِیَا هے كِه قَا لَ نَضْرِبُ بِن حَارِث هے۔

قَوْلٌ: عَالَمُ الْغَيْبِ يَه رَبِّي سے بدل ہے، مبتداء محذوف کی خبر ہے اِی هُو رَبِّي۔

قَوْلٌ: مَا غَابَ بَه عَنِ الْعِبَادِ، يَه كَوْف كَرَنہ كِیَا جَاے تَوْ مَنَاسِب هے۔

تَفْسِيْرٌ وَ تَشْرِیْحٌ

قُلْ اِنِّي لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا یعنی مجھے تمہاری گمراہی یا نفع و نقصان کا اختیار نہیں ہے میں تو صرف اس کا بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔

اِلَّا بِلَاغًا الْحَمْدُ يَه لَا اَمْلِكُ لَكُمْ سے مستثنیٰ ہے یہ بھی ممکن ہے كِه لَنْ يُجِيبَنِيَ الْحَمْدُ سے مستثنیٰ ہو یعنی مجھے اللہ (کے عذاب) سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے كِه میں تبلیغ و رسالت کا فریضہ بجالاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے میرے اوپر واجب کی ہے، رسالاتہ کا عطف اللہ پر ہے یا بلاغاً پر۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقْرَبُ مَّا تُوْعَدُوْنَ (الایہ) ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ ان منکرین سے جو آپ کو قیامت کا معین وقت بتلانے پر مجبور کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، یہ فرما دیجئے كِه قیامت کا آنا اور جزاء سزا کا ہونا تو یقینی ہے لیکن اس کے واقع ہونے کی صحیح تاریخ اور وقت کو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا، اس لئے میں نہیں جانتا كِه وہ روز قیامت قریب آچکا ہے یا میرا رب اس کے لئے کوئی دور کی مدت مقرر کرے گا دوسری آیت میں اس کی دلیل ارشاد فرمائی، عَالَمُ الْغَيْبِ فَلَا يَظْهَرُ عَلٰی غَيْبِهِ اَحَدًا یعنی قیامت کے وقت معین سے میری لاعلمی اس لئے ہے

اسی میں الغیب کیلئے ایک عالم الغیب ہے جو صرف اس کے عالم الغیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔

اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔

اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔

علم غیب اور نبی خبروں میں فرق

اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔

اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔

اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔ اس کے لئے ایک عالم الغیب ہے جس میں وہ اپنے غیب میں ہے۔

سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ عَشْرُونَ آيَةً وَقَدْ بَارَكْنَا

سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا قَوْلُهُ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اِلَى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ
تِسْعَ عَشْرَةَ اَوْ عَشْرُونَ آيَةً.

سورہ نزل مکہ ہے، یا، سوائے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ آخر تک مدنی ہے،
انیس یا بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ النِّبٰی وَاصْلُهُ الْمُزَّمِّلُ اُدْغِمْتَ التَّاءُ
فِی الزَّیِّ اِیُّ الْمُتَلَفِّ بِثَابِتٍ مَّجِیءِ الْوَحٰی لَهُ خَوْفًا مِّنْهُ لِمَهِنَّتِهِ قِمَ اللَّیْلِ صَلِّ الْاَقْلِلَ ۝ نِصْفَهُ
بَدَلٌ مِّنْ قَلِیْلًا وَقِلَّتُهُ بِالنَّظْرِ الْكُلِّ اَوْ اِنْقُصَ مِنْهُ مِّنَ النِّصْفِ قَلِیْلًا ۝ اِلَى الثُّلُثِ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ اِلَى
الثُّلُثِیْنَ وَاوِلِّیْ التَّخْوِیْرِ وَرَبِّیْلُ الْكَلْبِ تَثَبُّتٌ فِی تِلَاوَتِهِ ۝ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا قُرْاٰنًا ثَقِیْلًا ۝
مُهِیْبًا اَوْ شَدِیْدًا لِّمَا فِیْهِ مِّنَ التَّكْبَرِ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ الْقِیَامَ بَعْدَ النَّوْمِ هِیْ اَشَدُّ وَطْأً مُّوَافَقَةً السَّمْعِ
لِلْقَلْبِ عَلٰی تَفْهَمِ الْقُرْاٰنِ قِمَ قَلِیْلًا ۝ اَبِیْنُ قَوْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ تَصَرُّفًا فِی
اَسْغَالِكَ لَا تَفْرُغُ فِیْهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ اَدَّكَ رَاسَمَ رَبِّكَ اِیُّ قُلِّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِی اِبْتِدَاءِ
قِرَآءَتِكَ وَتَبَتَّلْ اِنْقَطِعْ اِلَیْهِ فِی الْاَةِ تَبَتُّیْلًا ۝ مَّصْدَرُ بَتَّلَ جِیءَ بِهِ رِعَایَةً لِّلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُومٌ
التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اَوْفَا تَخْذُهُ وَكِلَا ۝ مَوْكُولًا لَهُ اُمُورُكَ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُوْنَ اِیُّ
كُفَّارٍ مَّكَّةَ مِنْ اَذَاهِمِ وَاهْجُرْهُمْ هَنْجَمِیْلًا ۝ لَا جُنْعَ فِیْهِ وَبِذَا قَبْلَ الْاَمْرِ یَقْتَالِیْهِمْ وَذَرْنِیْ اَنْتَ رَكْنِیْ
وَالْمُكَذِّبِیْنَ عَطَفْتُ عَلٰی الْمَفْعُولِ فَبُعُولٌ مَّعَهُ وَالْمَعْنٰی اَنَا كَافِیْكَهُمْ وَبِهِمْ صِنَادِیْدُ قُرَیْشٍ
اَوَّلِی النَّعْمَةِ التَّنْعِمِ وَمَهْلَهُمْ قَلِیْلًا ۝ مِّنْ مِّنْ فَعَلُوا بَعْدَ یَسْرِیْرٍ مِّنْهُ یَبْدُرُ اِنَّ لَدَیْنَا اَلْاَكْلَآءَ قُیُودًا اِنْعَالًا جَمْعُ

يَكُلُّ بِكَسْرِ النُّونِ وَحَجِيمًا ۝ نَارًا مُّحْرِقَةً وَطَعَامًا ذَا غِصَّةٍ يُعْصُ بِهِ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُّومُ أَوْ الضَّرِيعُ
 أَوِ الْغَسَلِينِ أَوْ شَوْكٍ مِنْ نَارٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ ۝ وَعَذَابُ الْيَمِّ ۝ مُؤَلِّمًا زِيَادَةً عَلَى مَا ذَكَرَ لِمَنْ كَذَبَ
 النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ تَرْجُفُ تَزَلْزُلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا رَمَلًا مُجْتَمِعًا مَهِيلًا ۝
 سَائِلًا بَعْدَ اجْتِمَاعِهِ وَهُوَ مِنْ هَالٍ يَهِيلُ وَأَصْلُهُ مَهْيُولٌ أَسْتَقْبَلَتْ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَتَقَلَّتْ إِلَى الْهَاءِ
 وَحُذِفَتْ الْوَاوُ ثَانِي السَّاكِنِينَ لِزِيَادَتِهَا وَقَلَبَتْ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ يَا أَهْلَ
 مَكَّةَ رَسُولًا ۝ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ مِنَ الْعِصْيَانِ
 كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ وَهُوَ مُوسَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا
 وَبِيلًا ۝ شَدِيدًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا مَفْعُولٌ تَتَّقُونَ أَيْ عَذَابَهُ أَيْ بَأَى حِصْنٍ
 تَتَحَصَّنُونَ مِنْ عَذَابٍ يَوْمٍ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ جَمْعُ أَشْيَبَ لِشِدَّةِ بَوْلِهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَالْأَصْلُ
 فِي شَيْنِ شَيْبِ الضَّمِّ وَكُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ يَوْمٌ يُشِيبُ نَوَاصِي
 الْأَطْفَالِ وَهُوَ مَجَازٌ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ فِي الْآيَةِ الْحَقِيقَةُ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ ذَاتُ انْفِطَارٍ أَيْ انْشِقَاقٍ
 بِهِ بِذَلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهِ كَانَ وَعْدُهُ تَعَالَى بِمَجِيئِهِ ذَلِكَ الْيَوْمَ مَفْعُولًا ۝ أَيْ هُوَ كَائِنٌ لَا مُحَالَةَ إِنَّ هَذِهِ
 الْآيَاتِ الْمُخَوِّفَةِ تَذَكُّرَةٌ عِظَّةٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ طَرِيقًا بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ.

۱۳

تَرْجِمَةٌ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے کپڑے میں لپٹنے والے نبی! (مُزَّمِّل) کی اصل منزمل تھی، تاء کو زاء میں ادغام کر دیا گیا، یعنی اس پر وحی کے نازل ہونے کے وقت وحی کی ہیبت کے خوف سے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو قیام کر نماز پڑھ مگر کم، آدھی رات (نصفہ) قلیلًا سے بدل ہے اور نصف کا قلیل ہونا پوری رات کے اعتبار سے ہے، یا اس سے یعنی نصف سے، بھی کچھ کم کر لے ثلث رات تک یا اس پر (دو تہائی تک) زیادہ کر لے، او تخیر کئے لئے ہے، اور قرآن خوب صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ ہم تم پر ایک بھاری کلام قرآن نازل کرنے والے ہیں یعنی بارعب کلام یا شدید، اس لئے کہ اس میں احکام تکلیفیہ ہیں، بلاشبہ سونے کے بعد (رات) کو اٹھنا قرآن فہمی کے لئے دل اور کان کی موافقت کی وجہ سے نہایت موثر ہے اور بات کو خوب واضح اور صاف کرنے والا ہے یقیناً آپ کو دن میں بہت شغل رہتا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تلاوت قرآن کی فرصت نہیں ہوتی، تو اپنے رب کا نام لے، یعنی اپنی قراءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ اور سب سے تعلق منقطع کر کے عبادت میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جا، تبتیلًا، بتل کا مصدر ہے اس کو فواصل کی رعایت سے لایا گیا ہے، یہ تبتل کا ملزوم ہے، وہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کو اپنا کارساز بنا لو یعنی اپنے تمام امور اسی کو سپرد کر دو اور جو کچھ کفار مکہ ایذا رسانی کی باتیں

کرتے ہیں آپ ﷺ ان پر صبر کریں اور وضع داری کے ساتھ اس سے الگ ہو جاؤ کہ جس میں جزع و فزع نہ ہو، یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور مجھے اور جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے (والمکذبین) کا عطف (ذرفی) کے مفعول پر ہے یا یہ مفعول معہ ہے، اور معنی یہ ہیں کہ میں ان کے لئے تمہاری طرف سے کافی ہوں اور وہ سردارانِ قریش ہیں، اور انہیں تھوڑے دن اور مہلت دو، چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد بدر میں وہ قتل کئے گئے بلاشبہ ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں، انکال، نیکل نون کے کسرہ کے ساتھ، کی جمع ہے، اور دہکتی ہوئی آگ ہے، اور گلے میں پھنسنے والا کھانا ہے یعنی وہ گلے میں اٹک جاتا ہے، اور وہ زقوم ہے یا ضریح ہے یا پیپ ہے یا آگ کے کانٹے، نہ (باہر) نکلیں گے اور نہ (نیچے) اتریں گے، اور دردناک عذاب ہے جو عذاب نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یہ اس سے زیادہ ہے جس روز زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی مانند ان کے جمع ہونے کے بعد اڑتے ہوئے غبار کے مانند ہو جائیں گے (مہیلًا) ہالَ یَهیلُ سے ہے اس کی اصل مَہیُولٌ ہے، یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ہا کی طرف منتقل کر دیا اور واؤ ثانی، التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا، اس کے زائدہ ہونے کی وجہ سے اور ضمہ کو یاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے بدل دیا گیا، اے اہل مکہ! ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے اور وہ محمد ﷺ ہیں جو قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی دے گا ان گناہوں پر جو تم سے صادر ہوتے ہیں، جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کی سخت پکڑ کی سوا اگر تم دنیا میں کفر کرو گے تو اس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے؟ جو بچوں کو اپنی ہولناکی کی وجہ سے بوڑھا کر دے گا اور وہ قیامت کا دن ہے، شَیْبًا، اَشِیْبُ کی جمع ہے اور اصل میں شَیْبُ کے شین پر ضمہ ہے یاء کی مجانست کی وجہ سے کسرہ دے دیا ہے اور یوم شدید کے بارے میں کہا جاتا ہے ”یوم یشیبُ نواصی الأطفال“ ایسا دن کہ جس میں بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور یہ مجاز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ آیت میں حقیقت مراد ہو (اور جس دن میں) آسمان پھٹ جائے گا یعنی اس میں اس دن شگاف ہو جائیں گے بے شک اس دن کے آنے کا اس کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے بلاشبہ یہ ڈرانے والی آیتیں مخلوق کے لئے نصیحت ہیں پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہُمْ: یَاٰیہَا الْمُزْمَلُ یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے۔

قَوْلُہُمْ: الْمُزْمَلُ، ای المْتَلَفُ بِشِیَابِہِ، اپنے کپڑوں میں لپٹنے والے، مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، کہا گیا ہے کہ مُزْمَلٌ بمعنی حامل النبوة یا بمعنی حامل القرآن ہیں، زَامِلَةٌ، اونٹنی کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بہت زیادہ وزن اٹھاتی ہے، اب یَاٰیہَا الْمُزْمَلُ کا مطلب ہوگا اے حامل نبوت یا اے حامل قرآن! رات کو اٹھ، یہ آپ ﷺ کے اسماء توقیفی میں سے ہے

آپ ﷺ کیلئے قرآن میں مزمل کا لفظ استعمال ہوا ہے لہذا آپ پر مزمل کا اطلاق صحیح ہے پہلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اس میں اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ مزمل کا اطلاق آپ ﷺ پر بطور اسم درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ آپ ﷺ کی ایک وقتی حالت سے مشتق ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وقتی حالت سے بھی اسم کا اطلاق درست ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک وقتی حالت سے اسم کا اطلاق فرمایا ہے حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک روز زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”قُمْرِیَا ابا تراب“۔ (صاوی ملخصاً، و اضافہ)

قَوْلٌ: فَلْتُهُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْكُلِّ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: نصف، نصف کے مساوی ہوتا ہے، ایک نصف کو دوسرے نصف سے قلیل کہنا درست نہیں ہے، حالانکہ یہاں ”الَّا قَلِيلًا نِّصْفُهُ“ کہا گیا ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ نصف کو قلیل، کل کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی پوری رات قیام کرنے کے مقابلہ میں نصف شب، قیام قلیل ہے۔

قَوْلٌ: نِصْفُهُ يَهْ قَلِيلًا سے بدل ہے نہ کہ لَيْلًا سے مطلب یہ کہ آپ ﷺ کو تین باتوں میں اختیار دیا گیا، نصف میں، نصف سے کم میں، نصف سے زیادہ میں۔

قَوْلٌ: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا یہ جملہ امر بالقیام اور اس کی علت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ امر بالقیام کی علت ہے۔

قَوْلٌ: وَطًا بِمَعْنَى تَكْلِيْفٍ، مَشَقَّةٍ، دَشْوَارِيٍّ، اِيْكَ قِرَاءَتٍ مِّنْ وِّطَاءٍ، مُّوَاطَاةٍ (مفاعلة) سے مصدر ہے بمعنی موافقت یعنی سننے کی سمجھنے سے موافقت، کانوں کی دل کے ساتھ موافقت۔

قَوْلٌ: جِئْ بِهٖ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: تَبْتِيْلًا، تَبْتَلُ کا مصدر بلفظہ نہیں ہے، جبکہ مصدر بلفظہ تَبْتَلُ، تَبْتَلًا ہونا چاہئے؟

جَوَابٌ: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مصدر دوسرے باب کا لایا گیا ہے۔

قَوْلٌ: هُوَ مَلْزُومُ التَّبْتَلِ اس کا مقصد بھی سوال مذکور کا جواب ہے؛ مگر پہلا جواب باعتبار لفظ کے ہے اور یہ باعتبار معنی کے، اس کا خلاصہ یہ ہے تَبْتِيْلٌ جو کہ بَتْلُ کا مصدر ہے، بول کر مراد اس سے تَبْتَلُ ہے، تَبْتَلُ بَتْلُ کا ملزوم ہے یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے تَكْرَمُ تَكْرِيْمًا، وَتَعْلَمُ تَعْلِيْمًا۔

قَوْلٌ: هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، هُوَ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور رَبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور بھی جائز ہے۔

قَوْلٌ: ضَرِيْعٌ، نَوْعٌ مِّنَ الشُّوْكِ لَا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِّخَبِيْثَةٍ اِيْكَ قِسْمِ كِي كَانَتْ دَارُكَاسْ ہے جسے کوئی جانور نہیں کھاتا، سوائے

ونٹ کے اور اونٹ بھی اسی وقت تک کھاتا ہے جب تک وہ ہری رہتی ہے، اردو میں اس کو اونٹ کٹارا کہا جاتا ہے۔

(ترویج الارواح)

قَوْلُهُ: زِيَادَةٌ عَلَى مَا ذُكِرَ لِمَنْ كَذَبَ النَّبِيُّ ﷺ مَاقِلٌ مِّنْ اِنْ لَدَيْنَا اَنْكَالًا الْخ تَحْتِ جَهَنَّمَ كَيْسِ عَذَابِ كَا
فرمایا ہے اب عَذَابُ الْيَمَّا کہہ کر مبہم طریقہ پر اس کے علاوہ دردناک عذاب کا ذکر فرمایا جو آنحضرت ﷺ کی
تکذیب کرنے والوں کے لئے ہوگا۔

قَوْلُهُ: يَوْمَ تَرْجُفُ یہ فعل محذوف کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اِی اسْتَقَرُّ بِهِمْ عِنْدَنَا مَا ذُكِرَ يَوْمَ تَرْجُفُ
قَوْلُهُ: مَفْعُولٌ تَتَّقُونَ، يَوْمًا حَذَفَ مضاف کے ساتھ تَتَّقُونَ کا مفعول ہے اِی تَتَّقُونَ عَذَابَ يَوْمٍ یا حذف جار کی وجہ
سے بھی منصوب ہو سکتا ہے، اصل میں بِیَوْمٍ تَحَايَ بِیَوْمٍ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا۔

قَوْلُهُ: وَيَجُوزُ اَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ فِي الْاَيَةِ الْحَقِيقَةُ اَعْنِ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا سے مجاز اور ازی مدت بھی مراد
ہو سکتی ہے اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں یعنی حقیقہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں آپ ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی
سی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مشفقانہ خطاب فرمایا، مطلب یہ کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی تہجد کی نماز
پڑھیں، کہا گیا ہے کہ اسی حکم کی وجہ سے آپ ﷺ پر تہجد فرض کیا گیا ہے، حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ تہجد کی نماز
آپ ﷺ پر واجب تھی، ایک سال بعد جب سورت کا آخری حصہ نازل ہوا تو تہجد کی فرضیت منسوخ کر دی گئی، غار حرا میں نبی
کریم ﷺ پر جب جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَامُ نازل ہوئے اور سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتیں آپ ﷺ کو سنائیں، تو فرشتے کے
زول وحی کی شدت سے آپ ﷺ کو چونکہ پہلی مرتبہ سابقہ پڑا تھا، اس لئے طبعی طور پر آپ ﷺ پر خوف طاری ہوا جس کی وجہ
سے آپ ﷺ کو سردی محسوس ہوئی آپ ﷺ حضرت خدیجہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس تشریف لے گئے سردی کی وجہ سے
آپ ﷺ نے فرمایا زَمَلُونِي، زَمَلُونِي یعنی مجھے کپڑے اڑھا دو، اس کے بعد کچھ مدت تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا، اس
مانہ کو فترت کا زمانہ کہا جاتا ہے، فترت وحی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ
چانک میں نے آواز سنی تو میں نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، دیکھتا کیا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان
ورز میں کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اس کو دیکھ کر مجھ پر پھر وہی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہو گئی جو پہلی ملاقات
کے وقت طاری ہو چکی تھی میں واپس گھر چلا آیا اور گھر والوں سے میں نے کہا مجھے ڈھانپ دو، اس پر يٰأَيُّهَا الْمَدَّثَرُ نازل ہوئی،
اس حدیث میں آیت يٰأَيُّهَا الْمَدَّثَرُ کے نزول کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے اسی حالت کو بیان کرنے کے لئے يٰأَيُّهَا الْمَزْمَلُ کا
نطاب بھی آیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ يٰأَيُّهَا الْمَزْمَلُ کے لقب کا واقعہ الگ ہو۔

اس آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے، امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ روایات حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے حتیٰ کہ ان کے قدم ورم کر جاتے، ایک سال بعد اس سورت کا آخری حصہ فاقرء وَاَمَّا تيسَّر منه نازل ہوا جس سے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی گئی، اور اختیار دے دیا گیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت صرف کرنا کافی ہے۔ (معارف)

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا، مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرنے والے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تحمل کی صلاحیت پیدا ہونی ضروری ہے اور طاقت اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم و بیش عبادت میں گزارا کرو، قرآن کو بھاری کام اس بنا پر بھی کہا گیا کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت لے کر ساری دنیا کے مقابلہ میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد و افکار، اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا، ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لئے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت پر بار ہوتا ہے کیوں کہ نفس اس وقت آرام کا طالب ہوتا ہے اس لئے یہ عمل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے اس مجاہدہ کے بعد جو ایک روحانی قوت پیدا ہوگی اور وہ اس طاقت کو خدا کے احکام میں استعمال کرے گا تو زیادہ مضبوطی کے ساتھ دین حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے کام کر سکتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ کہ دل و زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا یہ بڑا موثر ذریعہ ہے کیونکہ رات کے ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔

تیسرا مطلب یہ کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے کیونکہ رات کی تنہائی میں شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کے لئے اٹھے گا وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کرے گا، اس میں ریاکاری کا سرے۔ کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا، یہاں سَبْح سے دن بھر کے مشاغل مراد ہیں جن میں تعلیم، تبلیغ، اصلاح خلق یا۔ معاشی مصالح کے لئے چلنا پھرنا داخل ہے، مذکورہ مشاغل کی وجہ سے دن میں عبادت کے لئے وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے، اس علاوہ شور و شغب کی وجہ سے یکسوئی میں خلل پڑنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے، رات کا وقت اس کام کے لئے نہایت موزوں و مناسب ہے؛ لہذا بقدر ضرورت آرام کے ساتھ قیام لیل کی عبادت بھی یکسوئی اور اطمینان قلبی کے ساتھ ہو جائے گی۔

فَاتَّبَعْنَا: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ جو تعلیم و تربیت اور اصلاح خلق کی خدمت میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رکھیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے۔

فارغ رکھنا بہتر ہے، جیسا کہ علماء سلف کا معمول رہا ہے، اتفاقی اہم ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبَتُّلاً، دن کے اوقات کی مصروفیتوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو، اس سے یہ مفہوم خود بخود ظاہر ہوتا ہے کہ دن میں ہر طرح کے کاموں میں مشغول رہنے کے بعد بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہوئے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہے، ذکر لسانی کا کسی کام میں نخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے نہ اس کے لئے کسی مخصوص وقت کی ضرورت، نہ طہارت کی اور نہ کسی مخصوص ہیئت کی اور اگر بعض اوقات ذکر لسانی ممنوع ہو مثلاً بیت الخلاء وغیرہ کی حالت میں تو ذکر خیالی یعنی خدا کی کائنات اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنا کسی وقت بھی ممنوع نہیں۔

وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبَتُّلاً، تَبَتُّل کے معنی انقطاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور دعاء و مناجات کے لئے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، یہ رہبانیت سے بالکل الگ اور مختلف چیز ہے رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا کا نام ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے، تَبَتُّل کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ عبادت اور خشوع و خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی جو محمود اور مطلوب ہے۔

وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیلاً، الگ ہو جاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے مقاطعہ کر کے اپنی تبلیغ بند کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ نہ لگو، ان کی بے ہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو اور ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصے اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس طرح ہو جس طرح کہ ایک شریف انسان کسی بازاری آدمی کی گالی سن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور دل پر میل تک نہیں آنے دیتا اور سمجھ لیتا ہے کہ وہ گالی مجھے نہیں کسی اور کو دے رہا ہے، اگرچہ آپ ﷺ مذکورہ تمام باتوں پر پہلے سے عمل پیرا تھے پھر بھی حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ بھی آپ ﷺ اسی طرز عمل پر قائم رہیں اور ادھر مشرکوں کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا نظر انداز کرنا کچھ مجبوری یا بزدلی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرافت کی وجہ سے ہے، تم اس شرافت کو بزدلی نہ سمجھو۔

وَ ذَرْنِی وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النِّعْمَةِ النِّع ان الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے فریب دے کر، تعصبات کو ابھار کر، عوام کو آپ ﷺ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے، وہ قوم کے کھاتے پیتے اور خوشحال لوگ تھے کیونکہ اسلام کی اس دعوت اصلاح کی براہ راست زد، ان کے مفادات پر پڑ رہی تھی، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ ہمیشہ یہی گروہ، اصلاح کی راہ روکنے کے لئے سنگ گراں بن کر حائل ہوتا رہا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُومُ اَدْنٰی اَقْل مِنْ ثَلٰثِی الْیَلِّ وَ نِصْفَهُ وَ ثَلٰثُہٗ بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلٰی ثَلٰثِی وَ بِالنَّضْبِ

عَطَفَ عَلَى أَدْنَىٰ وَقِيَامُهُ كَذَلِكَ نَحُومًا أَمْرًا بِهِ أَوَّلَ السُّورَةِ. وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ عَطَفَ عَلَىٰ ضَمِيرِ تَقُومُ وَجَازَ مِنْ غَيْرِ تَاكِيدٍ لِلْفَضْلِ وَقِيَامُ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ كَذَلِكَ لِلتَّاسِي بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى مِنَ اللَّيْلِ وَكَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ كُلَّهُ إِحْتِيَاظًا فَقَامُوا حَتَّىٰ انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ يُحْصِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمَمَهَا مَحْذُوفٌ أَيْ أَنَّهُ لَنْ تُحْصَوْهُ أَيْ اللَّيْلَ لَتَقُومُوا فِيمَا يَجِبُ الْقِيَامُ فِيهِ إِلَّا بِقِيَامِ جَمِيعِهِ وَذَلِكَ يَشُقُّ عَلَيْكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ إِلَى التَّخْفِيفِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ بِأَن تَصَلُّوا مَا تَيَسَّرَ عَلِمَ أَنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيْ أَنَّهُ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرَضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يُسَافِرُونَ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ يَطْلُبُونَ مِنْ رِزْقِهِ بِالتَّجَارَةِ وَغَيْرِهَا وَآخَرُونَ يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَكُلٌّ مِنَ الْفِرَقِ الثَّلَاثِ يَشُقُّ عَلَيْهِمْ مَا ذَكَرَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نُسِخَ ذَلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ كَمَا تَقَدَّمَ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَءُوا اللَّهَ بِأَن تُنْفِقُوا مِمَّا سِوَى الْمَفْرُوضِ مِنَ الْمَالِ فِي سَبِيلِ الْخَيْرِ قَرْضًا حَسَنًا عَنْ طَيْبِ قَلْبٍ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا خَلَفْتُمْ وَهُوَ فَضْلٌ وَمَا بَعْدَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةٌ يَشَبِّهُهَا لِامْتِنَاعِهِ مِنَ التَّعْرِيفِ وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

لِلْمُؤْمِنِينَ.

ترجمہ: بے شک تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے قیام لیل کرتی ہے (تُلثِہ) جر کی صورت میں تُلثِیٰ پر عطف ہوگا اور نصب کی صورت میں اَدْنٰی پر عطف ہوگا اور آپ کا قیام لیل اول سورت میں مذکور کے مطابق ہی تھا، طائِفَةٌ کا عطف تَقُومُ کی ضمیر پر ہے، اور فصل واقع ہونے کی وجہ سے بغیر تاکید کے بھی (عطف) درست ہے، اور آپ ﷺ کے اصحاب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے ایک جماعت کا قیام آپ ﷺ کی اقتداء کے طور پر اسی طریقہ پر تھا، صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا تھا کہ کتنی رات نماز میں گزر گئی اور کتنی باقی رہی جس کی وجہ سے احتیاطاً پوری رات تہجد کے لئے کھڑے رہتے تھے، وہ اسی طریقہ پر ایک سال تک یا اس سے زیادہ عمل پیرا رہے حتیٰ کہ ان کے قدم متورم ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تخفیف فرمادی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رات کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے یہ بھی وہ جانتا ہے کہ تم (مقدار وقت) کو ضبط نہ کر سکو گے کہ اس میں بقدر واجب قیام کر سکو، مگر اس صورت میں کہ پوری رات کھڑے رہو، اور یہ تمہارے لئے دشوار ہوگا، تو اس لئے تمہارے حال پر عنایت کی یعنی تم کو سہولت کی طرف لوٹا دیا سو (اب) تم سے جتنا قرآن نماز میں آسانی سے پڑھا جا

سکے پڑھ لیا کرو یعنی جس قدر آسان ہو نماز پڑھ لیا کرو، اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی بیمار ہوں گے (اِنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے یعنی اِنَّہ اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے یعنی تجارت وغیرہ کے ذریعہ رزق طلب کریں گے، اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے مذکورہ تینوں فریقوں میں سے ہر ایک پر، مذکورہ طریقہ پر قیام لیل دشوار ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے بقدر سہولت قیام کے ذریعہ ان پر تخفیف فرمادی پھر اس کو بھی پنج وقتہ نماز کے ذریعہ منسوخ فرمادیا سو آسانی سے جتنا قرآن (نماز میں) تم سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو جیسا کہ اوپر گذرا، اور فرض نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح خوش دلی سے قرض دو اس طریقہ پر کہ فرض مقدار کے علاوہ مال میں سے خیر کے راستوں میں خرچ کرو، اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے جو تم نے پیچھے چھوڑا ہے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے، ھُو ضمیر فصل ہے اور اس کا مابعد اگرچہ معرفہ نہیں ہے مگر مشابہ معرفہ ہے اس لئے کہ وہ تعریف سے ممتنع ہے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کیلئے غفور و رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُومُ اَدْنٰی الخ یہ ابتداء سورت میں بیان کردہ حکم ”قُمْ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا“ کے نسخ کی تمہید ہے، اصل نسخ ”فَتَابَ عَلَيْكُمْ“ ہے۔

قَوْلٌ: اَقْلَ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ اس کا مطلب ہے کہ تیرا رب آپ ﷺ کے دوثلث رات اور نصف رات اور ایک ثلث رات سے کم قیام لیل کو جانتا ہے، ابتداء سورت میں آپ کو دوثلث شب سے کم اور نصف شب سے کم قیام لیل میں اختیار دیا گیا تھا، اور یہاں وَاَدْنٰی مِنْ ثُلُثِهِ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ثلث سے کم شب میں بھی اختیار تھا حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور یہ صورت نصفہ جبر کی قراءت کی صورت میں ہوگی۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ادنیٰ سے تقریب مراد ہے یعنی وہ جانتا ہے آپ ﷺ کے دو تہائی اور نصف کے اور ثلث شب کے قریب قیام لیل کو، اسی کو ادنیٰ سے تعبیر کر دیا ہے اس لئے کہ مذکورہ مقداریں امور ظنیہ تخمینہ میں سے ہیں اور صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور آپ ﷺ اسی کے مکلف تھے اور نہ اس زمانہ میں ایسا کوئی نظام تھا کہ ٹھیک ٹھیک اوقات کی تعیین کی جاسکے اسلئے کہ یہ نہایت دشوار اور مشکل کام ہے جو کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہت مشکل اور دقت طلب ہے جب کہ اس زمانہ میں گھڑی وغیرہ بھی نہیں تھیں صرف ستاروں کی رفتار سے وقت کا تعیین کرتے تھے۔

قَوْلٌ: وَبِالنَّصْبِ یہ نصفہ کی دوسری قراءت کا بیان ہے نصب کی صورت میں ادنیٰ پر عطف ہوگا اور تقوم کا مفعول ہوگا، معنی ہوں گے تقوم نصفہ تَارَةً وَثُلُثَةً تَارَةً اُخْرٰی نصب کی صورت ابتداء سورت میں دیئے گئے حکم کے مطابق ہوگا۔

قَوْلُهُ: وَقِيَامُهُ كَذَلِكَ نَحْوَمَا أَمَرَ بِهِ آپ ﷺ کا اس طرح قیام اول سورت میں بیان کردہ حکم کے مطابق ہوگا، قیامہ کَذَلِكَ مبتدا ہے اور مَا أَمَرَ بِهِ اول السورة خبر ہے۔

قَوْلُهُ: وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ اس کا تَقْوَمُ کی ضمیر مرفوع متصل پر عطف ہے۔

سُؤَال: ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے قاعدہ ہے کہ ضمیر مذکور پر عطف درست ہونے کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَجَازَ مِنْ غَيْرِ تَاكِيدٍ لِلْفَصْلِ سے مفسر علام نے اسی اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے ① ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ لائی گئی ہو ② یا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہو یہاں دوسری صورت یعنی فصل موجود ہے، اور وہ اَذْنَى مِنْ ثُلْثِي اللَّيْلِ وَنُصْفِهِ وَثُلْثُهُ ہے، لہذا عطف درست ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ فَصْلٌ، اِی ضَمِيرُ فَصْلٍ۔

قَوْلُهُ: وَمَا بَعْدَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً يُشَبِّهُهَا الْخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان لائی جاتی ہے نہ کہ ایک معرفہ اور ایک نکرہ کے درمیان اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ اللہ معرفہ ہے اور خَيْرًا نکرہ؟

جَوَاب: خَيْرًا خالص نکرہ نہیں ہے بلکہ مشابہ معرفہ ہے اس لئے کہ اس پر حرف تعریف الف لام داخل نہیں ہوتا اگر خالص نکرہ ہوتا تو حرف تعریف کا داخل ہونا صحیح ہوتا؛ لہذا دونوں کے درمیان ضمیر فصل لانا جائز ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَذْنَى، جب سورت کے آغاز میں نصف شب یا اس سے کم یا زیادہ قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی تھی، کبھی دو تہائی سے کم کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی، جیسا کہ یہاں ذکر ہے، لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا دوسرے نصف یا ثلث یا دو ثلث شب کے قیام کا تعین اس سے بھی زیادہ مشکل تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ فرض کو استحباب میں تبدیل کر دیا گیا، اب یہ نہ امت کے لئے فرض ہے اور نہ نبی کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لئے ہے نبی ﷺ کے لئے تہجد فرض تھا۔

وَمَا تَقْدُمُوا لَأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ، یعنی تم نے آگے اپنی آخرت کے لئے جو کچھ بھیج دیا وہ تمہارے لئے اس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا میں روک رکھا ہے، اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہ کیا، حدیث میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ”اَيُّكُمْ مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالٍ وَارِثِهِ“ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو، فرمایا اَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا حال واقعی یہی ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ”اِنَّمَا مَالٌ اَخَذَكُمْ مَا قَدَّمَ وَمَالٌ وَارِثُهُ مَا اَخَّرَ“ تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا اور جو کچھ تم نے روک رکھا ہے وہ تو وارث کا مال ہے۔

(بخاری، نسائی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا الْكُوفَةُ

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً.

سورہ مدثر مکی ہے، پچپن آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ السَّبِيُّ وَأَصْلُهُ الْمُتَدَثِّرُ أُدْغِمَتْ التَّاءُ فِي الدَّالِ أَيْ الْمُتَلَفَّفُ بِثِيَابِهِ عِنْدَ نُزُولِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ خَوْفُ أَهْلِ مَكَّةَ بِالنَّارِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ ۝ عَظُمَ عَنْ إِشْرَاكِ الْمُشْرِكِينَ وَثِيَابُكَ فَطَهَّرٌ ۝ غَنِ النَّجَاسَةِ أَوْ قَصَرَهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خِيَلًا فَرُبَّمَا أَصَابَهَا نَجَاسَةٌ وَالرُّجُزُ فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَوْتَانِ فَاهْجُرْ ۝ أَيْ دُمَ عَلَى هَجْرِهِ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ بِالرَّفْعِ حَالٌ أَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ أَكْثَرِيَّتَهُ وَهَذَا خَاصٌّ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ مَا مَوْزٍ بِأَجْمَلِ الْأَخْلَاقِ وَأَشْرَفِ الْأَدَابِ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ عَلَى الْآوَابِرِ وَالنَّوَاهِي فَإِذَا انْقَرَفَ فِي النَّاقُورِ ۝ نُفِخَ فِي الصُّورِ وَهُوَ الْقُرْنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ فَذَلِكَ أَيْ وَقْتُ النِّقْرِ يَوْمَئِذٍ بَدَلُ مِمَّا قَبْلَهُ الْمُبْتَدَأُ وَبُنِيَ لِإِضَافَتِهِ إِلَى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ يَوْمَ عَسِيرٍ ۝ وَالْعَابِلُ فِي إِذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ أَيْ اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرِ عَسِيرٍ ۝ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ يَسِيرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَيْ فِي عُسْرِهِ ذَرْنِي أَتْرَكْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ عَطَفْتُ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٌ مَعَهُ وَجِدًّا ۝ حَالٌ مِنْ مَنْ أَوْ مِنْ ضَمِيرِهِ الْمَحذُوفِ مَنْ خَلَقْتُ أَيْ مُنْفَرِدًا بِأَهْلِ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَلِيدُ بِنِ الْمَغِيرَةِ وَجَعَلْتُ لَهُ مَا لَا مَمْدُودًا ۝ وَاسِعًا مُتَّصِلًا مِنَ الزَّرُّوعِ وَالضَّرُّوعِ وَالتِّجَارَةِ وَبَيْنَ عَشْرَةٍ أَوْ أَكْثَرَ شُهُودًا ۝ يَشْهَدُونَ الْمَحَافِلَ وَتُسْمَعُ شَهَادَتُهُمْ وَمَهَّدْتُ بَسَطْتُ لَهُ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمُرِ وَالْوَلَدِ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا لَا أَزِيدُهُ عَلَى ذَلِكَ إِنَّهُ كَانَ لِأَيَّتِنَا أَيْ الْقُرْآنِ عَيْنِدًا ۝ مُعَانِدًا سَارَهُ قَهْ أَكَلَفُهُ صَعُودًا ۝ مَشَقَّةً مِنَ الْعَذَابِ أَوْ جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فِيهِ ثُمَّ يَهْوَى أَبَدًا إِنَّهُ فَكَّرَ فِيمَا يَقُولُ فِي الْقُرْآنِ الَّذِي سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدَّرَ ۝ فِي نَفْسِهِ ذَلِكَ فَقَتِلَ لَعْنٌ وَعُذِبَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ عَلَى أَيْ حَالٍ كَانَ تَقْدِيرُهُ

ثُمَّ قِيلَ كَيْفَ قَدَرٌ ۖ ثُمَّ نَظَرَ ۚ ۱۱ فِی وجودِ قُوْمِہِ اَوْ فِیْمَا یَقْدَحُ بِہِ ثُمَّ عَبَسَ قَبْضَ وَجْہِہِ وَ كَلَحَ ضَیْقًا بِمَا یَقُولُ وَ بَسَرَ ۚ ۱۲ زَادَ فِی الْقَبْضِ وَالْكُلُوحِ ثُمَّ اَدْبَرَ عَنِ الْاِیْمَانِ وَاسْتَكْبَرَ ۚ ۱۳ تَكَبَّرَ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَقَالَ فِیْمَا جَاءَ بِہِ اِنْ مَا هَذَا اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْتِرُ ۚ ۱۴ یُنْقَلُ عَنِ السَّحَرَةِ اِنْ مَا هَذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۚ ۱۵ كَمَا قَالُوا اِنَّمَا یُعَلِّمُہُ بَشَرٌ سَأْصِلِیْہِ اُدْخِلْہُ سَقْرًا ۚ ۱۶ جَهَنَّمَ وَمَا اَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ۚ ۱۷ تَعْظِیْمٌ لِشَانِہَا لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ۚ ۱۸ شَیْئًا مِنْ لَحْمٍ وَلَا عَصَبٍ اِلَّا اَهْلَكَتْہُ ثُمَّ یَعُوذُ كَمَا كَانَ لَوَاحَةٍ لِلْبَشَرِ ۚ ۱۹ مُخْرِقَةً لِظَاہِرِ الْجِلْدِ عَلَیْہَا تِسْعَةُ عَشَرَ ۚ ۲۰ مَلَكًا خَزَنَتْہَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قُوًیًّا شَدِیْدَ الْبَاسِ اَنَا اَكْفِیْكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ وَ اَكْفُوْنِی اَنْتُمْ اِثْنِیْنِ قَالَ تَعَالٰی وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ اِلَّا مَلَائِكَةً اِی فَلَ یُطَاقُوْنَ كَمَا یَتَوَهَّمُوْنَ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتْہُمْ ذٰلِكَ اِلَّا فِتْنَةً ضَلٰلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ ۲۱ بَانَ یَقُولُوْا لِمَ كَانُوْا تِسْعَةَ عَشَرَ لَیْسَتْ یَقِیْنٌ لِّیْسْتَبِیْنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ اِی الْیَہُودُ صَدَقَ النَّبِیُّ فِی كُوْنِہُمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُوَافِقَ لِمَا فِی كِتَابِہُمْ وَ یَزِدَادُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِیْمَانًا تَصْدِیْقًا لِّمُوَافَقَةٍ مَا اَتٰی بِہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لِمَا فِی كِتَابِہُمْ وَلَا یَرْتَابُ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ غَیْرِہُمْ فِی عَدَدِ الْمَلَائِكَةِ وَلِیَقُولَ الَّذِیْنَ فِی قُلُوْبِہُمْ مَّرَضٌ شَكُّ بِالْمَدِیْنَةِ وَالْكَافِرُوْنَ بِمَكَّةَ مَا ذَا اَرَادَ اللہُ بِہَذَا الْعَدَدِ مَثَلًا سَمُوْہُ لِغَرَابِیْتِہِ بِذٰلِكَ وَاَعْرَبَ حَالًا كَذٰلِكَ اِی مِثْلُ اضْلَالٍ مُنْكَرٍ هَذَا الْعَدَدِ وَیُھْدٰی مُصَدِّقِہِ یُضِلُّ اللہُ مَنْ یَّشَآءُ وَیُھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ الْمَلَائِكَةُ فِی قُوَّتِہُمْ وَاعْوَانِہُمْ اِلَّا هُوَ وَمَا هِیْ اِی سَقْرًا اِلَّا ذِکْرٌ لِلْبَشَرِ ۚ ۲۲

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اے کپڑا اوڑھنے والے! نبی ﷺ (مدثر) کی اصل متدثر تھی، تاء کو دال میں ادغام کر دیا گیا، یعنی نزول وحی کے وقت اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے! کھڑا ہو جا اور اہل مکہ کو آگ سے ڈرا اگر ایمان نہ لائیں، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، مشرکین کے شرک کرنے سے بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھا کر یا ان کو اونچا رکھ، متکبرین عرب کے کپڑوں کو (زمین) پر گھسیٹنے کے برخلاف، اس لئے کہ بسا اوقات کپڑوں کو نجاست لگ جاتی ہے، اور بتوں کو چھوڑ دے، رُجز کی تفسیر آپ ﷺ نے بتوں سے فرمائی ہے، یعنی ترک بتاں پر قائم رہ، اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر رفع کے ساتھ حال ہے زیادہ طلب کرنے کے لئے کوئی چیز نہ دے (یہ حکم) آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ آپ ﷺ اجملِ آداب اور اشرفِ اخلاق کے مامور ہیں، اور اپنے رب کے لئے اوامر و نواہی پر صبر کر پس جب صورت میں پھونک ماری جائے گی (اور) وہ سینگ ہے، یہ فتحِ ثانیہ ہوگا، تو وہ پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا یَوْمَئِذٍ اپنے ماقبل (ذٰلک) مبتداء سے بدل ہے اور غیر

متمکن کی طرف اس کی اضافت کی وجہ سے مٹی ہے، اور مبتداء کی خبر یسوم عسیر ہے اور اذا میں عامل وہ ہے جس پر جملہ (جزائیہ) دلالت کر رہا ہے، اور (مدلول) اِشْتَدَّ الْأَمْرُ ہے جو کافروں پر آسان نہ ہوگا اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ مومن کے لئے آسان ہے یعنی وہ دن اپنی عسرت کے باوجود مومنین کے لئے عسیر نہ ہوگا، مجھے اور اسے جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے چھوڑ دے (وَمَنْ خَلَقْتُ) کا عطف ذَرْنِی کے مفعول پر ہے یا مفعول معہ ہے، (وَحِیْدًا) مَنْ سے یا مَنْ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف سے حال ہے (ای خَلَقْتُهُ) وَحِیْدًا معنی میں منفردا کے ہے یعنی بلا اہل اور بلا مال کے پیدا کیا، اور وہ ولید بن مغیرہ مخزومی ہے، اور اسے میں نے بہت سا مال دے رکھا ہے جو کہ کھیتی اور جانور اور مال تجارت پر مشتمل ہے اور حاضر باش دس یا اس سے زیادہ فرزند بھی دیئے جو محفلوں میں حاضر رہتے ہیں اور ان کی شہادت سنی جاتی ہے اور میں نے اسے عیش میں اور عمر میں اور اولاد میں بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں! میں اس سے زیادہ نہیں دوں گا وہ ہماری آیتوں قرآن کا دشمن ہے میں اسے عنقریب عذاب کی ایک بڑی مشقت میں ڈالوں گا یا آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا جس پر وہ ہمیشہ ہمیش چڑھتا اترتا رہے گا، اس کو غور و فکر کرنے کے بعد تجویز سوچھی اس کے لئے ہلاکت ہو ملعون اور معذب ہو، کیسی تجویز سوچھی؟! یعنی کس طرح کی تجویز سوچھی، وہ پھر غارت ہو کیسی تجویز سوچھی؟! پھر اس نے اپنی قوم کی طرف دیکھا یا سوچا کہ کس طریقہ سے اس میں عیب نکالے؟ پھر اس نے منہ بنایا اور بات کہنے کے لئے منہ سکیڑا، (پھر) اور زیادہ منہ بنایا اور بگاڑا، پھر وہ ایمان سے پیچھے ہٹ گیا، اور نبی ﷺ کے اتباع سے تکبر کیا پھر اس نے بات کہی تو اس نے کہا یہ تو پہلے سے چلا آتا جادو ہے اور یہ تو محض انسانی کلام ہے جیسا کہ انہوں نے کہا کہ اس کو کوئی بشر سکھاتا ہے میں اس کو عنقریب جہنم میں داخل کروں گا اور تجھے کیا خبر کہ جہنم کیا چیز ہے؟ ابہام جہنم کی تعظیم شان کے لئے ہے، گوشت اور رگ پٹھوں سے نہ کچھ باقی رہنے دیتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے مگر یہ کہ اس کو سوختہ کر دیتی ہے پھر وہ سابقہ حالت پر ہو جاتا ہے اور وہ کھال کو جھلسا دیتی ہے یعنی ظاہر جلد کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور اس پر انیس نگران فرشتے مقرر ہیں بعض کفار نے جو کہ طاقتور اور سخت گرفت والا تھا کہا سترہ کے لئے میں (اکیلا) کافی ہوں گا، اور دو سے تم میری مدد کرنا، اور ہم نے دوزخ کے نگران صرف فرشتے رکھے ہیں یعنی یہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ ان کا خیال ہے اور ہم نے فرشتوں کی مذکورہ تعداد کافروں کی آزمائش کے لئے رکھی ہے، بایں طور کہ انہوں نے کہا کہ فرشتے انیس ہی کیوں ہیں؟ تا کہ اہل کتاب پر جو کہ یہود ہیں فرشتوں کی تعداد کے انیس ہونے میں آپ ﷺ کی صداقت ظاہر ہو جائے اس لئے یہ تعداد اس تعداد کے مطابق ہے کہ جو ان کی کتاب میں ہے اور تا کہ اہل کتاب میں سے مومنین کا ایمان اس تعداد سے کہ جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی اس تعداد کے مطابق ہونے کی وجہ سے جو ان کی کتاب میں ہے اور زیادہ ہو جائے، اور مومنین اور اہل کتاب وغیرہ شک نہ کریں، اور مدینہ کے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض شک ہے اور مکہ کے کافر کہیں کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں اللہ کا کیا مقصد ہے؟ (اس بیان تعداد کو)

اس کی غرابت کی وجہ سے اس کا نام مثل رکھا ہے اور مثلاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس طرح یعنی اس عدد کے منکر اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مثل، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تیرے رب کے فرشتوں کے لشکر کی تعداد کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کی قوت میں اور تعداد میں اور یہ دوزخ تو بنی آدم کے لئے سراسر نصیحت ہے۔

تَحْقِیْقُ وَتَرْکِیْبُ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدُ

قَوْلًا: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، الْمُدَّثِّرُ، لَا بَسُ الدِّثَارِ، وَهُوَ مَا فَوْقَ الشَّعَارِ، شِعَارُ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن سے متصل ہو جیسا کہ بنیان وغیرہ اور دثار وہ کپڑا جو شعار کے اوپر پہنا جائے مثلاً چادر، چونہ، شیروانی، کوٹ وغیرہ۔

قَوْلًا: قُمْ، قُمْ کے معنی خواب گاہ وغیرہ سے اٹھنے کے بھی ہیں اور کسی کام کو شروع کرنے کے بھی ہیں يقال قُمْتُ بكذا میں نے فلاں کام شروع کر دیا۔

قَوْلًا: وَالرَّجُزُ، راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ زاء، سین سے بدلی ہوئی ہے، اصل میں رجس ہے بمعنی ناپاکی، گندگی، بت، گناہ وغیرہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ“۔

قَوْلًا: بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ یعنی یَوْمَئِذٍ، ذَلِكَ اسم اشارہ سے بدل ہے۔

قَوْلًا: الْمَبْتَدَاءُ یہ مِمَّا قَبْلَهُ میں مآ کا بیان ہے یعنی یَوْمَئِذٍ، ذَلِكَ سے بدل ہے جو کہ متبداء ہے۔

قَوْلًا: بُنِیَ لِإِضَافَتِهِ إِلَى غَيْرِ مَتَمَكِّنٍ یعنی یَوْمَئِذٍ بنی ہے غیر متمکن یعنی اِذْ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے، یَوْمَئِذٍ کی تنوین جملہ محذوف کے عوض میں ہے اِی یَوْمَ اِذْ نُقِرَ فِی النَّاظِرِ۔

قَوْلًا: وَالْعَامِلُ فِی إِذَا، مَا ذَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ، یعنی اِذَا نُقِرَ فِی النَّاظِرِ میں اِذَا کا عامل وہ فعل محذوف ہے جس پر جملہ جزائیہ یعنی فَذَٰلِكَ یَوْمَ عَسِیرٌ دلالت کر رہا ہے اور وہ عامل اِشْتَدَّ الْأَمْرُ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِشْتَدَّ الْأَمْرُ اِذَا نُقِرَ فِی النَّاظِرِ۔

قَوْلًا: عَظِفَ عَلَى الْمَفْعُولِ یعنی ذَرْنِیْ کی یاء پر، یا پھر مفعول معہ ہے یعنی وَمَنْ خَلَقْتُ میں واو بمعنی مع ہے۔

قَوْلًا: أَوْ مِنْ ضَمِيرِهِ الْمَحذُوفِ یعنی وَحِیدًا یَا تَوَمَّنْ سے حال ہے یا خَلَقْتُ کی ضمیر محذوف سے حال ہے اس لئے کہ اصل میں خَلَقْتُهُ ہے۔

قَوْلًا: لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرْ دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی ہے یہ عطف تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلًا: مِنْ غَیْرِ هُمْ اس کے اضافہ کا مقصد، اعتراض تکرار کو دفع کرتا ہے۔

اعتراض: وَیَزِدَادُ الَّذِیْنَ آمَنُوا میں اہل کتاب میں سے مومنین مراد ہیں اور وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ أَوْتُوا الْكِتَابَ

سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان نہیں لائے اور المؤمنون سے پھر وہ اہل کتاب مراد ہیں جن کا بیان شروع میں ہوا لہذا یہ تکرار ہے، مَنْ غِیْرَہُمْ کہہ کر اس اعتراض کو دفع کر دیا، دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ اول سے مؤمنین اہل کتاب مراد ہیں اور ثانی المؤمنون سے غیر اہل کتاب مراد ہیں۔

قَوْلًا: بِالْمَدِیْنَةِ، اِنِّیْ کَانَآ بِالْمَدِیْنَةِ یہ حال ہے، مدینہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ نفاق مدینہ میں ہی تھا، مکہ میں نفاق نہیں تھا۔

قَوْلًا: وَهَدٰی، ہَا کَافَتْہُ اَوْرِدَالِ کَا سَکُوْنِ نِیْزَہَا کَا ضَمِّہُ اَوْرِدَالِ کَا فَتْحُ دُوْنُوں جَا ز ہِیْنَ۔ (صاوی)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

یَاٰیہَا الْمُدَّثِّرُ (الآیۃ) سورۃ مدثر قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں، اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت بھی کہا ہے مگر روایات صحیحہ معروفہ کی رو سے سورۃ اقرأ کی مالم یعلم تک، ابتدائی آیات کا سب سے پہلے نزول ہوا ہے، فترت وحی کے تین سالہ زمانہ کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ المدثر کی فہم جرت تک، کی آیات ہیں، فترت وحی کی وجہ سے آپ ﷺ زیادہ کبیدہ خاطر رہتے تھے، بعض اوقات یہ کبیدگی اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے گر کر اپنی جان قربان کر دیں مگر جبریل امین ظاہر ہوتے اور فرماتے آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس سے آپ ﷺ کو سکون ہوتا اور اضطرابی کیفیت دور ہو جاتی۔ (ابن جریر)

اسی زمانہ فترت کے آخر میں امام زہری کی روایت کے مطابق یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آپ ﷺ مکہ میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے آپ ﷺ نے ایک آواز سنی تو ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا جب آسمان کی طرف دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں سورۃ اقرأ کی آیات لے کر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اس کو اس حال میں دیکھ کر وہی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہو گئی جو غار حراء میں سورۃ اقرأ کی آیات نازل ہونے کے وقت ہوئی تھی، سخت سردی اور لکپی کے احساس سے، آپ ﷺ گھر واپس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا زمelonی، زمelonی اور آپ ﷺ کپڑا اوڑھ، پیٹ کر لیٹ گئے، اور بعض روایات میں آپ ﷺ نے فرمایا ذئرونی، ذئرونی مجھے کپڑا اڑھاؤ، دونوں کلموں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، اسی حالت میں حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا:

”یَاٰیہَا الْمُدَّثِّرُ“ اس کے بعد آپ ﷺ پر لگا تا روحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سورت کی ابتدائی سات آیتیں نازل ہوئیں، یَاٰیہَا الْمُدَّثِّرُ اور یَاٰیہَا الْمَزْمَل یہ طرز خطاب، عام خطاب یَاٰیہَا النَّبِیُّ، یَاٰیہَا الرَّسُوْلُ کے خطاب سے

مختلف ہے اس خطاب میں شفقت، محبوبیت اور قربت نمایاں ہے اس طرز خطاب سے اللہ کا مقصد آپ ﷺ کے اس خوف کو دور کرنا تھا جو جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر طبعی طور پر آپ ﷺ پر طاری ہو گیا تھا، فرمایا آپ اوڑھ لپیٹ کر لیٹ کہاں گئے، اٹھئے! اب لیٹنے کا وقت ختم ہوا، آپ ﷺ پر تو ایک کار عظیم کا بوجھ ڈالا گیا ہے جسے انجام دینے کے لئے آپ ﷺ کو پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

سورہ مدثر اور سورہ مزمل میں سے کوئی سورت پہلے نازل ہوئی اس میں روایات بہت مختلف ہیں؛ لیکن اتنی بات طے شدہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں نزول قرآن کے ابتدائی دور کی ہیں اور ان دونوں کے نزول کا زمانہ بھی بہت قریب قریب ہے اور دونوں کا نزول ایک ہی واقعہ میں ہوا ہے، (معارف) مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورہ مزمل کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ اپنی ذاتی شخصیت کی اصلاح سے متعلق ہیں اور سورہ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت و تبلیغ اور اصلاح خلق سے ہے۔

سورہ مدثر میں سب سے پہلا حکم جو آپ ﷺ کو دیا گیا ہے، وہ قُمْ فَأَنْذِرْ ہے یعنی کھڑے ہو جائیے، اس کے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کپڑوں میں لپیٹ کر لیٹ گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد ہو کر کمر کسنا ہو اور مطلب یہ ہو کہ آپ ﷺ ہمت کر کے خلق خدا کی اصلاح کی ذمہ داری سنبھالیے، فَأَنْذِرْ یہ انداز سے مشتق ہے جس کے معنی شفقت اور محبت سے ڈرانے کے ہیں جس میں شفقت کے ساتھ ساتھ مضرت سے بھی بچانا ہو جیسے باپ اپنے بچہ کو سانپ بچھو آگ وغیرہ سے ڈراتا ہے، انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے، اسی لئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور آپ ﷺ کے گرد و پیش خدا کے جو بندے خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو خبردار کر دو انہیں اس انجام سے ڈراؤ جس سے وہ یقیناً دو چار ہوں گے اگر اسی حالت میں مبتلا رہے، اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں اور ان کے کسی عمل کی کوئی باز پرس نہ ہو۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، ایک نبی کا سب سے پہلا اور بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ جاہل انسان جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں، ان کی نفی کر دے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا کسی کی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمہ اللہ اکبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اذان و اقامت کی ابتداء اللہ اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے، نماز میں بھی مسلمان اللہ اکبر کہہ کر داخل ہوتا ہے، اور بار بار اللہ اکبر کہہ کر اٹھتا اور بیٹھتا ہے اور جب ذبح کرتا ہے تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر، اور نعرہ تکبیر پوری دنیا میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں امتیازی شعار ہے، کیونکہ اس امت کے نبی نے اپنا کام ہی اللہ اکبر کی تکبیر سے شروع کیا ہے۔

وَتِيَابَكَ فَطَهِّرْ، تِيَابَ کی جمع ہے اس کے حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب و لباس

کہا جاتا ہے، قلب و نفس کو، خلق و دین کو اور انسانی جسم کو بھی ثوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے شواہد قرآن مجید اور محاورات عرب میں بکثرت موجود ہیں، اس آیت میں بھی حضرات مفسرین سے یہ سب ہی معنی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان تمام معنی میں کوئی تضاد و تناقض نہیں، بطور عموم مجاز کے اگر یہ سب ہی معنی مراد لئے جائیں، تو اس میں کوئی بعد نہیں، اور معنی اس حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب و نفس کو باطل عقائد و خیالات سے اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھئے، پاجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی ممانعت بھی اسی سے مستفاد ہے؛ اس لئے کہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا نجاست سے آلودہ ہو جانا بعید نہیں۔

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتا ہے ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ“ اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان کہا گیا ہے، اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم، مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے، خواہ وہ عقائد و خیالات کی گندگی ہو یا اخلاق و اعمال کی یا جسم و لباس اور رہن سہن کی، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے گرد و پیش سارے معاشرے میں طرح طرح کی جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب سے اپنا دامن بچا کر رکھو، کوئی شخص آپ ﷺ پر انگلی نہ اٹھا سکے کہ جن برائیوں سے آپ ﷺ لوگوں کو روک رہے ہوں ان میں سے کسی کا بھی کوئی شائبہ آپ ﷺ کی زندگی میں پایا جائے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس پر احسان کرو بے غرضانہ کرو، آپ ﷺ کی عطا و بخشش، جو دوسخا، حسن سلوک و ہمدردی محض اللہ کے لئے ہو اس میں کوئی شائبہ اس خواہش کا نہ ہو کہ احسان کے بدلے آپ ﷺ کو کسی قسم کے دنیوی فوائد حاصل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ و تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے عوض اس سے زیادہ دے گا، یہ مذموم اور مکروہ ہے، قرآن کریم کی دوسری آیات سے اگرچہ عام لوگوں کے لئے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے بھی منافی ہے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ، یعنی جو کام آپ ﷺ کے سپرد کیا جا رہا ہے بڑے جان جو کھوں کا کام ہے، اس میں سخت مصائب اور صبر آزمائش و مشکلات اور تکلیفوں سے آپ ﷺ کو سابقہ پڑے گا، آپ کی اپنی قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو جائے گی، پورا عرب آپ ﷺ کے خلاف صف آرا ہو جائے گا مگر جو کچھ اس راہ میں پیش آئے اپنے رب کی خاطر اس پر صبر کرنا اور اپنے فرض کو پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے انجام دینا، اس سے باز رکھنے کے لئے خوف، طمع، لالچ، دوستی، دشمنی، محبت، غرضیکہ ہر چیز آپ ﷺ کے راستہ میں حائل ہوگی ان سب کے مقابلہ میں مضبوطی سے اپنے موقف پر قائم رہنا ہوگا۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ، فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ، اس سورت کا یہ حصہ، سورت کی ابتدائی آیات کے چند ماہ بعد اس

وقت نازل ہوا، جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علانیہ تبلیغ اسلام شروع ہو جانے کے بعد پہلی مرتبہ حج کا زمانہ آیا، تو سردارانِ قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس موقع پر پورے عرب کے لوگ آئیں گے ایسا نہ ہو کہ محمد ﷺ کے نئے دین سے لوگ متاثر ہو جائیں جس سے اس دین کو تقویت حاصل ہو جائے لہذا اس کے سد باب کے لئے کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

متفقہ لائحہ عمل کے لئے مشرکین مکہ کی کانفرنس:

قُمْ فَأَنْذِرْ، کی تعمیل میں جب آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی اور قرآن مجید کی پے درپے نازل ہونے والی سورتوں کو آپ ﷺ نے سنانا شروع کیا تو مکہ میں کھلبلی مچ گئی، اور مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، چند مہینے اس حال پر گزرے تھے کہ حج کا زمانہ آ گیا تو مکہ کے لوگوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس موقع پر تمام عرب سے حاجیوں کے قافلے آئیں گے، اگر محمد ﷺ نے ان قافلوں کی قیام گاہوں پر جا کر آنے والے حاجیوں سے ملاقاتیں کیں اور حج کے اجتماعات میں جگہ جگہ کھڑے ہو کر قرآن جیسا بے نظیر اور پرتاثر کلام سنانا شروع کر دیا، تو عرب کے ہر گوشہ تک ان کی دعوت پہنچ جائے گی، اس لئے قریشی سرداروں نے ایک کانفرنس کی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ حاجیوں کے آتے ہی ان کے اندر رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا جائے، اس پر اتفاق ہو جانے کے بعد ولید بن مغیرہ نے حاضرین سے کہا: اگر آپ لوگوں نے محمد ﷺ کے متعلق مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو ہم سب کا اعتبار جاتا رہے گا، اس لئے کوئی ایک بات طے کر لیجئے جسے سب بالاتفاق کہیں، کچھ لوگوں نے کہا ہم محمد ﷺ کو کاہن کہیں گے، ولید نے کہا نہیں خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے ان کے کلام سے قرآن کو دور کی بھی نسبت نہیں ہے، کچھ اور لوگ بولے: انہیں مجنون کہا جائے، ولید نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہے ہم نے دیوانے اور پاگل بہت دیکھے ہیں مجنون جیسی بہکی بہکی، الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہیں، کون باور کرے گا کہ محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ دیوانے کی بڑ ہے، لوگوں نے کہا: اچھا تو ہم شاعر کہیں گے، ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کی ساری اقسام سے واقف ہیں، اس کے کلام پر شاعری کی کسی قسم کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا، کچھ لوگ بولے تو ہم انہیں ساحر کہیں گے، ولید نے کہا وہ ساحر بھی نہیں ہے، جادو گروں کو ہم جانتے ہیں، جادو گراپنے جادو کیلئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں، یہ باتیں بھی محمد ﷺ پر چسپاں نہیں ہوتیں، پھر ولید نے کہا ان باتوں میں سے جو بات بھی تم کہو گے لوگ اس کو ناروا الزام سمجھیں گے، خدا کی قسم! اس کلام میں بڑی حلاوت ہے اس کی جڑ بڑی گہری اور اس کی ڈالیاں بڑی شمر دار ہیں، اس پر ابو جہل ولید کے سر ہو گیا اور اس نے کہا تمہاری قوم تم سے راضی نہ ہوگی جب تک کہ تم محمد ﷺ کے بارے میں کوئی بات نہ کہو، اس نے کہا اچھا مجھے سوچ لینے دو، پھر سوچ کر بولا: قریب ترین جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ تم عرب کے لوگوں سے کہو، یہ شخص جادو گر ہے، یہ ایسا کلام پیش کرتا ہے جو آدمی کو اس کے باپ، بھائی، بیوی، بچوں اور سارے خاندان سے جدا کر دیتا ہے، ولید کی اس بات کو سب نے قبول کر لیا پھر ایک منصوبہ کے مطابق حج کے زمانہ میں قریش کے وفود، حاجیوں کے درمیان پھیل گئے اور انہوں نے آنے والے زائرین کو خبردار کرنا شروع کر دیا کہ یہاں ایک ایسا شخص ہے جو بڑا جادو گر ہے اور

اس کا جادو خاندانوں میں تفریق ڈال دیتا ہے اس سے ہوشیار رہنا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کا نام خود ہی سارے عرب میں مشہور کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام)

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا یہ کلمہ وعید اور تہدید کے لئے ہے، یہ شخص جسے میں نے ماں کے پیٹ سے اکیلا پیدا کیا ہے اس کے پاس نہ مال تھا اور نہ اولاد، یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے، اللہ نے اسے اولاد ذکر سے نوازا تھا اس کے دس بارہ لڑکے تھے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے، مجلسوں اور محفلوں میں بلائے جاتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لئے بیٹوں کو کاروبار اور تجارت کے لئے باہر جانیکی ضرورت نہیں تھی، بارہ بیٹوں میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید۔ (فتح القدیر)

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً، جب جہنم کے نگرانوں کا ذکر فرمایا اور ان کی تعداد بیان فرمائی تو ابو جہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمی کا گروپ ایک ایک فرشتہ کے لئے کافی نہیں ہوگا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کلدہ نامی ایک شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا کہا، تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، سترہ فرشتوں کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں، کہتے ہیں کہ اسی نے آپ ﷺ کو کئی مرتبہ کشتی کا بھی چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی مگر وہ شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے، (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزاء اور آزمائش کا سبب بن گئی۔

كَلَّا اسْتَفْتَاخٍ بِمَعْنَى لَا وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ إِذَا بَفَتَحَ الذَّالِ ادْبَرَ ۖ جَاءَ بَعْدَ النَّهَارِ وَفِي قِرَاءَةِ إِذَا ادْبَرَ بِسُكُونِ الذَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ أَيْ مَضَى وَالصُّبْحُ إِذَا اسْفَرَ ۖ ظَهَرَ إِنَّهَا أَيْ سَقَرٌ لِأَحَدَى الْكَبِيرِ ۖ الْبَلَايَا الْعِظَامُ نَذِيرًا حَالٌ مِنْ أَحَدَى وَذُكِرَ لِأَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ لِلْبَشِيرِ ۖ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ أَنْ يَتَقَدَّمَ إِلَى الْخَيْرِ وَالْجَنَّةِ بِالْإِيمَانِ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۖ إِلَى الشَّرِّ أَوِ النَّارِ بِالْكَفْرِ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۖ مَرْهُونَةٌ مَا خُوذَةُ بِعَمَلِهَا فِي النَّارِ إِلَّا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ فَنَاجُونَ مِنْهَا كَانُونَ فِي جَنَّتٍ تَتَسَاءَلُونَ ۖ بَيْنَهُمْ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۖ وَحَالِهِمْ وَيَقُولُونَ لَهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْمُؤَحَّدِينَ مِنَ النَّارِ مَا سَلَكَكُمْ أَذْخَلَكُمْ فِي سَقَرٍ ۖ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۖ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمَسْكِينِ ۖ وَكُنَّا نَخُوضُ فِي الْبَاطِلِ مَعَ الْخَائِضِينَ ۖ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۖ الْبَغْثُ وَالْجَزَاءُ حَتَّى أَتَيْنَا الْيَقِينَ ۖ الْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعِينَ ۖ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَعْنَى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ فَمَا مُبْتَدَأُ لَهُمْ خَبْرُهُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ وَانْتَقَلَ ضَمِيرُهُ إِلَيْهِ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ۖ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ وَالْمَعْنَى أَيْ شَيْءٌ حَصَلَ لَهُمْ فِي إِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْإِتْعَاطِ كَانَتْهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفَرَةٌ ۖ وَخَشْيَةٌ

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۖ اَسَدِ اِیْ هَرَبَتْ مِنْهُ اَشَدُّ الْهَرَبِ ۖ بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ اَمْرِیْ مِنْهُمْ اَنْ یُّؤْتُوْنِیْ صُحُفًا مِّنْشَرَّةٍ ۙ اِیْ
 مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی بِاِیْتِبَاعِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَمَا قَالُوْا اَلَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَنْزِلَ عَلَیْنَا کِتَابًا
 تَقْرَءُ ۚ کَلَّا رَدَعَ عَمَّا اَرَادُوْهُ ۚ بَلْ لَا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۙ اِیْ عَذَابُهَا کَلَّا اِسْتِفْتٰحُ اِنَّهٗ اِیْ الْقُرْآنَ تَذٰکِرَةٌ ۙ
 عِظَةُ فَمَنْ شَاءَ ذَکُرْهُ ۙ قَرَأْهُ فَاتَّعَظْ بِهٖ ۙ وَمَا یَذْکُرُوْنَ بِالْبَیِّنٰتِ ۙ وَالتَّاءِ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۙ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی ۙ اَنْ
 یُّنْفِیْ وَاهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۙ اَنْ یَّغْفِرَ لِمَنْ اَتَّعَاهُ ۙ

ترجمہ: ہرگز نہیں! قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے (کلا) استفتاح کیلئے بمعنی آلا ہے (اذا) ذال کے فتح کے ساتھ (دبر) بمعنی جاء بعد النهار اور ایک قمرات میں اِذَا اَذْبَرَ ذال کے سکون کے ساتھ، اس کے بعد ہمزہ، بمعنی مضی یعنی گیا، اور قسم ہے صبح کی جب کہ روشن ہو جائے کہ یقیناً جہنم بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک ہے یعنی بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے، بنی آدم کو ڈرانے والی ہے (نَذِیْرًا) اِخْدٰی سے حال ہے (نَذِیْرًا) کو مذکر لایا گیا ہے اس لئے کہ (سَقَر) عذاب کے معنی میں ہے، ہر اس شخص کے لئے جو تم میں سے ایمان کے ذریعہ خیر یا جنت کی طرف آگے بڑھے یا (لِمَنْ شَاءَ) الْبَشَر سے بدل ہے، (اس شخص کے لئے بھی) کہ وہ نار کی طرف کفر کے ذریعہ پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کی وجہ سے دوزخ میں مرہون و ماخوذ ہے، مگر دائیں ہاتھ والے اور وہ مومنین ہیں کہ وہ جہنم سے نجات پانے والے ہیں کہ وہ جنتوں میں ہوں گے اور آپس میں مجرموں کے اور ان کے حال کے بارے میں پوچھتے ہوں گے اور موحدین، دوزخ سے نکلنے کے بعد مجرمین سے سوال کریں گے کہ تم کو دوزخ میں کس چیز نے داخل کر دیا؟ وہ جواب دیں گے، نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور ہم بھی (باطل) کے مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ باطل کے مشغلہ میں رہا کرتے تھے، اور ہم یوم بعثت اور روز جزاء کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی حتیٰ کہ ان کو شفاعت کرنے والوں یعنی فرشتوں اور نبیوں اور صالحین کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے شفاعت نہ ہوگی، تو انہیں کیا ہوا؟ مَا مبتداء ہے اور لَھُمْ اس کی خبر ہے، محذوف (حَصَلَ) کے متعلق ہے، جس کی طرف خبر کی ضمیر راجع ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں، مُعْرِضِیْنِ (لَھُمْ) کی ضمیر سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ نصیحت سے اعراض کرنے سے ان کو کیا حاصل ہوا؟ گویا کہ وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے اتباع نبی کے سلسلہ میں اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم ہرگز آپ ﷺ پر ایمان نہ لائیں گے، تا آن کہ ہم پر کتاب نازل نہ کی جائے جس کو ہم پڑھیں ایسا ہرگز نہیں، کَلَّا حرف ردع ہے اس چیز کا انکار کرنے کے لئے جس کا انہوں نے ارادہ کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت یعنی اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے، ہرگز نہیں! کَلَّا برائے استفتاح ہے، یہ قرآن ہی نصیحت ہے اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے کہ اس کو پڑھے اور اس سے نصیحت حاصل کرے اور یہ لوگ

خدا کی مشیت کے بغیر نصیحت حاصل نہیں کر سکتے وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور وہ اس لائق ہے کہ بخشے یعنی جو اس سے ڈرے اسے معاف کرے۔

تحقیق و ترمیم و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: كَلَّا اسْتَفْتَا حُ بِمَعْنَى آلا، كَلَّا حرفِ رَدِّع ہے یہ اس شخص کیلئے زجر و توبیخ ہے جو سقور (دوزخ) کو بڑی مصیبتوں میں سے تسلیم نہ کرے، واؤ قسمیہ جارہ ہے اور القمر مجرور ہے دونوں اُقسِمُ محذوف کے متعلق ہیں اِنَّهَا لِاحْدَى الْكُبَرِ مقسم علیہ ہے اور کُبَر، کُبَرٰی کی جمع ہے، (اعراب القرآن للدرریش) درویش نے کہا ہے کہ علامہ جلال الدین محلی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جو یہ فرمایا ہے کہ كَلَّا اسْتَفْتَا حُ بِمَعْنَى آلا ہے، اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اِذَا ذَبَرَ اس میں دو قراءتیں ہیں ① اِذَا ذَبَرَ، ذال کے فتح کے ساتھ ② اِذَا ذَبَرَ، ذال کے سکون کے ساتھ بعض نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، بعض نے کہا ہے ذَبَرَ بمعنی جَاءَ اور اِذَا ذَبَرَ بمعنی مضی، مفسر علامہ اسی طرف گئے ہیں۔

قَوْلُهُ: ذِكْرٌ لَّانَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ اِحْدَى الْكُبَرِ، ذوالحال مؤنث ہے اور نذیراً حال مذکر ہے حالانکہ حال ذوالحال میں مطابقت ضروری ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِحْدَى الْكُبَرِ سے مراد عذاب ہے جو کہ مذکر ہے، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: كَانُنُونَ، كَانُنُونَ محذوف مان کر مفسر علامہ نے اشارہ کر دیا کہ فِی جَنَّتٍ يَتَسَاءَلُونَ، محذوف کے متعلق ہے اور وہ جملہ ہو کر هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور مبتداء خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب ہے مَاشَانُهُمْ وَ حَالُهُمْ سوال ہے اور هُمْ فِی جَنَّتٍ جواب ہے۔

قَوْلُهُ: عَنِ الْمَجْرَمِينَ اِی عَنْ حَالِ الْمَجْرَمِينَ مضاف محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْمَعْنَى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ یہ بھی دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے "فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے شفاعت کرنے والے تو ہوں

گے مگر شفاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے شفاعت ہی نہ ہوگی؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نفی قید اور مقید دونوں پر داخل ہے یعنی نہ شفاعت ہوگی اور نہ شفاعت کا نفع۔

قَوْلُهُ: مَعْرُضِينَ یہ لُھُم کی ضمیر سے حال ہے، اور مَا لُھُم عَنْ التَّذْکِرَةِ مَعْرُضِينَ کا مطلب ہے اِی شَیْءٌ حَصَلَ لُھُمْ فِیْ اِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْاِتِّعَازِ؟ ان کو نصیحت سے اعراض کر کے کیا حاصل ہوا؟ مَا بمعنی مبتداء ہے لُھُمْ، حَصَلَ محذوف

کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر، اور حَصَلَ مَحْذُوف کی ضمیر مستتر، خبر یعنی جار مجرور لَہُمْ کی جانب راجع ہے۔
قَوْلًا، وَحْشِيَّةٌ یہ مستنفرۃ کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ”حمار وحشی“ ایک خاص قسم کے حمار کا نام ہے لہذا مناسب ہوتا اگر اسے حُمْر کے بعد متصل، لاتے، اور حُمْرٌ وَحْشِيَّةٌ مستنفرۃ فرماتے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

إِنِّهَا لِأَحَدَى الْكُبَرِ، ہا ضمیر سفر کی طرف راجع ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے، کُبَرٌ، کُبَرٰی کی جمع ہے اور مَصِیْبَةٌ یَا ذٰہِیَّةٌ کی صفت ہے۔

لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ، یہاں تَقَدَّمَ سے مراد تقدم الی الایمان والطاعة ہے اور تَأَخَّرَ سے مراد ایمان اور طاعة سے پیچھے ہٹنا ہے۔

رَهْنَةً، بمعنی مرہونہ ہے یعنی ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے، یعنی وہ عمل اگر نیک ہے تو اس کو عذاب سے چھڑا لے گا اور اگر بُرے ہیں تو ہلاک کر دے گا۔ (بقیہ آیات کی تفسیر واضح ہے)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ أَرْبَعُونَ آيَةً.

سورہ قیامہ مکی ہے، چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ لَا زَائِدَةٌ فِي الْمَوْضِعَيْنِ أَقْسَمُ بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝ وَلَا أَقْسَمُ
بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ ١ ۝ الَّتِي تَلُومُ نَفْسَهَا وَإِنْ اجْتَهَدَتْ فِي الْإِحْسَانِ ۝ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحذُوفٌ أَيْ لَتُبَعَثَنَّ دَلٌّ
عَلَيْهِ ۝ يَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَيْ الْكَافِرُ ۝ أَلَّنْ نَجْمَعُ عِظَامَهُ ۝ ٢ ۝ لِنُبْعَثَ ۝ وَالْإِحْيَاءُ بَلَى قُدْرَيْنِ مَعَ جَمْعِهَا
عَلَى أَنْ تُسَوَّى بَنَانُهُ ۝ ٣ ۝ وَهُوَ الْأَصَابِعُ أَيْ تُعِيدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكِبَرَةِ بَلَى
يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اللَّامُ زَائِدَةٌ وَنَصْبُهُ بِأَنْ مُقَدَّرَةٌ أَيْ أَنْ يَكْذِبَ أَمَامَهُ ۝ ٤ ۝ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ دَلٌّ عَلَيْهِ
يَسْأَلُ أَيَّانَ مَتَى يَوْمُ الْقِيَمَةِ ۝ ٥ ۝ سُؤَالٌ اسْتِهْزَاءٌ وَتَكْذِيبٌ ۝ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ ٦ ۝ بِكُسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا
دَبْشٌ وَتَحْزِيرٌ لَمَّا رَأَى مِمَّا كَانَ يَكْذِبُ بِهِ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ ٧ ۝ أَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْؤُهُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ ٨ ۝
فَطُلَعَا مِنْ الْمَغْرِبِ أَوْ ذَهَبَ ضَوْؤُهُمَا وَذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ ٩ ۝ الْفِرَارُ كَلًّا
رَدْعٌ عَنْ طَلَبِ الْفِرَارِ لَا وَنَزَرَ ۝ ١٠ ۝ لَا مَلْجَأَ يَتَحَصَّنُ بِهِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝ ١١ ۝ مُسْتَقَرُّ الْخَلَائِقِ فَيُحَاسِبُونَ
وَيُجَازَوْنَ ۝ يَنْبُؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ ١٢ ۝ بِأَوَّلِ عَمَلِهِ وَآخِرِهِ ۝ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ ١٣ ۝
شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهُ بِعَمَلِهِ وَالنَّهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ جَزَائِهِ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝ ١٤ ۝ جَمْعُ مَعْدِرَةٍ عَلَىٰ غَيْرِ
قِيَاسٍ أَيْ لَوْ جَاءَ بِكُلِّ مَعْدِرَةٍ مَا قُبِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالَىٰ لِنَبِيِّهِ لَا تُحَرِّكْ بِهِ بِالْقُرْآنِ قَبْلَ فَرَغِ جِبْرِئِيلَ مِنْهُ
لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ ١٥ ۝ خَوْفٌ أَنْ يَنْفِلَتْ مِنْكَ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ فِي صَدْرِكَ ۝ وَقُرْآنَهُ ۝ ١٦ ۝ قِرَائَتَكَ إِيَّاهُ أَيْ
جِزْيَانَهُ عَلَىٰ لِسَانِكَ فَإِذَا قَرَأَهُ عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ جِبْرِئِيلَ ۝ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ١٧ ۝ اسْتَمِعْ قِرَائَتَهُ فَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ ١٨ ۝ بِالتَّفْهِيمِ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةِ بَيْنَ هَذِهِ الْآيَةِ وَمَا قَبْلَهَا أَنَّ تِلْكَ
تَضَمَّنَتْ الْإِعْرَاضَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَهَذِهِ تَضَمَّنَتْ الْمُبَادَرَةَ إِلَيْهَا بِحِفْظِهَا ۝ كَلَّا اسْتِفْتَاخٌ بِمَعْنَى الْأَ

بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝ الدُّنْيَا بِالنَّاءِ وَالْبَاءِ فِي الْفَعْلَيْنِ ۝ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ فَلَا تَعْمَلُونَ لَهَا ۝ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ آسِ
فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ نَاضِرَةٌ ۝ حَسَنَةٌ مُّضِيَّةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ ۝ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بِآسِرَةٍ ۝ كَالْحِجَةِ شَدِيدَةِ الْعُبُوسِ
تَظُنُّ تُوَقِّنُ ۝ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ ذَابِيَّةٌ عَظِيمَةٌ تَكْسِرُ فَقَارَ الظُّهْرِ كَلَّا ۝ بِمَعْنَىٰ إِلَّا إِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ
الْتِرَاقِيَّ ۝ عِظَامَ الْحَلْقِ وَقِيلَ قَالَ مَنْ حَوْلَهُ مَنْ رَاقٍ ۝ يَرْقِيهِ لِيَشْفَىٰ ۝ وَظَنَّ أَيَقْنَنَّ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسُهُ
ذَلِكَ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ فِرَاقُ الدُّنْيَا وَالتَّقَتِ السَّاقِ بِالسَّاقِ ۝ أَيِ إِحْدَى سَاقِيهِ بِالْآخِرَىٰ عِنْدَ الْمَوْتِ
أَوِ التَّقَتِ شِدَّةُ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ إِقْبَالِ الْآخِرَةِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝ أَيِ السَّوْقِ وَبِذَا يَدُلُّ عَلَى
الْعَامِلِ فِي إِذَا الْمَعْنَىٰ إِذَا بَلَغَتْ النَّفْسُ الْحُلُقُومَ تَسَاقُ إِلَىٰ حُكْمِ رَبِّهَا.

۱۷

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، (لا اُفسم) میں لا زائدہ ہے، میں قسم

کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی کہ جو خود کو ملامت کرے، باوجودیکہ وہ نیکی کرنے میں جدوجہد کرتا ہے، اور جواب قسم محذوف ہے، یعنی تم کو ضرور زندہ کیا جائے گا، (اس حذف پر) اَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ الْخِلْعَ دَلَالَت کرتا ہے، کیا یہ کافر انسان یہ سمجھتا ہے کہ بعثت اور حیات کے لئے ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے؟ کیوں نہیں! ہم ان کو ضرور جمع کریں گے ہم ان کے جمع کرنے پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں (بَنَانُ) انگلیاں، یعنی ہم اس کی ہڈیوں کو چھوٹا ہونے کے باوجود اس حالت پر لوٹا دیں گے جس حالت پر وہ تھیں، تو بڑی ہڈیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ آنے والی قیامت کو جھٹلا دے، لام زائدہ ہے اور اس کا نصب اَنْ مَقْدَرِهِ کی وجہ سے ہے، اس پر یَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ دلالت کرتا ہے، وہ استہزاء اور تکذیب کے طور پر، سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ پس جب کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی (چندھیا جائیں گی) برق راء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ ہے یعنی مدہوش و متحیر ہو جائیں گی جب کہ وہ ان چیزوں کو دیکھے گا جن کی وہ تکذیب کیا کرتا تھا، اور چاند بے نور ہو جائے گا (یعنی) تاریک ہو جائے گا، اور اس کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے بایں طور کہ دونوں مغرب سے طلوع ہوں گے، یا دونوں کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور ایسا قیامت کے دن ہوگا، اس دن انسان کہے گا آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں! یہ فرار کی تردید ہے، کوئی پناہ گاہ نہیں، یعنی ایسا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جس میں وہ پناہ لے سکے، آج تو تیرے پروردگار ہی کی طرف فرار گاہ ہے (یعنی) مخلوق کا ٹھکانہ ہے، لہذا ان کا حساب لیا جائے گا اور ان کو صلہ دیا جائے گا اس انسان کو اگلے پچھلے سب اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا یعنی اس کا اول عمل بھی اور آخر عمل بھی بتلا دیا جائے گا بلکہ انسان خود اپنے نفس پر شاہد ہوگا، اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے، بَصِيرَةٌ (میں) ہا مباغہ کے لئے ہے لہذا اس کی جزاء کا واقع ہونا ضروری ہے، اگرچہ کتنے ہی حیلے بہانے پیش کرے، مَعَاذِ نَرَةٍ، مَعْدَرَةٌ کی جمع غیر قیاسی ہے، یعنی اگرچہ ہر قسم کے حیلے بہانے پیش کرے گا

مگر قبول نہیں کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس کو ضرور آگاہ کر دیں گے (اے نبی!) آپ ﷺ قرآن پڑھنے کے لئے جبریل علیہ السلام کے اس سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی زبان کو قرآن کے فوت ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر عجلت کرتے ہوئے حرکت نہ دیجئے، آپ ﷺ کے سینے میں اس کا جمع کرنا اور آپ ﷺ کو اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے یعنی اس کا آپ ﷺ کی زبان پر جاری کرنا (ہمارے ذمہ ہے) پس جبریل علیہ السلام کی قراءت کے ذریعہ آپ ﷺ سنیں تو آپ ﷺ اس کی قراءت کو سماعت فرمائیں چنانچہ آپ ﷺ (اول) سنتے پھر اس کو پڑھتے، پھر آپ ﷺ کو سمجھانے کے لئے اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے اس آیت اور سابقہ آیت کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ وہ آیت خدا کی آیتوں سے اعراض (کے مضمون) پر مشتمل ہے اور یہ آیت اللہ کے آیتوں کی حفاظت کی طرف سبقت (کے مضمون پر) مشتمل ہے (گویا کہ دونوں آیتوں میں علاقہ تضاد ہے لہذا دونوں آیتیں بے ربط نہیں ہیں) ہرگز ایسا نہیں! کلاً بمعنی الّا استفتاح کے لئے ہے، بلکہ تم دنیا کو محبوب رکھتے ہو، دونوں فعلوں میں یاء اور تاء کے ساتھ، اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو، کہ اس کے لئے عمل نہیں کرتے، اس دن یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے یعنی آخرت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق (اداس) بگڑے ہوئے ہوں گے یقین کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائے گا یعنی ایسی مصیبت نازل کی جائے گی کہ کمر کے منکوں کو توڑ کر رکھ دے گی، ہرگز ایسا نہیں! کلاً بمعنی الّا ہے، جب روح حلق کی ہڈیوں (ہنسی) تک پہنچے گی اور کہا جائے گا اور کہنے والے وہ ہوں گے جو اس (مرنے والے) کے آس پاس ہوں گے، کیا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ کہ اس پر جھاڑ پھونک کرے، تاکہ اس کو شفاء ہو جائے، اور جس شخص کی روح حلق میں پہنچے گی وہ یقین کر لے گا کہ یہ دنیا کو ترک کرنے کا وقت ہے اور موت کے وقت پنڈ لیاں آپس میں لپٹ جائیں گی یا دنیا کو چھوڑنے کی تکلیف آخرت میں داخل ہونے کی تکلیف سے لپٹ جائے گی، آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے مساق بمعنی سوق ہے اور یہ اذا میں عامل پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ ہیں، جب روح حلق میں پہنچے گی تو اس کو اس کے رب کے حکم کی طرف لے جایا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب تسبیح تفسیری فوائد

قَوْلًا: لَا أُقْسِمُ، لَا قسم پر زائدہ ہے، اور یہ کلام عرب میں نظم و نثر میں کثیر الوقوع ہے، قال امرؤ القیس۔

وَلَا وَابْنُكَ ابْنَةُ الْعَمَرِيِّ لَا يَدْعِي الْقَوْمُ اَنِّي اُفِر

اور کہا گیا ہے کہ لا نافیہ ہے، مقصد دعویٰ خصم کو رد کرنا ہے، یہاں لا منکرین بعث پر رد کرنے کے لئے لایا گیا ہے، گویا کہ کہا "لیس الامر کما زعموا اُقْسِمُ الخ" اور جیسا کہ کہا جاتا "لا واللہ"۔

قَوْلًا: اَلْكَ نَجْمَعُ، اَنْ مَخْفَفٌ عَنِ الثَّقِيلِ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، اِی اَنَّهُ اور لَنْ اور اس کا مدخول اَنْ کی خبر ہے، اَنْ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ ہو کر حَسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، (اَلْكَ) میں ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں ہے، یہ رسم مصحف کے طور پر ہے۔

قَوْلًا: قَادِرِينَ یہ فعل مقدر نَجْمَعُہَا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلًا: بَرَقَ الْبَصَرُ، بَرَقَ میں دو قراءتیں ہیں، راء کے کسرہ کے ساتھ اور فتح کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مُتَحَيِّرٌ اور خیرہ ہونے کے معنی ہیں اور فتح کی صورت میں دَهِشَ کے معنی ہیں، مفسر علام نے دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلًا: بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ، بَلِ الْإِنْسَانُ مبتداء ہے بَصِيرَةٌ خبر، یہاں انسان سے مراد جوارح (اعضاء) ہیں جو کہ جمع ہے لہذا مطابقت موجود ہے مفسر علام نے تَنْطِقُ جَوَارِحُہُ کہہ کر اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مُسْتَسْتَلِجًا: دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بَصِيرَةٌ میں تاء مبالغہ کی ہے نہ کہ تائید کی؛ لہذا کوئی اعتراض ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قَوْلًا: مَا قَبِلْتُ مِنْهُ مفسر علام نے اس عبارت کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ وَلَوْ أَلْقَىٰ میں لَوْ شرطیہ ہے اور مَا قَبِلْتُ اس کی جزاء مقدر ہے۔

قَوْلًا: اَنَّهُ، اِی النَّازِلُ بِهِ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

لَا أُقْسِمُ، کلام کی ابتداء، ”نہیں“ سے کرنا خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی جس کی تردید میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اور اگلے مضمون سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ وہ کیا بات تھی جس کی تردید مقصود ہے، اور وہ قیامت اور آخرت کی زندگی کے بارے میں تھی جس کا اہل مکہ انکار کر رہے تھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس کا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔

قرآن کریم نے نفس انسانی کی تین قسموں کا ذکر کیا ہے، ① ایک وہ نفس جو انسان کو برائیوں پر اکساتا ہے اس کا نام ”نفس امّارہ“ ہے، ② وہ نفس جو غلط کام کرنے یا غلط سوچنے یا بری نیت رکھنے پر نادم ہوتا ہے اور خود کو اس پر ملامت کرتا ہے، اس کا نام ”نفس لوامہ“ ہے، اسی کو آج کل کی اصطلاح میں ضمیر کہتے ہیں، ③ وہ نفس جو صحیح راہ پر چلنے اور غلط راہ چھوڑنے پر اطمینان محسوس کرتا ہے اس کا نام ”نفس مطمئنہ“ ہے۔

حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ”نفس لوامہ“ کی تفسیر ”نفس مؤمنہ“ سے کی ہے اور فرمایا واللہ مؤمن تو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا رہتا ہے، سیئات پر ملامت تو ظاہر ہی ہے، حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بہ مقابلہ شان حق سبحانہ

کے، کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت پورا ادا کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے ادائے حق میں کوتاہی اس کے پیش نظر رہتی ہے اس پر وہ ملامت کرتا رہتا ہے۔

نفسِ امارہ، لوامہ، مطمئنہ :

حضرات صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے (امارة بالسوء) ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت و مجاہدہ سے یہ ”نفسِ لوامہ“ بن جاتا ہے مگر بُرائی سے بالکلیہ اس کا انقطاع نہیں ہوتا، آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جائے اور خلافِ شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب ”مطمئنہ“ ہو جاتا ہے۔

ایک سلسلہ کلام کو موقوف کر کے آیت ۱۶ سے ۱۹ تک جملہ معترضہ کے طور پر آپ ﷺ سے فرمایا جاتا ہے کہ اس وحی کو یاد کرنے کے لئے آپ ﷺ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیجئے اس کو یاد کرانا اور پڑھونا ہمارا کام ہے الخ، اس کے بعد آیت ۲۰ سے پھر وہی مضمون شروع ہو جاتا ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے، یہ جملہ معترضہ اپنے موقع محل سے اور روایات کی رو سے بھی اس بنا پر دورانِ کلام میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت حضرت جبریل علیہ السلام یہ سورۃ حضور ﷺ کو سنارہے تھے اس وقت آپ ﷺ اس اندیشہ سے کہ کہیں بعد میں بھول نہ جاؤں اس کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے دھراتے جا رہے تھے، بعد میں جب آپ ﷺ کو اچھی طرح مشق ہو گئی اور تحمل وحی کی عادت پڑ گئی تو اس قسم کی ہدایت دینے کی ضرورت نہیں رہی، لہذا وہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں کوئی جوڑ اور ربط نہیں ہے جس کو مفسرِ علام نے علاقہ تضاد ثابت کر کے علاقہ ثابت کرنے کی بایں طور کوشش کی ہے کہ سابقہ آیات میں آیات سے اعراض کا ذکر تھا اور ان آیات میں سبقت الی الآیات کا ذکر ہے، اور یہی علاقہ تضاد ہے۔

يُنَبِّئُوا الْإِنْسَانَ يَوْمَ قَدَمٍ وَآخِرٍ، یہ ایک بڑا جامع فقرہ ہے، اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ آدمی کو اس روز یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں مرنے سے پہلے کیا نیکی یا بدی کیا کر اپنی آخرت کے لئے آگے بھیجی تھی؟ اور یہ حساب بھی اس کے آگے رکھ دیا جائے گا کہ اچھے یا برے اعمال کے کیا اثرات وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا تھا جو اس کے بعد مدتہائے دراز تک آنے والی نسلوں میں چلتے رہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسے وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو اسے کرنا چاہئے تھا مگر اس نے نہیں کیا اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا مگر اس نے کر ڈالا، تیسرے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اس کا پورا حساب تاریخ و اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، چوتھے معنی یہ ہیں کہ جو نیکی یا بدی اس نے کی وہ بھی اسے بتا دی جائے گی اور جن نیکی یا بدی کے کرنے سے وہ باز رہا اس سے بھی اسے آگاہ کر دیا جائے گا۔

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ، انسان کا اعمال نامہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا مگر اس رکھنے کی غرض درحقیقت یہ

نہیں ہوگی کہ مجرم کو اس کا جرم بتایا جائے بلکہ ایسا کرنا تو اس وجہ سے ضروری ہوگا کہ انصاف کے تقاضے برسرِ عدالت جرم کا ثبوت پیش کئے بغیر پورے نہیں ہوتے ورنہ ہر انسان خوب جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ اپنے آپ کو جاننے کے لئے وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اسے بتائے کہ وہ خود کیا ہے؟ ایک جھوٹا دنیا بھر کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن اسے خود کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، ایک چور لاکھ حیلے بہانے اپنی چوری چھپانے کے لئے اختیار کر سکتا ہے مگر اس کے نفس سے تو یہ بات مخفی نہیں کہ وہ چور ہے، اس لئے آخرت کی عدالت میں پیش ہوتے وقت ہر کافر، ہر منافق، ہر فاسق، ہر فاجر اور ہر مجرم خود جانتا ہوگا کہ وہ کیا کر کے آیا ہے اور کس حیثیت میں آج اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجْعَلَ بِهِ، یہاں سے لے کر آیت ۱۹ تک ایک جملہ معترضہ ہے جو سلسلہ کلام کو توڑ کر نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے جیسا کہ ماقبل میں ہم اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

ثُمَّ اِنْ عَلَيْنَا بَيَانَةٌ، یہ ایک بڑی اہم آیت ہے جس سے چند ایسی اصولی باتیں ثابت ہوتی ہیں جنہیں اگر آدمی اچھی طرح سمجھ لے تو ان گمراہیوں سے بچ سکتا ہے جن میں پہلے بھی بعض لوگ مبتلا ہوتے رہے ہیں اور آج بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔

اول اس سے صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف وہی وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں درج ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو ایسا علم دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں ہے جس کو اصطلاح میں ”وحی غیر متلو“ کہا جاتا ہے اس لئے کہ قرآن کے احکام و فرامین اس کے اشارات اور اس کی مخصوص اصطلاحات کا جو مفہوم و مدعا حضور ﷺ کو سمجھایا جاتا تھا وہ اگر قرآن ہی میں درج ہوتا تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس کا مطلب سمجھا دینا یا اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، کیونکہ وہ تو پھر قرآن ہی میں مل جاتا لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مطالب قرآن کی تفہیم و تشریح جو اللہ کی طرف سے کی جاتی تھی وہ بہر حال الفاظ قرآن کے ماسوا تھی یہ ”وحی خفی“ کا ایک اور ثبوت ہے جو ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔

كَذٰلِكَ بَلَّ تَحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ، یہاں سے سلسلہ کلام پھر جڑ جاتا ہے جو جملہ معترضہ سے پہلے چلا آ رہا تھا، ہرگز نہیں؛ کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے انکار آخرت کی اصل یہ وجہ نہیں ہے کہ تم خالق کائنات کو قیامت برپا کرنے اور مرنے کے بعد زندہ کرنے سے عاجز سمجھتے ہو؛ بلکہ اصل وجہ یہ ہے اور یہ انکار آخرت کی دوسری وجہ ہے پہلی وجہ آیت ۵ میں بیان کی گئی تھی کہ انسان چوں کہ فجو ر اور بے راہ روی کی کھلی چھوٹ چاہتا ہے اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتا ہے جو آخرت کے ماننے سے لازماً اس پر عائد ہوتی ہیں، اس لئے خواہشات نفس اسے انکار آخرت پر ابھارتی ہیں اور وہ عقلی دلیلیں بگھارتا ہے تاکہ اپنے اس انکار کو معقول ثابت کرے، اب دوسری وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ منکرین آخرت چوں کہ تنگ نظر اور کوتاہ بین ہیں اس لئے ان کی نگاہ میں ساری اہمیت انہیں نتائج کی ہے جو اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان نتائج کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا جو آخرت میں ظاہر ہونے والے ہیں۔

وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاطِرَةٌ، ناصرة بمعنی تروتازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش بشاش اور تروتازہ ہوں گے، یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار یکشم سر نصیب ہوگا،

اس پر اہل سنت والجماعت و فقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں اور ان کے انکار کی وجہ فلسفیانہ موشگافیاں اور شبہات ہیں کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے ان دونوں کے درمیان مسافت کے لئے جو شرائط ہیں، خالق اور مخلوق کے درمیان ان کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی رویت و زیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی نہ کسی جہت سے اس کا تعلق اور نہ کسی سمت سے اس کو ربط اور نہ کسی ہیئت و صورت سے اس کو سروکار روایات حدیث سے یہ مضمون بڑی صراحت و وضاحت سے ثابت ہے، بخاری شریف کی روایت ہے ”اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانًا“ تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے، مسلم و ترمذی میں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں مزید کچھ عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے: کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور کیا آپ نے ہمیں جہنم سے بچا نہیں لیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا اس وقت ان لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے تھے ان میں سے کوئی بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی دیدار سے مشرف ہوں، اور یہی وہ مزید انعام ہے جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے ”لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ“ بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کو دیکھیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے جب کہ درمیان میں بادل بھی نہ ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔ اسی مضمون سے ملتی جلتی اور کئی روایتیں ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن دیدار کی کیفیت اللہ کو معلوم ہے۔

كَلَّا اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (الایۃ) اس آیت میں انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنی موت کو نہ بھولے، موت سے پہلے پہلے ایمان اور عمل صالح کی طرف آجائے، تاکہ آخرت میں نجات ملے اس آیت میں موت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ غفلت شعار انسان غفلت میں رہتا ہے یہاں تک کہ موت سر پر آکھڑی ہو اور روح ترقوہ یعنی گلے کی ہنسی میں آپھنسے اور تیماردار لوگ دوا، علاج سے عاجز ہو کر جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تلاش کرنے لگیں اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسری پر لپٹنے لگے تو یہ وقت اللہ کے پاس جانے کا ہے، اب نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ عمل، اس لئے عقلمند پر لازم ہے کہ اس وقت سے پہلے اصلاح کی فکر کرے۔

فَلَا صَدَقَ الْاِنْسَانُ وَلَا صَلَّىٰ ۝۱۱ اِی لَمْ یُصَدِّقْ وَلَمْ یُصَلِّ وَلَٰكِنْ کَذَّبَ بِالْقُرْآنِ وَتَوَلَّى ۝۱۲ عَنِ الْاِیْمَانِ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطَّى ۝۱۳ یَتَبَخَّرُ فِیْ مِشْرِیْهِ اَعْجَابًا اَوَّلٰی لَکَ فِیْهِ التِّفَاتُ عَنِ الْغِیْبَةِ وَالْکَلِمَةُ اِسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّیْسِیْنِ اِی وَلِیْکَ مَا تَکْرَهُ فَاَوَّلٰی ۝۱۴ اِی فَهُوَ اَوَّلٰی بِکَ مِنْ غَیْرِکَ ثُمَّ اَوَّلٰی لَکَ فَاَوَّلٰی ۝۱۵ تَاکِیْدُ اَیْحَسَبُ یُظُنُّ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدٰی ۝۱۶ هِمْلًا لَا یُکَلِّفُ بِالْشَّرَایِعِ اِی لَا یَحْسِبُ ذَلِکَ

أَلَمْ يَكُنْ أَيْ كَانَ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَى ۖ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ ثُمَّ كَانَ الْمَنِيُّ عِلْقَةً فَخَلَقَ اللَّهُ مِنْهَا الْإِنْسَانَ فَسَوَّى ۖ عَدَلَ أَعْضَاءَهُ فَجَعَلَ مِنْهُ مِنَ الْمَنِيِّ الَّذِي صَارَ عِلْقَةً أَيْ قِطْعَةً دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً أَيْ قِطْعَةً لَحْمٍ الزَّوْجَيْنِ السَّوْعَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ۖ يَجْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَنْفَرِدُ كُلٌّ بِنُفْسِهِ عَنِ الْآخَرِ تَارَةً أَلَيْسَ ذَلِكَ الْفَعَالُ لِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُخَيَّرَ الْمَوْتُ ۖ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَىٰ ۚ

ترجمہ: انسان نے نہ تو تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی؛ لیکن اس نے قرآن کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی (خود پسندی) سے اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا؛ افسوس ہے تجھ پر اس میں غیبت سے (حاضر کی طرف) التفات ہے، اور (ویل) کلمہ اسم فعل ہے اور لام تبیین کے لئے ہے یعنی جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے، تجھ کو پیش آنے والی ہے حسرت ہے تجھ پر، پس وہ اولیٰ ہے تیرے لئے یعنی وہ تیرے لئے دوسروں کے اعتبار سے بہتر ہے، پھر وائے ہے تیرے لئے اور خرابی ہے تاکید ہے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟ کہ اس کو (احکام) و شرائع کا مکلف نہ بنایا جائے گا، کیا وہ منیٰ کا نطفہ نہیں تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟ یاء اور تاء کے ساتھ (یعنی) رحم میں ٹپکایا گیا ہے پھر وہ منیٰ کا قطرہ خون کا لوٹھڑا ہو گیا؟ بعد ازاں اللہ نے اس سے انسان پیدا فرمایا پھر اس کے اعضاء کو درست کیا پھر اس نطفہ منیٰ سے جو علقہ یعنی خون کا لوٹھڑا ہو گیا تھا مضغہ یعنی گوشت کا لوٹھڑا ہو گیا مذکر و مؤنث کا جوڑا بنایا؟ کبھی لڑکا لڑکی جمع ہو جاتے ہیں کبھی دونوں الگ الگ ہوتے ہیں، کیا ان چیزوں کا کرنے والا اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَاللَّامُ لِلتَّبْيِينِ، أَوَّلَىٰ لَكَ فِي لَامٍ مَفْعُولٍ كِي وَضاحت کے لئے زائدہ ہے جو مفعول پر داخل ہے جیسا کہ سقیّا لَكَ وَرَدَفَ لَكُمْ میں ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَيْلِكَ مَا تَكْرَهُ يہ معنی فعل کا بیان ہے یعنی جس کو تو ناپسند کرتا ہے وہ تجھ کو پیش آئے گا۔

قَوْلُهُ: يُمْنَى، بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ، اگرایا کیساتھ ہے تو مرجع منیٰ ہوگا اور اگر تاء کے ساتھ ہو تو مرجع نطفہ ہوگا۔

تفسیر و تشریح

أَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ الخ لفظ أَوَّلَىٰ، وَيْلٌ کا مقلوب ہے ”ویل“ کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں، یہاں اس شخص کیلئے جس نے کفر و تکذیب ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور دنیا کے مال و دولت میں مست رہا ہے، پھر اسی حالت پر مر گیا

اس کیلئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت و بربادی استعمال کیا گیا ہے سب علی الترتیب ثابت ہوں گے، مرنے کے وقت، پھر قبر میں، پھر حشر میں، پھر جہنم میں۔

الَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ الْخ یعنی کیا وہ ذاتِ حق جس کے قبضے میں موت و حیات اور سارا جہاں ہے اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورہ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اس کو یہ کلمات کہنا چاہئیں ”بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ“۔

بعض مفسرین نے فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى الْخ کا یہ ترجمہ کیا ہے، مگر اس نے نہ سچ مانا اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور پلٹ گیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا، یہ روش تیرے ہی لئے سزاوار ہے اور تجھے ہی زیب دیتی ہے۔

مفسرین نے اُولٰٓئِكَ، کے متعدد معنی بیان کئے ہیں: تف ہے تجھ پر، ہلاکت ہے تجھ پر، خرابی یا تباہی یا کمبختی ہے تیرے لئے، لیکن موقع و محل کے لحاظ سے اس کا مناسب ترین مفہوم وہ ہے جو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب تو اپنے خالق سے کفر کرنے کی جرأت کر چکا ہے تو پھر تجھ جیسے آدمی کو یہی چال زیب دیتی ہے جو تو چل رہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ

سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ ثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ الْإِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ أَحَدَى وَثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ انسان مکی ہے، اکتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَلْ قَدْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ آدَمَ حِينَ مِّنَ الدَّهْرِ أَرْبَعُونَ سَنَةً
لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْءٌ مَّذْكُورًا ۝ كَانَ فِيهِ مَصُورًا مِّنْ طِينٍ لَا يُذَكَّرُ أَوِ الْمُرَادُ بِالْإِنْسَانِ الْجِنْسُ وَبِالْحِينَ مُدَّةُ
الْحَمْلِ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ الْجِنْسَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۝ أَخْلَاطُ أَي مِّنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ
الْمُخْتَلِطَيْنِ الْمُتَمَزَّجَيْنِ نَبْتَلِيَهُ نَحْتَبِرُهُ بِالتَّكْلِيفِ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ أَوْ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ أَيْ مُرِيدَيْنِ ابْتِلَاءٌ هُوَ
حِينَ تَأَهَّلَهُ فَجَعَلْنَاهُ بِسَبَبِ ذَلِكَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ بَيَّنَّا لَهُ طَرِيقَ الْهُدَى بِبَعْثِ الرُّسُلِ
إِمَّا شَاكِرًا أَيْ مُؤْمِنًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ حَالَانِ مِنَ الْمَفْعُولِ أَيْ بَيَّنَّا لَهُ فِي حَالِ شُكْرِهِ أَوْ كُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةَ وَإِمَّا
لِتَفْصِيلِ الْأَحْوَالِ إِنَّا أَعْتَدْنَا هَيَّأُنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا يُسْحَبُونَ بِهَا فِي النَّارِ وَأَغْلَالًا فِي أَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ
فِيهَا السَّلَاسِلُ وَسَعِيرًا ۝ نَارًا مُّسَعَّرَةً أَيْ مُهَيَّجَةً يُعَذِّبُونَ بِهَا إِنَّ الْأَبْرَارَ جَمْعُ بَرٍّ أَوْ بَارٍ وَهُمْ
الْمُطِيعُونَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَاسٍ هُوَ إِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ وَهِيَ فِيهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِيَةً لِلْحَالِ بِاسْمِ
الْمَحَلِّ وَمِنْ اللَّتَبْعِيضِ كَانَ مَزَاجُهَا مَا يُمَزَّجُ بِهِ كَافُورًا ۝ عَيْنًا بَدَلٌ مِنْ كَافُورًا فِيهَا رَائِحَةٌ يَشْرَبُ بِهَا
مِنْهَا عِبَادُ اللَّهِ أَوْلِيَاءُ ۝ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يَقُودُونَهَا حَيْثُ شَاءُوا مِنْ مَنَازِلِهِمْ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ فِي طَاعَةِ
اللَّهِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ مُنْتَشِرًا وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ أَيْ الطَّعَامَ وَشَهْوَتِهِمْ لَهُ
مُسْكِنًا فَقِيرًا وَيَتِيمًا لَا أَبَ لَهُ وَأَسِيرًا ۝ يَغْنَى الْمَخْبُوسُ بِحَقِّ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لِيَطْلُبَ ثَوَابَهُ
لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ۝ شُكْرًا فِيهِ عَلَى الْإِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوا بِذَلِكَ أَوْ عَلِمَهُ اللَّهُ مِنْهُمْ فَأَنَّى
عَلَيْهِمْ بِهِ قَوْلَانِ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا غُوبًا تَكْلُحُ الْوُجُوهُ فِيهِ أَيْ كَرِيهَةِ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهِ قَمَطِيرًا ۝
شَدِيدًا فِي ذَلِكَ فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرُّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ أَغْطَاهُمْ نَصْرَةً حُسْنًا وَاضَاءَةً فِي وُجُوهِهِمْ وَسُرُورًا ۝

قوله حفص بعد الالف في الوصل لهما ووقف على الاول بالالف على الثاني غير الالف .

۱۹

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ جَنَّةً أُدْخِلُوهَا وَحَرِيرًا ۝ أَلْبَسُوهُ مُتَّكِينَ حَالٍ مِنْ مَرْفُوعٍ
أَدْخَلُوهَا الْمُقَدَّرَةَ وَكَذَا لَا يَرَوْنَ فِيهَا عَلَى الْأَرْكَانِ السُّرُرَ فِي الْجِبَالِ لَا يَرَوْنَ يَجِدُونَ حَالٍ ثَانِيَةً
فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَهْرًا ۝ أَيْ لَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا وَقِيلَ الزَّهْرُ يُرَى الْقَمَرُ فِيهِ بِمُضِيئَةٍ مِنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ وَدَانِيَةً
قَرِيبَةً عَطْفٌ عَلَى مَحَلٍّ لَا يَرَوْنَ أَيْ غَيْرَ رَائِينَ عَلَيْهِمْ مِنْهُمْ ظِلَالُهَا شَجَرُهَا وَذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا ۝
أَذْنَيْتَ ثَمَارُهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنِيَّةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ أَقْدَاحٍ بِأَلَا عُرَى
كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝ قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ أَيْ أَنَّهَا مِنْ فِضَّةٍ يُرَى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا كَالزُّجَاجِ قَدَّرُوهَا أَيْ الطَّائِفُونَ
تَقْدِيرًا ۝ عَلَى قَدَرٍ رَى الشَّارِبِينَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا تَقْصُ وَذَلِكَ الذُّ الشَّرَابُ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا أَيْ
خَمْرًا كَانَ مَزَاجُهَا مَا تُمَزَّجُ بِهِ زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا بَدَلٌ مِنْ زَنْجَبِيلٍ فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ۝ يَعْنِي أَنَّ مَاءَهَا
كَالزَنْجَبِيلِ الَّذِي تَسْتَلِدُّ بِهِ الْعَرَبُ سَهْلَ الْمَسَاغِ فِي الْحَقِّ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ بِصِفَةِ
الْوِلْدَانِ لَا يَشْيَبُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لِخُسْنِهِمْ وَانْتِشَارِهِمْ فِي الْخِدْمَةِ لَوْلَوْ أَمْنُورًا ۝ مِنْ سِلْكِهِ أَوْ
مِنْ صَدْفِهِ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ وَإِذَا رَأَيْتَ ثُمَّ أَيْ وَجَدْتَ الرُّؤْيَا مِنْكَ فِي الْجَنَّةِ رَأَيْتَ
جَوَابَ إِذَا نَعِيمًا لَا يُوصَفُ وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝ وَأَسْعَا لَا غَايَةَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَوْقَهُمْ فَنَصَبَهُ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ وَهُوَ
خَبَرُ الْمُتَبَدِّلِ بَعْدَهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُكُونِ الْيَاءِ مُتَبَدِّلًا وَمَا بَعْدَهُ خَبَرُهُ وَالضَّمِيرُ الْمُتَّصِلُ بِهِ لِلْمَطُوفِ
عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُندُسٌ حَرِيرٌ خَضِرٌ بِالرَّفْعِ وَاسْتَبْرَقٌ بِالْجَرِّ مَا غَلِظَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَهُوَ الْبَطَائِنُ
وَالسُّنْدُسُ الظَّهَائِرُ وَفِي قِرَاءَةِ عَكْسٌ مَا ذُكِرَ فِيهِمَا وَفِي أُخْرَى بَرَفَعِيهِمَا وَفِي أُخْرَى بِجَرِّهِمَا
وَحُلُّوْا آسَافًا مِنْ فِضَّةٍ ۝ وَفِي مَوْضِعٍ آخَرَ مِنْ ذَهَبٍ لِلْإِيْذَانِ بِأَنَّهُمْ يُحَلُّونَ مِنَ النَّوعَيْنِ مَعًا وَمُفَرَّقًا
وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ مُبَالِغَةً فِي طَهَارَتِهِ وَنَظَافَتِهِ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا إِنَّ هَذَا النِّعِيمَ
كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ۝

تَرْجُمَہ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بے شک انسان (یعنی) آدم پر، زمانہ
میں ایسا وقت (یعنی) چالیس سال بھی گزرا ہے کہ وہ اس میں کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا (بلکہ) وہ اس زمانہ میں ایک ناقابل ذکر
مٹی کا پتلا تھا، یا انسان سے جنس انسان مراد ہے، اور حین سے مدت حمل مراد ہے، بے شک ہم نے انسان کو مرد اور عورت
(یعنی) حال یہ کہ ہم اس کو اہل بنا کر آزمانے والے تھے، اسی لئے ہم نے اس کو شنوا اور بینا بنایا، ہم نے اس کو راہ دکھائی (یعنی)
رسول بھیج کر اس کے لئے راہ ہدایت واضح فرمائی، اب خواہ وہ شکر گزار مومن بنے، یا ناشکر ادونوں مفعول سے حال ہیں یعنی اس
کی حالت شکر یا حالت کفر میں جو اس کے لئے مقدر ہے (یعنی) راستہ واضح کر دیا، اور اِمَّا حالات کی تفصیل کے لئے ہے، بے

شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں جن کے ذریعہ ان کو آگ میں گھسیٹا جائے گا اور طوق ان کی گردن میں کہ جن میں زنجیروں کو باندھا جائے گا اور دکھتی ہوئی آگ جس میں ان کو عذاب دیا جائے گا تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ ایسا جام شراب پیئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی کس اس شراب کے اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو اور کاس سے مراد جام کی شراب ہے، یعنی محل بول کر حال مراد ہے اور مَنْ تبعیضہ ہے، (کافور) ایک چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے نیک بندے اس کے ولی پیئیں گے عیناً، کافور سے بدل ہے، وہ چشمہ کہ جس میں کافور کی خوشبو ہوگی اور اپنے گھروں میں جہاں چاہیں گے اس سے نہریں نکال کر لے جائیں گے اور خدا کی طاعت میں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے اور مسکین کو یعنی فقیر اور یتیم کو جس کا باپ نہ ہو اور قیدیوں کو جو (اس پر) کسی کے حق میں مجبوس ہو اس کھانے کی خواہش کے باوجود کھلاتے ہیں (حال یہ کہ وہ کہتے ہیں) ہم تو تمہیں خدا کی رضا مندی یعنی طلب ثواب کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری، اس میں کھانا کھلانے کی علت کا بیان ہے، خواہ انہوں نے یہ بات کہی ہو یا خدا کو ان کے بارے میں اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہو، دونوں قول ہیں، بے شک ہم اپنے پروردگار سے اداسی کے دن سے جس میں چہرے بگڑ جائیں گے ڈرتے ہیں یعنی اس دن کی نہایت شدت کی وجہ سے کریہہ المنظر ہو جائیں گے، پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی (یعنی) حسن اور چہرے کی رونق اور خوشی عطا فرمائی اور ان کے معصیت سے باز رہنے پر صبر کرنے کے بدلے انہیں جنت میں داخلہ اور ریشم کا لباس عطا فرمایا، یہ لوگ وہاں مسہریوں پر خیموں میں تکیہ لگائے بیٹھیں گے (متکئین) ادخلوها مقدر کی ضمیر مرفوع سے حال ہے نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے اور نہ جاڑے کی سردی، یعنی نہ گرمی اور نہ سردی ہوگی، (لَا یَسْرُونَ) لَا یَجِدُونَ کے معنی میں حال ثانیہ ہے، کہا گیا ہے کہ زمہریر سے مراد قمر ہے (جنت) بغیر شمس و قمر کے (نور عرش سے منور ہوگی) اور ان پر جنت کے درختوں کے سایہ جھکے ہوئے ہوں گے، (دانیۃ) کا عطف لَا یَرَوْنَ کے محل پر ہے اِی لَا یَرَوْنَ غَیْرَ دَائِنِ کے معنی ہیں، اور ان درختوں کے پھلوں کے گچھے نیچے لٹکائے گئے ہوں گے، یعنی ان درختوں کے پھل قریب کر دیئے گئے ہوں گے، کہ ان کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے حاصل کر لیں، اور جنت میں ان پر چاندی کے برتنوں اور ایسے جاموں کا دور چلایا جائے گا، کہ جوشیشے کے ہوں گے (اکواب) ایسے جام کہ جن میں ٹوٹی نہ ہو اور شیشے بھی چاندی کے یعنی وہ جام ایسی چاندی کے ہوں گے کہ جن کا اندر باہر سے نظر آئے گا، کانچ کے مانند اور دور چلانے والے ان جاموں کو ایک انداز سے پینے والوں کے پیاس سے مطابق بغیر زیادتی اور کمی کے بھریں گے اور یہ (طریقہ) لذیذ ترین طریقہ ہے اور انہیں وہاں ایسے جام شراب پلائے جائیں گے کہ جن کی آمیزش زنجبیل (سونٹھ) کی ہوگی یعنی ان میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی، جنت کے ایک چشمے سے کہ جس کا نام سلسبیل ہے، عیناً، زنجبیل سے بدل ہے یعنی اس کا پانی زنجبیل کی مانند ہوگا جس سے عرب لذت حاصل کرتے ہیں جس کا حلق سے اترنا سہل ہوگا، اور ان کے پاس ایسے نوخیز لڑکے آمد و رفت رکھیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یعنی نوجوانی کی

صفت سے ہمیشہ متصف رہیں گے کبھی بوڑھے نہ ہوں گے، اور جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ لڑی یا صدف سے بکھرے ہوئے موتی ہیں اور لڑی میں یا صدف میں حسین ترین معلوم ہونے کی وجہ سے، اور تو وہاں جہاں کہیں نظر ڈالے گا یعنی جب بھی تیری طرف سے رویت پائی جائے گی تو تو نعمت ہی نعمت کہ ان کی صفت بیان نہیں ہو سکتی اور بڑا ملک دیکھے گا ایسا وسیع کہ اس کو کوئی انتہا نہ ہوگی وہ سبز ریشم کے موٹے اور باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے (عَالِيَهُمْ) ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے، اور اس کا مابعد مبتداء کی خبر ہے، اور ایک قراءت میں یاء کے سکون کے ساتھ مبتداء ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے، اور (عَالِيَهُمْ) کی ضمیر متصل معطوف علیہ (یعنی) جنتیوں کی طرف راجع ہے، خُضْرُ رَفَعِ کے اور استبرقِ جر کے ساتھ، ریشم کے موٹے کپڑے کو کہتے ہیں اور وہ استر ہوگا، اور سُندُسُ ابرا (اوپر کا کپڑا) اور ایک قراءت میں مذکورہ قراءت کا عکس ہے اور ایک تیسری قراءت میں دونوں کا رفع ہے اور ایک اور قراءت میں دونوں کا جر ہے، اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ایک دوسری جگہ ہے کہ ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو دونوں قسم کے زیور ایک ساتھ یا متفرق طریقہ پر پہنائے جائیں گے، اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا وہ شراب اپنی طہارت اور نظافت میں انتہا درجہ پہنچی ہوگی بخلاف دنیا کی شرابوں کے (ان سے کہا جائے گا) یہ نعمتیں تمہارے لئے بطور صلہ کے ہیں اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْمِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: هَلْ قَدْ اس میں اشارہ ہے کہ ہَلْ بِمَعْنَى قَدْ ہے اس لئے کہ استفہام کے معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں، یا استفہام تقریری ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: عَلَى الْاِنْسَانِ، آدم یہاں انسان کی تفسیر آدم سے کی ہے اور آئندہ انسان کی تفسیر جنس آدم سے کی ہے، حالانکہ قاء ہے اِذَا أُعِيدَتِ الْمَعْرِفَةُ كَانَتْ عَيْنُ الْاُولٰی جب معرفہ کا اعادہ کیا جائے تو عین اولیٰ مراد ہوتا ہے اس کا مقتضی ہے دونوں جگہ انسان کی تفسیر آدم سے ہو۔

جَوَابُ: یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں۔

سُئِلَ جَوَابُ: خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ میں مضاف محذوف ہے اِی خَلَقْنَا ذُرِّيَّةَ الْاِنْسَانِ۔

قَوْلُهُ: نَبْتَلِيْهِ جملہ متانفہ ہے یا خَلَقْنَا کی ضمیر فاعل سے حال مقدرہ ہے اِی خَلَقْنَا حَالِ كَوْنِهِ مَرِيْذِيْنَ اِبْتِلَاءًا اس لئے کہ ابتلا بالتكاليف سمیع و بصیر ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے نہ کہ اس سے پہلے۔

قَوْلُهُ: اِنَّا هَدَيْنَاهُ یہاں ہدایت سے مراد دلالت اور رہنمائی ہے مفسر علام نے بیّنّا کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: كَاسٍ ”جام شراب“ یہاں کاس بول کر مجازاً شراب مراد ہے یعنی ظرف بول کر مظروف مراد ہے، اور اگر کاس سے ظرف ہی مراد لیا جائے تو مَن کو ابتداءً یہ ماننا ہوگا یعنی شراب پینے کی ابتداء جام شراب سے ہوگی، ظرف بول کر مظروف م

لینے سے تکلف کی وجہ یہ ہے کہ کَمَّا مِزَاجُهَا کَافُورًا جملہ ہو کر کَاسِ کی صفت واقع ہو رہی ہے ترجمہ یہ ہوگا، جنتی ایسے جام سے پئیں گے کہ جس میں کافور کی آمیزش ہوگی حالانکہ جام میں کافور کی آمیزش کا کوئی مطلب نہیں ہے؛ البتہ شراب میں آمیزش ہو سکتی ہے اسی شبہ کو دفع کرنے کے لئے کہہ دیا کَاس سے مافی الکَاس مراد ہے۔

قَوْلًا: يَشْرَبُ بِهَا، بَاءٌ مِیْنِ چَند وجود ہیں۔ ① بَاءُ زَائِدَةٌ اِیْ یَشْرَبُ بِهَا اس وقت یَشْرَبُ متعدی بنفسہ ہوگا، ② بمعنی مِیْنِ مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، ③ بَاءُ حَالِیْہِ، اِیْ مَمْزُوجَةٌ بِهَا ④ یَشْرَبُونَ یَلْتَذُّونَ کے معنی کو متضمن ہو، اِیْ یَلْتَذُّونَ بِهَا شاربین۔

قَوْلًا: الْمَحْبُوسُ بِحَقِّ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کسی کا حق واجب ہے مثلاً قرض وغیرہ جس کو یہ ادا نہیں کر سکتا، قرض خواہ نے اپنے حق کے عوض اس کو قید کر دیا، اس لئے کہ قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ مقروض کو عدم ادائیگی کی صورت میں قید کرادے اور اگر کوئی شخص باطل اور غلط طریقہ پر محبوس ہے تو اس کو کھانا کھانا بطریق اولیٰ کا ثواب ہوگا۔

قَوْلًا: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ الْخ، قائلین اس سے پہلے محذوف ہے۔
قَوْلًا: شُكْرًا، شُكْرًا کے معنی میں ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے شُكْرًا لایا گیا ہے، ایک نسخہ میں فیہ علة الاطعام ہے، اس کا مطلب ہے کہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ یہ اطعام کی علت ہے، اور بعض نسخوں میں علة کے بجائے عَلٰی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو وجہ اللہ کھانا کھلاتے ہیں اس کھانے پر ہم شکر یہ کے طالب نہیں ہیں، مگر اس صورت میں فیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلًا: وَهَلْ تَكَلَّمُوا بِذَلِكَ اَوْ عَلِمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ جملہ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ مقولہ کھانا کھلانے والوں کا ہو اور انہوں نے زبانِ مقال سے یہ بات کہی ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مقولہ اللہ تعالیٰ کا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو چونکہ ہر شخص کی نیت اور ارادہ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ انہوں نے کھانا لوجہ اللہ کھلایا ہے کسی صلہ یا شکر یہ کا طالب ہو کر نہیں کھلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے یہ جملہ فرمایا۔

قَوْلًا: يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا، عَبُوسٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے منہ بگاڑنے والا، ترش رو ہونے والا، قَمْطَرِيرًا مصیبت اور رنج کا طویل دن (یعنی روز قیامت) کو کہتے ہیں، اصل محاورہ میں قَمْطَرَتِ النّٰاقَةُ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی دم اٹھا کر، ناک چڑھا کر، منہ بنا کر مکروہ شکل اختیار کر لے، اسی مناسبت سے ہر مکروہ اور رنج دہ دن کو "قَمْطَرِير" کہتے ہیں اصل مادہ قَطَرٌ ہے میم زائد ہے (لغات القرآن) يَوْمًا موصوف ہے عَبُوسًا صفت اول ہے اور قَمْطَرِيرًا صفت ثانی ہے جملہ ہو کر نَخَافُ کا ظرف ہے۔

قَوْلًا: فِیْ ذٰلِكَ، اِیْ فِی الْعَبُوسِ۔

قَوْلًا: لَا یَرَوْنَ یَہِیْ اَدْخُلُوْا کی ضمیر سے حال ثانیہ ہے۔

قَوْلًا: زمهریرا، زمهریر کے معنی سخت سردی کے ہیں فلسفہ کی اصطلاح میں زمهریر فضاء میں ایک نہایت شدید سرد طبقہ کا نام ہے اس کے علاوہ فضاء میں کرۂ ناری اور کرۂ ہوائی بھی ہیں۔

قَوْلًا: عَلٰی مَحَلٍّ لَا يَرَوْنَ، لَا يَرَوْنَ حال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے اسی وجہ سے دانیۃ بھی منصوب ہے۔

قَوْلًا: عَلَيْهِمْ، مِنْهُمْ، عَلٰی کی تفسیر مِنْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ علیٰ بمعنی من ہے اس لئے کہ دانیۃ کا صلہ مِنْ مستعمل ہے نہ کہ عَلٰی۔

قَوْلًا: شَجَرَهَا، ظِلُّهَا کی تفسیر شجرہا سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جنت کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے، حالانکہ سایہ سورج کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جنت میں شمس و قمر نہ ہوں گے تو سایہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ ظلال سے مراد نفس شجر ہے، یعنی درخت کی شاخیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

قَوْلًا: أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤَال: جنت کے غلمان کو بکھرے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دینے میں کیا حکمت ہے؟ جب کہ عام طور پر منظوم اور پروئے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی جاتی ہے؟

جَوَاب: جنتی غلمان کو حسن و انتشار میں غیر مشتبہ (بن بندھے) موتیوں سے تشبیہ دینا مقصود ہے، اس لئے کہ موتی میں سوراخ ہونے کے بعد چمک اور صفائی کم ہو جاتی ہے جو کہ ایک قسم کا نقص ہے اور بن بندھے (غیر مشتبہ) موتی منتشر ہی ہوتے ہیں، یعنی موتی جب صدف اور سلک میں نہیں ہوتا تو وہ حسن و خوبی میں بہتر ہوتا ہے اس سے جو صدف یا سلک میں ہوتا ہے۔

قَوْلًا: إِذَا رَأَيْتَ اِي وَجَدْتَ، رَأَيْتَ کی تفسیر وَجَدْتَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رأیت یہاں لازم ہے اسی وجہ سے اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحَ

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ، هَلْ بمعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے الانسان سے بعض حضرات نے ابوالبشر ”آدم علیہ السلام“ مراد لئے ہیں، اور حین سے روح پھونکنے تک کا زمانہ مراد لیا ہے، جو چالیس سال ہے، اور اکثر مفسرین نے الانسان کو بطور جنس کے استعمال کیا ہے، اور حین سے مراد حمل کی مدت لی ہے جس میں جنین قابل ذکر شی نہیں ہوتی، اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں رحم مادر سے باہر آتا ہے اور جب عنفوان شباب کا زمانہ آتا ہے تو اپنے رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت اور حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ میں تو وہی ہوں کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب میں عالم نیست میں تھا اور کوئی قابل ذکر شی نہ تھا۔

إِنَّ الْآبَرَارَ يَشْرَبُونَ، پہلی آیتوں میں اشتیاء کا ذکر تھا اب ان کے مقابلہ میں سعداء کا ذکر ہے، کانس اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو، کافور ایک ٹھنڈی اور مخصوص خوشبو کی حامل شی ہوتی ہے اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو

شام جان کو معطر کرنے والی ہو جاتی ہے۔

يُؤْفُونَ بِالَّذِ الْخ، یعنی صرف ایک اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں اور نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لئے اور نذر اسے پورا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔

نذر ماننے کی چند شرائط:

سُئِلَتْ: نذر ماننے کی چند شرائط ہیں، اول یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز ہو معصیت نہ ہو، اگر کسی شخص نے ناجائز کام کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اور قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے اگر نذر قسم کے ساتھ مانی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پہلے سے واجب نہ ہو اس لئے کہ اگر کوئی شخص واجب یا فرض کی نذر مان لے تو یہ لغو ہوگی۔

امام صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر لازم کیا ہے، اس کی جنس کی کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، حج، قربانی وغیرہ، اور جس کی جنس کی شریعت میں کوئی عبادت واجب نہیں، اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہ ہوگی، جیسے کسی مریض کی عیادت کی نذر یا جنازہ کے پیچھے چلنے کی نذر وغیرہ، نذر کے احکام کی تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ الْخ، یعنی اہل جنت کے لئے مذکورہ انعامات اس لئے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور بدیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، عَلٰی حُبِّہ میں علی بمعنی مع ہے مطلب یہ کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، جب کہ وہ خود کھانے کے محتاج اور ضرورت مند ہوتے تھے، قیدی سے مراد وہ قیدی ہیں جنہیں اصول شریعت کے مطابق قید بھاگیا ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مگر بہر حال قیدیوں کو کھانا کھلانا حکومت اور بیت المال کی ذمہ داری ہے جو شخص ان کو کھانا کھلاتا ہے وہ حکومت اور بیت المال کی مدد کرتا ہے۔

اَنَّا نَحْنُ تَاكِيدٌ لِاسْمِ اِنْ اَوْ فَضْلٌ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝۱۰ خَبَرُ اِنْ اِی فَضَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً صَبْرٌ لِحُكْمِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِتَبْلِيغِ رِسَالَتِهِ وَلَا تُطِيعُ مِنْهُمْ اِی الْكُفَّارِ اِثْمًا اَوْ كُفُورًا ۝۱۱ اِی عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدَ بْنَ مَعْبُورَةَ قَالَا اِلِسْنِي صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِرْجِعْ عَنْ هَذَا الْاَمْرِ وَيَجُوزُ اَنْ يُرَادَ كُلُّ اِثْمٍ وَكَافِرٍ اِی لَا تُطِيعُ فَدَهُمَا اَيَّا كَانَ فَيَمَّا دَعَاكَ اِلَیْہِ مِنْ اِثْمٍ وَكُفْرٍ وَاذْكُرْ اِسْمَ رَبِّكَ فِی الصَّلَاةِ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا ۝۱۲ یَعْنِی الْفَجْرَ لَظْهَرَ وَالْعَصْرَ وَمِنْ اَلَّیْلٍ فَاَسْجُدْ لَہُ یَعْنِی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَسَبِّحْہُ لَیْلًا طَوِيلًا ۝۱۳ صَلِّ التَّطَوُّعَ فِیْہِ مَا تَقْدَمُ مِنْ ثَلَاثِیْہِ اَوْ نِصْفِہِ اَوْ ثَلَاثِہِ اِنْ هُوَ اِلَّا یُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ الدُّنْیَا یَخْتَارُونَ عَلٰی الْاٰخِرَةِ بِذُرُورٍ وَّرَآءَہُمْ یَوْمًا ثَقِیلًا ۝۱۴ شَدِیدًا اِی یَوْمَ الْقِیَمَةِ لَا یَعْمَلُونَ لَہُ نَحْنُ خَلَقْنٰہُمْ وَشَدَدْنَا قُوَّیْنَا اَسْرَہُمْ اَغْضَاءَہُمْ وَمَفَاصِلُہُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا جَعَلْنَا اَمْثَالُہُمْ فِی الْخَلْقِۃِ بَدَلًا مِنْہُمْ بِاَنْ نُّهْلِكُہُمْ تَبْدِیْلًا ۝۱۵ تَاكِيدٌ

وَوَقَعَتْ إِذَا مَوْقِعَ إِنْ نَحْوَانِ يَشَاءُ يُذْهِبُكُمْ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَمْ يَشَأْ ذَلِكَ وَإِذَا لِمَا يَقَعُ إِنْ هَذِهِ السُّورَةُ تَذَكُّرَةٌ عِظَةُ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۖ بِالطَّاعَةِ وَمَا تَشَاءُونَ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ اتَّخَذَ السَّبِيلَ بِالطَّاعَةِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ذَلِكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ۖ فِي فِعْلِهِ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ جَنَّتِهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَالظَّالِمِينَ نَاصِبُهُ فِعْلٌ مُقَدَّرٌ أَيْ أَعَدَّ يُفْسِرُهُ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ مُؤْلَمًا وَهُمْ الْكَافِرُونَ.

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کو آپ ﷺ پر بتدریج نازل کیا نحن، اِن کے اسم کی تاکید ہے یا فصل کے لئے ہے (نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْخَبْرَ) اِن کی خبر ہے یعنی ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا، پس تو اپنے رب کے حکم پر اس کے پیغام کو پہنچا کر قائم رہ اور ان کفار میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی بات نہ مان یعنی عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ کی جنہوں نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ تم اپنی اس تحریک سے باز آ جاؤ اور یہ بھی درست ہے کہ ہر گنہگار اور کافر مراد ہو یعنی ان میں سے تو کسی کی بات نہ مان اس گناہ اور کفر کے معاملہ میں جس کی طرف یہ آپ ﷺ کو دعوت دے رہے ہیں، اور اپنے رب کے نام کا نماز میں صبح و شام ذکر کیا کر یعنی فجر اور ظہر اور عصر میں اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدہ کر یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ، اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر (یعنی) رات میں نفل نماز پڑھا کر جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے، دو تہائی یا نصف رات یا ایک تہائی رات، بے شک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑ دیتے ہیں سخت دن کو، یعنی قیامت کے دن کو، کہ اس کے لئے عمل نہیں کرتے ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے اعضاء و مفاصل کو مضبوط کیا اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے تخلیق میں ان جیسے (دیگر لوگ) لے آئیں اس طریقہ پر کہ ان کو ہلاک کر دیں تب بدیلہً تاکید ہے اور اِذَا، اِن کی جگہ واقع ہوا ہے جیسا کہ ”إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبُكُمْ“ میں، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا، اور اِذَا، یقینی الوقوع کے لئے استعمال ہوتا ہے، بے شک یہ سورت مخلوق کے لئے نصیحت ہے پس جو چاہے طاعت کے ذریعہ اپنے رب کی راہ اختیار کرے اور تم طاعت کے ذریعہ راستہ نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے (تَشَاءُونَ) تاء اور یاء کے ساتھ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اپنے فعل کے بارے میں علم و حکمت والا ہے جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اور وہ مومنین ہیں اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ کافر ہیں (الظالمین) کا ناصب فعل مقدر ہے اور وہ اَعَدَّ ہے جس کی تفسیر اَعَدَّ لَهُمْ کر رہا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: تَاكِيدٌ لِاسْمِ اِنَّا، او فصل، اس عبارت کا مقصد اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْخَبْرَ کی دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، ① نَحْنُ، اِنَّا کی ضمیر کی تاکید ہے اور تاکید مؤکد سے مل کر مبتداء اور نَزَّلْنَا اس کی خبر، ② اِنَّا مبتداء اول نحن ضمیر فصل، مبتداء ثانی نَزَّلْنَا خبر مبتداء ثانی وہ اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر، مبتداء اول کی خبر۔

قَوْلًا: اِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ یہ ماقبل مذکور امر و نہی کی علت ہے، یعنی آپ ﷺ مذکورین سے اعراض اور توجہ الی ذکر اللہ اس لئے کیجئے کہ ان لوگوں کے توجہ الی اللہ نہ کرنے کی وجہ دنیا طلبی اور آخرت سے بے خونی ہے۔

قَوْلًا: وَيَذَرُوْنَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلاً، وَرَاءَهُمْ يَوْمًا سے حال مقدم ہے اس لئے کہ دراصل وَرَاءَهُمْ، يَوْمًا نکرہ کی صفت ہے يَوْمًا ثَقِيلاً موصوف صفت سے مل کر یذرون کا مفعول ہے۔

قَوْلًا: وَقَعْتَ اِذَا مَوْقِعِ اِنْ اس عبارت کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالًا: اِذَا امور محققہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا تو یہ امر محتمل ہوانہ کہ محقق اور امور محتملہ کے لئے اِنْ آتا ہے نہ کہ اِذَا؟

جَوَابًا: اِذَا بمعنی اِنْ ہے مجازاً۔

قَوْلًا: ذٰلِكَ، اِی اتخاذا السبیل۔

قَوْلًا: نَاصِبُهُ فَعْلٌ مَّقْدَرٌ یہ مَا أُضْمِرَ عاملہ علی شریطة التفسیر کے قبیل سے ہے یعنی الظالمین فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اِی اَعَدَّ الظالمین اَعَدَّ لَهُمْ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الخ یعنی آپ ﷺ کے رب نے جس کا عظیم پر آپ کو مامور کیا ہے اس کی راہ میں سختیوں اور تکالیف پر صبر کرو، آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں جو حالات بھی آئیں انہیں پامردی سے برداشت کرو، اور اس معاملہ میں کسی منکر حق کی بات نہ مانو خواہ وہ تمہیں کتنا ہی لالچ دے یا ڈرائے۔ کہا گیا ہے کہ آثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اس لئے کہ ان دونوں نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ اگر تم اپنے اس تبلیغی مشن کو ترک کر دو تو ہم تم کو مال کر دیں گے اور عرب کی حسین ترین عورت سے شادی کر دیں گے اور اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے۔

﴿مَثَّ﴾

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُونَ آيَةً فِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُونَ آيَةً.

سورہ مرسلات مکی ہے، پچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۝ أَيْ الرِّيحِ مُتَتَابِعَةً كَعُورِ الْفَرَسِ
يَتْلُو بَعْضُهُ بَعْضًا وَنَضْبُهُ عَلَى الْحَالِ ۝ فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۝ الرِّيحِ الشَّدِيدَةِ ۝ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۝ الرِّيحِ تَنْشُرُ
الْمَطَرَ ۝ فَالْفَرْقِ فَرْقًا ۝ أَيْ آيَاتِ الْقُرْآنِ تَفْرِقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ ۝ فَالْمُلْقِيَةِ ذِكْرًا ۝ أَيْ
الْمَلَائِكَةِ تَنْزِيلُ الْوَحْيِ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ يُلْقَوْنَ الْوَحْيَ إِلَى الْأَمَمِ ۝ عُدْرًا أَوْ نُذْرًا ۝ أَيْ لِإِلْغَاؤِ غَدَارٍ وَلِإِلْغَاؤِ
مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَفِي قِرَاءَةِ بَعْضِ ذَالِ نُذْرًا وَقُرْئِ بَعْضِ ذَالِ غَدْرًا ۝ إِنَّمَا تُوعَدُونَ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنَ الْبَغْيِ
وَالْعَذَابِ لَوَاقِعٌ ۝ كَائِنٌ لَا مُحَالَةَ ۝ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ مُجَى نُورِهَا ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرْجَتْ ۝ شُقَّتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ
سُفَّتْ ۝ فَتَتْ وَسِيرَتْ ۝ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقْتَتَتْ ۝ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلًا مِنْهَا أَيْ جُمِعَتْ لَوْقَتِ لِأَيِّ يَوْمٍ لِيَوْمٍ
عَظِيمٍ ۝ أُجِلَّتْ ۝ لِشَهَادَةِ عَلَى أَمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيغِ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ إِذَا أَيْ وَقَعَ
الْفَصْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ تَهْوِيلٌ لِشَأْنِهِ ۝ وَيْلٌ لِّلْمُكْذِبِينَ ۝ هَذَا وَعِنْدَ
لَهُمْ أَلَمْ تُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۝ بِتَكْذِيبِهِمْ أَيْ أَهْلَكْنَاهُمْ ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝ بِمَنْ كَذَّبُوا كُفَّارُ مَكَّةَ
فَنُهْلِكُهُمْ كَذَلِكَ مِثْلُ فَعَلْنَا بِالْمُكْذِبِينَ ۝ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ بِكُلِّ مَنْ أَجْرَمَ فِيمَا يَسْقُبَلُ فَنُهْلِكُهُمْ
وَيْلٌ لِّلْمُكْذِبِينَ ۝ تَاكِيدٌ ۝ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ضَعِيفٌ وَهُوَ الْمَنِيُّ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝
حَرِيْزٍ وَهُوَ الرَّحْمُ إِلَى قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَهُوَ وَقْتُ الْوِلَادَةِ فَقَدَرْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ ۝ فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ ۝ نَحْنُ وََيْلٌ
لِّلْمُكْذِبِينَ ۝ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝ مُصَدَّرُ كَفَتْ بِمَعْنَى ضَمَّ أَيْ ضَامَّةٌ أَحْيَاءٌ عَلَى ظَهْرِهَا
وَأَمْوَاتًا ۝ فِي بَطْنِهَا ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شِمَخَاتٍ ۝ جِبَالًا مُرْتَفِعَاتٍ ۝ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ۝ عَذَابًا
وَيْلٌ لِّلْمُكْذِبِينَ ۝ وَيُقَالُ لِّلْمُكْذِبِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ ۝ تَكْذِبُونَ ۝

انْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۖ هُوَ دُخَانٌ جَهَنَّمَ إِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظَمَتِهِ لَا ظِلِيلٌ كَنِينٌ يَظْلِلُهُمْ مِنْ حَرِّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا يُغْنِي يَرُدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا مِنَ النَّارِ إِنَّهَا أَيْ النَّارِ تَرْمِي بِشَرِّهَا هَوْمًا تُطَايَرُ مِنْهَا كَالْقَصْرِ ۖ مِنَ الْبِنَاءِ فِي عَظَمِهِ وَارْتِفَاعِهِ كَأَنَّهُ جُمِلَتْ جَمْعُ جَمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَفِي قِرَاءَةِ جَمَالَةٍ صُفْرٌ ۖ فِي هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِي الْحَدِيثِ شَرَارُ جَهَنَّمَ أَسْوَدُ كَالْقَيْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّي سُوْدَ الْإِبِلِ صُفْرًا لِشُوبِ سَوَادِهَا بِصُفْرَةٍ فَقِيلَ صُفْرٌ فِي الْآيَةِ بِمَعْنَى سُوْدٌ لِمَا ذَكَرَ وَقِيلَ لَا وَالشَّرُّ جَمْعُ شَرِّةٍ وَالشَّرَارُ جَمْعُ شَرَارَةٍ وَالْقَيْرُ الْقَارُ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ هَذَا أَيْ يَوْمُ الْقِيَمَةِ يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ۖ فِيهِ بِشَىءٌ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فِي الْعُذْرِ فَيَعْتَذِرُونَ ۖ عَطَفَ عَلَى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي حَيْزِ النَّفْيِ أَيْ لَا إِذْنَ فَلَا اغْتِذَارَ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمْعُكُمْ أَيُّهَا الْمُكَذِّبُونَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَالْأَوَّلِينَ ۖ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ قَبْلَكُمْ فَتُحَاسِبُونَ وَتُعَذِّبُونَ جَمِيعًا فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ حِيلَةٌ فِي دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَكِيدُوا ۖ فَافْعَلُوا وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۖ

۱۰۲

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے مسلسل چلنے والی ہواؤں کی یعنی ان ہواؤں کی جو تسلسل میں گھوڑے کے (گردن) کے بالوں کی مانند ہیں، عُرْفًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، پھر زور سے چلنے والی ہواؤں کی قسم یعنی زوردار ہواؤں کی اور پھیلانے والی ہواؤں کی قسم، یعنی ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں، پھر فرق کرنے والی آیات کی قسم یعنی قرآنی آیات کی جو حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں، پھر وحی کا القاء کرنے والوں کی قسم یعنی ان فرشتوں کی قسم جو انبیاء علیہم السلام پر وحی لے کر نازل ہوتے ہیں یا ان رسولوں کی قسم جو اس وحی کو امت کو پہنچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتے ہیں اور ایک قراءت میں نُذْرًا کے ذال کے ضمہ کے ساتھ نُذْرًا آیا ہے، اور عُذْرًا بھی ضمہ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اے مکہ کے کافرو! جس بعث و عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والا ہے یعنی لامحالہ واقع ہونے والا ہے جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے یعنی ان کا نور سلب کر لیا جائے گا، اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ توڑ پھوڑ کر اڑا دیئے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر جمع کیا جائے گا (وَقَّتْ) واؤ کے ساتھ اور واؤ کے عوض ہمزہ کے ساتھ، کس دن کے لئے (ان سب کو) مؤخر کیا جائے گا؟ بڑے دن میں امتوں پر تبلیغ (رسالت) کی شہادت کے لئے (مؤخر) کیا جائے گا، مخلوق کے درمیان فیصلے کے دن کے لئے (مؤخر کیا جائے گا) اور اس سے اِذَا کا جواب اخذ کیا جاتا ہے اور وہ جواب ”وَقَّتْ“ لفصل بین الخلائق“ ہے، اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ (ابھام) اس دن کی ہولناکی کو بیان کرنے کے لئے ہے، اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے یہ ان کے لئے وعید ہے کیا ہم نے اگلوں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک نہیں

کر دیا؟ یعنی ان کو ہلاک کر دیا، پھر ہم ان کے بعد تکذیب کرنے والوں میں پچھلوں کو لائیں گے جیسا کہ کفار مکہ کہ ان کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور ہم ایسا ہی ہمارے تکذیب کرنے والوں کے ساتھ کرنے کے مانند ہر مجرم کے ساتھ کریں گے یعنی ہر اس شخص کے ساتھ کریں گے جو مستقبل میں جرم کرے گا، ان کو بھی ہلاک کر دیں گے، اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے یہ تاکید ہے، کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے کہ وہ نطفہ منی ہے نہیں پیدا کیا؟ کہ ہم نے اس (پانی) کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے ایک محفوظ جگہ میں کہ وہ رحم مادر ہے رکھ دیا اور وہ وقت ولادت ہے غرض ہم نے اس کی منصوبہ بندی کی (پلاننگ) کی ہم کیسے اچھے منصوبہ بندی کرنے والے ہیں؟ جھٹلانے والوں کے لئے اس دن بڑی خرابی ہے، کیا ہم نے زمین کو زندوں کو اپنی پیٹھ پر اور مردوں کو اپنے پیٹ میں سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ (کَفَاتًا) کَفَتْ کا مصدر ہے (کَفَتْ) بمعنی ضَمَّ یعنی سمیٹنے والی، اور ہم نے ان میں بلند و بالا پہاڑ بنادیئے اور ہم نے تم کو شیریں پانی پلایا، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، قیامت کے دن جھٹلانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہوں گی اور وہ جہنم کا دھواں ہے، جب وہ بلند ہوگا تو اس کے عظیم ہونے کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہو جائیں گی جس میں نہ ٹھنڈا سایہ ہے کہ اس دن کی گرمی سے ان پر سایہ فگن ہو اور وہ نہ ان کو آگ کے شعلوں سے ذرا بھی بچا سکے گا وہ آگ کے انگارے برسائے گی شر اس چنگاری کو کہتے ہیں جو آگ سے اڑتی ہے محل کے مانند یعنی وہ (انگارے) عظیم ہونے میں اور بلند ہونے میں عمارت کی مانند ہوں گے گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں ہیئت میں اور رنگ میں، جمالات، جمالۃ کی جمع ہے اور جمالۃ، جمل کی جمع ہے اور ایک قراءت میں جمالۃ ہے، اور حدیث میں ہے کہ آگ کے شعلے تارکول کے مانند سیاہ ہوں گے، اور عرب کالے اونٹ کو صُفْرُ کہتے ہیں اس کی سیاہی میں زردی کے ملنے کی وجہ سے لہذا کہا گیا ہے کہ آیت میں صُفْرُ بمعنی سُودُ ہے، مذکورہ قول کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ صُفْرُ بمعنی سُودُ نہیں ہے، اور شَرَرُ شُرَّة کی جمع ہے اور شرار، شرارۃ کی جمع ہے اور قیر کے معنی قسار (تارکول) کے ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کیلئے بڑی خرابی ہے، یہ قیامت کا دن ایسا ہے کہ وہ اس دن میں کچھ بھی نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو عذر خواہی کی اجازت ہوگی کہ اس میں وہ معذرت کر سکیں، یہ یُوْذُنُ پر عطف ہے، معطوف علیہ سے تسبب کے بغیر، لہذا وہ نفی کے تحت داخل ہے اِی لَا اِذْنَ فَلَا اِعْتِذَارَ، یعنی جب اجازت نہیں تو معذرت بھی نہیں، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، یہ فیصلے کا دن ہے اے اس امت میں سے تکذیب کرنے والو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلے تکذیب کرنے والوں کو جمع کر لیا لہذا تم سب کا حساب لیا جائے گا اور عذاب دیا جائے گا، اگر تمہارے پاس تم سے عذاب کو دفع کرنے کی کوئی تدبیر ہو تو کرلو، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے پانچ صفات کی قسم کھائی ہے جن کے موصوف محذوف ہیں، بعض حضرات تمام موصوفات الزیاح (ہواؤں) کو محذوف مانتے ہیں اور بعض کل میں ملائکہ موصوفات محذوف مانتے ہیں اور بعض نے مختلف یعنی بعض کے ملائکہ اور بعض کے الزیاح۔

قَوْلًا: عُرْفًا، عُرْف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں، پھر حقیقت عرفیہ کے طور پر تسلسل و تابع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

قَوْلًا: اِنَّمَا تُوعَدُونَ جواب قسم ہے اور مَا بِمَعْنَى الَّذِي ہے اور مَا محذوف ہے، اِی تُوعَدُونَہُ۔

قَوْلًا: وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابٌ اِذَا، مِنْهُ اِی مِنْ یَوْمِ الْفَصْلِ یعنی اِذَا کی شرط محذوف ہے جو لَیَوْمِ الْفَصْلِ سے مفہوم ہے اِی وَقَعَ الْفَصْلُ بَیْنَ الْخَلَائِقِ۔

قَوْلًا: وَيَلْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ، وَيَلْ در اصل مصدر ہے جو اپنے فعل کے قائم مقام ہے مگر ثبات و دوام پر دلالت کرنے کے لئے نصب سے رفع کی طرف عدول کر لیا گیا ہے، جیسا کہ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ میں ہے، کہ اصل میں سلامت سلاما تھا۔

قَوْلًا: لَا ظَلِيلٍ، لا نافیہ ہے یہ ظِلّ کی صفت ہے اور بطور تہکم مشرکین کے وہم کا رد ہے، اس لئے کہ ظِلّ تو ظلیل ہوتا ہی ہے ان کے اس وہم کو لَا ظَلِيلٍ کہہ کر رد کر دیا کہ ظِلّ ہی نہیں ہوگا۔

قَوْلًا: مِنْ غَیْرِ تَسْبِیْ عَنہُ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ فاء کے ذریعہ منفی پر عطف معطوف پر نصب کا تقاضہ کرتا ہے کیونکہ معطوف بھی منفی کے حکم میں ہوتا ہے حالانکہ یہاں فِیَعْتَذِرُونَ کو حالت رفع میں لایا گیا ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ما بعد فاء پر نصب اس وقت ہوتا ہے جب معطوف علیہ معطوف کا سبب ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ ان کی طرف سے معذرت اس لئے نہیں ہوئی کہ ان کو معذرت کی اجازت نہیں ملی، اِی لَا اِذْنَ فَلَا اَعْتِذَارَ، اور معطوف علیہ معطوف کے لئے سبب ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ معذرت اس لئے نہ کر سکے کہ ان کو عذر خواہی کی اجازت نہیں ملی، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ معذور تھے مگر عذر خواہی کی اجازت نہیں ملی، اور یہ خلاف واقعہ ہے: اگر معطوف علیہ کو معطوف کا سبب قرار دیا جائے تو معطوف پر حذف نون کے طور پر نصب آئے گا جیسے "لَا يُقْضٰی عَلَیْہُمْ فَمِنْ تَوَّٰ" یہاں چونکہ معطوف علیہ معطوف کا سبب ہے اس لئے معطوف حذف نون کے ساتھ منصوب ہے یعنی نہ مرنے کا سبب ان کی موت کے فیصلہ کا نہ ہونا ہے، ابن عطیہ نے کہا ہے کہ فِیَعْتَذِرُونَ کے حذف نون کے ساتھ منصوب نہ ہونے کی وجہ فواصل کی رعایت ہے، مطلب یہ کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے فِیَعْتَذِرُونَ میں نون کو حذف نہیں کیا گیا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ منیٰ کی ایک غار میں تھے کہ اچانک سورہٴ مرسلات نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ ﷺ کے دہن مبارک سے اس کو سنتا اور یاد کرتا جاتا تھا، آپ ﷺ کا دہن مبارک اس سورت کی حلاوت سے رطب تھا کہ اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، ہم اس کی طرف جھپٹے مگر وہ نکل بھاگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا، (معارف) اس سورت میں حق تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ قیامت یقیناً واقع ہوگی، مگر ان پانچ چیزوں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اب وہ موصوف کیا ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے سب کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے اور بعض نے ملائکہ اور بعض نے پہلی تین صفات کا موصوف ہواؤں کو اور بقیہ دو کا ملائکہ کو، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

عُذْرًا أَوْ نُذْرًا، یہ مُلْقِیَاتِ ذِکْرًا، سے متعلق ہے، یعنی یہ ذکر اور وحی انبیاء و رسل ﷺ پر اس لئے نازل کی جاتی ہے کہ مومنین کے لئے ان کی کوتاہیوں سے معذرت کا سبب بنے اور اہل باطل اور کافروں کے لئے عذاب سے ڈرانے کا ذریعہ ہو۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٍ، تمام قسموں کا مقسم ہے، کہ تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب کا وعدہ بذریعہ انبیاء کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا، آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے، وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتَتْ مطلب یہ کہ انبیاء و رسل ﷺ کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس وقت میں اپنی اپنی امتوں کے معاملہ میں شہادت کے لئے حاضر ہوں، وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آ گیا۔

الْمَنْ هُلِكَ الْاَوَّلَیْنِ ثُمَّ نُنَبِّعُهُمُ الْاٰخِرَیْنِ، کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا؟ ثُمَّ نُنَبِّعُهُمْ مشہور قراءت کی رو سے عین پر جزم کے ساتھ ہے، اور هُلِكَ پر عطف ہے معنی یہ ہیں کہ کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو ان کے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا؟ اس لئے آخرین سے مراد بھی سابقہ امتوں ہی کے آخرین مراد ہوں گے، جن کی ہلاکت نزول قرآن سے پہلے ہو چکی ہے، دوسری ایک قراءت میں عین کے ضمہ کے ساتھ ہے، اس قراءت کے مطابق یہ جملہ اور آخرین سے مراد امت محمدیہ ﷺ کے کفار ہیں، پچھلی امتوں کی ہلاکت کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزوہٴ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا۔ (معارف)

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عمومی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں، امت محمدیہ ﷺ کا آنحضرت ﷺ کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عمومی عذاب نہیں آتا: بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی، صرف بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ اٰی تَكَاثَفَ اَشْجَارٌ اِذْ لَا شَمْسٌ يُّظِلُّ مِنْ حَرِّهَا ۖ وَعُيُونٌ ۙ نَّابِعَةٌ مِنْ الْمَاءِ ۚ وَفَوْاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۙ فَبِهَ اِغْلَامٍ بَانَ الْمَاكِلَ وَالْمَشْرَبَ فِي الْجَنَّةِ بِحَسَبِ شَهْوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسَبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِي الْاَغْلَابِ وَيُقَالُ لَهُمْ كَلُّوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا خَالٍ اٰی مُتَهَنِّئِينَ ۙ لِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۙ مِنَ الطَّاعَاتِ اِنَّكَ اَكْذَلِكُ كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِينَ ۙ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۙ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۙ كَلُّوا وَتَمَتَّعُوا خَطَابَ لِنُكَفِّرَ فِي الدُّنْيَا قَلِيلًا ۙ مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهُ اِلَى الْمَوْتِ وَفِي هَذَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ۙ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۙ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اَرْكَعُوا ۙ صَلُّوا لَا يَرْكَعُونَ ۙ لَا يُصَلُّونَ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۙ فَبَايَ حَدِيثٍ بَعْدَهُ اٰی الْقُرْآنِ يُؤْمِنُونَ ۙ اٰی لَا يُمَكِّنُ اِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ تَعَالٰی بَعْدَ تَكْذِيبِهِمْ بِهِ لَا شَيْئًا عَلَيْهِ عَلٰی الْاَعْجَازِ الَّذِي لَهُ يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ.

ترجمہ: بے شک پرہیزگار لوگ سایوں یعنی گھنے درختوں میں ہوں گے اس لئے کہ (وہاں) سورج نہیں ہوگا، کہ اس کی گرمی سے سایہ حاصل کیا جائے اور بہتے ہوئے پانی کے چشموں میں ہوں گے، یعنی اُبلتے ہوئے پانی کے، اور دل پسند میوؤں میں ہوں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں حسب خواہش ہوں گی بخلاف دنیا کے کہ یہاں وہی میوے (پھل) ملتے ہیں جو غالباً لوگوں کو دستیاب ہوتے ہیں اور ان سے کہا جائے گا (اے جنتیو!) تم خوشگوا ری کے ساتھ اپنے طاعت اعمال کے صلہ میں کھاؤ پیو، ہَنِيئًا حال ہے اٰی مُتَهَنِّئِينَ، بے شک ہم ایسی جزاء جیسی کہ تمام پرہیزگاروں کو دی ہے ہر نیکو کار کو دیں گے، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے (اے جھٹلانے والو!) یہ کافروں کو خطاب ہے تم دنیا میں تھوڑے دن یعنی موت تک کھاؤ اور مزے اڑالو اس میں تہدید (دھمکی) ہے بلاشبہ تم مجرم ہو، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، اب اس قرآن کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ یعنی اس کتاب (قرآن) کی تکذیب کے بعد ان کے لئے ممکن نہیں کہ دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں، اس قرآن کے ایسے اعجاز پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کہ دیگر کتابیں اس اعجاز پر مشتمل نہیں ہیں۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: مِنْ تَكَاثَفَ الْاَشْجَارِ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے، اٰی الْاَشْجَارِ الْمُتَكَاثِفَةُ.

قَوْلُهُ: كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِينَ، نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ.

سُؤَالُ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے متقین اور محسنین میں مغایرت نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ہیں، لہذا یہ فرمانا کہ ہم

نے جیسی جزاء متقین کو دی ہے محسنین کو بھی دیں گے یہ تشبیہ اشئ بنفسہ ہے؟ جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: متقین سے مراد کاملین فی الطاعة ہیں، اور محسنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو نفس ایمان کے حامل ہیں، چنانچہ مغایرت پائی گئی، فلا اشکال۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالِ النَّحْ، سورہ دہر میں کفار کے احوال اختصار کے ساتھ اور مومنین کے احوال تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور یہاں اس کا عکس ہے تاکہ دونوں سورتوں میں تعادل و تساوی ثابت ہو جائے۔

كُلُّوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ سَجَرُ مُنُونٍ، چند دن یعنی موت تک کھاپی لو اور مزے اڑالو، آخر کار تم کو سخت عذاب میں جانا ہے اس لئے کہ تم مجرم ہو۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ، کہا گیا ہے کہ یہ آیت بنی ثقیف۔ رے میں نازل ہوئی، جب کہ ان سے کہا گیا کہ نماز پڑھو، تو انہوں نے کہا ہم جھک نہیں سکتے جھکنا ہمارے لئے مشغل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا ”لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود“ اور کہا گیا ہے کہ یہ ان سے آخرت میں کہا جائے گا، مگر وہ رکوع سجدہ پر قادر نہ ہوں گے۔ (فتح القدیر، شوکانی)

اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ”رکوع“ کے لغوی معنی یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب ان سے دنیا میں احکام الہیہ کی اطاعت کے لئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے، اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو نماز کے لئے بلایا جاتا تھا تو وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ (معارف، روح)

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ، یعنی جب یہ لوگ قرآن جیسی عجیب و غریب حکمتوں سے پر، واضح دلائل اور سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے؟ حدیث شریف میں ہے کہ جب قاری اس آیت پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہئے، آمَنَّا بِاللَّهِ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے مگر فرائض میں ان الفاظ کے کہنے سے احتراز کرے۔ (معارف ملخصاً)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُوْنَ اَيَّةً

سُورَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ اِحْدَى وَاَرْبَعُوْنَ اَيَّةً.

سورہ نبأ مکی ہے، اکتالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ عَمَّ عَنْ اٰی شَیْءٍ یَّتَسَاءَلُوْنَ ۝^① یَسْأَلُ بَعْضُ قُرَیْشٍ
بَعْضًا عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۝^② بَیِّنَ لِذٰلِكَ الشَّیْءِ ۝ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَفْخِیْمِهِ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَی الْبَعْثِ وَغَیْرِهِ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝^③ فَالْمُؤْمِنُوْنَ یُشْبِتُوْنَہُ
وَالْكَافِرُوْنَ یُنْکَرُوْنَہُ ۝^④ کَلَّا رَدُّعٌ سَیَعْلَمُوْنَ ۝^⑤ مَا یَحِلُّ بِہِمَّ عَلٰی اِنْکَارِہِمَّ لَہُ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۝^⑥ تَاْکِیْدٌ وَجِئُ
فِیْہِ بِثَمِّ لِاٰیْدَانِ بَانَ الْوَعِیْدُ الشَّانِیْ اَشَدُّ مِنَ الْاَوَّلِ ثُمَّ اَوْمَأَ تَعَالٰی اِلٰی الْقُدْرَةِ عَلٰی الْبَعْثِ فَقَالَ اَلَمْ
نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِہْدًا ۝^⑦ فِرَاشًا کَالْمِہْدِ ۝ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝^⑧ یُثْبِتُ بِہَا الْاَرْضَ کَمَا یُثْبِتُ الْخِیَامُ بِالْاَوْتَادِ
وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَقْرِیْرِ ۝ وَخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ۝^⑨ ذُکُوْرًا وَاُنَاثًا ۝ وَجَعَلْنٰ اَنْوَمَکُمْ سُبَاتًا ۝^⑩ رَاحَةً لِّاَبْدَانِکُمْ
وَجَعَلْنٰ الْیَلَّ لِبَاسًا ۝^⑪ سَاتِرًا بِسَوَادِہِ ۝ وَجَعَلْنٰ النَّہَارَ مَعَاشًا ۝^⑫ وَقَتًا لِّلْمَعَاشِ ۝ وَبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
شِدَادًا ۝^⑬ جَمْعُ شَدِیْدَةٍ اِی قُوَّةٍ مُّحْكَمَةٍ لَا یُوَثِّرُ فِیْہَا مُرُوْرُ الزَّمٰنِ ۝ وَجَعَلْنٰ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝^⑭ وَهَاجًا ۝^⑮ وَقَادَا
یَغْنِی السَّمْسُ وَأَنْزَلْنٰ مِنَ الْمُعْصِرَاتِ السَّحَابَاتِ الَّتِیْ حَانَ لَہَا اَنْ تُمِطَرَ کَالْمُعْصِرِ الْجَارِیَةِ الَّتِیْ دَنَتْ
مِنَ الْخِیضِ مَاءً رَّجَاجًا ۝^⑯ صَبَابًا لِّنُخْرِجَ بِہِ حَبًّا ۝ کَالْحِنْطَةِ ۝ وَنَبَاتًا ۝^⑰ کَالْتِیْنِ ۝ وَجَنَّتِ بَسَاتِیْنِ ۝^⑱ اَلْفَاافًا ۝^⑲ مُلْتَقَّةً
جَمْعٌ لِّفَیْفٍ کَشْرِیْفٍ وَاَشْرَافٍ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ بَیْنَ الْخَلَائِقِ ۝^⑳ کَانَ مِیْقَاتًا ۝^㉑ وَقَتًا لِّلثَوَابِ وَالْعِقَابِ
یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ الْقَرْنُ بِدَلٍّ مِنْ یَوْمِ الْفَضْلِ اَوْ بَیِّنًا لَہُ وَالنَّافِخُ اِسْرَافِیْلُ ۝ فَتَاتُوْنَ مِنْ قُبُوْرِکُمْ اِلٰی
الْمَوْقِفِ ۝^㉒ اَفْوَاجًا ۝^㉓ جَمَاعَاتٌ مُّخْتَلِفَةٌ ۝ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ ۝ بِالتَّشْدِیْدِ ۝ وَالتَّخْفِیْفِ ۝ شَقِیْقَتْ لِنُزُوْلِ الْمَلَائِکَةِ
فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝^㉔ ذَاتَ اَبْوَابٍ ۝ وَسُیِّرَتِ الْجِبَالُ ۝ ذُہِبَ بِہَا عَنْ اَمَّا کَیْنِہَا ۝ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝^㉕ نَبَاءً اِی مُثْلَہُ فِی
خَفَہُ سَیْرِہَا ۝ اِنَّ جَہَنَّمَ کَانَتْ مِرْصَادًا ۝^㉖ رَاصِدَةً اَوْ مُرْصَدَةً ۝ لِلظَّغِیْنِ الْکَافِرِیْنَ ۝ فَلَا یَتَجَاوَزُوْنَہَا مَآبًا ۝^㉗ مَرْجِعًا

لَهُمْ فَيَدْخُلُونَهَا لِدُثَرَيْنِ ۖ هَلْ مَقَدَّرَ اٰی مُقَدَّرًا ۚ اَلَمْ يَنْهٰهُمْ عَنْ حُتْبٍ بِضَمٍّ اَوَّلِهِ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا نُّوْمًا ۚ وَلَا شَرَابًا ۙ ۱۴ مَا يُشْرَبُ تَلَذُّذًا اِلَّا لَكِنَّ حَمِيْمًا مَّاءٌ حَارًّا غَايَةَ الْحَرَارَةِ وَغَسَاقًا ۙ ۱۵ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مَا يَسِيْلُ مِنْ صَدِيْدٍ اَنْهَلَ النَّارَ فَاِنَّهُمْ يَذُوْقُوْنَهُ ، جُوْرُوا بِذَلِكَ جَزَاءً وَّفَاقًا ۙ ۱۶ مُوَافِقًا لِّعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْبَ اَعْظَمَ مِنَ الْكُفْرِ وَلَا عَذَابَ اَعْظَمَ مِنَ النَّارِ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يُخَافُوْنَ حِسَابًا ۙ ۱۷ لِاِنْكَارِهِمُ الْبَعْثَ وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا الْقُرْآنَ كَذٰبًا ۙ ۱۸ تَكْذِيْبًا وَكُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْاَعْمَالِ اَحْصَيْنٰهُ ضَبْطَنَاهُ كِتٰبًا ۙ ۱۹ كَتَبْنَا فِي السُّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِنُجَازِيَ عَلَيْهِ وَبِمِنْ ذَلِكَ تَكْذِيْبُهُمْ بِالْقُرْآنِ فَذُوْقُوْا اٰی فَيَقَالُ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عِنْدَ وُقُوْعِ الْعَذَابِ عَلَيْهِمْ ذُوْقُوْا جَزَائَكُمْ فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۙ ۲۰ فَوْقَ عَذَابِكُمْ ۙ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ قریشی آپس میں کس چیز کے بارے

میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ لوگ مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں؟ (عن النبأ العظيم) (شیء مسئلہ کا) عطف بیان ہے، اور استفہام اس شیء کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے ہے اور وہ قرآن ہے جس کو نبی ﷺ لائے جو کہ بعث وغیرہ پر مشتمل ہے، (بایں طور) کہ مومنین اس کو ثابت کرتے ہیں اور کافر اس کا انکار کرتے ہیں، خبردار! ان کو عنقریب وہ چیز معلوم ہو جائے گی جو ان کے اوپر اس کے انکار کی وجہ سے نازل ہوگی (کلام) حرف تو بخ ہے، پھر بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا، یہ تاکید ہے، اس میں ثمر اس بات کو بتانے کے لئے لایا گیا ہے کہ دوسری وعید پہلی سے شدید تر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے قدرت علی البعث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (اَلَمْ نَجْعَلِ الْخ) کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے زمین کو گہوارہ کے مانند بچھونا بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کے مانند گاڑ دیا، زمین کو پہاڑوں کے ذریعہ ساکن (غیر مضطرب) کر دیا جس طرح خیموں کو میخوں کے ذریعہ قائم کر دیا جاتا ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے، اور ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں کے جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا اور تمہاری نیند کو ہم نے تمہارے جسموں کے لئے (باعث) راحت بنایا اور ہم نے رات کو اس کی ظلمت کی وجہ سے ساتر بنایا اور دن کو معاش یعنی معاش کا وقت بنایا، اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کئے شداداً، شدیدہ کی جمع ہے یعنی ایسے قوی اور مضبوط کہ ان میں مرور زمان بھی اثر نہ کر سکے، اور ایک نہایت ہی روشن دکھتا ہوا چراغ یعنی سورج بنایا اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے یعنی ان بادلوں سے جو برسنے کے قریب ہو گئے ہوں مثل اس عورت کے کہ جو قریب البلوغ ہو اور جس کے حیض کا زمانہ قریب آ گیا ہو، بہتا ہوا پانی برسایا، تاکہ ہم اس (پانی) کے ذریعہ غلہ مثل گندم اور گھاس مثل بھوسہ کے پیدا کریں اور گھنے گتھے ہوئے باغات اگائیں (الفاف) لفیف کی جمع ہے جیسا کہ اشراف، شریف کی جمع ہے، بلاشبہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے (یعنی) ثواب و عقاب کا وقت ہے، جس روز صور میں پھونک مار دی جائے گی صور بمعنی قرن، (یَوْمَ يُنْفَخُ) یَوْمَ الْفَصْلِ سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے، اور صور پھونکنے والے (حضرت) اسرافیل

عَالِیْنَ وَالْغَالِیْنَ ہیں تو تم اپنی قبروں سے محشر کی جانب مختلف جماعتوں کی شکل میں چلے آؤ گے، اور آسمان کھول دیا جائے گا (فُتِحَتْ) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے یعنی (آسمان کو) نزول ملائکہ کے لئے پھاڑ دیا جائے گا، تو وہ دروازے ہی دروازے ہو جائے گا یعنی دروازوں والا ہو جائے گا، اور پہاڑ چلائے جائیں گے یعنی ان کو ان کی جگہ سے اکھاڑ دیا جائے گا، تو وہ چمکتے ہوئے ریت ہو جائیں گے (یعنی) اڑنے میں اور ہلکے پن میں مثل غبار (ہو جائیں گے) بلاشبہ جہنم کافروں کے گھات میں ہے کہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے یا (کافروں کے لئے) تیار کی گئی ہے کہ وہ ان کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ اس میں قرنہا قرن رہیں گے (لابثین) حالِ مقدرہ ہے یعنی ان کے لئے اس میں داخل ہونا مقدر ہو چکا ہے نہ ان کو وہاں نیند میر ہوگی اور نہ لذت کے ساتھ پینے کے قابل کوئی چیز اور اگر کچھ ملے گا تو بس نہایت گرم پانی اور بہتی پیپ (غَسَاقًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی وہ چیز جو دوزخیوں کے زخموں سے نکلے گی، بس وہ اسی کو چکھیں گے، اور اسی کے ذریعہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق بھرپور بدلہ دیا جائے گا، یہ لوگ ان کے بعث سے منکر ہونے کی وجہ سے حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں قرآن کو بالکل جھٹلایا تھا، حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہر عمل کو گن کر ضبط کر لیا تھا یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا تاکہ ہم اس کا بدلہ دیں اور ان ہی (اعمال) میں سے ان کا قرآن کو جھٹلانا بھی ہے، اب چکھو مزہ یعنی ان پر عذاب واقع کرتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے (اعمال) کا بدلہ چکھو، اب ہم تمہارے لئے عذاب پر عذاب ہی کا اضافہ کرتے جائیں گے۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: عَمَّ، عَمَّ دوحرفوں عَن، اور مَا سے مرکب ہے، اصل میں عَمَّا تھا، مَا استفہامیہ ہے اس پر حرف جرد داخل ہے قاعدہ معروفہ کی وجہ سے مَا سے الف حذف ہو گیا، قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ جب مَا استفہامیہ پر حرف جرد داخل ہو تو الف کو حذف کر دیا جاتا ہے، البتہ ضرورت شعری وغیرہ کے لئے باقی بھی رکھا جاسکتا ہے، مَا استفہامیہ یہاں تفسخیم و عظمت کیلئے ہے، اس لئے کہ یہاں استفہام کے حقیقی معنی ممکن نہیں کیوں کہ استفہام کے لئے مستفہم کا ناواقف ہونا ضروری ہے اور یہ خدا کے لئے محال ہے۔

قَوْلًا: النَّبَا، نَبَا، عظیم الشان اور بڑی خبر کو کہتے ہیں، یہاں عظیم الشان خبر سے مراد قیامت ہے، کَلَّا یہ حرف زجر و تنبیخ ہے اس میں وعید و تہدید کے معنی ہیں۔

قَوْلًا: مَا یَحِلُّ بِهِمْ یَعْلَمُونَ کا مفعول یہ ہے۔

قَوْلًا: وَجِئْ بِثَمَرٍ لِّلْاِذَا نِ الْخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ جو مفہوم معطوف علیہ کا ہے وہی بعینہ معطوف کا ہے اور یہ عطف اشئ علی نفسہ ہے جو کہ جائز نہیں ہے؟

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ثُمَّ کے ذریعہ عطف کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ دوسری تاکید پہلی کی بہ نسبت شدید ہے، پس دونوں میں تغائر موجود ہے لہذا عطف الشَّيْءِ عَلَى نَفْسِهِ کا اعتراض دفع ہو گیا۔

قَوْلُهُ: الَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا، الْأَرْضَ مفعول بہ اول ہے اور مِهَادًا مفعول بہ ثانی جب کہ جَعَلْ بمعنی صَيَّرَ ہو اور اگر بمعنی خَلَقَ ہو تو مِهَادًا، الْأَرْضَ سے حال ہوگا۔

قَوْلُهُ: سُبَاتًا، سُبَات سے مشتق ہے اس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند چونکہ ہموم و غموم کو قطع کر دیتی ہے جس کی وجہ سے جسم کو راحت اور دماغ کو سکون نصیب ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے سُبَات کے معنی راحت کے لئے ہیں، انہیں میں سے مفسر علام بھی ہیں، يوم السبت کو سبت اس لئے کہتے ہیں کہ يوم السبت میں بقول یہود کے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے فارغ ہونے کے بعد آرام فرمایا تھا۔

قَوْلُهُ: وَقَتًا لِّلْمَعَايشِ اس میں اشارہ کر دیا کہ معاش مصدر میمی بمعنی ظرف زمان ہے۔

قَوْلُهُ: الْجَارِيَةِ یہاں مطلق انٹی مراد ہے۔

قَوْلُهُ: إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ یہ کلام متانف ہے جو کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ وہ وقت کونسا ہے جو ادلہ مقدمہ سے ثابت کیا گیا ہے؟ اس کا جواب إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ سے دیا گیا ہے کہ وہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ہے اس دن کے آنے میں چونکہ کفار کو تردد تھا اس لئے کلام کو إِنَّ کے ذریعہ مؤکد لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: جُوزُوا بِذَلِكَ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ جَزَاءً وَفَاقًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، ای جُوزُوا جَزَاءً وَفَاقًا۔

قَوْلُهُ: مُؤَافِقًا لِّعَمَلِهِمْ اس سے اشارہ کر دیا کہ وَفَاقًا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور جَزَاءً کی صفت ہے، ای جَزَاءً مُؤَافِقًا لِّعَمَلِهِمْ۔

قَوْلُهُ: وَكُلَّ شَيْءٍ یہ اشتغال کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے أَخَصَيْنَا كُلَّ شَيْءٍ أَحَصَيْنَاهُ اور بعض حضرات نے كُلَّ کو ابتداء کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے، اور یہ جملہ سبب اور مسبب کے درمیان معترضہ ہے۔

قَوْلُهُ: كِتَابًا، كِتَابًا مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ أَخَصَيْنَا بمعنی كَتَبْنَا ہے ای کتبناہ کتابًا۔

قَوْلُهُ: فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا یہ جملہ ان کے کفر و تکذیب کا مسبب ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحِ

جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا، اور آپ ﷺ نے توحید، قیامت وغیرہ کو بیان فرمایا، تو کفار آپس میں پوچھتا چھ کرتے کہ کیا واقعی قیامت برپا ہو سکتی ہے؟ اور یہ قرآن جس کو یہ شخص اللہ کا کلام کہتا ہے کیا واقعی اللہ کا کلام ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی سوال کر کے ان امور کی حیثیت و اہمیت کو واضح فرمایا اور پھر خود ہی جواب دے کر فیصلہ فرمادیا اور کلاً کے ذریعہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے فرمایا کہ یہ چیزیں بحث و مباحثہ اور تنقید و تبصرہ سے سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں، جب اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو گے تو سب کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا اور یہ عنقریب ہونے والا ہے۔

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

اللہ تعالیٰ نے عورت و مرد کے جوڑے کا ذکر کرنے کے بعد جو کہ اسباب راحت میں ایک ہے، نیند کا ذکر فرمایا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیند ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار اسی پر ہے اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے ایسا عام فرمادیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ و فقیر سب کو یہ دولت یکساں اور مفت عطا ہوتی ہے، اگر دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے ویسی وہ مالداروں اور بڑے بڑے سرداروں اور بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان تو ہیں مگر راحت نہیں ہے، راحت کا مکان ہے، نیز سردی گرمی کے اعتدال کا انتظام ہے گرم تکیے، گدے سب کچھ ہیں جو غریبوں کو بہت کم نصیب ہوتے ہیں، مگر نیند کی نعمت ان گدوں، تکیوں یا کوٹھی، بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں وہ تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے بعض اوقات مفلس بے سامان کو یہ نعمت بغیر کسی بستر اور تکیے کے کھلی زمین پر فراوانی سے دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز و سامان والوں کو نہیں دی جاتی حتیٰ کہ ان کو خواب آور گولیاں کھا کر بھی یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔

رات کو تار یک بنایا تاکہ لوگوں کو آرام و راحت نصیب ہو اور دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لئے جدوجہد کریں، اور زیادہ سے زیادہ سہولت کے ساتھ انسان اپنی معاش کی جستجو کر سکے۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا، مُعْصِرَاتٍ، مُعْصِرَةٌ کی جمع ہے، ایسے بادل کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو، اور برسنے کے قریب ہو گیا ہو، الْمَرْأَةُ الْمُعْصِرَةُ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری کا وقت قریب آ گیا ہو، ثَجَّاجًا کثرت سے بہنے والا پانی، جَزَاءً وَفَاقًا پورا بدلہ، یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی وہ ان کے عقائد باطلہ اور اعمال سیئہ کے مطابق ہوگی، از روئے عدل و انصاف اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۖ مَكَانَ فَوْزٍ فِي الْجَنَّةِ حَدَائِقَ بَسَاتِينَ بَدَلٍ مِنْ مَفَازٍ أَوْ بَيَانٍ لَهُ وَأَعْنَابًا ۖ عَطْفٌ عَلَى مَفَازٍ وَكَوَاعِبَ جَوَارِي تَكْغَبْتِ ثَدْيُهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ أَتْرَابًا ۖ عَلَى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تَرَبٍّ بَكْسَرِ التَّاءِ وَسُكُونِ الرَّاءِ ۖ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۖ خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالِّهَا وَفِي الْقِتَالِ وَأَنْهَرَتْ مِنْ خَمْرٍ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا أَى الْجَنَّةِ عِنْدَ شَرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَحْوَالِ لَغْوًا بَاطِلًا مِنَ الْقَوْلِ وَلَا كَذِبًا ۖ بِالتَّخْفِيفِ أَى كَذِبًا وَبِالتَّشْدِيدِ

ای تَکْذِیْبًا مِنْ وَاحِدٍ لِغَیْرِهِ بِخِلَافِ مَا یَقَعُ فِی الدُّنْیَا عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ جَزَاءُ مَنْ رَبَّکَ ای جَازَاهُمُ اللّٰهُ بِذَٰلِکَ جَزَاءً عَطَاءً بَدَلٌ مِنْ جَزَاءٍ حِسَابًا ۝ ای کَثِیرًا مِنْ قَوْلِهِمْ اَعْطَانِیْ فَاَحْسَبِنِیْ ای اَکْثَرَ عَلَیَّ حَتّٰی قُلْتُ حَسْبِیْ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ کَذَٰلِکَ وَیَرْفِعُهُ مَعَ جَرِّ رَبِّ السَّمٰوٰتِ لَا یَمْلِکُوْنَ ای الْخَلْقُ مِنْهُ تَعَالٰی خَطَابًا ۝ ای لَا یَقْدِرُ اَحَدًاَنْ یُّخَاطَبُهُ خَوْفًا مِنْهُ یَوْمَ ظُرِفَ لِاَلَا یَمْلِکُوْنَ لِقَوْمِ الرُّوحِ جِبْرِیْلُ اَوْ جُنْدُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِکَةُ صَفًّا حَالٌ ای مُصْطَفٰیْنَ لَا یَتَکَلَّمُوْنَ ای الْخَلْقُ الْاَمَنُ اِذْنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ فِی الْکَلَامِ وَقَالَ قَوْلًا صَوَابًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰئِکَةِ کَانَ یُسْتَفْعَوْنَ لِیَمْنِ اِذْ تَضٰی ذَٰلِکَ الْیَوْمَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَقُوْعُهُ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیَمَةِ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهِ مَا بَا ۝ تَرْجِعَا ای رَجَعَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِطَاعَتِهِ لِیَسْلَمَ مِنَ الْعَذَابِ فِیْهِ اِنَّا اَنْذَرْنٰکُمْ ای کُفَّارَ مَکَّةَ عَذَابًا قَرِیْبًا ۝ ای عَذَابٌ یَوْمَ الْقِیَمَةِ الْاٰتِیِ وَکُلُّ اَبٍ قَرِیْبٌ یَوْمَ ظُرِفَ لِعَذَابًا بِصِفَتِهِ یَنْظُرُ الْمَرْءُ کُلُّ اَمْرِءٍ مَا قَدَّمَتْ یَدُهُ مِنْ خَیْرٍ وَشَرٍّ وَیَقُولُ الْکُفْرِیَا حَرَفٌ تَنْبِیْهِ لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا ۝ یَعْنِیْ فَلَا اَعْدَبُ یَقُولُ ذَٰلِکَ عِنْدَ مَا یَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمَنْبَہَائِهِمْ بَعْدَ الْاِقْتِصَاصِ مِنْ بَعْضِهَا لِبَعْضٍ کَوْنِیْ تُرَابًا.

تَرْجِعْ: یقیناً پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے (یعنی) جنت میں کامیابی کا مقام ہے، باغات ہیں (حَدائق) مَفَازًا سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے اور انگور ہیں مَفَازًا پر عطف ہے اور ہم عمر ابھری ہوئی پستانوں والی نوخیز لڑکیاں ہیں کَوَاعِبُ، کَاعِبَةٌ کی جمع ہے وہ لڑکیاں جو نو جوان ہوں اور ان کی پستانیں ابھری ہوئی ہوں، (اُتْرَاب) قَرَبٌ کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں اور چھلکتے ہوئے جام شراب ہیں (یعنی) ایسی شراب ہے جو جاموں کو بھرنے والی ہے اور سورہ قتال میں ہے، اور شراب کی نہریں ہیں، وہاں یعنی جنت میں کسی بھی وقت نہ تو شراب پینے کے وقت اور نہ اس کے علاوہ نہ تو بیہودہ کلام ہوگا یعنی باطل قول اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے (کَذَابًا) تخفیف کے ساتھ بمعنی کذب اور تشدید کے ساتھ بمعنی تکذیب ہے یعنی کسی سے کسی کی تکذیب نہ سنیں گے، بخلاف اس کے جو دنیا میں شراب پینے کے وقت ہوتا ہے (یعنی دنیا میں جو شراب پی کر مستی کی حالت میں گالی گلوچ اور بکواس کرتے ہیں یہ کیفیت جنت کی شراب میں نہ ہوگی) یہ تیرے رب کی جانب سے بدلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جزاء عطا فرمائی جو کثیر انعام ہوگا (عَطَاءً) جَزَاءً سے بدل ہے اور یہ عرب کے قول "اَعْطَانِیْ فَاَحْسَبِنِیْ" سے مشتق ہے یعنی میرے اوپر اس کثرت سے انعامات کی (بارش کی) کہ میں نے بس بس کہہ دیا (یہ بدلہ) اس رب کی طرف سے ہوگا جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کا مالک ہے (وَالْاَرْضُ) جو ارفع کے ساتھ ہے (اور جو) رَحْمٰن ہے اس میں بھی دونوں اعراب ہیں، کسی مخلوق کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یعنی خوف کی وجہ سے اس سے بات کرنے پر کوئی قادر نہ ہوگا رب پر کسرہ کے ساتھ، رَحْمٰن پر رفع بھی درست ہے، جس دن روح یعنی جبرائیل علیہ السلام یا اللہ

کاشکر اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (صَفًّا) حال ہے بمعنی مصطفین تو کوئی مخلوق بات نہ کر سکے گی سوائے ان کے جن کو رحمن کلام کی اجازت دے گا اور مومنین اور فرشتوں میں سے ٹھیک بات کہے گا بایں طور کہ اس کی سفارش کریں، جس کے لئے خدا نے رضا مندی ظاہر کر دی، یہ دن حق ہے یعنی اس کا وقوع ثابت ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنائے یعنی اس کی اطاعت کر کے اس کی طرف رجوع کرے، تاکہ وہ اس ٹھکانہ میں عذاب سے محفوظ رہے اے کفار مکہ! ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا یعنی قیامت کے دن آنے والے عذاب سے، اور ہر آنے والی، قریب ہے، جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی خیر و شر کو دیکھ لے گا (یَوْمَ) عَذَابًا کا مع اس کی صفت کے ظرف ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا، یا، حرف تنبیہ ہے، یعنی پھر مجھے عذاب نہ دیا جاتا، یہ اس وقت کہے گا جب اللہ تعالیٰ جانوروں سے بعض کا بعض سے بدلہ دلوانے کے بعد کہے گا ”تم مٹی ہو جاؤ“۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: اِنَّ لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ کلام مستأنف ہے، اہل جنت کے احوال کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، اس کے ماقبل اہل نار کے احوال بیان فرمائے، لِّلْمُتَّقِيْنَ، اِنَّ کی خبر مقدم اور مَفَازًا اسم مؤخر ہے، اِنَّ لِّلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا، اِنَّ لِّلطَّاغِيْنَ مَآبَا کے مقابلہ میں لایا گیا۔

قَوْلًا: عَطَفَ عَلَى مَفَازًا مناسب یہ ہے کہ اَعْذَابًا کا عطف حَذَانَق پر ہو اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہوگا۔
قَوْلًا: تُدِيْهُنَّ یہ تَدِيْ کی جمع ہے بمعنی پستان۔

قَوْلًا: خَمْرًا مَالِئَةً مفسر علام نے کَآسًا کی تفسیر خَمْرًا سے کی ہے اور دھاقا کی تفسیر مَالِئَةً سے کی ہے، یعنی جام کو بھرنے والی شراب، گویا کہ ظرف بول کر مظر وف مراد لیا ہے، زیادہ بہتر ہوتا کہ کَآسًا کو اپنے معنی ہی میں رہنے دیتے، اور مَالِئَةً بمعنی مُمْتَلِئَةً ہو مطلب واضح ہے، لبالب بھرا ہوا جام۔

قَوْلًا: عِنْدَ شَرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِهَا، ہا ضمیر شَرْب کی طرف راجع ہے یہاں سوال ہوگا کہ ہا ضمیر مَوْنَتْ ہے اور شَرْب نہ کرے لہذا شَرْب کی طرف ضمیر لوٹانا درست نہیں ہے؟

جَوَابًا: جواب کا حاصل یہ ہے کہ شَرْب نے تانیث اپنے مضاف الیہ خَمْرًا سے حاصل کر لی ہے اور یہ بات درست ہے کہ مضاف الیہ کی رعایت سے مَوْنَتْ کی ضمیر لائی جائے خَمْرٌ مَوْنَتْ سماعی ہے، گو بعض اوقات مذکر بھی استعمال ہوتی ہے، اور بعض نسخوں میں غَيْرِهَا کے بجائے غَيْرُہ ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

قَوْلًا: حِسَابًا بِہ عَطَاء کی صفت ہے، حِسَابًا اگرچہ مصدر ہے مگر قائم مقام صفت کے ہے، یا پھر بطور مبالغہ وصف ہے، یا پھر مضاف محذوف ہے، ای ذو کفایۃ اس صورت میں زید عدل کے قبیل سے ہوگا۔ (صاوی)

قَوْلًا: كَذَلِكَ وَبَرْفَعِهِ مَعَ جَرِّ رَبِّ لِيَعْنِي رَبُّ كَا جَوَاعِرَابِ هِيَ لِيَعْنِي رَفْعُ اَوْرَجِرْ هِيَ وَهِيَ اَعْرَابُ الرَّحْمَنِ كَا بَهِي هِيَ، اِيك مَزِيْدَا عْرَابِ رَحْمَنِ مِيں يَهِي هِيَ كَهْ رَبِّ كَهْ جَرِّ كَهْ بَا وُجُوْدِ رَحْمَنِ پَر رَفْعُ هُو، اِس صَوْرَتِ مِيں رَحْمَنِ، هُو مَبْتَدَا مَحْذُوْفِ كِي خَبْرُ هُو كِي، يَا الرَّحْمَنِ مَبْتَدَا هُو كَا اَوْر لَا يَمْلِكُوْنَ اِس كِي خَبْرُ هُو كِي۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحِ

اِنَّ لِّلْمُتَّقِيْنَ مَفَاْزًا، كَا فِرُوں كَهْ اَحْوَالِ اَوْر اِن كِي سَزَا كَهْ بِيَانِ كَرْنِ كَهْ بَعْدِ يِهَاں سَے مُوْمِنِيْنَ كَهْ حَالَاتِ اَوْر اِن كَهْ لَئِے تِيَارِ كَرْدَه اَنْعَامَاتِ كَا ذَكْرُ هِيَ۔

جَزَاءً مِّنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا، لِيَعْنِي اُوپر جَنّتِ كِي جِن نَعْمَتُوں كَا ذَكْرُ آيَا هِيَ وَهْ مُوْمِنِيْنَ كَهْ اَعْمَالِ صَالِحِ كِي جَزَاءِ اَوْر اِن كَهْ رَبِّ كِي جَانِبِ سَے عَطَا هِيں، يِهَاں نَعْمَتُوں كُو اَوّلِ جَزَاءِ اَعْمَالِ بَتَايَا پُھر عَطَاءِ رَبَّانِي فَرْمَايَا، بَظَا هِرْدُونُوں مِيں تَعَارُضِ مَعْلُوْمِ هُو تَا هِيَ، اِس لَئِے كَهْ جَزَاءِ عَوْضِ اَوْر بَدَلِے كُو كِهْتِے هِيں اَوْر عَطَاءِ وَهْ اَنْعَامِ هِيَ جُو بَلَا كِسي بَدَلِے كَهْ هُو؟ اِس پَر كِهَا جَايَے كَا كَهْ مَذْكُورِ هِ دُونُوں لَفْظُوں كُو جَمْعِ كَرْنِ كَا اِيك مَطْلَبِ تُو يِه هِيَ كَهْ بَظَا هِر تُو جَنّتِ كَهْ اَنْعَامَاتِ جَزَاءِ اَعْمَالِ هُوں كَهْ مَگر حَقِيْقَتِ مِيں وَهْ عَطَاءِ رَبَّانِي اَوْر اَنْعَامَاتِ يَزْدَانِي هُوں كَهْ اِس لَئِے كَهْ بَنْدِے كَهْ لَئِے اَعْمَالِ تُو دُنِيُوِي اَنْعَامَاتِ كَهْ مُقَابِلِہِ مِيں بَهِي كَمِ هِيں، دُوسرَا مَطْلَبِ يِه هِيَ كَهْ مَذْكُورِ هِ دُونُوں لَفْظُوں كُو لَا كَرِ يِه بَتَا نَا مَقْصُوْدِ هِيَ كَهْ نِيكِ بَنْدِے كُو صِلِہِ صَرْفِ اسْتِحْقَاقِ هِيَ كَهْ مُطَابِقِ نِهِيں مَلِے كَا بَلَكِہِ اِس سَے كِهِيں زِيَادِہِ بَطُوْرِ عَطَاءِ، اَللّٰهُ تَعَالٰی اِپْنِے فَضْلِ وَكَرَمِ سَے عَنَايَتِ فَرْمَايِے كَهْ۔ اِيك حَدِيْثِ شَرِيْفِ مِيں هِيَ كَهْ كُوِي شَخْصِ مُحْضِ اِپْنِے اَعْمَالِ كَهْ بَلِ بُوْتِے پَر جَنّتِ مِيں دَاخِلِ نِهِيں هُو سَكْتَا جَبْ تَكِ كَهْ حَقِ تَعَالٰی كَا فَضْلِ نَهْ هُو، صَحَابِہِ كِرَامِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ نِے عَرْضِ كِيَا، كِيَا اَپْ بَهِي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ اَپْ ﷺ نِے فَرْمَايَا: هَاں! مِيں بَهِي۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا، لِيَعْنِي مِيْدَانِ حَشْرِ مِيں دَر بَارِ اِلٰهِي كَهْ رَعْبِ كَا يِه عَالَمِ هُو كَا كَهْ اِهْلِ زَمِيْنِ هُوں يَا اِهْلِ آسْمَانِ كِسي كُو بَهِي يِه مَجَالِ نَهْ هُو كِي كَهْ اَزْخُوْدِ بَغِيْرِ اِجَاْزَتِ خُدا وَنَدِي كَهْ اَللّٰهُ تَعَالٰی كَهْ حَضُوْرِ زَبَانِ كِهُوْلِ سَكِے، يَا عَدَالَتِ كَهْ كَامِ مِيں مَدَاخِلَتِ كَرِے كَهْ فِلَاں كُو اَتَا زِيَادِہِ كِيُوں دِيَا؟ اَوْر فِلَاں كُو اَتَا كَمِ كِيُوں دِيَا؟

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا، رُوْحِ سَے مَرَاذِ بَعْضِ ائمّہ تَفْسِيْرِ كَهْ زَرْدِيكِ جَبْرِئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيں چُوْنَكِہِ حَضْرَتِ جَبْرِئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَا مَلَائِكِہِ مِيں اِيكِ خَاصِ اِمْتِيَازِي مَقَامِ هِيَ اِس وَجِہِ سَے عَامِ مَلَائِكِہِ سَے اَلْگِ اِن كَا ذَكْرُ فَرْمَايَا، اَوْر بَعْضِ رَوَايَاتِ مِيں هِيَ كَهْ رُوْحِ، اَللّٰهُ تَعَالٰی كَا اِيكِ عَظِيْمِ الشَّانِ مُخْصُوْصِ لَشْكْرِ هِيَ جُو فَرِشْتِے نِهِيں هِيں، اِس تَفْسِيْرِ كِي رُوْ سَے دُو صَفِيْنِ هُوں كِي اِيكِ رُوْحِ كِي اَوْر دُوسَرِي فَرِشْتُوں كِي۔ (مَعَارِفِ مُلَخَّصًا)

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا، یہاں کلام نہ کرنے سے مراد شفاعت نہ کرنا ہے، شفاعت کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ ممکن ہوگی، ایک شرط یہ کہ جس شخص کو جس گنہگار کے حق میں شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گی صرف وہی شخص اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا، دوسری شرط یہ کہ شفاعت کرنے والا بجا اور درست بات کہے یعنی بے جا سفارش نہ کرے اور جس کے معاملہ میں وہ سفارش کر رہا ہو وہ دنیا میں کم از کم کلمہ حق کا قائل رہا ہو یعنی وہ گنہگار ہو، کافر شرک نہ ہو۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، ظاہر یہی ہے کہ اس دن سے مراد روز قیامت ہے اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، یا اعمال نامہ کی صورت میں کہ اس کا نامہ عمل اس کے ہاتھ میں آجائے گا جس میں وہ پچھتم خود اپنے اعمال کی تفصیل دیکھ لے گا، یا اس طرح کہ اس کے اعمال متشکل ہو کر خود اس کے سامنے آجائیں گے جیسا کہ روایات حدیث سے ثابت ہے کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہوگی وہ ایک زہریلے اثر ہے کی شکل میں اس پر مسلط کر دیا جائے گا، اور یَوْم سے موت کا دن بھی مراد ہو سکتا ہے اس وقت اعمال کو دیکھنے سے عالم برزخ میں دیکھنا مراد ہوگا۔ (مظہری)

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيِّنِي كُنْتُ ثَرِيًّا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز پوری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی، جس میں انسان و جنات اور وحشی و پالتو جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے، اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے جانور پر دنیا میں ظلم کیا ہوگا تو اسے اس کا انتقام دلوایا جائے گا، حتیٰ کہ اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو آج اس کو یہ بدلہ دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو تمام جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ، وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے اور حساب و کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے۔ (معارف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّ وَارْبَعُونَ آيَةً فِيهَا اَرْبَعُونَ

سُورَةُ وَالنَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّ وَارْبَعُونَ آيَةً.

سورہ والنازعات مکی ہے، چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالنَّازِعَاتِ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِعُ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ غَرَقًا ۝ نَزَعًا بِشِدَّةٍ
وَالنَّشِيطِ نَشْطًا ۝ الْمَلَائِكَةُ تَنْشِطُ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ أَيْ تَسْلُهَا بِرَفْقٍ ۝ وَالسَّيِّئَاتِ سَبْحًا ۝ الْمَلَائِكَةُ تَسْبَحُ مِنَ
السَّمَاءِ بِأَمْرِ تَعَالَى أَيْ تَنْزِلُ فَالسَّيِّئَاتِ سَبْقًا ۝ أَيْ الْمَلَائِكَةُ تَسْبِقُ بِأَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْجَنَّةِ
فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۝ الْمَلَائِكَةُ تُدَبِّرُ أَمْرَ الدُّنْيَا أَيْ تَنْزِلُ بِتَدْبِيرِهِ وَجَوَابُ هَذِهِ الْأَقْسَامِ مَحذُوفٌ أَيْ لَتُبْعَثُنَّ يَا
كُفَّارَ مَكَّةَ وَبُوعَامِلٌ فِي يَوْمٍ تُرْجَفُ الرَّاجِفَةُ ۝ النَّفْخَةُ الْأُولَى بِهَا يَرْجُفُ كُلُّ شَيْءٍ أَيْ يَتَرَزَّلُ
فَوُصِفَتْ بِمَا يَحْدُثُ مِنْهَا تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ النَّفْخَةُ الثَّانِيَّةُ وَبَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنَ الرَّاجِفَةِ
فَالْيَوْمُ وَاسِعٌ لِلنَّفْخَتَيْنِ وَغَيْرِهِمَا فَصَحَّ ظَرْفِيَّتُهُ لِلْبَعْثِ الْوَاقِعِ غَقِيبَ الثَّانِيَةِ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝ خَائِفَةٌ قَلَقَةٌ
أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ ذَلِيلَةٌ لِمَهْوِلٍ مَا تَرَى يَقُولُونَ أَيْ أَرْبَابُ الْقُلُوبِ وَالْأَبْصَارِ اسْتِهْزَاءً وَانْكَارًا لِلْبَعْثِ إِنَّهَا
بِتَحْقِيقِ الْمَهْمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لَمَرْدُودُونَ فِي الْخَافِرَةِ ۝
أَيْ أُنْرَدُ بَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى الْحَيَاةِ وَالْخَافِرَةُ اسْمٌ لِأَوَّلِ الْأَمْرِ وَبَيْنَهُ رَجَعُ فَلَانُ فِي خَافِرَتِهِ إِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ
جَاءَ إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخْرَةً ۝ وَفِي قِرَاءَةٍ نَاجِرَةً بِأَلِيَّةٍ مُتَفَتِّتَةٍ نُحْنِي قَالُوا تِلْكَ أَيْ رَجَعْتُمَا إِلَى الْحَيَاةِ إِذَا أَنْ
صَحَّتْ كَرَّةً رَجَعَتْ خَاسِرَةً ۝ ذَاتُ خُسْرَانٍ قَالَ تَعَالَى فَإِنَّمَا هِيَ أَيْ الرَّادِفَةُ الَّتِي يُعَقِّبُهَا الْبَعْثُ رَجَرَةً
نَفْخَةً وَاحِدَةً ۝ فَإِذَا نُفِخَتْ فَإِذَا هُمْ أَيْ كُلُّ الْخَلَائِقِ بِالسَّاهِرَةِ ۝ بَوَّجَهُ الْأَرْضَ أَحْيَاءُ بَعْدَ مَا كَانُوا بِبُطْنِهَا
أَمْوَاتًا هَلْ أَتَاكَ يَا مُحَمَّدُ! حَدِيثُ مُوسَى ۝ عَامِلٌ فِي إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اسْمُ الْوَادِىِ بِالتَّوْنِ
وَتَرْكِهِ فَقَالَ إِذْ هَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۝ تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِي الْكُفْرِ فَقُلْ هَلْ لَكَ أَدْعُوكَ إِلَا أَنْ تَرْكَبَ ۝ وَفِي
قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيدِ الرَّأْيِ بِادْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تَطْهَرُ مِنَ الشِّرْكِ بِأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

وَاهْدِيكَ إِلَى مَبَوِّئِكَ عَلَى مَعْرِفَتِهِ بِالْبُرْهَانِ ۚ فَتَخَشَّى ۙ فَتَخَافُهُ ۙ فَارَبُّهُ الْآيَةُ الْكُبْرَى ۙ مِنْ آيَاتِهِ التَّنْصِيعُ وَهِيَ الْيَدُ أَوِ الْعَصَا فَكَذَّبَ فِرْعَوْنُ مُوسَى ۙ وَعَصَى ۙ آلَهُ تَعَالَى ثُمَّ أَدْبَرَ عَنِ الْإِيمَانِ لِيَسْعَى ۙ فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَحَشَرَ جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُنْدَهُ فَنَادَى ۙ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى ۙ لَا رَبَّ فَوْقِي فَأَخَذَهُ اللَّهُ أَبْهَلَكَ بِالْغَرَقِ نَكَالَ عُقُوبَةِ الْآخِرَةِ ۙ اِیْ بِهَذِهِ الْكَلِمَةِ وَالْأُولَى ۙ اِیْ قَوْلِهِ قَبْلَهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي وَكَانَ بَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً ۙ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكُورًا لَعِبْرَةً لِمَنْ يَخْشَى ۙ اللَّهُ تَعَالَى ۙ

۱
۲

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ان فرشتوں کی جو کفار کی روح کو ڈوب کر سختی سے کھینچنے والے ہیں، قسم ہے ان فرشتوں کی جو نرمی سے مسلمانوں کی (روح) کو نکالنے والے ہیں یعنی روح کو آسانی کے ساتھ نکالنے والے ہیں، قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں تیزی سے تیرنے والے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں، پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو مومنین کی روحوں کو لے کر جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو دنیاوی معاملات کی تدبیر کرتے ہیں یعنی اس کی تدبیر کو لے کر نازل ہوتے ہیں، ان قسموں کا جواب محذوف ہے اور وہ لَتُبْعَنَّ یا کُفَّار مَكَّةَ ہے، (اے کفار مکہ! تم کو ضرور اٹھایا جائے گا) اور یہی یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ میں عامل ہے، جس دن ہلا ڈالے گا ہلا ڈالنے والا (یعنی) نَفْخَةُ اُولَى، اس کی وجہ سے ہر چیز کا پنے لگے گی یعنی ہر شے متزلزل ہو جائے گی (قیامت کو) اسی صفت سے متصف کیا گیا ہے جو اس سے پیدا ہوگی، اور اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا پڑے گا یعنی دوسرا نَفْخہ، اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا، اور جملہ رَاجِفَةٌ سے حال ہے، (روز قیامت میں) دونوں نفخوں وغیرہما کی گنجائش ہوگی، لہذا روز قیامت کا اس بعث کے لئے ظرف بننا صحیح ہے جو نَفْخَةُ ثانیہ کے بعد واقع ہوگا، بہت سے دل ہوں گے جو اس دن خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوں گے یعنی اضطراب کی وجہ سے خوف زدہ ہوں گے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اس ہولناکی کی وجہ سے جس کو وہ دیکھ رہی ہوں گی، پست ہوں گی، یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں واپس لائے جائیں گے یعنی یہ قلب و نظر والے (کفار مکہ) استہزاء اور انکار بعث کے طور پر کہتے ہیں (کیا ہم پہلی حالت میں واپس لائے جائیں گے) یعنی کیا ہم مرنے کے بعد لوٹائے جائیں گے اور حافرہ اول امر کا نام ہے، اسی سے رَجَعَ فُلَانٌ فِی حَافِرَتِهِ ہے (یعنی فلاں شخص اپنے سابقہ حال پر آ گیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسی طرف لوٹ جائے جہاں سے آیا تھا، کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اور ایک قراءت میں نَاخِرَةُ ہے بمعنی بوسیدہ، ریزہ ریزہ، زندہ کئے جائیں گے کہتے ہیں پھر تو یہ ہمارا حیات کی طرف لوٹنا بڑے گھائے کا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ یعنی نَفْخَةُ ثانیہ ایک آواز ہوگی جس کے بعد بعث ہوگی جب وہ پھونک دی جائے گی تو اچانک پوری مخلوق زندہ ہو کر سطح زمین پر آجائے گی حالانکہ وہ مردے تھے زمین کے نیچے، کیا آپ ﷺ کو اے محمد ﷺ! موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے (حَدِیْثُ) اِذْ نَادَاهُ ۙ میں عامل ہے (نہ کہ اَتَلَكَ) جب کہ ان کو ان کے

رب نے مقدس، میدان طویٰ میں پکارا (طویٰ) ایک وادی کا نام ہے، تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے، تو فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے یعنی کفر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے، اس سے کہو کہ کیا تیری چاہت ہے کہ میں تجھ کو ایسی چیز کی دعوت دوں جس سے تو پاک ہو جائے؟ ایک قراءت میں (تَزْغٰی) میں ز کی تشدید کے ساتھ ہے، تزکی کی تاء ثانیہ کو اصل میں زاء میں ادغام کر کے، یعنی شرک سے پاک ہو جائے، اس طریقہ سے کہ **تَوَلَّآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی شہادت دے اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں کہ تو اس سے ڈرنے لگے، یعنی دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کی طرف تیری رہنمائی کروں پھر موسیٰ عليه السلام نے اس کو نو نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دکھائی اور وہ ید بیضاء یا عصاء کی نشانی ہے، مگر فرعون نے موسیٰ عليه السلام کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی پھر (اس نے) ایمان سے روگردانی کی اور فساد فی الارض کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگا، پھر اس نے جادو گروں اور اپنے لشکر کو جمع کیا اور پکار کر کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں ہے، پھر اللہ نے اس کو غرقِ آب کے ذریعہ ہلاک کر کے آخری کلمہ اور پہلے کلمے کے عذاب میں پکڑ لیا یعنی آخری کلمہ سے پہلے کلمے کے عذاب میں (اور وہ پہلا کلمہ) ”مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي“ ہے اور ان دونوں کلموں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا بے شک اس (مذکور) میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: النَّازِعَاتِ (ض) نَزَعُ سے اسم فاعل جمع مونث، کھینچ کر نکالنے والیاں، یہاں طائفة کے معنی میں ملائکہ مراد ہیں۔
قَوْلُهُ: غَرَقًا یہ حذف زوائد کے ساتھ مصدر ہے ای اغْرَاقًا اپنے عامل النازعات کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مفعول مطلق ہے جیسے قُمْتُ وَقُوفًا، یا قَعَدْتُ جُلُوسًا، یا حال ہے ای ذَوَاتِ اغْرَاقٍ، اغْرَقَ فِي الشَّيْءِ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی معاملہ میں انتہائی حد کو پہنچ جائے۔

قَوْلُهُ: النَّاشِطَاتِ (ض) نَشَطًا سے اسم فاعل جمع مونث، کھولنے والیاں، سہولت کرنے والیاں، نَشَطَ فِي الْعَمَلِ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز میں سہولت اور جلدی کرتے ہیں، نَشَطًا اور اس کے مابعد سب اپنے عوامل کی تاکید کرنے والے مصادر ہیں۔

قَوْلُهُ: اِی تَنْزِيلُ بتدبیرہ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تدبیر کی نسبت ملائکہ کی جانب اسناد مجازی کے طور پر ہے، اصل مدبر اللہ تعالیٰ ہیں، اسی کے حکم سے ملائکہ تدبیر کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: لَتُبْعَنَّ یا کفار مکہ یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے، کفار مکہ کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ وہ بعث کے منکر ہیں ورنہ بعث مومن و کافر سب کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: فَالْيَوْمُ وَاسِعٌ لِلنَّفَحَتَيْنِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُئِلَ: سوال یہ ہے کہ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ سے نفعہ اولیٰ مراد ہے، جو کہ موت کا سبب ہوگا تو پھر وہ لَتَبَعَثَنَّ مقدر کا ظرف کس طرح ہو سکتا ہے، اس لئے کہ بعث تو نفعہ ثانیہ کے وقت ہوگا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ دن اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں دونوں نفعوں کی گنجائش ہوگی اگرچہ دونوں نفعوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، چالیس سال کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی دن چالیس سال کے برابر ہوگا، فصَحَّ ظَرْفُئِنَّهُ للبعث یعنی یوم کا بعث مقدر کے لئے ظرف واقع ہوتا صحیح ہے۔

قَوْلًا: تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ، رَادِفَةُ کے معنی ہیں متصلاً بعد میں آنے والا، نفعہ ثانیہ چونکہ اولیٰ کے بعد واقع ہوگا ان کے درمیان اور کوئی شئی حائل نہ ہوگی اسی وجہ سے نفعہ ثانیہ کو رادفہ کہا گیا ہے۔

قَوْلًا: قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ، قُلُوبٌ مبتداء ہے اور أَبْصَارُهَا اس کی خبر ہے۔

سُئِلَ: قُلُوبٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا صحیح نہیں ہے؟

جواب: وَاجِفَةٌ، قُلُوبٌ کی صفت مخصوصہ ہے جس کی وجہ سے نکرہ کا مبتداء بننا صحیح ہے، یعنی وَاجِفَةٌ، يَوْمَئِذٍ اپنے ظرف سے مل کر قلوب کی صفت ہے أَبْصَارُهَا میں ہا تمیز قلوب کی طرف راجع ہے اور قلوب کا مضاف محذوف ہے، ای ابصار اصحاب القلوب خاشعة۔

تَرْكِيب: قُلُوبٌ موصوف یَوْمَئِذٍ، وَاجِفَةٌ کا ظرف مقدم، وَاجِفَةٌ اپنے ظرف مقدم سے مل کر قُلُوبٌ کی صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء، أَبْصَارُهَا مبتداء ثانی، خَاشِعَةٌ اس کی خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلًا: فِي الْحَافِرَةِ، اِی الی الحافرة، فی بمعنى الی اور حافرة بمعنی حیات۔

قَوْلًا: اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخْرَةً، اِذَا کا عامل محذوف ہے جس پر مردودون دلالت کر رہا ہے، اِذَا كُنَّا عِظَامًا بِالْيَةِ نُرْدُّ وَنُبْعَثُ۔

قَوْلًا: نَخْرَةً یِ نَحْرَ الْعَظْمِ سے ماخوذ ہے بوسیدہ اور کھوکھلی ہڈی کو کہتے ہیں۔

قَوْلًا: قَالُوا تِلْكَ، تِلْكَ مبتداء ہے اور اس کا مشاٰ الیہ رجعة ہے، کَرَّةٌ بمعنی رجعة موصوف ہے، خَاسِرَةٌ صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلًا: خَاسِرَةٌ اس کی تفسیر ذاتُ خُسْرَانٍ سے کر کے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔

سُئِلَ: خَاسِرَةٌ کا حمل کَرَّةٌ پر درست نہیں ہے؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خَاسِرَةٌ، ذات خسران کے معنی میں ہے، یا خَاسِرَةٌ سے اصحاب خسران مراد ہیں، اور اسناد مجازی ہے جیسا کہ رَبَحْتَ تَبَارَتْهُمْ میں اسناد مجازی ہے۔

قَوْلًا: فَاِذَا نُفِخَتْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قَوْلًا: فَقَالَ، اِی فَقَالَ تَعَالٰی۔

قَوْلًا: بالتَّنْوِینِ و تَرَکُّہ، یعنی طَوَّی اگر مَکَانُ کے معنی میں ہو تو منصرف ہونے کی وجہ سے مُنَوَّن ہوگا اور اگر بُقْعَةُ کے معنی میں ہو تو غیر منصرف ہونے کی وجہ سے غیر مُنَوَّن ہوگا۔

قَوْلًا: نِکَالِ الْآخِرَةِ، آخِرَةِ سے مراد بعد والا کلمہ ہے جو کہ ”اَنَا رَبُّکُمْ الْاَعْلٰی“ ہے اور اولیٰ سے مراد پہلا کلمہ ہے اور وہ ”مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِی“ ہے اور بعض حضرات نے اولیٰ سے عذابِ غرق اور آخِرَةِ سے عذابِ حرق مراد لیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا، نَزْعُ سے مشتق ہے اس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے ہیں، اور غَرْقًا اس کی تاکید ہے اس لئے کہ غرق اور اغراق کے معنی پوری طاقت صرف کرنے کے ہیں ”اَغْرَقَ النَّازِعُ“ اس وقت بولتے ہیں جب کمان کھینچنے والا کمان کھینچنے میں پورا زور لگا دے، یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے، فرشتے کافروں کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں، اور اس سختی کا تعلق روح سے ہوتا ہے اگر کسی کافر یا مجرم کی جان بظاہر آسانی سے نکلتی معلوم ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی روح کو سختی سے نہیں نکالا گیا۔

وَالنَّاسِطَاتِ نَشْطًا، نَشْطٌ گرہ کھولنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح گرہ کھولنے کے بعد چیز آسانی سے نکل جاتی ہے، اسی طرح مومن کی روح بھی فرشتے آسانی سے نکالتے ہیں۔

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا، سَبْحُ کے لغوی معنی تیرنے کے ہیں، یہاں تیزی سے چلنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ روح قبض کرنے کے بعد فرشتے روح کو لے کر تیزی سے بلا روک ٹوک آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔

فَالسَّبِقَاتِ سَبْقًا، یعنی ان فرشتوں کی قسم جو سبقت کرنے والے ہیں، کس چیز میں سبقت کرنے والے ہیں؟ تو واضح رہے کہ یہاں روحوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت کرنا مراد ہے، ورنہ تو اس امر خاص میں سبقت اور عجلت کے علاوہ فرشتے ہر امر خداوندی کی بجا آوری میں سبقت کرتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا، یعنی امر الہی کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے ہیں، امر الہی کی تدبیر و تنفیذ سے روح کے معاملے میں تدبیر و تنفیذ مراد ہے اور اس کے علاوہ اور دیگر امور میں بھی تدبیر و تنفیذ مراد ہو سکتی ہے۔

خُلَاصَتُہُمْ: یہاں پانچ اوصاف رکھنے والی ہستیوں کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی لیکن بعد کا مضمون اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور تمام مردوں کو از سر نو ضرور زندہ کیا جائے گا، نیز اس امر کی وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ یہ اوصاف کن ہستیوں کے ہیں لیکن صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔

نفس اور روح سے متعلق قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے، اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نفس انسان ایک لطیف جسم ہے جو اس کے جسم کثیف میں سمایا ہوا ہے اور وہ انہی مادی عناصر رابعہ سے بنا ہے، فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں، مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کے ساتھ ایک خاص ربط و تعلق رکھتا ہے اور اس طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے، اس کو روح الروح بھی کہہ سکتے ہیں، کہ جسم کی زندگی نفس سے اور نفس کی زندگی روح سے ہے، اس لطیفہ ربانی کا تعلق اس جسم لطیف (نفس) کے ساتھ کس قسم کا ہے؟ اس کی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے علاوہ کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جس کا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کے مثل بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے، نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے یہی وہ جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں اور یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار ہو جاتا ہے اور کفر و شرک سے تاریک و بدبودار ہو جاتا ہے، روح مجرد کا تعلق بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے واسطے سے ہوتا ہے، اس جسم لطیف پر موت طاری نہیں ہوتی قبر (برزخ) کا عذاب و ثواب بھی اسی روح سے متعلق ہوتا ہے اس نفس کا تعلق قبر (برزخ) سے رہتا ہے اور روح مجرد اعلیٰ علیین میں رہتی ہے، اور روح مجرد اس ثواب و عقاب سے بواسطہ نفس متاثر ہوتی ہے، اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح میں ہونا بمعنی روح مجرد صحیح ہے، اس سے ان روایات مختلفہ میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض کی رو سے روح کا قبر میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے اعلیٰ علیین میں ہونا۔

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ، سَاهِرَةٌ، سے مراد سطح زمین ہے، قیامت کے دن پوری زمین سطح اور چٹیل میدان ہو جائے گی، نہ کہیں نشیب و فراز ہوگا اور نہ آڑ پہاڑ، اس کے بعد کفار اور منکرین بعثت کی ضد سے جو آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچی تھی اس کا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے ایذا پہنچ جانا کچھ آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی بڑی بڑی اذیتیں دی گئی تھیں انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجئے۔

فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى، ”نکال“ ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت حاصل ہو، ”آخرۃ“ اور ”اولی“ کا مطلب مفسر علام نے جو لیا ہے وہ تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے، ملاحظہ فرمایا جائے، بعض حضرات نے نکال الآخرة سے فرعون کے لئے عذاب آخرت مراد لیا ہے، اور نکال اولی سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کو غرق دریا ہو جانے سے پہنچا۔ (معارف)

مُنْكَرُوا النَّبْعُ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ أَشَدُّ خَلْقًا بَنَدَهَا ۝ بَيَانٌ لِّكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا رَفَعَ سَمَكَهَا تَفْسِيرٌ لِّكَيْفِيَّةِ
 الْبِنَاءِ اِی جَعَلَ سَمْتَهَا مِنْ جِهَةِ الْعُلُوِّ رَفِيعًا وَقِيلَ سَمَكُهَا سَقْفُهَا فَسَوَّيَهَا ۝ جَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بِأَعْيُنٍ
 وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا أَظْلَمَهُ وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۝ أَبْرَزَ نُورَ شَمْسِهَا وَأَضْيَفَ إِلَيْهَا اللَّيْلُ لِأَنَّهُ ظَلَمَهَا وَالشَّمْسُ لِأَنَّهُ
 سَرَّاجُهَا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۝ بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوقَةً قَبْلَ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دُخُوٍ أَخْرَجَ حَالَ
 بِإِضْمَارٍ قَدْ اِی مُخْرِجًا مِنْهَا مَاءَهَا بِتَفْجِيرٍ غُيُوبِهَا وَمَرَعَهَا ۝ مَا تَرَعَاهُ النَّعْمُ مِنَ الشَّجَرِ وَالْعُشْبِ وَمَا
 يَأْكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الْأَقْوَاتِ وَالثَّمَارِ وَإِطْلَاقُ الْمَرْعَى عَلَيْهِ اسْتِعَارَةٌ وَالْجِبَالُ أَرْضُهَا ۝ أَثْبَتَهَا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ
 لِتَسْكُنَ مَتَاعًا مَفْعُولٌ لَهُ، لِمُقَدَّرٍ اِی فَعَلَ ذَلِكَ مُتَعَةً أَوْ مُضَدَّرًا اِی تَمْتِيعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝ جَمَعَ نَعْمٍ وَهَبَى
 الْإِبِلَ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمَ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى ۝ السَّفْحَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ بَدَلٌ مِنْ إِذَا
 مَا سَعَى ۝ فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَبُرْزَتِ أَظْهَرَتِ النَّارُ الْمُخْرِقَةُ لِمَنْ يَرَى ۝ لِكُلِّ رَأٍ وَجَوَابٌ
 إِذَا فَا مِمَّنْ طَغَى ۝ كَفَرَ وَأَثَرَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ بِإِتِّبَاعِ الشَّمُوءِ ۝ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ۝ مَا وَاهُ
 وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ قِيَامَةً بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَهَى النَّفْسَ الْآمَارَةَ عَنِ الْهَوَى ۝ الْمُرْدَى بِإِتِّبَاعِ الشَّمُوءِ
 فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ۝ وَحَاصِلُ الْجَوَابِ فَالْعَاصِي فِي النَّارِ وَالْمُطِيعُ فِي الْجَنَّةِ يَسْأَلُونَكَ اِی كُفَّارُ مَكَّةَ
 عَنِ السَّاعَةِ آيَاتٍ مُرْسَاهَا ۝ مَتَى وَقُوعُهَا وَقِيَامُهَا فِيمَ فِي أَيْ شَيْءٍ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۝ اِی لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا
 حَتَّى تَذْكُرَهَا إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ۝ مُنْتَهَى عِلْمِهَا لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ إِنَّمَا يَنْفَعُ إِذْذَارُكَ
 مَنْ يَخْشَاهَا ۝ يَخَافُهَا كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يُرَوُّنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا فِي قُبُورِهِمْ إِلَّا عَشِيَّةٌ أَوْ ضُحَاهَا ۝ اِی عَشِيَّةٌ يَوْمٌ أَوْ بُكْرَتُهُ
 وَصَحَّ إِضَافَةُ الضُّحَى إِلَى الْعَشِيِّ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمَلَابَسَةِ إِذْهُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الْإِضَافَةَ وَقُوعُ
 الْكَلِمَةِ فَاصِلَةٌ.

تَرْجُمَةُ: اے بعث کے منکرو! کیا تمہاری تخلیق زیادہ دشوار ہے یا آسمان کی؟ (اَنْتُمْ) دونوں ہمزوں کی تحقیق اور
 ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کے
 ساتھ، اللہ نے اس کو بنایا یہ آسمان کی تخلیق کی کیفیت کا بیان ہے، اس کو بلند و بالا بنایا یہ کیفیت بناء کا بیان ہے یعنی اس کی بلندی کو
 اونچا کیا، کہا گیا ہے کہ رَفَعَ سَمَكَهَا سے مراد رَفَعَ سَقْفَهَا ہے، یعنی اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی، پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا
 (یعنی) اس کو بلا نقص کے سپاٹ بنایا، اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کا دن نکالا یعنی اس کے آفتاب کا نور ظاہر کیا، اور لیل
 کی اضافت آسمان کی جانب اس لئے کی کہ رات اس کا سایہ ہے اور شمس کی اضافت آسمان کی طرف کی گئی ہے اس لئے کہ شمس
 اس کا چراغ ہے، اور اس کے بعد زمین کو بچھایا وہ بغیر بچھائے اس کی تخلیق خلقِ سماء سے پہلے ہی ہو چکی تھی، اور اس سے اس کا پانی

نکالا اس کے چشموں کو جاری کر کے (اُخْرِجَ) قد کے اضمار کے ساتھ حال ہے مُخْرِجًا کے معنی میں، اور اس کے چارے کو نکالا یعنی وہ جس کو مویشی کھاتے ہیں خواہ درخت کے قبیل سے ہو یا گھاس کے، اور وہ چیز پیدا کی جس کو انسان کھاتے ہیں خواہ غلہ ہو یا پھل، اور انسانی خوراک پر مرعی کا اطلاق بطور استعارہ (مجاز) کے ہے، اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا یعنی زمین پر ثبت کر دیا، تاکہ اس کا اضطراب ختم ہو جائے، یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہیں (مَتَاعًا) فعل مقدر کا مفعول لا ہے ای فَعَلَ ذَلِكَ مُتَعَةً يَأْتِيهَا بِمَتَاعٍ بِمَعْنَى تَمْتِيعًا مصدر ہے (اس کا بھی فعل مَتَعْنَا مقدر ہوگا ای مَتَعْنَا تَمْتِيعًا) اَنْعَامُ، نَعْمٌ کی جمع ہے اور اَنْعَامِ اونٹ، گائے اور بکری کو کہتے ہیں، سو جب ہنگامہ عظیم آوے گا یعنی فتحِ ثانیہ، یعنی جس دن انسان دنیا میں اپنے کئے ہوئے خیر و شر کو یاد کرے گا (يَوْمَ) اِذَا سے بدل ہے اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم یعنی جلا دینے والی آگ ظاہر کی جائے گی اور اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغَى ہے تو جس شخص نے سرکشی یعنی کفر کیا اور خواہشات کی اتباع کی وجہ سے دنیوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس امارہ کو شہوتوں کی اتباع کے ذریعہ ہلاک کرنے والی خواہشات سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں ہوگا اور فرمانبردار جنت میں، کفار مکہ آپ ﷺ سے قیامت واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں یعنی یہ کہ اس کا وقوع اور قیام کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ ﷺ کا کیا تعلق، یعنی آپ ﷺ کے پاس اس کا علم نہیں ہے کہ آپ ﷺ اس کو بیان کریں، اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے (یعنی) وقوع قیامت کے علم کی انتہا (اسی کی طرف ہے) یعنی اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا، آپ ﷺ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آپ ﷺ کا ڈرانا صرف اس شخص کو فائدہ دے گا جو اس سے ڈرے گا، جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے، تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ اپنی قبروں میں صرف دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر کی مقدار رہے ہیں یعنی ایک دن کی شام یا صبح کی مقدار، اور ضحیٰ کی اضافت عَشِيَّةً کی جانب اس وجہ سے ہے کہ ان کے درمیان تعلق ہے، اس لئے کہ دونوں دن کے کنارے ہیں اور اضافت کو کلمہ فاصلہ (او) کے واقع ہونے نے حسین بنا دیا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْهِيلٍ وَ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: اَلَا تَنْتَهَوْنَ عَنِ اسْتِفْهَامِ مُنْكَرِينَ بَعَثَ كِي تَوْخِجَ كے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ: ای مع اِذْ خَالَ الْاَلِفِ وَ تَرْكِبِ، پہلا ہمزہ ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے تسہیل و تحقیق صرف دوسرے میں ہوتی ہے، لہذا دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی صورت میں اِذْ خَالَ الْاَلِفِ اور ترکِ اِذْ خَالَ، یہ دو قراءتیں ہوں گی اور دوسرے ہمزہ کے مسہلہ ہونے کی صورت میں بھی اِذْ خَالَ الْاَلِفِ اور ترکِ اِذْ خَالَ، دو یہ ہوں گی، اور دوسرے ہمزہ کو الْاَلِفِ سے بدل کر ایک قراءت نہ ہوئی، کل پانچ قراءتیں ہو گئیں۔

قَوْلًا: اَشَدُّ خَلْقًا اس سے اشارہ کر دیا ہے کہ اُم السَّمَاءُ مبتداء ہے اور اَشَدُّ خَلْقًا اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلًا: وَالْأَرْضُ، الْأَرْضُ اشتغال کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: کانت مخلوقہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ سورہ فصلت میں ہے کہ ابتداء تخلیق، ارض سے ہوئی اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی اور یہاں اس کا عکس ہے جو تعارض ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ زمین کے مادہ کی تخلیق تو تخلیق آسمان سے مقدم ہی ہے مگر اس کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے لہذا کوئی تعارض نہیں۔

قَوْلًا: واطلاق المرعى علیہ استعارۃ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ انسان کی غذا پر چارے کا اطلاق کیا گیا ہے جو کہ مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ چارا جانور کی خوراک کو کہا جاتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اطلاق بطور مجاز کے ہے یعنی اس سے مطلقاً کول مراد ہے، جس میں انسانی اور حیوانی دونوں غذا میں شامل ہیں۔

قَوْلًا: و جواب إِذَا فَأَمَّا مَنْ طَغَى الخ یعنی إِذَا کا جواب فَأَمَّا مَنْ طَغَى ہے، اس میں قدرے تسہیل ہے، اس لئے کہ فَأَمَّا مَنْ طَغَى یہ دنیا میں لوگوں کی حالت کا بیان ہے اور فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَى آخرت میں لوگوں کی حالت کا بیان ہے جس کی وجہ سے جزاء اور شرط دو الگ الگ مقاموں میں ہوں گی، لہذا بہتر یہ ہے کہ إِذَا کا جواب محذوف مانا جائے جیسا کہ دیگر مفسرین نے مانا ہے، اور وہ یہ ہے ”دَخَلَ أَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَأَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ“۔

قَوْلًا: مَا وَاہ اس میں اشارہ ہے کہ هِيَ الْمَاوِی میں الف لام ضمیر کے عوض میں ہے جو کہ ”مَنْ طَغَى“ کی جانب لوٹ رہی ہے ”إِذَا“ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عاصی دوزخ میں اور مطیع جنت میں ہوں گے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ إِذَا کا جواب فَأَمَّا مَنْ طَغَى کو قرار دینے کے بجائے محذوف مانا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا گیا۔

(صاوی)

قَوْلًا: فِيمَ أَنْتَ، فِيمَ اصل میں فِيمَا تھا قاعدہ معروفہ کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا گیا، اور فِيمَ خبر مقدم ہے اور أَنْتَ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: و صَحْ اضافة الضحیٰ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ رات کے لئے ضحیٰ نہیں ہوتا ضحیٰ تو دن کے لئے ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ضحیٰ کی اضافت عشیۃ کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف کی گئی ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عشیۃ اور ضحیٰ دونوں یوم کے اطراف (کنارے) ہیں لہذا ان دونوں کے درمیان ربط و تعلق ہے، اسی وجہ سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف درست ہے۔

قَوْلًا: وَحَسَنَ الْإِضَافَةِ وَقَوْلُ الْكَلِمَةِ فَاصِلَةٌ مطلب یہ ہے کہ اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے اضافت میں، فواصل آیات کی رعایت نے حسن پیدا کر دیا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا، یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصد زجر و تنبیخ ہے، مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو بڑا ہی امر محال سمجھتے ہو اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ہمارے جسم کے پراگندہ اور منتشر اجزاء دوبارہ جمع کر دیئے جائیں؟ اور ان میں جان ڈال دی جائے؟ کبھی تم اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ مشکل کام ہے یا تمہارا دوبارہ پیدا کرنا؟ جس خدا کے لئے اتنی بڑی اور عظیم کائنات کو پیدا کر دینا کوئی مشکل کام نہیں، تو اس کے لئے آخر تمہارا دوبارہ پہلی شکل میں پیدا کر دینا کیوں مشکل ہے؟

وَاعْطَشَ لَيْلَهَا، اَعْطَشَ بِمَعْنَى اَظْلَمَ اور اَخْرَجَ کا مطلب ہے اَبْرَزَ، اور نہار کی جگہ ضَحَّهَا اس لئے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے مطلب یہ ہے کہ دن کو سورج کے ذریعہ روشن کیا۔

وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا اس آیت میں زمین کو پھیلانے اور ہموار کرنے کا ذکر ہے، خلق یعنی (پیدا کرنا) اور چیز ہے اور دَحَى (پھیلانا) اور چیز ہے، زمین کا مادہ تخلیق آسمان سے پہلے پیدا کیا البتہ زمین کو ہموار تخلیق آسمان کے بعد کیا اور پھیلانے کا مطلب صرف ہموار کرنا ہی نہیں ہے بلکہ زمین کو رہائش کے قابل بنانا اور اس پر رہنے بسنے والوں کے لئے تمام ضروریات زندگی کے اسباب مہیا کرنا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغَى الْخ، اول اہل جہنم کی خاص علامات بیان کی گئی تھیں اور وہ دو ہیں: اول طغیان، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کرنا، اور دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم بتایا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ الْخ، اس آیت میں اہل جنت کی دو علامتوں کو بیان فرمایا، اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں ہر عمل کے کرنے کے وقت یہ خوف اور اندیشہ لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنی ہے، دوسرے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے قابو میں رکھا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لئے اس کے لئے قرآن کریم یہ خوشخبری دے رہا ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثِنْتَانِ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَاحِدَةٌ كَذَلِكَ

سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اثْنَانِ وَأَرْبَعُونَ آيَةً.

سورہ عبس مکی ہے، بیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَحَ وَجْهَهُ وَتَوَلَّى ①
 أَعْرَجَ لِأَجْلِ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ② عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَقَطَعَهُ عَمَّا هُوَ مَشْغُولٌ بِهِ بِمَنْ يَرْجُوا إِسْلَامَهُ مِنْ
 أَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِي هُوَ حَرِيصٌ عَلَى إِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَذِرِ الْأَعْمَى أَنَّهُ مَشْغُولٌ بِذَلِكَ فَنَادَاهُ عَلِمَنِي بِمَا
 عَلَّمَكَ اللَّهُ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَيْتِهِ فَعُوتِبَ فِي ذَلِكَ بِمَا نَزَلَ فِي هَذِهِ السُّورَةِ
 فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ يَقُولُ لَهُ إِذَا جَاءَ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي وَيَبْسُطُ لَهُ رِذَاءَهُ وَمَا يَذُرُّكَ يُعَلِّمُكَ
 لَعَلَّكَ تَزْكِي ③ فِيهِ إِذْ غَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الزَّايِ أَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ أَوْ يَذْكُرُ فِيهِ
 إِذْ غَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الذَّالِ أَيْ يَتَعِظُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرَى ④ الْعِظَةُ الْمَسْمُوعَةُ عَنْكَ وَفِي قِرَاءَةٍ
 بِنَصْبٍ تَنْفَعُهُ جَوَابُ التَّرَجُّيِ ⑤ أَمَّا مَنْ اسْتَغْنَى ⑥ بِالْمَالِ فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ⑦ وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيدِ الصَّادِ
 بِإِذْ غَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تُقْبَلُ وَتَتَعَرَّضُ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَزْكِي ⑧ يُؤْمِنُ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ⑨
 حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ جَاءَ وَهُوَ يَحْشَى ⑩ اللَّهُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ يَسْعَى وَهُوَ الْأَعْمَى فَأَنْتَ عَنْهُ تَلْهَى ⑪ فِيهِ حَذْفُ
 التَّاءِ الْآخِرَى فِي الْأَصْلِ أَيْ تَتَشَاغَلُ كَلَّا لَا تَفْعَلْ بِمِثْلِ ذَلِكَ إِنَّهَا السُّورَةُ أَوِ الْآيَاتِ تَذَكُّرَةٌ ⑫ عِظَةٌ
 لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ⑬ حَفِظَ ذَلِكَ فَاتَّعَظَ بِهِ فِي صُحُفِ خَبَرَاتٍ لَأَنَّهَا وَمَا قَبْلَهُ إِغْتِرَاضُ مُكَرَّمَةٍ ⑭ عِنْدَ
 اللَّهِ تَعَالَى مَرْفُوعَةٍ فِي السَّمَاءِ مُطَهَّرَةٍ ⑮ مُنْزَهَةً عَنْ مَسِّ الشَّيَاطِينِ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ⑯ كَتَبَتْ يَنْسَخُونَهَا مِنَ
 اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⑰ مُطِيعِينَ لِلَّهِ تَعَالَى وَهُمْ الْمَلَائِكَةُ قَتَلَ الْإِنْسَانَ لَعِنَ الْكَافِرُ مَا أَكْفَرَهُ ⑱
 اسْتَفْهَامُ تَوْبِيخٍ أَيْ مَا حَمَلَهُ عَلَى الْكُفْرِ مِنْ أَيْ شَيْءٍ خَلَقَهُ ⑲ اسْتَفْهَامُ تَقْرِيرٍ ثُمَّ بَيَّنَّهُ فَقَالَ مِنْ نُطْفَةٍ
 خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ⑳ عَلَّقَهُ ثُمَّ مُضْغَةً إِلَى آخِرِ خَلْقِهِ ثُمَّ السَّبِيلَ أَيْ طَرِيقَ خُرُوجِهِ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ يَسْرَهُ ㉑

ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۖ جَعَلَهُ فِي قَبْرِ يَسْتُرِهِ ۖ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ۖ لَنُبْعَثُ كُلًّا حَقًّا لَّمَّا يَقْضُ لِمَ يَفْعَلُ مَا أَمَرَهُ ۖ بِهِ رُبُّهُ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظْرًا ۖ غَتَبَارَ إِلَى طَعَامِهِ ۖ كَيْفَ قَدَّرَ وَدَبَّرَ لَهُ ۖ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ مِنَ السُّحَابِ صَبًّا ۖ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ شَقًّا ۖ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۖ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَعِنبًا وَقَضْبًا ۖ هُوَ الْفَتْ رَطْبُ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۖ وَحَدَاقٍ غُلْبًا ۖ بِسَاتِينَ كَثِيرَةٍ الْأَشْجَارِ ۖ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۖ مَا تَرَ عَادَ الْبَهَائِمُ وَقِيلَ التَّنُّ مَتَاعًا مُتَعًا أَوْ تَمْتِيعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِي السُّورَةِ قَبْلُهَا ۖ لَكُمْ وَلَآئِنَّا مَكْمٌ ۖ تَقْدِمُ فِيهَا أَيْضًا ۖ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۖ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ زَوْجَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ إِذَا وَجَوَابُهَا دَلٌ عَلَيْهِ لِكُلِّ أَمْرٍ مِنْهُمْ يَوْمَ يَذْشَانُ يُغْنِيهِ ۖ حَالٌ يَشْغُلُهُ عَنْ شَأْنٍ غَيْرِهِ أَيْ اشْتَغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ وَجُوهٌ يَوْمَ يَوْمٍ مُسْفِرَةٌ ۖ مُضِيَّةٌ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۖ فَرِحَةٌ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَوُجُوهٌ يَوْمَ يَوْمٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۖ غُبَارٌ تَرَهَّقَهَا تَغْشَاهَا قَتَرَةٌ ۖ ظُلْمَةٌ وَسَوَادٌ أُولَئِكَ أَهْلُ هَذِهِ الْحَالَةِ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجْرَةُ ۖ أَيْ الْجَامِعُونَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْفُجُورِ.

ترجمہ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ترش رو ہوئے محمد ﷺ یعنی منہ بنایا، اور اعراض کیا، اس وجہ سے کہ نابینا ان کے پاس آیا، عبد اللہ ابن ام مکتوم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، سو اس نے آپ ﷺ کے اس کام میں خلل ڈالا جس میں آپ ﷺ مشغول تھے ان لوگوں کے ساتھ اشراف قریش میں سے جن کے اسلام کی آپ ﷺ امید رکھتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ ان کے اسلام کے بڑے حریص تھے، اور نابینا کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی (اہم کام) میں مشغول ہیں، تو اس نے آپ ﷺ کو پکارنا شروع کر دیا کہ مجھے اس میں سے کچھ سکھا دو جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے پھر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، اس بارے میں آپ ﷺ پر عتاب فرمایا گیا اس کے ذریعہ جو اس سورت میں نازل ہوا، تو اس کے بعد آپ ﷺ عبد اللہ ابن ام مکتوم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا کرتے تھے جب وہ آیا کرتے تھے، اس شخص کے لئے مرحبا ہو جس کے بارے میں مجھ پر میرے رب نے عتاب فرمایا اور آپ ﷺ ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے، اور آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ سنور جاتا یز شکی میں تاء کا ادغام ہے اصل زاء میں یعنی گناہوں سے پاک ہو جاتا آپ ﷺ کی باتیں سن کر اور نصیحت قبول کرتا (يَذْكَرُ) میں اصل میں تاء کا ادغام ہے ذال میں، یعنی نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت اس کے لئے نافع ہوتی یعنی آپ ﷺ سے سنی ہوئی نصیحت اس کے لئے سودمند ہوتی اور ایک قراءت میں جواب ترجی کی وجہ سے تَنْفَعُهُ نصب کے ساتھ ہے، جو شخص مال کی وجہ سے بے پروا ہی کرتا ہے آپ ﷺ اس کی فکر میں تو پڑے ہیں اور ایک قراءت میں صاد کی تشدید کے ساتھ ہے، اصل میں تاء ثانیہ کو صاد میں ادغام کر کے (یعنی) توجہ کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ نہ ایمان لائے تو آپ ﷺ پر اس کی کوئی ذمہ

داری نہیں، اور جو آپ ﷺ کے پاس دوڑا آتا ہے کے فاعل سے حال ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے یہ یسعی کے فاعل سے حال ہے اور وہ نابینا ہے سو آپ ﷺ اس سے بے رخی برتتے ہیں اس میں اصل میں تاء ثانیہ کا حذف ہے، یعنی آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں، خبردار! آپ ﷺ ایسا ہرگز نہ کریں، یہ سورت یا آیات تو نصیحت ہیں مخلوق کے لئے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے (یاد رکھے) اور نصیحت حاصل کرے، یہ ایسے صحیفوں میں درج ہیں جو عند اللہ مکرم ہیں (فی صحف) ان کی خبر ثانی ہے اور اس کے ماقبل جملہ معترضہ ہے، آسمان میں بلند مرتبہ ہیں شیاطین کے مس کرنے سے پاکیزہ ہیں معزز اور نیک یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کاتبوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں، جو اس کو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں، اور وہ ملائکہ ہیں، لعنت ہو کافر انسان پر کیسا سخت منکر حق ہے؟ استفہام تو بیخ کے لئے ہے یعنی کس نے اس کو کفر پر آمادہ کیا؟ کیسی حقیر چیز سے (اللہ نے) اس کو پیدا کیا یہ استفہام تقریری ہے، پھر اس کو (خود ہی) بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا نطفہ سے، اس کی صورت بنائی پھر اس میں مختلف اطوار جاری فرمائے (اول) دم بستہ بنایا پھر گوشت کا لوتھڑا بنایا، اس کی تخلیق کے مکمل ہونے تک تغیرات کو جاری فرمایا پھر اس کی ماں کے پیٹ سے اس کے نکلنے کا راستہ آسان فرمایا، پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا یعنی اس کو ایسی قبر میں پہنچا دیا جس نے اس کو چھپا لیا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے بعث کے لئے زندہ کرے گا، ہرگز نہیں! اس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اس کو اس کے رب نے حکم دیا پھر انسان ذرا نظر عبرت سے اپنی خوراک کو دیکھے کہ کس طرح اس کو مقدر کیا اور اس کے لئے تدبیر کی، کہ ہم نے بادلوں سے خوب پانی برسایا پھر ہم نے نباتات کے ذریعہ زمین کو عجیب طریقہ سے پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ مثلاً گندم، جو، اور انگور اور سبزہ اور وہ ہر اچارہ ہے زیتون اور کھجور اور گھنے باغ (یعنی) بکثرت درختوں والے باغات اور میوے اور چارہ پیدا کیا جس کو مویشی چرتے ہیں اور کہا گیا ہے، گھاس (پیدا کی) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے تاکہ فائدہ پہنچائے تم کو فائدہ پہنچانا، جیسا کہ اسی سورت میں اس سے پہلے گذر چکا ہے، (وَلَا نُعَامِكُمْ) کی تفسیر بھی ابل، بقر، غنم سے سابق میں گذر چکی ہے پھر آخر جب وہ کانوں کو بہرہ کر دینے والی آواز آئے گی یعنی نفعہ ثانیہ، اس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا یسوم، اِذَا سے بدل ہے اور اس کا جواب وہ ہے جس پر لُکُل افسری دلائی کرتا ہے، اس دن میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا کہ جو اس کو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے گا، (یعنی) ایسا حال ہوگا جو اس کو دوسروں کے حال سے بے خبر کر دے گا یعنی ہر شخص اپنے حال میں مبتلا ہوگا، کچھ چہرے اس روز روشن ہشاش بشاش ہوں گے یعنی خوش و خرم ہوں گے اور وہ مؤمن ہیں، اور کچھ چہرے اس روز خاک آلود ہوں گے جن پر ظلمت چھائی ہوگی یعنی تاریکی اور سیاہی، یہی اس حالت والے کافر اور فاجر لوگ ہوں گے یعنی کفر و فجور کے جامع ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: عَبَسَ وَتَوَلَّى (ض) عَبُوسًا، عُبُوسًا، ترش رو ہونا، چیس بہ چیس ہونا، اظہار ناگواری کرنا، ماتھے پر بل ڈالنا، اور اگر ماتھے پر بل ڈالنے کے ساتھ دانت بھی ظاہر ہو جائیں تو کَلْحُ کہتے ہیں اور اگر منہ بھی بنایا جائے تو بُسْرُ کہتے ہیں اور ساتھ میں غصہ بھی ہو تو بَسْلُ کہتے ہیں (لغات القرآن) عَبَسَ اور تَوَلَّى میں غائب کے صیغے استعمال فرمانا، انتہائی لطف و کرم کے اظہار کے طور پر ہے کہ عتاب کے وقت حاضر کے صیغے استعمال نہیں فرمائے؛ تاکہ ایسا معلوم ہو کہ جس کام پر عتاب کیا جا رہا ہے وہ آپ ﷺ نے نہیں کیا؛ بلکہ کسی اور نے کیا ہے، پھر آگے وَمَا يُذَرِّبُكَ، وَمَا عَلَيْنِكَ إِلَّا يَزْنِي میں حاضر کے صیغے سے خطاب فرمایا، اس میں بھی آپ ﷺ کی دل جوئی اور احترام ملحوظ ہے اگر بالکل خطاب کا صیغہ نہ فرماتے تو اس سے اعراض کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا جس سے آپ ﷺ کو ناقابل برداشت رنج و غم ہوتا۔

قَوْلٌ: عَبَسَ وَتَوَلَّى ان دونوں فعلوں نے اَنْ جَاءَ هُ الْاَعْمٰی میں تنازع کیا، دونوں اس کو مفعول لاجلہ بنانا چاہتے ہیں، ایک کو عمل دے کر، دوسرے کے لئے ضمیر کو حذف کر دیا فضلہ ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلٌ: عبد اللہ ابن ام مکتوم، ای ابن شریح بن مالک بن ربیعۃ الفہری من بنی عامر بن لوی، اپنی داوی کی کنیت سے مشہور ہیں، قدیم الاسلام ہیں، حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت خدیجہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت خویلد کے خالہ زاد بھائی ہیں، آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تیرہ مرتبہ مدینہ طیبہ پر نائب مقرر فرمایا، آپ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

قَوْلٌ: وَمَا يُذَرِّبُكَ اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے مَا استفہامیہ مبتداء ہے يُذَرِّبُكَ فعل متعدی بدو مفعول ہے، کاف مفعول اول ہے اور لَعَلَّہُ يَزْنِي جملہ ہو کر قائم مقام دوسرے مفعول کے ہے۔

قَوْلٌ: فَتَنْفَعَهُ مَرْفُوع ہے يَذْغُرُ پر عطف کی وجہ سے اور منصوب ہے جواب ترجی ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلٌ: فَانْتَ لَهُ تَصَدَّى جار مجرور تَصَدَّى کے متعلق ہے، فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: تَصَدَّى اصل میں تَصَدَّدَ تھا دوسری دال کو حرف علت یاء سے بدل دیا گی۔

قَوْلٌ: وَمَا عَلَيْنِكَ، مَا نافیہ ہے اور عَلَيْنِكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اِلَّا يَزْنِي مبتداء محذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، لَيْسَ عَلَيْنِكَ بَأْسٌ فِي عَدَمِ تَزْكِيَّتِهِ۔

قَوْلٌ: وَمَا قَبْلَهُ اعتراض یعنی اِنَّ کی دونوں خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلٌ: بِاَيْدِي سَفَرَةٍ بمعنی کاتبین، سَفَرَةُ جمع سَافِر جیسا کہ کَتَبَةُ جمع کاتب۔

قَوْلٌ: لَعِنَ الْكَافِرُ اس میں اشارہ ہے کہ انسان سے مطلق انسان مراد نہیں ہے بلکہ انسان کا فر مراد ہے۔

قَوْلًا: قُتِلَ الْإِنْسَانُ اس آیت میں دو طریقہ سے اشکال ہے۔

پہلا اشکال:

یہ کہ اس سے بددعاء کا وہم ہوتا ہے اور دعاء یا بددعاء عاجز کیا کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے؟ لہذا یہ اس کی شایان شان نہیں۔

دوسرا اشکال:

تعجب اس امر عظیم سے ہوا کرتا ہے جس کا سبب مخفی ہو، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں؟ اس لئے کہ وہ تو علم کی تمام اشیاء سے اجمالاً اور تفصیلاً واقف ہے؟

اشکال اول کا پہلا جواب:

یہ کلام، عرب کے کلام کے اسلوب پر ہے گویا کہ اس میں استحقاق عذاب عظیم کی طرف اشارہ ہے ان کے عظیم ترین جرم کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے، عرب جب کسی چیز سے تعجب کرتے ہیں تو کہتے ہیں، قَاتَلَهُ اللَّهُ مَا أَخْبَتَهُ اللَّهُ اس کو ہلاک کرے کس قدر خبیث ہے۔

لَا يَسْتَرْجِعُ: قُتِلَ الْإِنْسَانُ بددعاء نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب:

یہ استفہام تعجب نہیں ہے بلکہ استفہام توخیخ ہے اور مفسر علام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلًا: فَقَدَرَهُ يَه مِنْ نَظْفَةِ خَلْقِهِ کی تفصیل ہے اِی قَدَّرَ اَطْوَارَهُ یعنی اس کے مراحل تخلیق کو بیان فرمایا ہے۔

قَوْلًا: ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرَهُ يَه بِابِ اسْتِغَالٍ سے ہے، اِی يَسْرَ السَّبِيلَ يَسْرَهُ.

قَوْلًا: اِذَا شَاءَ اَنْشَرَهُ مَشِيَّتٍ کا مفعول محذوف ہے، اِی اِذَا شَاءَ اِنْشَارَهُ اَنْشَرَهُ.

قَوْلًا: هُوَ الْفَتِ الرُّطْبِ جانوروں کا ہر اچارا، ہرے چارے کو قضباً کہا ہے، اس لئے کہ قضباً کے معنی کاٹنے کے ہیں

اور چارہ چونکہ بار بار کاٹا جاتا ہے، اس لئے اس کو قضب کہتے ہیں۔

قَوْلًا: غَلَبًا یہ اَغْلَبَ وَ غُلَبَاء کی جمع ہے جیسے اَحْمَرُ، حُمْرَاء کی جمع حُمْرُ آتی ہے، گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔

قَوْلًا: وَاَبَا، اَبٌ بھی جانوروں کے چارے کو کہتے ہیں، مگر قَضْبٌ اور اَبٌ میں فرق یہ ہے کہ قَضْبٌ برے چارے کو کہتے ہیں اور اَبٌ عام ہے خواہ ہر یا خشک۔

قَوْلًا: قِيلَ التَّنْبُ یہ اَبَا کے دوسرے معنی کا بیان ہے، تنب کے معنی خشک گھاس کے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے اَبٌ، قَضْبٌ کی ضد ہوگی۔

قَوْلًا: مُنْعَةٌ او تَمْتِیْعًا، مَتَاعًا کی تفسیر متعة اور تَمْتِیْعًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے اور مفعول مطلق بھی۔

قَوْلًا: وَالصَّاحَةُ، صَاخَہ زوردار آواز جو کانوں کو بہرا کر دے۔

قَوْلًا: لِكُلِّ اَمْرٍ بھاگنے کے سبب کو بیان کرنے کے لئے جملہ متانفہ ہے۔

قَوْلًا: اَشْغَلَ كُلِّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ یہ اذا کا جواب محذوف ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ عَبَسَ و تَوَلَّى الخ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش کے سرداروں کی ایک جماعت، جن کے ناموں کی مختلف روایات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ عتبہ، شیبہ، ابو جہل، امیہ بن خلف، ابی بن خلف جیسے اسلام کے بدترین دشمن تھے، جو ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے، اتنے میں عبد اللہ ابن ام مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ صحابی جو کہ نابینا تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اسلام کے متعلق آپ ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہا، حضور ﷺ کو ان کی اس مداخلت پر ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے ان سے بے رخی برتی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورت نازل ہوئی۔

(ترمذی شریف)

عَبَسَ و تَوَلَّى، اس فقرہ کا انداز بیان، اپنے اندر عجیب لطف رکھتا ہے اگرچہ بعد کے فقروں میں براہ راست آپ ﷺ کو خطاب ہے، جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ترش روئی اور بے اعتنائی برتنے کا فعل آپ ﷺ ہی سے صادر ہوا تھا

لیکن کلام کی ابتداء اس طرح کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نہیں بلکہ اور کوئی شخص ہے جس سے یہ فعل صادر ہوا ہے، اس طرز بیان سے ایک نہایت لطیف طریقہ پر رسول اللہ ﷺ کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ ﷺ کے کرنے کا نہ تھا، گویا کہ یہ حسنات الابرار، سیئات المقربین کے قاعدہ کے مطابق خلاف اولیٰ کے اختیار پر تنبیہ تھی، مقصد یہ ہے کہ خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی آپ ﷺ کی شایان شان نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا اجتہاد اور اس کی اصلاح:

سرداران قریش کی طرف توجہ کرنے اور عبد اللہ ابن ام مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف توجہ نہ کرنے میں آپ ﷺ کا خیال یہ تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں، ان میں سے اگر کوئی ایک شخص بھی ہدایت پالے تو وہ اسلام کی تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے، بخلاف ابن ام مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے کہ وہ تو ایمان لا ہی چکے ہیں اور جو کچھ ان کو معلوم کرنا ہے وہ بعد میں بھی معلوم کر سکتے ہیں، اسی اجتہادی خطا پر گرفت فرماتے ہوئے فرمایا وَمَا يُذَرِّكَ لَعَلَّہُ یَزَّکَّی الخ آپ ﷺ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے، تو یہ اسکے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے یا کم از کم ذکر اللہ سے ابتدائی نفع حاصل کرتے۔

تبلیغ و تعلیم کا ایک اہم قرآنی اصول:

یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے ایک مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی دل جوئی، دوسرے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے ان کی طرف توجہ، قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے، دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر ایسے کام کرنے کہ جس سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات یا شکایات پیدا ہو جائیں مناسب نہیں ہیں؛ بلکہ ان قرآنی ہدایات کے مطابق مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور حفاظت کو مقدم رکھنا چاہئے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ہے۔

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بد نامی بھلی

أَمَّا مَنْ اسْتَعْنَىٰ فَإِنَّ لَهُ تَصَدَّىٰ، یعنی ایسا ہرگز نہ کرو، خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے

ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دو، اور نہ اسلامی تعلیم ایسی چیز ہے کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے سامنے اسے بالخاص پیش کیا جائے اور نہ آپ ﷺ کی یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو کہ جس سے یہ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے انکی ہوئی ہے، حق ان سے اس سے زیادہ بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَزَّكِّي، اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ کا کام تو صرف تبلیغ ہے اس لئے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فَإِنَّ عَنْهُ تَلَهَّى، یعنی ایسے شخص کی جن کے دل میں خدا کا خوف ہو جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ وہ آپ ﷺ کی باتوں پر عمل کرے گا اور آپ کی نصیحت اس کے لئے مفید ثابت ہوگی، قدر کرنیکی ضرورت ہے، نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی، ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہئے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا و غلام، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نوازا دے گا۔ (ابن کثیر)

قَبْلَ الْإِنْسَانِ مَا أَكْفَرَهُ، یہاں سے عتاب کا رخ براہ راست ان کفار کی طرف پھرتا ہے جو حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ اس سے پہلے ابتداء سورت سے آیت ۱۶ تک خطاب نبی ﷺ سے تھا اور عتاب در پردہ کفار پر، اس کا انداز بیان یہ تھا کہ اے نبی! ایک طالب حق کو چھوڑ کر آپ ﷺ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہیں، جو دعوت حق کے نقطہ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں؟ اور جن کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ ﷺ جیسا عظیم القدر پیغمبر قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

مِنْ أَيْ شَيْءٍ خَلَقَهُ، اس آیت میں سرکش اور خدا کے باغی انسان کو یہ بات یاد دلانی گئی ہے کہ پہلے وہ ذرا اپنی حقیقت پر غور کرے کہ وہ کس چیز سے وجود میں آیا؟ کس جگہ اس نے پرورش پائی؟ اور کس راستے سے وہ دنیا میں آیا؟ اور رحم مادر میں اس نے کیا غذا کھائی؟ اور کس بے بسی کی حالت میں اس کی زندگی کی ابتدا ہوئی؟ اپنی اس اصل اور حقیقت کو بھول کر ”ہیچومن دیگرے نیست“ کی غلط فہمی میں کیسے مبتلا ہو جاتا ہے۔

خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ، یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنادیا بلکہ اس کو ایک خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا، اس کے قد و قامت اور جسامت اور شکل و صورت اور اعضاء کا طول و عرض اور جوڑ و بند، آنکھ، ناک وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم کیا کہ ذرا اس کے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے۔

ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ، تخلیق انسانی کی ابتداء بیان کرنے کے بعد اس کی انتہاء کو بیان فرمایا کہ اس کی انتہاء موت اور قبر ہے، اس کا ذکر بسلسلہ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں، نعمت ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”تحفة المؤمن الموت“ کہ مومن کا تحفہ موت ہے، اور اس میں مجموعہ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں فَأَقْبَرَهُ پھر اس کو قبر میں داخل کیا، یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر پڑا سڑتا اور پھولتا پھٹتا رہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کرنا واجب ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اس سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔

لِكُلِّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر اور غیر محتون ہوں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا نے آپ ﷺ سے معلوم کیا اس طرح شرمگاہوں پر نظریں نہیں پڑیں گی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ اس روز کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ (نسائی، ترمذی وغیرہ)

﴿مَقَات﴾

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ تکویر کی ہے، انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ ۱ لَفَقَتْ وَذُهِبَ بِنُورِهَا ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ ۲ انْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ عَلَى الْأَرْضِ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ ۳ ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ فَصَارَتْ بَهَاءً مُنْبَثًا ۝ وَإِذَا الْعِشَارُ النُّوُحُ الْخَوَامِلُ عَظِلَتْ ۝ ۴ تَرَكَتْ بَلَا رَاعٍ أَوْ بَلَا حَلَبٍ لِمَا دَبَّاهُمْ مِنَ الْأَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَالٌ أَغْجَبَ إِلَيْهِمْ مِنْهَا ۝ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ ۵ جُمِعَتْ بَعْدَ الْبُعْثِ لِيُقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيرُ تُرَابًا ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ ۶ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَوْ قَدَتْ فَصَارَتْ نَارًا ۝ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ ۷ قُرِنَتْ بِأَجْسَادِهَا ۝ وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ الْجَارِيَةُ تُدْفِنُ حَيَّةً خَوْفَ الْعَارِ وَالْجَاغَةِ سِيلَتْ ۝ ۸ تَبَكَّتْهَا لِقَاتِلُهَا بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ ۹ وَقُرِئَ بِكُسْرِ التَّاءِ حِكَايَةً لِمَا تُخَاطَبُ بِهِ وَجَوَابُهَا أَنْ تَقُولَ قُتِلْتُ بِلَا ذَنْبٍ ۝ وَإِذَا الصُّحُفُ صُحِفَتْ الْأَعْمَالُ نُشِرَتْ ۝ ۱۰ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ فُتِحَتْ وَبُسِطَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ ۱۱ نُزِعَتْ عَنْ أَمَاكِينِهَا كَمَا يُنْزَعُ الْجِلْدُ عَنِ الشَّاةِ ۝ وَإِذَا الْجَحِيمُ النَّارُ سُعِرَتْ ۝ ۱۲ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أُحْجَتْ ۝ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْلِفَتْ ۝ ۱۳ قُرِبَتْ لِأَسْلَمِهَا لِيَدْخُلُوهَا وَجَوَابُ إِذَا أَوَّلُ السُّورَةِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ أَى كُلِّ نَفْسٍ وَقَتْ بِهَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَا أَحْضَرَتْ ۝ ۱۴ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلَا أَقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِالْخُسْنِ ۝ ۱۵ الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۝ ۱۶ بِي النُّجُومِ الْخَمْسَةِ رُحُلُ وَالْمُشْتَرَى وَالْمَرِيخُ وَالزُّهْرَةُ وَعُطَارِدُ تَخُنُّسُ بَضَمِ النُّونِ أَى تَرْجِعُ فِي مَجْرَاهَا وَرَاءَ بِهَا بَيْنَمَا تَرَى النَّجْمَ فِي الْخَرِّ الْبُرْجِ إِذْ كَرَّرَ رَاجِعًا إِلَى أَوَّلِهِ وَتَكُنُّسُ بِكُسْرِ النُّونِ تَدْخُلُ فِي كِنَاسِهَا أَى تَغِيْبُ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي تَغِيْبُ فِيهَا وَاللَّيْلُ إِذَا عَسَعَسَ ۝ ۱۷ أَقْبَلَ بِظِلَامِهِ أَوْ أَدْبَرَ وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ ۱۸ اِمْتَدَّ حَتَّى يَصِيرَ نَهَارًا بَيْنَا إِنَّهُ أَى الْقُرْآنَ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ۱۹ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ جَبْرِيلُ أُضِيفَ إِلَيْهِ لِنُزُولِهِ بِهِ ذِي قُوَّةٍ أَى شَدِيدِ الْقُوَى عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ أَى اللَّهِ تَعَالَى مَكِينٍ ۝ ۲۰ ذِي مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٌ بِهِ عِنْدَ

مُطَاعٍ ثُمَّ اِیْ تُطِيعُهُ الْمَلَائِكَةُ فِی السَّمٰوٰتِ اٰمِیْنٌ ۝ عَلٰی الْوَحٰی وَمَا صَاحِبُكُمْ مُّحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ عَطَفَتْ عَلٰی اِنَّهُ اِلٰی الْاٰخِرِ الْمُقَسِّمِ عَلَیْهِ بِمَجْنُوْنٍ ۝ کَمَا زَعَمْتُمْ وَلَقَدْ رَاَهُ رَاٰی مُّحَمَّدٌ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا بِالْاَفْقِ الْمُبِیْنِ ۝ الْبَیِّنِ وَهُوَ الْاَعْلٰی بِنَاحِیَةِ الْمَشْرِقِ وَمَا هُوَ اِیْ مُّحَمَّدٌ عَلَیْهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی الْغَیْبِ مَا غَابَ مِنَ الْوَحٰی وَخَبَرَ السَّمٰوٰتِ بِضَنِیْنِ ۝ بِمُتَمِّمِمْ وَفِی قِرَآءَةٍ بِالضَّادِ اِیْ بِبَخِیْلِ فِیَنْقُصُ شَیْئًا مِنْهُ وَمَا هُوَ اِیْ الْقُرْآنُ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ مُّسْتَرِقٍ السَّمْعِ رَجِیْمٍ ۝ مَرْجُوْمٍ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ فَاَیْ طَرِیْقٍ تَسْلُکُوْنَ فِیْ اِنْکَارِکُمْ الْقُرْآنَ وَاِعْرَاضِکُمْ عَنْهُ اِنْ مَا هُوَ الْاَذْکُرُّ عِظَّةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لِمَنْ شَاءَ مِنْکُمْ بَدَلٌ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ بِاِعَادَةِ الْجَارِ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ۝ بِاِتِّبَاعِ الْحَقِّ وَمَا تَشَاءُوْنَ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰی الْحَقِّ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الْخَلَائِقِ اِسْتِقَامَتُکُمْ عَلَیْهِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور اس کی روشنی ختم کر دی جائے گی، اور جب تارے جھڑ جائیں گے اور زمین پر گر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، یعنی ان کو سطح زمین سے اکھاڑ دیا جائے گا، تو وہ اڑتے ہوئے غبار کی مانند ہو جائیں گے، اور جب دس ماہ کی گا بھن اونٹیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی (یعنی) بغیر نگران یا بغیر دوہے چھوڑ دی جائیں گی، اس لئے کہ ان کو ایک عظیم ہولناکی نے خوف زدہ کر دیا ہوگا، اور عرب کے نزدیک دس ماہہ گا بھن اونٹنی سے زیادہ نفیس مال کوئی نہیں تھا، اور جب بعث کے بعد جنگلی جانور سمیٹ کر جمع کر دیئے جائیں گے تاکہ بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے اور پھر وہ مٹی ہو جائیں اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے تخفیف و تشدید کے ساتھ تو وہ آگ (کے مانند) ہو جائیں گے، اور جب جانیں اپنے جسموں سے جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے قاتل کو لا جواب کرنے کے لئے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟ اور (قُتِلَتْ) کو تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کی حکایت کرتے ہوئے جس کے ذریعہ اس کو خطاب کیا جائے گا اور اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ کہے گی کہ مجھے بلا کسی قصور کے قتل کیا گیا، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور پھیلانے جائیں گے، تخفیف اور تشدید کے ساتھ، اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، (یعنی) اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جس طرح بکری سے کھال اتار دی جاتی ہے اور جب جہنم کی آگ دہکائی جائے گی، (سُعِرَتْ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی، جنتیوں کے لئے تاکہ اس میں داخل ہو جائیں، اول سورت میں اِذَا اور اس پر جو معطوف ہے اس کا جواب عَلِمَتْ نَفْسُ الْخِیْطِ ہے (اس وقت) ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا، یعنی ہر شخص کو ان مذکورہ اوقات میں اور وہ قیامت کا دن ہے (معلوم ہو جائے گا) کہ وہ خیر و شر میں سے کیا لایا ہے؟ بس میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی (لَا زَائِدَہُ ہے) اور وہ پانچ ستارے ہیں ① زحل ② مشتری ③ مریخ ④ زہرہ ⑤ عطارد، تسخس نون کے ضمہ کے ساتھ، یعنی اپنے راستہ میں پیچھے کی

طرف پلٹتے ہیں جب تو ان ستاروں کو آخر برج میں دیکھے کہ اچانک پلٹ جاتے ہیں اپنے اول برج کی طرف اور تَخْنَسُ نون کے کسرہ کے ساتھ، (اس کے معنی ہیں) داخل ہو جائے اپنی جھاڑی میں یعنی ایسے مقام میں گھس جائے جہاں وہ چھپ سکے، اور (قسم ہے) رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ آئے یا جائے، اور صبح کی جب کہ وہ دراز ہو یہاں تک کہ روشن دن ہو جائے یہ قرآن فی الواقع ایک پیغامبر کا قول ہے جو عند اللہ بزرگی والا ہے اور وہ جبرائیل عَلَيْهِ السَّلَام ہے، قول کی نسبت جبرائیل عَلَيْهِ السَّلَام کی طرف اس کے ذریعہ نازل ہونے کی وجہ سے کر دی گئی ہے قوت والا یعنی مضبوط قوی والا ہے اور عرش والے یعنی اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہے، عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ، مَکِیْن سے متعلق ہے وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے یعنی آسمانوں میں فرشتے اس کی بات مانتے ہیں، وہ وحی کے بارے میں با اعتماد ہے (اور اے اہل مکہ!) تمہارا رفیق، محمد صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جیسا کہ تم گمان کرتے ہو مجنون نہیں ہے (وَمَا صَاحِبُکُمْ) کا عطف اِنَّہُ لَقَوْلُ الْخ مقسم علیہ پر ہے اس نے اس پیغامبر کو یعنی محمد صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جبرائیل عَلَيْهِ السَّلَام کو اس کی اس اصلی صورت میں صاف کنارے پر دیکھا ہے، جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے، جبکہ وہ مشرق کی جانب اونچے کنارے پر تھا، اور وہ یعنی محمد صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مغیبات کے بارے میں جو وحی اور آسمانی خبریں ہیں، متہم نہیں ہے، اور ایک قراءت میں ضاد کے ساتھ ہے یعنی بخیل نہیں ہے کہ وحی میں سے کچھ چھپالے اور وہ یعنی قرآن چوری سے سننے والے شیطان مردود کا کلام نہیں ہے پھر تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو؟ یعنی قرآن کا انکار کر کے اور اس سے اعراض کر کے تم کو نسے راستہ پر جا رہے ہو؟ یہ تو سارے جہان والوں (یعنی) جن و انس کے لئے نصیحت ہے، تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو (لَمَنْ شَاءَ الْخ) اعادۂ جار کے ساتھ العلمین سے بدل ہے، اتباع حق کے ذریعہ سیدھے راستہ پر چلنا چاہے، تمہارے استقامت علی الحق کو چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ رب العالمین تمہارے لئے استقامت علی الحق نہ چاہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، الشَّمْسُ باب اشتغال سے ہے بصریین کے نزدیک فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے بعد والا فعل، فعل محذوف کی تفسیر کر رہا ہے اس لئے کہ حرف شرط بصریین کے نزدیک اسم پر داخل نہیں ہوتا، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا كُوِّرَتْ الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، البتہ اخفش اور کوفیین کے نزدیک الشَّمْسُ کا مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا درست ہے، مبتداء کا ما بعد مبتداء کی خبر ہے، اِذَا بارہ جگہ واقع ہوا ہے وہ سب شرط ہیں اور عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ جواب شرط ہے۔

قَوْلٌ: الْعِشَارُ دس ماہ کی گا بھن اونٹنی، عِشَارُ، عُشْرَاء کی جمع ہے جیسے کہ نَفَاسُ نَفَسَاء کی جمع ہے۔

قَوْلٌ: خُنَسٌ پیچھے ہٹ جانے والے، یہ خُنَس کی جمع ہے، بعض مفسرین کے نزدیک مطلقاً ستارے مراد ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج، کیونکہ یہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک مرتج، زحل، عطارد، زہرہ، اور مشتری مراد ہیں، ان کو ”خمسة متخیرہ“ بھی کہتے ہیں، یہ پانچوں ستارے آگے کی طرف چلتے چلتے یک لخت پیچھے کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔

قَوْلًا: کُنُسِ یہ کانِس کی جمع ہے کناس ہرن کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھاڑی میں چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔

(لغات القرآن ملخصاً)

قَوْلًا: بَيْنَا تَرَى النِّجْمَ بعض نسخوں میں بَيْنَمَا ہے بَيْنَا میں الف اشباع کا ہے، اصل میں بَيْنَ ہے اور بَيْنَمَا میں میم بھی زائدہ ہے یہ ظروف زمانیہ میں سے ہے بَيْنَا دراصل بَانَ یَبْنُوں کا مصدر ہے بین کی اضافت ہمیشہ مفرد کی طرف ہوتی ہے اگر جملہ کی جانب اضافت کی جائے تو فتح کو کھینچتے ہیں جس کی وجہ سے الف ہو جاتا ہے، مفسر علام جلال الدین رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے قول کے معنی یہ ہیں اے مخاطب! جب تو ستارے کو آخر برج میں دیکھے تو وہ تیزی سے برج کے اول حصہ کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

قَوْلًا: اِذْ کَرَّ، اِذْ مَفَا جاتیہ ہے اور کَرَّ بمعنی اَسْرَعَ رَاجِعًا۔

قَوْلًا: اَقْبَلَ بِظِلَامِهِ اَوْ اَذْبَرَ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ عَسْعَسَ اضداد میں سے ہے، اس کے معنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے، دونوں کے ہیں۔

قَوْلًا: وَالصُّبْحُ اِذَا تَنَفَّسَ، اِذَا تَنَفَّسَ بالفارسیہ، آنگاہ کہ دم زند، یعنی طلوع کند، طلوع ہونا۔

قَوْلًا: مُتَعَلِّقٌ بِهٖ عِنْدَ، بِهٖ کی ضمیر مَکِیْن کی طرف راجع ہے یعنی عِنْدَ، مَکِیْن۔ متعلق ہے عند خبر مقدم اور مَکِیْن مبتدا مؤخر ہے۔

قَوْلًا: اِلٰی اٰخِرِ الْمَقْسَمِ عَلَیْهِ، اٰی عِنْدَ ذٰی الْعَرْشِ۔

قَوْلًا: مِنْ الْوَحٰی الْخ، من بیانہ ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْح

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، یہ سورج کے بے نور ہونے کے لئے یہ ایک بے نظیر استعارہ ہے تکویر کے معنی لپٹنے کے ہیں، سر پر عمامہ باندھنے کو تکویر العمامة کہتے ہیں جس طرح پھیلے ہوئے عمامہ کو سر پر لپیٹ دیا جاتا ہے اسی طرح سورج کی پھیلی ہوئی روشنی کو لپیٹ دیا جائے گا، جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن بے نور ہو جائے گا۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ، عربوں کو کسی چیز کی سختی اور ہولناکی کا تصور دلانے کے لئے یہ بہترین طرز بیان تھا، اس زمانہ میں عرب کے نزدیک دس مہینے کی گاہ بھن اونٹنی سے زیادہ قیمتی اور کوئی مال نہیں ہوتا تھا، ایسی اونٹنی کی بہت زیادہ حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی تھی، ایسی اونٹنی سے لوگوں کا غافل ہو جانا گویا یہ معنی رکھتا تھا کہ اس وقت کچھ ایسی سخت افتاد لوگوں پر پڑے گی کہ انہیں اپنے اس عزیز ترین مال کی حفاظت کا بھی ہوش نہ رہے گا۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ، سُجِّرَتْ، تَسْجِیْر سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے تَسْجِیْر تنور میں آگ دہکانے کو کہتے ہیں، بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ قیامت کے دن سمندروں میں آگ بھڑک اُٹھے گی، لیکن اگر پانی کی حقیقت معلوم ہو تو اس میں کوئی چیز قابل تعجب نہیں، اس سے سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ اس نے آکسیجن اور

ہائیڈروجن، دوائیسی گیسوں کو ملا دیا جن میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے پانی جیسا مفید اور کارآمد مادہ پیدا کیا جو آگ کو بجھانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ایک اشارہ اس بات کے لئے بالکل کافی ہے کہ وہ پانی کی اس ترکیب کو بدل ڈالے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑکنے اور بھڑکانے لگیں، جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ، اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضب ناک پائی جاتی ہے، جس سے زیادہ غضب ناک کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بیٹی کو زندہ درگور کرنے والے والدین اللہ کی نظر میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے ان سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا؟ بلکہ اس سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری آخر کس قصور میں ماری گئی؟ اور وہ اپنی داستان مظلومیت سنائے گی، اس آیت کے مضمون سے ایک اہم بات خود بخود یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں آخرت کے ضروری ہونے کی ایک صریح دلیل پیش کی گئی ہے، جس لڑکی کو زندہ دفن کر دیا گیا، آخر اس کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہئے، اور جن ظالموں نے یہ ظلم کیا، آخر کبھی تو وہ وقت آنا چاہئے جب ان سے اس بے دردانہ ظلم کی باز پرس کی جائے، دفن ہونے والی لڑکی کی فریاد دنیا میں تو کوئی سننے والا نہ تھا، بچوں کا ناز و نخرہ والدین پر ہوا کرتا ہے، والدین نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے اس معصوم اور مظلوم بچی کو زندہ دفن کر دیا، اب معاشرہ ہی تھا کہ جس سے کچھ دادرسی کی توقع کی جاسکتی تھی؛ مگر معاشرہ نے بھی تو اس فعل کو پہلے ہی جائز قرار دے رکھا تھا، اس فعل پر نہ ماں باپ کو کوئی ندامت اور نہ اہل خاندان کو کوئی شرم، اور نہ معاشرہ میں اس پر کوئی گرفت کرنے والا، تو اب اس مظلوم کی فریاد کون سنے؟ تو کیا خدا کی خدائی میں یہ ظلم عظیم بالکل ہی بے دائرہ جانا چاہئے؟ اگر ایسا ہی ہو تو یہ ”اندھیرنگری چوپٹ راجہ“ کا مصداق ہوگا، جو خدا کی خدائی میں ممکن نہیں ہے۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی وجہ:

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا یہ بے رحمانہ طریقہ، قدیم زمانہ میں مختلف وجوہ سے رائج ہو گیا تھا، ایک تو معاشی بد حالی جس کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ کھانے والے افراد کم ہوں اور اولاد کو پالنے پوسنے کا باران پر نہ پڑے، بیٹوں کو تو اس امید پر پال لیا جاتا تھا کہ وہ حصول معاش میں معاون ہوں گے، مگر بیٹیوں سے یہ توقع نہیں ہوتی تھی، علاوہ ازیں بیٹیوں کو پال پوس کر جوان ہونے کے بعد دوسروں کے حوالہ کر دینا ہوگا جس میں سراسر زیان ہی زیان ہے، اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قبائلی لڑائیوں میں دفاع میں وہ کچھ کام نہ آتی تھیں بلکہ الٹی ان کی حفاظت کرنی پڑتی تھی اور اگر دشمن ان کو گرفتار کر کے لے جاتا تو ان کو باندی بنا لیتا تھا یا بازار میں فروخت کر دیتا تھا جس کی وجہ سے رسوائی ہوتی تھی، انہی وجوہ سے عرب میں یہ طریقہ چل پڑا تھا کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی عورت کے آگے ایک گڑھا کھود کر رکھا جاتا تھا؛ تاکہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی وقت اسے گڑھے میں ڈال کر مٹی ڈال دی جائے اور اگر کبھی ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا اور کوئی وقتی مصلحت مانع ہوتی، تو بادل نا خواستہ اسے کچھ مدت تک برداشت کر لیا جاتا اور پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیا جاتا، اس

معاملہ میں جو شقاوت برتی جاتی تھی اس کا قصہ ایک شخص نے خود رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔

بٹی کے ساتھ بے رحمی کا واقعہ:

سنن دارمی کے پہلے ہی باب میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنے عہد جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی، جب میں اس کو پکارتا تھا تو وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آتی تھی، ایک روز میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا، راستہ میں ایک کنواں آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں دھکا دے دیا، آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ یہ تھی، ہائے ابا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ رو دیئے اور آپ ﷺ کے آنسو بہنے لگے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اے شخص! تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا، حضور ﷺ نے فرمایا اسے مت روکو، جس چیز کا اسے سخت احساس ہے اس کے بارے میں اسے سوال کرنے دو، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تو اپنا قصہ پھر بیان کر، اس نے دوبارہ بیان کیا آپ ﷺ سن کر اس قدر روئے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا اللہ نے اسے معاف کر دیا اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ اہل عرب اس انتہائی غیر انسانی فعل کی قباحیت ہی نہ رکھتے تھے، ظاہر بات ہے کہ کوئی معاشرہ خواہ کتنا ہی بگڑ چکا ہو، ایسے ظالمانہ افعال کی برائی کے احساس سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا، عرب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو زمانہ جاہلیت میں اس رسم کی قباحیت کا احساس تھا، طبرانی میں ایک روایت ہے کہ فرزدق شاعر کے دادا صعصعہ بن ناجیہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جاہلیت کے زمانہ میں کچھ اچھے اعمال بھی کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ۳۶۰ لڑکیوں کو زندہ دفن ہونے سے بچایا اور ہر ایک کی جان کے لئے دو دو اونٹ فدیے میں دیئے ہیں تو کیا مجھے اس پر اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تیرے لئے اجر ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے تجھے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

اسلام کا عورت پر احسان:

دراصل یہ اسلام کی برکتوں میں سے ایک بڑی برکت ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ عرب سے اس انتہائی سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا، بلکہ اس تخیل کو مٹایا کہ بٹی کی پیدائش کوئی حادثہ اور مصیبت ہے، جسے بادل تاخو استہ برداشت کیا جائے، اس کے برعکس اسلام نے یہ تعلیم دی کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا ان کی عمدہ تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں اس قابل بنانا کہ وہ ایک اچھی گھر والی بن سکے بہت بڑائی کی کام ہے، اس کا اندازہ ان احادیث سے ہو سکتا ہے جو آپ ﷺ سے منقول ہیں، مثال کے طور پر ذیل میں آپ ﷺ کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔

① مَنْ أُبْتِلَى مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ (بخاری، مسلم)

تَرْجُمہ: جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔

۲ مَنْ عَالَ جَارِيتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هَكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهُ. (مسلم شریف)

تَرْجُمہ: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا، یہ فرما کر حضور نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا۔

۳ مَنْ كَانَ لَهُ اُنْثَى فَلَمْ يَنْدُهَا وَلَمْ يَهْنِهَا وَلَمْ يُوْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا ادْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (ابوداؤد)

تَرْجُمہ: جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

۴ مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ وَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَّتِهِ كَنَّ لَهُ حَجَابًا مِنَ النَّارِ. (بخاری، ابن ماجہ)

تَرْجُمہ: جس کے یہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے تو وہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

۵ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تَدْرَكَهُ ابْنَتَانِ فَيَحْسُنُ صَحْبَتَهُمَا اِلَّا اَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ. (بخاری ادب المفرد)

تَرْجُمہ: جس مسلمان کے یہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح رکھے تو وہ بھی نہیں سکتا کہ وہ اسے جنت میں نہ پہنچائیں۔

۶ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِسُرَاقَةَ بِنِ جُعْشَمٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَعْظَمِ الصَّدَقَةِ قَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ

اِبْنُكَ الْمُرْدُوْدَةُ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ. (بخاری، ابن ماجہ)

تَرْجُمہ: نبی کریم ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کیلئے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

یہی وہ تعلیم ہے جس نے لڑکیوں کے متعلق لوگوں کا نقطہ نظر صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی ان تمام قوموں میں بدل دیا جو اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہوتی چلی گئیں۔

سُئِلَ: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، جیسے آج کل ضبط تولید کے نام سے دنیا میں ہزاروں صورتیں رائج ہو گئی ہیں، اس کو بھی رسول اللہ ﷺ نے وَاَدْخَفِيْ یعنی خفیہ طور پر بچہ کو زندہ درگور کرنا، فرمایا ہے۔ (مسلم) اور بعض دوسری آیات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری، معارف)

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ عَشْرَةَ آيَةً

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ انفطار کی ہے، انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ ۱ ۝ انشَقَّتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ ۲ ۝ انقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ ۝ وَإِذَا الْبُحَارُ أُفْجِرَتْ ۝ ۳ ۝ فُتِحَ بَعْضُهَا فِي بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا وَاخْتَلَطَ الْعَذْبُ بِالْمِلْحِ ۝ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝ ۴ ۝ قَلِبَ تُرَابُهَا وَبُعِثَ مَوْتَانِهَا وَجَوَابٌ إِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ أَى كُلِّ نَفْسٍ وَفَتَ بِهَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ وَبُيُومُ الْقِيَامَةِ مَا قَدَّمَتْ مِنَ الْأَعْمَالِ ۝ وَمَا اخْتَرَتْ ۝ ۵ ۝ مِنْهَا فَلَمْ تَعْمَلْهُ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ الْكَافِرُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ ۶ ۝ حَتَّى غَضِبْتَهُ الَّذِي خَلَقَكَ بَعْدَ أَنْ لَمْ تَكُنْ فُسُوكَ جَعَلَكَ مُسْتَوَى الْخَلْقِ سَالِمِ الْأَعْضَاءِ فَعَدَلَكَ ۝ ۷ ۝ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الْأَعْضَاءِ لَيْسَتْ يَدُ أَوْ رَجُلٍ أَطْوَلَ مِنَ الْأُخْرَى ۝ فِي آيِ صُورَةٍ مَا زَائِدَةٌ شَاءَ رَبُّكَ ۝ ۸ ۝ كَلَّا رَدُّعٌ عَنِ الْإِغْتِرَارِ بِكَرَمِ اللَّهِ تَعَالَى بَلْ تَكْذِبُونَ أَى كُفَّارٌ مَكَّةَ بِالْدِّينِ ۝ ۹ ۝ الْجَزَاءُ عَلَى الْأَعْمَالِ وَلَنْ عَلَيْكُمْ لِحْفَظِينَ ۝ ۱۰ ۝ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِأَعْمَالِكُمْ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ ۱۱ ۝ لَهَا يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ ۱۲ ۝ جَمِيعُهُ إِنَّ الْأَبْرَارَ الْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيْمَانِهِمْ لَفِي نَعِيمٍ ۝ ۱۳ ۝ جَنَّةٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ الْكُفَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ ۱۴ ۝ نَارٍ مُخْرَقَةٍ يَصْلَوْنَهَا يَدْخُلُونَهَا وَيُقَاسُونَ حَرْبًا يَوْمَ الدِّينِ ۝ ۱۵ ۝ الْجَزَاءُ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝ ۱۶ ۝ بِمُخْرَجِينَ وَمَا آدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ۱۷ ۝ ثُمَّ مَا آدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ۱۸ ۝ تَعْظِيمٌ لِشَأْنِهِ يَوْمَ بِالرَّفْعِ أَى بِيَوْمِ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۝ ۱۹ ۝ مِنَ الْمُنْفَعَةِ وَالْأَمْرِ يَوْمَ يَذِلُّ اللَّهُ ۝ ۲۰ ۝ لَا أَمْرَ لغيرِهِ فِيهِ أَى لَمْ يُمَكِّنْ أَحَدٌ مِنَ التَّوَسُّطِ فِيهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب

ستارے جھڑ جائیں گے اور گر جائیں گے، اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے بعد ازاں آپس میں مل جائیں گے تو سب مل کر ایک

سمندر ہو جائیں گے اور شیریں شور کے ساتھ مخلوط ہو جائیں گے، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی، اور ان میں مدفون مردوں کو زندہ کر دیا جائے گا، اِذَا اور اس پر معطوف کا جواب عَلِمَتْ نَفْسٌ ہے، ہر شخص اپنے اگلے اعمال کو اور پچھلے اعمال جن کو نہیں کیا یعنی ہر نفس ان مذکورہ اوقات میں جو کہ قیامت کا دن ہے جان لے گا، اے کافر انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا، حتیٰ کہ تو نے اس کی نافرمانی کی جس نے تجھ کو بعد اس کے کہ تو نہیں تھا پیدا کیا، پھر تجھ کو درست کیا تجھ کو اعضاء کی سلامتی کے ساتھ مناسب اعتدال بخشا، اور تجھ کو مناسب (الاعضاء) بنایا (فَعَدَلَكَ) (دال) کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ، یعنی تجھ کو معتدل الخلق اور متناسب الاعضاء بنایا، کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے اور ایک پیر دوسرے پیر سے طویل نہیں ہے، جس صورت میں تجھ کو چاہا ترکیب دیا، مَا زَانِدٌ ہے، ہرگز نہیں! کَلَّا خدا کے بارے میں دھوکے میں پڑنے سے روکنے کے لئے، حرف تو بخ ہے، بلکہ (اصل بات یہ ہے) اے مکہ کے کافر! تم جزاء اعمال کو جھٹلاتے ہو، حالانکہ تمہارے اوپر ملائکہ میں سے تمہارے اعمال کے نگران مقرر ہیں ایسے عند اللہ معزز اعمال کے کاتب جو کچھ تم کرتے ہو سب کو جانتے ہیں، بے شک اپنے ایمان میں مخلص نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور بے شک کفار فجار جلا دینے والی آگ میں ہوں گے اس میں جزاء کے دن داخل ہوں گے، اور اس کی گرمی کو برداشت کریں گے اس سے باہر نہ ہوں گے (یعنی) نکلیں گے نہیں، اور آپ ﷺ کو کچھ خبر ہے کہ یوم جزاء کیا ہے؟ پھر (مکرر) آپ ﷺ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے؟ (یہ تکرار) یوم جزاء کی تعظیم کے لئے ہے، یومُ رفع کے ساتھ ہے اِیْ هُوَ یَوْمٌ، وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی اس دن میں کسی غیر کی حکومت نہ ہوگی یعنی اس (دن) میں کسی کا واسطہ ممکن نہ ہوگا بخلاف دنیا کے۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: وَقَتَ هَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ، اِی الْمَذْكُورَاتِ الْارْبَعَةِ ① اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ② اِذَا الْكَوَاكِبُ اِنْتَشَرَتْ ③ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ④ اِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ۔

قَوْلٌ: مَا قَدَّمَتْ یعنی نفس نے جو اچھے برے اعمال کئے، ان کو اپنے اعمال ناموں میں دیکھ لے گا، مَا اٰخِرَتْ سے وہ رسوم نیک و بد مراد ہیں جو اس نے دنیا میں جاری کیں، ان کا عذاب یا ثواب اس کو ہمیشہ ملتا رہے گا، اور بعض حضرات نے کہا ہے ما قدمت سے مراد وہ فرائض ہیں جو اس نے ادا کئے اور مَا اٰخِرَتْ سے وہ فرائض مراد ہیں جو اس نے نہیں کئے۔

قَوْلٌ: فِیْ اِیْ صُورَةٍ یَہِ رَکَّبُکَ کے متعلق ہے اور شَاءَ، صُورَةٍ کی صفت ہے۔

قَوْلٌ: وَمَا اَذْرَاکَ، مَا استفہامیہ مبتداء، اَذْرَا فَعْلٌ، کاف مفعول اول، مَا یَوْمُ الدِّینِ مبتداء، خبر سے مل کر اَذْرَا کا مفعول ثانی۔

قَوْلًا: يَوْمُ الدِّينِ، هُوَ مَبْتَدَأٌ مَحذُوفٌ كِىْ خَبَرِ هَوْنِ كِىْ وَجْهٍ سَ مَرْفُوعٍ، اَوْرَ اَعْنِىْ فَعْلٌ مَحذُوفٌ كَامْفَعُولٌ هَوْنِ كِىْ وَجْهٍ سَ مَنصُوبٌ۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحِ

عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدَّمْتُ وَآخَرْتُ، یعنی جب قیامت کے وہ حالات پیش آچکے ہوں گے جن کا ذکر شروع سورت میں کیا گیا ہے مثلاً آسمان کا پھٹنا وغیرہ، تو اس وقت ہر انسان کو اپنے کرے دھرے کا سب تفصیلی پتہ چل جائے گا، یعنی کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا؟ آگے بھیجنے سے مراد عمل کرنا اور پیچھے چھوڑنے کا مطلب ترک عمل کرنا اور آگے بھیجنے اور پیچھے چھوڑنے کا ایک مطلب، اچھے برے عمل کے نمونے چھوڑنا بھی ہو سکتا ہے کہ اس چھوڑے ہوئے نمونوں پر لوگ عمل کرتے ہیں، اگر یہ نمونے اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد لوگ ان پر عمل کریں گے تو اس کا ثواب اس کو بھی پہنچتا رہے گا، اور اگر یہ دنیا میں بُرے نمونے چھوڑ کر گیا ہے تو جو ان بُرے نمونوں اور طریقوں پر عمل کرے گا اس کا گناہ بھی اس کو پہنچتا رہے گا۔

فِیْ اٰیِ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچہ کو جس کے چاہے مشابہ بنادے، باپ کے یا ماں کے، چچا یا ماموں وغیرہ کے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ جس شکل صورت میں چاہے بنادے حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی ڈھال سکتا ہے؛ لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل ہی میں پیدا فرماتا ہے۔

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ، یعنی تم لوگ چاہے یوم جزاء کا انکار کرو، یا اس کا مذاق اڑاؤ، اس سے حقیقت نہیں بدلتی، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا؛ بلکہ اس نے تم میں سے ایک ایک آدمی پر نہایت راست باز، نگران مقرر کر رکھے ہیں، جو بالکل بے لاگ اور غیر جانب دارانہ طریقہ سے تمہارے تمام اچھے اور برے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں، اور ان سے تمہارا کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہے، خواہ تم اندھیرے میں، خلوتوں میں، سنان جنگلوں میں، یا کسی اور حالت میں اس کا ارتکاب کرو جہاں تمہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ نگاہ خلق سے مخفی رہ گیا ہے، ان نگران فرشتوں کے لئے اللہ نے کرامًا کاتبین کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی ایسے کاتب جو نہایت کریم اور بزرگ ہیں اور معزز ہیں، کسی سے نہ ذاتی محبت رکھتے ہیں اور نہ عداوت کہ ایک کی بے جا رعایت اور دوسرے کی ناروا مخالفت کر کے خلاف واقعہ ریکارڈ تیار کریں، خائن بھی نہیں ہیں کہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے بغیر بطور خود، غلط سلط اندراجات کر لیں، رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کر دیں، ان کا مقام ان ساری اخلاقی کمزوریوں سے بلند ہے اس لئے نیک و بد دونوں قسم کے انسانوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ہر ایک کی نیکی اور بدی بے کم و کاست ریکارڈ ہوگی۔ کسی کی وہاں یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی شخص کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے سے بچا سکے، کوئی وہاں ایسا باثر یا زور آور یا اللہ کا چہیتا نہ ہوگا کہ عدالت خداوندی میں اڑ کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا عزیز یا متوسل ہے، اسے تو بخشا ہی ہوگا، خواہ یہ دنیا میں کیسے ہی برے اعمال کر کے آیا ہو۔

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ وَثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ مطففین مکی ہے یا مدنی ہے، چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَبِلَّغَةِ عَذَابٍ أَوْ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ ۝ لِلْمُطَفِّفِينَ ۝
 الَّذِينَ إِذَا أَكَالُوا عَلَىٰ آيٍ مِنَ النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ ۱ ۝ الْكَيْلَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَيْ كَالُوا لَهُمْ أَوْزَنَهُمْ أَوْزَنُوا لَهُمْ
 يُخْسِرُونَ ۝ ۲ ۝ يَنْقُضُونَ الْكَيْلَ أَوْ الْوِزْنَ ۝ إِلَّا اسْتِغْفَامُ تَوْبِخٍ يُطْرُقُ نَتِيقُنْ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ ۳ ۝ لِيَوْمٍ
 عَظِيمٍ ۝ ۴ ۝ أَيْ فِيهِ وَبُيُومُ الْقِيَامَةِ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ مَحَلٍ لِيَوْمٍ فَنَاصِبُهُ مَبْعُوثُونَ يَقُومُ النَّاسُ مِنْ قُبُورِهِمْ
 لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ۵ ۝ الْخَلَائِقِ لِأَجَلٍ أَمْرِهِ وَحِسَابِهِ وَجَزَائِهِ ۝ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ أَيْ كُتِبَ أَعْمَالُ
 الْكُفَّارِ لَفِي سَجِّينٍ ۝ ۶ ۝ قِيلَ بُيُوتُ كِتَابٍ جَامِعٍ لِأَعْمَالِ الشَّيَاطِينِ وَالْكَفَرَةِ وَقِيلَ بُيُوتُ مَكَانٍ أَسْفَلَ
 الْأَرْضِ السَّابِعَةِ وَهُوَ مَحَلُّ إِبْلِيسَ وَجُنُودِهِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۝ ۷ ۝ مَا كِتَابُ سَجِّينٍ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۝ ۸ ۝
 مَخْتُومٌ وَبِلَّغَةِ يَوْمِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ ۹ ۝ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ ۱۰ ۝ الْجَزَاءِ بَدَلٍ أَوْ بَيَانٍ لِلْمُكَذِّبِينَ
 وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ مُتَجَاوِزٍ الْحَدِّ أَثِيمٌ ۝ ۱۱ ۝ صِغَةً مُبَالِغَةً إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا الْقُرْآنُ
 قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ ۱۲ ۝ الْحِكَايَاتِ الَّتِي سَطُرَتْ قَدِيمًا جَمْعُ أُسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ أَوْ إِسْطَارَةٍ بِالْكَسْرِ كَلَّا رَدُّعٌ
 وَزَجْرٌ لِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ بَلٌّ لَّنَّ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَعَسَىٰ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ۱۳ ۝ مِنَ الْمَعَاصِي فَهُوَ كَالصَّدَاءِ
 كَلَّا حَقًّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِذٍ لَمَّحُوجُونَ ۝ ۱۴ ۝ فَلَا يَرَوْنَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝ ۱۵ ۝ لَدَاخِلُوا النَّارِ
 الْمُحْرِقَةِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ هَذَا آيُ الْعَذَابِ الَّذِي كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝ ۱۶ ۝ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كِتَابَ الْأَنْبَارِ أَيْ كُتِبَ أَعْمَالُ
 الْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيْمَانِهِمْ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝ ۱۷ ۝ قِيلَ بُيُوتُ كِتَابٍ جَامِعٍ لِأَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمُؤْمِنِي
 الثَّقَلَيْنِ وَقِيلَ بُيُوتُ مَكَانٍ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ وَمَا أَدْرَاكَ أَغْلَمَكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝ ۱۸ ۝ مَا كِتَابُ عِلِّيِّينَ
 بُيُوتُ كِتَابٍ مَرْقُومٌ ۝ ۱۹ ۝ مَخْتُومٌ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝ ۲۰ ۝ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّ الْأَوَّلَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ ۲۱ ۝ جَنَّةٍ عَلَىٰ الْأَرْكَانِ

السُّرْرِ فِي الْحِجَالِ يَنْظُرُونَ ﴿۳۷﴾ مَا أُعْطُوا مِنَ النِّعَمِ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۳۸﴾ بِهِجَّةَ التَّنْعِيمِ وَحُسْنَةَ يُسْقُونَ مِنْ رَحِيْقٍ خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِنْ الدَّنَسِ ﴿۳۹﴾ عَلَى إِنَائِهَا لَا يُفَكُّ خَتَمَهُ إِلَّا بِهِمْ خَتَمُهُمْ مَسْكٌ أَيْ الْخُرْ شُرْبِهِ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمَسْكِ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۴۰﴾ فَلْيَرْغَبُوا بِالْمُبَادَرَةِ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَمِزَاجُهُ أَيْ مَا يُمَزَّجُ بِهِ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿۴۱﴾ فُسِّرَ بِقَوْلِهِ عَيْنًا فَنَضْبُهُ بِأَمْدُحْ مُقَدَّرًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۴۲﴾ أَيْ مِنْهَا أَوْ ضَمِنَ يَشْرَبُ مَعْنَى يَلْتَذُّ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَأَنِّي جَهْلٌ وَنَخِرٌ كَأَنَّمَا الَّذِينَ آمَنُوا كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَنَحْوِهِمَا يَضْحَكُونَ ﴿۴۳﴾ اسْتَهْزَاءُ بِهِمْ وَإِذَا مَرُّوا أَيْ الْمُؤْمِنُونَ بِهِمْ يَتَغَامَرُونَ ﴿۴۴﴾ أَيْ يُشِيرُ الْمُجْرِمُونَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ بِالْجَفَنِ وَالْحَاجِبِ اسْتَهْزَاءُ وَإِذَا انْقَلَبُوا رَجَعُوا إِلَى أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۴۵﴾ وَفِي قِرَاءَةِ فَكِهِينَ مُعْجِبِينَ بِذِكْرِهُمْ الْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا رَأَوْهُمْ رَأَوْ الْمُؤْمِنِينَ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿۴۶﴾ لَا يَمَانِيهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلْنَا أَيْ الْكُفَّارَ عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَفِظِينَ ﴿۴۷﴾ لَهُمْ أَوْ لِأَعْمَالِهِمْ حَتَّى يَرُدُّوهُمْ إِلَى مَصَالِحِهِمْ فَالْيَوْمَ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۴۸﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ فِي الْجَنَّةِ يَنْظُرُونَ ﴿۴۹﴾ مِنْ مَنَازِلِهِمْ إِلَى الْكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذِّبُونَ فَيَضْحَكُونَ مِنْهُمْ كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا هَلْ ثَوْبٌ جُوزِيَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۵۰﴾

تَرْجُمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بڑی خرابی ہے (وَيْل) کلمہ عذاب ہے یا جہنم میں ایک وادی ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے، کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں یعنی ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، کیا انہیں یہ استفہام تو بیخ کے لئے ہے یقین نہیں کہ انہیں ایک عظیم (سخت) دن میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اور وہ قیامت کا دن ہے، جس دن لوگ اپنی قبروں سے رب العالمین یعنی مخلوق کے پروردگار کے حضور میں اس کے حکم سے اپنے حساب اور جزاء کے لئے کھڑے ہوں گے، یَوْمَ، لَيَوْمِ کے محل سے بدل ہے اور اس کا ناصب مبعوثون ہے، ہرگز نہیں! یقیناً کافروں کا نامہ عمل قید خانہ کے دفتر میں ہے کہا گیا ہے کہ وہ شیاطین اور کافروں کے اعمال کے لئے ایک جامع کتاب ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام ہے اور وہ ابلیس اور اس کے لشکر کا ٹھکانہ ہے، تجھے کیا معلوم تھیں کیا ہے؟ یعنی جیل خانہ کا دفتر کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی مہر شدہ، اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز جزاء کو جھٹلاتے ہیں (الَّذِينَ) مکذبین کا بیان یا بدل ہے، اور اسے وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا بد عمل ہے (اثیم) مبالغہ کا صیغہ ہے، جب اسے ہماری کتاب قرآن سنائی جاتی ہے تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یعنی وہ کہانیاں جو اگلے زمانوں میں لکھی گئیں، (أساطیر) اسطورہ بالضم یا اسطارة بالکسر کی جمع ہے (یہ بات) ہرگز نہیں! کَلَّا، اِنَّ الْخِ اس قول کے لئے حرف تو بیخ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر

ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے پس وہ بد عملی زنگ کے مانند ہے، ہرگز نہیں! بالیقین یہ لوگ قیامت کے دن خدا کے دیدار سے محروم ہوں گے جس کی وجہ سے ان کو خدا کا دیدار نصیب نہ ہوگا، پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے، یعنی جلادینے والی آگ میں داخل ہوں گے، پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی عذاب ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، ہرگز نہیں! بے شک نیک آدمیوں کا نامہ اعمال یعنی مومنین، صادقین فی الایمان کا نامہ عمل علیین میں ہے کہا گیا ہے کہ (علیین) ملائکہ اور مومنین جن وانس کے اعمال خیر کی جامع ایک کتاب ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عرش کے نیچے ایک مقام ہے، تجھے کیا معلوم کہ علیون کیا ہے؟ وہ تو لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں یقیناً نیک لوگ جنت کے خیموں میں مسہریوں پر ہوں گے، جو ان کو عطا کیا جا رہا ہوگا اس کو دیکھ رہے ہوں گے ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق اور اس کی تروتازگی محسوس کرو گے یہ لوگ میل سے پاک صاف سرمہر شراب پلائے جائیں گے یعنی شراب کی صراحی میل بند ہوگی اس کی میل کو خود وہی توڑیں گے، اور اس کے آخری گھونٹ میں مشک کی خوشبو مہک رہی ہوگی، سبقت کرنے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہئے لہذا ان کو اللہ کی طاعت کی طرف سبقت کرنے میں سبقت کرنی چاہئے، اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی تسنیم کی تفسیر عیناً سے کی گئی ہے لہذا (عیناً) کا نصب آمدحُ مقدر کی وجہ سے ہے، اس چشمہ کا پانی مقرب لوگ پیئیں گے، یا یَشْرَبُ، یَتَلَذُّذُ کے معنی کو متضمن ہے، اور ابو جہل اور اس جیسے مجرم لوگ ایمان والوں مثلاً عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے لوگوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، اور مومنین جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو مجرمین مومنین کی طرف آنکھ اور ابرو سے استہزاء اشارہ کرتے تھے اور جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس جاتے تھے (تو وہاں بھی) تمسخر کرتے تھے اور ایک قراءت میں فکھین ہے یعنی مومنین کے ذکر سے تعجب کرتے تھے، (مزے لیتے تھے) اور جب مومنین کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر گمراہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کافروں کو مومنین کا یا ان کے اعمال کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ یہ ان کو ان کی اصلاح کی جانب لوٹائیں، پس آج قیامت کے دن ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے جنت میں مسہریوں پر بیٹھے ہوئے کافروں کے ٹھکانوں کو دیکھ رہے ہوں گے حال یہ کہ کافروں کو عذاب دیا جا رہا ہوگا، تو مومنین کافروں پر ہنسیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں مومنین پر ہنسا کرتے تھے، واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

تَحْقِیْقُ شَرِکِیۃٍ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُ: وَیْلٌ، وَیْلٌ کے مفسر علام نے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک بمعنی عذاب اور دوسرے جہنم میں ایک وادی کا نام، ویل اگر بمعنی عذاب ہو تو نکرہ ہوگا اور اگر جہنم کی وادی کا علم ہو تو معرفہ ہوگا، وَیْلٌ مبتدا اور لِلْمُطَفِّفِیْنَ اس کی خبر، علم ہونے کی صورت میں ویل کے مبتداء بننے میں کوئی قباحہ نہیں ہے البتہ اگر بمعنی عذاب ہو تو یہ اعتراض ہوگا کہ ویل نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ نکرہ جب دعاء یا بد دعاء کے معنی میں ہو تو اس کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہو جاتا ہے،

ویل یہاں بدوعاء کے معنی میں ہے؛ لہذا اس کا مبتداء بننا درست ہے۔

قَوْلًا: مُطَفِّفِينَ، یہ مُطَفِّف کی جمع ہے، کم کرنے والے کو کہتے ہیں کی خواہ ناپ تول میں ہو یا کسی اور چیز میں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جلدی جلدی نماز پڑھتے دیکھا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے فرمایا ”طَفَّفْتَ يَا رَجُلُ“ اے شخص تو نے نماز کا حق ادا نہیں کیا۔

قَوْلًا: مِنَ النَّاسِ اس میں اشارہ ہے کہ علی بمعنی من ہے۔

قَوْلًا: اِیْ كَالْوَالِهَمِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ كَالْوَالِهَمِ میں هَمْ ضمیر مفعول ہے یہ اصل میں لَهُمْ تھا، لام حرف جر کو حذف کر دیا، حرف جر کے حذف کے بعد كَالْوَالِهَمِ متعدی بنفسہ ہو گیا۔

قَوْلًا: اِیْ فِیْهِ اس میں اشارہ ہے کہ لَیْوَمِ میں لام بمعنی فی ہے لَیْوَمِ، مبعوثون کا ظرف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، یَوْمَ یَقُومُ النَّاسُ میں یَوْمَ، لَیْوَمِ کے محل پر عطف ہو۔ و وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: کُتِبَ بمعنی مکتوب اعمال الکفار میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کتاب بمعنی کتب ہے۔

قَوْلًا: سِجِّینَ، سِجِّینَ کے نون کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نون اصلی ہے اور یہ لفظ سِجِّین سے مشتق ہے جس کے معنی قید و بند کے ہیں، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نون، لام سے بدلا ہوا ہے یہ اصل میں سِجِّیل جو سِجِّل سے ماخوذ ہے اس کے معنی لکھنے کے ہیں سِجِّیل بمعنی کتاب جامع ہے۔

قَوْلًا: مَرْقُومٍ یہ کتاب الفجار میں مذکور کتاب کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں اعمال لکھے ہوئے ہیں، بعض حضرات نے رقم بمعنی ختم (مہر) لئے ہیں مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلًا: عَلَیْنِیْ یہ اسم مفرد، بروزن جمع ہے لفظوں میں اس کی جمع نہیں۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحُ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ، تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں، عربی زبان میں طفیف چھوٹی اور حقیر چیز کے لئے بولا جاتا ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والا بھی کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا؛ بلکہ ہر گاہک سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے، جو عام طور پر خریدار کو معلوم بھی نہیں ہوتا، ناپ تول میں کمی کرنا قرآنی حکم کے اعتبار سے حرام ہے، تطفیف صرف ناپ تول ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر حق واجب میں کمی کرنے کو تطفیف کہتے ہیں، ایک مزدور اگر کام کی چوری کرتا ہے یا کوئی ملازم اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کرتا ہے یہ سب بھی تطفیف میں شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت کے نازل ہونے کے بعد یہ لوگ اس بری

عادت سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ پورا ناپے تولنے میں معروف مشہور ہیں۔

(رواہ الحاکم والنسائی)

قوم شعیب علیہ السلام پر جس جرم کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا وہ یہی تھا کہ اس کے اندر ناپ تول میں کمی کرنے کا مرض عام تھا حضرت شعیب علیہ السلام کے مسلسل نصیحت کرنے کے باوجود یہ قوم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی تھی۔

سجین کے معنی جیل یا قید خانہ کے ہیں، کتاب مرقوم میں اس کی تشریح کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجین سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں سزا پانے والے لوگوں کے اعمال نامے درج کئے جا رہے ہیں۔

کَلَّا بَلْ رَانَ، یعنی جزاء، سزا کو افسانہ اور اساطیر الاولین قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے؛ لیکن جس وجہ سے یہ لوگ اسے افسانہ قرار دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کرتے رہے ہیں ان کا رنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے اس لئے جو چیز سراسر معقول ہے وہ ان کو افسانہ نظر آتی ہے، اس رنگ کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہی چلا جائے تو وہ نقطہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔

(مسند احمد، ترمذی، نسائی)

خِثْمُهُ مِسْكَ، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن برتنوں میں وہ شراب رکھی ہوئی ہوگی اس پر لاکھ یا موم کی مہر کے بجائے مشک کی مہر ہوگی، جو نہروں میں بہنے والی شراب سے اعلیٰ اور افضل ہوگی، اور اسے جنت کے خدام، مشک کی مہر لگے ہوئے برتنوں میں اہل جنت کو پیش کریں گے، دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو آخر میں ان کو مشک کی خوشبو محسوس ہوگی یہ کیفیت دنیا کی شرابوں کے بالکل برعکس ہے جس کی بوتل کھلتے ہی بدبو کا ایک بھبھکاناک میں آ جاتا ہے۔

﴿مَقَاتِلُ﴾

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ عَشْرِينَ آيَةً

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُ أَوْ خَمْسُ عَشْرُونَ آيَةً.

سورۃ انشقاق مکی ہے، تیس یا پچیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝ وَأَذْنَتْ سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ فِي الْاِنْشِقَاقِ ۝ اِیٰ حَقِّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتَطِيعَ ۝ وَإِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ زِيدَ فِي سَعَتِهَا كَمَا يُمَدُّ الْاَدِيمُ وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاءٌ وَلَا جَبَلٌ ۝ وَالْقَتَّ مَا فِيهَا مِنَ الْمَوْتَىٰ إِلَىٰ ظَاهِرِهَا وَتَخَلَّتْ ۝ عَنْهُ وَأَذْنَتْ سَمِعَتْ وَأَطَاعَتْ فِي ذَلِكَ ۝ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ۝ وَذَلِكَ كُلُّهُ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَوَابٌ إِذَا وَمَا غُطِفَ عَلَيْهَا مَخْدُوفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهُ تَقْدِيرُهُ لِقَى الْاِنْسَانَ عَمَلَهُ ۝ يَأْتِيهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ ۝ جَاهِدُ فِي عَمَلِكَ إِلَىٰ لِقَاءِ رَبِّكَ وَبُوءِ الْمَوْتِ كَذْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝ اِیٰ مُلَاقٍ عَمَلِكَ الْمَذْكُورُ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ ۝ كِتَابَ عَمَلِهِ بِيَمِينِهِ ۝ وَبُوءِ الْمُؤْمِنِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ ۸ ۝ بُوءِ غَرَضُ عَمَلِهِ عَلَيْهِ كَمَا فُسِّرَ فِي حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ وَفِيهِ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ بِكَ وَبَعْدَ الْغَرَضِ يُتَجَاوَزُ عَنْهُ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ اَهْلِهِ فِي الْجَنَّةِ مَسْرُورًا ۝ بِذَلِكَ ۝ وَامَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝ ۹ ۝ بُوءِ الْكَافِرُ تَغْلُ يُمْنَاهُ إِلَىٰ غُنْفِهِ وَتُجْعَلُ يُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَيَاخُذُ بِهَا كِتَابَهُ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوهُ عِنْدَ رُؤْيَا مَا فِيهِ ثُبُورًا ۝ ۱۰ ۝ يُنَادِي بِبَلَاكَةٍ يَقُولُ يَا ثُبُورَاهُ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۝ يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيدَةَ فِي قِرَاءَةِ بَعْضِ الْبَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيدِ اللَّامِ ۝ اِنَّهُ كَانَ فِي اَهْلِهِ عَشِيرَةً فِي الدُّنْيَا مَسْرُورًا ۝ ۱۱ ۝ بَطَرًا بِاتِّبَاعِهِ لِهَوَاهُ ۝ اِنَّهُ ظَنَّ اَنْ مُخَفَّفَةً بَيْنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَخْدُوفٌ اِیٰ اِنَّهُ لَنْ يَحْجُورَ ۝ يَرْجِعُ اِلَىٰ رَبِّهِ بَلَىٰ ۝ يَرْجِعُ اِلَيْهِ اِنْ رَّبَّهُ كَانَ بِهٖ بَصِيرًا ۝ ۱۲ ۝ عَلِيمًا بِرُجُوعِهِ اِلَيْهِ فَلَا اُقْسِمُ لَا زَائِدَةً بِالْشَّفَقِ ۝ ۱۳ ۝ بُوءِ الْحُمْرَةُ فِي الْاَفْقِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ ۱۴ ۝ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا وَالْقَمَرُ اِذَا انْسَقَ ۝ ۱۵ ۝ اجْتَمَعَ وَتَمَّ نُورُهُ وَذَلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبَيْضِ لَتَرْكَبُنَّ اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلَهُ تَرْكَبُونَنَّ حَذَفَتْ نُونُ الرَّفْعِ لَتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَالْوَاوُ لِلِاتِّبَاعِ السَّاكِنِينَ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ ۱۶ ۝ حَالًا بَعْدَ حَالٍ

وَبُئِى السَّمَوَاتِ ثُمَّ الْحَيَاةِ وَمَا بَعْدَهَا مِنْ اَحْوَالِ الْقِيَامَةِ ۚ فَمَا لَهُمْ اِى الْكُفَّارِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾ اِى اِى مَا نَعْلَمُ لَهُمْ مِنَ الْاِيْمَانِ اَوْ اِى حُجَّةٍ لَهُمْ فِى تَرْكِهِمْ نَعْيَ وُجُودِ بَرَايِسِهِ وَ مَا لَهُمْ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿۱۱﴾ يَخْتَضِعُونَ لِحُكْمِهِمْ اِنْ يُؤْمِنُوْا بِهِ لِاَعْجَازِهِ ۖ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ بِالْبَغْيِ وَغِيْرِهِ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوعُوْنَ ﴿۱۳﴾ يَجْمَعُوْنَ فِى ضُحُفِهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِیْبِ وَاعْمَالِهِمُ السُّوْءِ ۚ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۴﴾ مُؤَلِّمٍ اِلَّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۱۵﴾ غَيْرُ مُنْقَطِعٍ وَلَا مُنْقَوِّصٍ وَلَا يُمْنُ بِهِ عَلَيْهِمْ ۚ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا، (یعنی اس کا حکم) سنے گا، اور پھٹنے میں اس کی تعمیل کرے گا، اور اس کے لئے یہی حق ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے) یعنی اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ سنے اور اطاعت کرے اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی۔ یعنی اس کی وسعت میں اضافہ کر دیا جائے گا جس طرح چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے اور نہ اس پر کوئی عمارت رہے گی اور نہ پہاڑ، اور مردے (وغیرہ) جو کچھ اس کے اندر ہیں انہیں باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سنے گی اور اس باہر پھینکنے میں اپنے رب کی اطاعت کرے گی اور اس کے لئے حق یہی ہے اور یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا اور اِذَا اور اس پر معطوف کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے، اس کی تقدیر لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهُ ہے، اے انسان! تو اپنے عمل میں اپنے رب سے ملنے تک کوشش میں لگا ہوا ہے اور وہ (وقت) موت ہے، سو تو اس سے ملنے والا ہے یعنی قیامت کے دن اپنے اچھے برے مذکور عمل سے ملنے والا ہے، سو جس کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ عمل دیا جائے گا حال یہ کہ وہ مومن بھی ہو تو اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اور وہ اس کے عمل کو اس پر پیش کرنا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں تفسیر کی گئی ہے، اور حدیث میں ہے کہ جس کے حساب کی جانچ پڑتال کی گئی، وہ مارا گیا، اور پیش کرنے کے بعد اس سے درگزر کر دیا جائے گا، اور وہ جنت میں اپنے اہل کی جانب اس بات پر خوش و خرم لوٹے گا، لیکن رہا وہ شخص جس کا نامہ عمل اس کی پشت کی جانب سے دیا جائے گا (اور) حال یہ کہ وہ کافر ہوگا، تو اس کا داینا ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیا جائے گا اور اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا تو وہ اس سے اپنا نامہ عمل پکڑے گا، تو وہ اس میں مندرجات کو دیکھ کر موت کو پکارے گا (یعنی) اپنی ہلاکت کو آواز دے گا اپنے قول یا ثُبُورَاہ سے اور نہایت سخت آگ میں جا پڑے گا اور ایک قراءت میں یاء کے ضمہ اور صاد کے فتح اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے وہ اپنے گھر والوں میں یعنی دنیا میں اپنے خاندان والوں میں گمن تھا، اس کے اپنی خواہش کی اتباع کرنے کی وجہ سے، اس نے سمجھا تھا کہ اے اپنے رب کی طرف بھی پلٹنا نہیں ہے (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ہاں پلٹنا کیوں نہ ہو گا اس کی طرف پلٹے گا یقیناً اس کا رب اپنی طرف اس کے لوٹنے سے بخوبی واقف تھا پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی لا

زائدہ ہے، اور وہ غروب شمس کے بعد کنارے کی سرخی ہے اور قسم ہے رات کی اور اس کی جس کو وہ سمیٹ لیتی ہے یعنی ہر اس چیز کو جمع کر لیتی ہے جس پر وہ داخل ہوتی ہے مثلاً جانور وغیرہ اور چاند کی جب کہ کامل ہو جائے اور اس کا نور کامل ہو جائے اور یہ چاندنی راتوں میں ہوتی ہے، اے انسان! تجھ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے اور (وہ حالت) موت ہے اور پھر حیات ہے، اور اس کے بعد قیامت کے حالات ہیں (تَرَ كُنُوزًا تَرَ كُنُوزًا تَهَاكِي نُونًا) تھاکئی نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کیا گیا اور واو کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا پھر ان کافروں کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے؟ یعنی ان کو ایمان لانے سے کیا مانع ہے، یعنی ترک ایمان کی ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ جب کہ ایمان لانے کی دلیل موجود ہے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے کہ جھک جائیں بایں طور کہ قرآن پر ایمان لے آئیں، قرآن کے اعجاز کی وجہ سے، بلکہ یہ کافر تو بعث وغیرہ کو جھٹلاتے ہیں حالانکہ یہ جو کچھ اپنے اعمال ناموں میں جمع کر رہے ہیں اللہ اس کو بخوبی جانتا ہے ان کے کفر اور تکذیب اور ان کے اعمال بد کو، لہذا ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو، البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے بھی ختم اور کم نہ ہونے والا ثواب ہے اور نہ ان پر اس ثواب کا احسان جتایا جائے گا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيكِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَحُقِّقَتْ ماضی مجہول واحد مؤنث غائب، اس کے فاعل اور مفعول دونوں محذوف ہیں، اصل میں حَقَّ اللَّهُ عَلَيْهَا اِسْتِمَاعُهَا فاعل اور مفعول دونوں کو حذف کر کے فعل کی اسناد سموات کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف کر دی۔
قَوْلُهُ: اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقِّقَتْ یہ تکرار نہیں ہے اس لئے کہ اول سموات کے بارے میں ہے اور یہ ارض کے بارے میں، اِذَا کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا مابعد یعنی فَمُلَاقِيهِ دلالت کرتا ہے، اور جواب شرط لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلُهُ ہے، اور بعض حضرات نے عَلِمَتْ نَفْسٌ کو جواب شرط محذوف مانا ہے، اور یہ زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ سورۃ تکویر اور انفطار میں عَلِمَتْ نَفْسٌ کو ہی محذوف مانا ہے۔

قَوْلُهُ: كَادِحٌ، الْكَدْحُ، العمل والكسب والسعي کوشش کرنا۔

قَوْلُهُ: اِلَى رَبِّكَ، الی حرف غایت ہے، اور معنی ہیں كَذْحُكَ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ يَنْتَهِي بِلِقَاءِ رَبِّكَ وَهُوَ الْمَوْتُ۔
قَوْلُهُ: فَمُلَاقِيهِ اس کا عطف كَادِحٌ پر ہے، یا پھر فانت مبتداء محذوف کی خبر ہے، اِی فَاَنْتَ مُلَاقِيهِ، اور جملہ معطوف ہے سابقہ جملہ اِنَّكَ كَادِحٌ پر۔

قَوْلُهُ: اِی مُلَاقٍ عَمَلِكَ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فَمُلَاقِيهِ کی ضمیر مفعولی كَذْحُ بِمعنی عمل کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے، اِی فَمُلَاقٍ حِسَابِ عَمَلِهِ اور یہ بھی درست ہے کہ مُلَاقِيهِ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو، اِی فَمُلَاقٍ رَبُّهُ یعنی اس کے لئے کوئی مفر نہیں ہے۔

قَوْلًا: يَدْعُوا ثُبُورًا اِیٰی يَتَمَنَّاہُ، موت کو پکارنے کا مطلب ہے موت کی تمنا کرنا اس لئے کہ لا یعقل کوندا تمنا ہی ہوتی ہے۔

قَوْلًا: فَلَا اُقْسِمُ بِهٖ شَرْطٌ مَّحْذُوفٌ کا جواب ہے اِیٰی اِذَا عَرَفْتَ هٰذَا فَلَا اُقْسِمُ، لَا زائدہ ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اس سورت میں قیامت کے احوال، حساب و کتاب جزاء و سزا کا ذکر ہے، اور غافل انسان کو گرد و پیش میں غور و فکر کر کے ایمان باللہ تک پہنچنے کی ہدایت ہے اِذَنْ بمعنی سن لیا، اور مراد سن کرا طاعت کرنا، ذرہ برابر سرتابی نہ کرنا ہے۔

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، زمین کو پھیلا دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ سمندر اور دریا پاٹ دیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیئے جائیں گے اور زمین کی ساری اونچ نیچ ختم کر کے ہموار میدان بنا دیا جائے گا، سورہ طہ میں اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے چٹیل میدان بنا دے گا جس میں تم کوئی بل اور سلوٹ نہ پاؤ گے۔

وَالْقَتُّ مَا فِیْہَا وَتَخَلَّتْ، یعنی ہر اس چیز کو اُگل دے گی جو اس کے لپٹن میں ہے اور بالکل خالی ہو جائے گی زمین کے لپٹن میں خزان و دفائن و معادن بھی ہیں اور ابتداء آفرینش سے مرنے والوں کے اجسام و ذرات بھی، زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے لپٹن سے باہر نکال دے گی، کوئی چیز بھی چھپی ہوئی یا دبی ہوئی نہیں رہ جائے گی، یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس لئے کہ آگے کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، تو اس کے سامنے حاضر ہونے والا ہے تیرا اعمال نامہ تجھے دیئے جانے والا ہے اور تیرے اعمال نامہ کے مطابق تیری جزاء یا سزا کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

اِنَّكَ كَادِحٌ، كَدْحُ کے معنی کسی کام میں پوری جدوجہد اور توانائی صرف کرنے کے ہیں اور اِلٰی رَبِّكَ کا مطلب ہے اِلٰی لِقَاءِ رَبِّكَ یعنی ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے؛ لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے رب کی طرف جا رہا ہے وہی انسان کی منزل اور ٹھکانہ ہے۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا جس کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت حساب نہیں نہ کی جائے گی، اس سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں کام تو نے کیوں کیا؟ البتہ جس سے سخت حساب لیا جائے گا اس سے ہر بدی کے لئے سخت مناقشہ کیا جائے گا، بخاری شریف کی ایک حدیث جو حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ حُوسِبَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عُذِّبَ، یعنی روز قیامت جس سے حساب لیا گیا وہ مارا گیا، اس پر حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے سوال کیا کہ کیا قرآن میں حق تعالیٰ نے نہیں فرمایا یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں جس کو حساب یسیر فرمایا گیا ہے درحقیقت وہ مکمل حساب نہیں ہے؛ بلکہ صرف رب العالمین کے روبرو پیشی ہے اور جس شخص سے اس کے اعمال کا پورا حساب لیا گیا وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا۔

إِلَى أَهْلِهِ مَسْرُورًا، ”اہل“ سے مراد اہل خاندان، دوست و احباب بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو حساب یسیر کے بعد چھوڑ دیا گیا ہوگا، اور جنت میں ملنے والے حور و غلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ الْخَ اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کے ساتھ مؤکد کر کے انسان کو پھر ان چیزوں کی طرف متوجہ کیا ہے جن کا ذکر کچھ پہلے اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَى رَبِّكَ كَذَّحًا مِیں آچکا ہے، یہ تینوں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آنے والا ہے، یعنی انسان کو ایک حالت پر قرار نہیں اس کے حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔

﴿مَتَّ﴾

بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآنَ لِيَتَعَفَّوْا ۖ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۚ بِمَا ذُكِّرَ ۚ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝
لَا عَاصِمَ لَهُمْ مِنْهُ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝ عَظِيمٌ ۝ فِي لَوْجٍ بُوفِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ۝ تَحْفُوظٌ ۝
بِالْجَبَرِ مِنَ الشَّيَاطِينِ وَمِنْ تَغْيِيرِ شَيْءٍ بِهِ وَطَوْلُهُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَعَرْضُهُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَهُوَ مِنْ ذُرَّةٍ بَيْضَاءَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

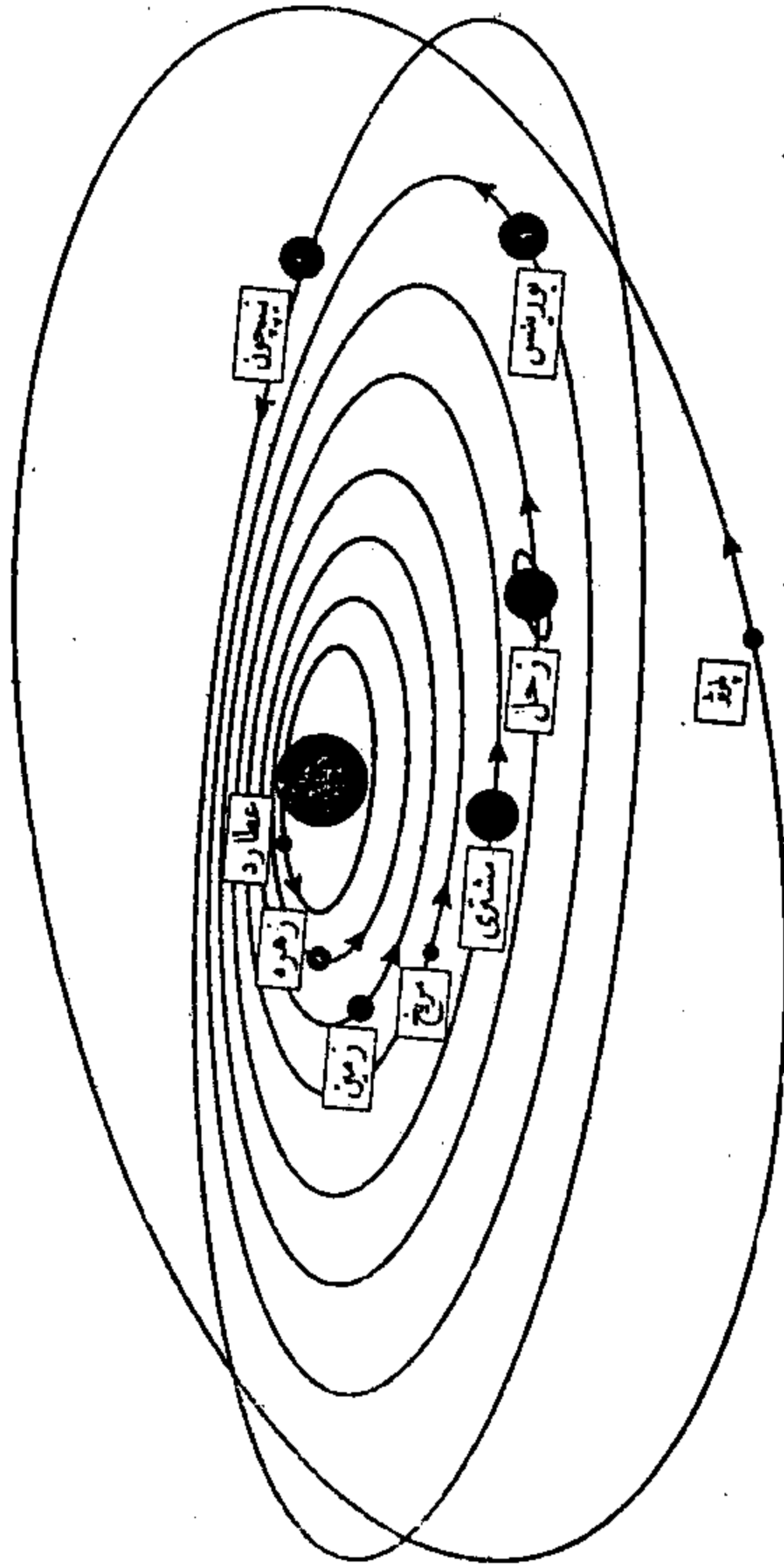
ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی سب سے بارہ برج ہیں (جن کی تفصیل سورہ فرقان میں گذر چکی ہے) اور قسم ہے یوم موعود (یعنی) قیامت کے دن کی اور حاضر ہونے والے جمعہ کے دن کی قسم اور اس دن کی قسم جس میں حاضری ہوتی ہے یعنی یوم عرفہ کی، حدیث شریف میں تینوں کی ایسی ہی تفسیر کی گئی ہے اول موعود بہ ہے دوسرا (یعنی جمعہ) اپنے اندر ہونے والے عمل کی شہادت دینے والا ہے اور تیسرا (یعنی) یوم عرفہ کہ اس میں انسان اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا صدر محذوف ہے اور وہ لَقَدْ ہے اِی لَقَدْ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ، ہلاک کئے گئے گڑھے والے یعنی زمین میں خندق والے، وہ ایک آگ بھی ایندھن والی، النار، اخدود سے بدل الاشتمال ہے وَقُودِ اس ایندھن کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ آگ جلائی جاتی ہے، جب کہ وہ لوگ اس خندق کے ارد گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، اور مومنین کے ساتھ ایمان سے باز نہ آنے کی صورت میں آگ میں ڈالنے کا جو عمل کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ میں ڈالے جانے والے مومنین کو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے روح قبض کر کے نجات دی اور آگ ان لوگوں کی طرف نکلی جو وہاں موجود (تماشہ دیکھ رہے) تھے اور ان کو جلا ڈالا، اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی کی وجہ اس کے سواء کچھ نہ تھی کہ وہ اس اللہ پر جو اپنے ملک میں غالب اور محمود ہے ایمان رکھتے تھے اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اسی کی ہے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے یعنی کافروں کو مومنین کی سوائے ان کے ایمان لانے کے اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی، یقیناً ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر آگ میں جلا کر ظلم ڈھایا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے آخرت میں جلائے کا یعنی مومنین کو آگ میں جلانے کی وجہ سے عذاب ہے اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں ہے، اس طریقہ پر کہ (خندق سے) آگ نکلی اور ان کو جلا دیا جیسا کہ ماسبق میں گذرا، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لئے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ہے بڑی کامیابی بے شک کافروں پر تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے ارادے کے مطابق، وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اس کو اس کے ارادہ سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی وہ گنہگار مومنین کو بخشنے والا ہے اور اکرام کے ذریعہ اپنے اولیاء سے محبت کرنے والا ہے اور عرش کا مالک ہے یعنی اس کا خالق ہے، اور مالک ہے، اور بزرگ و برتر ہے (المجید) کے رفع کے ساتھ، وہ صفات کمالات عالیہ کا مستحق ہے اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے اس کو کوئی

شی عاجز نہیں کر سکتی، کیا اے محمد ﷺ! تمہیں فرعون اور شمود کے لشکروں کی خبر پہنچی؟ یہ جنود سے بدل ہے، اور فرعون کے ذکر کی وجہ سے اس کے اتباع کے ذکر کی ضرورت نہیں رہی، اور ان کا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا، اور (در اصل) ان لوگوں کو تنبیہ ہے جنہوں نے نبی ﷺ اور قرآن کا انکار کیا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، مگر جنہوں نے کفر کیا وہ مذکور کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے، اس سے ان کو کوئی نہیں بچا سکتا، بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے اس لوح میں جو فضا میں ساتویں آسمان کے اوپر ہے محفوظ ہے اور اس کا طول آسمان اور زمین کے فاصلہ کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق سے مغرب تک کی مسافت کے برابر ہے اور وہ (لوح) سفید موتی کی ہے یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

① الحمل ② الثور ③ الجوزاء ④ السرطان ⑤ الاسد ⑥ السنبلة ⑦ المیزان ⑧ العقرب ⑨ القوس ⑩ الجدی ⑪ الدلو ⑫ الحوت، یہ مذکورہ بارہ برج، سات سیاروں کے ہیں، مرتب کے دو برج ہیں، حمل اور عقرب، اور زہرہ کے بھی دو برج ہیں، ثور اور میزان، اور عطارد کے بھی دو برج ہیں، الجوزاء اور سنبلة، قمر کا ایک برج ہے اور وہ سرطان ہے، اور شمس کا بھی ایک ہی ہے اور وہ اسد ہے، اور مشتری کے دو ہیں، القوس اور حوت، اور زحل اس کے بھی دو ہیں، الجدی اور دلو۔





اس شکل میں نظام شمسی کے کوسیارے اپنے اپنے مدار میں دکھائے گئے ہیں۔ شکل میں ان سیارات کے مداروں کی ترتیب اور سمت گردش کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ پلوٹو کا مدار قدرے ترچھا ہے جس کی وجہ سے پلوٹو کا ہے گا ہے نیپچون کے مدار کاٹ کر اس کے اندر اندر چلا ہے اس دوران بجائے پلوٹو کے نیپچون سورج سے

بہتر ترین سیارہ ہوتا ہے۔

قَوْلًا: الموعود ای موعود بہ ہو القیامة۔

قَوْلًا: محذوف صَدْرُهُ یعنی ماضی مثبت جس کا معمول مقدم نہ ہو جب جواب قسم واقع ہو تو اس پر لام اور قد داخل کرنا ضروری ہے ایک پراکتفا جائز نہیں ہے البتہ طول کلام یا ضرورت کی وجہ سے ایک پراکتفا کر سکتے ہیں، جیسا کہ قَدْ أَفْلَحَ میں طول کلام کی وجہ سے صرف قد پراکتفا کیا ہے قَتَلَ أَصْحَابُ الْأَخْدُودِ، اِی لَقَدْ قَتَلَ أَصْحَابُ الْأَخْدُودِ، أَخْدُودٌ مفرد ہے جمع أَخَادِيدٌ بمعنی خندق۔

قَوْلًا: النَّارُ بدل الاشتمال منه، النَّارُ، أَخْدُودٌ سے بدل اشتمال ہے اس لئے کہ أَخْدُودٌ، نار پر مشتمل ہے۔

قَوْلًا: الْوَقُودُ، واؤ کے فتح کے ساتھ بمعنی ایندھن اور ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، جلانا۔

قَوْلًا: إِذْ هُمْ عَلَيْهَا، قَتَلَ مقدم کا ظرف مؤخر ہے، یعنی مومنین کو خندق کی آگ میں جلاتے وقت خندقوں کے کنارے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، شہود بعض نے کہا ہے کہ شہادۃ بمعنی گواہی سے مشتق ہے، یعنی بادشاہ کے حضور بعض بعض کی حسن کارکردگی کی شہادت دیتے تھے یا شہادۃ بمعنی حضور سے مشتق ہے، مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں مطلب یہ ہے کہ مومنین کے ساتھ تعذیب اور احراق فی النار کا جو معاملہ کیا جاتا تھا اس کو کرسیوں پر بیٹھ کر تماشہ کے طور پر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

قَوْلًا: الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ العزیز الحمید کا بیان ہے۔

قَوْلًا: فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ یہ اِنَّ الدِّیْنَ فَتَنُوا کی خبر ہے، مبتداء چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے خبر پر فاء داخل ہوئی ہے۔

قَوْلًا: بَدَلَ مِنَ الْجَنُودِ، فرعون حذف مضاف کے ساتھ جنود سے بدل ہے، اِی جنود فرعون، فرعون کو ذکر کرنے کے بعد اتباع فرعون کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

قَوْلًا: بِمَا ذُكِّرَ، اِی القرآن والنبی ﷺ، مَا سے مراد قرآن یا نبی ﷺ ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

سورہ بروج مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب ظلم و ستم پوری شدت کے ساتھ برپا تھا اور مشرکین مکہ مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیتیں دے کر ایمان سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

گیا تھا عبد اللہ بن تامر تھا، اور وہ راہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کا پیروکار تھا، وہ لڑکا کشف و کرامات کے ذریعہ اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا، اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا پختہ ایمان نصیب فرمایا کہ ایمان کی خاطر لوگوں کی اذیتیں برداشت کرتا تھا، ساحر کے پاس جاتے وقت راستہ میں راہب کے پاس کچھ دیر بیٹھتا تھا جس کی وجہ سے ساحر اس کو تاخیر کی وجہ سے مارتا تھا اور واپسی کے وقت بھی راہب کے پاس بیٹھتا جس کی وجہ سے گھر پہنچنے میں دیر ہو جاتی تو گھر والے اس کی پٹائی کرتے، مگر اس نے کسی کی پرواہ کئے بغیر راہب کی صحبت اور مجالست نہ چھوڑی، اور خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ شیر وغیرہ کسی درندے نے راستہ روک رکھا ہے اور لوگ پریشان ہیں تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعاء کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے اور اگر کاہن کا دین سچا ہے تو نہ مارا جائے، یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا جس کی وجہ سے وہ شیر ہلاک ہو گیا، اس واقعہ سے لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے ایک نابینا نے جب یہ سنا تو آکر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہو جائیں گی؟ لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جائے۔ نابینا نے یہ شرط قبول کر لی، لڑکے نے اللہ سے دعاء کی چنانچہ وہ نابینا بینا ہو گیا اسی قسم کے بہت سے واقعات و کرامات ظاہر ہوئیں، جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے راہب کو اور لڑکے کو اور نابینا کو گرفتار کر کے حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ تینوں گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کئے گئے راہب اور نابینا کو تو فوراً ہی قتل کر دیا، اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے، مگر جو لوگ اس کو لے کر پہاڑ پر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آ گیا، اس کے بعد بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے کر گئے تھے وہ سب غرق ہو گئے غرضیکہ کوئی ہتھیار اور کوئی حربہ کارگر نہ ہوا آخر کار لڑکے نے بادشاہ سے کہا اگر تو مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع عام میں ”بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هَذَا الْغَلَامِ“ کہہ کر تیر مار میں مرجاؤں گا، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا، لوگ پکاراٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے، بادشاہ کے مصاحبوں نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ تو وہی کچھ ہو گیا جس سے آپ بچنا چاہتے تھے، لوگوں نے آپ کے دین کو چھوڑ کر لڑکے کے دین کو قبول کر لیا، بادشاہ یہ دیکھ کر غصے میں بھر گیا، اس نے خندقیں کھدوائیں اور ان کو آگ سے بھر دیا اور اشتہار دیا کہ جو اسلام سے نہ پھرے گا اس آگ میں جلا دیا جائے گا چنانچہ ایک ایک مسلمان کو لایا جاتا اور اس سے کہا جاتا کہ یا تو ایمان ترک کر دو، ورنہ اس خندق میں جلنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور آگ میں جل کر مر جانا قبول کیا صرف ایک عورت جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا وہ جھجکی تو فوراً ی وہ بچہ بولا اے اماں! تو صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے، جن لوگوں کو اس ظالم بادشاہ نے اس طرح آگ میں جلا کر ہلاک کیا ان کی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار اور بعض میں اس سے بھی زیادہ آئی ہے۔

عجیب تاریخی واقعہ:

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا جس کا نام عبداللہ بن تامر تھا جس جگہ مدفون تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں کسی ضرورت سے جب وہ زمین کھودی گئی تو اس میں سے عبداللہ بن تامر کا جسم صحیح سالم اس طرح برآمد ہوا کہ ان کا ہاتھ تیر لگنے کی جگہ کپٹی پر رکھا ہوا ہے، کسی شخص نے ان کا ہاتھ کپٹی سے ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہو گیا جب ہاتھ اسی جگہ رکھ دیا تو خون بند ہو گیا ان کے ہاتھ میں ایک انگٹھی تھی جس پر ”اللہ ربی“ لکھا ہوا تھا، یمن کے حاکم نے اس واقعہ کی اطلاع مدینہ منورہ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی ہیئت پر مع انگٹھی کے اسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں وہ ظاہر ہوئے ہیں۔ (معارف، ابن کثیر)

فائدہ: ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کے واقعات دنیا میں مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں پیش آئے ہیں، ابن ابی حاتم نے خصوصیت کے ساتھ تین واقعات کا ذکر کیا ہے۔

پہلا واقعہ:

یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا جو کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال قبل ملک یمن میں پیش آیا، دوسرا واقعہ شام میں، تیسرا فارس میں، اس سورت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ ملک یمن نجران کے علاقہ میں پیش آیا تھا، یہ عرب کا علاقہ تھا۔ (معارف)

دوسرا واقعہ:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایران کے ایک بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں کے درمیان تعلقات استوار ہو گئے جب بات کھل گئی اور لوگوں میں اس کا بہت چرچا ہو گیا تو بادشاہ نے اعلان کرایا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے لوگوں کو طرح طرح کے عذاب دے کر یہ بات ماننے پر مجبور کیا یہاں تک کہ وہ آگ سے بھری ہوئی جندقوں میں ہر اس شخص کو ڈلوادیتا تھا جو اس بات کو ماننے سے انکار کرتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا طریقہ رائج ہوا ہے۔ (ابن جریر)

تیسرا واقعہ:

حضرت ابن عباس نے غالباً اسرائیلی روایات سے نقل کیا ہے کہ بابل والوں نے یہودیوں کو دین موسیٰ علیہ السلام سے منحرف ہو جانے پر مجبور کیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے آگ سے بھری ہوئی خندقوں میں ان لوگوں کو پھینک دیا جو اس سے انکار کرتے تھے۔ (ابن جریر، عبد بن حمید)

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ يَهْتَدُونَ سَبِيلَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَكُونُ لَكُمُ الْمَوْتُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ
 بناء پر آگ کی خندق میں ڈال کر جلایا تھا اور سزائیں دو باتیں ارشاد فرمائیں فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ یعنی ان کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے دوسری وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ یعنی ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے، ہو سکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان اور تاکید ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں ان کی اسی سزا کا ذکر ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مومنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا لیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں، پھر یہ آگ اس قدر بھڑک اٹھی کہ خندق کی حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لئے دریا میں کود گیا جس کی وجہ سے غرق ہو کر مر گیا۔

(مظہری)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ هِيَ سَبْعٌ عَشْرَةَ آيَةً

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعٌ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ طارق مکی ہے، سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ أَضَلُّهُ كُلُّ لَيْلٍ وَسَنَةُ النُّجُومِ ۝
 يَطْلُو عَمَّا لَيْلًا وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا الطَّارِقُ ۝ مُبْتَدَأٌ وَخَبْرٌ فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لَا ذَرَى وَمَا بَعْدَ
 مَا الْأُولَى خَبْرُهَا وَفِيهِ تَعْظِيمٌ لِشَأْنِ الطَّارِقِ الْمَفْسَّرِ بِمَا بَعْدَهُ هُوَ التَّجَمُّرُ أَيْ الثَّرَيَّا أَوْ كُلُّ نَجْمٍ الثَّاقِبُ ۝
 الْمُضَيُّ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوْنِهِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ بِتَخْفِيفٍ مَا فِيهِ مَزِيدَةٌ
 وَإِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَيْ إِنَّهُ وَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَبِتَشْدِيدِهَا فَإِنْ نَافِيَةٌ وَلَمَّا بِمَعْنَى إِلَّا
 وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظْرًا عَتَبَارًا مِمَّنْ خُلِقَ ۝ مِنْ أَى شَيْءٍ
 جَوَابُهُ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ ذِي إِنْدِفَاقٍ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي رَجْمِهَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ
 وَالتَّرَائِبِ ۝ لِلْمَرْأَةِ وَبِى عِظَامُ الصُّدْرِ إِنَّهُ تَعَالَى عَلَى رَجْعِهِ بَعَثَ الْإِنْسَانَ بَعْدَ مَوْتِهِ لِقَادِرٌ ۝ فَإِذَا اعْتَبَرَ
 أَضَلُّهُ عَلِمَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى ذَلِكَ قَادِرٌ عَلَى بَعْثِهِ يَوْمَ تَبْلَى تُخْتَبَرُ وَتُكْشَفُ السَّرَائِرُ ۝ ضَمَائِرُ الْقُلُوبِ فِي
 الْعَقَائِدِ وَالنِّيَّاتِ فَمَالَهُ لِمُنْكَرِ الْبَعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَلَا نَاصِرٍ ۝ يَدْفَعُهُ عَنِ
 وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ الْمَطَرِ لِعَوْدِهِ كُلِّ جَنِينٍ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ الشَّقِ عَنِ النَّبَاتِ إِنَّهُ أَى الْقُرَادِ
 لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِلِ إِنَّهُمْ أَى السُّكْفَا
 يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ يَعْمَلُونَ الْمَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ أَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ خِيئَةٍ
 لَا يَعْلَمُونَ فَمَهْلٍ يَا مُحَمَّدُ الْكَافِرِينَ أَمَهُلَهُمْ تَأْكِيدَ حَسَنَةِ مُخَالَفَةِ اللَّفْظِ أَى أَنْظِرُهُمْ مُرَوِّدًا ۝ قَلِيلًا
 وَهُوَ مُضَدَّرٌ مُؤَكَّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرٌ رُوْدًا أَوْ ارْوَادٍ عَلَى التَّرْخِيمِ وَقَدْ أَخَذَهُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَنَسِ
 الْإِمْتِهَالِ بِأَيَّةِ السَّيْفِ أَى بِالْأَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ.

تَرْجُمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے طارق اصل میں رات میں ہر آنے والے کو کہتے ہیں، اور اسی میں سے ستارے ہیں اس لئے کہ یہ بھی رات ہی کو طلوع ہوتے ہیں، اور آپ ﷺ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ (طارق) مبتداء اور خبر ہیں جو کہ اذری کے مفعول ثانی کے محل میں ہے اور پہلے مَا کا مابعد اس کی خبر ہے اور اس میں طارق کی شان کی تعظیم ہے جس کی مابعد کے ذریعہ تفسیر کی گئی ہے (اور طارق) روشن ثریا یا ہر روشن ستارہ ہے جو اپنی روشنی کے ذریعہ تاریکی کو پھاڑنے کی وجہ سے ثاقب کہلاتا ہے اور جواب قسم محذوف ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو، مَا کی تخفیف کے ساتھ، سو وہ زائدہ ہے اور اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اِیْ اِنَّہ اور لام مخففہ اور نافیہ کے درمیان فارقہ ہے اور لَمَّا تشدید کے ساتھ بھی ہے سو اِنْ نافیہ ہے اور لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے اور نگرانی کرنے والے فرشتے ہیں جو کہ ہر نفس کے اچھے برے عمل کی نگرانی کرتے ہیں پھر ذرا انسان اسی پر عبرت کی نظر کرے کہ ہر کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اس کا جواب خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ہے (یعنی) مرد اور عورت کے رحم میں اچھلنے والی پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور تَرَائب سینے کی ہڈیوں کو کہتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے پس جب انسان اپنی اصل میں نظر عبرت سے غور کرے گا یہ بات سمجھ لے گا کہ جو ذات اس (ابتداء تخلیق) پر قادر ہے وہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے، جس روز پوشیدہ اسرار کی مانج پڑتا ہوگی اور ظاہر کئے جائیں گے، یعنی عقیدے اور نیتوں کے بارے میں دلوں کے مخفی رازوں کی (جانچ پڑتال ہوگی) تو اس وقت اس منکر بعث کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا کہ جس کے ذریعہ عذاب سے بچ سکے، اور نہ کوئی اس کی دکر نے والا ہوگا جو اس کا دفاع کر سکے اور قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی مطر کو رَجْعُ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بارر رجوع کرتی ہے، اور شگاف والی زمین کی یعنی وہ شگاف جو نباتات کے نکلنے سے ہوتے ہیں بلاشبہ یہ قرآن ایک قول مل ہے، (جو) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے یعنی لہو و لعب اور باطل نہیں ہے، یہ فار کچھ چالیں چل رہے ہیں یعنی نبی ﷺ کے ساتھ مکر کر رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں، یعنی ان کو ڈھیلے رہا ہوں اس طریقہ پر کہ وہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں پس اے محمد ﷺ! ان کافروں کو چھوڑ دو اَمْهَلْهُمْ تاکید ہے لفظی الفت نے اس میں حسن پیدا کر دیا ہے یعنی ان کو کچھ وقت مہلت دیجئے (رُوْبِدًا) معنی عامل کے لئے مَوَکَد ہے اور رُوْدًا مذف زوائد کے ساتھ ازواد کا مصغر ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر میں پکڑ لیا، اور مہلت آیت سیف سے سوخ ہو گئی، یعنی قتال و جہاد کے حکم سے۔

تحقیق و تہذیب تفسیری فوائد

قَوْلٌ: أَصْلُهُ كُلُّ آتٍ لَيْلًا، طَارِقٌ، طَارِقٌ لَيْلًا طارق لغت میں کھٹکھٹانے والے کو کہتے ہیں رات میں آنے والے کو اسی لئے طارق کہتے ہیں کہ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، پھر اس میں وسعت کر کے رات میں ہر ظاہر ہونے والی چیز پر اطلاق ہونے لگا، پھر اس میں بھی توسیع دے کر مطلقاً ظاہر ہونے والی چیز کو کہا جانے لگا خواہ دن میں ظاہر ہو یا رات میں، اسی سے یہ حدیث ہے **”أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ طَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمَنُ“**۔

قَوْلٌ: وَمَا أَذْرَكَ استفہام انکاری ہے اور مَا الطارق میں استفہام تعظیم و تنخیم کے لئے ہے۔

قَوْلٌ: النِّجْمُ، هُوَ مُبْتَدَأٌ مَحْذُوفٌ کی خبر ہے، اور یہ اس ابہام کی تفسیر بھی ہے جو استفہام سے پیدا ہوا ہے۔

قَوْلٌ: الشُّرَيَّا او کل نجم یہ النجم کی تفسیر کے تین اقوال میں سے دو ہیں تیسرا قول زحل کا ہے اور زحل کا مقام ساتواں آسمان ہے زحل آسمان کی خوبصورت ترین چیزوں میں سے ہے۔

قَوْلٌ: إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ الْخِجَابِ جواب قسم ہے، قسم اور جواب قسم کے درمیان وَمَا أَذْرَكَ الْخِجَابِ جملہ معترضہ ہے جو کہ مقسم بہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلٌ: بِتَخْفِيفٍ مَا، لَمَّا میں دو قراءتیں ہیں اول مَا کی تخفیف کے ساتھ زائدہ اس صورت میں إِنَّ مَخْفَفٌ عَنْ الثَّقِيلِ ہوگا اور اس کا اسم محذوف ہوگا، اِیْ اِنَّہ اور لَمَّا کا لام إِنَّ مَخْفَفٌ اور نافیہ کے درمیان فارق ہوگا۔

قَوْلٌ: بِتَشْدِيدِهَا یہ لَمَّا کی دوسری قراءت کا بیان ہے اس صورت میں لَمَّا مُشَدَّدٌ بِمَعْنَى اِلَّا ہوگا اور اِنْ نافیہ ہوگا۔

قَوْلٌ: ذِي اِنْدِاقٍ یہ دَافِقِ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ دَافِقِ اسم فاعل برائے نسبت ہے، جیسا کہ لَاِبْنُ دُوْدٍ فروخت کرنے والا، تَامِرٌ فروخت کرنے والا، دَافِقٌ اچھلنے والا۔

قَوْلٌ: فِي رَحْمِهَا یہ دَافِقِ سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ مرد کے نطفہ کا اندفاق، رحم مادر میں ہوتا ہے اور عورت کے نطفہ کا آندفاق تو رحم کے اندر ہوتا ہی ہے اس طرح مرد اور عورت دونوں کے نطفہ کا اندفاق رحم ہی میں ہوتا ہے۔

قَوْلٌ: مِنْ بَيْنِ الصَّلْبِ میں بین زائدہ ہے اس لئے کہ بین کا استعمال متعدد میں ہوتا ہے اور صلب میں تعدد نہیں ہے الا یہ کہ صلب سے مراد اجزاء صلب ہوں تو تعدد کی صورت ہو سکتی ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّہ لَقَوْلٌ فَصْلٌ، فَصْلٌ بمعنی فاصل ہے یہ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ الْخِجَابِ کا جواب قسم ہے۔

قَوْلٌ: تَاكِيْدٌ حَسَنَةٌ مخالفة اللفظ یعنی اَمْهَلُهُمْ، فَمَهْلٌ کی تاکید ہے مَوَكَّدٌ اور مَوَكَّدٌ کے درمیان لفظی اختلاف نے ایک قسم کا حسن پیدا کر دیا ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ مَوَكَّدٌ یعنی فمہل میں اسناد اسم ظاہر یعنی کافرین کی طرف ہے اور مَوَكَّدٌ یعنی اَمْهَلُهُمْ میں ضمیر ہم کی جانب ہے اس اختلاف سے افادہ جدید ہوا جو کہ حکم میں تائیس کے ہے اور تائیس تاکید سے بہتر ہے،

اور مؤکد و مؤکید میں صیغہ کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے یہ اختلاف بھی عبارت کے تنوع پر دلالت کرتا ہے جو کہ مطلوب ہے۔
قَوْلُهُ : **عَلَى التَّرْحِيمِ** اس کا تعلق ارواداً سے ہے، اور **رُوَيْدًا** و **اِزْوَادًا** کی تصغیر ہے حذف زوائد کے بعد، امہال کا حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر محافظ اور نگران مقرر ہے جو اس کے تمام حرکات و سکنات و افعال و اعمال کو دیکھتا اور لکھتا ہے اور یہ لکھنا اور محفوظ کرنا حساب کے لئے ہے جو قیامت کے دن ہوگا اس لئے عقل کا تقاضہ ہے کہ انسان کبھی آخرت کی فکر سے غافل نہ ہو۔

حضرت خالد عدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقیف کے بازار میں کمان یا لانچی کے سہارے کھڑے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ طارق سنی اور میں نے اسے یاد کر لیا حالانکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا پھر مجھے اللہ نے ایمان کی دولت سے نوازا دیا۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد)

طارق سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کر دیا کہ روشن ستارہ مراد ہے، طارق طروق سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں، رات میں آنے والے کو بھی طارق کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ستاروں کو بھی اسی لئے طارق کہتے ہیں کہ وہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

اِنْ كُلِّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے محافظ اور نگران مقرر ہیں اور وہ فرشتے ہیں جیسا کہ سورہ رد کی آیت ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے حافظ سے مراد خود اللہ تعالیٰ کو لیا ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ”صلب“ ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں اور **تَرَائِب**، تَرْيَبَة کی جمع ہے سینے کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں ہار پہنا جاتا ہے، انسان کا مادہ تولید اس حصہ سے نکلتا ہے جو صلب اور سینے کے درمیان واقع ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَاقٍ یعنی انسان کو ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے انسان کا مادہ تولید مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے اور یہ مادہ انسان کے ہر عضو سے نکل کر یہاں جمع ہوتا ہے لہذا دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ، رجع کے لغوی معنی لوٹنا، پلٹنا کے ہیں، بارش کو رجع اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پلٹ کر بار بار بار آتی ہے۔

اِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ یہ جواب قسم ہے یعنی کھول کر بیان کرنے والا جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو جائے وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنی جس طرح آسمان سے بارش کا برسا اور زمین کا شق ہو کر نباتات کو اپنے اندر سے اگلنا کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے، اسی طرح قرآن خبر دے رہا ہے کہ انسان کو پھر اپنے خدا کی طرف پلٹنا ہے یہ بھی کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے بلکہ ایک دو ٹوک بات ہے اور ایک سنجیدہ حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ كَيْدًا یعنی یہ کفار قرآنی دعوت کو شکست دینے کے لئے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں، اپنی پھونکوں سے اس چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں، ہر قسم کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال رہے ہیں، ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر اس کے پیش کرنے والے نبی ﷺ پر لگا رہے ہیں تاکہ دنیا میں اس کی بات چلنے نہ پائے اور کفر و جہالت کی وہی تاریکی چھائی رہے جسے وہ چھانٹنے کی کوشش کر رہا ہے، اور خدا بھی ایک تدبیر کر رہا ہے کہ ان کی کوئی تدبیر اور مکر چلنے نہ پائے اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ هِيَ تِسْعٌ عَشْرَةَ آيَةً

سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ اعلیٰ مکی ہے، انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ بِسْمِ اسْمِ رَبِّكَ اِی نَزَّهَ رَبُّكَ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِهِ وَلَفْظُ اسْمٍ زَائِدٌ
الْاَعْلَى ۝ صِفَةُ لِرَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ قَسْوٰی ۝ مَخْلُوْقَهُ جَعَلَهُ مُتَنَاسِبَ الْاَجْزَاءِ غَیْرَ مُتَفَاوِتٍ وَالَّذِیْ قَدَّرَ مَا شَاءَ
فَهَدٰی ۝ اِلٰی مَا قَدَّرَهُ مِنْ خَیْرٍ وَشَرٍّ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝ اَنْبَتَ الْعُشْبَ فَجَعَلَهُ بَعْدَ الْخُضْرَةِ عُثَا ۝ جَافًا
بَشِیْمًا اَحْوٰی ۝ اَسْوَدَ یَابِسًا سَنَقْرٰی الْقُرْآنَ ۝ فَلَا تَنْسٰی ۝ مَا تَقْرَؤُہُ اِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۝ اَنْ تَنْسَاهُ یَنْسَخَ بِاٰوٰتِهِ
وَحُكْمِهِ وَكَانَ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَجْمَعُ بِالْقِرَآءَةِ مَعَ قِرَآءَةِ جِبْرِیْلَ خَوْفَ النَّسِیَانِ فَكَأَنَّهُ قِیْلَ لَهُ لَا
تَعْجَلْ بِهَا اَنْكَ لَا تَنْسٰی فَلَا تُتْعِبُ نَفْسُكَ بِالْجَهْرِ بِهَا اِنَّهُ تَعَالٰی یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ
وَمَا یَخْفٰی ۝ مِنْهُمَا وَنُبِیْرُكَ لِلْیُسْرِی ۝ لِلشَّرِیْعَةِ السَّهْلَةِ وَبِی الْاِسْلَامِ فَذَكَرْ عِظَ بِالْقُرْآنِ اِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرٰی ۝ مَنْ
تَذَكَّرَهُ الْمَذْكُوْرَ فِی سَیِّدْكَرُ بِهَا مَنْ یَخْشٰی ۝ یَخَافُ اللّٰهُ تَعَالٰی كَآیَةِ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ یَخَافُ وَعَبِیْدُ
وَيَجْنِبُهَا اِی الذِّكْرِ یَتْرُكُهَا جَانِبًا لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهَا الْاَشْقٰی ۝ بِمَعْنٰی الشَّقِیِّ اِی الْكَافِرُ
الَّذِیْ یَصْلٰی النَّارَ الْكُبْرٰی ۝ بِی نَارِ الْاٰخِرَةِ وَالصُّغْرٰی نَارِ الدُّنْیَا تُمَلِّیْمُوْتُ فِیْهَا فِیَسْتَرْیَحُ وَلَا یَحْیٰی ۝ حَیَاةَ بَنِیْنَةٍ
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكٰی ۝ تَطَهَّرَ بِالْاِیْمَانِ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ مُكْبِرًا ۝ فَصَلٰی ۝ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَذٰلِكَ مِنْ اَسْوَرِ الْاٰخِرَةِ
وَكَفَّارُ مَكَّةَ مُعْرِضُونَ عَنْهَا بَلْ تُؤْتِرُونَ بِالتَّحْتَانِیَّةِ وَالْفَوْقَانِیَّةِ الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا ۝ عَلٰی الْاٰخِرَةِ وَالْاٰخِرَةُ الْمُسْتَمْلَةُ
عَلٰی الْجَنَّةِ خَیْرٌ وَآبَقٰی ۝ اِنْ هٰذَا اِی فَلَاحَ مَنْ تَزَكٰی وَكُوْنِ الْاٰخِرَةِ خَیْرًا لِّفِی الصُّحُفِ الْاَوَّلٰی ۝ الْمُنْزَلَةُ قَبْلَ
الْقُرْآنِ صُحُفِ اِبْرٰهیمَ وَمُوسٰی ۝ وَبِی عَشْرُ صُحُفٍ لِاِبْرٰهیمَ وَالتَّوْرَةُ لِمُوسٰی ۝

تَزَكُّیْمًا: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، (اے نبی ﷺ!) اپنے رب برتر کے

نام کی تسبیح کر یعنی اپنے رب کی ان چیزوں سے پاکی بیان کر جو اس کی شایانِ شان نہیں ہیں، اور لفظ اسم زائد ہے (الْأَعْلَى) رب کی صفت ہے جس نے پیدا کیا اور اپنی مخلوق کو درست کیا (یعنی) متناسب الاعضاء بنایا نہ کہ غیر متناسب جس نے جیسی چاہی تقدیر بنائی پھر اس نے اس خیر و شر کی راہ بتائی جو اس نے مقدر فرمائی جس نے نباتات گھاس اگائی پھر اس کو ہریالی کے بعد سوکھا سیاہ کوڑا کرکٹ کر دیا ہم قرآن آپ کو پڑھو ادیس گے پھر آپ ﷺ جو پڑھیں گے اس کو نہ بھولیں گے سوائے اس کے کہ جس کو اللہ بھلانا چاہے گا اس حکم اور اس کی تلاوت کو منسوخ کر کے، اور آپ ﷺ جبرائیل علیہ السلام کی قراءت کے ساتھ ساتھ بھولنے کے خوف سے زور زور سے قراءت کرتے تھے گویا آپ ﷺ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے، آپ ﷺ بھولیں گے نہیں، اس لئے زور سے پڑھ تعب نہ اٹھائیے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر قول و فعل کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ قول و فعل کو بھی (جانتا ہے) اور ہم آپ ﷺ کو آسان شریعت کی سہولت دیتے ہیں اور وہ اسلام ہے، سو آپ ﷺ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت نافع ہو اس شخص کو جس کو آپ ﷺ نصیحت فرمائیں جو کہ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشَى میں مذکور ہے جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے نصیحت حاصل کرے گا جیسا کہ آیت فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ میں ہے، یعنی آپ ﷺ اس شخص کو نصیحت فرمائیں جو وعید سے ڈرتا ہے اور اس نصیحت کو وہ شخص درکنار کرے گا یعنی اس کی طرف توجہ نہ کرے گا جو انتہائی بد بخت ہوگا جو بڑی آگ میں داخل ہوگا اور اشقی بمعنی شقی، یعنی کافر ہے اور وہ (بڑی آگ) آخرت کی آگ ہے اور چھوٹی آگ دنیا کی آگ ہے، پھر وہ اس میں نہ مرے گا کہ راحت پا جائے اور نہ خوشگوااری کی زندگی جئے گا، وہ شخص کامیاب ہوگا جس نے ایمان کے ذریعہ پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا تکبیر کہتے ہوئے، پھر پنج وقتہ نماز پڑھی اور یہ امور آخرت میں سے ہیں اور مکہ کے کافر و گردانی کرتے ہیں تم لوگ دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو (تؤثرون) یا اور تاء کے ساتھ ہے حالانکہ آخرت جو کہ جنت پر مشتمل ہے بہتر اور باقی رہنے والی ہے بلاشبہ یہی بات یعنی پاکیزگی حاصل کرنے والے کی فلاح اور آخرت کا بہتر اور دائمی ہونا پہلے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے ہیں اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے دس صحیفے اور موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: صِفَةُ لِرَبِّكَ یعنی الْأَعْلَى، رب کی صفت ہے اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ الْأَعْلَى، اسم کی صفت نہیں ہے اس لئے کہ الْذِي، رَبِّكَ کی صفت ہے ورنہ تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ موصوف رَبِّكَ اور صفت الذی خَلَقَ کے درمیان غیر صفت یعنی الاعلیٰ کا فصل ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: غُشَاءٌ، غُشَاءٌ اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سطح آب پر بہہ کر چلا آتا ہے، یہاں مطلقاً سوکھا سیاہ کوڑا کرکٹ مراد ہے یعنی مقید کو معنی میں مطلق کے استعمال کیا ہے۔

قَوْلًا: مَنْ تَذَكَّرَهُ الْمَذْكُورُ، فِی سَيِّدَ تَكْرُ مَنْ مَوْصُولٌ هُوَ اور نَفَعَتْ كَامَفْعُولٌ هُوَ اور تَذَكَّرَ كِی ضَمِیر مَرْفُوعٌ مَخَاطَبِ یعنی آپ ﷺ کی طرف راجع ہے اور ضَمِیر مَنْصُوبٌ (ذ) مَوْصُولِ کی طرف راجع ہے اور السَّمْدُ كَسُورِ مَوْصُولِ کی صفت ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نصیحت کریں اگر نصیحت اس شخص کو فائدہ دے جس کو آپ ﷺ نصیحت کریں، اور جس کا ذکر سَيِّدَ تَكْرُ مِنْ یَحْشَى میں ہے، مَنْ تَذَكَّرَهُ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اِنْ نَفَعَتْ الذِّكْرَى میں جَوْفَعِ کے بارے میں تردد ہے وہ ذِکْرَى کے مفعول کی نسبت سے ہے نہ کہ فاعل کی نسبت سے اس لئے کہ فاعل کی نسبت سے ذکر کا فائدہ متحقق ہے۔ (کمالات معنی)

قَوْلًا: فِی سَتْرِیْحِ یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لَا یَمُوتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور حیات کے درمیان کوئی واسطہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسی موت نہ آئے گی کہ یہ مرنے کے بعد راحت پا جائے اور نہ ایسی حیات ہوگی کہ اس میں خوشگوا رہی ہو۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى رسول اللہ ﷺ اس سورت اور سورۃ غاشیہ کو عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ اور دوسری میں سورۃ کافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى جب نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اپنے سجود میں داخل کرو اور جب فَسَبِّحِ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں داخل کرو۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے، مطلب یہ کہ رب کے نام کی تعظیم و تکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام آئے تو ادب اور خضوع اور خشوع کا لحاظ رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کی شایانِ شان نہ ہو، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا اس کی تزیہ و تقدیس کے خلاف ہے اس لئے جائز نہیں (قرطبی) جیسے رحمن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ، آج کل اس معاملہ میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے خود سُبْحٰی کی ذات مراد لی ہے اور لفظ اسم کو زائد کہا ہے مفسر علام کا بھی یہ خیال ہے، اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے اور حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے اس کلمہ کو نماز کے بعد پڑھنے کا حکم دیا اس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سُبْحَانَ اسْمِ رَبِّكَ

الاعلیٰ نہیں بلکہ سبحان ربی الاعلیٰ ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ لفظ اسم اس جگہ مقصود نہیں خود کسی مقصود ہے۔

فَجَعَلَهُ غُثَاءً جب گھاس خشک ہو جائے تو اس کو غثاء کہتے ہیں اُخوی بمعنی سیاہ کرنا، یعنی تازہ اور سرسبز لہلہاتی گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَى حاکم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے الفاظ کو اس خوف سے جبرائیل عَلَیْهِ السَّلَام کے ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں، مجاہد اور کلبی کہتے ہیں کہ جبرائیل عَلَیْهِ السَّلَام وحی سنا کر فارغ نہ ہوتے تھے کہ آپ ﷺ بھول جانے کے اندیشہ سے دہرانے لگتے تھے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ اطمینان دلایا کہ وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ خاموشی سے سنتے رہیں ہم اسے آپ ﷺ کو پڑھوادیں گے، اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ کو یاد ہو جائے گا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ یہ عام ہے مثلاً ہم آپ ﷺ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے، ہم آپ ﷺ کی اس طریقہ کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہوگا، ہم آپ ﷺ کے لئے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی، جس میں کوئی کمی اور عسر اور تنگی نہیں ہوگی، وغیرہ۔

فَلَذِكْرٍ لِّلنَّاسِ لِيَعْلَمُوا لِيَعْلَمُوا یعنی وعظ و نصیحت وہاں کریں کہ جہاں محسوس ہو کہ نصیحت فائدہ مند ہوگی، یہ وعظ و نصیحت کا ایک اصول اور ادب بیان فرمادیا۔ (ابن کثیر)

﴿مَتْنٌ﴾

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ هِيَ سِتُّ وَعِشْرُونَ آيَةً

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ سِتُّ وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورہ غاشیہ مکی ہے، چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ الْقِيَامَةُ لِأَنَّهُ تَغْشَى
الْخَلَائِقَ يَا هُوَالِهَا ۝ وَجْهَهُ يَوْمَئِذٍ غَيْرُ بَهَا غِنِ الدَّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ خَاشِعَةً ۝ ذَلِيلَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ ذَاتُ
نَضِيبٍ وَتَغْشَى بِالسَّلَاسِلِ وَالْأَغْلَالِ تَصْلَى بِضَمِّ النَّاءِ وَفَتْحِهَا نَارًا حَامِيَةً ۝ تُشْقَى مِنْ عَيْنِ أُنْيَةٍ ۝ شَدِيدَةُ
الْحَرَارَةِ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ يُوْنَفَعُ مِنَ الشُّوْكِ لَا تَرْعَاهُ ذَاتُهُ لِيُخَيِّبَ الْأَيْمَنُ وَلَا يُغْنِي مِنَ جُوعٍ ۝
وَجْهَهُ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ حَسَنَةٌ لِّسَعِيهَا فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ رَاضِيَةٌ ۝ فِي الْآخِرَةِ لَمَّا رَأَتْ ثَوَابَهُ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
حَسَنًا وَمَعْنَى لَا تَسْمَعُ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيهَا الْإِغْيَةُ ۝ أَيْ نَفْسُ ذَاتِ لُغْوَايَ بِدِيَانٍ مِنَ الْكَلَامِ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝
بِالْمَاءِ بِمَعْنَى عُيُونٍ فِيهَا سُرُورٌ مَرْفُوعَةٌ ۝ ذَاتَا وَقَدْرًا وَمَحَلًّا وَأَكْوَابٌ أَقْدَاحٌ لَا عُرَى لَهَا مَوْضُوعَةٌ ۝
عَلَى خَافَاتِ الْعُيُونِ مُعَدَّةٌ لِشُرْبِهِمْ وَنَمَارِقُ وَسَائِدُ مَصْقُوفَةٌ ۝ بَعْضُهَا بِجَنْبِ بَعْضٍ يُسْتَنْدُ إِلَيْهَا
وَزَرَائِفُ بُسْطٌ طَنَافِسُ لَهَا خُمُلٌ مَبْثُوثَةٌ ۝ أَفَلَا يَنْظُرُونَ ۝ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ نَظَرَ اِغْتِبَارَ إِلَى الْإِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝
وَالِى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَالِى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَالِى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ أَيْ يُسَيِّطُ فَيَسْتَدِلُّونَ
بِهَا عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَصِدْرَتْ بِالْإِبْلِ لِأَنَّهُمْ أَشَدُّ مُلَابَسَةً لَهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهُ سَطَحَتْ
ظَاهِرٌ فِي أَنَّ الْأَرْضَ سَطَحَ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرَّةَ كَمَا قَالَ أَيْبُلُ السَّهْبَةِ وَإِنْ لَمْ يَنْقُصْ رُكْنَا مِنْ أَرْكَانِ
الشَّرْعِ فَذَكَرْتَهُمْ نَعَمَ اللَّهُ وَدَلَائِلَ تَوْحِيدِهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالضَّادِ
بَدَلِ السِّينِ أَيْ بِمُسْلَطٍ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِلَّا لَكِنْ مَنْ تَوَلَّى أَعْرَضَ عَنِ الْإِيمَانِ وَكَفَرَ ۝ بِالْقُرْآنِ
فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝ عَذَابُ الْآخِرَةِ وَالْأَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْأَسْرِ إِنَّ الْبِنَاءَ يَا بَهُمُ
رُجُوعَهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ جَزَائِهِمْ لَا نَتْرُكُهُ أَبَدًا.

ترجمہ:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا تجھے چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی (قیامت کو غاشیہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ہولناکیوں کے ذریعہ پوری مخلوق پر چھا جائے گی، کچھ چہرے اس روز ذلیل ہوں گے دونوں جگہ شخصیات کو وجوہ سے تعبیر کیا گیا ہے، سخت محنت جھیل رہے ہوں گے طوق اور زنجیروں کی وجہ سے سخت محنت و مشقت جھیل رہے ہوں گے، وہ سخت آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تُصَلُّی) تاء کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ ہے، نہایت گرم کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں پینے کے لئے دیا جائے گا ان کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کوئی غذا نہ ہوگی، (ضریع) ایک قسم کی کانٹے دار گھاس ہے جسے اس کے خبث کی وجہ سے کوئی جانور نہیں چرتا، جو نہ موٹا کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے دنیا میں طاعت کی کارگزاری پر خوش ہوں گے، جب حَسًّا وَمَعْنًا عالی مقام جنت میں (اپنی) سعی کا ثواب دیکھیں گے، اے مخاطب! کوئی بے ہودہ بات وہاں نہ سنے گا یَسْمَعُ یا اور تا کے ساتھ، یعنی بے ہودہ کلام، وہاں پانی کے بہتے چشمے ہوں گے عَيْنٌ بِمَعْنٰی عِیُون ہے اس میں ذات اور مرتبہ اور محل کے اعتبار سے اونچے اونچے تخت ہوں گے اور چشموں کے کنارے بغیر دستے (ٹونٹی) کے ساغر رکھے ہوں گے جو جنتیوں کے پینے کے لئے بنائے گئے ہوں گے اور گاؤتکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی جن پر ٹیک لگائی جائے گی، اور مَحْمَلٰی غالیچے بچھے ہوئے ہوں گے، یعنی ایسے فرش جو روئیں دار ہوں گے، کیا یہ کفار مکہ عبرت کی نظر سے اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ (اور کیا) آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ان کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے؟ اور (کیا) پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کیسے جمائے گئے ہیں؟ اور (کیا) زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کریں، اِبْلُ کو شروع میں لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب بہ نسبت دیگر چیزوں کے ان سے زیادہ گھلے ملے رہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا قول سَطِحَتْ اس بات پر ظاہر الدلالت ہے کہ زمین مسطح ہے اور اسی نظریہ پر علماء شرع ہیں، نہ کہ گول جیسا کہ اہل ہیئت کا قول ہے اگر چہ زمین کے گول ہونے سے شریعت کا کوئی رکن نہیں ٹوٹتا، پس آپ ﷺ نصیحت کرتے رہے کیونکہ آپ ﷺ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ﷺ ان پر داروغہ نہیں ہیں اور ایک قراءت میں سین کے بجائے صَاد کے ساتھ ہے یعنی آپ ﷺ مسلط نہیں ہیں اور یہ حکم، جہاد کا حکم آنے سے پہلے کا ہے البتہ جو ایمان سے اعراض کرے گا اور قرآن کا انکار کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (یعنی) آخرت کا عذاب، اور اصغر دنیا کا عذاب ہے قتل اور قید کے ساتھ، بلاشبہ ان لوگوں کو موت کے بعد ہماری ہی طرف پلٹنا ہے پھر ان کا حساب لینا یعنی ان کی جزا و سزا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو ہرگز ترک نہ کریں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: هَلْ أَتَكَ اِيك جماعت نے کہا ہے کہ ہَلْ بمعنی قد ہے، اِی قَدْ جَاءَكَ یا مُحَمَّد! حدیث الغاشیة، اور کہا گیا ہے کہ ہَلْ اپنے معنی پر ہے اور تعجب کے معنی کو متضمن ہے۔

قَوْلٌ: وَجُوهٌ یَوْمَئِذٍ یہ جملہ متانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: ما حدیث الغاشیة؟

جَوَابُ: وَجُوهٌ یَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ، وَجُوهٌ مَبْتَدَأٌ ہے اور خاشعۃ اس کی خبر ہے۔

سُؤَال: وَجُوهٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بنا کس طرح درست ہے؟

جَوَابُ: نکرہ چونکہ مقام تفصیل میں واقع ہے لہذا اس کا مبتداء بنا صحیح ہے، یَوْمَئِذٍ میں تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اِی یَوْمَ غَشِیَانِ الْغَاشِیَةِ، یہاں وَجُوهٌ سے اصحاب وجوہ مراد ہیں یہ اطلاق الجزاء علی کل کے قبیل سے ہے، وجہ چونکہ اشرف الاعضاء ہے اس لئے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: عَامِلَةٌ مَحْتٌ کَشْدَه، مشقت اٹھانے والا۔

قَوْلٌ: نَاصِبَةٌ تَهْکُنُ وَالَا، در ماندہ عاملۃ ناصبۃ رفع کے ساتھ یہ دونوں مبتداء کی دوسری خبر ہیں۔

قَوْلٌ: اَنِیۃ کھولتا ہوا پانی، اِنِّی سے اسم فاعل واحد مؤنث۔

قَوْلٌ: ضَرِیْعٌ خاردار جھاڑ، ضریع ایک گھاس ہے جس کو شبرق کہا جاتا ہے اور جب یہ گھاس خشک ہو جاتی ہے تو اہل حجاز اس کو ضریع کہتے ہیں اور یہ زہر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

قَوْلٌ: لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیۃ ① جمہور کے نزدیک تاء فوقانیہ کے فتح اور لاغیۃ کے نصب کے ساتھ ہے، اِی لَا تَسْمَعُ اَنْتَ اِیْہَا الْمُخَاطَبُ فِیْہَا لَاغِیۃ (یا) لَا تَسْمَعُ تِلْكَ الْوَجُوہ لَاغِیۃ ② اور ابن کثیر اور ابو عمرو نے یا تَحْتَانِیۃ مضمومہ کے ساتھ مَبْنِیۃ لِلْمَفْعُولِ لَاغِیۃ کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے ③ اور نافع نے تاء فوقانیہ مضمومہ کے ساتھ مَبْنِیۃ لِلْمَفْعُولِ پڑھا ہے ④ اور فضل اور حمد ری نے تاء فوقانیہ کے فتح کے ساتھ مَبْنِیۃ لِلْفَاعِلِ اور لَاغِیۃ کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے لَاغِیۃ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے، اِی کَلِمَۃ لَاغِیۃ (یا) نَفْسًا لَاغِیۃ (یا) عَافِیۃ کے وزن پر مصدر بمعنی لغوا ہے، اِی لَا یَسْمَعُ فِیْہَا لَغَوًا۔

قَوْلٌ: اِی نَفْسٌ ذَاتٌ لَغَوٍ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نَفْسٌ، لَا تَسْمَعُ کا فاعل ہے، لَاغِیۃ مفعول بہ، اور تاء والی قراءت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لَا تَسْمَعُ کا فاعل اَنْتَ محذوف ہو اور نَفْسًا لَاغِیۃ مفعول اس صورت میں نَفْسًا محذوف ماننے کے بجائے کَلِمَۃ بھی محذوف مان سکتے ہیں، اِی کَلِمَۃ ذَاتٌ لَغَوٍ۔

قَوْلٌ: اَنْکُوبٌ، اَفْدَاحٌ لَا عُرٰی لَہَا، اَنْکُوبٌ، کُوبٌ کی جمع ہے بروزن قُفْلٌ وَاَقْفَالٌ، کُوبٌ اس برتن کو کہتے ہیں

جس میں دستہ اور ٹوٹی نہ ہو مثلاً گلاس، پیالہ وغیرہ۔

قَوْلًا: نَمَارِقُ یہ نَمْرِقَةُ کی جمع ہے، نون اور راء کے ضمہ اور دونوں کے کسرہ کے ساتھ بمعنی تیکے، مسند۔

قَوْلًا: زَرَابِيُّ، زَرَبِيَّة کی جمع ہے۔

قَوْلًا: طَنَافِسُ یہ طَنَفَسَةٌ مثلث کی جمع ہے، روئیں دار فرش، چٹائی، قالین، مخملی فرش۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

هَلْ أَتَكَ حَدِيثَ الْغَاشِيَةِ یہاں غاشیہ سے مراد قیامت ہے یعنی وہ آفت کہ جو سارے جہان پر چھا جائے گی، اس آیت میں مجموعی طور پر پورے عالم آخرت کا ذکر ہے۔

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ یہاں ”چہرے“ کا لفظ اشخاص کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ انسانی جسم کی نمایاں ترین چیز چہرہ ہے اور انسان پر اچھی بری کیفیات کا اثر اولاً چہرے ہی پر نمایاں ہوتا ہے، اس لئے ”کچھ لوگ“ کہنے کے بجائے ”کچھ چہرے“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ قرآن مجید میں کہیں فرمایا گیا کہ دوزخیوں کو زقوم کھانے کو دیا جائے گا، اور کہیں ارشاد ہوا کہ غسلین ملے گا، اور یہاں فرمایا گیا کہ انہیں (ضریع) خاردار سوکھی گھاس کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملے گا، ان میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جہنم کے بہت سے درجے ہوں گے جن میں مختلف قسم کے مجرمین اپنے جرائم کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے اور ان کو مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے، اس سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ دوزخیوں کو دوزخ میں مختلف قسم کی غذائیں دی جائیں گی؟ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ ان کو ضریع کے علاوہ کچھ نہ ملے گا یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی کھانے کے لائق چیزوں کے مقابلہ میں حصر ہے اور ضریع کو بطور مثال بیان فرمایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کو کوئی کھانے کے لائق خوشگوار جزو بدن بننے والی غذا نہ دی جائے گی بلکہ ضریع جیسی غذا جو کھانے کے لائق نہ ہو، دی جائے گی۔

لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ یعنی دنیا میں جو سعی صالح اور عمل نیک کر کے جب آخرت میں پہنچیں گے اور اس کے بہترین اور خوشگوار نتائج دیکھیں گے تو خوش ہوں گے اور انہیں اطمینان ہو جائے گا کہ دنیا میں ایمان اور صلاح و تقویٰ کی زندگی بسر کر کے انہوں نے جو نفس کی خواہشات کی قربانیاں دیں فرائض کو ادا کرنے میں جو تکلیفیں اٹھائیں معصیتوں سے بچنے کی کوشش میں جو نقصانات اٹھائے اور جن فائدوں اور لذتوں سے خود کو محروم رکھا یہ سب کچھ فی الواقع بڑے نفع کا سودا تھا۔

فِي جَنَّتٍ عَالِيَةٍ معنوی اور حسی دونوں طرح سے عالی مقام جنتوں میں ہوں گے۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ

ورہوں گے، یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ان کے کانوں میں نہ پڑے گا جو لغو اور بے ہودہ اور دلخراش، تکلیف دہ ہو، اس میں کلمات کفریہ اور گالی گلوچ اور افتراء و بہتان سب داخل ہیں۔

بعض آداب معاشرت:

واکواب موضوعہ، اکواب، کوٹ کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آنخورے، گلاس وغیرہ، اکواب کی صفت موضوعہ بیان فرمائی ہے یعنی پانی کے قریب اپنی مقررہ جگہ پر رکھے ہوئے ہوں گے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پانی پینے کا برتن پانی کے قریب ہی متعین جگہ پر ہونا چاہئے تاکہ وقت ضرورت ادھر ادھر تلاش کرنا نہ پڑے جو کہ باعث تکلیف ہوتا ہے؛ اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ایسی استعمالی چیزیں جو تمام گھر والوں کے کام آتی ہیں جیسے لوٹا، گلاس، تولیہ، صابن، کنگھا، سرمہ وغیرہ ان کی ایک جگہ مقرر ہو اور استعمال کرنے کے بعد اسی جگہ رکھ دیا جائے تاکہ کسی کو پریشانی نہ ہو۔ (معارف)

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ عربوں کی غالب سواری اونٹ ہی تھی، نیز اونٹ عربوں کے لئے بیش بہا، نہایت قیمتی سرمایہ تھا اور ہر وقت ان کے استعمال میں رہنے والی چیز تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی جن قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے کا حکم فرمایا ہے ان میں ایک اونٹ بھی ہے، اونٹ عربوں کے لئے جہاں مفید اور نہایت کارآمد چیز ہے وہیں اس میں کچھ ایسی خصوصیات بھی قدرت نے ودیعت رکھ دی ہیں کہ دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتیں، اول تو عرب میں سب سے بڑا جانور اونٹ ہی ہے اس لئے کہ ہاتھی عرب میں نہیں ہوتا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو اس طرح بنایا ہے کہ عرب کے غریب اور نادار لوگ اس کو پالنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے، اس لئے کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بے چارہ اونچے اونچے درختوں کے پتے کھا کھا کر اپنا پیٹ خود ہی بھر لیتا ہے، ہاتھی وغیرہ دیگر جانوروں کی طرح اس کی خوراک مہنگی نہیں پڑتی عرب کے جنگلوں میں پانی بہت ہی کمیاب چیز ہے ہر جگہ اور ہر وقت میسر نہیں ہوتا، قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور بتدریج اس پانی کو کام میں لاتا ہے اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانی پڑتی ہے مگر قدرت نے اس کی ٹانگ میں تین قبضے لگا دیئے ہیں جس کی وجہ سے اس کی لمبی ٹانگ تین قسطوں میں مڑ جاتی ہے اس پر چڑھنا آسان ہو جاتا ہے محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، عرب کے میدانوں میں دھوپ اور گرمی کی وجہ سے دن کا سفر دشوار ہوتا ہے قدرت نے اس کو رات کو چلنے کا عادی بنایا ہے، مسکین اس قدر کہ ایک کم سن بچہ بھی اس کی ٹکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔

لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضَيَّرٍ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی فرمائی کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ آپ ﷺ ان پر مسلط نہیں ہیں، آپ ﷺ کا کام تبلیغ اور نصیحت کرنا ہے، وہ کر کے آپ ﷺ بے فکر ہو جائیں باقی کام ہمارے اوپر چھوڑ دیں، ان کا حساب کتاب اور جزاء و سزا سب ہمارا کام ہے۔

سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً

سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً.

سورہ فجر مکی یا مدنی ہے، تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالْفَجْرِ ۝ اِی فَجْرِ كُلِّ یَوْمٍ وَلَیَالِ عَشْرِ ۝ اِی عَشْرِ ذِی
الْحِجَّةِ وَالشَّفَعِ الزَّوْجِ ۝ وَالْوَتْرِ ۝ بَفَتْحِ الْوَاوِ وَكَسْرِهَا لُغَتَانِ الْفَرْدِ وَاللَّیْلِ اِذَا یَسِرَ ۝ اِی مُقْبِلًا وَمُذْبِرًا
هَلْ فِی ذَٰلِكَ الْقَسَمِ قَسَمٌ لِذِی جَحْرِ ۝ عَقْلٍ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوفٌ اِی لَتُعَذِّبُنَّ یَا كُفَّارَ مَكَّةَ اَلَمْ تَرَ
تَعْلَمَ یَا مُحَمَّدُ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرْمِ ۝ اِی عَادُ ۝ الْاُولٰٓئِ فَاِرْمُ عَطْفُ بَيَانٍ اَوْ بَدَلٌ وَمُنْعَ الصَّرْفِ
لِلْعَلَمِیَّةِ وَالتَّانِثِ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ اِی الطُّوْلُ كَانَ طُوْلُ الطَّوِیْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعٌ مِائَةٌ ذِرَاعٌ
الَّتِی لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَتَمُودَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَادِی الْقُرٰی وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝
كَانَ یَتَدُّ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ یَشُدُّ اِلَیْهَا یَدَیْ وَرِجْلَی مَنْ یُعَذِّبُهُ الَّذِیْنَ طَغَوْا تَجَبَّرُوا فِی الْبِلَادِ ۝
فَاَكْثَرُوا فِیْهَا الْفُسَادَ ۝ الْقَتْلَ وَغَیْرَهُ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ نَوْعٍ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۝ یُرْصَدُ
اَعْمَالُ الْعِبَادِ فَلَا یَفُوتُهُ مِنْهَا شَیْءٌ لِّیُجَازِیَهُمْ عَلَیْهَا فَاَمَّا الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ اخْتَبَرَهُ
رَبُّهُ فَاَكْرَمَهُ بِالْمَالِ وَغَیْرِهِ وَنَعَّمَهُ فِیْقُولُ رَبِّیْ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ ضِیْقٌ عَلَیْهِ رَمَقَهُ
فِیْقُولُ رَبِّیْ اِهَانَنِ ۝ كَلَّا رَدُّعٌ اِی لَیْسَ الْاَكْرَامُ بِالْغَنِی وَالْاِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَاِنَّمَا بُمَّا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِیَةِ
وَكَفَّارَ مَكَّةَ لَا یَتَنَبَّهُونَ لِذَٰلِكَ بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْیَتِیْمَ ۝ لَا یُحْسِنُونَ اِلَیْهِ مَعَ غِنَائِهِمْ اَوْ لَا یُعْطُوْنَهُ حَقَّهُ مِنْ
الْمِیْرَاثِ وَلَا تَحْضُونَ اَنْفُسَهُمْ وَلَا غَیْرَهُمْ عَلٰی طَعَامٍ اِطْعَامِ الْمَسْكِیْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التَّرَاثِ الْمِیْرَاثِ اَكْلًا
لَمَّا ۝ اِی شَدِیدًا اِلَیْهِمْ نَصِیْبَ النِّسَاءِ وَالصِّبَّانِ مِنَ الْمِیْرَاثِ مَعَ نَصِیْبِهِمْ مِنْهُ اَوْ مَعَ مَالِهِمْ
وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ اِی كَثِیْرًا فَلَا یُنْفِقُوْنَهُ وَفِی قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِیَّةِ فِی الْاَفْعَالِ الْاَرْبَعَةِ كَلَّا لَهُمْ
عَنْ ذَٰلِكَ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ زُلْزِلَتْ حَتّٰی یَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَاءٍ عَلَیْهَا وَیَنْعَدِمُ وَجَاءَ رَبُّكَ اِی اَمْرُهُ

وَالْمَلَكُ اِی الْمَلَائِكَةُ صَفًا صَفًا ۝۷ خَالٌ اِی مُصْطَفًیْنِ اَوْ ذَوِیْ صُفُوْبٍ كَثِیْرَةٍ وَجَآئِیْ یَوْمِیْذِهِمْ بِجَهَنَّمَ
تَقَادُ بِسَبْعِیْنِ اَلْفِ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِاَیْدِیْ سَبْعِیْنِ اَلْفِ مَلَكٍ، لَهَا زَفِیْرٌ وَتَغِیْظٌ یَوْمِیْذٍ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابِهَا
یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اِی الْكَافِرُ مَا فَرَطَ فِیْهِ ۝۸ وَآتٰی لَهُ الذِّكْرٰی ۝۹ اِسْتَفْهَامٌ بِمَعْنٰی النَّفٰی اِی لَا یَنْفَعُهُ تَذَكُّرُهُ ذٰلِكَ
یَقُوْلُ مَعَ تَذَكُّرِهِ یَا لِلتَّسْبِیْهِ لَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ الْخَیْرَ وَالْاِیْمَانَ ۝۱۰ لِحِمَاٰی ۝۱۱ الطَّیْبَةِ فِی الْاٰخِرَةِ اَوْ وَقْتُ حَیَاتِیْ فِی
الدُّنْیَا فِیَوْمِیْذٍ لَا یُعَذِّبُ بِكُسْرِ الذَّالِ عَذَابَةً اِی اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱۲ اِی لَا یَكِلُهُ اِلٰی غَیْرِهِ وَكَذَا لَا یُوْثِقُ
بِكُسْرِ الثَّآءِ وَثَاقَةً اَحَدٌ ۝۱۳ وَفِی قِرَآءَةِ بَفَتْحِ الذَّالِ وَالثَّآءِ فَضْمِیْرُ عَذَابِهِ وَوَثَاقُهُ لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنٰی لَا یُعَذِّبُ
اَحَدٌ بِمِثْلِ تَعْذِیْبِهِ وَلَا یُوْثِقُ بِمِثْلِ اِثْقَالِهِ یَاۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَیْنَةُ ۝۱۴ الْاَبْنَةُ وَبِی الْمُؤْمِنَةِ
اَرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكَ یُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ عِنْدَ الْمَوْتِ اِی اَرْجِعِیْ اِلٰی اَمْرِهِ وَاِرَادَتِهِ رَاضِیَةً بِالثَّوَابِ مَرْضِیَّةً ۝۱۵
عِنْدَ اللّٰهِ بِعَمَلِكَ اِی جَابِعَةً بَيْنَ الْوَصْفِیْنِ وَبِمَا خَالَانِ وَیُقَالُ لَهَا فِی الْقِیَامَةِ فَاَدْخِلْنِیْ جُحْمَةً
عِبْدِیْ ۝۱۶ الصَّالِحِیْنَ وَاَدْخِلْنِیْ جَنَّتِیْ ۝۱۷ مَعَهُمْ

۱
۱۲

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے فجر کی یعنی ہر دن کی فجر کی، اور
دس راتوں کی یعنی ذی الحجہ کی دس راتوں کی اور جفت کی یعنی زوج کی، اور طاق کی اور الوتر واؤ کے فتح اور کسرہ کے ساتھ ہے یہ
دو لغت ہیں (وَنَسْر) میں بمعنی فرد، اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے یعنی جب وہ آئے اور جائے، کیا اس قسم میں عقلمند
کے لئے کافی قسم (نہیں) ہے؟ اور جواب قسم محذوف ہے (اور وہ) لَتُعَذَّبَنَّ یَا كُفَّارٌ مَّكَّةَ! ہے، (اے کفار مکہ! تم کو ضرور
عذاب دیا جائے گا) کیا اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ تیرے رب نے عادیوں کے یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا کیا؟
اِرمِ عادِ اولیٰ ہے، اِرمِ عطف بیان یا بدل ہے اور علیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے جن کے قد و قامت درازی میں
ستونوں جیسے تھے ان میں کا دراز ترین چار سو گز کا تھا، زور و قوت میں دنیا بھر میں ان کے جیسا کوئی نہیں پیدا کیا گیا، اور قوم ثمود
کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جو ادیٰ قرئی میں پتھر تراشا کرتے تھے اور ان سے گھر بنایا کرتے تھے، صَخْرٌ صَخْرَةٌ کی جمع ہے، اور
میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اور وہ چار میخیں گاڑ دیتا تھا اور جس شخص کو سزا دینی ہوتی تھی اس کے چاروں ہاتھوں
پیروں کو ان سے باندھ دیا کرتا تھا، جنہوں نے شہروں میں بڑی سرکشی کی تھی، اور ان میں قتل وغیرہ کے ذریعہ بہت فساد برپا کر
رکھا تھا سو آپ ﷺ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بے شک آپ ﷺ کا رب گھات میں ہے بندوں کے اعمال کی
نگرانی کر رہا ہے لہذا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ اس کی جزا نہ دے، سو اس کافر انسان کو جب اس کا رب آزماتا ہے بایں
طور کہ مال وغیرہ کے ذریعہ اس کا اکرام کرتا ہے اور اس کو انعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری قدر بڑھادی (یعنی
عزت بخشی) اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے

میری قدر گھٹادی (یعنی ذلیل کر دیا) ہرگز ایسا نہیں ہے یعنی غنا کی وجہ سے اکرام ہو اور فقر کی وجہ سے توہین ہو، ان دونوں باتوں کا تعلق اطاعت اور معصیت سے ہے، لیکن کفار مکہ اس بات سے واقف نہیں ہیں، بلکہ تم یتیم کے ساتھ عزت کا سلوک نہیں کرتے یعنی وہ لوگ فارغ البالی کے باوجود اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہیں کرتے یا میراث سے اس کا حق نہیں دیتے، اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے، نہ خود کو اور نہ دوسروں کو، طعام بمعنی اطعام ہے، اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو عورتوں اور بچوں کے مال میراث پر ان کے شدید حریص ہونے کی وجہ سے، اپنے حصے کے ساتھ اپنے مال کے ساتھ، اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو جس کی وجہ سے اسے خرچ نہیں کرتے ہو، اور ایک قراءت میں چاروں فعلوں میں تاؤ فوقانیہ کے ساتھ ہے، ہرگز نہیں! (خبردار!) یہ ان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے، جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی (یعنی) زمین کو ہلا دیا جائے گا حتیٰ کہ اس زمین پر کی ہر عمارت معدوم اور منہدم ہو جائے گی، اور تمہارا رب جلوہ افروز ہوگا یعنی اس کا حکم حال یہ کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (صفاً صفاً) حال ہے معنی میں مصطفین کے، ملائکہ کی بہت سی صفیں ہوں گی، اور جہنم اس روز ستر ہزار لگاموں کے ذریعہ کھینچ کر سامنے لائی جائے گی اور یہ لگامیں ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گی اور سخت آواز ہوگی اور جوش ہوگا اس دن انسان یعنی کافر انسان اس چیز کو سمجھ جائے گا، یومئذ، اذا سے بدل ہے اور اس کا جواب یتذکر الانسان ہے، جس میں اس نے حد سے تجاوز کیا ہوگا، اور اس وقت اس کے سمجھنے سے کیا حاصل ہوگا، استفہام بمعنی نفی ہے، یعنی اس وقت سمجھ میں آنا اس کے لئے کچھ نافع نہ ہوگا، سمجھ میں آنے کے ساتھ ہی وہ کہے گا ہائے افسوس! میں آخرت میں اپنی عمدہ زندگی کے لئے خیر اور ایمان آگے بھیج دیتا، یا دنیوی زندگی کے زمانہ میں (نیک اعمال کر لیتا) پھر اس دن اللہ (خود) عذاب دے گا کوئی (دوسرا) نہ دے گا، یعذب کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ تعذیب غیر کے سپرد نہ کرے گا اور نہ اس کے جکڑنے والے کے مانند کوئی جکڑنے والا ہوگا یوثق میں ثاء کے کسرہ کے ساتھ اور ایک قراءت میں ذال اور ثاء کے فتح کے ساتھ ہے لہذا عذابہ اور وثاقہ کی ضمیریں کافر کی طرف راجع ہوں گی اور معنی یہ ہوں گے کہ نہ اس کے جیسا کوئی عذاب دے گا اور نہ اس کے جیسا کوئی جکڑے گا (دوسری طرف ارشاد ہوگا) اے نفس مطمئن! (یعنی) مامون حال یہ کہ وہ مومن ہو اپنے رب کی طرف اس حال میں چل کہ تو ثواب سے خوش ہے اور اپنے عمل کی وجہ سے اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دونوں وصفوں کو جامع ہوگا اور وہ دونوں حال ہیں، یہ بات اس سے موت کے وقت کہی جائے گی یعنی تو اس کے امر اور ارادہ کی طرف لوٹ اور قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا تو میرے نیک بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں ان کے ساتھ داخل ہو جا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَالْفَجْرِ، الفجر اسم فعل، مصدر بمعنی پھٹنا، صبح کی روشنی نمودار ہونا، پھاڑ کر بہانا، وقت فجر، ان کے علاوہ اور بہن سے معانی کے لئے مستعمل ہے قرآن مجید میں صرف وقت فجر اور طلوع سحر کے لئے اس کا استعمال ہوا ہے (لغات القرآن

فجر سے یا تو ہر روز کی طلوع فجر مراد ہے یا خاص طور پر دسویں ذی الحجہ کی یا محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے اس لئے کہ اسی دن سے عربی کا نیا سال شروع ہوتا ہے، اور لیالِ عشر سے ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مع ان کے دنوں کے مراد ہیں، اس لئے کہ ان کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔

قَوْلُهُ: وَالشَّفْعُ وَالْوَتْرُ کے معنی جفت اور طاق کے ہیں، شفع اور وتر کے معنی میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے حتیٰ کہ جفت و طاق کے معنی کی تعیین میں ۳۶ اقوال ملتے ہیں۔

قَوْلُهُ: إِذَا يَسْرُ، يَسْرٍ دراصل **يَسْرِي تَحْفِيفًا**، یاء کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔
قَوْلُهُ: هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِذِي حَجَرٍ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان قسموں میں عقلمند کے لئے کافی قسم ہے، قومِ عاد کی جانب حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، اس قوم کے دو نام ہیں ① عاد ② ارم، اس لئے کہ عاد بیٹا ہے عوص کا اور عوص بیٹا ہے ارم کا، اور ارم بیٹا ہے سام بن نوح کا؛ لہذا کبھی تو اس قوم کے باپ عاد کی طرف نسبت کر کے قومِ عاد کہتے ہیں اور کبھی ان کے دادا کے نام کی طرف نسبت کر کے قومِ ارم کہتے ہیں؛ پس عاد اور ثمود دونوں ارم میں جا کر مل جاتے ہیں، عاد بواسطہ عوص کے اور ثمود بواسطہ عابر کے اور یہاں ارم اس لئے بڑھا دیا ہے کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں ایک متقدمین کا جس کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرا متاخرین کا جن کو عاد آخریٰ کہتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں عاد اولیٰ مراد ہے، عاد نے بارہ سو سال عمر پائی جس کی صلبی اولاد کی تعداد چار ہزار تھی اس نے ایک ہزار عورتوں سے شادی کی اور اس کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔ (جمل) ماقبل میں چار چیزوں کی قسمیں مذکور ہیں ان کا جواب قسم محذوف ہے اور وہ **لَتُعَذِّبَنَّ** یا **كُفَّارٌ مَّكَّةَ** ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جواب قسم مذکور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول **إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ** ہے، مفسر علام نے اول قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُهُ: ذَاتِ الْعِمَادِ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ”دراز قد“ بیان کیا ہے، اور دراز ترین قد والا پانچ سو ہاتھ کا خود اپنے ہاتھ سے اور قصیر ترین تین سو ہاتھ کا، اور بعض حضرات نے **ذَاتِ الْعِمَادِ** کا ترجمہ ستونوں والی بلند عمارتوں والے، مراد لیا ہے (جمل) مفسر علام نے اول معنی مراد لئے ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے **(إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ)** میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزاء و سزا ہونا لازمی ہے تمہارے سب اعمال تمہارے رب کی نگرانی میں ہیں۔ وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں سے۔

پہلی چیز فجر یعنی صبح صادق کا وقت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز کی صبح صادق مراد ہو؛ اس لئے کہ ہر صبح صادق عالم میں ایک عظیم انقلاب لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الفجر میں الف لام کو عہد کا قرار دے کر کسی خاص دن کی فجر مراد ہو، حضرت علی، حضرت ابن عباس، اور حضرت ابن زبیر

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے پہلے معنی یعنی عام وقت فجر مراد ہونا منقول ہے اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں ماہِ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہونا بھی منقول ہے حضرت قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، اور بعض حضرات سے دسویں ذی الحجہ یعنی یوم النحر کی فجر مراد ہونا منقول ہے، یوم نحر کی تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہردن کے لئے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے، صرف یوم نحر ایک ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں ہے، کیونکہ یوم النحر سے پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا، اور رات کو صبح صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے اور دوسری اس کے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں اس لحاظ سے یوم النحر کی فجر تمام ایام میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔ (فرطی، معارف)

دوسری چیز جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ دس راتیں ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

شفع اور وتر کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں مثلاً بعض نے نماز وتر اور غیر وتر مراد لی ہے، بعض ائمہ تفسیر مثلاً ابن سیرین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، مسروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابو صالح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمام مخلوقات کو جفت پیدا کیا ہے ”وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ“ یعنی ہم نے ہر شئی کو جوڑے سے پیدا کیا اور ان کے بالمقابل وتر صرف اللہ ہے، مطلب یہ کہ ہر شئی بلکہ ہر ذرہ باجوڑ ہے، ہر شئی اور ہر ذرہ میں سوائے اللہ کے دو پہلو، مثبت اور منفی ضرور پائے جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ عَشْرُونَ آيَةً

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عَشْرُونَ آيَةً.

سورہ بلد کی ہے، بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ لَا زَايِدَةَ أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۝ مَكَّةَ وَانْتَ يَا مُحَمَّدُ حِلٌّ خَلالُ
 بِهَذَا الْبَلَدِ ۝ بَانَ يَحِلُّ لَكَ فَتَقَاتِلْ فِيهِ وَقَدْ أَنْجَزَ لَكَ هَذَا الْوَعْدُ يَوْمَ الْفَتْحِ فَالْجُمْلَةُ إِغْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمَقْسَمِ بِهِ
 وَمَا غُطِفَ عَلَيْهِ ۝ وَوَالِدِ أَيَّ أَدَمَ وَمَا وَلَدَ ۝ أَيُّ ذُرِّيَّتِهِ وَمَا بِمَعْنَى مَنْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ أَيُّ الْجِنْسِ فِي كَبَدٍ ۝
 نَضَبٍ وَشِدَّةٍ يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشِدَائِدَ الْآخِرَةِ أَيُّ أَيُّضُ الْإِنْسَانُ قَوِيٌّ قُرَيْشٍ وَهُوَ أَبُو
 الْأَشَدِّ بْنِ كَلْدَةَ بِقُوَّتِهِ أَنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيُّ أَنَّهُ لَنْ يَقْدَرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝ وَاللَّهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ
 يَقُولُ أَهْلَكْتُ عَلَى عِدَاوَةِ مُحَمَّدٍ مَا لَا بُدَّ ۝ كَثِيرًا بَغْضَةً عَلَى بَعْضٍ أَيُّ أَنَّهُ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۝ فِيمَا
 أَنْفَقَهُ فَيَعْلَمُ قُدْرَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِقُدْرِهِ وَأَنَّهُ لَيْسَ بِمَائِتٍ كَثْرًا بِهِ وَمُجَازِيهِ عَلَى فِعْلِهِ السَّيِّئِ الْمَرْجُوعِ
 اسْتِفْهَامٌ تَقْرِيرٌ أَيُّ جَعَلْنَا لَهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ بَيَّنَّا لَهُ طَرِيقَي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَا
 فَهْلًا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ جَاوَزَهَا وَمَا أَدْرَاكَ أَغْلَمَكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ الَّتِي يَفْتَحِمُهَا تَعْظِيمٌ لِشَانِهَا وَالْجُمْلَةُ إِغْتِرَاضٌ
 وَبَيِّنٌ سَبَبٌ جَوَازُهَا بِقَوْلِهِ فَكُلُّ رَقَبَةٍ ۝ مِنَ الرِّقِّ بَانَ أَعْتَقَهَا أَوْ اطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ مَجَاعَةً يَتِيمًا ذَا
 مَقْرَبَةٍ ۝ قَرَابَةٍ أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ أَيُّ لُصُوقٍ بِالْتُّرَابِ لِفَقْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ بَدَلِ الْفِعْلَيْنِ مُضَدَّرَانِ مَرْفُوعَانِ مُضَافٌ
 الْأَوَّلُ لِرَقَبَةٍ وَيُنَوِّنُ الثَّانِي فَيَقْدَرُ قَبْلَ الْعَقَبَةِ إِفْتِحَامٌ وَالْقِرَاءَةُ الْمَذْكُورَةُ بَيَانُهُ تَفَرَّكَانَ غُطِفَ عَلَى إِفْتَحَمَ وَثُمَّ
 لِلتَّيْسِ الذِّكْرَى وَالْمَعْنَى كَانَ وَقْتَ الْإِفْتِحَامِ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بَعْضُهُمْ بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ وَغَنِ
 الْمَعْصِيَةِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ الرَّحْمَةُ عَلَى الْخَلْقِ أُولَئِكَ الْمَوْصُوفُونَ بِهَذِهِ الصِّفَاتِ أَصْحَابُ الْمِيمَنَةِ ۝
 الْيَمِينِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ الشِّمَالِ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤَصَّدَةٌ ۝ بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلُهُ مُطَبَقَةٌ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی

(لَا اُقْسِمُ) میں، لازائدہ ہے، اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کے لئے اس شہر میں قتال حلال ہونے والا ہے، بایں طور کہ آپ ﷺ کے لئے قتال حلال کر دیا جائے گا، سو آپ ﷺ اس میں قتال کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو فتح مکہ کے دن پورا فرمادیا (اَنْتَ حِلُّ الْخِ) مقسم بہ اور اس کے درمیان جس کا مقسم بہ پر عطف کیا گیا ہے، جملہ معترضہ ہے، اور قسم ہے والد آدم علیہ السلام کی اور ان کی اولاد کی یعنی ان کی ذریت کی اور مَا بِمَعْنٰی مَنْ ہے، یقیناً ہم نے انسان کو یعنی جنس انسان کو مشقت اور شدت میں پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور آخرت کی مشقت برداشت کرتا ہے کیا انسان یعنی قریش کا طاقتور شخص اور وہ ابوالاشد بن کلدہ ہے اپنی قوت کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پاسکے گا؟ حالانکہ اللہ اس پر قابو پانے والا ہے، اَنْ مَخْفَفَهُ عَنِ الثَّقِيلَةِ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، اِیْ اِنَّہُ وہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ کی عداوت میں، میں نے ڈھیروں جمع شدہ مال خرچ کر دیا کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے کہ اس نے وہ مال کس میں خرچ کیا ہے؟ (اور کتنا خرچ کیا ہے؟) کہ وہ اس کی مقدار لوگوں کو بتا رہا ہے، اور حال یہ کہ اللہ اس کی مقدار کو خوب جانتا ہے اور وہ مال اس قدر نہیں کہ اس پر فخر کیا جائے، اور وہ اس کی بدکرداری پر سزا دینے والا ہے کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے اس کو (یہ چیزیں) دی ہیں اور ہم نے اس کو خیر و شر کے دونوں راستے بتا دیئے تو پھر کس لئے گھائی میں داخل نہیں ہوا؟ اور تم کو کیا معلوم کہ کیا ہے وہ (دشوار گزار) گھائی؟ جس میں وہ داخل ہوگا، (یہ استفہام) عقبہ کی عظمتِ شان کو بیان کرنے کے لئے ہے اور جملہ معترضہ ہے، اور گھائی میں دخول کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول فَکَ رَقَبَةٍ سے بیان فرمادیا، یعنی غلامی سے گردن کو چھڑانا بایں طور کہ اس کو آزاد کر دے یا فاقہ کے دن کسی قریبی یتیم یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، یعنی وہ فقیر کہ جو اپنے فقر کی وجہ سے خاک نشین ہو گیا ہو، اول فقیر کہ جو اپنے فقر کی وجہ سے خاک نشین ہو گیا ہو، اور ایک قراءت میں دونوں فعلوں کے بجائے دونوں مرفوع مصدر ہیں، اول مصدر رقبہ کا مضاف ہے اور دوسرا مصدر مُنَوَّن ہے، لَہٰذَا الْعَقَبَةُ سے پہلے اقتحام مقدر مانا جائے گا، اور مذکورہ قراءت اقتحام کا بیان ہوگی، اور پھر وہ اقتحام (یعنی گھائی میں داخل ہوتے وقت) مومنین میں سے ہو اور جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو طاعت پر اور معصیت سے باز رہنے پر صبر کی اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی ہو یہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہوں گے دائیں ہاتھ والے ہیں اور جنہوں نے ہماری آیات کے ماننے سے انکار کیا یہ ہیں بائیں ہاتھ والے، ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (مَوْصَدَّة) ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے بجائے واؤ کے ساتھ بھی ہے بمعنی چھائی ہوئی۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: لَا زَائِدَةَ یہ ایک قول ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ منکرین بعث کے قول کی نفی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مشرکین مکہ! جو تم کہتے ہو بات ایسی نہیں۔

قَوْلٌ : وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ آپ ﷺ کو تسلی ہے اور آئندہ فتح مکہ کی خوشخبری ہے، یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے حال کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ میں (وَأَنْتَ حِلٌّ) جملہ معترضہ ہے، نہ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ مابعد سے، بلکہ اس جملہ سے آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دی گئی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس جملہ کو حالیہ قرار دیا جائے۔

قَوْلٌ : بِأَنْ يَحِلَّ لَكَ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی مستقبل ہے۔ (صاوی)

قَوْلٌ : لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ یہ مقسم علیہ (جواب قسم) ہے۔

قَوْلٌ : وَمَا وَلَدَ، مَا بِمَعْنَى مَنْ ہے۔

قَوْلٌ : فَهَلَا اس میں اشارہ ہے کہ ”لا“ بمعنی ہلا ہے، اور اپنی اصل پر بھی ہو سکتا ہے۔

سُؤَالٌ : لَا جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو لَا کی تکرار ضروری ہوتی ہے، جیسا کہ فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى؟

جَوَابٌ : معنی تکرار ہے اگرچہ لفظاً تکرار نہیں، اس لئے کہ اصل میں فَلَا فَكٌ رَقَبَةٌ وَلَا اطْعَمَ مَسْكِينًا ہے۔

قَوْلٌ : الْعَقَبَةُ، عقبہ پہاڑوں کے درمیان دشوار گزار راستہ کو کہتے ہیں اِقْتِحَام کے معنی گھائی میں داخل ہونے کے ہیں بعد میں مطلقاً ترک محرمات اور فعل الطاعات میں مجاہدہ پر اطلاق ہونے لگا ہے۔

قَوْلٌ : جَاوَزَهَا یہ اِقْتِحَام الْعَقَبَةِ کی تفسیر ہے۔

قَوْلٌ : بَيْنَ سَبَبِ جَوَازِهَا، اِی بَيْنَ طَرِيقِ دُخُولِهَا، وَفِی قِرَاءَةِ بَدَلِ الْفَعْلَيْنِ مَصْدَرِ ان مَرْفُوعَانِ، یہ فَكٌ رَقَبَةٍ اَوْ اطْعَامٌ میں دوسری قراءت کا بیان ہے، مفسر غلام فرماتے ہیں کہ بعض قراءتوں میں مذکورہ دونوں فعلوں کے بجائے یعنی فَكٌ کے بجائے فَكٌ اور اطْعَمَ کے بجائے اطْعَامٌ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مفسر غلام کے پیش نظر قرآن کا جو نسخہ ہے اس میں مصدر کے بجائے فعل ہیں، اور ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس میں دونوں جگہ مصدر ہی ہیں، اگر مصدروں کے بجائے افعال مانے جائیں تو پھر دونوں فعل فَلَا اِقْتَحَمَ سے بدل ہوں گے یعنی وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوئے یعنی گردنوں کو آزاد نہیں کرایا اور فاقہ کے دن کھانا نہیں کھلایا، اور اگر دونوں فعلوں کے بجائے مصدر ہی مانا جائے جیسا کہ ہمارے پیش نظر نسخہ میں ہے تو یہ دونوں مصدر مَا الْعَقَبَةُ کی تفسیر ہوں گے مگر اس صورت میں ذات کی تفسیر مصدر سے ہونا لازم آئے گی، اس لئے کہ عقبہ ذات ہے اور فَكٌ اور اطْعَامٌ مصدر ہیں اور یہ جائز نہیں ہے؟ لہذا عقبہ سے پہلے اِقْتِحَامٌ مصدر ماننا ضروری ہوگا، تقدیر عبارت ہوگی مَا اِقْتِحَامُ الْعَقَبَةُ؟ ہو فَكٌ رَقَبَةٍ اَوْ اطْعَامُ یَوْمِ ذِی مَسْغَبَةٍ اس تقدیر کے بعد مصدر کا حمل ذات پر ہونا لازم نہیں آتا۔

قَوْلٌ : ثُمَّ لِلتَّرْتِیبِ الذِّکْرِی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ : اوپر کی آیت میں طاعات بدنیہ اور مالیہ کے ذریعہ مجاہدہ کا حکم دیا گیا ہے اور ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ ایمان طاعت سے مقدم ہے؟

جَوَابِ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ثَمَرِ ترتیب ذکر کے لئے ہے ترتیب زمانی کے لئے نہیں اور مطلب یہ ہے کہ مجاہدہ نفس بالاطاعت کے وقت مومن ہو۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ، بَلَد سے مراد مکہ مکرم ہے جس میں اس وقت جب کہ اس سورت کا نزول ہوا نبی کریم ﷺ کا قیام تھا آپ ﷺ کا مولد و مسکن بھی یہی شہر مکہ تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی ہے اس سے مکہ المکرمہ کی دوسرے شہروں کی بہ نسبت شرافت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ، خدا تعالیٰ کی قسم: تو تمام روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا، تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا۔ (ترمذی وابن ماجہ)

وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ اس فقرہ کے تین معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ اس شہر میں مقیم ہیں، اس وقت یہ حلول سے مشتق ہوگا جس کے معنی حلول کرنے، اترنے اور فروکش ہونے کے ہیں یوں تو شہر مکہ خود بھی محترم اور مکرم ہے مگر آپ ﷺ کے اس میں مقیم ہونے کی وجہ سے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ لفظ حِلُّ مصدر ہے جو حِلَّت سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں اس اعتبار سے لفظ حِلُّ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار تک کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم اور سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں انہوں نے اللہ کے رسول کا قتل اور خون حلال سمجھ لیا ہے۔

تیسرے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے لئے حرم مکہ میں کفار کے ساتھ قتال حلال ہونے والا ہے جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ ﷺ سے احکام حرم اٹھائے گئے تھے اور کفار کا قتل حلال کر دیا گیا تھا؛ چنانچہ عبداللہ بن نطل کو فتح مکہ کے دن اس وقت قتل کر دیا گیا جب کہ وہ بیت اللہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا، یہ شخص قریشی تھا لوگ اس کو ذوقلبین کہا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کو ابو بزرہ بن سعید بن حرب اسلمی نے قتل کر دیا، اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا اور چند روز کی کتابت بھی کی تھی مگر بعد میں مرتد ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے لگا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ جو وحی لکھاتے ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ خود ان کی طرف سے ہوتی ہے۔

وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ بعض مفسرین نے اس سے حضرت آدم اور ان کی صلیبی اولاد مراد لی ہے اور بعض کے نزدیک عام ہے ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ یعنی انسان کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے، یہ جواب قسم ہے۔
 أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ، مسغبة بھوک، اور ذی مسغبة بھوک والے دن اور ذامتربة (مٹی والا) یعنی وہ شخص جو فقر و غربت کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہو، اس کا گھر بار کچھ نہ ہو، مطلب یہ کہ کسی غلام کو آزاد کرنا کسی بھوکے کو، رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعہ انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا یتیم کی کفالت ویسے بھی بڑے اجر کا کام ہے اور اگر وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا اسی طرح غلام آزاد کرنیکی بھی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا بھی ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک قسم کا فک رقہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ عَشْرَةَ آيَةً

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ والشمس مکی ہے، پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝ ضَوْءُهَا وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝ تَبَعَهَا ۝ طَالَعًا عِنْدَ غُرُوبِهَا ۝ وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا ۝ بِأَرْتِفَاعِهِ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ يُغْطِيهَا بِظُلْمَتِهِ وَإِذَا فِي الثَّلَاثَةِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيهَا فِعْلُ الْقَسَمِ ۝ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَاهَا ۝ بَسْطُهَا وَنَقْشُهَا بِمَعْنَى نَفُوسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فِي الْخَلْقَةِ وَمَا فِي الثَّلَاثَةِ مُضَدَّرِيَّةٌ أَوْ بِمَعْنَى مَنْ قَالَهُمَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ بَيِّنَ طَرِيقَي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَآخِرُ التَّقْوَى رِغَايَةُ لِرُؤُسِ الْإِي وَجَوَابُ الْقَسَمِ ۝ قَدْ أَفْلَحَ ۝ حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ لِطُولِ الْكَلَامِ مِنْ زَكَاةٍ ۝ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوبِ وَقَدْ خَابَ خَيْرٌ مِنْ دَسَّهَا ۝ أَخْفَاهَا بِالْمَعْصِيَةِ أَصْدُ دَسَّسَهَا أَبْدَلَتْ السِّينُ الثَّانِيَةَ الْفَا تَخْفِيفًا ۝ كَذَبَتْ ثَمُودُ رُسُولُهَا صَالِحًا بِطُغْيَانِهَا ۝ بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا إِذَا نَبَعَتْ أَسْرَعَ أَشْقَاهَا ۝ وَأَسْمُهُ قُذَارٌ إِلَى عَقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمُ فَقَالَ لَهُمُ رَسُولُ اللَّهِ صَالِحٌ نَاقَةُ اللَّهِ إِي ذَرُوهَا وَسُقْيَاهَا ۝ وَشُرْبُهَا فِي يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَكَذَّبُوهُ ۝ فِي قَوْلِهِ ذَلِكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى الْمُرْتَبِ عَلَيْهِ نُزُولُ الْعَذَابِ بِهِمْ إِنْ خَالَفُوهُ ۝ فَعَقَرُوَهَا ۝ قَتَلُوهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءٌ شَرِبَهَا قَدَمَدَمَ أَطْبَقُوا عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ الْعَذَابَ بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ أَيْ الدَّمْدَمَةُ عَلَيْهِمْ إِي غَمُّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَأَبَالُوا وَالْفَاءُ يَخَافُ تَعَالَى عُقْبَاهَا ۝ تَبَعَتْهَا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، سورج اور اس کی روشنی کی قسم او چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے، یعنی اس کے غروب ہونیکے بعد طلوع ہوتا ہے اور دن کی قسم جب وہ اسے ارتفاع کے ساتھ سورج کو نمایاں کر دیتا ہے اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو اپنی تاریکی کے ذریعہ چھپا لیتی ہے اور آد تینوں جگہ محض ظرفیت کے لئے ہے اور عامل (اذا) میں فعل قسم ہے اور آسمان اور اس ذات کی قسم جس نے اسے قائم کیا اور

زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا، اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کی تخلیق کو درست کیا اور نفس بمعنی نفوس ہے اور مانتیوں جگہ مصدر یہ ہے یا بمعنی مَنْ ہے، پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری کا الہام فرمایا یعنی خیر و شر کے دونوں طریقے واضح فرمائے اور تقویٰ کو فو اصل کی رعایت کی وجہ سے، مؤخر کیا ہے، اور جواب قسم قَدْ اَفْلَحَ ہے جواب قسم سے لام طول کلام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا اور یقیناً مراد ہو وہ جس نے نفس کو معصیت میں دبا دیا ”دَسَّهَا“ اصل میں دَسَّسَهَا تھا دوسرے سین کو تخفیفاً الف سے بدل دیا، اور قوم شمود نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کی اپنی سرکشی کے سبب تکذیب کی جب کہ اس قوم کے شقی ترین شخص نے جس کا نام قُدار تھا اپنی قوم کی رضامندی سے اونٹنی کی کوئچیں کاٹنے کی طرف سبقت کی، تو ان سے اللہ کے رسول صالح علیہ السلام نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی سے بچو (یعنی اس کو بدعتی سے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کی باری کے دن میں پانی پینے سے خبردار رہنا اور ایک دن اس کی باری کا تھا اور قوم کے لئے ایک دن تھا سوانہوں نے اس صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اس بات میں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اگر وہ اس کا خلاف کریں گے تو اس پر نزول عذاب مرتب ہوگا تو پھر انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا یعنی اس کو قتل کر دیا تاکہ اس (اونٹنی) کی پانی پینے کی باری خالص اُن کے لئے ہو جائے تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس ہلاکت کو ان کے اوپر عام کر دیا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کو اس کے (برے) انجام کا خوف نہیں (وَلَا) میں وا اور فا دونوں ہیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَضَحَهَا، الضَّحْوَةُ، ارتفاع النهار، اور الضُّحَى بالضم والقصر ارتفاع النهار سے بڑھ کر اور الضَّحَاءُ فتح اور کے ساتھ وہ وقت جب کہ دن نصف النهار کے قریب پہنچ جائے۔

قَوْلُهُ: وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا، إِذَا جَلَّهَا کی ضمیر مرفوع مستتر یا تو نہار کی طرف یا اللہ کی طرف راجع ہے اور ضمیر بارز منصوب یا تو شمس کی طرف راجع ہے یا ظلمت کی طرف۔

قَوْلُهُ: لِمَجْرَدِ الظَّرْفِيَّةِ يَهْ إِضَافَتِ الصِّفَتِ إِلَى الْمَوْصُوفِ كَقَبِيلٍ سَيِّدٍ هِيَ أَيْ الظَّرْفِيَّةُ الْمَجْرُودَةُ عَنِ الشَّرْطِ.

قَوْلُهُ: قَدْ اَفْلَحَ یہ جواب قسم ہے، حذف منه اللام یعنی قد پر سے طول کلام کی وجہ سے لام حذف کر دیا گیا ہے، ماضی نسبت جب جواب قسم واقع ہو تو اس پر لام اور قد لانا ضروری ہوتا ہے؛ البتہ صرف قد پر بھی اکتفا جائز ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم کھا گئی ہے جن کا جواب قسم قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ہے، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا یہاں اگرچہ ضُحَا کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر بعد کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضُحٰی کا ذکر بطور وصفِ شمس کے ہے یعنی قسم ہے آفتاب کی جب کہ وہ وقت ضُحٰی میں ہو، ضُحٰی اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔

وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا یعنی سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ مہینے کے نصف اول میں ہوتا ہے۔
وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا یعنی اس ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا، اس معنی کے اعتبار سے مَا بمعنی مَنْ ہے، اور اگر ترجمہ یہ کیا جائے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی، اس صورت میں مَا مصدر یہ ہوگا۔

فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انہیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے خیر و شر کی پہچان کرادی، یا مطلب یہ ہے کہ ان کی عقل و فطرت میں خیر و شر، نیکی اور بدی کا شعور و دیعت فرمادیا؛ تاکہ وہ نیکی کو اختیار کریں اور بدی سے اجتناب کریں۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا صَلَاحُ عَلِيٍّ کی قوم ثمود نے حضرت صالح عَلِيٍّ سے ایک معجزہ کی فرمائش کی، حضرت صالح عَلِيٍّ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کی برکت سے پہاڑ سے ایک دس مہینہ کی گا بھن اونٹنی نکلی اور اس نے بچہ دیا، حضرت صالح عَلِيٍّ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اس اونٹنی کا خیال رکھنا اس کو نقصان نہ پہنچانا ورنہ عذاب الہی نازل ہو جائے گا ایک دن پانی پینے کی اس کی باری ہوگی اور ایک دن تمہارے سب جانوروں کی؛ لیکن ان ظالموں نے اس کی پروانہ کی اور قدار بن سالف نامی ایک شخص کو اس اونٹنی کو ہلاک کرنے کے لئے آمادہ کر لیا اور اس شخص نے یہ کام انجام دے دیا جس کی وجہ سے وہ شخص رئیس الاشیاء ہو گیا، یہ حرکت اگرچہ قدار بن سالف نے انجام دی مگر پوری قوم بھی چونکہ اس فعل سے راضی تھی اس لئے پوری قوم کو برابر کا مجرم قرار دے دیا گیا، اس سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اگرچہ برائی کا ارتکاب کرنے والے چند افراد یا ایک فرد ہو مگر پوری قوم کی اس کو پشت پناہی حاصل ہو اور ان کے اس فعل پر پوری قوم راضی ہو اور اس فعل پر نکیر کرنے کے بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ کے یہاں پوری قوم اس جرم کی مرتکب قرار پائے گی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح نہیں ہے کہ جو کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس اقدام کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا اقتدار سب سے بالاتر ہے، اسے اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ ثمود کی حامی کوئی ایسی طاقت ہے جو اس سے بدلہ لینے کے لئے آئے گی۔

سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدُ وَعِشْرُونَ آيَةً

سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ إِحْدَى وَعِشْرُونَ آيَةً.

سورة اللیل مکی ہے، اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝ ۱ بَطُلْمَتِهِ كُلِّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝ ۲ تَكْشَفُ وَظَهَرَ وَإِذَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ الْمَجْرَدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيهَا فِعْلُ الْقَسَمِ وَمَا
بِمَعْنَى مَنْ أَوْ مَصْدَرِيَّةٌ خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ۝ ۳ أَدَمَ وَحَوَاءَ، وَكُلُّ ذَكَرٍ وَكُلُّ أُنْثَى وَالْخُنْثَى الْمُشْكِكُلُ
عِنْدَنَا ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى فَيَخْنُثُ بِتَكْلِيمِهِ مَنْ خَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرًا وَلَا أُنْثَى إِنْ سَعَيْكُمْ
عَمَلُكُمْ لَشَيْءٍ ۝ ۴ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْجَنَّةِ بِالطَّاعَةِ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى حَقَّ اللَّهِ وَاتَّقَى ۝ ۵
اللَّهُ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ ۶ أَيْ بَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ فَسَيَسِّرُهُ نُهْيَهُ لِلْيُسْرَى ۝ ۷ لِلنَّارِ
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝ ۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝ ۹ فَسَيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ۝ ۱۰ وَمَا نَافِيَةٌ يُعْنَى عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝ ۱۱ فِي
النَّارِ إِنْ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۝ ۱۲ لِتَبْيِينَ طَرِيقِ الْهُدَى مِنْ طَرِيقِ الضَّلَالِ لِيَمْتَثِلَ أَمْرُنَا بِسُلُوكِ الْأَوَّلِ وَنَهْيُنَا عَنْ
ارْتِكَابِ الثَّانِي وَإِنَّ لَنَا لَآخِرَةَ وَالْأُولَى ۝ ۱۳ أَيْ الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهَا مِنْ غَيْرِنَا فَقَدْ أَخْطَأَ فَاذْذَرْتُمْ خَوْفَكُمْ يَا
أَبْلَ مَكَّةَ نَارًا تَلْقَى ۝ ۱۴ بِحَذَفِ إِحْدَى التَّائِيْنِ مِنَ الْأَصْلِ وَقُرِئَ بِشُبُوتِهَا أَيْ تَتَوَقَّدُ لَا يَصْلُهَا يَدْخُلُهَا
إِلَّا الْأَشَقَى ۝ ۱۵ بِمَعْنَى الشَّقِيَّ الَّذِي كَذَّبَ النَّبِيَّ وَتَوَلَّى ۝ ۱۶ عَنِ الْإِيمَانِ وَهَذَا الْحَضَرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ
مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ فَيَكُونُ الْمُرَادُ الصَّلَى الْمُؤَبَّدُ وَسَيَجْزِيهَا يَبْعُدُ عَنْهَا الْأَتَقَى ۝ ۱۷ بِمَعْنَى التَّقَى الَّذِي
يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ ۱۸ مُتَزَكِّيًا بِهِ عِنْدَ اللَّهِ بَانَ يُخْرِجُهُ لِلَّهِ تَعَالَى لَا رِيَاءَ وَلَا سُمْعَةَ فَيَكُونُ زَكِيًّا عِنْدَ اللَّهِ
تَعَالَى وَهَذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَمَّا اشْتَرَى بِلَا لَ الْمُعَذِّبَ عَلَى إِيْمَانِهِ وَأَعْتَقَهُ فَقَالَ
الْكُفَّارُ إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ لِيَدْكَأَنَّ لَهُ عِنْدَهُ فَنَزَلَ وَمَا لِأَحَدٍ بِإِلَافٍ وَغَيْرِهِ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ ۱۹ إِلَّا لِمَنْ
فَعَلَ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ ۲۰ أَيْ طَلَبَ ثَوَابِ اللَّهِ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ ۲۱ بِمَا يُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِي الْجَنَّةِ
وَالآيَةُ تَشْتَمِلُ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ فِعْلِهِ فَيَبْعُدُ عَنِ النَّارِ وَيُنَابُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی سے آسمان اور زمین کی ہر شے پر چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو (یعنی) جب کہ وہ واضح اور ظاہر ہو، اور اذا دونوں جگہ ظرفیت کے لئے ہے اور اس میں عامل فعل قسم ہے اور مَا بمعنی مَنْ یا مصدر یہ ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نرو مادہ پیدا کئے، (یعنی) آدم و حواء یا ند کرو مؤنث کو پیدا کیا، اور خنثی مشکل ہمارے نزدیک ہے (مگر) اللہ کے نزدیک۔ وہ مذکر یا مؤنث ہے لہذا وہ شخص جس نے قسم کھائی کہ وہ مرد اور عورت سے بات نہ کرے گا تو وہ خنثی مشکل سے کلام کرنے سے حائث ہو جائے گا، یقیناً تمہاری کوشش (یعنی) عمل مختلف قسم کے ہیں کچھ لوگ طاعت کے ذریعہ جنت کے لئے عمل کرنے والے ہیں اور کچھ لوگ معصیت کے ذریعہ جہنم کے لئے عمل کرنے والے ہیں سو جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اللہ سے ڈرا اور سچی بات کی تصدیق کی یعنی لا اِلهَ اِلا اللّٰہ کی، دونوں جگہ، تو ہم اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے اور جس نے اللہ کے حق میں بخل کیا اور اس کے ثواب سے بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو اس کو ہم سخت راستہ یعنی آگ کے لئے سہولت مہیا کریں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب کہ وہ آگ میں ہلاک ہو جائے گا بے شک راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے یعنی ہدایت کے راستہ کو گمراہی کے راستہ سے ممتاز کرنا، تاکہ اول راستہ پر چل کر ہمارے حکم کی تعمیل کرے اور ہماری نہی پر عمل کرے ثانی راستہ کو اختیار نہ کر کے اور بلاشبہ آخرت اور اولیٰ یعنی دنیا ہماری ہی ملک ہے لہذا دنیا کو جس نے ہمارے غیر سے طلب کیا اس نے خطا کی، پس میں نے تم کو اے اہل مکہ! بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے، اصل میں ایک تاء کو حذف کر کے، اور تاء کو باقی رکھتے ہوئے بھی، یعنی تَتَوَقَّدُ بھی پڑھا گیا ہے، جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جس نے نبی کی تکذیب کی اور ایمان سے اعراض کیا اور اشقی بمعنی شقی ہے، اور یہ حصر مؤول ہے اللہ تعالیٰ کے قول ”وَيَغْفِرْ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ“ کی وجہ سے لہذا دائمی دخول مراد ہوگا، اور اس سے وہ متقی دور رکھا جائے گا جو اپنے مال کو عند اللہ پاکیزہ ہونے کی خاطر دیتا ہے اور اتقی بمعنی تقی ہے، بایں طور کہ وہ مال اللہ کے لئے خرچ کرتا ہے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لئے؛ لہذا یہ شخص عند اللہ پاکیزہ ہوگا اور یہ آیت ابو بکر صدیق رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے بلال رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس وقت جب کہ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھے خرید کر آزاد کر دیا تھا تو کفار نے کہا: ابو بکر نے یہ عمل اس لئے کیا کہ بلال رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ان پر ایک احسان تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی ”وَمَا لِأَحَدٍ عِندَ رَبِّهِ أَنْ يُبَذِّرَ مَالَهُ سِرًّا أَوْ عَلَانٍ فَتَبَ“ (یعنی) اللہ کی جانب سے صلہ حاصل کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے اور وہ اس ثواب سے ضرور خوش ہوگا، جو اس کو جنت میں دیا جائے گا اور آیت ہر اس شخص پر مشتمل ہے جس نے حضرت ابو بکر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جیسا عمل کیا تو اس کو دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اس کو اجر دیا جائے گا۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: كُلُّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اس میں اشارہ ہے کہ یغشی کا مفعول بہ محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: لِمَجْرَدِ الظَّرْفِيَّةِ، اِی الْمَجْرَدِ عَنِ الشَّرْطِ.

قَوْلُهُ: آدَمَ وَحَوَّاءَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اس میں اشارہ ہے کہ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلُهُ: أَوْ كُلَّ ذَكَرٍ وَكُلَّ اُنْثَى اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى کا الف لام استغراق کا بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْخَنْثَى الْمَشْكَلُ عِنْدَنَا، الْخَنْثَى الْمَشْكَلُ مُبْتَدَأٌ ہے اور عِنْدَنَا خَبَرٌ، اور عِنْدَ اللَّهِ ذَكَرٌ أَوْ اُنْثَى کا ظرف ہے، اور یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ خنثی مشکل نہ مذکر کے عموم میں داخل ہے اور نہ انثی کے عموم میں تو وہ اس حکم میں کیسے داخل ہوا؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خنثی مشکل ہمارے علم کے اعتبار سے ہے، مگر اللہ کے علم کے اعتبار سے خنثی یا تو مذکر ہے یا مؤنث ہے، لہذا یہ ذکر اور انثی کے عموم میں داخل ہے خنثی کوئی تیسری جنس نہیں ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے ”يَهْبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهْبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوْرَ“۔

قَوْلُهُ: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى یہ جواب قسم ہے سَعْيُكُمْ مصدر مضاف ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے لہذا معنی کے اعتبار سے جمع ہے اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر جمع لائی گئی ہے اور شَتَّى بمعنی مَسَاعِيْكُمْ ہے۔

قَوْلُهُ: حَقَّ اللَّهُ اور اِتَّقَى کے بعد لفظ اللہ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اعطی اور اتقی کے مفعول بہ محذوف ہیں۔

قَوْلُهُ: نَهَيْتُهُ اس لفظ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤَالٌ: فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى سے معلوم ہوتا ہے کہ عسر کے لئے بھی یسر ہے، حالانکہ عسر میں یسر کا کوئی مطلب نہیں ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں یسر سے مراد اسباب مہیا کرنا ہے جو یسر اور عسر دونوں کے لئے ہو سکتا ہے یعنی ہم اس کے لئے ایسے اعمال آسان کر دیتے ہیں جو اس کو جہنم کی طرف لے جائیں۔

قَوْلُهُ: وَهَذَا الْحَضَرُ مُؤَوَّلٌ یعنی یہ حصر اپنے ظاہر سے پھرا ہوا ہے، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد فرقہ مُرَجَّئہ پر رد کرنا ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں ہے اور استدلال مذکورہ آیت ”لَا يَضِلُّهَا اِلَّا الْاَشْقَى“ سے کرتے ہیں یعنی جہنم میں شقی ترین شخص ہی داخل ہوگا اور شقی ترین کافر ہوتا ہے، مومن داخل نہ ہوگا اگرچہ مرتکب گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو۔

رد کا خلاصہ یہ ہے کہ دخول سے مراد دخول مؤبد ہے لہذا یہ اس کے منافی نہیں کہ گنہگار مومن جہنم میں داخل ہو اور بعد میں نکال لیا جائے۔

قَوْلًا: یَنْزَغِی اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یُؤْتِی سے بدل ہو اور دوسرے یہ کہ یُؤْتِی کے فاعل سے حال ہو مفسر علام نے متز کیا کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک حال ہونا رائج ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

وَالْاٰیِلِ اِذَا یَغْشٰی الْخ تین چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اور مقسم علیہ اِنَّ سَعِیْكُمْ لَشَتٰی ہے اس کے بعد نیک و بد سعی کا ذکر ہے، پھر ہر ایک کی تین تین صفت بیان فرمائی ہیں، نیک سعی کی تین صفتیں فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بَیَانَ فرمائی ہیں اور سعی بد کی تین صفتیں وَامَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحَسَنٰی بیان فرمائی ہیں، مطلب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر کسی نہ کسی کام کے لئے سعی اور جدوجہد کا عادی ہے، بعض لوگ اپنی جدوجہد سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض اپنی اسی سعی کے ذریعہ دائمی عذاب خرید لیتے ہیں، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ہر انسان جب صبح کو اٹھتا ہے تو وہ اپنے نفس کو تجارت پر لگا دیتا ہے کوئی تو اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو آخرت کے دائمی عذاب سے آزاد کر لیتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکی سعی اور محنت ہی ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں۔

سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کی قسمیں:

آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ بتلائے ہیں اور دونوں کے تین تین اوصاف ذکر کئے ہیں، پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے ان کے تین عمل یہ ہیں، ① راہِ خدا میں خرچ کرنا، ② اللہ سے ڈرنا اور ③ اچھی بات کی تصدیق کرنا، اچھی بات سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ کی تصدیق ہے۔

وَامَّا مَنْ بَخِلَ الْخ اس میں دوسرے گروہ کے تین اوصاف کا ذکر فرمایا، ① راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے بخل کرنا ② خدا سے بے نیازی اختیار کرنا اور ③ اچھی بات یعنی کلمہ ایمان کی تکذیب کرنا، مذکورہ دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرِی، یُسْر کے لفظی معنی ہیں آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو اور مراد اس سے جنت ہے، اسی طرح اس کے مقابل دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرِی، عُسْر کے معنی ہیں مشکل اور تکلیف دہ چیز مراد اس سے جہنم ہے، اور معنی دونوں جملوں کے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی سعی اور محنت پہلے تین کاموں میں لگاتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ، اور اللہ سے ڈرنا اور ایمان کی تصدیق ان زگوں کو یُسْرِی یعنی اعمال جنت کے لئے آسان کر دیتے ہیں اور جو لوگ یہ سعی اور عمل دوسرے تین کاموں میں خرچ کرتے ہیں ان کو ہم عُسْرِی یعنی اعمال جہنم کے لئے آسان کر دیتے ہیں، یہاں بظاہر مقتضائے مقام یہ کہنے کا تھا کہ ان کے لئے اعمال جنت یا اعمال دوزخ آسان کر

دیئے جائیں گے، کیوں کہ آسان یا مشکل ہونا اعمال ہی کی صفت ہو سکتی ہے اس لئے کہ نہ خود ذات اور اشخاص آسان ہوتے ہیں اور نہ مشکل مگر قرآن کریم نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ خود ان لوگوں کی ذات اور وجود ان اعمال کے لئے آسان کر دیئے جائیں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنایا جائے گا کہ پہلے گروہ کیلئے اعمال جنت ان کی طبیعت بن جائیں گے ان کے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گی، اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا بنادیا جائے گا کہ اس کو اعمال جہنم ہی پسند آئیں گے اور اعمال جنت سے نفرت ہوگی، ان دونوں گروہوں کے مزاجوں میں یہ کیفیت پیدا کر دینے کو اس سے تعبیر فرمایا کہ یہ خود ان کاموں کے لئے آسان ہو گئے۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى یعنی جس مال کی خاطر یہ کمبخت حقوق واجبہ میں بخل کیا کرتا تھا یہ مال ان پر عذاب آنے کے وقت کچھ کام نہ دے گا تَرَدَّى کے لفظی معنی گڑھے میں گر جانے اور ہلاک ہونے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد قبر میں اور پھر قیامت میں جب وہ جہنم کے گڑھے میں گرنا ہوگا تو یہ مال اس کو کچھ نفع نہیں دے گا۔ (معارف)

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جہنم سے محفوظ ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات سے گناہ کا صدور شاذ و نادر ہی ہوا ہے اور بوجہ خوف آخرت کے ان کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی ہوگی علاوہ ازیں ان کے ایک گناہ کے مقابلہ میں ان کے اعمال حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يَذْهَبْنَ السَّيِّئَاتِ" یعنی نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں اور خود آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہنا ایسا عمل ہے کہ جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے حدیث میں صلحاء امت کے بارے میں آیا ہے "ہم قوم لا یسقی جلیسہم ولا یخاب انیسہم" (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا شفیق اور نادر نہیں ہو سکتا اور جو ان سے مانوس ہو وہ محروم نہیں ہو سکتا تو جو شخص سید الانبیاء کا جلیس اور انیس ہو وہ کیسے شقی ہو سکتا ہے اسی لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سب کے سب عذاب جہنم سے بری ہیں خود قرآن مجید میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے بارے میں موجود ہے "وَكَلَّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحَسَنَىٰ" یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

شان نزول:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتَقَى الخ یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت کا بیان ہے کہ جو آدمی اتقی یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا، اگرچہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کے لئے یہ بشارت ہے لیکن شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اتقی سے حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں ابن ابی حاتم

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عروہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ سات اشخاص ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذا میں دیتے تھے حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنا بڑا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

قَوْلُهُ: وَهَذَا نَزَلَ فِي أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت بلال بن رباح، رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے اور صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے، اور امیہ بن خلف کی یہ عادت تھی کہ جب دن چڑھ جاتا اور دھوپ شدید ہو جاتی اور زمین خوب تپنے لگتی تو حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جنگل میں لے جاتا اور تپتی ہوئی زمین پر چت لٹا دیتا اور ان کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا اور پھر کہتا کہ تجھ کو اسی حال میں رکھا جائے گا تا آن کہ تو مر جائے یا محمد ﷺ کا منکر ہو جائے، مگر حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس حالت میں بھی اَحْذَ اَحْذَ فرماتے رہتے، اسی حالت میں ایک روز آنحضرت ﷺ کا حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر گزر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا اَحْذَ اَحْذَ تجھ کو نجات دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو نجات دے گا، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا کہ بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جا رہی ہے حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ کا مقصد سمجھ گئے تو اپنے گھر گئے اور ایک رطل سونا لیا اور امیہ بن خلف کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کیا تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا؟ امیہ نے جواب دیا تو نے ہی اس کو خراب کیا لہذا تو ہی اس کو بچا، ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک رطل سونے کے عوض اس کو خرید کر آزاد کر دیا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا میرے پاس ایک قوی طاقتور غلام ہے اور وہ تیرے دین پر ہے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وہ غلام دے کر حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھا اپنا کوئی دنیوی فائدہ پیش نظر نہ رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں اس کو راضی فرما دیں گے، شان نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لئے عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنادی گئی۔

﴿مَثَّ﴾

سُورَةُ الضُّحَى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ عَشْرَةِ آيَاتٍ

سُورَةُ وَالضُّحَى مَكِّيَّةٌ أَحَدَى عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ الضحیٰ مکی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

وَلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَنَّ التَّكْبِيرُ آخِرَهَا وَرَوَى الْأَمْرُ بِهِ خَاتِمَتَهَا وَخَاتِمَةَ كُلِّ سُورَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اللَّهُ أَكْبَرُ أَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ.

اور جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی؛ لہذا اس کے آخر میں تکبیر سنت قرار دے دی گئی، اور اس سورت کے آخر میں اور ہر اس سورت کے آخر میں جو اس کے بعد ہے تکبیر کا حکم بھی مروی ہے، اور وہ اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالضُّحَى ۝ ۱ ۝ أَوَّلِ النَّهَارِ ۝ أَوْ كَلْبِ ۝ وَالْيَلِ ۝ إِذَا سَجَى ۝ ۲ ۝ غَطَى ۝ لِيُظْلَمَ بِهِ ۝ أَوْ سَكَنَ ۝ مَا وَدَّعَكَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ۝ ۳ ۝ أَبْغَضَكَ نَزَلَ بِذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَأْخُرِ الْوُحَى ۝ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا ۝ إِنَّ رَبَّهُ وَدَّعَهُ وَقَلَاهُ ۝ ۴ ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ لِمَا فِيهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ ۝ ۵ ۝ مِنَ الْأُولَى ۝ ۶ ۝ الدُّنْيَا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فِي الْآخِرَةِ ۝ ۷ ۝ غَطَاءَ حَزِينًا ۝ ۸ ۝ فَتَرْضَى ۝ ۹ ۝ بِهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَا أَرْضَى وَوَاحِدٌ مِّنْ أُمَّتِي فِي النَّارِ ۝ إِلَى هُنَا تَمَّ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُشْتَبَيْنِ بَعْدَ مَنْفَعَتَيْنِ ۝ ۱۰ ۝ أَلَمْ يَجِدَكَ ۝ اسْتَفْهَمَ تَقْرِيرَ أَيْ وَجَدَكَ يَتِيمًا بِفَقْدِ أَبِيكَ قَبْلَ وَلَادَتِكَ أَوْ بَعْدَهَا ۝ ۱۱ ۝ فَأَوَى ۝ ۱۲ ۝ بِأَنْ ضَمَّكَ إِلَى عَمِّكَ ۝ ۱۳ ۝ أَيْ حَالِبٍ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا ۝ ۱۴ ۝ عَمَّا أَنْتَ عَلَيْهِ الْآنَ مِنَ الشَّرِيعَةِ ۝ ۱۵ ۝ فَهَدَى ۝ ۱۶ ۝ أَيْ هَذَاكَ إِلَيْهَا ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا ۝ ۱۷ ۝ فَقَبِيْرًا ۝ ۱۸ ۝ فَأَغْنَى ۝ ۱۹ ۝ أَغْنَاكَ بِمَا قَنَعَكَ بِهِ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَغَيْرِهَا ۝ ۲۰ ۝ فِي الْحَدِيثِ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ ۝ ۲۱ ۝ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ ۝ ۲۲ ۝ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ ۲۳ ۝ بِأَخْذِ مَالِهِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ ۲۴ ۝ تَزَجْرُهُ ۝ ۲۵ ۝ بِغَفْرِهِ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ عَلَيْكَ ۝ ۲۶ ۝ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا ۝ ۲۷ ۝ فَحَدِّثْ ۝ ۲۸ ۝ أَخْبِرْ وَحُذِفَ ضَمِيرُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۝ ۲۹ ۝

فِی بَعْضِ الْاَفْعَالِ رِعَايَةً لِّلْفَوَاصِلِ .

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے شروع دن کی یا پورے دن کی اور قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ چھا جائے یا پرسکون ہو جائے (اے محمد ﷺ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ سے پندرہ روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو کفار نے کہا تھا کہ: محمد ﷺ کو تو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے ناراض ہو گیا، اور یقیناً آپ ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے اس لئے کہ آخرت میں (آپ ﷺ کے لئے) عظمتیں ہیں اور عنقریب یقیناً آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو آخرت میں خیر سے اور بے انتہا انعامات سے نوازے گا، کہ آپ ﷺ اس سے خوش ہو جائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا تب تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا، یہاں تک جواب قسم دومنی انعاموں کے بعد دو مثبت انعاموں پر ختم ہو گیا، کیا اس نے آپ ﷺ کو یتیم نہیں پایا آپ ﷺ کے والد کے، آپ ﷺ کی ولادت یا اس کے بعد فوت ہو جانے کی وجہ سے اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا؟ استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی آپ ﷺ کو یتیم پایا اس طریقہ پر کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے ساتھ ملا دیا، اور آپ ﷺ کو اس شریعت سے بے خبر پایا جس پر آپ ﷺ اب ہیں تو اس نے آپ ﷺ کی اس کی طرف رہنمائی فرمائی اور آپ ﷺ کو نادار پایا پھر آپ ﷺ کو مستغنی کر دیا اس مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ جس پر آپ ﷺ نے قناعت کی، اور حدیث میں ہے کہ غنا مال و متاع کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ غنا تو دل کا غنا ہوتا ہے، لہذا تم بھی یتیم پر اس کا مال وغیرہ لے کر سختی نہ کرنا اور نہ سائل کو فقر کی وجہ سے جھڑکنا اور اپنے اوپر اپنے رب کی نبوت وغیرہ نعمتوں کو ظاہر کرتے رہنا بیان کرتے رہنا، اور بعض افعال سے آپ ﷺ کی (طرف لوٹنے والی) ضمیریں فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہیں۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِیْبُ تَسْهِيْلٍ وَتَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: ضُحَى دن چڑھے، چاشت کا وقت، ضحی مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: سَجَى (نَصَرَ) سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے سکون پایا، وہ چھا گیا۔

قَوْلُهُ: وَمَا قَلَى یہ اصل میں قَلَلَ تھا، مفعول بہ کو ماقبل پر قیاس کرتے ہوئے حذف کر دیا۔

قَوْلُهُ: قَلَى (ضَن) ماضی واحد مذکر غائب سخت نفرت کرنا۔

قَوْلُهُ: جَزِيْلٌ بہت زیادہ، کثیر۔

قَوْلًا: تَمَّ جَوَابُ الْقِسْمِ بِمُثَبِّنٍ بَعْدَ الْمَنْفَعَيْنِ جَوَابُ قِسْمِ مَا وَدَّعَكَ مِنْ شَرْعٍ بِوَكْرٍ فَتَرْضَى بِخَتْمٍ هُوَ هِيَ،
 اس میں چار چیزوں کا بیان ہے اول دو یعنی مَا وَدَّعَكَ اور وَمَا قَلَى مِنْہِ ہیں اور اس کے بعد وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ
 الْاُولٰی اور لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى اس میں دو چیزوں کا بیان ہے یعنی خیرِ آخرت اور اعطاء رب اور یہ دونوں
 مثبت ہیں۔

قَوْلًا: فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ، الْيَتِيمَ، فَلَا تَقْهَرْ کی وجہ سے منصوب (مفعول بہ مقدم) ہے۔

قَوْلًا: وَحُذِفَ ضَمِيرُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ الْأَفْعَالِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ اور وہ تین افعال ہیں،
 ① یعنی فَأَوَى اَصْل میں فَأَوَاكَ تھا ② فَهَدَى اِی فَهَدَاكَ ③ فَأَغْنَى اِی فَأَغْنَكَ تھا، مذکورہ تینوں افعال میں
 سے ضمیر مفعولی کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبد اللہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے آیا ہے
 اور ترمذی نے حضرت جندب سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی ایک انگلی زخمی ہو گئی اس سے خون جاری ہوا تو
 آپ ﷺ نے فرمایا:

هَلْ أَنْتَ إِلَّا اضْبَعُ دُمَيْتٍ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتَ

”یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہو گئی اور جو تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے“، (اس لئے کیا غم ہے؟)
 حضرت جندب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَامُ
 آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا،
 اس پر یہ سورت نازل ہوئی، حضرت جندب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دورات تہجد کے لئے
 نہ اٹھنے کا ذکر ہے، وحی کی تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دورات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر
 ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا
 اور کبھی دوسرے کو اور جس نے آپ ﷺ کو طعنہ دیا وہ ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی، جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی
 راحت موجود ہے، اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن کے وقت پیش آیا جس کو
 مانہ فترت وحی کہا جاتا ہے، یہ سب سے زیادہ طویل تھا ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جب کہ مشرکین اور یہود نے

آنحضرت ﷺ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے کچھ روز تک سلسلہ وحی بند رہا اس پر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کا خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو چھوڑ دیا اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورہ ضحیٰ کے نزول کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہوں؛ بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔ (معارف)

وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ بعض مفسرین نے آخرت اور اولیٰ سے دنیا و آخرت مراد لی ہے اور بعض دیگر مفسرین نے اولیٰ سے ابتدائی دور اور آخرت سے بعد کا دور مراد لیا ہے، یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ایسی حالت میں دی تھی جب کہ چند مٹھی بھر افراد آپ ﷺ کے ساتھ تھے، ساری قوم آپ ﷺ کی مخالف تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آرہے تھے اسلام کی شمع مکہ میں ٹٹمار ہی تھی اور اسی کو بجھانے کے لئے چاروں طرف سے طوفان اٹھ رہے تھے اس وقت اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپ ﷺ کی عزت و شوکت اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ ﷺ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا، پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ ﷺ کو ملے گا وہ اس مرتبہ سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ ﷺ کو حاصل ہوگا، طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ یعنی آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو اتنا دے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے؟ اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ آپ ﷺ کی ہر پسندیدہ چیز اتنی عطا کی جائے گی کہ آپ خوش ہو جائیں گے، آپ ﷺ کی مرغوب چیزوں میں اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں، یعنی اگرچہ دینے میں کچھ تاخیر ہوگی لیکن وہ وقت دور نہیں کہ جب آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے یہ وعدہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سوا حل سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شامی اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ ﷺ کے زیر نگین ہو گیا، عرب کی تاریخ میں یہ سرزمین پہلی مرتبہ ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہو گئی تھی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرانی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت کے لئے نہیں جھک گئے بلکہ ان کے قلوب بھی مسخر ہو گئے پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو، اس کے بعد آپ ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر چھا گئی

اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا اور آخرت میں جو کچھ عطا کرے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”إِذَا لَا أَرْضِي وَوَاحِدٌ مِنْ أُمَّتِي فِي النَّارِ“ یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت کا ایک فرد بھی جہنم میں رہے گا۔

(قرطبی)

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے ”فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ”إِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ“ پھر آپ ﷺ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ و زاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے ”اللَّهُمَّ اُمَّتِي اُمَّتِي“ حق تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ ﷺ کیوں روتے ہیں؟ (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبریل امین علیہ السلام آئے اور سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں امت کی مغفرت چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ ﷺ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔ (معارف)

الْمَرْبِحُ جَدُّكَ يَتِيمًا فَآوَى یعنی آپ ﷺ کو چھوڑ دینے اور آپ ﷺ سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال؟ ہم تو آپ ﷺ پر اس وقت سے مہربان ہیں جب آپ ﷺ یتیم پیدا ہوئے تھے آپ ﷺ ابھی بطنِ مادر میں چھ ماہ ہی کے تھے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے آپ ﷺ دنیا میں یتیم کی حیثیت سے تشریف لائے مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپ ﷺ کو بے سہارا نہیں چھوڑا، چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی پرورش کی، ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو آٹھ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے جد امجد نے آپ ﷺ کی نگرانی اور پرورش فرمائی اور نہ صرف یہ کہ پرورش فرمائی بلکہ ان کو آپ ﷺ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا جب دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابوطالب نے آپ ﷺ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور آپ ﷺ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ نبوت کے بعد ساری قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو گئی تھی اس وقت دس سال تک وہی آپ ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف و بے خبر کے بھی، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ ﷺ شریعت الہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر تھے، اللہ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت پر فائز فرما کر آپ ﷺ کی رہنمائی فرمائی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى ”غنی کرنے“ کا مطلب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دیا پس آپ ﷺ فقر میں صابر اور غنی میں شاکر رہے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ تو نگری ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں اصل تو نگری دل کی تو نگری ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ)

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، حَدِّثْ تحدیث سے مشتق ہے اس کے معنی بات کرنے کے ہیں، مطلب یہ کہ آپ ﷺ اللہ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں، کہ یہ بھی شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے حتیٰ کہ آدمی جو کسی پر احسان کرے اس کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم ہے۔

مَسْئَلَةٌ: ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے، مالی نعمت کا شکریہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لئے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمت بدنی کا شکریہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے۔

بِحَمْدِ اللَّهِ

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَاثٌ

سُورَةُ الْمَنْشَرِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ اَيَاتٍ.

سورۃ الم نشرح مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْہَامُ تَقْرِیرِ اِی شَرَحْنَا لَكَ یَا مُحَمَّدُ صَدْرَكَ ۝ بِالنَّبُوَّةِ وَغَیْرِہَا وَوَضَعْنَا حُطَّتْنَا عَنْكَ وَمَرَّكَ ۝ الَّذِیْ اَنْقَضَ اَقْلَ ظَهْرَكَ ۝ وَبِذَا كَقَوْلِهِ تَعَالٰی لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ بَانَ تَذَكَّرَ مَعَ ذِكْرِيْ فِی الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشْہِدِ وَالْخُطْبَةِ وَغَیْرِہَا ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ الشِّدَّةَ لُیُسِّرًا ۝ سُهولةٌ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاسَى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَہُ الْیُسْرُ بِنَصْرِہِ عَلَیْہِمُ ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَاَنْصَبْ ۝ اَتَعْبُ فِی الدُّعَا ۝ وَلِی رَّبِّكَ فَارْغَبْ ۝ تَضَرَّعُ.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ کیا ہم نے تیرا سینہ نبوت وغیرہ کے لئے نہیں کھول دیا استفہام تقریری ہے، یعنی کھول دیا، اور ہم نے تجھ سے تیرا وہ بوجھ اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ دی یعنی جس نے تیری کمر کو گراں بار کر دیا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا بایں طور کہ اذان و اقامت میں اور تشہد اور خطبہ وغیرہ میں میرے ذکر کے ساتھ تیرا بھی ذکر کیا جاتا ہے یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، اور نبی ﷺ نے کفار کی جانب سے (بہت) اذیت برداشت فرمائی، پھر آپ کو آسانی حاصل ہوئی آپ کو ان پر فتح دے کر، اور جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں کوشش کیجئے، اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے یعنی عاجزی انکساری کیجئے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ استفہام تقریری ہے، اس لئے کہ لَمْ نَشْرَحْ منفی ہے اور اس پر استفہام انکاری داخل ہے، لہذا منفی کے نفی ہوئی اور منفی کے نفی تقریر کا فائدہ دیتی ہے، مفسر علام نے ای شرحنا کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: وَغَیْرَهَا اس سے شق صدر کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلٌ: وَزَّرْ کسرہ کے ساتھ۔ بوجھ، گرائی۔

قَوْلٌ: وَهَذَا كَقَوْلِهِ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ الْخ" مطلب یہ ہے کہ جس طرح لیغفر لک اللہ مَا تَقْدِم اپنے ظاہر سے مؤول ہے اسی طرح الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ بھی اپنے ظاہر سے مؤول ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے سہو و نسیان کو معاف کر دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ امت کے گناہ مراد ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ ترک اولی مراد ہے۔

قَوْلٌ: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اس میں تاکید کا بھی احتمال ہے اور تائیس کا بھی دوسری صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ گذشتہ سورت میں آپ پر تین انعاموں کا ذکر تھا اس سورت میں مزید تین احسانات کا ذکر ہے، ان میں سے پہلا سینہ کھول دینا ہے اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، شرح صدر ہو جانا، تاکہ حق واضح ہو کر دل میں سما جائے اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت "فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ اَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ" (سورۃ انعام) جس کو اللہ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا، ایک مرتبہ بچپن میں جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کا سینہ مبارک چیر کر وہ شیطانی حصہ نکال دیا جو ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے پھر اسے دھو کر بند کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء)

دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر اس موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے آپ ﷺ کا دل نکالا اسے آب زم زم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا، اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا، (صحیحین ابواب المعراج و کتاب الصلوٰۃ) مگر علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں، "حمل الشرح فی الآیۃ علی شق الصدر ضعیف عند المحققین" محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح صدر کو شق صدر پر محمول کرنا کمزور بات ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزَّرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ، وَزَّرْ کے معنی بوجھ کے ہیں اور انقض کے معنی کمر توڑ دینے یعنی کمر جھکا دینے کے ہیں، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپ ﷺ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپ سے ہٹا دیا وہ بوجھ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ بوجھ جائز اور مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات آپ ﷺ نے قرین حکمت و مصلحت سمجھ کر

اختیار فرمایا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کے خلاف یا خلاف اولیٰ تھے رسول اللہ ﷺ کو اپنی علوشان اور تقرب الہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بنا پر ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج و ملال اور صدمہ ہوتا تھا حق تعالیٰ نے اس آیت میں بشارت سنا کر وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا کسی بت کے سامنے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا نہ کبھی آپ ﷺ نے شراب پی بلکہ تمام برائیوں سے آپ ہمیشہ دامن کش رہے تاہم معروف معنی میں اللہ کی عبادت اور اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی، اس لئے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت اور عدم اطاعت کا بوجھ تھا جو حقیقت میں تو نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کے احساس اور شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرمایا یہ گویا وہی مفہوم ہے جو ”لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ“ (سورۃ الفتح) کا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ بار نبوت تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا وہ حوصلہ، وہ ہمت، وہ اولوالعزمی اور وہ وسعت قلب عطا فرمادی جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکار تھی آپ ﷺ اس وسیع علم کے حامل ہو گئے جو آپ ﷺ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سما نہ سکتا تھا۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا مشہور قاعدہ ہے کہ معرفہ کو اگر بعینہ مکرر لایا جائے تو اس کا مصداق وہی ہوتا ہے جو پہلے کلمہ کا تھا، اور اگر بغیر الف لام تعریف کے مکرر لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں اس آیت میں العسر مکرر آیا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلا ہی عسر مراد ہے اور لفظ یسر دونوں جگہ بغیر الف لام کے نکرہ لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دوسرا یسر پہلے یسر کے علاوہ ہے تو اس آیت میں إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کے تکرار سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عسر کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دوسرے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک عسر کے ساتھ متعدد آسانیاں دی جائیں گی۔

فَائِدَةٌ: بعض صالحین نے سورۃ الم نشرح کے کچھ خواص ذکر کئے ہیں ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں اگر کوئی شخص سورۃ الم نشرح کو کسی کانچ یا چینی کے برتن میں لکھ کر اور گلاب کے پانی سے دھو کر پیئے تو اس سے رنج، غم اور دل تنگی زائل ہو جائے گی، اور اگر کسی بھی برتن میں لکھ کر اور دھو کر پیئے تو حفظ و فہم کے لئے مفید ہے اور جو شخص ہر فرض نماز کے بعد مذکورہ سورت دس مرتبہ پڑھنے کا التزام کرے تو اس کو رزق میں سہولت حاصل ہوگی اور عبادت کی توفیق ہوگی، اور کسی اہم مقصد کے لئے با طہارت قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اس سورت کو اس کی تعداد حروف کی مقدار جو کہ ۱۰۳ ہے پڑھے اور اپنے مقصد کے لئے دعاء کرے تو انشاء اللہ دعاء قبول ہوگی۔ (یہ مجرب اور صحیح ہے، صاوی)

سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي آيَاتٍ

سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

سورہ والتین مکی یا مدنی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝ اِی الْمَا كُوْلَيْنِ اَوْ جَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبَتَانِ الْمَا كُوْلَيْنِ وَطُورَيْنَيْنِ ۝ الْجَبَلِ الَّذِي كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی مُوسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَمَعْنٰی سَيْنَيْنِ الْمُبَارَكِ اَوِ الْحَسَنِ بِالْاَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ ۝ نَكَّةٌ لَامٍ النَّاسِ فِيْهَا جَاهِلِيَّةٌ وَاِسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الْجَنَسَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ تَعْدِيْلٍ لِصُوْرَتِهِ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ فِیْ بَعْضِ اَفْرَادِهِ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۝ كِنَايَةً عَنِ الْهَرَمِ وَالضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُوْنُ لَهُ اٰخِرُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی اِلَّا اِی لَكِنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ مَقْطُوْعٌ وَفِی الْحَدِيْثِ اِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكِبَرِ مَا يُعْجِزُهُ عَنِ الْعَمَلِ كُتِبَ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يَكْذِبُكَ اَيُّهَا الْكَافِرُ بَعْدَ اِیْ بَعْدَ مَا ذَكَرَ مِنْ خَلْقِ الْاِنْسَانِ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ثُمَّ رَدَّهٖ اِلٰی اَرْدَلِ الْعُمَرِ الدَّالِ، عَلٰی الْقُدْرَةِ عَلٰی الْبَغْثِ بِالَّذِيْنَ ۝ بِالْجَزَاءِ الْمَسْبُوْقِ بِالْبَغْثِ وَالْحِسَابِ اِیْ مَا يَجْعَلُكَ مُكْذِبًا بِذٰلِكَ وَلَا جَاعِلَ لَهُ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِیْ هُوَ اَقْضٰی الْقَاضِيْنَ وَحُكْمُهُ بِالْجَزَاءِ مِنْ ذٰلِكَ وَفِی الْحَدِيْثِ مَنْ قَرَأَ بِالتِّينِ اِلٰی اٰخِرِهَا فَلَيْقُلْ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّٰهِدِيْنَ.

تَرْجُمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی یعنی کھائے جانے والے دونوں پھلوں کی، یا قسم ہے دو پہاڑوں کی جن پر (مذکورہ) دونوں پھل پیدا ہوتے ہیں ملکِ شام میں، اور قسم ہے طور سینین کی یعنی اس پہاڑ کی کہ جس پر موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے تھے اور سینین کے معنی مبارک (یا وہ مقام) جو پھل دار درختوں کی وجہ سے حسین ہو اور قسم ہے اس پر امن شہر مکہ کی اس میں لوگوں کے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں مامون ہونے کی وجہ سے، اور ہم نے جنس انسان کو بہترین معتدل صورت پر پیدا کیا پھر ہم نے اس کے بعض افراد کو نیچوں سے بچ کر دیا

یہ بڑھاپے اور ضعف سے کنایہ ہے، چنانچہ مومن کا عمل (بڑھاپے کے زمانہ میں) شباب کے زمانہ کی بہ نسبت گھٹ جاتا ہے، مگر اس کے اجر کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قول ”إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا“ الایہ، کی دلیل سے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور حدیث شریف میں ہے، جب مومن بڑھاپے کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ جو اس کو عمل سے عاجز کر دیتی ہے تو اس کے لئے وہی اجر لکھا جاتا ہے جو وہ (زمانہ شباب میں) کیا کرتا تھا، پس اے کافر! تجھے اب یعنی مذکورہ صورت حال کے بعد اور وہ صورت حال، انسان کو احسن صورت میں پیدا کرنا پھر اس کو گھٹیا ترین عمر تک پہنچا دینا ہے جو کہ بعث (بعد الموت) پر قدرت رکھنے پر دلالت کرتی ہے روز جزاء کے جھٹلانے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ وہ جزا کہ جو بعث اور حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھے اس کی تکذیب کرنے والا بنا دیا؟ حالانکہ اس کا کوئی سبب نہیں ہے، کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ یعنی وہ تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے، اور اس کے جزا کا حکم کرنے کا تعلق بھی اسی فیصلہ سے ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو پوری سورہ تین پڑھے اس کو ”بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاہدین“ کہنا چاہئے۔

تحقیق و تکریم تسبیح تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَالتِّينِ وَ الزَّيْتُونِ، وَطُورِ سِينِينَ، وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مقسم علیہ کیلئے چار قسمیں کھائی ہیں، اس لئے کہ مقسم علیہ کی عظمت اور اہمیت پر دلالت مقصود ہے اور مقسم علیہ ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ ہے۔

قَوْلًا: وَالتِّينِ وَ الزَّيْتُونِ، تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، اس سے مراد انجیر اور زیتون دونوں پھل ہیں۔

فَائِدَةٌ: انجیر، غذا، دواء، اور پھل، تینوں اوصاف کا جامع ہے، اطباء کی رائے ہے کہ انجیر لطیف اور زود ہضم غذا ہے، معدہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا، طبیعت کی تسکین کرتا ہے، بلغم کو کم کرتا ہے گردوں کی تطہیر کرتا ہے، نیز ریگ مثانہ کو خارج کرتا ہے، مثانہ کو تقویت دیتا ہے، بدن کو فربہ کرتا ہے اور جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ انجیر کھانا منہ کی بدبو کو زائل کرتا ہے اور بالوں کو دراز کرتا ہے، روح المعانی میں یہ بھی ہے کہ انجیر بہترین غذا ہے اگر نہار منہ کھایا جائے اور اس کے بعد کچھ نہ کھائے، اور مزید لکھا ہے کہ یہ کثیر النفع دوا ہے، سدوں کو کھولتا ہے جگر کو قوی کرتا ہے ورم طحال کو زائل کرتا ہے اور عسر البول میں نافع ہے ہزال الکلی (ذبول گردہ) اور خفقان اور ضیق النفس نیز کھانسی اور وجع الصدر وغیرہ میں مفید ہے۔ (روح المعانی) اگر خواب میں کسی نے انجیر پایا تو اس کو مال حاصل ہوگا اور اگر انجیر کھایا تو اس کو اولاد نصیب ہوگی۔ (جمل، صاوی)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ تین اور زیتون ملک شام کے دو پہاڑ ہیں، مفسر علام نے بہت سے اقوال میں سے دو قول نقل کئے ہیں۔

قَوْلًا: و طور سینین یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے۔

قَوْلًا: فی بعض افرادہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں صنعت استخدام ہے اس طریقہ پر کہ انسان کو اولاً جنس انسان کے معنی میں لیا پھر جب رد دناہ کی ضمیر کو اس کی طرف لوٹایا تو انسان کو دوسرے معنی یعنی بعض افراد انسان کے معنی میں لیا اور پھر ضمیر کو انسان کی طرف لوٹایا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

والتین والزیتون اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے، حسن بصری، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کہتے ہیں کہ انجیر سے یہی انجیر مراد ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون سے مراد وہی پھل ہے جو مشہور ہے جس سے روغن زیتون نکالا جاتا ہے اور عام طور پر دستیاب ہے، ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حاکم نے ایک قول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے تین اور زیتون سے وہ مقامات مراد لئے ہیں جن مقامات میں یہ پیدا ہوتے ہیں، کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، احبار اور قتادہ اور ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق ہے اور زیتون سے مراد بیت المقدس۔

و طور سینین، سینین جزیرہ نمائے سینا کا دوسرا نام ہے اس کو سیننا اور سیننا بھی کہتے ہیں۔

لقد خلقنا الانسان النخ یہی ہے وہ بات جس پر مذکورہ چاروں قسمیں کھائی گئی ہیں، انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وہ اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا ہے کہ جو دوسری کسی جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا اور اسے فکر و فہم اور علم و عقل کی وہ بلند پایہ قابلیتیں بخشی گئی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی گئیں۔

حسن انسانی کا ایک عجیب واقعہ:

قرطبی نے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے، اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے، اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاق، یہ سنتے ہی بیوی پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی، بات اگرچہ ہنسی دل لگی کی تھی، مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ ہنسی مذاق میں بھی واقع ہو جاتی ہے، عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑے کرب و بے چینی میں گزاری، صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کی مجلس میں حاضر ہوئے اور رات کا اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، خلیفہ نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق واقع ہو گئی؛ کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے

امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے پوچھا آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سورۃ التین کی تلاوت کی اور فرمایا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمادیا ہے، کوئی شئی اس سے حسین نہیں، یہ سن کر سب علماء اور فقہاء حیران رہ گئے اور کسی نے مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنِ، مفسرین نے بالعموم اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ہم نے اسے اِذْ ذَلِ الْعَمْرُ یعنی بڑھاپے کی ایسی حالت کی طرف پھیر دیا جس میں وہ کچھ سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کے قابل نہ رہا، دوسرے یہ کہ ہم نے اسے جہنم کے سب سے نیچے درجے کی طرف پھیر دیا، لیکن یہ دونوں معنی اس مقصود کلام کے لئے دلیل نہیں بن سکتے جسے ثابت کرنے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی ہے، سورت کا مقصد جزا اور سزا کے برحق ہونے پر استدلال کرنا ہے اس پر نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ بڑھاپے کی انتہائی کمزور حالت کو پہنچا دیئے جاتے ہیں اور نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا، پہلی بات اس لئے جزا سزا کی دلیل نہیں بن سکتی کہ بڑھاپے کی حالت اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگوں پر طاری ہوتی ہے اور کسی کا اس حالت کو پہنچنا کوئی سزا نہیں ہے جو اسے اس کے اعمال پر دی جاتی ہو، رہی دوسری بات تو وہ آخرت میں پیش آنے والا معاملہ ہے اسے ان لوگوں کے سامنے دلیل کے طور پر کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ جنہیں آخرت ہی کی جزا سزا کا قائل کرنے کے لئے یہ سارا استدلال کیا جا رہا ہے؟ اس لئے آیت کا صحیح مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ساخت پر پیدا کرنے کے بعد انسان اپنے جسم اور ذہن کی طاقتوں کو برائی کے راستے میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی ہی کی توفیق دیتا ہے اور گراتے گراتے اسے گراوٹ کی اس انتہاء تک پہنچا دیتا ہے کہ کوئی مخلوق گراوٹ میں اس حد کو پہنچی ہوئی نہیں ہوتی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسانی معاشرے کے اندر بکثرت مشاہدہ میں آتی ہے، حرص، طمع، خود غرضی، شہوت پرستی، نشہ بازی، کمینہ پن، غیظ و غضب اور ایسی ہی دوسری خصلتوں میں جو لوگ غرق ہو جاتے ہیں وہ اخلاقی حیثیت سے فی الواقع سب نیچوں سے نیچے ہو کر رہ جاتے ہیں، مثال کے طور پر صرف اسی بات کو لے لیجئے کہ ایک قوم جب دوسری قوم کی دشمنی میں اندھی ہو جاتی ہے تو کس طرح درندگی میں تمام درندوں کو مات کر دیتی ہے، درندہ تو صرف اپنی غذا کے لئے کسی جانور کا شکار کرتا ہے جانوروں کا قتل عام نہیں کرتا مگر انسان خود اپنے ہی ہم جنس انسانوں کا قتل عام کرتا ہے، درندہ صرف اپنے بچوں اور دانتوں ہی سے کام لیتا ہے مگر یہ احسن تقویم پر پیدا ہونے والا انسان اپنی عقل سے کام لے کر توپ، بندوق، ٹینک، ہوائی جہاز، راکٹ، میزائل، اور ایٹم بم جیسے خطرناک ہتھیار بناتا ہے، تاکہ آن کی آن میں پوری بستیوں کی بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دے، اور انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے کمینہ پن کی اس انتہاء کو پہنچتا ہے کہ غورتوں کے ننگے جلوس نکالتا ہے، ایک ایک عورت کو دس دس بیس بیس آدمی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں اور باپوں اور بھائیوں اور شوہروں کے سامنے ان کے گھر کی عورتوں کی عصمت لوٹتے ہیں، بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے قتل کرتے ہیں، ماؤں کو اپنے بچوں کا خون پینے پر مجبور کرتے ہیں، انسانوں کو زندہ جلانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے، دنیا میں وحشی سے وحشی جانوروں کی بھی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو انسان کی اس وحشت کا

کسی درجہ میں بھی مقابلہ کر سکتی ہو، شاہ ولی اللہ صاحب انسان کی اسی ارذل صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے۔ (فوائد عثمانی)

یہی حال دوسری بری صفات کا بھی ہے کہ ان میں سے جس طرف بھی انسان برخ کرتا ہے اپنے آپ کو ارذل المخلوقات ثابت کر دیتا ہے حتیٰ کہ مذہب جو انسان کے لئے مقدس ترین شئی ہے اس کو بھی وہ اتنا گرا دیتا ہے کہ درختوں اور جانوروں اور پتھروں کو پوجتے پوجتے پستی کی انتہاء کو پہنچ کر مرد اور عورت کی شرمگاہوں کو پوج ڈالتا ہے۔

جن مفسرین نے اسفل سافلین سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت لی ہیں جس میں انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے، وہ اس آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جوانی اور تندرستی کی حالت میں ایمان لا کر نیک عمل کئے ہوں ان کے لئے بڑھاپے کی اس حالت میں بھی وہی نیکیاں لکھی جائیں گی، ان کے اجر میں اس بنا پر کوئی کمی نہ کی جائے گی کہ عمر کے اس دور میں ان سے وہ نیکیاں صادر نہیں ہوئیں، اور جو مفسرین اسفل سافلین کی طرف پھیرے جانے کا مطلب، جہنم کے اسفل ترین درجہ میں پھینک دیا جانا لیتے ہیں، ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ایمان لا کر عمل صالح کرنے والے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اس درجہ کی طرف نہیں پھیرے جائیں گے؛ بلکہ ان کو وہ اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

﴿مَتَّ﴾

سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةِ آيَةٍ

سُورَةُ اِقْرَأْ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشْرَةِ آيَةٍ.

سورہ اقرأ مکی ہے، انیس آیتیں ہیں۔

صَدْرُهَا إِلَى مَا لَمْ يَعْلَمْ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ وَذَلِكَ بِغَارِ حِرَاءَ. (رواه البخاری)

اس کا مآلَمِ يَعْلَمُ تک کا ابتدائی حصہ، قرآن کا سب سے پہلے نازل ہونے والا حصہ ہے اور یہ نزول غار حراء میں ہوا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ اِقْرَأْ أَوْجِدِ الْقِرَاءَةَ مُبْتَدِئًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ①
الْخَلَائِقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ الْجِنْسَ ② مِنْ عَلَقٍ ③ جَمْعُ عَلَقَةٍ وَهِيَ الْقِطْعَةُ الْيَسِيرَةُ مِنَ الدَّمِ الْغَلِيظِ اِقْرَأْ تَاكِيدٌ
لِلْأَوَّلِ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ④ الَّذِي لَا يُوَازِيهِ كَرِيمٌ حَالٌ مِنْ ضَمِيرٍ اِقْرَأْ الَّذِي عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ ⑤ وَأَوَّلُ مَنْ خَطَّ
بِهِ إِدْرِيسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ الْجِنْسَ ⑥ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑦ قَبْلَ تَعْلِيمِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْكِتَابَةِ وَالصَّنَاعَةِ
وغيرها كَلَّا حَقًّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيطْغَى ⑧ أَنْ رَأَاهُ ⑨ أَيْ نَفْسُهُ اسْتَغْنَى ⑩ بِالْمَالِ نَزَلَ فِي أَبِي جَهْلٍ وَرَأَى عِلْمِيَّةً
وَاسْتَغْنَى مَفْعُولٌ ثَانٍ وَأَنْ رَأَاهُ مَفْعُولٌ لَهُ إِنَّ إِلَى رَبِّكَ يَا إِنْسَانُ الرَّجْعِي ⑪ الرَّجُوعُ تَخْوِيفٌ لَهُ فَيَجَازِي
الطَّاعِيَ بِمَا يَسْتَحِقُّ أَرَأَيْتَ فِي مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعْجُبِ الَّذِي يَنْهَى ⑫ هُوَ أَبُو جَهْلٍ عَبْدًا هُوَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى ⑬ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ ⑭ أَيْ الْمَنْهَى عَلَى الْهُدَى ⑮ أَوْ لِلتَّقْسِيمِ
أَمْرًا بِالتَّقْوَى ⑯ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ ⑰ أَيْ النَّاهِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَلَّى ⑱ عَنِ الْإِيمَانِ
أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ⑲ مَا صَدَرَ مِنْهُ أَيْ يَعْلَمُ فَيَجَازِيهِ عَلَيْهِ أَيْ إِعْجَبَ مِنْهُ يَا مُخَاطَبُ مِنْ حَيْثُ نَهَيْهِ عَنِ
الصَّلَاةِ وَمِنْ حَيْثُ أَنَّ الْمَنْهَى عَلَى الْهُدَى أَمْرًا بِالتَّقْوَى وَمِنْ حَيْثُ أَنَّ النَّاهِي مُكَذِّبٌ مُتَوَلٍّ عَنِ الْإِيمَانِ
كَلَّا رَدُّعٌ لَهُ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ ⑳ عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ㉑ لَنَجْرَنَّ بِنَاصِيَتِهِ إِلَى النَّارِ
نَاصِيَةٍ ㉒ بَدَلُ نَكِيرَةٍ مِنْ مُعْرِفَةٍ ㉓ كَذِبَةٌ خَاطِئَةٌ ㉔ وَوَضَفُهَا بِذَلِكَ مَجَازٌ أَوْ الْمُرَادُ صَاحِبُهَا فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ㉕ أَيْ
أَهْلَ نَادِيهِ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يُتَنَادَى يَتَحَدَّثُ فِيهِ الْقَوْمُ كَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ

نَهَاہُ عَنِ الصَّلَاةِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا يَہَارِجُ لْ أَكْثَرُ نَادِيًا مِّنِي لَا مَلَأَنَّ عَلَیْكَ هَذَا الْوَادِيَّ إِنْ شِئْتَ خَيْلًا جُرْدًا
وَرَجَالًا مُّرَدًّا سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ الْمَلَائِكَةُ الْغَلَاطُ الشَّدَادُ لَا هَلَكَ فِيهِ الْحَدِيثُ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَا خَذَتْهُ
الزَّبَانِيَةُ عَيْنَانَا كَلَّا رَدُّعٌ لَهُ لَا تَطْعُهُ يَا مُحَمَّدُ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ وَأَسْجُدْ صَلِّ لِلَّهِ وَاقْتَرِبْ ۝ مِنْهُ بِطَاعَتِهِ.

۱۹۲۱

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، پڑھو (اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے مخلوق کو پیدا کیا جس انسان کو دم بستہ سے علق کی جمع ہے اور وہ دم بستہ کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے پڑھو، یہ پہلے اِقرأ کی تاکید ہے، آپ ﷺ کا رب بڑا کریم ہے اس کی برابری کوئی کریم نہیں کر سکتا، (وَرَبُّكَ) اِقرأ کی ضمیر سے حال ہے، جس نے قلم کے ذریعہ لکھنا سکھایا اور سب سے پہلے جس نے قلم سے لکھا وہ ادریس علیہ السلام ہیں جس انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ سکھانے سے پہلے نہیں جانتا تھا، (مثلاً) ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ، درحقیقت انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ خود کو مال کی وجہ سے بے نیاز سمجھتا ہے (یہ آیت) ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی، اور روایت سے روایت علمیہ مراد ہے اور استغناء مفعول ثانی ہے اور اَنْ رَّاهُ مفعول لہ ہے، یقیناً اے انسان! تجھ کو تیرے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے یہ انسان کو خوف دلانا ہے لہذا سرکش کو سزا دے گا جس کا وہ مستحق ہے، کیا تو نے اس شخص کو دیکھا؟ جو ایک بندے کو اور وہ نبی ﷺ ہیں منع کرتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے اَرَأَيْتَ تینوں جگہ تعجب کے لئے ہے اور وہ (منع کرنے والا) ابو جہل ہے، بھلا بتلاؤ تو اگر وہ جس کو منع کیا گیا ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو او تقسیم کے لئے ہے، بھلا دیکھو تو اگر یہ نبی ﷺ کو منع کرنے والا جھٹلاتا ہو اور ایمان سے منہ موڑتا ہو، کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کر رہا ہے یعنی وہ جانتا ہے لہذا اس کو اس کی سزا دے گا، اے مخاطب! تو اس سے تعجب کر اس حیثیت سے کہ اس کا منع کرنا نماز سے ہے اور اس حیثیت سے کہ جس شخص کو منع کیا گیا ہے وہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرنے والا ہے، اور اس حیثیت سے کہ منع کرنے والا، جھٹلانے والا اور ایمان سے منہ موڑنے والا ہے خبردار! اگر وہ اختیار کردہ کفر سے باز نہ آیا، کلا حرف ردع ہے اور لَسْنٌ میں لام قسمیہ ہے تو ہم یقیناً (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر جہنم کی طرف کھینچیں گے یہ نکرہ معرفہ سے بدل ہے، ایسی پیشانی کہ جو جھوٹی اور خطا کار ہے، اور ناصیۃ کی صفت کاذبۃ لانا یہ مجاز ہے (یعنی مجاز عقلی ہے) اور مراد صاحب ناصیہ ہے، اپنی مجلس والوں کو بلا لے اور مجلس سے مراد وہ ہے جو اس لئے بلائی جاتی ہے کہ قوم کے لوگ اس میں باتیں کریں، جب آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کو نماز سے منع کرنے پر ڈانٹا تھا تو ابو جہل نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ مکہ میں کوئی شخص مجھ سے بڑی مجلس والا نہیں ہے میں تمہارے خلاف اگر چاہوں تو اس وادی کو عمدہ گھوڑوں (گھوڑ سواروں) اور نو جوان مردوں (پیادوں) سے بھر دوں، تو ہم بھی اس کو ہلاک کرنے کے لئے سخت دل قوی فرشتوں کو بلا لیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو دوزخ کے فرشتے اس کو سب کے سامنے پکڑ لیتے، خبردار! یہ آپ ﷺ کو تنبیہ ہے، اے محمد ﷺ! ترک صلوٰۃ میں آپ ﷺ ہرگز اس

کی بات نہ مانیں، اور سجدہ کرو، (یعنی) اللہ کے لئے نماز پڑھو اور اس کی طاعت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرو۔

تحقیق و تکریم تسہیل و تفسیری فوائد

سورة اقرا بعض نسخوں میں سورة العلق ہے اور بعض میں سورة القلم، اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کے تین نام ہیں۔

قَوْلٌ: اوجد القراءة اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اقرا، اوجد کے معنی میں بمنزلہ لازم کے ہے یعنی پڑھنا شروع کر اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مفعول مقدر ہے ای اقرا القرآن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اسم، اقرا کا مفعول ہے اور باء زائدہ ہے، مگر مفسر علام نے مبتداء محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اسم مفعول نہیں اور نہ باء زائدہ ہے بلکہ باسم ربك، مبتداء کے متعلق ہو کر اقرا کی ضمیر فاعل انت سے حال ہے۔

قَوْلٌ: خلق، خلق کے مفعول کو عموم پر دلالت کرنے کے لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے مفسر علام نے، الخلاق مقدر مان کر عموم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلٌ: خلق الانسان انسان کو اس کے شرف کی وجہ سے مفرد لایا گیا ہے اگرچہ معنی میں جمع کے ہے اس لئے کہ الف لام استغراق کے لئے ہے۔

قَوْلٌ: علق یہ علقہ کی جمع ہے، دم بستہ کو کہتے ہیں ای نفسہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رآی کی ضمیر فاعل انسان کی طرف راجع ہے اور ضمیر مفعولی بھی انسان کی طرف راجع ہے اور مراد اس سے نفس انسان ہے۔

قَوْلٌ: رُجعی (ض) کا مصدر ہے لوٹنا بروزن بشری لازم بھی استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلٌ: اَرَأَيْتَ تینوں جگہ تعجب کے لئے ہے نہ کہ استفہام کے لئے، اور اَرَأَيْتَ کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔

قَوْلٌ: لَنَسْفَعًا، سَفَعٌ سے مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے دراصل لَنَسْفَعُنَّ تھا، نون خفیفہ کو تینوں سے بدل دیا گیا ہے، سَفَعًا کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا، اور صراح میں ہے موئے پیشانی گرفتن۔

قَوْلٌ: بَدَلُ نَكْرَةٍ مِنْ مَعْرِفَةٍ، ناصیہ نکرہ کی صفت لانے کی وجہ سے الناصیہ معرفہ سے بدل واقع ہونا صحیح ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیح

سب سے پہلی وحی:

اقرا باسم ربك الذي خلق یہ سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ غار حراء میں مصروف عبادت تھے، فرشتے نے آکر کہا ”پڑھو“! آپ ﷺ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں،

فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا پڑھو آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا اس طرح فرشتے نے آپ کو تین مرتبہ دبایا۔

زمانہ نزول وحی:

اس سورت کے دو حصے ہیں پہلا حصہ اِقْرَأْ سے مَا لَمْ یَعْلَمْ تَک اور دوسرا حصہ کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَبْغِی سے آخر سورت تک ہے، پہلے حصے کے متعلق علماء امت کی عظیم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے، اس معاملہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وہ حدیث جسے امام احمد، بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے صحیح ترین احادیث میں شمار ہوتی ہے اور اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے خود آنحضرت ﷺ سے سن کر آغاز وحی کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔

دوسرا حصہ بعد میں اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اپنے طریقہ سے نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہل نے دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

آغاز وحی کا واقعہ:

محدثین نے آغاز وحی کا قصہ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ امام زہری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اور انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اور انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نقل کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوئی، آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے روز روشن میں آپ ﷺ کوئی چیز دیکھ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ تنہائی پسند ہو گئے اور کئی کئی شب روز غار حراء میں رہ کر عبادت کرنے لگے، اس عبادت کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے تَحَنُّنٌ کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کی تشریح امام زہری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تَعَبُّذ سے کی ہے، آپ ﷺ غار حراء میں کس قسم کی عبادت کرتے تھے کسی روایت سے اس کا ثبوت نہیں ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ ﷺ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر عبادت کرتے تھے مگر اس کا ثبوت بھی کسی حدیث سے نہیں ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت، محض خلق سے انقطاع اور اللہ کی طرف خاص توجہ اور تفکر کی تھی۔

غرضیکہ آپ ﷺ گھر سے خور و نوش کا سامان لے جا کر وہاں چند روز گزارتے، پھر حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس آتے اور مزید چند روز کے لئے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ ﷺ کے لئے سامان مہیا کر دیتی تھیں۔

غار حراء میں قیام کی مدت:

غار حراء میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کے درمیان اختلاف ہے صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پورا ایک ماہ اس میں قیام فرمایا اور وہ ماہ رمضان تھا، (معارف) اسی دوران ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ سے فرمایا افسر! آپ ﷺ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ تین مرتبہ فرمایا، اس کے بعد سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل فرمائیں۔

قرآن کریم کی یہ پانچ آیتیں لیکر جب آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا زملونی زملونی، مجھے اڑھاؤ مجھے اڑھاؤ چنانچہ آپ ﷺ کو اڑھا دیا گیا، جب آپ ﷺ کے خوف کی کیفیت ختم ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پورا قصہ سنایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ہرگز نہیں! خدا کی قسم آپ ﷺ کو خدا کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ ﷺ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، زیر بار لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، بے روزگاروں کو ذریعہ معاش مہیا فرماتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، غرضیکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دی۔

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انہوں نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا، عربی اور عبرانی میں انجیل لکھا کرتے تھے بہت بوڑھے تھے آپ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا، میرے چچا زاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو، ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے حال دریافت کیا تو آپ ﷺ نے غار حراء میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا، ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا یہ وہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش! میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانہ میں قوی ہوتا اور کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو (وطن سے) نکالے گی، رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی شخص وہ پیغام حق لے کر آیا ہے جو آپ ﷺ لائے ہیں تو اس کی قوم نے اس کو ستایا ہے، اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی بھرپور مدد کروں گا، ورقہ اس کے چند روز بعد ہی انتقال کر گئے، ادھر اس واقعہ کے بعد وحی قرآنی کا سلسلہ موقوف ہو گیا، فترت وحی کی مدت کے بارے میں سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال بیان کی گئی ہے۔

(مظہری، معارف)

دوسرے حصہ کا شان نزول:

کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اِغْفٰیؕ اِس سورت کا یہ حصہ اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کی، ابو جہل نے آپ ﷺ کو ڈرا دھمکا کر اس سے روکنا چاہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ابو جہل نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹیکتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں، اس نے کہالات و عنزی کی قسم اگر میں نے حرم میں ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا، پھر ایک روز ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حرم میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ آگے بڑھا، تاکہ آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھے، مگر یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے، اس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔

(احمد، مسلم، نسائی وغیرہ)

﴿مَّتَّ﴾

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسُ أَوْ سِتُّ آيَاتٍ.

سورہ قدر کی یاد دہانی ہے، پانچ یا چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ أَيُّ الشَّرَفِ وَالْعَظَمِ وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ يَا مُحَمَّدُ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ تَعْظِيْمُهُ لِسَانُهَا وَتَعْجِيزُ مِنْهُ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرِ ۝ لَيْسَ فِيهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِي أَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ فِيهَا تَنْزِيلُ الْمَلَكَةِ بِحَذْفِ إِحْدَى التَّائِيْنِ مِنَ الْأَصْلِ وَالرُّوحُ أَيُّ جِبْرِيلَ فِيهَا فِي اللَّيْلَةِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ بِأَمْرِهِ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ فَضَاءَ اللَّهُ فِيهَا لَيْلَتُكَ الشَّئْنَةُ إِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٍ بِمَعْنَى الْبَاءِ سَلَامٌ هِيَ خَيْرٌ مُقَدَّمٌ وَمُبْتَدَأٌ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ بَفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا إِلَى وَقْتِ طُلُوعِهِ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یقیناً ہم نے اس کو یعنی قرآن کو شب قدر یعنی شرف اور عظمت والی رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی نازل فرمایا اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ (یہ استفہام) لیلۃ القدر کی عظمت اور اس سے تعجب کے اظہار کا بیان ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جن میں شب قدر نہ ہو، یعنی شب قدر میں عمل صالح ہزار مہینوں میں عمل سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہ ہو، اس رات میں (عام) فرشتے اور جبریل علیہ السلام اترتے ہیں (تَنْزِيلُ) کی اصل (تَنْزِلُ) ہے ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے اپنے رب کے حکم سے ہر کام کو سرانجام دینے کے لئے جس کے کرنے کا اللہ نے اس رات میں فیصلہ کر لیا ہے اس سال سے آئندہ سال تک کے لئے، مِنْ سَبَبِیَّةٍ بمعنی بَاء ہے یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے سَلَامٌ هِيَ مبتداء مؤخر کی خبر مقدم ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے (مطلع)

کے لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ، یعنی فجر کے طلوع ہونے کے وقت تک اس رات کو (سراپا) سلام بنا دیا گیا ہے، اس رات میں فرشتوں کی جانب سے کثرت سلام ہونے کی وجہ سے، ان کا کسی مومن اور مومنہ پر گزر نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ ان کو سلام کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ. بلاشبہ ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا۔

سُئِلَ: اَنْزَلْنَاهُ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے حالانکہ قرآن کا ما قبل میں ذکر نہیں ہے یہ اضمار قبل الذکر ہے جو ممنوع ہے؟

جواب: قرآن کے شرف و شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے مرجع کا ذکر نہیں کیا گیا ہے گویا کہ قرآن اپنی عظمت و شہرت کی وجہ سے حکم میں مذکور کے ہے اور ہر شخص کے دل و دماغ میں موجود ہے، عرب کی عادت ہے کہ مرجع کے مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے، اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

سُئِلَ: اِنْزَالِ اجسام کی صفت ہے اور قرآن عرض ہے نہ کہ جسم لہذا اس کی صفت انزال لانا کس طرح درست ہوگا؟

جواب: انزال بمعنی ایحاء ہے جو عرض کے لئے ہوتا ہے۔

سُئِلَ: جَوَابُهُ: قرآن کی طرف نزول کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے اصل یہ ہے کہ اسناد حامل قرآن کی طرف ہو۔

قَوْلُهُ: مِنْ كُلِّ امْرِءٍ مِنْ سِيبِهِ ہے ای لاجل کل امرئ۔

قَوْلُهُ: سَلَامٌ هِيَ، سَلَامٌ خبر مقدم اور ہی مبتدا مؤخر ہے، اور یہ تقدیم قصر و حصر کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رات میں سلامتی ہی سلامتی مقدر فرمائی ہے۔

قَوْلُهُ: وَقْتُ طُلُوعِهِ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

ابن ابی حاتم نے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر فرمایا جو ایک ہزار مہینہ تک مسلسل مشغول جہاد رہا، کبھی اس نے ہتھیار نہیں اتارے، مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا اس پر سورہ قدر

نازل ہوئی، جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے (۸۳ سال چار ماہ) سے بہتر قرار دیا اور ابن جریر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ پوری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا، دن بھر جہاد میں مشغول رہتا ایک ہزار مہینے اس نے اسی طرح مسلسل عبادت میں گزار دیئے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شب قدر امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (معارف القرآن)

یہاں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا، اور سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی، اس رات کو یہاں شب قدر کہا گیا ہے اور سورہ دخان میں اسی کو مبارک رات کہا گیا ہے ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبْرَكَةٍ“ ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں نازل کیا۔

لیلۃ القدر کے معنی:

قدر کے ایک معنی عظمت اور شرف کے ہیں، زہری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ حضرات نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں، قدر کے دوسرے معنی تقدیر اور حکم کے بھی ہیں، یعنی یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ تقدیر کے فیصلے نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے، اس کی تائید سورہ دخان کی اس آیت سے ہوتی ہے ”فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ“ کہ اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین:

اب رہا یہ سوال کہ یہ کونسی رات تھی؟ تو اس میں اتنا اختلاف ہے کہ اقوال کی تعداد قریب قریب چالیس تک پہنچتی ہے، لیکن علماء امت کی غالب اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ رمضان کی آخری دس تاریخوں میں سے کوئی ایک طاق رات شب قدر ہے، تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے؛ مگر آخری عشرہ کی کوئی رات متعین نہیں اور ان دس میں سے خاص طور سے طاق راتوں کا از روئے احادیث زیادہ احتمال ہے اور ان میں بھی زیادہ تر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے، اس معاملہ میں معتبر روایتیں مندرجہ ذیل ہیں:

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلة القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ستائیسویں یا اثنیسویں رات ہے (ابوداؤد طیالسی) دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے کہ وہ رمضان کی آخری رات ہے۔ (مسند احمد) ② حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (مسند احمد ملخصاً)

تنزل الملائكة والروح، روح سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، اور جتنے اللہ کے بندے مرد ہوں یا عورت نماز یا ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، سب کے لئے رحمت کی دعاء کرتے ہیں۔ (مظہری)

مِنْ كُلِّ أَمْرٍ اس میں مِنْ بمعنی با ہے، معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلة القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لے کر زمین پر اترتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي آيَاتٌ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ آيَاتٍ.

سورہ بینہ کی یاد دہانی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ لِبْنَانٍ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ أَيْ عِبَادَةَ
الْأَصْنَامِ عَظُفٌ عَلَى أَهْلِ مُنْفَكِّينَ خَبَرُ يَكُنْ أَيْ زَائِلِينَ عَمَّا بِهِمْ عَلَيْهِ ۝ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ أَيْ الْحُجَّةُ
الْوَاضِحَةُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَدُلُّ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً ۝ مِنَ
الْبَاطِلِ فِيهَا كُتِبَ أَحْكَامٌ مَكْتُوبَةٌ قِيَمَةٌ ۝ مُسْتَقِيمَةٌ أَيْ يَتْلُوا مَضْمُونِ ذَلِكَ وَهُوَ الْقُرْآنُ فَمِنْهُمْ مَنْ
آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَمَاتَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ فِي الْإِيمَانِ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۝ أَيْ بُوَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ الْقُرْآنُ الْجَانِي بِهِ مُعْجَزَةٌ لَهُ وَقَبْلَ مَجِيئِهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى الْإِيمَانِ بِهِ إِذَا جَاءَ فَحَسَدَهُ مَنْ كَفَرَ بِهِ مِنْهُمْ وَمَا أَمُرُوا فِي
كِتَابِهِمْ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ أَيْ أَنْ يَعْْبُدُوهُ فَحُذِفَتْ أَنْ وَزِيدَتْ اللَّامُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝
بَيْنَ الشِّرْكِ حُفْلَةً مُسْتَقِيمِينَ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ وَدِينِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ فَكَيْفَ
كَفَرُوا بِهِ وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْمِلَّةِ الْقِيَمَةِ ۝ الْمُسْتَقِيمَةِ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۝ خَالَ مُقَدَّرَةٌ أَيْ مُقَدَّرًا خُلُودُهُمْ فِيهَا مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أُولَئِكَ هُمُ الشُّرَاطِرُ ۝
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمُ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ الْخَلِيقَةِ جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ إِفَامَةٌ تَجْرَى مِنْ
تحتها الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرِضْوَانِهِ بِشَوَابِهِ ۝ ذَلِكَ لِمَنْ حَشَى رَبَّهُ ۝ خَافَ عِقَابَهُ فَانْتَهَى
عَنِ مَعْصِيَتِهِ تَعَالَى.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ

کافر تھے یعنی بت پرست تھے (والمشرکین) کا عطف اہل پر ہے اور مِنْ اَہْلِ الْکِتَابِ میں مَنْ بیان یہ ہے، وہ (اپنے کفر سے) باز آنے والے نہیں تھے (مُنْفِکِیْن) یکن کی خبر ہے، یعنی جس (کفر) پر وہ تھے اس کو چھوڑنے والے نہیں تھے تا آنکہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے، یعنی اللہ کی طرف سے ایک رسول (رسول من اللہ) البینۃ سے بدل ہے اور وہ نبی ﷺ ہیں، جو ان کو باطل سے پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں صحیح احکام مکتوب ہوں یعنی اس کے مضمون کو پڑھ کر سنائے اور وہ قرآن ہے، چنانچہ ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے انکار کر دیا، اور اہل کتاب نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے میں اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح بیان آچکا اور وہ محمد ﷺ ہیں یا قرآن ہے جس کو آپ ﷺ لانے والے ہیں جو آپ کا معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لانے پر متفق تھے، مگر جب آپ ﷺ آگئے تو آپ کا اُن لوگوں نے انکار کر دیا جنہوں نے آپ ﷺ پر حسد کیا، اور ان کی کتاب تورات اور انجیل میں ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں، یعنی یہ کہ اس کی بندگی کریں، اُن حذف کر دیا گیا اور لام اس کی جگہ زیادہ کر دیا گیا، اپنے دین کو اس کے لئے شرک سے خالص کر کے دین ابراہیم اور دین محمد ﷺ پر استقامت کے ساتھ اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں یہی درست دین ہے اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے، اور (خالدین) حال مقدرہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کے لئے جہنم میں ہمیشہ کے لئے دخول مقدر ہو چکا ہے یہی لوگ بدترین خلّاق ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ یقیناً بہترین خلّاق ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ ان سے ان کی طاعت کی وجہ سے راضی ہوا اور وہ اس سے اس کے ثواب کی وجہ سے راضی ہوئے، یہ (صلہ) اس شخص کے لئے ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا یعنی اس کی سزا کا خوف کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈرا۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: لَمْ یَكُنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا، الَّذِیْنَ كَفَرُوا، یَكُنْ کا اسم ہے مِنْ بیان یہ ہے نہ کہ بعضیہ، مِنْ اَہْلِ الْکِتَابِ والمشرکین جملہ ہو کر كَفَرُوا کی ضمیر سے حال ہے، الَّذِیْنَ اپنے صلہ سے مل کر یَكُنْ کا اسم ہے مُنْفِکِیْن یَكُنْ کی خبر ہے، قَوْلٌ: مُنْفِکِیْن، انفکاک سے اسم فاعل، باز آنے والے، جدا ہونے والے۔

سُؤَالٌ: مُنْفِکِیْن کا مفعول کیا ہے؟ اور اس کے حذف پر کیا دلیل ہے؟

جَوَابٌ: مفسر علام نے عَمَّاھُمْ عَلَیْھُمْ کہہ کر حذف مفعول کی طرف اشارہ کر دیا اور وہ کفر ہے، اور دلیل حذف پر الَّذِیْنَ کا صلہ کفر ہے۔

سُؤَالٌ: اہل کتاب کے لئے كَفَرُوا ماضی اور مشرکین کے لئے المشرکین کو اسم فاعل لانے میں کیا نکتہ ہے؟

جواب: اہل کتاب ابتداء سے کافر نہیں تھے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے بخلاف مشرکین عرب کے کہ وہ شروع ہی سے کافر تھے۔

قَوْلٌ: الحجة الواضحة یہ حذف موصوف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلٌ: يَتْلُوا مضمون ذلک اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سؤال: يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحیفہ یعنی قرآن میں مکتوب کو پڑھ کر سنا تے تھے، حالانکہ اس وقت مصحف میں کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں تھی اور آپ زبانی پڑھ کر سنا تے تھے؟

جواب: آیت حذف مضاف کے ساتھ ہے، ای يَتْلُوا مضمون الصحف الذی يتضمنه الصحف۔

(فتح القدیر شوکانی)

قَوْلٌ: أَنْ يَعْبُدُوهُ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سؤال: إِلَّا لِيَعْبُدُوهُ میں لام غرض کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرانے کے لئے حکم دیا، اور یہ استکمال بالغیر ہے جو کہ علامت نقص ہے جو خدا کی شان رفیع کے خلاف ہے؟

جواب: اصل میں أَنْ يَعْبُدُوهُ تھا، اَنْ کو حذف کر کے لام لایا گیا ہے گویا اس طرح لام بمعنی اَنْ ہے۔

قَوْلٌ: دین القيمة۔ یہاں بھی ایک سوال ہے۔

سؤال: یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جو کہ اضافت الشئ الی نفسہ کے مترادف ہے اور وہ غیر مستحسن ہے تو اس کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: مفسر علام نے ألملة محذوف مان کر اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور ملت میں فرق اعتباری ہے لہذا اضافت الشئ الی نفسہ کا اعتراض لازم نہیں آتا۔

قَوْلٌ: خَالِدِينَ فِيهَا حَالٌ مُقَدَّرٌ اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سؤال: حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے یہاں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے کہ خالدين، اِنَّ کی خبر محذوف کی ضمیر سے حال ہے، اور وہ مشرکوں کے مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے جہنم میں خلود کا اعتقاد رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اعتقاد کا زمانہ دنیا ہے اور خلود کا زمانہ آخرت ہے؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کافروں کے خلود مقدر کا اعتقاد رکھتے ہیں، اعتقاد ہمارا کام ہے اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں ذالنا اللہ کا کام ہے، اور اللہ کے جانب سے تقدیر کا زمانہ اور اعتقاد کا زمانہ ایک ہے؛ لہذا اس میں کوئی حرج اور اشکال نہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

اس سورت کا نام بیئۃ قرار دیا گیا ہے، اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے اور بعض دوسرے حضرات اس کو مدنی قرار دیتے ہیں، اس سورت میں اندرونی کوئی ایسی شہادت نہیں۔ مگر کہ جو مدنی یا مکی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہو، ابن زبیر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عطا بن یسار رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے، ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور قتادہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دو قول ہیں ایک مکی ہونے کا اور دوسرا مدنی ہونے کا، ابو حیان بھی بحر محیط میں مکی ہونے ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

سورت کا مضمون اور موضوع:

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے ساتھ رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا؟ سب سے پہلے رسول بھیجنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین جس کفر کی حالت میں مبتلا تھے اس سے ان کا نکلنا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ ایک ایسا رسول بھیجا جائے کہ جس کا وجود خود اپنی رسالت پر دلیل ہو اور وہ خدا کی کتاب کو لوگوں کے روبرو اس کی اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے، جو باطل کی ان تمام آمیزشوں سے پاک ہو جن سے پچھلی آسمانی کتابوں کو آلودہ کر دیا گیا تھا۔

”اہل کتاب“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے ہوں، خواہ وہ کتاب ان کے پاس اصلی شکل میں باقی ہو یا محرف ہو چکی ہو، مثلاً یہود و نصاریٰ۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہود و نصاریٰ پر لازم تھا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لاتے مگر انکار کی وجہ سے کافر ہو گئے اور آیت میں مشرکین سے مراد عام ہے خواہ بت پرست ہوں یا آتش پرست، غرضیکہ اللہ کے علاوہ جو بھی کسی شئی کی پرستش کرتا ہو وہ کافر کا مصداق ہوگا۔

فیہا کتب قیمۃ یہاں کُتُب سے مراد احکام دینیہ ہیں اور قیمۃ سیدھے اور معتدل راستہ کو کہتے ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْخِ یہاں تفرق سے مراد انکار و اختلاف ہے، نزول قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے تمام اہل کتاب خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ اس بات پر متفق تھے کہ نبی آخر الزمان کا ابھی آنا باقی ہے؛ کیوں کہ ان کی آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اور آپ ﷺ کی مخصوص صفات کو واضح طور پر بیان کیا گیا تھا اور اہل کتاب آپ ﷺ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے، اور جب کبھی اہل کتاب اور

مشرکین کے درمیان نزاع ہوتا اور مشرک اپنی عددی طاقت میں زیادہ ہونے کی وجہ سے یہود پر غالب آ جاتے تو یہود آنحضرت ﷺ کے واسطے سے مشرکین پر فتح مندی کی دعاء کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو آنے والے نبی آخر الزمان کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرما دے، یا یہ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو؛ مگر عنقریب ایک ایسے رسول ﷺ آنے والے ہیں جو تم سب کو زیر کر دیں گے اور ہم چونکہ ان کے ساتھ ہوں گے تو ہماری فتح ہوگی، مگر جب وہ نبی ﷺ آ گیا اور آسمانی پیشین گوئی کے مطابق اہل کتاب نے ان کو پہچان لیا، تو حسد کی وجہ سے اس کا انکار کر بیٹھے، اور آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے مگر اکثر نے انکار کر دیا۔

﴿مَقَات﴾

سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثِي آيَاتٍ

سُورَةُ زُلْزَلَتْ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ آيَاتٍ

سورة زلزلت مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زُلْزَالَهَا ۝
 تُخْرِجُكُمُهَا الشَّدِيدُ الْمُنَاسِبَ لِعِظْمِهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ كُنُوزُهَا وَمَوَاتِنُهَا فَالْقَتُّهَا عَلَى ظَهْرِهَا
 وَقَالَ الْإِنْسَانُ الْكَافِرُ بِالْبُعْثِ مَا لَهَا ۝ أَنْكَارًا لِبَلَدِكَ الْحَالَةِ ۝ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ إِذَا وَجَوَابُهَا
 تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ تُخْبِرُ بِمَا عَمِلَ عَلَيْهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ بِأَنَّ بِسَبَبِ أَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا ۝ أَيْ أَمَرَهَا بِذَلِكَ
 وَفِي الْحَدِيثِ تَشْهَدُ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ وَامَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ
 مِنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ أَشْتَاتًا ۝ مُتَفَرِّقِينَ فَآخِذُ ذَاتِ الْيَمِينِ إِلَى الْجَنَّةِ وَآخِذُ ذَاتِ الشِّمَالِ إِلَى النَّارِ
 لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ أَيْ جَزَائِهَا مِنَ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ خَيْرًا تِيرَهُ ۝
 ثَوَابَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ جَزَاءَهُ ۝

۱۶۴

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب زمین پوری شدت سے قیام
 قیامت کے وقت ہلا دی جائے گی جو کہ اس کے عظیم ہونے کے مناسب ہوگی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ مثلاً اس کے
 خزانے اور اس کے مردے نکال دے گی اور ان کو اپنی ظاہری سطح پر ڈال دے گی، اور بعثت کا منکر انسان اس حالت کا انکار کرتے
 ہوئے کہے گا کہ اس کو کیا ہو رہا ہے؟ اس روز (یَوْمَئِذٍ) اِذَا سے بدل ہے اور (اِذَا) کا جواب تُحَدِّثُ اخبارها ہے، ان تمام
 حالات کو بیان کرے گی جو نیک و بد اعمال اس کے اوپر کئے گئے ہوں گے یہ اس وجہ سے ہوگا کہ تیرے رب نے اس کے لئے وحی
 بھیجی ہوگی یعنی اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین ہر بندے اور بندی کے خلاف ہر اس عمل کی
 گواہی دے گی جو اس پر کیا گیا ہوگا، اس روز لوگ موقف حساب سے متفرق حالت میں واپس ہوں گے، دائیں ہاتھ میں
 (اعمال نامہ) لینے والا جنت کی طرف لوٹے گا اور بائیں ہاتھ میں (اعمال نامہ) لینے والا جہنم کی طرف لوٹے گا تاکہ ان کے

اعمال یعنی ان کی جزاء کو، خواہ جنت سے ہو یا دوزخ سے ان کو دکھائے جائیں پھر جس نے ذرہ برابر یعنی چھوٹی چھوٹی کے برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی تو وہ اس کی جزاء بھی دیکھ لے گا۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، إِذَا ظَرْفٌ مُتَضَمِّنٌ بِمَعْنَى شَرْطٍ هُوَ، يَوْمَئِذٍ اس سے بدل ہے اور تُحَدِّثُ جواب شرط ہے اور جمہور کے نزدیک یہی ظرف کا ناصب ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ظرف کا عامل محذوف ہے اور وہ يُخْشَرُونَ ہے اور بعض نے اذْ تُكْرَمُ محذوف کو عامل مانا ہے؛ مگر اس صورت میں إِذَا ظَرْفِیت اور شرطیت سے خارج ہو جائے گا، تُحَدِّثُ متعدی بد و مفعول ہے مفعول اول محذوف ہے، اِی تَحْدِثُ النَّاسَ أَخْبَارَهَا، النَّاسَ مفعول اول ہے اور اخْبَارَهَا مفعول ثانی، زِلْزَالَهَا میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔

قَوْلٌ: كُنُوزَهَا وَمَوَاتِنَهَا مناسب، واؤ کے بجائے او تھا، اس لئے کہ ”اُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اِثْقَالَهَا“ کی تفسیر میں دو قول ہیں، یعنی ثقل سے مراد خزانے یا مردے ہیں اور دونوں بھی ہو سکتے ہیں تو ”واو“ بھی درست ہوگا۔

قَوْلٌ: انْكَارًا لِّتِلْكَ الْحَالَةِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ، تَعَجُّبًا لِّتِلْكَ الْحَالَةِ فرماتے، اس لئے کہ یہ وقت انکار کا نہ ہوگا بلکہ حیرت اور تعجب کا ہوگا۔

قَوْلٌ: يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ إِذَا، يَوْمَئِذٍ، إِذَا سے بدل ہے اور جو عامل مبدل منہ کا ہے وہی بدل کا ہے۔

قَوْلٌ: يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا، يَوْمَئِذٍ، اول يَوْمَئِذٍ سے بدل ہے اور بعض حضرات نے يَصْدُرُ کو عامل مانا ہے، اور أَشْتَاتًا، النَّاسُ سے حال ہے۔

قَوْلٌ: لِيُرَوِّا أَعْمَالَهُمْ، لِيُرَوِّا، يَصْدُرُ النَّاسُ سے متعلق ہے، اور رُؤْيِیت سے رُؤْيِیت بصری مراد ہے، باب افعال کے ہمزہ کی وجہ سے متعدی بد و مفعول ہے، اول مفعول لِيُرَوِّا کا واؤ ہے جو کہ نائب فاعل ہے اور دوسرا مفعول أَعْمَالَهُمْ ہے۔

قَوْلٌ: خَيْرًا يَهْمُ مِثَال سے تمیز ہے اور اسی طرح شَرًّا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے ابن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، عطاء رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، جابر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اور مجاہد رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کہتے ہیں کہ مکی ہے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا بھی ایک قول یہی ہے، قتادہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ مدنی ہے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا دوسرا قول اس کی تائید کرتا ہے۔

فضائل سورت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فَمَنْ يَعْمَلِ الْخَيْرَ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے، اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اِذَا زُلْزِلَتْ کو نصف قرآن اور قل هو اللہ کو ثلث قرآن اور قل یا ایہا الکافرون کو ربع قرآن فرمایا ہے۔ (ترمذی، بغوی)

زلزلہ سے کون سا زلزلہ مراد ہے؟

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر آیا ہے، یہ وہ زلزلہ ہے جو فتنہ اولیٰ سے پہلے دنیا میں واقع ہوگا جیسا کہ علامات قیامت میں اس زلزلہ کا ذکر آیا ہے؟ یا اس زلزلہ سے مراد فتنہ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ ہے؟ جب مُردے زندہ ہو کر زمین سے نکلیں گے؟ تو واضح رہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ زلزلے متعدد ہوں، مگر یہاں مابعد کے قرینہ سے دوسرا زلزلہ مراد معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ اسی سورت میں آگے احوال قیامت اور حساب و کتاب کا ذکر ہے۔ (معارف، مظہری)

زُلْزِلَتْ اِلَیْهَا، زُلْزِلَتْ الْاَرْضُ کی تاکید ہے، اس تاکید کا مقصد زلزلہ کی شدت کو بیان کرنا ہے، یعنی کرۂ ارض کے عظیم ہونے کی وجہ سے اس کا زلزلہ اور جھٹکا بھی اس کے شایان شان شدید ہوگا، اور یہ زلزلے پے درپے اور عام ہوں گے یعنی زمین کے کسی ایک حصہ میں نہیں بلکہ پوری زمین ہلا دی جائے گی۔

وَ اٰخَرَجَتْ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اسی مضمون کو سورہ انشقاق میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ”وَالْقَتَّ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ“ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی، اس کے متعدد مطلب ہیں: ایک یہ کہ مرے ہوئے انسان زمین کے اندر جہاں اور جس شکل میں بھی پڑے ہوں گے ان سب کو وہ نکال کر باہر پھینک دے گی، اس مفہوم پر بعد کا فقرہ یعنی ”وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا“ دلالت کر رہا ہے، یعنی انسانی منتشر اجزاء جمع ہو کر از سر نو اسی شکل و صورت میں جمع ہو جائیں گے، جس میں وہ دنیوی زندگی کی حالت میں تھے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ یہ کیسے کہیں گے کہ زمین کو یہ کیا ہو رہا ہے؟

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صرف مردہ انسانوں ہی کو باہر پھینکنے پر اکتفا نہ کرے گی؛ بلکہ ان کی پہلی زندگی کے افعال و اقوال، حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اس کی تہوں میں دبا پڑا ہے، ان سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی، اس مطلب پر بعد کا فقرہ ”يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اٰخْبَارَهَا“ دلالت کرتا ہے، کہ زمین اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی، اس ترقی یافتہ دور میں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زمین اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات کس طرح بیان کرے گی؟ آج علوم طبعی کے انکشافات اور ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ رکارڈر، اور الیکٹرانکس کی ایجادات کے اس دور میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ زمین اپنے حالات کیسے بیان کرے گی؟ انسان جو کچھ بولتا ہے اس کے نقوش ریڈیائی لہروں میں، ہوا اور فضا میں، اور درود یواروں پر نقش ہیں، انسان نے زمین پر جہاں جس حالت میں بھی کوئی کام کیا ہے اس کی ایک ایک

حرکت کا عکس، اس کے گرد و پیش کی تمام چیزوں پر پڑا ہے، اس کی تصویریں ان پر نقش ہو چکی ہیں، گھپ اندھیرے میں بھی اگر کوئی عمل کیا ہے تو خدا کی خدائی میں ایسی شعائیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا اجالا کوئی معنی نہیں رکھتا، آج جب کہ تاریکی میں دیکھنے والے چشمے ایجاد کئے جا چکے ہیں تو خدائی شعاعوں کے موجود ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک فلم کی شکل میں دکھائی جائیں گی۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی، ہیرے جواہر غرضیکہ ہر قسم کی دولت کے ڈھیر کے ڈھیر باہر نکال کر جمع کر دے گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کو بڑی چٹانوں کی شکل میں اگل دے گی، اس وقت ایک شخص جس نے مال کے لئے کسی کو قتل کیا تھا وہ دیکھ کر کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا، جس شخص نے اپنے رشتہ داروں سے مال کی وجہ سے قطع تعلق کیا تھا وہ کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے یہ حرکت کی تھی، چور جس کا ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹا گیا تھا اس کو دیکھ کر کہے گا کہ اس کے لئے میں نے اپنا ہاتھ گنوا یا تھا، اور پھر کوئی بھی اس سونے کی طرف التفات نہ کرے گا۔

(معارف، رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ)

﴿مَتَّ﴾

سُورَةُ الْعَدِيَّاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ عَشْرَةُ آيَةٍ

سُورَةُ الْعَدِيَّاتِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً.

سورہ عادیات مکی یا مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالْعَدِيَّاتِ الْخَيْلِ تَعْدُو فِي الْغَزْوِ وَتَضْبَحُ ضَبْحًا ۝ بُو
صَوْتُ أَخْوَافِهَا إِذَا عَدَتْ ۝ فَالْمُورِيَّتِ الْخَيْلِ تُورِي النَّارَ قَدْحًا ۝ بِخَوَافِزِهَا إِذَا سَارَتْ فِي الْأَرْضِ ذَاتِ
الْجِجَارَةِ بِاللَّيْلِ ۝ فَالْمُعِيرِ صَبْحًا ۝ الْخَيْلِ تُغِيرُ عَلَى الْعَدُوِّ وَقَتِ الصُّبْحِ بِاِغَارَةِ أَصْحَابِهَا ۝ فَاتَرْنَ سَبَّحْنَ بِهِ
بِمَكَانٍ عَدُوِّهِنَّ أَوْ بِذَلِكَ الْوَقْتِ نَقْعًا ۝ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرَكَتِهِنَّ ۝ فَوْسَطُنَ بِهِ بِالنَّقْعِ جَمْعًا ۝ بَيْنَ الْعَدُوِّ أَيْ
صِرْنٍ وَسَطَةٍ وَعَطْفُ الْفِعْلِ عَلَى الْإِسْمِ لِأَنَّهُ فِي تَأْوِيلِ الْفِعْلِ أَيْ وَاللَّاتِي عَدُوْنَ فَأَوْرَيْنَ فَأَعْرَنَ
إِنَّ الْإِنْسَانَ أَيْ الْكَافِرَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ لَسَكُفُورٌ يَجْعَدُ نِعْمَةً تَعَالَى ۝ وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ أَيْ كُنُودِهِ لَشَهِيدٌ ۝ يَشْهَدُ
عَلَى نَفْسِهِ بِضُغْبِهِ ۝ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ أَيْ الْمَالِ لَشَدِيدٌ ۝ أَيْ لَشَدِيدِ الْحُبِّ لَهُ فَيَبْخُلُ بِهِ
أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ أُثِيرٌ ۝ وَأُخْرِجَ مَأْفَى الْقُبُورِ ۝ بَيْنَ الْمَوْتَى أَيْ بُعْثُوا وَحُصِّلَ بَيْنَ وَأُفْرِزَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝
الْقُلُوبِ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ ۝ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ خَبِيرٌ ۝ لَعَالِمٌ فَيُجَازِيهِمْ عَلَى كُفْرِهِمْ أَعْيَدَ الضَّمِيرُ
جَمْعًا نَظَرًا لِمَعْنَى الْإِنْسَانِ وَبِهِدِ الْجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلَى مَفْعُولٍ يَعْلَمُ أَيْ إِنَّا نُجَازِيهِ وَقَتِ مَا ذَكَرَ وَتَعْلُقُ
خَبِيرٌ، بِنُومَيْذٍ وَهُوَ تَعَالَى خَبِيرٌ دَائِمًا لِأَنَّهُ يَوْمُ الْمُجَازَاةِ.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ان گھوڑوں کی جو جہاد میں
بھنکارتے ہوئے (ہانپتے ہوئے) دوڑتے ہیں، ضَبَحْ جوف (پیٹ) کی اس آواز کو کہتے ہیں جو دوڑتے وقت نکلتی ہے،
پھر ان گھوڑوں کی جو ٹاپوں سے چنگاریاں جھاڑتے ہیں پھر ان گھوڑوں کی جو صبح سویرے دشمن پر شب خون مارتے ہیں،
اپنے سوار کے شب خون مارنے سے پھر اس موقع پر یعنی اپنے دوڑنے کی جگہ یا اس وقت اپنی شدید حرکت کی وجہ سے غبار

اڑاتے ہیں پھر اسی غبار میں دشمن کے مجمع میں کھس جاتے ہیں یعنی ان کے وسط تک پہنچ جاتے ہیں، اور فعل کا عطف اسم پر اس لئے درست ہے کہ اسم فعل کی تاویل میں ہے، یعنی معنی میں وَاللَّاسِ عَدُوٌّ، فَأَوْرَيْنَ فَأَعْرَنَ کے ہے حقیقت یہ ہے کہ کافر انسان اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کر کے بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس اپنی ناشکری پر گواہ ہے کہ وہ اپنے عمل سے اپنے نفس پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے یعنی وہ مال سے بے حد محبت رکھنے والا ہے جس کی وجہ سے وہ اس (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتا ہے تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جب قبروں میں مدفون مردوں کو نکالا جائے گا؟ اور دلوں میں جو کفر و ایمان (مخفی) ہے اس کو برآمد کر لیا جائے گا، یعنی ظاہر اور عیاں کر دیا جائے گا، ان کا رب اس روز ان سے خوب باخبر ہوگا پھر ان کو ان کے کفر کی سزا دے گا، (ہُمْ) ضمیر کو انسان کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے اور یہ جملہ یَعْلَمُ کے مفعول پر دلالت کرتا ہے یعنی ہم انسان کو مذکورہ وقت میں جزاء دیں گے، اور خبیر کا تعلق یَوْمَئِذٍ سے ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ باخبر ہے اس لئے کہ وہ صلہ دینے کا دن ہے۔

تَحْقِیْقُ تَرْكِبِ تَسْهِيلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَالْعَدِیَّتِ، عَادِیَّةٌ کی جمع ہے تیز دوڑنے والیاں، یہ عَدُوٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی تجاوز کرنے اور تیز دوڑنے کے ہیں، واو کے ماقبل کسرہ ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل دیا ہے؛ چنانچہ عَدُوٌّ سے عادیات ہو گیا، جیسا کہ غَزُوٌّ سے غازیات۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: ضَبْحًا (ف) یہ ضَبَحَ یَضْبَحُ کا مصدر ہے، گھوڑوں کے دوڑنے کے وقت ہانپنا، پھنکار مارنا، مفسر علام کا ضَبْحًا سے پہلے تَضْبِحُ کا اضافہ کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ ضَبْحًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: الْمُؤْرِیَاتِ، مُؤْرِیَّةٌ سے اسم فاعل جمع مؤنث ہے، یہ اِیْرَاءُ سے مشتق ہے، آگ روشن کرنے والے، اِیْرَاءُ (افعال) آگ نکالنا، مراد وہ گھوڑے ہیں جو پتھر لی زمین پر چلتے ہیں، تو ان کی ٹاپوں کی رگڑ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

قَوْلًا: قَذَحًا (ف) قَذَحَ کا مصدر ہے، پتھر پر پتھر مار کر آگ نکالنا، قَذَحَ الزُّنْدُ چقماق رگڑ کر آگ نکالی، قَذَحًا بھی ضَبْحًا کی طرح فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اِیْ یَقْذَحُ قَذَحًا۔

قَوْلًا: فَالْمُغِیْرَاتِ ضَبْحًا صبح کے وقت شب خون مارنے والے، غارت گری کرنے والے وبالفارسیہ، پس قسم بآسان غارت کنندہ بوقت صبح، الْمُغِیْرَاتِ اسم فاعل جمع مؤنث، واحد المغیره، مصدر اغارة، لوٹنا، چھاپہ مارنا، مراد چھاپہ مار دیتے ہیں۔

قَوْلًا: فَالَّذِیْنَ (ض ن) ماضی صیغہ جمع مؤنث غائب، یہ اِثَارَةٌ سے ہے، بمعنی براہِ میخنتہ کرنا، اڑانا۔

قَوْلًا: فَوَسَطْنَ بِهِ، بِہِ اِیْ ذَالِکَ الْوَقْتُ۔

سُؤَال: فَأَتَرْنَ اور فَوْسَطْنَ کا عطف وَالْعَدِيتِ، فالمُغِيرَاتِ پر ہے، اس میں معطوف علیہ اسماء ہیں اور معطوف افعال ہیں جو درست نہیں ہے؟

جَوَاب: ما قبل میں مذکور تینوں اسماء تاویل میں افعال کے ہیں، اس لئے کہ موصول کا صلہ واقع ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے وَاللّٰتِیْ عَدَوْنَ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، وَالْعَدِيتِ معنی میں اللّٰتِیْ عَدَوْنَ کے ہیں، هٰکِذَا الْمُغِيرَاتِ اور فالمُغِيرَاتِ۔

قَوْلًا: وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلَى مَفْعُولٍ يَعْلَمُ اس جملہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ يَعْلَمُ فعل متعدی ہے جس کے لئے مفعول کا ہونا ضروری ہے؛ مگر یہاں اس کا مفعول نہیں ہے؟

جَوَاب: يَعْلَمُ کا مفعول محذوف ہے اور حذف پر جملہ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ دلالت کر رہا ہے، اور مفعول محذوف اَنَا نَجَازِيْہِ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعِثَ مَا فِی الْقُبُورِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُورِ اَنَا نَجَازِيْہِ۔

قَوْلًا: حُصِّلَ یہ تحصیل سے ہے جس کے معنی چھلکے سے مغز یا خوشے سے غلہ نکالنے کے ہیں۔

قَوْلًا: تَعْلُقُ خَبِيرٌ بِیَوْمَئِذٍ یہ ایک سوال مقدار کا جواب ہے؟

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ کیوں کہا جب کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان و مکان سے باخبر ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز ہر شخص کو اس کے ہر عمل کی جزا دیں گے اور ظاہر ہے کہ جزا علم کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ کے عمومی علم کی نفی نہیں ہوتی۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

اس سورت میں پانچ صفات کی قسم کھا کر ایک بات کہی گئی ہے اور وہ ہے (اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُودٌ) بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے، مذکورہ پانچ صفات کا قرآن مجید میں موصوف بیان نہیں کیا گیا؛ اس لئے مقسم بہ میں مفسرین کا اختلاف ہوا ہے کہ دوڑنے والوں اور آگ جھاڑنے والوں، شب خون مارنے والوں، غبار اڑانے والوں اور جمع میں داخل ہونے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مذکورہ صفات کے موصوفات گھوڑے ہیں، اور ایک دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اونٹ مراد ہیں، مگر دوڑتے ہوئے ایک خاص قسم کی آواز نکالنا جس کو عربی میں ضَبْحُ کہتے ہیں وہ گھوڑا ہی نکالتا ہے، اور بعد کی آیات بھی جن میں چنگاریاں جھاڑنے، صبح سویرے چھاپہ مارنے کا ذکر ہے یہ بات بھی گھوڑوں ہی پر صادق آتی ہے؛ اس لئے اکثر محققین نے ان سے مراد گھوڑے ہی لئے ہیں، ابن جریر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں قولوں میں گھوڑوں والا قول قابل ترجیح ہے۔

یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے، تشریح اس کی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور بالخصوص جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں

ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات، انسان کے حکم و اشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں؛ حالاں کہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، ان کو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا ایک واسطہ ہے، اب گھوڑوں کو دیکھئے کہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے، اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو کہ ایک حقیر قطرہ سے اللہ نے اس کو پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی صلاحیت بخشی، عقل و شعور بخشا، نیز اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، مگر انسان ان احسانات کا شکر گزار نہیں ہوتا، اسی مناسبت سے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ انسان ناشکرا ہے۔

مذکورہ آیت میں جہادی گھوڑوں کی قسم کھا کر دو باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ انسان ناشکرا ہے، مصیبتوں اور تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے، نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے، یہ دونوں باتیں شرعاً اور عقلاً مذموم ہیں، ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے، مال کی محبت کو بھی مذموم قرار دیا گیا ہے؛ حالانکہ مال پر انسانی بہت سی ضروریات کا مدار ہے، بہت سی عبادات کا تعلق مال ہی سے ہے، مال کے کسب اور اکتساب کو شریعت نے نہ صرف یہ کہ حلال کیا ہے؛ بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مال کی محبت مذموم نہیں ہے؛ بلکہ شدت کے وصف کے ساتھ مذموم ہے کہ انسان مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے اور حلال و حرام کی پروا نہ رہے، حاصل یہ ہوا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اس سے کام لینا تو امر محمود ہے؛ مگر دل میں اس کی محبت کا جاگزیں ہو جانا مذموم ہے۔

﴿مَتَّ﴾

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ عَشْرَةِ آيَةٍ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ.

سورۃ القارعہ مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۱ الْقَارِعَةُ ۲ أَيُّ الْقِيَامَةِ الَّتِي تَقْرَعُ الْقُلُوبَ بِأَهْوَالِهَا
مَا الْقَارِعَةُ ۳ تَهْوِيلٌ لِشَانِهَا وَبُهَا مُبْتَدَأٌ وَخَبْرٌ خَيْرِ الْقَارِعَةِ وَمَا آذْرُكَ ۴ أَعْلَمَكَ مَا الْقَارِعَةُ ۵ زِيَادَةُ
تَهْوِيلٍ لَهَا وَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدُهَا خَبْرٌ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبْرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لَا ذَرَى يَوْمَ
نَاصِبُهُ دَلٌّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ أَيُّ تَقْرَعُ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۶ كَغَوَاةِ الْجَرَادِ الْمُنْتَشِرِ يَمُوجُ بَعْضُهُمْ
فِي بَعْضٍ لِلْخَيْرَةِ إِلَى أَنْ يُدْعَوْا لِلْحِسَابِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۷ كَالصَّوْفِ الْمُنْدَوَّفِ فِي خِفَّةٍ
سِيرِبًا حَتَّى تَسْتَوِيَ مَعَ الْأَرْضِ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۸ بِأَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ
فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۹ فِي الْجَنَّةِ أَيُّ ذَاتِ رِضَا بِأَنْ يُرْضَاهَا أَيُّ مَرْضِيَّةٍ لَهُ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۱۰ بِأَنْ
رَجَحَتْ سَيِّئَاتُهُ عَلَى حَسَنَاتِهِ فَأَمَّهُ فَمَسْكَنُهُ هَاطِيَةٌ ۱۱ وَمَا آذْرُكَ مَا هِيَةٌ ۱۲ أَيُّ مَا يَهَاوِيهِ هِيَ نَارُ حَامِيَةٍ ۱۳
شَدِيدَةُ الْحَرَارَةِ وَبَاءَ هِيَةٌ لِلْسَّكَنِ تَثْبُتُ وَضَلًا وَوَقْفًا وَفِي قِرَاءَةِ تُخَذَفُ وَضَلًا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ کھڑکھڑانے والی یعنی قیامت جو کہ
دلوں کو اپنی ہولناکی سے کھڑکھڑا دے گی کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی؟ (یہ استفہام) قیامت کی ہولناکی کی شان کو بیان کرنے
کے لئے ہے، (مَا الْقَارِعَةُ) مبتداء خبر ہیں، اور مبتداء خبر سے مل کر الْقَارِعَةُ کی خبر ہے اور تم کیا جانو کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا
ہے؟ یہ قیامت کی مزید ہولناکی کا بیان ہے، (مَا آذْرُكَ مَا الْقَارِعَةُ) میں (پہلا مَا مبتداء ہے اور اس کا ما بعد یعنی آذْرُكَ اپنے
دونوں مفعولوں سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، ادری کا مفعول اول ك ہے اور مَا الْقَارِعَةُ مبتداء خبر سے مل کر مفعول ثانی ہے،
جس دن انسان پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے یَوْمَ کا ناصب وہ ہے جس پر الْقَارِعَةُ دلالت کرتا ہے یعنی تَقْرَعُ،

یعنی مٹی کے منتشر بچے جو حیرانی کی وجہ سے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں، یہاں تک کہ وہ حساب کے لئے بلائے جائیں، اور پہاڑ دھنی ہوئی رملیں اون کے مانند ہوں گے یعنی تیز رفتاری میں دھنی ہوئی اون کے مانند ہوں گے؛ یہاں تک کہ زمین کے ہم سطح ہو جائیں گے، پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے بایں طور کہ اس کی حسنت زیادہ ہوں گی بہ نسبت سیئات کے تو وہ ہنسی خوشی کی زندگی میں ہوں گے، رضا و خوشنودی کی جنت میں، بایں طور کہ وہ اس سے خوش ہوں گے یعنی اس کی رضا کے مطابق ہوں گی، اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے بایں طور کہ اس کی سیئات زیادہ ہوں گی بہ نسبت اس کی حسنت کے، تو اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا، تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ یعنی ہاویہ کیا ہے؟ وہ نہایت سخت گرم آگ ہے، اور ہیئہ کی ہا وقف کے لئے ہے جو کہ وقفاً اور وصلاً باقی رہتی ہے اور ایک قراءت میں وصلاً حذف کر دی جاتی ہے۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: مَا الْقَارِعَةُ زِيَادَةُ تَهْوِيل لَهَا، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ استفہام بعد الاستفہام سے قیامت کی زیادتی ہولنا کی کو بیان کرنا ہے اور مَا الْأُولَى مَبْتَدَا الْخ کے اضافہ کا مقصد الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ کی ترکیب نحوی بیان کرنا ہے، ترکیب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مَا مَبْتَدَا ہے، اَذْرَى فَعْل ماضی متعدی بدو مفعول ہے، كَ مفعول اول ہے اور مَا الْقَارِعَةُ مَبْتَدَا خبر سے مل کر اَذْرَى کا مفعول ثانی ہے، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر مَا مَبْتَدَا کی خبر ہے۔

قَوْلًا: يَوْمَ نَاصِبِهِ الْخ، يَوْمَ کا ناصب تَقَرُّعُ فَعْل محذوف ہے؛ جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر کے بتا دیا ہے، اور لفظ الْقَارِعَةُ اس حذف پر دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، تَقَرُّعُ الْقُلُوبِ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ، يَوْمَ کا ناصب يَقَرُّعُ محذوف ماننے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ يَوْمَ میں نہ تو الْقَارِعَةُ اول عامل ہو سکتا ہے اور نہ ثانی اور ثالث، اول تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ عامل و معمول کے درمیان خبر کا فصل لازم آتا ہے، اور ثانی و ثالث اس لئے نہیں ہو سکتا کہ يَوْمَ کا معنی کے اعتبار سے ان سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔

قَوْلًا: الْفَرَاشِ، یہ فَرَاشَةُ کی جمع ہے پروانے کو کہتے ہیں یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی صفت المَبْثُوثِ لائی گئی ہے، صاحب جلالین نے الْفَرَاشِ کا ترجمہ غَوَّاءُ الْجَرَادِ سے کیا ہے، غَوَّاءُ مٹی کے اس بچہ کو کہتے ہیں، جو اڑنے کے قابل ہو گیا ہو۔

قَوْلًا: الْمُنْتَشِرِ بمعنی پراگندہ، بے ترتیب، قیامت کے روز حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے انسان پراگندہ اور بے ترتیب چلیں گے، اسی حیرانی اور پریشانی کو ظاہر کرنے کے لئے انسانوں کو جرادِ منتشر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

قَوْلًا: الْمَنْفُوشِ یہ نَفْشُ (ض س ن) سے اسم مفعول ہے بمعنی ڈھنسا ہوا۔

قَوْلًا: ذَاتِ رَضًا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ راضیہ بمعنی مرضیہ ہے، علم معانی کی زبان میں اس کو

اسناد مجازی کہتے ہیں، ای عیشۃ مرضیۃ اس لئے کہ عیش راضی یعنی پسند کرنے والا نہیں ہوتا؛ بلکہ مرضیۃ یعنی پسندیدہ ہوتا ہے۔

قَوْلُہَا: اِی مَا هَاوِیَہِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد مَہِیۃ کا مرجع متعین کرنا ہے۔

قَوْلُہَا: فَمَسْکَنُہُ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُم سے مراد بطور تشبیہ مسکن اور ٹھکانہ ہے اس لئے کہ (ماں) بچے کے لئے ٹھکانہ ہوتی ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحُ

الْقَارِعَةُ یہ قیامت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ہے، قیامت کے متعدد نام ماقبل میں گذر چکے ہیں، مثلاً الْحَاقَّةُ، الطَّامَّةُ، الصَّاخَّةُ، الْغَاشِیَةُ، السَّاعَةُ، الْوَاقِعَةُ وغیرہ، یہاں الْقَارِعَةُ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے اصلی معنی کھڑانے والی، ٹھونکنے والی کے ہیں، اس لغوی معنی کے اعتبار سے قَارِعَةُ کے معنی کسی ہولناک حادثے یا کسی بڑی بھاری آفت کے بھی لئے جاسکتے ہیں، مثلاً عرب بولتے ہیں: "قَرَعَتِ الْقَارِعَةُ" یعنی فلاں قوم یا قبیلہ پر سخت آفت آگئی، لیکن یہاں الْقَارِعَةُ کا لفظ قیامت کے لئے استعمال ہوا ہے، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہاں قیامت کے پہلے مرحلے سے لے کر عذاب و ثواب کے آخری مرحلے یعنی پورے عالم آخرت کا ذکر ہے۔

الْقَارِعَةُ سے كَالْعِہْنِ الْمَنْفُوشِ تک پہلے مرحلے کا ذکر ہے یعنی جب وہ حادثہ عظیمہ برپا ہوگا جس کے نتیجے میں دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس وقت لوگ گھبراہٹ کی حالت میں اس طرح بھاگے بھاگے پھریں گے جیسے روشنی پر پروانے ہر طرف پراگندہ و منتشر ہوتے ہیں، اور پہاڑ رنگ برنگ کی دھنی ہوئی اون کے مانند اس لئے ہوں گے کہ خود پہاڑ مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلے کا ذکر ہے کہ جب دوبارہ زندہ ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کے عدالت میں پیش ہوں گے۔

وزن اعمال کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں بروز قیامت وزن اعمال کا مسئلہ بہت سی آیات میں مختلف عنوانوں سے آیا ہے اور روایات حدیث میں اس کی تفصیلات بے شمار ہیں، وزن اعمال کے متعلق جو تفصیلی بیان آپ ﷺ کی احادیث میں آیا ہے، اس میں ایک بار تویہ قابل غور ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ محشر کی میزان عدل میں سب سے بھاری وزن کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" محمد رسول اللہ کا ہوگا۔

ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محشر میں میری امت کا ایک آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے اعمال نامے لائے جائیں گے اور ان میں سے ہر اعمال نامہ اتنا طویل ہوگا جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی، اور یہ اعمال نامے برائیوں سے لبریز ہوں گے، اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ ان نامہائے اعمال میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے یا نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کچھ ظلم کیا ہے؟ اور خلاف واقعہ کوئی بات لکھ دی ہے؟ وہ اقرار کرے گا کہ اے میرے پروردگار! جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے، اور وہ گھبرائے گا کہ میری نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، ان تمام گناہوں کے مقابلہ میں تمہاری ایک نیکی کا پرچہ بھی ہمارے پاس موجود ہے جس میں تمہارا کلمہ ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبده ورسوله“ لکھا ہوا ہے، وہ عرض کرے گا، اے پروردگار! اتنے بڑے سیاہ نامہ اعمال کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا وزن رکھے گا، اس وقت ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا اور ایک پلہ میں وہ تمام سیاہ نامہ اعمال رکھے جائیں گے اور دوسرے میں یہ کلمہ یا ایمان کا پرچہ رکھا جائے گا تو اس کلمہ کا پرچہ بھاری ہو جائے گا، اس واقعہ کو بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔

(معارف، مظہری)

مسند بزار، مسند حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت نوح کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کی وصیت کرتا ہوں؛ کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلہ بھاری ہو جائے گا، اسی مضمون کی روایتیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہم سے معتبر سندوں کے ساتھ منقول ہیں۔

(مظہری)

ان روایات کا مقتضی تو یہ ہے کہ مؤمن کی نیکیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری ہی رہے گا خواہ کتنے ہی گناہ کر لے، لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات اور بہت سی روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کی حسنات سینات کو تولا جائے گا، کسی کی حسنات کا پلہ بھاری ہوگا اور کسی کی سینات کا، جس کی حسنات کا پلہ بھاری رہے گا وہ نجات پائے گا، اور جس کی سینات کا پلہ بھاری رہے گا اسے جہنم رسید کیا جائے گا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ.

ترجمہ: یعنی ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اس لئے کسی شخص پر ظلم نہیں ہوگا، جو بھلائی یا برائی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی نے کی ہوگی وہ سب میزان عمل میں رکھی جائے گی اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔

دوسری آیت: یہی سورہ قارعہ کی ہے:

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ. وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ.

ترجمہ: یعنی جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ عمدہ عیش میں رہے گا اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا مقام دوزخ ہوگا۔

ابوداؤد میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے کہ اگر کسی بندہ کے فرائض میں کوئی کمی پائی جائے گی تو رب العالمین کا ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں؟ اگر نوافل موجود ہیں تو فرائض کی کمی کو نفلوں سے پورا کر دیا جائے۔ (مظہری)

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کا پلہ کبھی بھاری اور کبھی ہلکا ہوگا، اس لئے بعض علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا جس کے ذریعہ مؤمن، کافر میں امتیاز ہوگا، پھر دوسرا وزن نیک و بد اعمال کا ہوگا، اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں اور کسی کی بدیاں بھاری ہوں گی، اور اسی کے مطابق اس کو جزاء و سزا ملے گی، اس طرح تمام آیات اور روایات کا مضمون اپنی جگہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے۔ (بیان القرآن)

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے اعمال کا وزن دو مرتبہ ہوگا اس سورت میں بظاہر وہ پہلا وزن مراد ہے جس میں ہر مؤمن کا ایمان کی وجہ سے پلہ بھاری رہے گا خواہ اس کا عمل کیسا بھی ہو، نیز مذکورہ آیات اور روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال تو لے جائیں گے، گنے نہیں جائیں گے اور عمل کا وزن بقدر اخلاص ہوگا۔

اب رہا یہ شبہ کہ اعمال تو اعراض ہوتے ہیں اور کرنے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں، پھر ان کے وزن کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ وزن تو جو ہر کا ہوتا ہے نہ کہ عرض کا تو اس ترقی یافتہ دور میں اس شبہ کے کوئی معنی نہیں ہیں، سائنسی نئی نئی ایجادات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اعراض فنا نہیں ہوتے؛ بلکہ جو ہر کی طرح باقی رہتے ہیں نیز اعراض کو تو لے اور ناپنے کے مختلف آلات ایجاد کر لئے گئے ہیں، جن کا رات دن مشاہدہ ہوتا ہے، گرمی سردی ناپنے کے آلے، گیس اور بجلی ناپنے کے میٹر، تو یہ بات خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ ایسے آلے ایجاد فرمادے جن سے اعمال و اقوال کا وزن کیا جاسکے۔

﴿مَتَّ﴾

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي آيَاتٌ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

سورہ تکوین کی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلْهَمَكُمْ شَغْلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللَّهِ التَّكْوِيْنِ ۝ التَّفَاخُرُ
بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَالرِّجَالِ ۝ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ بَانَ يُتَمُّ فَدُفِنْتُمْ فِيهَا أَوْ عَدَدْتُمْ الْمَوْتَى تَكَاثُرًا كَلَّا
رَدْعٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ سُوءَ عَاقِبَةٍ تَفَاخُرْ كُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِي الْقَبْرِ كَلَّا حَقًّا
لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ أَيْ عِلْمًا يَقِينًا عَاقِبَةُ التَّفَاخُرِ مَا اشْتَغَلْتُمْ بِهِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ النَّارَ جَوَابُ قَسَمِ
مَحْذُوفٍ وَحُذِفَ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهُ وَالْقِيَّ حَرَكْتُهَا عَلَى الرَّاءِ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا تَاكِيدٌ عَيْنَ الْيَقِينِ ۝
مَضِدْرٍ لِأَنَّ رَأْيَ وَعَايِنَ بِمَعْنَى وَاحِدٍ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّونَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيرِ
الْجَمْعِ لِإِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ يَوْمَ رُؤْيَيْهَا عَنْ النَّعِيمِ ۝ مَا يُلْتَذُّ بِهِ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ
وَالْأَمْنِ وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَغَيْرِ ذَلِكَ.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، مال و اولاد اور افرادِ رجال کی کثرت پر

فخرِ مہابت نے تم کو اللہ کی طاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم لبِ گور پہنچ گئے باس طور کہ تم مر گئے اور قبروں میں تم دفن کر
دیئے گئے یا کثرت ثابت کرنے کے لئے مردوں کو بھی تم نے شمار کر لیا، ہرگز نہیں، یہ حرفِ ردع ہے عنقریب تم کو معلوم ہو جائے
گا، پھر ہرگز نہیں تم کو اپنے تفاخر کا انجام بد نزاع کے وقت پھر قبر میں عنقریب معلوم ہو جائے گا، یہ امر واقعہ ہے اگر تم تفاخر کے
انجام کو علم یقینی کے طور پر جان لیتے، تو تم اس میں مشغول نہ ہوتے، تو تم بے شک جہنم کو دیکھ کر رہو گے یہ قسم محذوف کا جواب ہے
(لَتَرَوُنَّ) سے لام (جو کہ یاء ہے) اور عین کلمہ (جو کہ ہمزہ ہے) حذف کر دیا گیا اور ہمزہ کی حرکت راء کو دے دی گئی، اور پھر
تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے (عَيْنَ) لَتَرَوُنَّ کا مصدر (بغیر لفظہ) ہے اس لئے کہ راء اور عین ایک ہی معنی میں ہے

(عَيْنُ رُوْيَةٍ کے معنی میں ہے) پھر اس کو دیکھنے کے دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا وہ نعمتیں کہ جن سے تم دنیا میں لذت اندوز ہوتے ہو جو کہ صحت، فارغ البالی، امن اور ماکولات و مشروبات وغیرہ ہیں، (لَتُسْأَلُنَّ) سے نون رفع (تین) نونوں کے مسلسل آنے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور ضمیر جمع کا واؤ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اَلْهَكْمُ، اِلْهَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، تم کو غافل کر دیا۔

قَوْلٌ: تَكَاتُرٌ (تفاعل) کا مصدر ہے، مال و اولاد، نیز عزت و جاہ کی کثرت میں ایک دوسرے پر فخر کرنا۔

قَوْلٌ: اَوْعَدْتُمْ يَهْ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کی دوسری تفسیر ہے۔

قَوْلٌ: عَاقِبَةُ التَّفَاخُرِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تَعْلَمُونَ کا مفعول محذوف ہے اور وہ عاقبۃ التفاخر ہے۔

قَوْلٌ: مَا اَشْغَلْتُمْ بِهِ يَه لَوْ کا جواب ہے۔

قَوْلٌ: جَوَابٌ قِسْمٍ مَحذُوفٍ لِّعَنِ لَتَرَوْنَّ الْجَحِيْمَ یہ قسم محذوف کا جواب ہے، اِی وَاللّٰہ لَتَرَوْنَّ الْجَحِيْمَ۔

سُؤَالٌ: لَتَرَوْنَّ کو لَوْ کا جواب قرار دینے میں کیا قباحت ہے کہ اس کا جواب محذوف مانا؟

جَوَابٌ: لَوْ کا جواب غیر یقینی الوقوع ہوتا ہے اور یہ یقینی الوقوع ہے؛ لہذا یہ لَوْ کا جواب نہیں ہو سکتا۔

قَوْلٌ: حُذِفَ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهُ وَالْقَيَّ حَرَكَتُهَا عَلَى الرَّاءِ، لَتَرَوْنَّ اصل میں لَتَرَأْيُونَّ بروزن لَتَفْعَلُونَ تھا،

لام کلمہ جو کہ یاء ہے اور عین کلمہ جو کہ ہمزہ ہے حذف کر دیئے گئے، یاء التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گئی، اس لئے کہ یاء

متحرک ماقبل اس کے ہمزہ مفتوح یاء الف سے بدل گئی، واؤ اور یاء کے ساکن ہونے کی وجہ سے یاء حذف ہو گئی، پھر ہمزہ

(جو کہ عین کلمہ ہے) کی حرکت داء (جو کہ فاکلمہ ہے) کو دیدی اور ہمزہ حذف ہو گیا، پھر اس پر نون تاکید مشدد داخل کر دیا اور

نون رفع تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا اور واؤ کو اس کی مناسبت سے ضمہ دے دیا۔

سُؤَالٌ: واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کیوں نہیں کیا؟

جَوَابٌ: اس لئے کہ اگر واؤ ضمیر کو حذف کر دیتے تو فعل ہی مختل (نیست) ہو جاتا، اس لئے کہ عین کلمہ اور لام کلمہ تو پہلے ہی

حذف کئے جا چکے ہیں، اب اگر واؤ کو بھی حذف کر دیا جاتا تو باقی کیا رہ جاتا؟ اس لئے واؤ کو حذف نہیں کیا گیا۔

قَوْلٌ: ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ نعمتوں کے بارے میں یہ سوال عام ہے، مومن اور کافر دونوں سے سوال ہوگا، کافر سے تو بیخ کے طور پر اور

مومن سے تشریف اور اظہار فضیلت کے طور پر۔

قَوْلًا: حُذِفَ مِنْهُ الْخُ تُسَلُّنَ کی اصل تُسَلُّوْنَ تھی، نون اعرابی تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا اور واؤ کی جگہ بطور دلالت ضمہ رہ گیا۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحِ

سورہ تکاثر کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایک ہزار آیتیں روزانہ نہیں پڑھ سکتا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی الہاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتا؟ مطلب یہ کہ الہاکم التکاثر روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتیں پڑھنے کے برابر ہے۔

(مظہری، معارف)

الْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ، الْهٰكُمُ، لَهْوٌ سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی غفلت کے ہیں؛ لیکن عربی محاورہ میں اس شغل کے لئے بولا جاتا ہے، جس سے آدمی کی دلچسپی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس میں منہمک ہو کر دوسرے اہم ترین کاموں سے غافل ہو جائے، تکاثر یہ کثرت سے ماخوذ ہے اور اس کے تین معنی ہیں: ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش کرے، دوسرے یہ کہ لوگ مال حاصل کرنے اور جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں کثرت مال و اولاد میں تفاخر کریں، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی تفسیر ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے الْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ پڑھ کر فرمایا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ مال ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کو ادا نہ کیا جائے۔ (قرطبی)

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم زندگی بھر تکاثر و تفاخر کے شغل میں مشغول رہے جس کی وجہ سے آخرت کی فکر اور اس کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا، حتیٰ کہ تمہاری موت کا وقت آ گیا، اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے تفاخر کے طور پر اپنی کثرت کو ثابت کرنے کے لئے زندوں کو شمار کرتے کرتے مردوں کو بھی شمار کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے قبرستان میں جا کر قبروں کو بھی شمار کر ڈالا جو کہ ایک نہایت احمقانہ حرکت ہے۔

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن، صحت، مال، دولت، اولاد وغیرہ، بعض حضرات نے کہا کہ یہ سوال کافروں سے ہوگا؛ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ سوال مومن و کافر ہر ایک سے ہوگا اس لئے کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں ہے۔



سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

سُورَةُ وَالْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ.

سورہ عصر کی یاد دہانی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَالْعَصْرِ ۝ الَّذِي وَمَا بَعْدَ الزَّوَالِ إِلَى الْغُرُوبِ ۝ أَوْ صَلَاةُ الْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَ خَاسِرٌ ۝ فِی تِجَارَتِهِ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَيْسُوا فِي خُسْرَانٍ ۝ وَتَوَاصَوْا أَوْصَى بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ بِالْحَقِّ ۝ أَيْ الْإِيمَانِ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمانہ کی یا مابعد الزوال سے غروب تک کے زمانہ یا عصر کی نماز کی قسم بلاشبہ انسان اپنی تجارت میں بڑے خسارے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی یعنی ایمان کی نصیحت اور طاعت پر صبر اور معصیت سے اجتناب کی تلقین کرتے رہے، خسارے میں نہیں ہیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

مفسر علام نے الذَّهْر، او مابعد الزوال، او صلوة العصر، کہہ کر عصر کی تین تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے اور الانسان کے بعد لفظ جنس کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ الانسان میں الف لام جنس کا ہے اور اس کی تائید إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا کے استثناء سے بھی ہوتی ہے، اور بعض مفسرین نے الف لام کو عہد کا لیا ہے، اور معین افراد مراد لئے ہیں، بعض نے ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن المطلب اور بعض نے ابولہب مراد لیا ہے۔

سُؤَالٌ: تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں فعل کی تکرار سے کیا فائدہ ہے، عطف سے بھی کام چل سکتا تھا؟

جَوَابٌ: دونوں جگہ چونکہ مفعول مختلف ہیں؛ اس لئے فعل کو تکرار کر دیا ہے۔

سُؤَال: تَوَاصِي بِالْحَقِّ تَمَام تَوَاصِي بِالْخَيْرِ كُوْشَل هِي تُوْپَر تَوَاصِي بِالصَّبْرِ كُوْیُوْں مُسْتَقْلَا ذَكْر فرمایا؟

جَوَاب: تَوَاصِي بِالصَّبْرِ كِي اَهِمِیْتُ كُو ظَاہِر كَرْنِ كِ لَئِ مُسْتَقْلَا ذَكْر فرمایا اور یہ ذَكْر خَاص بَعْد الْعَام كِ قَبْل سِے ہِے جِیسا كِه مَافِظُوا عَلٰی الصَّلٰوَاتِ وَ الصَّلٰوَةُ الْوَسْطٰی مِیں ہِے۔

تَفْسِيرُ وَ تَشْرِیْحُ

سورة العصر کی فضیلت:

حضرت عبید اللہ بن حصن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ کے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ مِیں دو مُخْصِ ایسے تھے کہ جب وہ آپس مِیں ملتے تھے تو اس وقت تک جِد اُنہیں ہوتے تھے جب تک کہ ایک دوسرے کو سورۃ والعصر نہ مَالِیں۔ (طبرانی) اور امام شافعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی سورت مِیں تَدْبِر کر لیتے تو یہی ان کے لَئِ کافی تھی۔ (ابن کثیر، معارف) یہ سورت جَامِع اور مُخْتَصَر کَلَام کا ایک بے نظیر نمونہ ہِے اس کے اندر چن د جچے تلے مَافِظ مِیں مَعْنٰی كِي ایک دُنیا بھردی گئی ہِے۔

اس سورت مِیں حَقِّ تَعَالٰی نے زَمَانہ كِي قِسْم کھا کر فرمایا کہ نُوْع انسان بڑے خَسَارے مِیں ہِے اور اس خَسَارے سے تَنْثَنی صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں پر عامل ہیں: ① اِیْمَان ② عَمَل صَالِح ③ دُوسروں کو حَقِّ كِي نصیحت ④ اور صبر كِي تلقین، دین و دنیا کے خَسَارے سے بچنے اور نَفْع عَظِیْم حاصل كَرْنِ کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہِے، جن مِیں پہلے دو اجزاء اپنی ذات كِي اصلاح کے متعلق ہیں، اور دوسرے دو جز دُوسروں كِي ہدایت و اصلاح سے مُخْلَق ہیں۔

ورت کے مضمون کے ساتھ زمانہ کی مناسبت:

یہاں یہ بات غور طلب ہِے کہ اس مضمون کے ساتھ زمانہ كِي کیا مناسبت ہِے جس كِي قِسْم کھا گئی ہِے کیونکہ قِسْم اور اب قِسْم مِیں باہم مناسبت ضروری ہوتی ہِے، تو یہ بات پہلے بھی بارہا گذر چکی ہِے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات مِیں سے سی چیز كِي قِسْم محض اس كِي عظمت یا اس کے کمالات و عَجَائِب كِي بنا پر نہیں کھائی ہِے؛ بَلْکہ اس بنا پر کھائی ہِے کہ وہ اس بات دِلالت کرتی ہِے جسے ثابت كَرنا مقصود ہِے، لہٰذا زَمَانہ كِي قِسْم کا مطلب یہ ہِے کہ زَمَانہ اس حقیقت پر گواہ ہِے کہ انسان بے خَسَارے مِیں ہِے، سوائے ان لوگوں کے جن مِیں یہ چار صفات پائی جائیں، زَمَانہ کا لفظ، ماضی، حال، مستقبل

تینوں زمانوں پر بولا جاتا ہے، حال کسی لمبے زمانہ کا نام نہیں ہے؛ بلکہ حال، ہر آن گذر کر ماضی بنتا چلا جاتا ہے اور ہر آن، آکر مستقبل کو حال اور جا کر، ماضی بنا رہی ہے، یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے تینوں قسم کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں، گذرے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی ان صفات سے عاری تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑے رہے اور گذرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو زمانہ اب گذر رہا ہے یہ دراصل وہ وقت ہے جو ہر فرد و قوم کو کام کرنے کے لئے دیا گیا ہے، اس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو طالب علم کو امتحان گاہ میں پرچہ حل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے، یہ وقت جس تیز رفتاری سے گذر رہا ہے اس کا اندازہ گھڑی کی سکند کی سوئی کی حرکت سے ہو جائے گا، حالانکہ ایک سکند بھی وقت کی ایک بہت بڑی مقدار ہے، اسی ایک سکند میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا تقریباً دو لاکھ نو اسی ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتی ہے، اور خدا کی خدائی میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہو سکتی ہیں جو اس سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوں، تاہم اگر وقت گذرنے کی رفتار وہی سمجھ لی جائے جو گھڑی کی سکند کی سوئی کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہمارا اصل سرمایہ یہی وقت ہے جو تیزی سے گذر رہا ہے، امام رازی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے سورۃ العصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر کہ جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا: یہ ہے وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ اس کا مطلب ہے، عمر کی جو مدت انسان کو عمل کے لئے دی گئی ہے وہ برف کی طرح گھل رہی ہے اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کیا جائے، تو یہی انسان کا خسارہ ہے، پس گذرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھا کر جو بات اس سورت میں کہی گئی ہے کہ یہ تیز رفتاری سے گذرتا ہوا زمانہ شہادت دے رہا ہے کہ ان چار صفات سے خالی ہو کر انسان جن کاموں میں بھی اپنی مہلت عمر کو صرف کر رہا ہے وہ سراسر خسارے ہی خسارے میں ہے، نفع میں صرف وہ لوگ ہیں جو ان چار صفات سے متصف ہو کر دنیا میں کام کر رہے ہیں، یہ ایسی بات ہے جیسے ہم اس طالب علم سے جو امتحان کے مقررہ وقت کو اپنا پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں صرف کر رہا ہو، کمرہ میں لگے ہوئے گھنٹے کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ گذرتا ہوا وقت بتا رہا ہے کہ تم اپنا نقصان کر رہے ہو، نفع میں صرف وہ طالب علم ہے جو اس وقت کا ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صرف کر رہا ہے، بعض علماء حقیقت شناس نے کیا خوب کہا ہے۔

حَيَاتِكَ انْفَاسٌ تُعَدُّ فِكْلَمًا مَضَى نَفْسٌ مِنْهَا انْتَقَصَتْ بِهِ جُزْءًا

تیز چھبھتا: تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، جب ان میں سے ایک سانس گذر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ عمر سے زیادہ قیمتی سرمایہ کوئی چیز نہیں ہے اور اس کو ضائع کرنے سے بڑا کوئی نقصان نہیں، اس بات کی تائید ایک حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کُلَّ يَغْدُو فَبَائِعُ نَفْسِهِ فَمُعْتَقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا یعنی ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت میں لگاتا ہے، پھر کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں بلکہ دوسروں کی فکر بھی ضروری ہے:

اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھرکوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ آيَاتٍ

سورہ ہمزہ مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَنُلِّ كَلِمَةً عَذَابٍ أَوْ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ ۝ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٌ ۝
ای کثیر الہمز واللمز ای الغیبۃ نزلت فیمن کان یغتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین
کأشیہ بن خلف والولید بن المغیرہ وغیرہما ۝ الَّذِی جَمَعَ بالتخفیف والتشدید مَا لَوْ عَدَدَهُ ۝ أَحْصَاهُ
وَجَعَلَهُ عَذَابًا لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ یَحْسَبُ لِجَهَنَّمَ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ جَعَلَهُ خَالِدًا لَا یَمُوتُ ۝ كَلَّا رَدُّعٌ لِّیُنْبَذَنَّ جَوَابُ
قَسَمٍ مَّخْذُوبٍ ۝ لِّیُطْرَحَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ أَلَبَسَ تَخِطُّمُ كُلِّ مَا أَلْقَى فِيهَا وَمَا أَدْرَاكَ أَغْلَمَكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝
نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الْمُسْعَرَةُ الَّتِی تَطْلُعُ تَشْرَفُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ الْقُلُوبُ فَتُخْرِقُهَا وَالْمُهْمَا أَشَدُّ مِنْ أَلَمِ غَيْرِهَا
لِلطَّفِيفِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ جُمِعَ الضَّمِيرُ رِعَايَةً لِمَعْنَى كُلِّ مُؤَصَّدَةٍ ۝ بِالْهُمَزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلَهُ مُطَبَقَةً فِي عَمَدٍ
بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا مُمَدَّدَةٌ ۝ صِفَةٌ لِمَا قَبْلَهُ فَتَكُونُ النَّارُ دَاخِلَةَ الْعَمَدِ .

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بڑی خرابی ہے (وَنُلِّ) کلمہ
عذاب ہے یا جہنم میں ایک وادی کا نام ہے، ہر ایسے شخص کے لئے جو عیب ٹٹولنے والا، طعنہ زنی کرنے والا ہو، یعنی بکثرت
بدگوئی کرنے والا اور طعنہ زن ہو، یہ سورت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو آنحضرت ﷺ اور مومنین کی غیبت کرتے
تھا، جیسا کہ امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہما جس نے مال جمع کر کے رکھا ہے جَمَعَ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے
اور اس کو گن گن کر رکھا اور اس کو حوادث زمانہ کے لئے تیار کر کے رکھا، (اور) وہ اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ اس کا
مال اس کو دوام بخشے گا کہ کبھی نہ مرے گا، ہرگز نہیں (کَلَّا) حرف تنبیہ ہے، یہ شخص یقیناً آگ میں پھینک دیا جائے گا جو ہر
اس چیز کو توڑ پھوڑ دے گی جو اس میں ڈالی جائے گی تم کو کیا معلوم کہ وہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا ہے؟ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی

گ ہے یعنی بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک سرایت کر جائے گی تو ان کو جلا کر رکھ دے گی اور دلوں کی تکلیف دیگر اعضاء کی بہت زیادہ ہوتی ہے ان کے لطیف ہونے کی وجہ سے، وہ آگ ان پر ڈھاٹک کر بند کر دی جائے گی کُل کے معنی کی عایت کی وجہ سے (عَلَيْهِمْ) کی ضمیر کو جمع لایا گیا ہے، (مُؤَصَّدَةٌ) ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے عوض واؤ کے ساتھ بھی ہے بمعنی بند ہونے والی، بڑے بڑے لمبے ستونوں میں (عَمَدٌ) میں دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتح کے ساتھ، (مُمَدَّدَةٌ) پنے ماقبل کی صفت ہے؛ لہذا آگ ستونوں کے اندر ہوگی۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُمْ: هُمَزَةٌ، بِرُوزْنِ فُعْلَةٍ، بِهَتْ طَعْنُ زَنْ، بِزَا عَيْبٍ كَو، فُعْلَةٌ فَاعِلٌ كَ مَبَالِغَةِ كَا وَزَنْ هِيَ، اس میں ف مبالغہ کے لئے ہے، هَمَزٌ (ن ض) کا مصدر ہے، طعن زنی کرنا، آنکھ سے اشارہ کرنا۔
قَوْلُهُمْ: لَمْزَةٌ صِيغَةُ صِفَتٍ بِرَاءِ مَبَالِغَةٍ بِسِ پِشْتِ بَرَاءِی كَرْنِے والا، بعض حضرات نے کہا ہے دونوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔

قَوْلُهُمْ: يَحْسَبُ الْخِ یہ جملہ استینافیہ بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں سوال مقدر کا جواب ہوگا، اِی مَا بَالُهُ يَجْمَعُ الْمَالَ يَهْتَمُّ بِهِ یعنی وہ اس اہتمام کے ساتھ مال کیوں جمع کرتا ہے؟ اس کا جواب دیا: يَحْسَبُ اِنَّ مَا لَهُ اَخْلَدَهُ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دوام بخشنے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ يَحْسَبُ، جَمَعَ وَاَخْلَدَ کے فاعل سے حال واقع ہو۔

قَوْلُهُمْ: جَوَابُ قَسَمٍ مَحْذُوفٍ تَقْدِيرُ عِبَارَتٍ یہ ہے، وَاللَّهِ لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحَطَمَةِ.
قَوْلُهُمْ: جَمَعَ الضَّمِيرَ رَعَايَةً لِمَعْنَى كُلِّ، یعنی عَلَيْهِمْ کی ضمیر کُل کی طرف راجع ہے، سوال ہوتا ہے کہ کل مفرد ہے ر هَمَزٌ جمع ہے؛ لہذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے؟

جَوَابُ: جواب یہ ہے کہ لفظ کل معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اِسی رعایت سے ہم ضمیر کو جمع لایا گیا ہے، عَمَدٌ اور عُمُدٌ یہ دونوں عُمُود کی جمع ہیں بمعنی ستون۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر عذاب شدید کی وعید کا بیان ہے اور پھر اس عذاب کی شدت کا بیان ہے، وہ تین گناہ، مز، لمز، جمع مال ہیں، ہمز اور لمز چند معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، جو بہت حد تک قریب قریب ہیں، حتیٰ کہ ض اوقات دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، اور بعض لوگوں نے خفیف فرق کے ساتھ بھی استعمال کیا ہے؛ مگر جو معنی قدر نترک ہیں وہ یہ ہیں، کسی کی تذلیل و تحقیر کرنا، کسی کی کردار کشی کرنا، کسی کی طرف انگلیاں اٹھانا، اشارہ کنایہ سے کسی کے نسب

وغیرہ پر طعن کرنا، کسی کی شخصیت کو مجروح کرنا، کسی کے منہ در منہ چوٹیں کرنا یا پس پشت بدگوئی کرنا، یہ سب ہی معنی مذکورہ دونوں لفظوں کے مفہوم میں شامل ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں نہایت مذموم اور شریعت کی نظر میں ممنوع ہیں۔

تیسری خصلت جس پر اس سورت میں وعید آئی ہے، وہ مال کی حرص اور محبت ہے، اور بار بار گننے سے اس کی حرص اور محبت کی طرف اشارہ ہے، مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ بہت سی آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ مطلقاً مال کا جمع کرنا کوئی حرام اور گناہ نہیں؛ اس لئے یہاں مال جمع کرنے سے وہ مال مراد ہے، جس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں یا فخر و تفاخر مقصود ہو یا مال کی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غفلت پائی جاتی ہو۔

تَطْلِعُ عَلَى الْآفِلْدَةِ یعنی جہنم کی یہ آگ دلوں تک پہنچ جائے گی، یوں تو ہر آگ کا یہ خاصہ ہے کہ جو بھی اس پر پڑے، اس کے سب ہی اجزاء کو جلا دیتی ہے، مگر دنیوی آگ جیتے جی دل تک نہیں پہنچتی؛ بلکہ دل تک پہنچنے سے پہلے ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کی آگ کے، کہ وہ جلاتی جلاتی دل تک پہنچ جائے گی، اس لئے کہ جہنم میں موت نہیں ہے۔

﴿مَتْنٌ﴾

سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

سورہ فیل مکی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَمْ تَرَ إِسْتَفْهَامَ تَعْجِيبٍ أَيْ إِعْجَابٍ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ هُوَ مُحَمَّدٌ وَأَصْحَابُهُ أِبْرَهُةَ مَلِكُ الْيَمَنِ وَجَيْشُهُ بَنَى بِصَنْعَاءَ كَنِيسَةً لِيَضْرِبَ إِلَيْهَا الْحَاجُّ مِنْ مَكَّةَ فَأَخَذَتْ رَجُلٌ مِنْ كِنَانَةَ فِيهَا وَلَطَعَ قَبْلَتَهَا بِالْعَدْرَةِ إِحْتِقَارًا بِهَا فَخَلَفَ أِبْرَهُةَ لِيَهْدِيَنَّ الْكَعْبَةَ فَجَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهِ عَلَى أَفْيَالٍ مُقَدَّمُهَا مُحَمَّدٌ فَجَنَيْنَ تَوَجَّهُوا لِهُدْمِ الْكَعْبَةِ أَرْسَلَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَاقِصَّهُ فِي قَوْلِهِ أَلَمْ يَجْعَلْ أَيْ جَعَلَ كَيْدَهُمْ فِي عَذَابٍ ۝ خَسَارٌ وَهَلَاكٌ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ جَمَاعَاتٌ قِيلَ لَا وَاجِدَ لَهُ وَقِيلَ وَاجِدُهُ أَثَرٌ أَوْ إِبَالٌ أَوْ إِبِيلٌ كَعُجُولٍ وَمِفْتَاحٍ وَسَكِينٍ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ ۝ طِينٌ مَطْبُوعٌ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ ۝ كَوَّرَ زَرْعَ أَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَأَفْتَتْهُ أَيْ أَهْلَكَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى كُلَّ وَاحِدٍ بِحِجْرَةِ الْمَكْتُوبِ عَلَيْهِ اسْمُهُ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَأَصْفَرُ مِنَ الْجَمْصَةِ يَخْرُقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيلَ وَيَصِلُ إِلَى الْأَرْضِ وَكَانَ هَذَا غَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ (اور) اس ہاتھی کا نام محمود تھا، اور اس کے اصحاب ابرہہ یمن کا بادشاہ اور اس کا لشکر تھا، اس نے صنعاء میں کلیسا بنوایا تھا، تاکہ حجاج کو مکہ کے بجائے اس کی طرف موڑ دے، کنانہ کے ایک شخص نے کلیسا میں رفع حاجت کر کے اس کے قبلہ کو تحقیر کے طور پر نجاست سے آلودہ کر دیا، چنانچہ ابرہہ نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی قسم کھالی، سو وہ اپنے لشکر کے ساتھ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ آیا اور ہاتھیوں میں سب سے آگے محمود نامی ہاتھی تھا، چنانچہ جب یہ لوگ کعبہ اللہ کو منہدم کرنے کے لئے متوجہ ہوئے (تو اللہ نے) ان پر وہ چیز بھیج دی جس کا قصہ (اللہ نے)

اپنے قول اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ الْخ میں بیان فرمایا ہے، کیا اس نے انہدام کعبہ کے بارے میں ان کی تدبیر کو کارت اور ناکارہ نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، کہا گیا ہے کہ (ابابیل) کا واحد نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ واحد ابول ہے جیسا کہ عَجُول، عَجَا جیل کا واحد ہے یا اَبَال ہے جیسا کہ مفتاح، مفتاح کا واحد ہے یا اس کا واحد ابیل ہے، جیسا کہ سکا کین کا واحد سگین ہے، جو ان پر پکی ہوئی مٹی کی پتھریاں پھینک رہے تھے، پھر ان کا ایسا حال کر دیا جیسا کہ جانوروں کا کھایا ہوا بھوسہ جیسا کہ کھیتی کے پتے، کہ ان کو جانوروں نے چر دیا ہو، اور اس کو فنا کر دیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی اس پتھری سے ہلاک کر دیا، جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا، اور وہ مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھی، جو خود کو، ہاتھی کو اور آدمی کو چھیدتی ہوئی زمین تک پہنچ جاتی تھی، اور یہ واقعہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے سال پیش آیا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: اَلَمْ تَرَ رُؤْيَا رُؤْيَا عَلَمِيہ مراد ہے، اور خطاب آپ ﷺ کو ہے، رُؤْيَا سے رُؤْيَا بھری بھی مراد ہو سکتی ہے، اس لئے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے اس واقعہ کو نہیں دیکھا؛ مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھا تھا یا آپ ﷺ نے اس واقعہ کو متواتر بیان کرنے والوں سے اس قدر تواتر کے ساتھ سنا کہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہو گیا، اس لئے کہ تواتر کے ساتھ سنی ہوئی چیز بمنزلہ مشاہدہ کے ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: استفہام تعجب یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں ان کو تو مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اَلَمْ تَرَ کے ذریعہ کیوں سوال فرمایا؟

جَوَابٌ: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ یہ استفہام برائے تعجب ہے نہ کہ برائے سوال، یعنی اے مخاطب! تو اصحابِ فیل کی حالت کو دیکھ کر تعجب کر۔

قَوْلٌ: هو محمود تمام ہاتھیوں کا سردار ایک محمود نامی ہاتھی تھا، جو عظیم الجثہ اور بڑے ڈیل ڈول والا تھا، اس کی کنیت ابو العباس تھی۔

قَوْلٌ: ابابیل ایک پرندہ جو کہ کبوتر سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے۔

قَوْلٌ: سَجِيلُ یہ سنگِ گل کا معرب ہے، وہ پتھر جس میں مٹی کی آمیزش ہو، آگ میں پکی ہوئی مٹی کو بھی ”سَجِيل“ کہتے ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

اس سورت میں واقعہ فیل کا مختصر بیان ہے، شاہ حبشہ کی طرف سے یمن میں ابرہہ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا تعمیر کرایا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے اسی گرجا کا حج کیا کریں، یہ بات اہل مکہ اور دیگر عرب قبائل کو سخت ناگوار تھی؛ چنانچہ بنی کنانہ کے ایک قریشی شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانہ کو غلاظت سے آلودہ کر کے ناپاک کر دیا، جب ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے جب یہ لشکر وادی محشر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج کر اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، ہر پرندے کی چونچ میں ایک ایک اور پنچوں میں دودھ کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، جس لشکر کی بھی وہ کنکری لگتی وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا، خود ابرہہ کا بھی یہی حشر ہوا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، مکہ کے قریب پہنچ کر ابرہہ نے نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب (جو کہ مکہ کے سردار تھے) کے دو سوانٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر آپ کے دادا عبدالمطلب نے ابرہہ سے آکر کہا: میرے اونٹ واپس کر دو، باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ تو وہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

(ایسر التفاسیر ملخصاً)

واقعہ کی تفصیل اور پس منظر:

اصحاب فیل کا واقعہ آپ ﷺ کی سن ولادت ۵۷۱ء میں پیش آیا تھا، آپ ﷺ کی بعثت ۶۱۱ء میں ہوئی تھی اس وقت بھی اس واقعہ کے چشم دید گواہ بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے ارہامات میں سے ہے ارہام ص تائیس و تمہید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، دھس سنگ بنیاد کو کہتے ہیں۔

تاریخی پس منظر:

نجران میں یمن کے فرمانروا ذونواس نے عیسائیوں پر آتش بھری خندق میں جلا کر ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لئے حبشہ کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر کے حمیری حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا، اور سن ۵۲۵ء میں اس پورے علاقہ پر حبشی حکومت قائم ہو گئی تھی، یہ پوری کارروائی دراصل قسطنطنیہ کی رومی سلطنت اور حبش کے باہمی تعاون سے ہوئی تھی، یہ عسکری کارروائی شاہ حبش کے کمانڈر اریاط اور ابرہہ کی زیرکمان پایہ تکمیل کو پہنچی تھی، حمیر کا بادشاہ ذونواس فرار ہو گیا؛ مگر دریا میں غرق ہو کر مر گیا، ادھر یہ ہوا کہ اریاط اور ابرہہ کے درمیان جنگ چھڑ گئی، جس میں اریاط مارا گیا، اس طرح ابرہہ شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا حاکم مقرر ہو گیا، اور شاہ حبشہ کے انتقال کے بعد اس کے جانشین نے ابرہہ کو نائب السلطنت تسلیم کر لیا، اس کے بعد ابرہہ رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا اور برائے نام ہی اس نے شاہ حبش کی بالادستی قبول کر رکھی تھی۔

یمن پر پوری طرح اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اس مقصد کے لئے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتداء سے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت کا پھیلنا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ ہوتی تھی، یہ ضرورت اس بناء پر بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ رومی سلطنت کی کشمکش اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔

ابرہہ نے اس مقصد کے لئے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا بنایا، محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق کلیسا کی تکمیل کے بعد ابرہہ نے شاہ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کو حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا، ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس نے علی الاعلان اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے، اس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائیں؛ تاکہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبہ کو منہدم کرنے کا بہانہ مل جائے، محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے اس اعلان سے عرب کے قبائل عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی؛ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کلیسا میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔

ابرہہ کو جب اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ میں کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، اس کے بعد ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۲ ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں عربوں کے ایک سردار ذؤنفر نے اس کی مزاحمت کی؛ مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا، اس کے بعد خشم کے علاقہ میں ایک عرب سردار نفیل بن حبیب خشمی نے مزاحمت کی؛ مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہوا، اور اس نے اپنی جان بچانے کے لئے رہبری کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ انغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ کر لے گیا، جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بھی دو سوانٹ تھے، اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعہ اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں؛ بلکہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہوں اگر تم تعرض نہ کرو گے تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا، نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کر دی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا، مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے، ایلچی نے ان کو ابرہہ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، یہ اللہ کا گھر ہے وہ چاہے گا تو خود اپنے گھر کی حفاظت کر لے گا، ایلچی نے کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں، وہ اس پر راضی ہو گئے، ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا، پھر پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ آپ نے جو میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیئے جائیں، ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا؛ مگر آپ کی اس بات

نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دین کا آبائی مرجع ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، عبدالمطلب نے جواب دیا: میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں، اب رہا کعبہ، تو اس کا مالک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا، ابرہہ نے جواب دیا: وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا، عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے، عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعاء میں مشغول ہوئے جس میں قریش کی بڑی جماعت ساتھ تھی سب نے اللہ سے گڑگڑا کر بڑی عاجزی کے ساتھ دعائیں کیں، اس خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے؛ مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں ان سب کو بھول گئے اور انہوں نے صرف اللہ کے آگے دست سوال پھیلا یا ان کی جودعائیں تاریخوں میں منقول ہیں ان میں اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا، سچ ہے کہ مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے۔

مقصود کلام:

جو تاریخی تفصیلات اوپر درج کی گئی ہیں ان کو نگاہ میں رکھ کر سورہ فیل پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس سورت میں اس قدر اختصار کے ساتھ صرف اصحاب فیل پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کر دینے پر کیوں اکتفاء کیا گیا ہے؟ واقعہ کچھ پرانا نہ تھا مکہ کا بچہ بچہ اس کو جانتا تھا عرب کے لوگ عام طور پر اس سے واقف تھے، تمام اہل عرب اس بات کے قائل تھے کہ ابرہہ کے اس حملہ سے کعبہ کی حفاظت کسی دیوی دیوتا نے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی تھی، اللہ ہی سے قریش کے سرداروں نے مدد مانگی تھی اور چند سال تک قریش کے لوگ اس واقعہ سے اس قدر متاثر رہے تھے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی تھی اس لئے سورہ فیل میں ان تفصیلات کے ذکر کی حاجت نہیں تھی، بلکہ صرف اس واقعہ کو یاد دلانا کافی تھا؛ تاکہ قریش کے لوگ خصوصاً اور عرب عموماً اپنے دلوں میں اس بات پر غور کریں کہ محمد ﷺ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ آخر اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمام دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی جائے، نیز وہ یہ بھی سوچ لیں کہ اگر اس دعوت حق کو دبانے کے لئے انہوں نے زور زبردستی سے کام لیا تو جس خدا نے اصحاب فیل کو تہس نہس کیا تھا اسی کے غضب میں وہ گرفتار ہوں گے۔



سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعُ آيَاتٍ

سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعُ آيَاتٍ.

سورہ قریش مکی یا مدنی ہے، چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ لِأَيْلَافِ قُرَيْشٍ ۝ الْفِهُمُ تَأْكِيدٌ وَهُوَ مُصَدَّرُ آلَفٍ بِالْمَلَمَةِ
 رِحْلَةَ الشِّتَاءِ إِلَى الْيَمَنِ وَ رِحْلَةَ الصَّيْفِ ۝ إِلَى الشَّامِ فِي كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِينُونَ بِالرَّحْلَتَيْنِ لِلتَّجَارَةِ عَلَى
 الْإِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِعِذْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِي هُوَ فَخْرُهُمْ وَهُمْ وَلَدُ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ فَلْيَعْبُدُوا تَعَلُّقٌ بِهِ لِأَيْلَافٍ وَالْفَاءُ
 زَائِدَةٌ رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۝ أَيُّ مِنْ أَجْلِهِ ۝ وَأَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝ أَيُّ مِنْ أَجْلِهِ وَكَانَ
 يُصِيبُهُمُ الْجُوعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَخَافُوا جَيْشَ الْفِيلِ.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، چونکہ قریش مانوس ہوئے (دوسرے
 الْفِهُمُ پہلے ایلاف) کی تاکید ہے یہ آلف بالمد کا مصدر ہے یعنی سردیوں میں یمن کے سفر سے اور گرمیوں میں شام کے سفر
 سے مانوس، ہر سال دونوں تجارتی سفروں سے بیت اللہ کی خدمت کے لئے مکہ میں قیام پر مدد لیتے تھے، جو کہ ان کے لئے موجب
 فخر تھی اور وہ نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے، لہذا ان کو چاہئے کہ لایلف، فَلْيَعْبُدُوا کے متعلق ہے اور فازاندہ ہے، اس گہ
 کے رب کی عبادت کریں، اس لئے کہ اس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا کھلایا اور خوف سے بچا کر ان کو امن عطا کیا مکہ میں
 زراعت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھوک لاحق ہو جاتی تھی اور ہاتھیوں کے لشکر سے وہ خوف زدہ تھے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: لِأَيْلَافِ قُرَيْشٍ، اَيْلَافٍ باب افعال کا مصدر ہے، مانوس رکھنا، الفت کرنا۔
قَوْلُهُ: قُرَيْشٌ قَبِيلَةُ عَدْنَانَ کے قبیلہ کنانہ کی ایک شاخ ہے، جو خاندان قریش کے نام سے مشہور ہوئی، قریش کے
 مورث اعلیٰ نضر کو ہی قریش کہا جاتا ہے، لِأَيْلَافِ جار مجرور سے مل کر کس کے متعلق ہے؟ اس میں بہت اختلاف ہے

اول رائج قول لکھا جاتا ہے، رائج قول یہ ہے کہ یہ اپنے مابعد فَلْيَعْبُدُوا سے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی فان لم يعبدوا الله لسانہ نعيمہ السابقة فَلْيَعْبُدُوهُ لَا يُلْفِيهِمْ رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ یعنی اگر قریش اللہ کی دیگر کامل نعمتوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتے تو کم از کم اس کی نعمت کے شکر یہ میں اس گھر کے مالک کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو سردی، گرمی کے ان دوسفروں کا خوگر بنایا جو ان کی خوشحالی کے ضامن ہیں۔

عام طور پر جارجرور کا تعلق مقدم سے ہوا کرتا ہے لہذا لَا يُلْفِي کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے ماقبل سے متعلق ہو، اسی لئے متعلق میں متعدد اقوال ہیں، گذشتہ سورہ فیل سے معنوی تعلق کی بناء پر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لَا يُلْفِي سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے اور وہ اِنَّا اَهْلَكْنَا اصْحَابَ الْفِيلِ ہے یعنی ہم نے اصحاب فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش مکہ سردی اور گرمی کے دو سفروں کے عادی تھے، تاکہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور سب کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو جائے؛ چنانچہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ قریش مکہ کی عظمت باقی رہی؛ بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا اور عرب کو پورا یقین ہو گیا کہ بیت اللہ واقعہ اللہ کا گھر ہے، اور اگر خدا نخواستہ ابرہہ بیت اللہ کو منہدم کر دیتا تو قریش مکہ کی نہ صرف یہ کہ عظمت کم ہو جاتی؛ بلکہ ختم ہو جاتی اور بیت اللہ کے خادم اور مجاور ہونے کی وجہ سے جو قدر و قیمت ان کو حاصل تھی وہ سب خاک میں مل جاتی، رہزنی اور لوٹ مار کے جو واقعات غیروں کے ساتھ ہو رہے تھے، وہ قریش کے ساتھ بھی ہونے لگتے؛ لیکن اللہ نے بیت اللہ کی حفاظت فرما کر قریش کی عزت وقار میں اور چار چاند لگا دیئے، اور ان کے لئے راستے پہلے سے بھی زیادہ مامون و محفوظ ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے متعلق محذوف جملہ اعجبوا مانا ہے یعنی قریش کے معاملہ سے تعجب کرو کہ وہ کس طرح سردی گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں۔

قَوْلٌ: اِيْلَافِهِمْ یہ پہلے اِيْلَف کی تاکید لفظی ہے بعض حضرات نے ثانی کو اول سے بدل قرار دیا ہے، رَحْلَةَ پہلے اِيْلَف کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلٌ: فَلْيَعْبُدُوا اس میں فاء جزائیہ ہے، شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ اِنْ لَمْ يَعْبُدُوا لِسَانِ نَعِيمِهِ فَلْيَعْبُدُوهُ لَا يُلْفِيهِمْ رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ، فَاِنَّهَا اَظْهَرُ نَعِيمِهِمْ عَلَيْهِمْ اور فَلْيَعْبُدُوا میں لام امر کا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون کے اعتبار سے یہ سورت سورہ فیل ہی سے متعلق ہے اور شاید اسی وجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، بایں طور کہ ان کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی؛ مگر حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب تمام مصاحف کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا اس پر اجماع ہوا، جس نسخہ قرآن کو جمہور کے نزدیک ”مصحف امام“ کہا جاتا ہے تو اس میں ان دونوں سورتوں کو الگ الگ ہی لکھا گیا ہے۔

رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ سردی اور گرمی کے سفروں سے مراد یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں قریش کے سفر شام اور

فلسطین کی طرف ہوتے تھے، اس لئے کہ وہ ٹھنڈے علاقہ ہیں اور سردی کے زمانہ میں جنوب یعنی یمن کی طرف ہوتے تھے، اس لئے کہ یہ گرم علاقہ ہے۔

رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ سے مراد بیت اللہ کا رب ہے رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ قریش کو یہ نعمت اسی گھر کی بدولت حاصل ہوئی ہے اور اسی بیت کے رب نے انہیں اصحاب فیل کے حملے سے بچایا اور اسی گھر کی خدمت اور سدانت کی وجہ سے انہیں سارے عرب میں عزت ملی اور وہ پورے عرب میں بے خوف و خطر سفر کرتے تھے، پس ان کو جو کچھ نصیب ہوا وہ اس گھر کے رب کی بدولت نصیب ہوا اس لئے انہیں اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جَوْعٍ اس میں اشارہ ہے کہ مکہ میں آنے سے پہلے قریش عرب میں منتشر تھے تو بھوکوں مر رہے تھے، یہاں آنے کے بعد ان کے لئے رزق کے دروازے کھلتے چلے گئے اور ان کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء حرف بحرف قبول ہوئی۔

وَأَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ میں دشمنوں، ڈاکوؤں کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے اور آخرت کے عذاب سے مامون ہونا بھی۔ (معارف)

﴿مَقَاتٌ﴾

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَوْ نِصْفُهَا وَنِصْفُهَا

سِتُّ أَوْ سَبْعُ آيَاتٍ.

سورہ ماعون مکی ہے یا مدنی ہے یا نصف نصف ہیں،

چھ یا سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ ۝ بِالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ أَى هَلْ
 عَرَفْتَهُ أَوْ لَمْ تَعْرِفْهُ فَذَلِكَ بِتَقْدِيرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۝ اى يَدْفَعُهُ بَعْنَبٍ عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَحْصُ نَفْسَهُ وَلَا
 غَيْرَهُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ اى اطعامه نزلت فى العاص بن وائل أو الوليد بن المغيرة قَوْلَ الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ
 صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ غَافِلُونَ يُؤَخِّرُونَهَا عَنْ وَقْتِهَا الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ فى الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝
 كالابرة والفاس والقدر والقضعة.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا جو
 روزِ جزاء یعنی حساب اور جزاء کے دن کو جھٹلاتا ہے؟ یعنی آپ ﷺ نے اس کو پہچانا یا نہیں پہچانا؟ یہ وہی شخص ہے فاء کے بعد ہُوَ
 مقدر ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی اس کو سختی کے ساتھ اس کے حق سے محروم رکھتا ہے اور مسکینوں کو کھانا دینے کی نہ خود کو ترغیب
 دیتا ہے اور نہ دوسروں کو (یہ آیت) عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی
 خرابی ہے جو غفلت کرتے ہیں بایں طور کہ اس کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ نماز وغیرہ میں ریاکاری
 کرتے ہیں اور برتنے کی چیز سے منع کر دیتے ہیں مثلاً سوئی، کلہاڑی اور ہانڈی اور پیالہ۔

تحقیق و تکرید تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: هَلْ عَرَفْتَهُ أَوْ لَمْ تَعْرِفْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ارایت سے رویت علمیہ مراد ہے جو متعدی بیک مفعول ہے۔

قَوْلُهُ: بتقدیر ہو بعد الفاء یہ تقدیر لازم نہیں ہے؛ بلکہ اسم اشارہ کا مبتدا واقع ہونا اور موصوف کا خبر واقع درست ہے، بہر حال! فذلک جملہ اسمیہ ہے جو کہ جواب شرط واقع ہے، اسی وجہ سے اس پر فاء داخل ہے اور شرط مقدر ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

سورۃ ماعون کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے جبکہ بعض نے کہا ہے کہ اس کا نصف مکی اور نصف مدنی ہے، ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی قول عطاء اور جابر کا ہے؛ لیکن ابو حیان نے البحر المحیط میں ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

أَرَأَيْتَ میں بظاہر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے؛ مگر قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر عموماً ہر وہ صاحب عقل و خرد کو مراد لیتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو اور رویت سے مراد رویت علمیہ ہے، رویت بصریہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور استفہام سے مراد اظہارِ تعجب ہے۔

اس سورت میں آیت (۲) اور آیت (۳) میں ان کفار کی حالت بیان کی گئی ہے جو علانیہ آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیتوں میں ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل میں آخرت اور اس کی جزا و سزا اور اس کے ثواب و عقاب کا کوئی تصور نہیں رکھتے، مجموعی طور پر دونوں گروہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے سے مقصود یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرانا ہے کہ انسان کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم پاکیزہ کردار، عقیدہ آخرت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔

جن اعمالِ قبیحہ کا ذکر اس سورت میں فرمایا گیا ہے وہ یہ ہیں: ① یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین، ② مسکین و محتاج کو قدرت کے باوجود کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، ③ نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا اور سستی و غفلت سے کام لینا، ④ برتنے کی چیزیں نہ دینا یا زکوٰۃ ادا نہ کرنا، یہ سب اعمال اپنی ذات میں بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ اعمال سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے، جس کو اس سورت میں ویل کے الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

يَدْعُ الْيَتِيمَ اس فقرہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ یتیم کا حق مار کھاتا ہے اور اس کو اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بے دخل کر کے اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر یتیم اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ یتیم پر ظلم ڈھاتا ہے، مثلاً اس کے گھر میں اگر اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کے ذمہ پورے گھر کی خدمت گاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں اور دن بھر ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اس فقرہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ اس شخص سے کبھی کبھار یہ ظالمانہ حرکت سرزد نہیں ہو جاتی؛ بلکہ اس کی عادت اور اس کا مستقل رویہ یہی ہے اور اسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ یہ بھی کوئی برا کام ہے جو وہ کر رہا ہے۔

عجیب واقعہ:

اس سلسلہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوة میں لکھا ہے، ابو جہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے، اس نے آکر یہ التجاء کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دیدے؛ مگر اس ظالم نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر مایوس ہو کر واپس چلا گیا، قریش کے سرداروں نے ازراہ شرارت اس سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابو جہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے، بچہ بیچارہ حالات سے ناواقف تھا کہ ابو جہل کا حضور ﷺ سے کیا تعلق ہے اور یہ بد بخت اسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں؟ وہ سیدھا حضور ﷺ کے پاس پہنچا، اور آپ ﷺ سے اپنا حال بیان کیا، آپ ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابو جہل کے یہاں تشریف لے گئے، آپ ﷺ کو دیکھ کر اس نے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بچہ کا حق اسے دیدو، تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دیدیا، قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے؟ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے؛ مگر انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابو جہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے، اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا؛ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (ﷺ) کے دائیں اور بائیں ایک ایک نیزہ ہے، جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی، اس واقعہ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور معزز قبیلہ تک کے بڑے بڑے سرداروں کا یتیموں اور دوسرے بے یار و مددگاروں کے ساتھ کیا سلوک تھا؛ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس بلند اخلاق کے مالک تھے اور آپ ﷺ کے اس اخلاق کا آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں تک پر کیا رعب تھا؟

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ (الآیہ) یہ منافقین کا حال بیان فرمایا ہے جو لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ثابت کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں؛ مگر چونکہ وہ نماز ہی کی فرضیت کے معتقد نہیں، اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی۔

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ، ماعون کے اصل لفظی معنی ”مٹی قلیل“ کے ہیں، اس لئے ماعون ایسی استعمالی اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عادتاً آپس میں عاریۃ دی جاتی ہیں، جیسے کلباڑی، پھاوڑا یا کھانے پکانے کے برتن، چاقو، چھری وغیرہ ان اشیاء کا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو اس میں دینے سے بخل کرے، وہ بڑا کنجوس و کمینہ سمجھا جاتا ہے، آیت مذکورہ میں لفظ ماعون سے بعض نے زکوٰۃ مراد لی ہے اور زکوٰۃ کو ماعون اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبتاً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علی، ابن عمر، حسن بصری، قتادہ، ضحاک رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے۔ (مظہری) اور بعض روایات حدیث میں ماعون کی تفسیر استعمالی اشیاء سے کی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص معمولی چیزوں کے دینے میں کنجوسی کرتا ہے وہ زکوٰۃ کیا دے گا؟

﴿مَشَتْ﴾

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

سورہ کوثر مکی یا مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ الْكَوْثَرَ ۝ هُوَ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ اَوْ هُوَ خَوْضُهُ تَرْدُ عَلَيْهِ اُمَّتُهُ اَوْ الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْقُرْآنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحْوِهَا ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلَاةَ عِيدِ النُّحْرِ وَاتَّخِذْ نُسُكَكَ اِنْ شِئْتَ اَي مَبْغُضَكَ ۝ هُوَ الْاَبْتَرُ الْمُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ اَوْ الْمُنْقَطِعُ الْعَقْبِ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَاثِلٍ سَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو نہر کوثر عطا کی، (کوثر) جنت میں ایک نہریا حوض ہے، جس پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، یا کوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں، جو کہ نبوت، قرآن اور شفاعت اور ان جیسی چیزیں ہیں، پس آپ ﷺ اپنے رب کے لئے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھئے اور اپنی قربانی کیجئے یقیناً آپ ﷺ کا دشمن ہی دم بریدہ (لا وارث) ہے (یعنی ہر خیر سے منقطع ہے یا منقطع النسل ہے)، یہ آیت (عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی، جس نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے صاحبزادے قاسم ﷺ کے انتقال کے وقت ابتر (یعنی منقطع النسل) کہا تھا۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قولہ: الْكَوْثَرُ جنت کی ایک نہریا حوض کا نام ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کوثر ہر اس شے کو کہتے ہیں جس میں خیر زیادہ ہو، کوثر کثیرہ سے ماخوذ ہے جیسے نَوْفَلُ نَفْلٌ سے بنا ہے، جو چیز تعداد میں کثیر اور با عظمت ہے، اس کو عرب کوثر کہتے ہیں۔

قَوْلًا: شَانِكَ تیرا دشمن، یہ شَنَاءُ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی دشمنی کے ہیں۔

قَوْلًا: اَبْتَرُ لا ولد، دم کٹنا، یہ بَتْرُ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، (ن س) بَتْرًا کاٹنا، کٹنا، باتر، شمشیر براں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی سے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکر مر جائے اس کو عرب ابتر یعنی مقطوع النسل کہتے تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم رحمۃ اللہ علیہ یا ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن میں انتقال ہو گیا، تو کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کا طعنہ دینے لگے، طعنہ دینے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اس پر سورہ کوثر نازل ہوئی۔ (معارف ملخص)

بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکہ المکرمہ آیا تو قریش مکہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے دین کے اعتبار سے بہتر ہے؟ حالانکہ ہم حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور بیت اللہ کے نگہبان ہیں، لوگوں کو پانی پلاتے ہیں، کعب نے یہ بات سن کر کہا تم لوگ اس سے بہتر ہو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر)

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوثر وہ خیر کثیر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے؟ تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ جنت کی نہر جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔

﴿مَثَّ﴾

سُورَةُ الْكَافِرُونَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ آيَاتٍ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ آيَاتٍ

سورہ کافرون کی یاد دہانی ہے، چھ آیتیں ہیں۔

نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ رَهْطٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ الْهَتْنَا سَنَةً وَنَعْبُدُ إِلَهَكَ سَنَةً. یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے یہ کہا کہ تم ہمارے معبودوں کی ایک سال بندگی کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قُلْ يَٰ أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ فِي الْحَالِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ مِنَ الْأَصْنَامِ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ فِي الْحَالِ مَا أَعْبُدُ ۝ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَحْدَهُ وَلَا آتَا عَالِدٌ فِي الْإِسْتِقْبَالِ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ فِي الْإِسْتِقْبَالِ مَا أَعْبُدُ ۝ عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَنَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَإِطْلَاقُ مَا عَلَى اللَّهِ عَلَى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ لَكُمْ دِينُكُمْ الشِّرْكُ وَلِي دِينُ ۝ الْإِسْلَامُ وَهَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْحَرْبِ وَحُذِفَ يَاءُ الْإِضَافَةِ السَّبْعَةُ وَقَفَا وَوَصْلًا وَاثْبَتَهَا يَعْقُوبُ فِي الْحَالَيْنِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ ﷺ کہہ دیجئے، اے کافرو! نہ میں فی الحال ان بتوں کی بندگی کرتا ہوں جن کی تم بندگی کرتے ہو اور نہ فی الحال تم بندگی کرتے ہو اس کی جس کی میں بندگی کرتا ہوں اور وہ اللہ وحدہ ہے، اور نہ میں آئندہ بندگی کرنے والا ہوں جن کی تم بندگی کرتے اور نہ تم آئندہ بندگی کرنے والے ہو اس کی جس کی میں بندگی کرتا ہوں اللہ کو ان کے بارے میں علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور ما، کا اللہ پر اطلاق بطور مقابلہ ہے، تمہارے لئے تمہارا دین شرک ہے اور میرے لئے میرا دین اسلام ہے، اور یہ حکم، جہاد کا حکم دیئے جانے سے پہلے کا ہے، اور قرآء سبعة نے یاء اضافت کو وقفاً اور وصلاً حذف کر دیا، اور یعقوب نے دونوں حالتوں میں باقی رکھا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: ایہا الکافرون اس کے مخاطب مخصوص کافر ہیں جن کے بارے میں اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔
قَوْلُهُ: فی الحال لفظ فی الحال حقیقی صورت حال پر دلالت کرنے کے لئے ہے، یعنی واقعہ یہی ہے کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی بندگی کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی بندگی کرتے ہو۔

قَوْلُهُ: فی الاستقبال، فی الاستقبال کا اضافہ ایک سوال مقدر کے جواب کے لئے ہے۔
سُؤَالُ: آیت میں اعبد کی تکرار ہے جو کہ پسندیدہ نہیں ہے؟

جَوَابُ: تکرار نہیں ہے؛ اس لئے کہ اول میں حال اور دوسرے میں استقبال مراد ہے۔

قَوْلُهُ: عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤَالُ: آپ ﷺ مشرکین مکہ کے ایمان سے کیوں ناامید ہو گئے؛ حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت تو ان کی ہدایت ہی کے لئے ہوئی تھی؟ نیز آپ ﷺ تو ان کے ایمان پر بہت زیادہ حریص تھے۔

جَوَابُ: ایمان نہ لانے کی اطلاع کچھ مخصوص کافروں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بتلادیا تھا کہ فلاں فلاں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: وَإِطْلَاقُ مَا، عَلَى اللَّهِ عَلَى وَجْهِ الْمُقَابَلَةِ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: سوال یہ ہے کہ مَا، کا اطلاق غیر ذوی العقول پر ہوتا ہے نہ کہ ذوی العقول پر حالانکہ یہاں مَا، کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا ہے جو کہ خلاف ضابطہ ہے؟

جَوَابُ: یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض نحویین کے نزدیک مَا، کا اطلاق ذوی العقول پر بھی درست ہے؛ لہذا اس صورت میں جواب کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور جن لوگوں کے یہاں مَا، کا اطلاق ذوی العقول پر درست نہیں ہے تو ان کی طرف سے یہ جواب ہوگا کہ یہ مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے؛ چونکہ سابق میں بتوں کیلئے مَا کا استعمال کیا گیا ہے؛ لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے بھی مَا کا استعمال کیا گیا، اور مشاکلت کی رعایت رکھنا فصاحت کے مقتضی کے عین مطابق ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیح

اس سورت کے فضائل اور خواص:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور سورہ اخلاص پڑھتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ

(مسند احمد، ترمذی)

سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب تم سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوش حال، بامراد ہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ بے شک میں ایسا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں یعنی قل یا ایہا الکافرون سے آخر تک پڑھا کرو اور ہر سورت بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو، حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد اور خستہ حال ہوتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا، میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔ (مظہری، معارف)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بچھونے کاٹ لیا تو آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگایا آپ ﷺ پانی اور نمک کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور قل یا ایہا الکافرون، اور قل اعدو برب الفلق، اور قل اعدو برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری، معارف)

شان نزول:

ابن اسحاق کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کریں کہ ایک سال آپ ﷺ ہمارے بتوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کریں۔ (فرطی)

اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ہے کہ کفار نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ ﷺ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ ﷺ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ ﷺ چاہیں آپ ﷺ کا نکاح کر دیں، آپ ﷺ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برانہ کہا کریں، اور اگر آپ ﷺ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

ابوصالح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ﷺ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ ﷺ کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبریل امین سورہ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ کی عبادت کا حکم ہے، شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ سب ہی واقعات پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو، جس کا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔

تَبَيَّنَ: کافر، کالفظ کوئی گالی نہیں ہے جو اس آیت کے مخاطبوں کو دی گئی ہی؛ بلکہ عربی زبان میں کافر کے معنی انکار کرنے

والے اور نہ ماننے والے کے ہیں اور اس کے مقابل مومن کا لفظ مان لینے اور تسلیم کر لینے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔

کفار سے صلح کے بعض مسائل:

سورہ کافرون میں کفار کی پیش کی ہوئی مصالحت کی چند صورتوں کو بالکل رد کرنے کے بعد اعلان براءت کیا گیا، مگر خود قرآن کریم میں یہ ارشاد بھی موجود ہے: **فَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا** یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے (معاہدہ صلح کر لیجئے) اور مدینہ طیبہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ ﷺ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے، اس لئے بعض مفسرین نے سورہ کافرون کو منسوخ کہہ دیا ہے اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ ”لکم دینکم ولی دین“ کو قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ احکام بظاہر جہاد کے منافی ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں ”لکم دینکم ولی دین“ کا مطلب یہ نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی؛ بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو ”لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ“ کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے، اس لئے رائج اور صحیح جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں جس قسم کی مصالحت سورہ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ میں آئی اور رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی، وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے، بات صرف محل اور موقع کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے، جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے **الْأَصْلَحُ أَحَلُّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا** یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حرام کی ہوئی کس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو، اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، ان سب میں کم از کم کفر اور اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو شرک تک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورہ کافرون نے اعلان براءت کیا ہے اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود سے اس کی عملی صورت معلوم ہوئی۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں؛ مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے، خدا کے قانون اور اصول دین میں کسی صلح و مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

(واللہ اعلم، معارف)

سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ.

سورہ نصر مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَنَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْدَائِهِ
وَالْفَتْحُ ۖ فَتَحَ مَكَّةَ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَيْ الْإِسْلَامِ أَفْوَاجًا ۚ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فِيهِ
وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذَلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ طَائِعِينَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِكَ أَي مُتَلَبِّسًا
بِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۚ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُولِ هَذِهِ السُّورَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ
سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ وَعَلِمَ بِهَا أَنَّهُ قَدْ اقْتَرَبَ أَجَلُهُ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ
سَنَةِ ثَمَانٍ وَتُوفِّيَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَبِيعِ الْأَوَّلِ سَنَةِ عَشْرٍ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب اپنے نبی ﷺ کے لئے
اس کے دشمنوں پر اللہ کی مدد آجائے، اور فتح مکہ نصیب ہو جائے اور تو لوگوں کو دیکھ لے کہ اللہ کے دین اسلام میں
جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں بعد اس کے کہ دین میں ایک ایک کر کے داخل ہو رہے تھے، اور یہ صورت حال فتح مکہ
کے بعد ہوئی کہ عرب بخوشی اطراف و جوانب سے (دین میں داخل ہونے کے لئے) آئے، تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید
کرنے لگو اور اس سے مغفرت طلب کرو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے؛ چنانچہ اس سورت کے نزول کے بعد
آپ ﷺ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ بکثرت پڑھا کرتے تھے، اور اس سے سمجھ گئے
تھے کہ آپ ﷺ کا انتقال کا وقت قریب آگیا ہے، اور فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ ﷺ کی وفات ربیع
الاول ۱۰ھ میں ہوئی۔

کے کل ۳۵/ روز باقی تھے، اس کے بعد آیت ”اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ“ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز باقی تھے اور مقاتل کی روایت کے مطابق اس کے صرف سات روز کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (معارف، قرطبی)

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی یا بعد میں؟ لفظ ”اِذَا جَاءَ“ سے بظاہر قبل فتح مکہ نازل ہونا معلوم ہوتا ہے، روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے، جس میں اس سورت کا نزول غزوہ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا ہے اور خیبر کی فتح مکہ سے یقیناً مقدم ہے نیز روح المعانی میں بسند عبد بن حمید حضرت قتادہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا؛ کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک کی مدت دو سال سے کم ہے، فتح مکہ ۸ھ رمضان المبارک میں ہوئی، اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی اور جن روایات میں اس کا فتح مکہ یا حجة الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت پڑھی ہو جس سے لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے۔ (معارف)

آپ ﷺ کی وفات کے قریب آ جانے کی طرف اشارہ:

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ میں ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کا قریب آ جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا وقت پورا ہو گیا ہے؛ لہذا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائیے، مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ کے مجمع میں اس کی تلاوت فرمائی، اس مجمع میں حضرت ابوبکر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ و عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ اور سعد بن ابی وقاص رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ وغیرہ موجود تھے، سب اس کو سن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے؛ مگر حضرت عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ رونے لگے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ رونے کا کیا سبب ہے تو حضرت عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر مضمر ہے جس کی آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی۔

جب موت قریب ہو تو تسبیح و استغفار کرنی چاہئے:

حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہَا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے: سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ (بخاری)



سُورَةُ الْهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سُورَةُ أَبِي لَهَبٍ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ.

سورہ ابی لہب مکی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ لَمَّا دَعَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ وَقَالَ إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ
 بَيْنَ يَدَيِ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ غُمُّهُ أَبُو لَهَبٍ تَبَا لَكَ الْهَذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَ تَبَّتْ خَسِرَتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ أَيِ
 جُمْلَتُهُ وَعُتِبَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازًا لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٌ وَتَبَّتْ ۝ خَسِرَ هُوَ وَهَذِهِ
 خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ أَهْلَكَ اللَّهُ وَقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ إِنْ كَانَ مَا يَقُولُ
 ابْنُ أَخِي حَقًّا فَاِنِّي أَفْتَدِي مِنْهُ بِمَالِي وَوَلَدِي نَزَلَ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ وَكَسَبُهُ أَيِ وَلَدُهُ وَأَغْنَى
 بِمَعْنَى يُغْنِي سَيَصِلُ نَارِذَاتِ لَهَبٍ ۝ أَيِ تَلَهَّبَ وَتَوَقَّدَ فَهِيَ مَالٌ تَكْنِيَّتُهُ لِتَلَهَّبَ وَجْهَهُ إِشْرَاقًا وَخُمْرَةً
 وَأَمْرَاتُهُ ۝ عَطَفَ عَلَى ضَمِيرٍ يُضَلَّى سَوْغَةَ الْفَضْلِ بِالْمَفْعُولِ وَصِفَتِهِ وَهِيَ أُمُّ جَمِيلٍ حَمَّالَةٌ بِالرَّفْعِ
 وَالنَّصْبِ الْحَطِيبِ ۝ الشُّوْكَ وَالسَّغْدَانِ تُلْقِيهِ فِي طَرِيقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِيدِهَا غُلْفَهُ
 حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ ۝ أَيِ لَيْفٍ وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ حَمَّالَةِ الْحَطِيبِ الَّذِي هُوَ نَعْتُ لَامُرَاتِهِ أَوْ خَبَرٌ مُبْتَدَأٌ
 مُقَدَّرٌ.

ع ۳۶

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو پکارا اور کہا میں تم کو شدید عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں، تو آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے کہا تیرا ناس ہو، کیا تو نے ہمیں اسی کے لئے بلایا؟ تو تبست یدا نازل ہوئی، ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے، یعنی وہ خود ہلاک ہو گیا، اور ذات ک دونوں ہاتھوں سے مجازاً تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اکثر افعال ہاتھوں ہی کی شرکت سے ہوتے ہیں، یہ جملہ بددعاء ہے اور ہلاک ہو گیا اور یہ (جملہ) بددعاء کی قبولیت کی خبر ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں ”أَهْلَكَ اللَّهُ وَقَدْ هَلَكَ“ اور جب اس ک

نبی ﷺ نے عذاب سے ڈرایا تو اس نے کہا جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ حق ہے تو میں اس کا اپنے مال اور اولاد سے فدیہ دے دوں گا، تو ”مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ“ نازل ہوئی، اس کے نہ اس کا مال کام آیا اور نہ اولاد، اور أَغْنَىٰ بمعنی یُغْنِی ہے، اور وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا، یعنی شعلہ زن، سلگنے والی آگ میں، یہ انجام ہے اس کی کنیت کا، اس کے چہرے کے دکنے کی وجہ سے، چمک اور سرخی کے اعتبار سے، اور اس کی بیوی بھی جائے گی اس کا عطف یَصْلٰی کی ضمیر پر ہے مفعول اور اس کی صفت کے فصل نے اس عطف کو جائز کر دیا ہے اور اس کی بیوی ام جمیل ہے جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے، حَمَّالَةٌ رفع اور نصب کے ساتھ ہے یعنی کانٹوں کو اور سعدان (کانٹے دار گھاس) کو ڈھونے والی ہے، جن کو وہ نبی ﷺ کے راستہ میں ڈالتی تھی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی یعنی چھال کی اور یہ جملہ حَمَّالَةُ الْحَطَب سے حال ہے جو کہ امرأۃ کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ لِتَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: تَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ اس سورت کو سورۃ مَسَد اور سورۃ ابی لَهَب بھی کہتے ہیں، ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ ہے، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلہ فروزاں) کہا جاتا تھا، تَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ بددعاء ہے اور وَتَبَّتْ قَبُولِیت دعاء کی اطلاع ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دونوں ہی بدعاء ہیں، ایک ہاتھوں کے لئے اور دوسری کل مجسم کے لئے، ہاتھوں سے بھی کل ہی مراد ہے؛ لہذا وَتَبَّتْ، تَبَّتْ يَدَا کی تاکید ہوگی۔

قَوْلٌ: مَالٌ تَكْنِيْتُهُ یعنی نارِ جہنم میں داخلہ اس کی کنیت کی تاثیر اور نتیجہ تھا۔

قَوْلٌ: لِنَلْهَبِ وَجْهَهُ یہ اس کی کنیت کی علت ہے، مطلب یہ کہ اس کی کنیت ابولہب اس لئے پڑی کہ وہ خوبصورتی اور سرخی میں شعلہ فروزاں کے مانند تھا؛ مگر یہی کنیت تلازم النار کی طرف پلٹ گئی۔

قَوْلٌ: وَأَمْرَأَتُهُ اس کا عطف سیصلیٰ کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہے، یعنی نارِ جہنم میں ابولہب داخل ہوگا اور اس کی بیوی (ام جمیل جس کا نام اردوئی تھا) بھی اس آگ میں داخل ہوگی۔

قَوْلٌ: سَوَّغَهُ الْفَصْلُ الْخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: قاعدہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ تاکید لانا ضروری ہوتی ہے؛ حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے؟

جواب: ضمیر مرفوع متصل مستتر پر عطف کرنے کے لئے دو شرطوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، ایک یہ کہ ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے اور دوسرے یہ کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل واقع ہو، اور یہاں دوسری شرط موجود ہے؛ اس لئے کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مفعول یعنی نَارًا اور اس کی صفت یعنی ذات لَهَب کا فصل موجود ہے؛ لہذا اب

کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلًا: ام جمیل، ام جمیل ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی اور عوراء یعنی کافی تھی۔ (حمل)

قَوْلًا: بالرفع والنصب، حمالة میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، رفع یا تو امرأۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے (اور یہ جائز ہے اس لئے کہ حمالة الحطب میں اضافت حقیقیہ ہے) یا امرأۃ سے عطف بیان ہونے کی وجہ سے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای ہی حمالة الحطب، ایک قراءت نصب کی بھی ہے اور اس کے ناصب فعل محذوف ہے، ای اعنی حمالة الحطب (یا) اذم حمالة الحطب، حطب ایک خاردار گھاس ہے جس کو ہندی میں ”اونٹ کٹارا“ کہتے ہیں، اس گھاس کو اونٹ کے علاوہ کوئی جانور نہیں کھاتا اور خشک ہونے کے بعد وہ بھی نہیں کھاتا۔

قَوْلًا: لَیْف، لیف کی جمع ألیاف ہے، کھجور کے درخت کی چھال کو کہتے ہیں، مطلقاً چھال کو بھی کہتے ہیں، مونجھ جس کی عام طور پر رستی بنائی جاتی ہے وہ بھی ایک قسم کی چھال ہی ہوتی ہے۔

قَوْلًا: هذه الجملة، یعنی مبتداء و خبر سے مرکب جملہ اور وہ فی جیدھا حبل من مسد ہے، حبل موصوف، من مسد، کائن کے متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء مؤخر، فی جیدھا خبر مقدم، مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہو کر حمالة الحطب سے حال ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

ابولہب کا اصلی نام عبدالعزی تھا، یہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، اس کو ابولہب اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ بہت چمکتا ہوا، سرخ و سفید تھا، لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور ابولہب کے معنی ہیں: شعلہ رو، یہاں اس کا اصل نام ذکر کرنے کے بجائے اس کی کنیت کو ذکر کرنے کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ وہ اپنے اصلی نام کے بجائے اپنی کنیت سے معروف تھا، دوم یہ کہ اس کا اصل نام عبدالعزیٰ مشرکانہ نام تھا جس کو قرآن میں پسند نہیں کیا گیا، سوم یہ کہ اس کا انجام جو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کی یہ کنیت زیادہ مناسبت رکھتی ہے، یہ شخص آپ ﷺ کا بے حد دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا۔

شان نزول:

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر آیت ”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے کوہِ صہ پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو یَا صَبَاحَا، یا بنی عبد مناف اور یا بنی عبد المطلب وغیرہ کہہ کر آواز دی، سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح شام میں حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاں! ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں عذابِ شدید سے ڈراتا ہوں، یہ سن کر ابولہب نے کہا ”تَبَّ لَكَ الْهَذَا جَمَعْتَنَا“ اور آپ ﷺ کو مارنے کے لئے ایک پتھر

اٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ اس کے معنی بعض مفسرین نے ”ٹوٹ جائیں ابو لہب کے ہاتھ“ بیان کئے ہیں، اور تبت کا مطلب بیان کیا ہے کہ وہ خود ہلاک ہو جائے یا وہ ہلاک ہو گیا، لیکن درحقیقت یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جو اس کو دیا گیا ہو؛ بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے، گویا کہ اس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہو چکی، اور فی الواقع آخر کار وہی کچھ ہوا جو اس سورت میں چند سال پہلے بیان کیا جا چکا تھا، ہاتھ ٹوٹنے سے ظاہر ہے کہ جسمانی ہاتھ ٹوٹنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ کسی شخص کا اپنے اس مقصد میں قطعی ناکام ہو جانا مراد ہے جس کے لئے اس نے اپنا پورا زور لگا دیا ہو اور ابو لہب نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو ترک دینے کے لئے واقعی اپنا پورا زور لگا دیا تھا؛ لیکن اس سورت کے نزول پر سات آٹھ سال ہی گزرے تھے کہ جنگ بدر میں قریش کے اکثر و بیشتر وہ بڑے سردار مارے گئے جو اسلام کی دشمنی میں ابو لہب کے ساتھی تھے، مکہ میں جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا، پھر اس کی موت بھی نہایت عبرتناک ہوئی، اسے عدسہ یعنی طاعون کی گھٹی یا (جدری) چچک جو کہ ایک متعدی مرض ہے، لاحق ہو گیا، اس کی چھوت لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے بھی اسے الگ ڈال دیا یہاں تک کہ اسی بے کسی کی حالت میں وہ مر گیا، تین روز تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو مزدوروں سے اٹھوا کر دبوادیا گیا، اس کی مزید اور مکمل شکست اس طرح ہوئی کہ جس دین کی راہ روکنے کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کر لیا، سب سے پہلے اس کی بیٹی ذرہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام لائیں پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کے دونوں بیٹے عتیبہ اور معتب، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وساطت سے حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ابو لہب بہت سخت بخیل اور زر پرست آدمی تھا، ابن اشیر کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانے میں سے سونے کے دو ہرن چرا لئے ہیں، اگرچہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوئے؛ لیکن بجائے خود یہ بات کہ اس پر یہ الزام لگایا گیا، یہ ظاہر کرتی ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، اس کی مال داری کے متعلق قاضی رشید بن زبیر اپنی کتاب ”الذخائر والتحف“ میں لکھتے ہیں کہ وہ قریش کے ان چار آدمیوں میں سے تھا جو ایک قنطار سونے کے مالک تھے، اس کی زر پرستی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب کہ اس کے مذہب کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا قریش کے تمام سردار لڑنے کے لئے گئے؛ مگر اس نے عاص بن ہشام کو اپنی طرف سے لڑنے کے لئے بھیج دیا اور کہا کہ یہ ان چار ہزار رہموں کا بدل ہے جو میرے تیرے ذمہ قرض ہیں، اس طرح اس نے اپنا قرض وصول کرنے کی ایک ترکیب نکال لی؛ کیونکہ عاص دیوالیہ ہو چکا تھا اور اس سے رقم ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔

مَا كَسَبَ بعض مفسرین نے مَا كَسَبَ کے معنی کمائی کے لئے ہیں یعنی وہ نفع جو اس نے تجارت وغیرہ میں کمایا، اور بعض مفسرین نے اس سے اولاد مراد لی ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلَ مِنْ كَسْبِهِ وَاِنَّ الْوَلَدَ مِنْ

کَسْبِہ“ یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال و طیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اس کے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا بھی اپنی ہی کمائی سے کھانا ہے۔ (قرطبی)

اس لئے حضرت عائشہ، مجاہد، عطاء، ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے اس جگہ مَا کَسَبَ کی تفسیر اولاد سے کی ہے، ابولہب کو اللہ نے مال بھی بہت دیا تھا اور اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کے فخر و غرور اور وبال کا سبب بنیں۔

وَأَمْرَاتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ جس طرح ابولہب کو آپ ﷺ سے سخت غیظ و غضب اور دشمنی تھی اس کی بیوی بھی اس دشمنی میں اس کی مدد کرتی تھی، اس کا نام ازویٰ تھا اور ام جمیل اس کی کنیت تھی، یہ ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو سنا تو غصہ میں بھری ہوئی رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلی؛ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے اور وہ حضور ﷺ کی ہجو میں اپنے ہی کچھ اشعار پڑھتی جا رہی تھی، جب حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضور تشریف فرما تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ آرہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کوئی بے ہودہ حرکت کرے گی، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دیکھ نہ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، اور اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا میں نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس گھر کے رب کی قسم انہوں نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، اس پر وہ واپس چلی گئی۔ (ابن ابی حاتم، ابن ہشام نے بھی اسی سے ملتا جلتا واقعہ نقل کیا ہے)۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس کا لفظی ترجمہ ہے، ”لکڑیاں ڈھونے والی“، مفسرین نے اس کے متعدد معنی بیان کئے ہیں، ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت جہنم میں اپنے شوہر کی آگ پر لکڑیاں لالا کر ڈالے گی؛ تاکہ آگ مزید بھڑکے یعنی جس طرح دنیا میں یہ کفر و شرک میں اپنے شوہر کی مددگار تھی آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زید، ضحاک اور ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ وہ رات میں خاردار ٹہنیاں لاکر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، اس لئے اس کو لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، مجاہد، سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں فساد ڈلوانے کے لئے چغلیاں کھاتی پھرتی تھی، اس لئے اسے عربی محاورہ کے مطابق لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے، فارسی محاورہ میں ایسے شخص کو، ”ہیزم کش“ کہتے ہیں، شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا ہے:۔

میان دو کس جنگ چوں آتش است خن چین بد بخت ”ہیزم کش“ است

اردو محاورہ میں اسی کو ”جلتی پرتیل چھڑکنا“ کہتے ہیں، بہر حال اس سورت میں اس کی ہلاکت کو بیان کیا گیا ہے۔



سُورَةُ الْاٰخِلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اَيَّاتٍ

سُورَةُ الْاٰخِلَاصِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ اَوْ خَمْسُ اَيَّاتٍ.

سورہ اخلاص کی یادنی ہے، چار یا پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ سُبْحَانَ النّبِیِّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عَنْ رَبِّہٖ فَنَزَلَ
قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ فَاللّٰہُ خَبْرٌ ہُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْہٗ اَوْ خَبْرٌ ثَانِ اللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ مُبْتَدَاٌ وَخَبْرٌ اِی الْمَقْصُودُ فِی
الْحَوَائِجِ عَلٰی الدَّوَامِ لَمْ یَلِدْہٗ لَا نَبْیَآءَ مُجَانِسَہٗ وَلَمْ یُولَدْ ۝ لَا نَبْیَآءَ الْخُدُوْثِ عَنْہٗ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝
اِی مُکَافِیًا وَمُمَآثِلًا فَلَہٗ مُتَعَلِّقٌ بِکُفُوَا وَقَدِّمَ عَلَیْہِ لِآنَہٗ مَحْطُ الْقَصْدِ بِالنَّفْیِ وَاٰخِرَ اَحَدٌ وَہُوَ اِسْمٌ یَّکُنْ
عَنْ خَبْرِہَا رِغَاۃٌ لِّلْفَاصِلَۃِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، نبی ﷺ سے ان کے رب کے بارے
میں سوال کیا گیا تو قل هو اللہ احد نازل ہوئی، کہو وہ اللہ یکتا ہے، اللہ، ہو کی خبر ہے اور احد اس سے بدل ہے یا
(مبتداء) کی خبر ثانی ہے، اللہ بے نیاز ہے یہ مبتدا خبر ہیں یعنی وہ حاجتوں میں ہمیشہ مقصود ہے، نہ اس کی کوئی اولاد مجانست کے
منقشی ہونے کی وجہ سے نہ وہ کسی کی اولاد اس سے حدوث کے منقشی ہونے کی وجہ سے، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے یعنی ہمسرا اور
مماثل نہیں، لہ کفو سے متعلق ہے، لہ کو کفو پر مقدم کر دیا گیا ہے؛ اسلئے کہ وہی (مماثل سے) مقصود بالنفی ہے اور احد
کو جو کہ یکن کا اسم ہے اس کی خبر سے مؤخر کر دیا گیا ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے۔

تَحْقِیْقُ شَرْکِیِّ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

سورہ اخلاص، اس سورت کے متعدد نام ہیں اور کثرت اسماء شرفِ مسمیٰ پر دلالت کرتے ہیں، صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے
اس کے بیس نام شمار کرائے ہیں؛ ان میں سے چند یہ ہیں: سورۃ التفرد، سورۃ التجرید، سورۃ التوحید، سورۃ
الاخلاص، سورۃ التحیات، سورۃ الولایۃ، سورۃ النسبۃ، سورۃ المعرفة، سورۃ الجمال، سورۃ

المقشقة، (تلك عشرة كاملة).

قَوْلًا: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اس کی ترکیب میں چند صورتیں ہیں، ① هُوَ ضمیر شان مفسر مبتداء اور اللہ الصمد مفسر جملہ ہو کر خبر ② هُوَ مبتداء اول، اللہ مبتداء ثانی اور أَحَدٌ مبتداء ثانی کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر، اس صورت میں هُوَ کا مرجع وہ ہے جو سابق میں مذکور ہوا، اس لئے کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، مشرکین کے سوال یا محمد! انسب لنا ربك، اے محمد ﷺ تو ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کر، کے جواب میں ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اللہ، هُوَ سے بدل ہو۔

قَوْلًا: اللہ الصمد، اللہ مبتداء الصمد اس کی خبر، الصَّمَدُ مَا يُضْمَدُ اليه في الحاجات، کو کہا جاتا ہے، یعنی حاجتوں میں جس کی جانب قصد کیا جائے، فعل (يَضْمَدُ) آتا ہے، مصدر بمعنی مفعول (مَصْمُودٌ) ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

سورۃ اخلاص کی فضیلت:

یہ سورت اگرچہ بہت مختصر ہے؛ مگر بڑے فضائل کی حامل ہے آپ ﷺ نے اس کو ثلث قرآن قرار دیا ہے۔

شان نزول:

مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو تب یہ سورت نازل ہوئی۔ (مسند احمد)

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اس حکم کے مخاطب اولین تو خود رسول اللہ ﷺ ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ ہی سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کا رب کون ہے اور کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ ہی کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ ان کے سوال کے جواب میں اللہ أَحَدٌ کہیں، لیکن حضور ﷺ کے بعد ہر مومن اس کا مخاطب ہے، اسے بھی وہی بات کہنا چاہئے جس کے کہنے کا حکم حضور ﷺ کو دیا گیا تھا۔

لفظ قُلْ، اس میں نبی ﷺ کی نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا حکم ہو رہا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود اور تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، أَحَدٌ اور وَاحِدٌ کا ترجمہ تو ایک ہی کیا جاتا ہے؛ مگر مفہوم کے اعتبار سے احد کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب و تحلیل، تعدد اور تجزیہ اور کسی شئی کی مشابہت و مشاکلت سے پاک ہے یعنی وہ ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا ہے اور نہ اس میں تعدد کا کوئی امکان ہے، اس کے سو دنیا کی ہر شئی جفت اور طاق ہے، یہ جواب ہو گیا ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ سونے چاندی کا ہے یا کسی جوہر کا؟ اس ایک مختصر جملہ میں ذات و صفات کے سب مباحث آ گئے۔

اللّٰهُ الصَّمَدُ لفظ صمد کے معنی میں بڑی وسعت ہے، اس کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں، لیکن اصل معنی صمد کے ہیں وہ ذات کہ لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کی طرف رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے کوئی بڑا نہیں، خلاصہ یہ کہ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب نامہ کا سوال کیا تھا کہ اس کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو والد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، کفو کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں، معنی یہ ہے کہ نہ کوئی اس کا مثل ہے اور نہ ہی کوئی اس سے مشا کلت و مشابہت رکھتا ہے۔ (معارف)

سورہ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے، منکرین توحید کی دنیا میں مختلف اقسام ہوئی ہیں، سورہ اخلاص نے ہر قسم کے مشرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا ہے؛ چنانچہ منکرین توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے، جبکہ بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر وجوب وجود کے منکر ہیں، بعض دونوں کے قائل ہیں مگر صفات کمالات کے منکر ہیں، بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں؛ مگر پھر بھی غیر اللہ کو عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان سب خیالات باطلہ کا رد اللہ الصمد میں ہو گیا، بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے؛ مگر حاجت روا کار ساز اللہ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں، ان کے خیالات کا ابطال لفظ صمد میں ہو گیا، بعض لوگ اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں ان کا رد لَمْ يَلِدْ میں ہو گیا۔ (معارف)

لہذا اس مختصر مگر جامع سورت سے ہر طرح کے شرک کی نفی ہو گئی جس کی طرف راہ نکالنے کی کسی قسم کی اب قطعاً کوئی گنجائش قی نہیں رہ جاتی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

﴿مَتَّ﴾

سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

سورہ فلق مکی یا مدنی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

نَزَلَتْ هَذِهِ وَالتَّى بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لَبِيدُ الْيَهُودِيِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَتْرِهِ إِحْدَى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَأَعْلَمَهُ اللَّهُ بِذَلِكَ وَبِمَحَلِّهِ فَأَحْضَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِالْتَّعَوُّذِ بِالسُّورَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأَ آيَةً مِنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتَّى انْحَلَّتِ الْعُقْدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ.

یہ سورت اور اس کے بعد والی سورت اس وقت نازل ہوئی جب کہ لبید یہودی نے نبی ﷺ پر ایک تانت کی گیارہ گرہوں میں جادو کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سحر کی اور اس کی جگہ کی اطلاع فرمادی، آپ ﷺ کے سامنے اس کو لایا گیا اور دونوں سورتوں کے ذریعہ تعوذ (پناہ) کا حکم دیا گیا، جب آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تھے، تو ایک گرہ کھل جاتی تھی اور آپ ﷺ ہلکا پن محسوس فرماتے، یہاں تک کہ تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ آپ ﷺ کو بندشوں سے کھولایا گیا۔

قَوْلُهُ: فَأَحْضَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ ﷺ، یعنی لبید بن العصم کو آپ ﷺ کے سامنے حاضر کیا گیا، (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اس کو بلا کر لائے تھے۔

قَوْلُهُ: فِي وَتْرٍ! وَتْرٌ تانت جو کہ جانوروں کی آنت سے بنائی جاتی ہے، یہ ایک قسم کی رگ ہے جو مضبوط دھاگے جیسی ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ الصُّبْحِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ بِنِ حَيَوَانَ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذَلِكَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ أَيْ اللَّيْلِ إِذَا أَظْلَمَ أَوْ الْقَمَرِ إِذَا غَابَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ السُّوَاجِرِ تَنْفُثُ فِي الْعُقَدِ ۝ الَّتِي تَعْقُدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيهَا بِشَيْءٍ يَقُولُهُ بَيْنَ غَيْرِ رِيقٍ وَقَالَ الزُّمَخْشَرِيُّ مَعَهُ كَبَنَاتٌ لَبِيدُ الْمَذْكُورِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝ أَظْهَرَ حَسَدَهُ وَغَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ

كَلْبِيدِ الْمَذْكُورِ مِنَ الْيَهُودِ الْحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلِ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِشِدَّةِ شَرِّهَا.

تَرْجُمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کہو کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی (یعنی) حیوان مکلف اور غیر مکلف کے شر سے اور جماد کے شر سے مثلاً زہرہ وغیرہ، اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے، یعنی رات کے شر سے جب وہ تاریک ہو جائے، یا چاند کے شر سے جب وہ غروب ہو جائے، اور پھونکنے والی جادوگریوں کے شر سے جو گرہوں میں تھوک کے بغیر پھونکیں وہ گرہیں کہ جن کو وہ دھاگے میں لگاتی ہیں اور زختری نے کہا ہے: تھوک کے ساتھ، جیسا کہ لبید مذکور کی بیٹیاں اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی اپنے حسد کو ظاہر کرے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے جیسا کہ نبی ﷺ پر حسد کرنے والے یہود میں سے لبید مذکور ہے اور تینوں کو جن کو مَا خَلَقَ شامل ہے مَا خَلَقَ کے بعد ذکر کرنا ان کے شر کے شدید ہونے کی وجہ سے ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: الْفَلَقُ، اسم فعل: ترکا، اول صبح، فَلَقَ، بمعنى مَفْلُوق.

قَوْلُهُ: وَقَبَ، ماضی، واحد مذکر غائب (ض) وَقَبًا وَقُوبًا، چھا جانا۔

قَوْلُهُ: غَاسِقُ اسم فاعل، رات کی تاریکی غَسَقَ (ن) غُسُوقًا رات کا تاریک ہونا۔

قَوْلُهُ: او القمر یہ غاسق کی دوسری تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: السَّوَاحِرُ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نَفَثُ کا موصوف محذوف ہے، مفسر علام نے موصوف، السَّوَاحِرُ محذوف نکالا ہے یعنی سحر کرنے والی عورتیں، مراد لبید بن اعصم یہودی کی لڑکیاں ہیں، اس کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے، نَفَثُ، نفائثہ کی جمع اور مبالغہ کا صیغہ ہے نَفَثَ (ض ن) نَفَثًا: ہے تھکارنا، نفث اور تفل میں فرق یہ ہے کہ نفث میں تھوک کم ہوتا ہے اور تفل میں تھوک زیادہ ہوتا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحِ

سورۃ فلق اور سورۃ ناس کے فضائل:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ یہ (سورۃ فلق) اور اس کے بعد جو سورۃ ناس ہے، ان دونوں سورتوں کی مشترکہ فضیلت بعض احادیث میں بیان کی گئی ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئیں ہیں جن

کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها)

ابو حابس جہنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو حابس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ! کیا میں تجھے سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں، جس کے ذریعہ پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں! ضرور بتائیے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ دونوں ”معوذتان“ ہیں۔

جب آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تو جبریل عَلَیْہِ السَّلَامُ یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنوئیں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھیج کر منگوا یا (یہ ایک کنگھی کے دندانون اور بالوں کے ساتھ ایک تانت میں گیارہ گرہ لگا کر کیا گیا تھا اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں)۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کرتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے پھر سر اور چہرے پر اور جسم کے اگلے حصہ پر پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے یہ عمل آپ تین مرتبہ فرماتے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن)

سحر، نظر بد اور تمام آفات کا علاج:

سورۃ فلق اور سورۃ ناس ایک ہی ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، ان دونوں سورتوں کو سحر، نظر بد اور تمام آفات روحانی و جسمانی کے دور کرنے میں عظیم تاثیر ہے۔

زمانہ نزول:

ان دونوں سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت حسن بصری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہما کا قول ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی بھی ایک روایت یہی ہے، مگر ان سے ہی ایک روایت مدنی ہونے کی بھی ہے، اور یہی قول حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بھی ہے، جن روایتوں سے اس قول کی تقویت ہوئی ہے ان میں سے یہ روایات بھی ہیں کہ جب مدینہ میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا تو اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے، نیز ابن سعد، محی السنۃ بغوی، امام نسفی، امام بیہقی، حافظ ابن حجر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا جس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، ان روایات سے اس کی تقویت ہوتی ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔

آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہونا:

یہاں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ روایات کی رو سے آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تھا، اور اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اور اس اثر کو زائل کرنے کے لئے جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ کو یہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی، اس پر قدیم اور جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ روایات مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ اگر نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے جیسا کہ روایات کی رو سے اثر ہو بھی گیا تھا، تو نہیں کہا جاسکتا کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کھلو الیا اور کرو الیا ہو؟ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا درحقیقت مستند تاریخی روایات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اگر ہوا تھا تو وہ اثر کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں جو کئے گئے ہیں؟

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہونے کا تو یہ واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بخاری و مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد وغیرہم محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے جس کا نفس مضمون تو اتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے، اس سلسلہ کی جو روایات آئی ہیں، انہیں اگر مجموعی طور پر مرتب کیا جائے تو اس سے ایک مربوط واقعہ کی شکل اس طرح بنتی ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے تو محرم ۷ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن الأعصم سے ملا جو انصار کے قبیلہ بنی زریق سے تعلق رکھتا تھا (بعض روایتوں میں یہودی اور بعض میں منافق بھی مذکور ہے) ان لوگوں نے اس سے کہا کہ محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے، ہم نے ان پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی؛ مگر کوئی کامیابی نہیں ملی، اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں؛ کیونکہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو، لو یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں، انہیں قبول کرو اور محمد ﷺ پر ایک زوردار جادو کر دو، اس زمانہ میں حضور ﷺ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا، اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضور ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا، جس میں آپ ﷺ کے موئے مبارک بھی تھے، ان ہی بالوں اور کنگھی کے دندانون پر جادو کیا گیا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی شکل کا موم کا ایک پتلا بھی بنایا اور اس میں گیارہ سوئیاں چھو دی گئی تھیں، ایک روایت میں یہ ہے کہ تانت میں گیارہ گرہ لگا کر ان گرہوں میں سوئیاں چھوئی گئی تھیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لبید نے خود جادو کیا تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لڑکیوں نے جادو کیا تھا اور بعض میں بہنوں کا ذکر ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ سب نے مل کر یہ

کام کیا ہو، ان تمام چیزوں کو ایک زکھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر لبید نے بنی زریق کے کنویں ذروان کی تہہ میں پتھر کے نیچے دبایا، ابتداء میں اس جادو کا اثر بہت ہلکا تھا؛ مگر بتدریج آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہونی شروع ہو گئی، آخری چالیس روز سخت خراب ہوئی ان میں بھی آخری تین روز زیادہ سخت گزرے؛ مگر اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر آپ ﷺ پر ہوا وہ بس یہ تھا کہ آپ گھلتے چلے جا رہے تھے کسی کام کے متعلق خیال ہوتا کہ وہ کر لیا ہے؛ حالانکہ نہیں کیا ہوتا تھا اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ ان کے پاس گئے ہیں؛ حالانکہ نہیں گئے ہوتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے؛ حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے، رہی آپ کے نبی ہونے کی حیثیت تو اس میں آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہیں ہونے پایا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ سے دعاء مانگی، اسی حالت میں آپ کو نیند آ گئی اور پھر بیدار ہو کر آپ نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے فرمایا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتادی، حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کیا، وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا دو آدمی (یعنی دو فرشتے آدمی کی صورت میں) میرے پاس آئے ایک سرہانے کی طرف تھا اور دوسرا پالکتی کی طرف، ایک نے دوسرے سے پوچھا انہیں کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے، اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا لبید بن العصم نے پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک زکھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا بنی زریق کے کنویں ذروان کی تہہ میں پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لئے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کنویں کا پانی نکال دیا جائے اور پتھر کے نیچے سے اس کو نکال لیا جائے، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت زبیر کو بھیجا ان کے ساتھ جبیر ایاس اور قیس بن محسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بھی شامل ہو گئے، بعد میں خود حضور ﷺ بھی چند اصحاب کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے پانی نکالا گیا، اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا اس کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھوئی ہوئی تھیں، جبریل علیہ السلام نے آکر بتایا کہ آپ ﷺ معوذتین پڑھیں؛ چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک سوئی نکالی جاتی غرضیکہ سورتوں کے خاتمہ تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں کھل گئیں اور تمام سوئیاں نکل گئیں اور آپ ﷺ جادو کے اثر سے نکل کر ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی، اس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا مگر آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ اپنی ذات کے لئے آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

یہ ہے سارا قصہ جادو کا اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو آپ ﷺ کے منصب نبوت میں قاذح ہو، ذاتی طور پر اگر آپ ﷺ کو زخمی کیا جاسکتا تھا جیسا کہ جنگ احد میں ہوا، اگر آپ ﷺ گھوڑے سے گر کر چوٹ کھا سکتے تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر آپ ﷺ کو بچھوکاٹ سکتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی

نہیں ہے جس کا نبی ہونکی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا، تو آپ ﷺ اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے تھے، نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے، یہ بات تو قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، سورہ طہ میں ہے کہ جولاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں، ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں؛ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی شکل میں دوڑی چلی آرہی ہیں اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ بھی ہو گئے تھے۔

معوذتین کی قرآنیت:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بتواتر ثابت ہے، اس میں قطعی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، مگر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم المرتبہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایتوں میں یہ بات منقول ہوئی ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتیں نہیں مانتے تھے اور اپنے مصحف سے ان کو ساقط کر دیا تھا، امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ، ابویعلیٰ، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، حمیدی، ابونعیم، ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ محدثین نے مختلف سندوں سے جن میں اکثر و بیشتر صحیح ہیں، یہ بات حضرت عبد اللہ بن مسعود سے نقل کی ہے۔

قرآن میں مخالفین کا طعن:

ان روایات کی بنا پر مخالفین اسلام کو قرآن کے بارے میں شبہات ابھارنے اور طعن کرنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جب یہ دو سورتیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق الحاقی ہیں تو نہ معلوم اور کیا کیا حذف و اضافے اس میں ہوئے ہوں گے؟

طعن کے جوابات:

قاضی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقلانی اور قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے ان کے طعن کا یہ جواب دیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے منکر نہ تھے؛ بلکہ صرف ان کو مصحف میں درج کرنے سے انکار کرتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک مصحف میں صرف وہی چیز درج کی جانی چاہیے تھی جس کے ثبت کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہو اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان کے درج کرنے کی اجازت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔

(فتح الباری صفحہ: ۵۷۱، ج: ۸)

یہ واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ بلا ریب یہ اللہ کا کلام ہے اور بلا شبہ آسمان سے نازل ہوا ہے، مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا، معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے نازل کی گئی ہے یا نہیں؟ اس لئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس کو قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب

ہے، خلاف احتیاط ہے، روح البیان میں ہے ”اِنَّهُ كَانَ لَا يَعُدُّ الْمَعْرُوثَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ وَكَانَ لَا يَكْتُبُهُمَا فِي مَصْحَفِهِ يَقُولُ اِنَّهُمَا مُنْزَلَتَانِ مِنَ السَّمَاءِ وَهُمَا مِنْ كَلَامِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَكِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْقِي وَيَعُوذُ بِهِمَا، فَاشْتَبَهَ عَلَيْهِ اَنَّهُمَا مِنَ الْقُرْآنِ فَلَمْ يَكْتُبْهُمَا فِي مَصْحَفِهِ“

(روح البیان، صفحہ ۷۲۳، ج: ۴، فوائد عثمانی)

بہر حال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی، اور جیسا کہ بزار نے نقل کیا ہے کہ کسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان سے اتفاق نہیں کیا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ”واجب باحتمال اَنَّهُ كَانَ مُتَوَاتِرًا فِي عَصْرِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَكِنْ لَمْ يَتَوَاتَرَ عِنْدَ ابْنِ مَسْعُودٍ فَانْحَلَّتِ الْعَقْدَةُ بِعَوْنِ اللَّهِ تَعَالَى“ اور صاحب معانی فرماتے ہیں ”وَلَعَلَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَجَعَ عَنْ ذَلِكَ“ (فوائد عثمانی ملخصاً)

﴿مَثَّ﴾

سُورَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ آيَاتٍ

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ آيَاتٍ.

سورۃ الناس مکی یا مدنی ہے، چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ خَالِقِهِمْ وَمَالِكِهِمْ خُصُوْبِ الذِّكْرِ ۝ تَشْرِیْفًا لَهُمْ وَمُنَاسَبَةً لِاِلَّا سَتِعَاذَةِ بَيْنِ شَرِّ الْمَوْسُوْسِ فِیْ صُدُوْرِهِمْ ۝ اِلٰهَ النَّاسِ ۝ بَدَلَانِ اَوْ صِفَتَانِ اَوْ عَطْفًا بَيَانٍ وَّ اَظْهَرَ الْمُضَافِ اِلَيْهِ فِیْهِمَا زِیَادَةُ لِلْبَيَانِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝ الشَّیْطَانِ سُمِیَ بِالْحَدِثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَةِ لَهُ الْخَتَاسِ ۝ لِاَنَّهُ یَكْنُسُ وَیَتَاَخَّرُ عَنِ الْقَلْبِ کُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهُ الَّذِیْ یُوسُوْسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ قُلُوْبِهِمْ اِذَا غَفَلُوْا عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ بَيَانٌ لِلشَّیْطَانِ الْمَوْسُوْسِ اَنَّهُ جِنِّیٌّ وَاَنْسِیٌّ كَقَوْلِهِ تَعَالٰی شَیَاطِیْنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَوْ مِنَ الْجَنَّةِ بَيَانٌ لَهُ وَالنَّاسِ غَطَفٌ عَلٰی الْوَسْوَاسِ وَعَلٰی كُلِّ یَشْمَلُ شَرٌّ لِّبَیْدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُوْرِیْنَ وَاغْتَرَضَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَا یُوسُوْسُ فِیْ صُدُوْرِهِمْ النَّاسُ اِنَّمَا یُوسُوْسُ فِیْ صُدُوْرِهِمُ الْجِنُّ وَاُجِیْبَ بِاَنَّ النَّاسَ یُوسُوْسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنٰی یَلِیْقُ بِهِمْ فِی الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسُوْسَتُهُمْ اِلَى الْقَلْبِ وَتَثْبُتُ فِیْهِ بِالطَّرِیْقِ الْمُؤَدِّیِّ اِلٰی ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ کہیے کہ میں لوگوں کے رب، ان کے مالک کی پناہ میں آتا ہوں (یعنی) ان کے خالق کی اور ان کے مالک کی (پناہ میں آتا ہوں) انسانوں کا ذکر خاص طور پر ان کی شرافت اور ان کے سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ چاہنے کی مناسبت کی وجہ سے کیا گیا ہے، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی، دونوں بدل ہیں یا صفت ہیں یا عطف بیان ہیں، اور دونوں جگہ مضاف الیہ کو زیادتی بیان کے لئے ظاہر کیا ہے، وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے (پناہ چاہتا ہوں) شیطان کا نام وسواس (یعنی معنی مصدری) رکھا گیا ہے، اس کے کثرت سے وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے، اس لئے کہ وہ چھپ جاتا ہے اور قلب سے پیچھے ہٹ جاتا ہے جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں جب اللہ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں وسوسہ ڈالتا ہے (خواہ وہ)

از قبیل جن ہو یا از قبیل انسان، یہ وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا بیان ہے کہ وہ جنی ہے اور انسی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول شیاطین الانس والجن، یا من الجنة (شیطان) کا بیان ہے اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے، اور ہر صورت میں، سورت ماقبل میں مذکور لبید اور اس کی لڑکیوں کے شر کو مشتمل ہے، پہلی صورت میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان، انسانوں کے قلوب میں وسوسہ نہیں ڈالتے، انسانوں کے دلوں میں تو جنات وسوسہ ڈالتے ہیں؟ (تو اس اعتراض کا) جواب دیا گیا ہے کہ انسان بھی ایسے طریقوں سے وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر ان کے مناسب ہو، (مثلاً نمیمہ وغیرہ کے ذریعہ) پھر ان کا وسوسہ قلب تک ایسے طریقہ سے پہنچ جاتا ہے جو ثبوت تک مفہمی ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

سورہ فلق اور سورہ الناس کی آیتوں کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، یہ گروہوں اور سوئیوں کی تعداد کے مساوی ہے، جو آپ ﷺ پر سحر میں استعمال کی گئی تھیں۔

قَوْلٌ: قُلْ اَعُوذُ میں خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے؛ مگر امت کا ہر فرد اس کا مخاطب ہے۔

قَوْلٌ: الناس اس کی اصل اناس ہے، اس سے ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: ومناسبة للاستعاذة من شر الوسوس، كَأَنَّهُ قِيلَ، اَعُوذُ مِنْ شَرِّ الْمَوْسُوسِ إِلَى النَّاسِ بِرَبِّهِمُ الَّذِي يَمْلِكُ أَمْرَهُمْ۔

قَوْلٌ: ملك الناس یہاں تمام قراء کا حذف الف پر اتفاق ہے، بخلاف سورہ فاتحہ کے کہ وہاں اختلاف ہے بعض الف کو حذف کرتے ہیں اور بعض باقی رکھتے ہیں۔

قَوْلٌ: زيادة للبيان مزيد وضاحت کے لئے ہے، اس لئے کہ رب کا اطلاق بعض اوقات غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُحَبَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ" اس لئے رب کی تین صفات لائی گئی ہیں؛ تاکہ غیر اللہ سے ممتاز ہو جائے، مذکورہ صفات میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے، اس لئے کہ ربی کے لئے ملک ہونا ضروری نہیں؛ مگر جو ملک ہوتا ہے وہ ربی بھی ہوتا ہے، اور اللہ سب سے اعلیٰ ہے، اس لئے کہ رب اور ملک کے لئے اللہ ہونا ضروری نہیں؛ مگر اللہ کے لئے رب اور ملک ہونا ضروری ہے۔

قَوْلٌ: من شر الوسواس یہ اعوذ سے متعلق ہے۔

قَوْلٌ: سمى بالحدث یعنی موسوس کو وسواس کہا گیا ہے یہ زید عدل کے قبیل سے ہے، گویا کہ زید سراپا عدل ہے، اسی طرح شیطان اس قدر وسوسہ ڈالتا ہے گویا کہ وہ خود وسوسہ ہو گیا ہے۔

قَوْلٌ: الخناس یہ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت زیادہ پیچھے پلٹنے والا، اور خناس شیطان کو بھی کہتے ہیں۔

قَوْلٌ: وَيَتَأَخَّرُ یہ الخناس کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: بیان للشیطان الموسوس یعنی مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ، یُوسِسُ کی ضمیر فاعل کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا جن بھی ہو سکتا ہے اور انس بھی، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ، اس النَّاسِ کا بیان ہے جو فی صدور الناس میں ہے، مطلب یہ ہوگا کہ ابلیس جس طرح انسانوں کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی وسوسہ ڈالتا ہے، اس صورت میں موسوس خاص اور مَوسوس لہ عام ہوگا، كَمَا نُهُ قَالَ، اَعُوذُ مِنَ شَرِّ الشَّيْطَانِ الَّذِي يُوسِسُ فِي صُدُورِ الْجَنِّ وَالنَّاسِ یہ معنی اس کے برعکس ہیں، جو شارح نے بیان کئے ہیں۔

قَوْلًا: لَا يُوسِسُ فِي صُدُورِهِمُ النَّاسُ یعنی انسان انسان کے قلوب میں وسوسہ نہیں ڈالتے، مفسر علام اس کے بجائے اگر "لا یوسسون فی صدور الناس" کہتے تو زیادہ آسان ہوتا۔

قَوْلًا: الْمَوْصِلُ إِلَى ذَلِكَ، اِیْ اِلَى ثَبُوتِهَا فِي الْقَبْلِ یعنی شیطان اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

اس سورت کی فضیلت سابقہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو نماز میں ایک بچھونے کاٹ لیا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ (قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد)

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، رَبِّ "پروردگار" کا مطلب ہے جو ابتداء سے ہی، جبکہ انسان رحم مادر ہی میں ہوتا ہے اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، اور یہ اصلاح و تدبیر کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہتا ہے، پھر یہ اصلاح و تدبیر چند مخصوص افراد کے لئے نہیں؛ بلکہ تمام انسانوں؛ بلکہ اپنی تمام مخلوق کے لئے کرتا ہے؛ یہاں صرف انسانوں کا ذکر اس شرف و فضل کے اظہار کے لئے ہے جو تمام مخلوق پر اس کو حاصل ہے۔

مَلِكِ النَّاسِ، جو ذات تمام انسانوں؛ بلکہ تمام مخلوقات کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اسی کے پاس ہو۔

اِلٰهِ النَّاسِ، اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ، الوسواس بعض کے نزدیک اسم فاعل الموسوس کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذی الوسواس ہے، وسوسہ مخفی آواز کو کہتے ہیں، شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقہ سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے، الخناس کھسک جانے والا یہ شیطان کی صفت ہے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ کھسک جاتا ہے اور ذکر

سے غفلت کی حالت میں واپس آ کر دل پر چھا جاتا ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ، یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسموں کا بیان ہے شیاطین الجن اور شیاطین الانس۔

شیاطین الجن، کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے، اس کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی ہے، وہ میرا مطیع ہو گیا ہے، وہ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آئیں، رات کا وقت تھا، آپ ﷺ انہیں چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ گئے، راستہ میں دو انصاری صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وہاں سے گزرے، تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا یہ میری اہلیہ صفیہ بنت حنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ہیں، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی دلوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری)

دوسرے شیطان انسی ہوتے ہیں، جو ناصح اور مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شیطان، جنات کو بھی گمراہ کرتا ہے صرف انسان کا ذکر تغلیبا ہے۔

اے بسا ابلیس، آدم روئے ہست پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

فِي تَعْلِيمِ خَيْرِ الْقُرْآنِ

اللَّهُمَّ إِنِّي وَفَّقَ بَيْنَ الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَالْأُمَّةِ الْوَحِيدَةِ
وَهَدَيْتَ رَحْمَةً لِّلْكَرْمِ مِمَّا نَسِيتَ وَلَمْ تَجْعَلْ لِّلْزُفْرِ نِيلًا وَتَبَا
أَنَا لَيْلَ وَأَنَا نَهَارًا وَاجْعَلْ لِّي خَيْرَ تَارِكٍ الْعَالَمِينَ آمِينَ



سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ، سَبْعُ آيَاتٍ.

سورہ فاتحہ مکی ہے، مع بسم اللہ کے سات آیتیں ہیں۔

بِالْبَسْمَلَةِ إِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِينَ إِلَىٰ آخِرِهَا وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ، إِلَىٰ آخِرِهَا، يُقَدَّرُ فِي أَوَّلِهَا قَوْلُوا لِيَكُونَ مَا قَبْلَ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" مُنَاسِبًا لَهُ بِكَوْنِهِ مِنْ مَقُولِ الْعِبَادِ. اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہو، تو ساتویں آیت "صراط الذين" سے آخر تک ہے اور اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز نہ ہو، تو ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہے اور سورہ فاتحہ کے شروع میں "قُولُوا" مقدر مانا جائے گا؛ تاکہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ کا ما قبل، بندوں کا مقولہ ہونے میں اس کے مناسب ہو جائے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ جُمْلَةً خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللَّهِ بِمُضْمُونِهَا مِنْ أَنَّهُ تَعَالَىٰ مَالِكٌ لِجَمِيعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ أَوْ مُسْتَحَقٌّ لِأَن يَحْمَدُوهُ وَاللَّهُ عَلَّمَ عَلَى الْمَعْبُودِ بِحَقِّ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اِی مَالِکِ جَمِیعِ الْخَلْقِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَالذُّوَابِ وَغَیْرِهِمْ، وَكُلُّ مِنْهُمْ يُطَلَّقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْإِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ إِلَىٰ غَیْرِ ذَلِكَ وَغَلِبَ فِي جَمْعِهِ بِالسَّيِّئِ وَالسُّوِّ أَوْلُوا الْعِلْمِ عَلَىٰ غَیْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَىٰ مُوْجِدِهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اِی ذِی الرَّحْمَةِ وَهِيَ ارَادَةُ الْخَيْرِ لِأَهْلِهِ مَلِکِ یَوْمِ الدِّینِ ۝ اِی الْجَزَاءُ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیَمَةِ وَخُصَّ بِالذِّکْرِ لِأَنَّهُ لَا مَلِکَ ظَاهِرًا فِيهِ إِلَّا لِلَّهِ تَعَالَىٰ بِذَلِیلٍ لِّمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلَّهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِکَ فَمَعْنَاهُ مَالِکِ الْأَمْرِ کَلِمَةٍ فِي یَوْمِ الْقِیَمَةِ اِی هُوَ مَوْصُوفٌ بِذَلِكَ دَائِمًا كَغَاغِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وَقُوعُهُ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِی نَخْصُکَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْجِیدٍ وَغَیْرِهِ وَنَطْلُبُ

مِنْكَ الْمَعُونَةُ عَلَى الْعِبَادَةِ وَغَيْرِهَا إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ^۱ اِی اَرْشِدْنَا اِلَیْهِ وَیُبْدِلْ مِنْهُ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ بِالْهِدَايَةِ وَیُبْدِلْ مِنَ الَّذِیْنَ بِصِلَتِهِ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَهُمْ الْیَهُودُ وَلَا غَیْرِ الصَّالِّیْنَ^۲ وَهُمْ النَّصَارَى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنْ الْمُهْتَدِیْنَ لَیْسُوا یَهُودًا وَلَا نَصَارَى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَأْبُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ الطَّيِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ صَلَوةً وَسَلَامًا دَائِمِیْنَ مُتَلَازِمِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ہر تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے، یہ جملہ خبریہ ہے، اس جملہ سے اس کے مضمون کے ذریعہ خدا کی تعریف کا قصد کیا گیا ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی تعریف کا مالک ہے یا اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد بیان کی جائے، اور اللہ معبود حقیقی کا علم ہے جو تمام عالموں کا رب ہے یعنی وہ تمام مخلوق کا مالک ہے، خواہ انس ہوں یا جن اور ملائکہ اور حیوانات وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر عالم کا اطلاق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، عالم الانس، عالم الجن و علی هذا القیاس (عالم) کی ی اورن کے ساتھ جمع لانے میں، ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے اور (عالم) علامۃ سے مشتق ہے، اس لئے کہ (عالم) اپنے ایجاد کرنے والے پر علامت ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یعنی رحمت والا ہے اور ”رحمت“ مستحق خیر کے ساتھ خیر کے ارادے کا نام ہے، یوم جزاء کا مالک ہے، اور وہ (یوم جزاء) قیامت کا دن ہے اور یوم جزاء کو خاص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس دن بظاہر اللہ کے سوا کسی کی ملک نہیں ہوگی، لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ؟ لِلّٰہ! کی دلیل سے اور جن لوگوں نے مالکِ یوم الدین پڑھا ہے تو اس کے معنی ہیں، قیامت کے دن وہ تمام امور کا مالک ہے یعنی وہ مالکیت کی صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے جیسا کہ غافر الذنب میں، لہذا اس کا معرفہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے، ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم تجھ ہی کو عبادت کے لئے خاص کرتے ہیں جو کہ وہ توحید وغیرہ ہے اور عبادت وغیرہ پر تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدھی راہ دکھا، یعنی راہ مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اور صراط الذین، الصراط المستقیم سے بدل ہے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے ہدایت کے ذریعہ انعام فرمایا اور الذین سے مع اس کے صلہ کے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ بدل ہے، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور وہ یہود ہیں اور نہ گمراہوں کی اور وہ نصاریٰ ہیں اور نکتہ بدل قرار دینے میں اس بات کا فائدہ پہنچانا ہے کہ یہود ہدایت یافتہ نہیں ہیں اور نہ نصاریٰ ہیں، واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ الطَّيِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ صَلَوةً وَسَلَامًا دَائِمِیْنَ مُتَلَازِمِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. اور حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے اور وہی مرجع اور ٹھکانہ ہے، اللہ کی رحمت ہو ہمارے سردار محمد ﷺ پر، اور آپ کی پاکیزہ اور ستھری آل اصحاب پر ہمیشہ باہم پیوستہ تاقیام قیامت درود و سلام ہو اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلٌ : سَبْعُ آيَاتٍ بِالْبَسْمَلَةِ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے یہاں چونکہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے، اس وجہ سے ساتویں آیت، صراط الذین سے آخر تک ہے، اور احناف کے نزدیک بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا چونکہ جز نہیں ہے، اس لئے ساتویں آیت غیر المغضوب علیہم سے آخر تک ہے۔

قَوْلٌ : يُقَدَّرُ فِي أَوَّلِهَا ، قُولُوا ، سورۃ فاتحہ کے شروع میں لفظ قُولُوا مقدر مانا جائے گا؛ اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے تو قُولُوا بسم اللہ سے پہلے مقدر مانا جائیگا، اور اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے تو بسم اللہ کے بعد مقدر مانا جائے گا، قُولُوا کو مقدر ماننے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا ماقبل، مقولہ عباد ہونے میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے مناسب ہو جائے یعنی پوری سورۃ فاتحہ مقولہ عباد ہو جائے۔ بگونا بگونا میں بَاءٌ مَعْنٰی نِیْ ہے، یعنی فِی کَوْنِ الْفَاتِحَةِ ایک نسخہ میں بگونا بگونا کے بجائے بکونہ ہے یہ زیادہ واضح ہے، ضمیر، ماقبل اِيَّاكَ کی طرف راجع ہوگی اور اگر قُولُوا کی تقدیر کو ترک کر دیا جائے تو احتمال یہ ہوگا کہ سورۃ فاتحہ بنما مہا یہ اللہ کی خود اپنی تعریف ہے۔

قَوْلٌ : الْحَمْدُ لِلّٰهِ خَبْرِيَّةٌ ، خَبْرِيَّةٌ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ”الحمد للہ“ لفظاً جملہ خبریہ ہے، اس کی تقدیر الحمد ثابت للہ ہے اور قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ الخ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ جملہ معنایا نشائیہ ہے، جس کے مضمون سے اللہ کی حمد بیان کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔

قَوْلٌ : مِنْ اِنَّهٗ تَعَالٰی مَالِكٌ لِّجَمِيعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ اس جملہ کے اضافہ کا مقصد مضمون جملہ کی تعیین کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تمام ستائشوں کا مالک ہے، اس صورت میں اللہ کا لام ملک کے لئے ہوگا۔

قَوْلٌ : اَوْ مُسْتَحَقٌّ اس اضافہ سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اللہ میں لام استحقاق کا ہے یعنی اللہ اپنی مخلوق کی تمام ستائشوں کا مستحق ہے۔

قَوْلٌ : قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک مشہور سوال کا جواب دینا ہے۔

سُئِلَ : خبر سے مخبر کا مقصد مخاطب کو یا تو خبر کا فائدہ پہنچانا ہوتا ہے، اس کو اصطلاحی زبان میں فائدۃ الخیر کہتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے زید قائم اگر مخاطب قیام زید سے واقف نہیں ہے تو وہ اس خبر کے بعد قیام زید سے واقف ہو جائے گا، اور اگر مخاطب خبر سے واقف ہے اس صورت میں مخبر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ میں اس خبر سے واقف ہوں اسے لازم فائدۃ الخیر کہتے ہیں، مثلاً مخبر کہتا ہے ”حَفِظْتُ الْقُرْآنَ“ تو نے قرآن حفظ کر لیا، مخبر کا مقصد مخاطب کو یہ بتانا ہے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ تو نے قرآن حفظ کر لیا ہے، ظاہر ہے کہ جس نے قرآن حفظ کیا ہے اسے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تو نے قرآن حفظ کر لیا ہے، بلکہ اسے اپنے باخبر ہونے کی خبر دینا ہے، جسے علم معانی کی زبان میں لازم فائدۃ الخیر کہتے ہیں۔ مذکورہ تفصیل کے بعد آپ غور کریں کہ ”الحمد للہ“ جملہ خبریہ ہے؛ مگر دونوں مذکورہ فائدوں سے خالی ہے، نہ تو اس

سے فائدہ الخیر حاصل ہو رہا ہے اور نہ لازم فائدہ الخیر، اس لئے کہ یہ بات کہ جمیع محامد کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے، سب کو معلوم ہے، لہذا ”الحمد للہ“ کا مقصد اخبار بفائدہ الخیر نہ ہوگا، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ متکلم کا مقصد یہ بھی نہیں کہ وہ مخاطب کو یہ بتائے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ جمیع محامد کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے، تو معلوم ہوا کہ ”الحمد للہ“ جو کہ جملہ خبریہ ہے، دونوں قسم (فائدہ الخیر اور لازم فائدہ الخیر) سے خالی ہے اور جو جملہ خبریہ دونوں قسم کے فائدوں سے خالی ہو، وہ لغو ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے منزہ ہے، لہذا اس جملہ کو انشائیہ ہونا چاہئے جیسا کہ قاضی مبارک شاہ رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے شرح تہذیب کے حاشیہ میرزا دہ میں اختیار کیا ہے، حَيْثُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ يَحْتَمِلُ الْاِنْشَاءَ وَالْاِخْبَارَ وَالْاَوَّلُ اَوْفَقُ بِالْحَدِيثِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ”كُلُّ اَمْرٍ ذِي بَالٍ“۔ (الحديث)

جواب: حاصل جواب یہ ہے کہ جملہ خبریہ سے مذکورہ دونوں فائدوں میں سے کسی ایک فائدہ کا حاصل ہونا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ مخبر کا مقصد اعلام (اخبار) ہو، اور یہاں مقصد انشاءِ ثناء ہے نہ کہ اخبار، اور جملہ خبریہ بسا اوقات فائدہ الخیر اور لازم فائدہ الخیر کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے بھی لایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”رَبِّ اَنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی“ یہ جملہ خبریہ ہے مگر مقصد اظہار حسرت ہے نہ کہ فائدہ الخیر اور نہ لازم فائدہ الخیر۔

قَوْلًا: بمضمونہا اس جملہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال کے سمجھنے سے پہلے بطور تمہید اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ تسمیہ اور سورۃ فاتحہ کے نزول کا مقصد کیفیت تسمیہ و تحمید سکھانا ہے یعنی یہ بتانا ہے کہ کس طرح تسمیہ اور تحمید کی جائے، جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ ”الحمد للہ“ دو حال سے خالی نہیں؛ کیوں کہ حمد یا تو بطریق انشاء ہوگی یا بطریق خبر، اگر بطریق انشاء ہو اس پر وہی اعتراضات ہوں گے جو سابق میں بیان کیے گئے ہیں اور اگر بطریق خبر ہو تو جو شخص بھی یہ جملہ یعنی ”الحمد للہ“ کہے گا تو وہ غیر کی جانب سے حمد کا مخبر ہوگا نہ کہ حامد بنفسہ؛ لہذا یہ شخص نماز میں حمد کرنے والا نہیں ہوگا؛ حالانکہ انشاء حمد اس پر نماز میں واجب ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے جواب میں کہے کہ اخبار بالحمد بھی حمد ہے، لہذا الحمد للہ کہنے والا منجملہ حامدین سے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہمیں یہ مسلم نہیں اس لئے کہ حمد وصف بالجمل کا نام ہے نہ کہ اخبار الوصف بالجمل کا، لہذا یہ حمد نہ ہوگی؟

خلاصۃ الکلام:

قَوْلًا: خَبَرِيَّةُ الْخ، اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ ”الحمد للہ“ جملہ انشائیہ ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ”الحمد للہ“ جملہ فعلیہ سے معدول ہے جیسا کہ سلامٌ عَلَیْکُمْ جملہ فعلیہ سے معدول ہے کہ اصل میں سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَیْکَ تھا؛ لہذا جب معدول عنہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہے، تو معدول بھی جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا، اسی طرح ”الحمد للہ“ اصل میں حَمَدْنَا حَمْدًا تھا، استمرار و دوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف معدول کر لیا گیا، لہذا جملہ ”الحمد للہ“ بھی انشائیہ ہی ہوگا۔

رد کی پہلی دلیل:

رد کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جملہ انشائیہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مضمون زمانہ استقبال سے متعلق ہے؛ لہذا الحمد للہ کا مفہوم، ایجاد الحمد فی زمان المستقبل ہوگا اور یہ تعین زمان کے منافی ہے جو کہ ”الحمد للہ“ میں معتبر ہے، اس لئے کہ جملہ فعلیہ سے معدول کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ دوام واستمرار پر دلالت کرے نہ کہ حدوث وتجدد پر۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل یہ ہے کہ جملہ انشائیہ خواہ اسمیہ ہو جیسے سلام علیکم یا فعلیہ ہو جیسا کہ نعم الرجل زید، وہ بہر حال قائل کی جانب سے حدوث مضمون پر دلالت کرتے ہیں، نہ کہ غیر قائل کی جانب سے؛ لہذا ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ“ کے معنی ہوں گے ”سلام من قبلی اور نعم الرجل زید“ کے معنی ہوں گے احداث المدح من المتکلم دون غیرہ اور یہ حامد کی حمد کے منافی ہے جو کہ ”الحمد للہ“ میں حذف فاعل سے مفہوم ہے، لہذا علامہ جلال الدین محلی نے الخبریۃ کہہ کر مذکورہ دونوں اعتراضوں کو دفع کر دیا۔
(واللہ اعلم بالصواب)

قَوْلُهُ: مِنْ اَنَّهُ تَعَالَىٰ مَالِكٌ لِّجَمِيعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَن يَحْمَدُوْهُ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: تمام محامد کا اختصاص اللہ تعالیٰ کے لئے ”الحمد“ کے الف لام سے مستفاد ہے خواہ الف لام استغراق کا ہو یا جنس کا جس کی تفصیلی تقریروں ہے:

عترض کی تقریر:

لفظ ”حمد“ مصدر ہے، یا تو یہ مصدر معروف ہوگا یا مجہول، یعنی کسی کا حامد ہونا یا محمود ہونا، اور ان دونوں صورتوں میں حمد کا اختصاص باری تعالیٰ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، اول صورت میں تو اس لئے کہ حمد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسبا اور معتزلہ کے نزدیک خلقتا درست ہے، یعنی غیر اللہ کو کہا جاسکتا ہے کہ ”انہ حامد علی سبیل الکسب“ لہذا صریحاً نہیں رہا، اور اگر ثانی صورت مراد ہو کہ الحمد کو مصدر مجہول مانا جائے، تو اس صورت میں حصر اس لئے درست نہیں ہوگا کہ صرف اللہ ہی حمد کا تعلق غیر اللہ سے ہوتا ہے، مثلاً غیر اللہ کے لئے کہا جاتا ہے ”انہ محمود“ یا فُلَانٌ عَالِمٌ بِمَا فُلَانٌ سَجَاعٌ، وغیرہ، تو فلاں محمود ہوگا، خلاصہ یہ کہ الحمد اللہ میں حمد کسی صورت میں بھی اللہ کے ساتھ محصور نہیں، حالانکہ الحمد میں حصر ہی قصود ہے؟ اسی اعتراض کا جلال الملت والذین نے اول شق کو اختیار کر کے اپنے قول ”مِنْ اَنَّهُ تَعَالَىٰ مَالِكٌ لِّجَمِيعِ الْحَمْدِ“ سے جواب دیا ہے اور ثقی ثانی کو اختیار کر کے اس کا جواب اپنے قول ”اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَن يَحْمَدُوْهُ“ سے دیا ہے۔

پہلی شق کو اختیار کر کے جواب کی تقریر:

جواب یہ ہے کہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں باعتبار ملک اور خلق کے، بایں طور کہ ہر حمد خواہ وہ خالق سے صادر ہو یا مخلوق سے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لئے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے سوا ہر شئی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور غیر اللہ حقیقہً نہ کسی شئی کا خالق ہو سکتا ہے اور نہ مالک؛ لہذا جمیع محامد کا اختصاص باعتبار خلق اور ملک کے اللہ ہی کے ساتھ ہوگا، نہ کہ باعتبار نسبت کے؛ لہذا یہ اختصاص حقیقت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ظاہر اور نسبت کے اعتبار سے۔

دوسری شق کو اختیار کرنے کی صورت میں جواب:

دوسری شق یہ ہے کہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، محمود ہونے کے اعتبار سے اور یہ اختصاص نفس الامری وقوع کے اعتبار سے نہیں ہے، (یعنی فی الواقع ایسا ہو یہ بات نہیں ہے) بلکہ استحقاق کے اعتبار سے ہے، یعنی تمام محامد کا استحقاق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے علاوہ کوئی بھی، حمد کے کسی فرد کا مستحق نہیں، اس لئے کہ حمد کا استحقاق خیر کی وجہ سے ہوتا ہے اور خیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، خواہ انسان کے کسب کے اعتبار سے ہو، بایں معنی کہ اس کے کسب میں بندے کے اختیار کو دخل ہو، یا بلا واسطہ ہو کہ اس میں بندے کے کسب و اختیار کو بالکل دخل نہ ہو (جیسے پیدائشی نعمتیں) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اختصاص بطریق استحقاق ہے، تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حمد کے بعض افراد غیر اللہ کے لئے ثابت ہوں؛ لہذا اگر کچھ لوگ بتوں کی یا کوب یاد گیر مظاہر کی بندگی اور ان کی حمد و ثناء کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے تمام افراد حمد کے استحقاقی طور پر اختصاص کے منافی نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَاللَّهُ عَلَّمَ عَلَى الْمَعْبُودِ بِحَقِّ، یعنی اللہ معبود برحق کا عَلَّمَ (نام) ہے، مفسر علام جلال المملۃ والدین نے لفظ اللہ کی تشریح عَلَّمَ عَلَى الْمَعْبُودِ بِحَقِّ سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: اس مقام (یعنی الحمد لله) میں لفظ اللہ کو دیگر صفاتی ناموں (مثلاً خالق، رازق وغیرہ) کے مقابلہ میں

کیوں اختیار کیا؟ باوجودیکہ صفاتی نام ذات مع الصفات پر دلالت کرتے ہیں؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ایک معبود شخص کا نام ہے، جو تمام صفات کمال کو جامع ہو، اللہ کے علاوہ دیگر تمام نام صفاتی ہیں اگر اللہ کے بجائے کسی صفاتی نام کو اختیار کرتے تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اللہ اسی صفت کی وجہ سے مستحق حمد ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے، اس لئے کہ کسی حکم کا کسی وصف سے متعلق ہونا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف ہی اس حکم کی علت ہے، اور یہ باطل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی صفات کے اعتبار سے مستحق حمد ہے اسی طرح وہ اپنی مجرد ذات کے اعتبار سے بھی یکساں طور پر مستحق حمد ہے۔

قَوْلُهُ: رَبِّ الْعَالَمِينَ، اٰی مَالِكٍ، رَبِّ مصدر ہے بمعنی تربیۃ، رَبِّ کو اللہ کی صفت بطور مبالغہ لایا گیا ہے، رب کے متعد

معانی آتے ہیں، سید، مالک، معبود، مصلح وغیرہ، مناسب مقام کی وجہ سے مفسر علام نے مالک کے معنی کو اختیار کیا ہے، لہذا رب کے اللہ پر حمل کے عدم جواز کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سُؤَال: عالم مفرد ہونے کے باوجود کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے، اس لئے کہ عالم اسم جنس ہے تو اس کی جمع لانے کی کیا ضرورت تھی؟
جَوَاب: جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا تاکہ اپنے ماتحت اجناس مختلفہ کو صراحتہ شامل ہو جائے۔

سُؤَال: عالمین کی جمع یا، ن کے ساتھ کیوں لائے ہیں، جب کہ عالم میں غیر ذوی العقول کی تعداد زیادہ ہے اور ذوی العقول کی کم؟

جَوَاب: ذوی العقول کی شرافت کی وجہ سے غیر ذوی العقول پر غلبہ دینے کی وجہ سے اس کی جمع یا، ن کے ساتھ لائی گئی ہے۔
قَوْل: هُوَ ارادة الخير، لاهله مفسر علام کا اس اضافہ سے مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: رحمن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمت سے مشتق ہیں، رحمة کے معنی ہیں رقت قلب اور یہ صفت باری تعالیٰ میں ممتنع ہے۔ اس لئے کہ رقت قلب کے لئے قلب کی ضرورت ہوگی اور قلب کے لئے جسم کی ضرورت ہوگی، اور جس کا جسم ہوتا ہے وہ مجسم ہوتا ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے منزہ اور پاک ہے؟

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے لئے رحمت کا اطلاق غایت اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی رقت قلبی کا انجام اور نتیجہ خیر پر آمادہ کرنا ہوتا ہے؛ لہذا رحمت بول کر انجام رحمت مراد ہے۔

قَوْل: مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ، مَلِكِ میں دو قراءتیں ہیں، ایک الف کے ساتھ یعنی مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ اور دوسری حذف الف کے ساتھ، یعنی مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ، دوسری قراءت میں کوئی اشکال نہیں، یعنی وہ روز جزاء کا بادشاہ ہے، پہلی قراءت یعنی مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ میں اشکال ہے۔

اَشْكَال: مَالِكِ اسم فاعل ہے اس کی اضافت اضافت لفظیہ ہوتی ہے، جو کہ مفید تعریف نہیں ہوتی؛ لہذا اس کا اللہ کی صفت بننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ معرفہ ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ نکرہ، اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہو سکتا؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسم فاعل سے جب حال یا استقبال کا قصد کیا جائے تو اضافت لفظیہ ہوتی ہے اور اگر ماضی یا وام واستمرار کا ارادہ کیا جائے تو یہ اضافت حقیقیہ ہوتی ہے جو کہ مفید تعریف ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں استمرار و دوام ہی مراد ہوتا ہے؛ لہذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْل: وَخُصَّ بِالذِّكْرِ الْخِ اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سُؤَال: مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ میں یوم جزاء کی تخصیص کیوں کی گئی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام زمان و مکان کا مالک ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یوم جزاء کے علاوہ دنیا میں انسانوں کی بھی ملکیت ہوتی ہے، اگرچہ مجازی اور عارضی ہی سہی۔
اور یوم جزاء میں کسی کی ملکیت عارضی اور مجازی بھی نہ ہوگی، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟

اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس کا جواب بھی عنایت فرمائیں گے ”لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ مفسر علام نے اپنے قول: لا ملک ظاہراً فیہ لِأَحَدٍ إِلَّا لَهُ تَعَالٰی سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: نَخْصُصُكَ بِالْعِبَادَةِ الْخ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ایاك مفعول کی تقدیم، تخصیص پر دلالت کرنے لئے ہے، اصل میں نَعْبُدُكَ تھا۔

قَوْلُهُ: اِی ارشدنا الیہ اِی اثبتنا علیہ، ارشاد بمعنی اثبات ہے اس لئے کہ ہدایت تو حاصل ہو چکی ہے، لہذا اب اس پر دوام عطا فرما۔

قَوْلُهُ: وَيُبَدِّلُ مِنْهُ (صرائط الذین انعمت علیہم) یہ بدل الكل من الكل ہے، اس کو الصراط المستقیم کی مدح و تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: يُبَدِّلُ مِنَ الذِّیْنَ بِصَلَّتْهُ الْخ یعنی الذین مع اپنے صلہ کے مبدل منہ ہے اور غیر المغضوب علیہم اس سے بدل ہے، اس میں مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

سُؤَالٌ: غیبر جب دو متضاد چیزوں کے درمیان واقع ہو، تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں واقع ہے اس لئے کہ انعمت علیہم اور مغضوب علیہم دونوں آپس میں متضاد ہیں، اور بعض حضرات نے غیر المغضوب کو الذین انعمت کی صفت قرار دیا ہے؛ مگر اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ معرفہ کی صفت نکرہ درست نہیں ہے؟

جَوَابٌ: موصول، ابہام میں مشابہ بالنکرات ہے؛ لہذا اس کے ساتھ نکرہ جیسا معاملہ کیا گیا ہے۔

سُؤَالٌ: غیبر جب بین الضدین واقع ہوتا ہے تو اس کی نکارت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ یہاں مابین الضدین واقع ہے، لہذا اب کوئی اشکال نہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

سورة الفاتحة مكية سبع آيات بالبسملة.

سورة فاتحة مکی ہے، مع بسم اللہ سات آیتیں ہیں۔

قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ تسمیہ:

سورة کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں، السُّورَةُ: الرفیعة (لسان) السورة المنزلة الرفیعة (راغب) گویا ہر سورت بلند مرتبہ کا نام ہے، سورة کے ایک معنی فصیل (شہر پناہ) کے ہیں، سورة المدينة، حائطُهَا (راغب) قرآنی

سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مضامین کا اسی طرح احاطہ کئے رہتی ہیں جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کئے رہتی ہے۔

الفاتحة:

فاتحة کے لفظی معنی ہیں ابتداء کرنے والی، قرآن مجید کی اس پہلی سورت کو بھی فاتحہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے، گویا کہ یہ دیباچہ قرآن ہے، قرآنی سورتوں کے نام بھی تو قیفی ہیں اور ایک ایک سورت کے کئی نام بھی ہیں، (وَقَدْ ثَبَتَتْ جَمِيعُ اسْمَاءِ السُّورِ بِالتَّوْقِيفِ مِنَ الْاَحَادِيثِ وَالْاَثَارِ)۔ (اتقان)

سورة الفاتحة کے متعدد نام احادیث میں آئے ہیں، بعض حضرات نے ان کی تعداد بیس تک پہنچائی ہے، ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں۔

① سورة الشفاء، ② سورة الوافية، ③ ام القرآن، ④ سورة الكنز، ⑤ الكافية، ⑥ السبع المثانی۔

سورة فاتحہ کے فضائل و خصوصیات:

سورة فاتحہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے، اور مکمل سورت کی حیثیت سے نزول کے اعتبار سے بھی پہلی سورت ہے، غالباً اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورة فاتحہ رکھا گیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورت ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن ہے اور پورا قرآن اس کی شرح؛ یہ سورت اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک دعاء ہے، ایک طالب حق کو چاہئے کہ حق کی تلاش و جستجو کرتے وقت یہ دعاء بھی کرے کہ اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہو، دراصل یہ ایک دعاء ہے، جو ہر اس شخص کو سکھائی گئی ہے جو حق کا متلاشی ہو، اس بات کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورة فاتحہ کے درمیان صرف کتاب اور اس کے مقدمہ کا سا ہی تعلق نہیں؛ بلکہ دعاء اور جواب دعاء کا سا بھی ہے، سورة فاتحہ بندے کی جانب سے ایک دعاء ہے، اور قرآن اس کا جواب ہے۔ خدا کی جناب میں، بندہ دعاء کرتا ہے کہ اے پروردگار! تو میری رہنمائی کر، جواب میں اللہ تعالیٰ پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت اور رہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔

ایک تنبیہ:

اس سورت کی ابتداء، الحمد للہ رب العالمین سے کر کے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ دعاء جب مانگو، تو مہذب طریقہ سے مانگو یہ کوئی تہذیب نہیں، کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا، تہذیب کا تقاضہ یہ ہے کہ

جس سے دعاء کر رہے ہو پہلے اس کی خوبیوں کا، اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو پھر جو کچھ مانگنا ہو شوق سے مانگو۔

بسم اللہ سے متعلق مباحث:

بسم اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے یا صرف سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے، یا کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے بلکہ ایک سورت کو دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لئے ہر سورت کے آغاز میں لکھی جاتی ہے؟ قراء مکہ و کوفہ نے اسے ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جب کہ قراء مدینہ بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا سوائے سورۃ نمل کی آیت ۳۰ کے کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ سورت کا جز ہے، اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء سری آواز سے پڑھنے کو رائج قرار دیتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے مضامین:

سورۃ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جن میں سے پہلی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور آخری تین آیتوں میں انسان کی طرف سے دعاء و درخواست کا مضمون ہے جو اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے خود ہی انسان کو سکھایا ہے اور درمیانی آیت دونوں چیزوں میں مشترک ہے، اس میں کچھ حمد کا پہلو ہے اور کچھ دعاء و درخواست کا۔

اهدنا الصراط المستقیم یہ ایک بڑی اور جامع دعاء ہے جس چیز کی اس میں دعاء کی گئی ہے اس سے کوئی فرد بے نیاز نہیں، اور وہ ہے ”صراط مستقیم“ صراط مستقیم کی ہر کام میں ضرورت ہوتی ہے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، اب رہی یہ بات کہ وہ صراط مستقیم ہے کیا؟ اس کی نشاندہی اگلی آیت میں کی گئی ہے۔

صراط الذین انعمت علیہم یعنی ان لوگوں کا راستہ کہ جن میں افراط و تفریط نہ ہو، اور وہ، وہ لوگ ہیں جن پر تو نے انعام فرمایا، اور ان منعم علیہم کو ایک دوسری آیت ”الذین انعم اللہ علیہم“ (الایۃ) میں بیان کیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ مقبولین بارگاہ کے یہ چار درجات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

اس آیت میں پہلے مثبت اور ایجابی طریق سے صراط مستقیم کو متعین کیا گیا ہے کہ ان چار طبقوں کے لوگ جس راستہ پر چلیں وہ

صراط مستقیم ہے، اس کے بعد آخری آیت میں سلبی طریقہ پر اس کی تعین کی گئی ہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا:

غیر المَغضُوبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّینَ یعنی نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل ہوا، اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے بھٹک گئے، مَغضُوبِ عَلَیْہِمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے احکام کو جاننے پہچاننے کے باوجود شرارت یا نفسانی اغراض کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر یہود کا یہی حال تھا کہ دنیا کے ذلیل مفاد کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے تھے۔ اور ضالین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کے سبب دین کے معاملہ میں غلط راستہ پر پڑ گئے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ کا عام طور پر یہی حال تھا کہ نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ انہیں خدا بنا لیا، اور دوسری طرف یہ ظلم کہ اللہ کے نبیوں کی بات نہ مانی؛ بلکہ انہیں قتل کرنے تک سے گریز نہ کیا۔
(واللہ اعلم بالصواب)

مَدْحِیَّہ

الحمد للہ، کہ تفسیر جلالین کے نصف ثانی کی تشریح و توضیح آج بتاریخ ۱۹ صفر المظفر بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲/اپریل ۲۰۰۳ء اختتام پذیر ہوئی۔

خدا کی دی ہوئی مہلت کو غفلتوں اور گناہوں میں ضائع کرنے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، مگر قدم قدم پر انعامات اور رحمتوں کی بارش اور اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہی ہے، آخر میں دست بدعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیری کاوش کو قبولیت سے نواز کر قبول عام عطا فرمائے، اور اسے اس سیاہ کار کی بخشش اور والدین کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور نصف اول کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بندہ ناچیز

محمد جمال سیفی بن حکیم شیخ سعدی سیفی

استاذ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

یوپی، انڈیا

